پیامِ مشرق

کی اُردو شروح وتراجم کا تحقیقی جائزہ

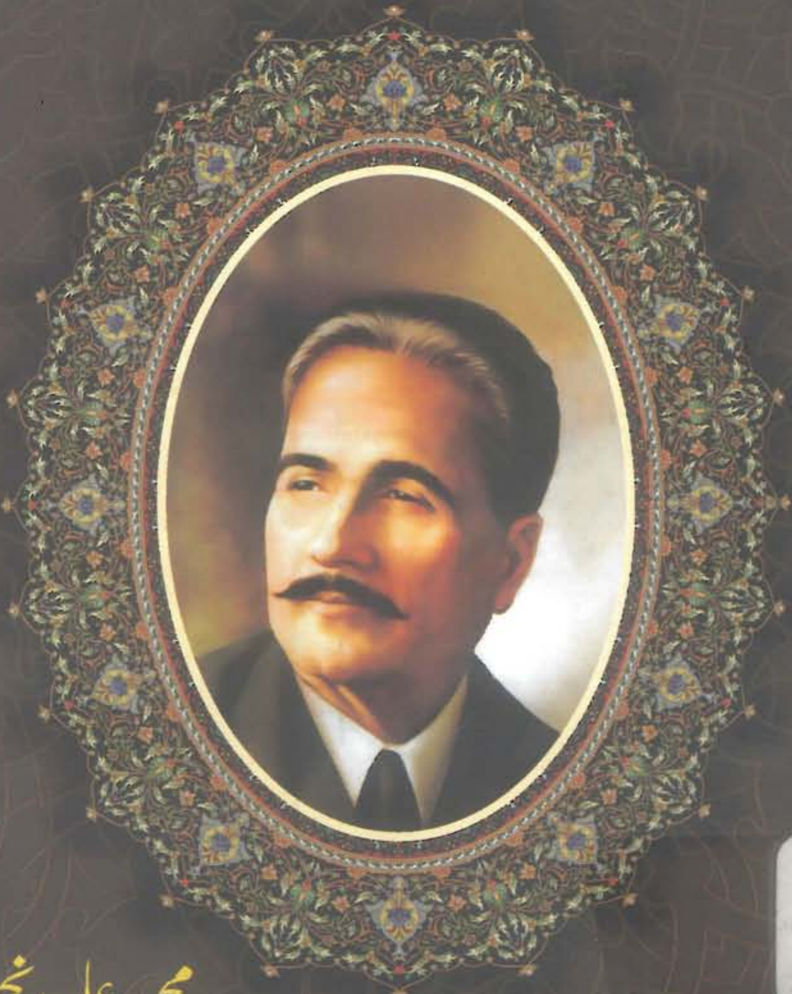

محمود علی انجم

بسم الله الرحمن الرحيم

پیامِ مشرق کی اُردو شرح وتراجم کا تحقیقی جائزہ

محمود علی انجُم

پی ایچ ڈی۔ ریسرچ سکالر/ایم فل اقبالیات (اُردو)

الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب

غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

809.1 Anjum, Mehmood Ali
Payam-e-Mashriq ki Urdu Sharah wa Tarjama ka Tehqiqi Jaizah/ Mehmood Ali Anjum.- Lahore: Al-Faisal Nashran, 2015.
655p.

1. Urdu Adab - Tehqiq-o-Tanqeed I. Title.

ISBN 969-503-965-0

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

جنوری 2015ء
محمد فیصل نے
آر۔آر پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔
قیمت:-/600 روپے

AL-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore. Pakistan
Phone: 042-7230777 & 042-7231387
http: www.alfaisalpublishers.com
e.mail: alfaisalpublisher@yahoo.com

فہرست و تفصیلِ ابواب

حرفِ آغاز 7

باب اوّل: اجمالی تعارف اقبال، تصانیفِ اقبال، پیامِ مشرق نیز شارحین و مترجمین پیامِ مشرق 17

☆ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال (شخصیت، حالات زندگی، فکری و فنی ارتقا اور تصانیف کا اجمالی جائزہ) 19

☆ پیامِ مشرق (اجمالی جائزہ) 32

☆ پیامِ مشرق کے بارے میں اہلِ علم کی آراء 35

☆ اقبال کا اخذ و ترجمہ اور شرح کا اسلوب 36

☆ اجمالی تعارف شارحین پیامِ مشرق 44

☆ اجمالی تعارف منثور اردو مترجمین پیامِ مشرق 48

☆ اجمالی تعارف منظوم مترجمین پیامِ مشرق 55

باب دوم: پیامِ مشرق کی شروح 87

☆ یوسف سلیم چشتی 89

☆ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی 160

☆ پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی 182

☆ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم 202

باب سوم: پیامِ مشرق کے منثور تراجم 249

☆ میاں عبدالرشید 251

☆ احمد جاوید 273

☆ ایم رمضان گوہر 286

☆ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم 293

☆ محمد سعید شیدا 306

☆ خرم علی شفیق، مزملہ شفیق 317

☆ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا 350

باب چہارم: پیام مشرق کے منظوم تراجم 377
☆ فیض احمد فیض 379
☆ حضور احمد سلیم 416
☆ عبدالعلیم صدیقی 447
☆ عبدالرحمٰن طارق 470
☆ انجم رومانی 493
☆ خالد حمید شیدا 497
☆ سرو سہارنپوری 515
☆ ڈاکٹر عصمت جاوید 527
☆ رؤف خیر 535
☆ محمد سرور رجا 538
☆ سید احمد ایثار 544
☆ صابر ابوہری 563
☆ مضطر مجاز 580
☆ ماحصل ونتائج 637
☆ کتابیات 648
☆ جدول اردو شروح وتراجم پیامِ مشرق 652
☆ پیامِ مشرق کی اردو شروح اور منثور و منظوم اردو تراجم کے مختصر کوائف 653

حرفِ آغاز

یہ کتاب بنیادی طور پر ایک تحقیقی مقالہ ہے۔علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد نے اس مقالے پر نوٹیفکیشن نمبر F.1-1/2011 Exams/294/295 بتاریخ 15 ر مارچ 2013ء ایم فل کی ڈگری ایوارڈ کی ہے۔

موضوعاتی اعتبار سے یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مقالہ کا عنوان اچھوتا اور منفرد ہے۔ موضوعِ تحقیق نہایت اہم ہے اور اس پر تحقیق بہت ضروری تھی کیونکہ علامہ محمد اقبالؒ کے فکروفن کی زیادہ جھلک ان کے فارسی کلام میں نمایاں ہے۔ان کی اردو شاعری کی قدر ومنزلت سے انکار نہیں مگر بلحاظ فکروفن فارسی کلام کا مرتبہ کہیں بلند ہے۔جیسا کہ علامہ اقبال نے خود فرمایا ہے ؎

گرچہ ہندی در عذوبت شکّر است

طرزِ گفتارِ دری شیریں تر است (1)

'پیام مشرق' علامہ محمد اقبالؒ کے فارسی کلام کی نمائندہ تصنیف اور 'جاوید نامہ' کے بعد ان کی مشکل ترین کتاب ہے۔آپ نے اپنی جملہ تصانیف میں سے صرف دو تصانیف یعنی ''اسرار خودی'' اور ''پیام مشرق'' پر خود دیباچہ رقم کیا۔اس سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ کے نزدیک یہ کتاب اس لائق ہے کہ خود ناظرین وقارئین کو اس سے متعارف کرانا ضروری خیال کرتے تھے۔

پیامِ مشرق 1923ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آئی۔یہ کتاب متنوع مضامین پر مشتمل ہے جنہیں فکرِ اقبال کی ترویج وتبلیغ میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔اس کتاب میں اقبال نے جرمنی کے معروف شاعر گوئٹے کے مغربی دیوان کے جواب میں مشرق کے افکار پیش کئے ہیں۔(2)

انہوں نے اس کتاب میں ان حقائق اور معارف کو انتہائی جامع انداز میں رقم کیا ہے جن کا تعلق افراد اور اقوام کی داخلی اور باطنی تربیت سے ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اقبال دوست مترجمین اور شارحین نے اس کا ترجمہ اور تشریح کی ہے۔

ترجمہ اور تشریح کے بغیر اصل متن کی تفہیم ہر کس وناکس کے لئے ممکن نہیں۔جیسا کہ ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ لکھتے ہیں:

> ''یہ ضروری نہیں کہ ہر قاری کسی تخلیق کار کے فن پارے کے ادبی حسن تک رسائی بھی رکھتا ہو۔خاص طور پر وہ قاری جو سطحی نظر رکھتے ہیں وہ کسی شاعر کے کلام کے صرف لفظی اور سطحی پہلوؤں پر غور کرتے ہیں۔'' (3)

ترجمہ اور شرح کی اہمیت وضرورت کا جواز پیش کرتے ہوئے ''عبدالرحمٰن طارق'' لکھتے ہیں:

> ''علامہ اقبال کی تصنیفات میں اکثر اشعار ایسے ہیں جن میں کسی نہ کسی

آیتِ قرآنی، ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا تاریخی واقعہ کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے اور جب تک ایسے اشعار کا مکمل اور تسلی بخش حل نہ ہو، شعر کا مطلب و مدعا کسی صورت میں سمجھا نہیں جاسکتا۔ ہمارے ملک میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کی نگاہ اقبال جیسے عالم متبحر اور حکیم اشراقی کے خیالات وارشادات تک رسائی نہیں رکھتی۔'' (4)

اپنے کلام کے متن، مفہوم کی وضاحت کا آغاز حضرت علامہ نے خود ہی کیا تھا۔ انہوں نے اپنے خطوط میں اپنے کلام کے بعض حصوں کی وضاحت کی ہے۔ ترجمہ وشرح کی اہمیت اور ضرورت کے ثبوت میں اس سے واضح مثال کیا ہوگی کہ نظم 'خضر راہ' سمجھنے میں ان کے فارسی دان دوست اور ہم عصر شاعر گرامی کو دشواری پیش آئی اور وہ حضرت علامہ کے حقیقی افکار تک رسائی نہ پاسکے تو حضرت علامہ نے حضرت خضرؑ کے مقام ومرتبہ اور حقیقت پسندی کے بارے میں سورہ کہف کے حوالے سے وضاحت کی اور اس نظم میں ''تخیل کی رنگینی کے فقدان'' کی کمی کا جواز پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''۔۔۔خضر، کے کلام میں اگر تخیل کی رنگینی ہو تو وہ فرض راہنمائی کے ادا کرنے سے قاصر رہے گا۔ پس اس کے کلام میں پختگی اور حکمت کی تلاش کرنی چاہیے نہ کہ تخیل اور خاص کر اس حالت میں جب کہ اس سے ایسے معاملات پر رہنمائی طلب کی جائے جن کا تعلق سیاسیات اور اقتصادیات سے ہو۔۔۔'' (5)

مولانا حالیؒ جیسے عربی اور فارسی کے جید عالم اور قادر الکلام شاعر شرحوں کے مطالعہ سے اہم شعراء کے کلام کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ اس سے نو آموزوں کے لئے ترجمہ وشرح کی اہمیت وضرورت عین واضح ہو جاتی ہے اور اس سے کسی کا انکار نہیں ہوسکتا'' (6)

کلام اقبال اور تصانیف اقبال کے ترجمہ اور شرح کی اہمیت وضرورت کے پیش نظر ضروری تھا کہ اب تک کئے گئے کام کے معیار وافادیت کو تحقیقی انداز سے پرکھا جائے اور ان شروح وتراجم کی خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کے بعد عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق درست ترجمہ وشرح کی نشاندہی کی جائے اور بصورت دیگر بہتر ترجمہ وشرح کی تخلیق کے لئے آراء مرتب کی جائیں اور فکرِ اقبال کی درست ترویج وتفہیم کے لئے اقبال دوست حضرات کو دعوت فکر وعمل دی جائے۔

کلامِ اقبال اور تصانیفِ اقبال کی شروح اور تراجم کے تحقیقی وتنقیدی جائزہ لینے کے سلسلہ میں درج ذیل اہم مقالہ جات پایہ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں:

1- پیام مشرق کے اردو وانگریزی تراجم کا تنقیدی جائزہ، اے کیو، نوید کیانی، 1994ء

2- علامہ اقبال کے فارسی کلام کے پشتو تراجم کا تنقیدی جائزہ، آدم خان مروت، 1994ء

3- بالِ جبریل کی شرحوں کا توضیحی وتنقیدی مطالعہ، افشاں منیر بھٹی، 1995ء

4- اسرار ورموز کی شرحوں کا تحقیقی مطالعہ، علی محمد ضیاء، 1996ء

5- اسرارِ خودی کے انگریزی تراجم کا تحقیقی مطالعہ، شوکت حسین، 2000ء

مندرجہ بالا مقالہ جات کی زمانی ترتیب سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً سترہ سال کے عرصہ میں کلامِ اقبال یا تصانیفِ اقبال کے ترجمہ و تشریح پر کوئی تحقیقی و تنقیدی کام نہیں ہوا۔ زیرِ نظر تحقیق اس کمی کو پورا کرنے کی ایک سعی ہے۔

''پیام مشرق'' کی اہمیت، ضرورت اور افادیت کے پیش نظر ضروری تھا کہ اس کی اب تک اردو زبان میں لکھی جانے والی شروح اور تراجم کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لے کر آئندہ کے لئے درست راہ عمل متعین کی جائے۔

''پیام مشرق'' کی فکری اہمیت اور عملی ضرورت کے پیش نظر اور اس پر ہونے والا ناکافی کام کی وجہ سے اس پر مزید کام کرنے کی گنجائش موجود تھی۔

پیام مشرق پر اور خصوصاً اس کی شروح و تراجم پر تبصرہ و تحقیق سے متعلقہ کوئی خاص قابلِ ذکر کام نظر نہیں آیا۔ تلاش بسیار کے بعد پتہ چلا کہ اب تک بالواسطہ یا بلاواسطہ صرف درج ذیل تحقیقی کام ہوئے ہیں:

- ☆ کلام اقبال کے منظوم تراجم، نوشین صباحت، 1982ء (سطح ایم اے)
- ☆ کلام اقبال کے تراجم کا توضیحی اشاریہ، شازیہ ظہیر خواجہ، 1992ء (سطح ایم اے)
- ☆ ''پیام مشرق'' کے اردو و انگریزی تراجم کا تنقیدی جائزہ، اے کیو نوید کیانی، 1994ء (سطح ایم فل)
- ☆ شروحِ کلام اقبال...... تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، اختر النساء، 2002ء (سطح پی ایچ ڈی)

(1) پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج میں ''کلام اقبال کے منظوم تراجم'' کے عنوان پر ایم اے کی سطح کا ایک مقالہ لکھا گیا تھا۔ مقالہ نگار نوشین صباحت ہیں جبکہ نگران پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا ہیں۔ یہ مقالہ 1982ء میں لکھا گیا تھا۔ اس مقالہ میں پیام مشرق کے تین منظوم تراجم (روح مشرق، از عبدالرحمن طارق، 'انتخاب پیام مشرق از فیض احمد فیض اور انتخاب پیام مشرق از حضور احمد سلیم) پر تبصرہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ تبصرہ صرف چودہ صفحات (صفحہ نمبر 84 تا صفحہ نمبر 97) پر مشتمل ہے۔ پیامِ مشرق کے حصہ لالہ طور سے صرف پانچ رباعیات مع اصل متن اور ان کے منظوم تراجم دیئے گئے ہیں۔ حصہ ''افکار'' میں سے صرف ایک نظم 'پہلا پھول' کے حوالے سے عبدالرحمن طارق، فیض احمد فیض اور حضور احمد سلیم کے تراجم دیئے ہیں۔ کوئی موازنہ یا تبصرہ نہیں کیا گیا، نہ اصل متن ہی دیا گیا ہے۔ یہ تبصرہ صرف دو صفحات پر مشتمل ہے۔ اب تک پیامِ مشرق کے تیرہ (13) منظوم تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ مذکورہ بالا مقالہ میں 1982ء سے قبل کے صرف تین منظوم تراجم پر مختصر سا تبصرہ پیش کیا گیا ہے جو کہ غیر تسلی بخش، ناکافی اور ناموزوں نظر آتا ہے۔

(2) مقالہ 'کلام اقبال کے تراجم کا توضیحی اشاریہ' 1992ء میں شازیہ ظہیر خواجہ نے زیرِ نگرانی ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی تحریر کیا ہے۔ اس مقالہ میں پیامِ مشرق کے درج ذیل تراجم کا چند ایک صفحات میں صرف مختصر سا تعارف کرایا گیا ہے۔ تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش نہیں کیا گیا۔

-1 روحِ مشرق از عبدالرحمٰن طارق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ، ص 12)

-2 انتخابِ پیامِ مشرق از فیض احمد فیض (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ، ص 13)

-3 انتخاب پیامِ مشرق از حضور احمد سلیم (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ، ص 15)

-4 رومیِ عصر از محمد سعید شیدا (دیگر فارسی کلام کے علاوہ منتخب کلام پیامِ مشرق کا منثور ترجمہ، ص 43)

-5 جامِ مشرق از شبیر علی سرخوش (پیامِ مشرق کا ملخص ترجمہ، ص 70)

☆ پیامِ مشرق کی چار رباعیات اور ایک نظم کا نثری ترجمہ از محمد سہیل عمر، احمد جاوید، ص 72

☆ پیامِ مشرق کی نظم 'تنہائی' کا ترجمہ از ڈاکٹر وحید قریشی، ص 73

☆ پیامِ مشرق کی ایک غزل کا ترجمہ از نعیم صدیقی، ص 74

یہ مقالہ ایک توضیحی اشاریہ ہے، نہ کہ تحقیقی و تنقیدی جائزہ۔ اس مقالے میں صرف دو اہم منظوم/تراجم اور درد منثور تراجم کا تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ مقالہ 1992ء میں لکھا گیا ہے۔ عصرِ حاضر تک پیامِ مشرق کے قریباً دس (10) منثور تراجم اور تیرہ (13) منظوم تراجم ہو چکے ہیں۔ اس لحاظ سے کلامِ اقبال کے تراجم کے توضیحی اشاریہ پر بھی مزید کام کی ضرورت ہے۔

(3) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، شعبہ اقبالیات کے متعلم، میرے فاضل پیش رو، اے کیو نوید کیانی نے 'پیامِ مشرق' کے اردو تراجم پر کام کیا ہے مگر درج ذیل وجوہ کی بناء پر یہ کام عصرِ حاضر کے تقاضے پورے نہیں کرتا۔

(ا) یہ مقالہ 1994ء میں لکھا گیا اور اب تک سترہ سالہ کے طویل عرصہ میں مزید تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں جن کا تحقیقی جائزہ لیا جانا ضروری ہے۔ اس مقالہ میں پیامِ مشرق کے درج ذیل اہلِ علم حضرات کے منثور اور منظوم تراجم کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ نہیں لیا گیا:

پیامِ مشرق کے منثور تراجم

(1) صوفی غلام مصطفیٰ تبسم (2) ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی (3) پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی (4) ایم رمضان گوہر (5) ڈاکٹر الف دال نسیم (6) محمد سعید شیدا (7) خرم علی شفیق، مزملہ شفیق (8) پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

پیامِ مشرق کے منظوم تراجم

(1) عبدالعلیم صدیقی (2) انجم رومانی (3) خالد حمید شیدا (4) سرو سہارنپوری (5) ڈاکٹر عصمت جاوید (6) رؤف خیر (7) محمد سرور رجا (8) سید احمد ایثار (9) صابر ابوہری (10) مضطر مجاز

(ب) اس مقالہ میں میاں عبدالرشید اور احمد جاوید کے پیامِ مشرق کے منثور تراجم اور فیض احمد فیض، حضور احمد سلیم اور عبدالرحمٰن طارق کے پیامِ مشرق کے منظوم تراجم کا جائزہ لیا گیا

ہے۔ یہ صرف پانچ تراجم ہیں۔ جبکہ اب تک کی تحقیق کے مطابق پیامِ مشرق کے منثور اور منظوم تراجم کی کل تعداد کم وبیش تیئس (23) ہے۔

(ج) مقالہ نگار نے 'پیام مشرق' کے اردو تراجم میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے ''ترجمہ و شرح پیام مشرق'' کو شامل کیا ہے (7) جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ پروفیسر چشتی نے شرح پیام مشرق لکھی ہے نہ کہ ترجمہ۔ اس حقیقت کا اعتراف مقالہ نگار نے خود بھی اپنے مقالہ کے صفحہ نمبر 10 پر کیا ہے، لکھتے ہیں:

''۔۔زیرِ تحقیق یوسف سلیم چشتی کی ''پیام مشرق'' کی شرح کا پہلا ایڈیشن 1952 میں شائع ہوا۔۔'' (8)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اپنی شرح میں پیام مشرق کا اصل متن اور لفظی و بامحاورہ ترجمہ نہیں دیا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو پیام مشرق کی کوئی بھی شرح پروفیسر نوید کیانی کے مقالہ کے موضوع کے مطابق ان کے دائرہ تحقیق میں شامل نہیں تھی۔ انہوں نے صرف اردو اور انگریزی تراجم پر کام کرنا تھا۔ حیرت انگیز بات ہے کہ مقالہ نگار نے اپنے مقالہ میں اس شرح سے قریباً 45 صفحات پر مشتمل مواد دیا ہے جس کا موضوعِ تحقیق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(4) شروح کلام اقبال...... تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، پی ایچ ڈی کی سطح کا مقالہ ہے جو کہ محترمہ اختر النساء نے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے زیرِ نگرانی تحریر کیا تھا۔ یہ مقالہ اگست 2002ء کو مکمل ہوا۔ اس مقالہ کے باب ہفتم (صفحات 346 تا 375) میں پیام مشرق کی شرح کے عنوان سے صرف یوسف سلیم چشتی کی شرح پیام مشرق کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کی تالیف صد شعر اقبال (فارسی) (مطبوعہ 1995ء) میں شامل پیامِ مشرق کے منتخب اشعار کی شرح اس میں شامل نہیں کی گئی۔ اس طرح ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور پروفیسر حمید اللہ ہاشمی کی شروح پر کام ابھی باقی ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کا تقاضا تھا کہ پیام مشرق کی شروح اور تراجم کا اب تک ہو چکے کام کے تناظر میں ازسرِ نو تحقیقی جائزہ لیا جائے تا کہ احساسِ تشنگی ختم ہو اور تحقیقی نتائج بہتر انداز میں مہیا ہو سکیں۔

اقبال کے فکر و فن پر ہونے والے کاموں میں سے ایک نہایت اہم کام ان کے کلام و تصانیف اور ان کی شروح و تراجم کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ہے۔ یہ کام جس قدر اہم ہے اسی قدر نظر انداز ہوتا رہا ہے۔ اب تک کلام و تصانیف اقبال کی شروح میں سے صرف 'بال جبریل' اور 'اسرار و رموز' کی شرحوں کا تحقیقی مطالعہ کیا گیا ہے۔ جبکہ تراجم میں سے پیام مشرق کے اردو و انگریزی تراجم، فارسی کلام کے پشتو تراجم اور اسرار خودی کے انگریزی تراجم کا تحقیقی مطالعہ کیا گیا ہے۔ پیام مشرق کے تراجم کا 1994ء تک لیا گیا جائزہ ناکافی ہے اور نفسِ مضمون کی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر تحقیق کے تقاضے پورے نہیں کرتا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس موضوع پر ازسرِ نو تحقیق کی جائے تا کہ پیامِ مشرق کی شروح اور تراجم کے حوالے سے فکرِ اقبال کے مخفی گوشے منظرِ عام پر لائے جا سکیں۔

مقاصدِ تحقیق:

☆ پیام مشرق کی شرحوں کا تحقیقی جائزہ لینا۔

☆ پیام مشرق کے منثور اور منظوم تراجم کا تحقیقی جائزہ لینا۔

☆ پیام مشرق کی شرحوں اور تراجم کے تحقیقی تقابلی جائزہ کے بعد ان کی خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کرنا۔

☆ پیام مشرق کی اچھی اور معیاری شرح اور ترجمہ کی تخلیق کے لئے تجاویز پیش کرنا۔

☆ شرح اور ترجمہ کے کاموں کے سلسلہ میں نئی جہتوں اور تقاضوں کی نشاندہی کرنا۔

مقالہ کا عنوان منظور ہوتے ہی راقم الحروف نے 'مقاصدِ تحقیق' مدّ نظر رکھتے ہوئے، اپنے شفیق نگران، استادِ محترم پروفیسر ڈاکٹر افضال احمد انور کی رہنمائی میں کام کا آغاز کر دیا۔

پیام مشرق کی تمام اردو شروح (4 عدد)، منثور تراجم (10 عدد) اور منظوم تراجم (13 عدد) کی جمع آوری کا کام جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ اس سلسلے میں کافی تگ و دو کرنا پڑی۔ اپنے محترم اور شفیق نگران پروفیسر ڈاکٹر افضال احمد انور کی رہنمائی اور ہدایات کے مطابق اسلام آباد، لاہور، کراچی اور فیصل آباد کے کتب خانوں کو کھنگالا۔ جامعات کے اساتذہ کرام، بزم اقبال لاہور اور اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سے بھی معلومات حاصل کی گئیں۔ راقم نے مختلف شہروں میں قیام کیا اور لائبریریوں میں تحقیق کی۔ ان شہروں کے اہم پبلشرز اور بک سیلرز سے بھی رابطہ کیا۔ کتابوں کی فہرستیں جہاں سے بھی ملیں، اکٹھی کیں۔ تحقیق کے تقاضے پورے کرنے کے لیے تمام ضروری کتب خرید لیں، فوٹو کاپی کروا لیں اور ساتھ ہی ضروری نوٹس بھی تیار کرتا رہا۔ بھرپور کوشش کی کہ تحقیق کے تمام تقاضے پورے کرنے کے لیے ضروری مواد مہیا ہو جائے اور مقالہ تحریر کرنے کے دوران میں کسی قسم کے ضروری مواد کی کوئی کمی محسوس نہ ہو۔ اس لیے زیادہ تر کتب خرید لیں۔ جو کتابیں مارکیٹ میں دستیاب نہیں تھیں ان کی عکسی نقول تیار کرا لیں۔ جن لائبریریوں میں سے عکسی نقول کی فراہمی ممکن نہ ہوئی، ان کے شعبۂ مطالعہ میں ہی بیٹھ کر ضروری مواد کا بغور مطالعہ کیا اور ضروری نوٹس لے لیے۔ الحمدللہ اس تگ و دو کے بعد تمام بنیادی و ثانوی ذرائع تک رسائی حاصل ہو گئی۔

تحقیق کے لیے ضروری مواد کی فراہمی کے سلسلہ میں پیامِ مشرق کے اردو شارحین اور مترجمین کے بارے میں ضروری معلومات بھی اکٹھی کی گئیں تاکہ ان کے سوانحی حالات، تصانیف و تراجم کی تفصیل، علمی و ادبی اور ذہنی و فکری سطح اور شرح و ترجمہ کرنے کے بارے میں درکار ضروری صلاحیتوں کو تحقیقی مطالعہ کی اساس اور پس منظر کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔

تحقیق کے دوران میں پیامِ مشرق کے شارحین اور مترجمین سے براہ راست ملاقات کی کوشش کی۔ ٹیلی فون اور انٹرنیٹ پر بھی ان حضرات سے رابطے کیے۔ جو شارحین اور مترجمین وفات پا چکے ہیں ان کے لواحقین سے رابطہ کر کے تحقیق کے تقاضے پورے کئے گئے۔ بعض حضرات سے بذریعہ خط و کتابت بھی رابطہ کیا گیا۔ ان رابطوں کے دوران میں سبھی حضرات نے بھرپور تعاون کیا۔ اس ضمن میں اپنے محترم و مشفق نگرانِ تحقیق پروفیسر ڈاکٹر افضال

احمد انور کے علاوہ راقم الحروف، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر انعام الحق جاوید، (انجم رومانی صاحب کے داماد)، سرور انجم (فرزند انجم رومانی)، ڈاکٹر سعادت سعید (فرزند ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم)، پروفیسر نعمان احمد صدیقی (فرزند عبدالعلیم صدیقی)، حکیم سید محمد محمود (فرزند حکیم سید محمود احمد سرو سہارنپوری)، محمد سہیل عمر (ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی)، محمد اختر (لائبریرین، اقبال اکیڈمی)، پروفیسر حمید اللہ ہاشمی و دیگر تمام احباب کا شکر گزار ہے، جنہوں نے تحقیق کے اس کام میں راقم الحروف کی مدد کی۔

تحقیقی مواد کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

باب اول: اجمالی تعارف اقبال، تصانیفِ اقبال، پیامِ مشرق نیز شارحین و مترجمین پیامِ مشرق

باب دوم: پیامِ مشرق کی شروح

باب سوم: پیامِ مشرق کے منثور تراجم

باب چہارم: پیامِ مشرق کے منظوم تراجم، ماحصل و نتائج، ضمیمہ جات، مصادر و مراجع

تحقیق کے دوران میں ترجمہ اور شرح کے اصول اور تقاضے پیشِ نظر رکھتے ہوئے پیامِ مشرق کی شروح اور تراجم کا جائزہ لیتے وقت درج ذیل طریقہ اختیار کیا گیا ہے:

1- ترجمہ شدہ کتاب کی اشاعت، گیٹ اپ اور ترجمہ میں پائی جانے والی اغلاط کی نشاندہی کی گئی ہے۔

2- مترجم نے اگر اصل متن پیش کیا ہے تو اس کی افادیت اور اہمیت کو بیان کیا گیا ہے اور اگر اصل متن پیش نہیں کیا گیا تو ''ترجمہ'' کی ایک بڑی خامی یا کمی قرار دیا گیا۔

3- حواشی کی موجودگی کو بہتر قرار دیا ہے۔ حواشی، تعلیقات وغیرہ کی کمی کو واضح کیا گیا ہے اور ان کی افادیت اور اہمیت کی نشاندہی کی گئی ہے۔

4- اگر ترجمہ منظوم ہے تو مترجم کی شاعرانہ حیثیت کا تعین کیا گیا ہے۔ اس بات کا تعین کیا گیا ہے کہ ترجمہ کس حد تک کلامِ اقبال میں موجود حضرت علامہ اقبال کے افکار و تصورات کی ترجمانی کرتا ہے اور اس کی افادیت اور اہمیت کا کیا معیار ہے۔

5- مختلف مترجمین اور شارحین کے تراجم و شروح میں تقابل و جائزہ کے بعد ان تراجم اور شروح کی خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے تاکہ ان سے نقائص دور کیے جا سکیں اور آئندہ نئے تراجم اور شروح لکھنے کے لیے یہ ہدایات مشعلِ راہ ثابت ہوں۔

6- ہر ایک مترجم و شارح کے مطالعہ کے وقت مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ پیدائش، تعلیم، ملازمت، دیگر سرگرمیاں، اقبال اور اقبالیات سے لگاؤ، فارسی دانی اور اردو یا انگریزی کی ضروری استعداد، دیگر اہم تصانیف اور تراجم کی تفصیل۔ اگر وفات ہو چکی ہے تو اس کی تفصیل اور حیات ہیں تو موجودہ مصروفیات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

7- ترجمہ شدہ کتاب میں پائی جانے والی متنی اغلاط کی نشاندہی کی گئی ہے اور ساتھ ہی درست الفاظ دے دیے گئے ہیں۔

8- ترجمہ و شرح میں 'لغت' کے معیار کا بھی تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ ایسے تراجم و شروح جن میں مشکل الفاظ اور ان کے معانی نہیں دیے گئے، ان کی اس کمزوری کی نشاندہی کی گئی ہے۔

9- ترجمہ اور شرح میں اگر حواشی درج کیے ہیں تو ان کے حسن و قبح کا بھی پورا پورا احتساب کیا گیا ہے۔ اگر حواشی درج نہیں کیے گئے تو ان مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں ان حواشی کی اشد ضرورت تھی۔

10- ترجمہ و شرح کے دوران لفظی اور معنوی انحراف یا اغلاط کی شعر کے حوالے سے نشاندہی کی گئی ہے۔ اگر اصل متن موجود ہے تو اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر اصل متن موجود نہیں تو اظہارِ تاسف کیا گیا ہے۔

11- شرح کے مباحث اور توضیحات کے معیار کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اگر لائقِ تحسین ہے تو اس کے حسن و خوبی کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اگر اس میں کوئی کمی یا کوتاہی رہ گئی تو اسے نظر انداز نہیں کیا گیا۔

12- منثور و منظوم ترجمہ یا شرح کے معیار کے تعین کے لیے مستند حوالہ جات اور مدلل تجزیہ و تبصرہ کے بعد محاکمہ قائم کیا گیا ہے۔

13- اگر منظوم ترجمہ ہے، تو مترجم شاعر کی شاعرانہ صلاحیت کا بھی جائزہ لیا گیا ہے اور آخر میں اقبالیات میں اس ترجمے کی افادیت اور مقام کا تعین بھی کیا گیا ہے۔

14- تمام تراجم اور شروح کے جائزہ کے دوران ان کا باہمی تقابل و جائزہ بھی ساتھ ساتھ ہی پیش کیا ہے اور ہر ایک ترجمہ اور شرح کے آخر پر حاصل کلام اور حتمی نتیجہ بھی تحریر کر دیا ہے۔ اسی طرح تمام شروح، منثور تراجم اور منظوم تراجم کے بعد آخر پر حاصل کلام اور حتمی نتیجہ تحریر کر کے بہتر شرح اور ترجمہ کے لیے تجاویز سپردِ قلم کر دی ہیں تاکہ تحقیق کی روشنی میں نئی شروح اور تراجم تخلیق کیے جا سکیں۔

اس طرح اس مقالے کی غرض و غایت کی تکمیل ہو گئی ہے۔ اس ''مقالہ'' کی روشنی میں موجود تراجم کے نقائص دور کیے جا سکتے ہیں اور ان کی اصلاح احوال ہو سکتی ہے۔ نیا ترجمہ کرنے والوں کے لیے یہ مقالہ مشعلِ راہ ثابت ہو سکتا ہے۔

اس مقالہ کی کامیاب تکمیل کے سلسلہ میں میرے شکریہ کے حق دار میرے استادِ محترم، صدر شعبہ اقبالیات، ڈاکٹر پروفیسر شاہد اقبال کامران ہیں جن کی شفقت و رہنمائی کی بدولت میں اس ادھیڑ عمری میں بھی سلسلۂ تعلیم جاری رکھ سکا اور اپنا یہ کام مکمل کر پایا۔ ڈاکٹر محمد اکرم اور شعبہ اقبالیات کے اسٹاف نے بھی بھرپور تعاون سے حوصلہ افزائی کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

میرے نگران ڈاکٹر پروفیسر افضال احمد انور نے تحقیق کی اس پُر خار وادی میں ہر قدم پر میری بھرپور رہنمائی اور مدد فرمائی۔ آپ نے مجھے اپنے ذاتی وسیع کتب خانے سے استفادہ کرنے کا موقع عنایت فرمایا۔ آپ نے راقم الحروف میں تحقیقی و تنقیدی شعور پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا اور شبانہ روز محنت سے اس مقالہ کو زیادہ بہتر اور قابلِ قبول بنایا۔ آپ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے تو وہاں بھی میرے مقالہ کی تکمیل اور کامیابی کے لیے دعا گو رہے اور اس دوران میں جب بھی فون پر رابطہ ہوا تو آپ نے مجھے بروقت مقالہ مکمل کرنے کی تاکید فرمائی اور نہایت اچھے الفاظ اور اچھے انداز سے مدد، رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دارین کی خوشیاں نصیب فرمائے۔ (آمین)۔

اس ضمن میں اپنے محترم استاد ڈاکٹر پروفیسر شاہد اقبال کامران کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس قدر باریک بین، عالم فاضل اور اتنے اعلیٰ درجہ کے محقق و نقاد کی سرپرستی میں مقالہ تحریر کرنے کا موقع عنایت فرمایا۔

پیشِ نظر مقالے کی تیاری کے دوران میں راقم الحروف نے وقتاً فوقتاً ایسے حضرات سے بھی کسبِ فیض کیا ہے جن کی اقبال کے فکر و فلسفہ پر گہری نظر اور اقبالیات کے موضوع سے خصوصی دلچسپی ہے۔ ان میں میرے محترم اور قابلِ قدر اساتذہ جناب مظفر کشمیری، ڈاکٹر نذر خلیق، ڈاکٹر گوہر نوشاہی، ڈاکٹر انوار احمد، ڈاکٹر قمر، ڈاکٹر نجیبہ، خصوصاً شکریہ کے حق دار ہیں۔ جناب مظفر کشمیری صاحب فارسی زبان و ادب پر عبور رکھتے ہیں۔ اسلام آباد میں رہائش پذیر ہیں۔ جب بھی مجھے ان کی ضرورت پڑی انہوں نے میری مدد فرمائی۔ وہ مجھے اسلام آباد سے کتابیں خرید کر، فوٹو کاپی کروا کر بھیجتے رہے۔ اگر فارسی زبان و ادب کے سلسلہ میں کسی الجھن کا شکار ہوتا تو بھرپور انداز سے رہنمائی فرماتے اور اس ضمن میں کافی تحقیق و مطالعہ کے بعد مزید معلومات بھی فراہم کرتے رہے۔ قحط الرجال کے اس دور میں ایسے مہربان اساتذہ کسی خاص نعمت سے کم نہیں۔

مقالہ کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کے سلسلہ میں جناب محمد آصف مغل صاحب اور محمد رؤف احمد کا خصوصی طور پر شکر گزار ہوں۔

میں اپنے والدین کا ان کی اُن بے شمار قربانیوں اور نوازشوں کے لیے بے حد شکر گزار ہوں جن کی بدولت میں بفضل باری تعالیٰ علم و حکمت کی راہ پر گامزن ہوا اور اس خیر کثیر سے فیضاب ہُوا۔

میری بیوی (فوزیہ نسرین انجم)، بیٹوں (حامد علی انجم اور احمد علی انجم) اور بیٹی (عروج فاطمہ) نے دورانِ تحقیق میں میرے آرام و سکون کا خصوصی خیال رکھا اور میرے حصے کی ذمہ داریاں سرانجام دے کر مجھے فرصت کے لمحات حاصل کرنے میں مدد دی۔ یوں مَیں یہ کام مکمل کر پایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں شاد باد رکھے اور جزائے خیر سے سرفراز کرے (آمین!)

میں یہ تحقیقی مقالہ بغیر کسی دعویٰ کے بڑے انکسار کے ساتھ اہلِ علم و تحقیق کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور ان سے دعائے خیر کے لیے درخواست کرتا ہوں۔

30/اگست 2012ء

محمود علی انجم

باب اول:

اجمالی تعارف اقبال، تصانیفِ اقبال، پیامِ مشرق

نیز شارحین و مترجمین پیامِ مشرق

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ

(شخصیت، حالاتِ زندگی، فکری وفنی ارتقا اور تصانیف کا اجمالی جائزہ)

اقبال اصلاً کشمیری برہمن تھے۔ وہ 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ کے ایک نہایت اعلیٰ مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ علامہ اقبالؒ اس لحاظ سے نہایت خوش قسمت تھے کہ ذاتِ باری تعالیٰ نے انہیں نہایت نیک والدین عطا فرمائے۔ ان کے والد ایک نہایت نیک اور قومی درد رکھنے والے مسلمان تھے۔ خلیفہ عبدالحکیم کے مطابق

> ''وہ (نور محمد) درحقیقت اسم مسمّٰی تھے، نور محمدی ان کے چہرے پر متجلّی تھا۔ ایک محمدی کیفیت ان میں یہ بھی تھی کہ وہ نبی امی کی طرح نوشت وخواند کے معاملے میں امی تھے، وہ خدارسیدہ صوفی تھے۔ پاکیزہ اسلامی تصوف کا ذوق اقبال کو باپ سے ورثے میں ملا۔''(9)

علامہ اقبالؒ کو بھی اس حقیقت کا ادراک تھا۔ ایک روز علامہ اقبالؒ نے خلیفہ عبدالحکیم کو اپنے والد کے بارے میں فرمایا'

> ''والد مرحوم کو غیر معمولی روحانی مشاہدات بھی ہوتے تھے۔ والدہ مرحومہ کا بیان ہے کہ اندھیری رات تھی، کمرے میں چراغ بھی روشن نہیں تھا، آنکھ کھلی تو دیکھا کہ کمرہ تمام روشن ہے حالانکہ نہ باہر چاندنی تھی اور نہ چراغ تھا۔''(10)

اقبالؒ کی والدہ ماجدہ بھی نہایت نیک خاتون تھیں۔ انہوں نے نہایت اچھے طریقے سے ان کی تربیت کی تھی۔ علامہ اقبالؒ نہایت سوز وگداز سے اپنے والدین کا ذکر کیا کرتے تھے اور اپنے جوہرِ کمال کو ان کا مرہونِ منت قرار دیتے تھے۔ وہ آخری عمر میں فرمایا کرتے تھے:

> ''میں نے اپنا نظریہ حیات فلسفیانہ جستجو سے حاصل نہیں کیا، زندگی کے بارے میں ایک مخصوص زاویہ نگاہ ورثے میں مل گیا تھا۔ بعد میں، میں نے عقل واستدلال کو اسی کے ثبوت میں صرف کیا ہے۔''(11)

علامہ اقبالؒ کے والد ملک وقوم کی حالت زار سے پریشان رہتے تھے۔ وہ قومی درد رکھتے تھے۔ اس لیے وہ علامہ اقبالؒ کو اسلام کی خدمت کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ بقول خلیفہ عبدالحکیم اقبالؒ فرمایا کرتے تھے،

> ''میرے والد نے مجھ سے یہ خواہش کی تھی اور مجھے نصیحت کی تھی کہ اپنے کمال کو اسلام کی خدمت میں صرف کرنا۔''(12)

علامہ اقبال کی تعلیم وتربیت میں قرآن مجید کی تعلیم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت، قوم کی خدمت کے جذبات کی نمو کا خصوصی خیال رکھا گیا تھا۔

مذہبی تعلیم کے لیے اور قرآن فہمی کے لیے عربی کی تعلیم ضروری تھی۔ ادبی تعلیم کے لیے فارسی کی تعلیم لازم تھی۔ اردو کی تعلیم کے بغیر دیگر تعلیمی تقاضے اور تعلیمی عمل مکمل نہیں ہوسکتے تھے۔ اس لیے ان تینوں زبانوں کی تعلیم پر

خصوصی توجہ دی گئی۔ ان کے والد شیخ نور محمد نے انہیں تعلیم کے لیے سیالکوٹ کے مشہور عالم مولانا غلام حسن کے پاس بھیجنا شروع کر دیا۔

علامہ اقبالؒ کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار تحریر کرتے ہیں:

''اقبال کی ابتدائی تعلیم قرآن مجید کے مطالعے سے شروع ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ چند عربی اور فارسی کی کتب، مکتب (مسجد سے ملحق مدرسے) میں پڑھیں۔'' (13)

تعمیرِ فکرِ اقبال میں سید میر حسن کا کردار:۔

مولانا غلام حسن کے مدرسہ میں علامہ اقبالؒ پر مولوی سیّد میر حسنؒ کی نظر پڑی۔ انہوں نے اقبال کی خداداد ذہانت کا مشاہدہ کیا تو ازخود اپنی شاگردی میں لے لیا۔ شاہ صاحب نے اس دور کے معمول کے مطابق اقبال کو گلستان، بوستان، سکندر نامہ، انوارِ سہیلی اور تصانیفِ ظہوری کا درس دینا شروع کیا۔ انہوں نے ان کتابوں کے ذریعے فارسی زبان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ادبی تعلیم بھی دی اور اقبال میں فارسی زبان وادب کا ذوق پیدا کر دیا جو آخری عمر تک ان کا طرۂ امتیاز رہا۔ ابتدائی تعلیم کے علاوہ ہائی سکول اور انٹرمیڈیٹ کالج کی تعلیم کے دوران بھی اقبال مولوی میر حسن سے بہت فیضیاب ہوئے۔ (14)

سید میر حسن اردو، فارسی اور عربی کے جید عالم تھے اور اسلامیات پر کامل عبور رکھنے کے باوجود خشک مُلّا نہ تھے، سرسید علیہ الرحمۃ کے مداحوں میں سے تھے، راسخ الاعتقاد ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی وسعت مشرب سے غیر مسلم طلبا بلکہ مشنری پادری اساتذہ بھی متاثر تھے۔ (15)

سید میر حسن کا تبحر علمی اور ان کے اخلاق کچھ اس انداز کے تھے کہ اقبال آخر عمر تک اس کے معترف رہے۔ انہوں نے علامہ اقبالؒ کی شخصیت سازی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس ضمن میں خلیفہ عبدالحکیم کہتے ہیں:

1- معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اقبال نے اردو اور فارسی اساتذہ کا کلام کثرت سے مطالعہ کیا اور مولانا میر حسن شعر کا صحیح ذوق پیدا کرنے میں اس نوخیز شاعر کے معاون ہوئے۔ (16)

2- انہوں نے اپنے نوجوان شاگرد میں اسلامی ثقافت سے پُرخلوص وابستگی اور مسلم ادبیات کا والہانہ شوق پیدا کیا۔ (17)

3- اقبال کو سرسید کی تعلیمات اور اصلاحی تحریک سے روشناس کیا اور ان میں حُب ملی کا جذبہ پیدا کیا۔

اقبال کے فکری ارتقاء کا سلسلہ جاری رہا۔ ایف اے کے بعد وہ لاہور گورنمنٹ کالج میں آ گئے۔ یہاں وہ روایتی غزل گو کی حیثیت سے مشاعروں میں شریک ہونے لگے۔ چند ہی سالوں میں ان کی شاعری نے وطن اور قوم کی محبت کی شاعری کی صورت اختیار کر لی۔ (18)

اقبال نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانِ اقدس کے تحت جہاں کہیں سے بھی کوئی اچھی بات ملی لے لی۔ انہوں نے داغ، حالی، غالب، اکبر، ناسخ، سب ہی سے کچھ نہ کچھ سیکھا۔

عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم کے ساتھ ساتھ انہوں نے انگریزی زبان میں بھی مہارت حاصل کی اور مغربی ادب کا مطالعہ بھی شروع کر دیا۔

علامہ اقبالؒ اپنی قوم وملت کی حالتِ زار سے بے خبر نہیں تھے۔ وہ اکثر اس کے بارے میں غور وفکر کرتے

رہتے تھے۔

1- انہوں نے انیسویں صدی کے اواخر میں اسلام کو مختلف خطرات سے دوچار اور مسلمانوں کو توہمات میں گرفتار پایا۔

2- مسلمانوں کی ملی زبوں حالی اس مقام تک ہوئی دیکھی کہ کوئی مرکز دکھائی نہ تھا جس پر عام مسلمان جمع ہو سکتے۔

3- مغربی تعلیم اور تہذیب کے فروغ کی وجہ سے قدیم مشرقی تہذیب کی اقدار کو مردہ دیکھا۔

4- مسلمانوں کو اپنی گزشتہ عظمت کا مدح خواہ ضرور پایا لیکن اس کی پستی کے زمانے میں اس عظمت کے حصول کے رموز سے بے خبر دیکھا۔(19)

عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،ملتِ اسلامیہ کی مذکورہ بالا حالتِ زار اور حُبِ ملی کے جذبات اقبالؒ کو ہروقت بے تاب رکھتے تھے۔ جب ان باطنی کیفیات کے زیرِ اثر شعرگوئی کرتے تو آنکھوں سے آنسورواں ہوجاتے تھے۔

اقبال کی شخصیت سازی اور تعمیرِ فکر کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ وہ سیالکوٹ سے ثانوی سطح کی تعلیم مکمل کر کے لاہور آ گئے اور گریجوایشن کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ یہاں سے انہوں نے 1897ء میں بی اے کا امتحان سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔ عربی میں وہ اول آئے۔ بی اے کے بعد انہوں نے ایم اے فلسفہ کی کلاس میں داخلہ لیا۔ 11/فروری 1898ء کو پروفیسر تھامس آرنلڈ گورنمنٹ کالج لاہور میں بطور پروفیسر تشریف لائے۔ اقبال ان کی شخصیت اور افکار سے بہت متاثر ہوئے۔ مارچ 1899ء میں اقبال نے ایم اے فلسفہ کا امتحان دیا اور اس میں کامیابی پر یونیورسٹی میں اول قرار دیے گئے۔

شعرگوئی کا سلسلہ:۔

کالج میں تعلیم کے دوران اقبالؒ نے شعرگوئی کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس عرصہ میں انہوں نے کچھ نظمیں اور غزلیں لکھیں۔ 1896ء میں انہوں نے انجمن کشمیری مسلمانان کے ایک جلسے میں اپنی نظم ''فلاحِ قوم'' پڑھی۔(20)

اندرون بھاٹی گیٹ کے ایک مشاعرے میں اقبال نے ایک غزل پڑھی جس کے اس شعر پر اس دور کے شاعر مرزا ارشد گورگانی نے پُرزور داد دی۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

اس دور میں کسی ایک مشاعرہ میں اقبال کے بارے میں سر عبدالقادر بیان کرتے ہیں،

''ایک شب اس بزم میں ایک نوجوان طالب علم اپنے چند ہم عصروں کے ساتھ شریک ہوا۔ اس نے ایک سادہ سی غزل پڑھی، جس کا مقطع تھا:

شعر کہنا نہیں اقبال کو آتا ، لیکن
آپ کہتے ہیں سخنور ، تو سخنور ہی سہی

اس ''سخنور ہی سہی'' کی بے ساختگی اور پڑھنے کے بے ساختہ انداز سے سخن فہم سمجھ گئے

کہ اردو شاعری کے افق پر ایک نیا ستارہ نمودار ہوا ہے۔اسی غزل میں ایک اور شعر تھا، جس کی سامعین نے بہت داد دی اور تقاضا کیا کہ اقبال صاحب اگلے مشاعرے میں بھی ضرور شامل ہوں۔وہ شعر یہ تھا۔

خوب سوجھی ہے ، تہِ دام پھڑک جاؤں گا
میں چمن میں نہ رہوں گا تو میرے پر ہی سہی" (21)

مغربی طرز پر شاعری کرنے کے شوق کا اظہار:۔

اقبال کے ایک کالج فیلو میر غلام بھیک نیرنگ، جو خود بھی شاعر تھے، ان ایام کی ادبی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ہماری ان سہ سالہ صحبتوں میں اقبال اپنی ایک سکیم بار بار پیش کیا کرتے تھے۔ملٹن کی مشہور نظم Paradise Lost اور Paradise Regained کا ذکر کر کے کہا کرتے تھے کہ واقعات کربلا کو ایسے رنگ میں نظم کروں گا کہ ملٹن کی Paradise Regained کا جواب ہو جائے۔مگر اس تجویز کی تکمیل کبھی نہیں ہو سکی۔میں اتنا اور کہہ دوں کہ اردو شاعری کی اصلاح و ترقی کا اور اس میں مغربی شاعری کا رنگ پیدا کرنے کا ذکر بار بار آیا کرتا تھا۔"(22)

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ اقبالؒ سب سے الگ انداز سے سوچتے تھے۔وہ تبدیلی اور اصلاح کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔جہاں کہیں انہیں کوئی اچھی بات ملتی اپنا لیتے تھے۔ہر فرد کی اچھی خصوصیات سے متصف ہونے کی کوشش کرتے تھے مگر اندھا دھند تقلید کے قائل نہ تھے۔ہر وقت بہتر سے بہتر کی تلاش میں مصروف بہ عمل رہتے تھے۔وہ انقلابی طرز فکر رکھتے تھے۔

بحیثیت میکلوڈ عربک ریڈر تصنیفی، تخلیقی اور تحقیقی سرگرمیاں (1903ء.....1899ء):۔

ایم اے فلسفہ کا امتحان پاس کرنے کے فوراً بعد اقبال 13/ مئی 1899ء کو پنجاب یونیورسٹی میں بحیثیت میکلوڈ عربک ریڈر مقرر ہوئے۔یہاں انہوں نے مئی 1903ء تک فرائضِ منصبی ادا کئے۔

1- اورینٹل کالج میں تدریسی فرائض سرانجام دیے۔
2- بعض موضوعات پر کتب تالیف کیں یا ترجمہ کیا۔
3- عربی مطبوعات کا اہتمام کیا۔

بحیثیت میکلوڈ عربک ریڈر ان کے تالیف و ترجمہ کی کارکردگی یہ رہی:

1- نظریہ توحید مطلق، پیش کردہ شیخ عبدالکریم الجیلی (انگریزی)
2- Stubbs کی کتاب Early Plantagents کا اردو ترجمہ مع حواشی۔
3- واکر کی تصنیف 'Political Economy' کا مع حواشی اردو ترجمہ۔
4- Ladd کی تصنیف Premier of Psychology کے اردو ترجمہ پر نظرِ ثانی۔
5- علم الاقتصاد (Political Economy) پر 1903ء میں ایک اردو کتاب تالیف کی جو 1904 میں شائع ہوئی۔(23)

اردو نثر میں مضامین:۔

اس دوران اقبال نے اردو نثر میں درج ذیل چند مضامین لکھے جو ''مخزن'' میں شائع ہوئے۔

1- بچوں کی تعلیم و تربیت۔ ''مخزن'' جنوری 1902ء

2- اردو زبان۔ ڈاکٹر وائٹ بریخٹ کے انگریزی مضمون کا ترجمہ (ستمبر 1902ء)

3- اردو زبان پنجاب میں (اکتوبر 1902ء) (24)

شعر و شاعری:۔

اس عرصہ میں اقبالؒ نے قومی، وطنی مسائل اور مناظرِ فطرت پر بھی کئی نظمیں لکھیں جن میں سے چند خاص نظمیں درج ذیل ہیں:

1- نالہ یتیم (مسدس) 2- خدا حافظ (نظم) 3- یتیم کا خطاب ہلالِ عید سے (ترکیب بند)

4- اشکِ خون (ترکیب بند) 5- ہمالہ (نظم) 6- مرزا غالب (نظم)

7- ابرِ کوہسار (نظم) 8- آفتاب (نظم) 9- خفتگانِ خاک سے استفسار (نظم)

10- شمع (نظم) 11- ایک آرزو (نظم) 12- خیر مقدم (نظم)

13- دین و دنیا (نظم) 14- فریادِ امت (ترکیب بند نظم) (25)

بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور تدریسی، تصنیفی، تخلیقی اور تحقیقی سرگرمیاں

(1903ء.....1905ء)

3/ جون 1903 کو اقبال گورنمنٹ کالج لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر فلسفہ مقرر ہوئے۔ 26/ فروری 1904ء کو جب پروفیسر طامس آرنلڈ گورنمنٹ کالج چھوڑ کر انگلستان روانہ ہوئے تو اقبال نے اپنے شفیق استاد کی جدائی کے موقع پر ''نالۂ فراق'' لکھ کر اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ یہ نظم ''مخزن'' میں مئی 1904ء کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی۔ اس نظم میں اقبال نے حصولِ تعلیم کے لیے انگلستان جانے کی خواہش کا بھرپور اظہار کیا۔

توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو!

قومی زندگی:۔

مخزن، اکتوبر 1904ء میں اقبال کا ایک نثری مضمون ''قومی زندگی'' شائع ہوا۔ اس مضمون میں اجتہاد کے بارے میں اقبال کے ابتدائی خیال کے نقوش ملتے ہیں۔ (26)

نظموں کے تراجم اور دیگر اہم نظمیں:۔

اس دورانیہ میں اقبال نے ایمرسن، لانگ فیلو، ٹینی سن اور ولیم کوپر کی بعض نظموں کے تراجم بھی کیے۔ اس طرح انگریزی ادب میں بھی طبع آزمائی کی اور فن شاعری کو نئی نہج دی۔ اس دور میں اقبال نے کئی نظمیں لکھیں جو مشہور ہوئیں۔ اہم نظمیں درج ذیل ہیں۔

1- تصویرِ درد 2- زہد اور رندی 3- طفلِ شیر خوار 4- رخصت اے بزمِ جہاں

5- بلالؓ 6- ہمارا دیس 7- ہندوستانی بچوں کا گیت 8- نیا شوالہ

9- ترانۂ ہندی 10- داغ دہلوی 11- ایک پرندہ اور جگنو 12- بچہ اور شمع

13- التجائے مسافر 14- کنارراوی (27).

موضوعاتِ کلام:۔

اس دور میں لکھی گئی نظموں اور غزلیات کے موضوعات درج ذیل تھے:

1- مناظر قدرت

2- حسن، عشق اور موت کے تصورات

3- حب الوطنی اور ہندی قومیت کا احساس

4- ہندو مسلم یکجہتی کا تصور

5- ملک کے معاشرتی مسائل

یہ موضوعات اقبالؒ کے فکر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ 1905ء تک اقبال کا کلام سو سے زائد صفحات میں ''بانگ درا'' میں ملتا ہے۔ بقول خلیفہ عبدالحکیم

> ''ان نظموں میں بھی وہ اقبال ملتا ہے جو دل کی بصیرت اور وجدان کو حسی ادراک اور استدلالی عقل پر مرجح سمجھتا ہے۔ جابجا خودی بھی اُبھرتی ہوئی نظر آتی ہے، طبیعت میں وہ اضطراب اور تپش بھی موجود ہے جو بڑھتے بڑھتے بعد میں کوہ آتش فشاں بن جائے گی، ذوق انقلاب وارتقا بھی ناپید نہیں، وطن کی محبت شدت سے موجود ہے لیکن وہ عالمگیر انسانی ہمدردی اور ہمہ گیر اخوت کے راستے میں حارج نہیں، تصوف کے روایتی مضامین کے ساتھ ساتھ اپنا مخصوص حیات پرور عرفان بھی جابجا جھلکتا ہے، اقبال جو کچھ بعد میں بنا اس کی داغ بیل ان نظموں میں بھی موجود ہے۔'' (28)

1905ء میں اقبالؒ کی عمر قریباً تیس سال تھی یہ پختگی کی عمر ہے۔ اس عمر کے بعد بہت کم تبدیلی کے امکانات ہوتے ہیں۔ اس عرصہ تک کی شاعری کو اقبال نے خود اپنی سخن گوئی کا دور اول قرار دیا۔ (29)

سفرِ یورپ کے دوران اقبالؒ کی تدریسی، تصنیفی، تخلیقی اور تحقیقی سرگرمیاں (1908ء.....1905ء)

اقبال ستمبر 1905ء سے جولائی 1908ء تک تین سال یورپ میں رہے۔ انہوں نے کیمبرج، ہائیڈل برگ اور میونخ کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے مراحل طے کیے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مغرب کی تہذیب و معاشرت کا بغور مطالعہ کرتے رہے جس کا ان کے ذہنی وفکری رجحانات پر گہرا اثر ہوا۔ ان تاثرات کا اظہار انہوں نے چند نظموں اور غزلوں میں کیا۔ یہ نظمیں اور غزلیات بانگ درا حصہ دوم میں موجود ہیں۔ اس دور کی زیادہ مشہور نظمیں ''طلبہ علی گڑھ کے کالج کے نام''، ''عبدالقادر کے نام''، ''صقلیہ (جزیرہ سلی)'' ہیں۔ مارچ 1907ء کی تخلیق کردہ ''زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا'' بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ (30)

اقبالؒ نے قیام یورپ کے دوران اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد فلسفے میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری اور قانون میں بار ایٹ لاء کی سند ہی حاصل نہیں کی بلکہ انہوں نے اپنے ذہن وفکر میں انقلابی تبدیلیوں کے عمل کے ساتھ ساتھ عزائم کا ایک منشور بھی پیش نظر رکھا جس کا والہانہ اظہار ''عبدالقادر کے نام'' منظوم خط میں ہوا۔ (31)

اہم مقالہ جات:۔

☆ یورپ میں قیام کے دوران جرمن زبان کے امتحان کے لیے اقبال نے ''تاریخِ عالم'' پر مقالہ لکھا۔

☆ میونخ یونیورسٹی میں انہوں نے اپنا مقالہ 'Development of Metaphysics in Persia' پیش کیا۔اس سلسلہ میں زبانی امتحان میں کامیابی کے بعد انہیں نومبر 1907ء میں پی ایچ ڈی کی سند ملی۔

☆ جرمنی سے لندن واپس آ کر بار ایٹ لاء مکمل کیا۔اسی دوران چند ماہ پروفیسر طامس آرنلڈ کی رخصت کے زمانے میں یونیورسٹی کالج لندن میں ''معلمِ عربی'' کے فرائض بھی انجام دیے۔

☆ قیامِ یورپ کے دوران مارچ 1907ء میں اقبالؒ نے وجدانی کیفیت میں الہامی پیش گوئیوں پر مشتمل ایک غزل لکھی۔ان کی یہ پیش گوئیاں حرف بحرف پوری ہوگئیں۔(32)

لندن میں تدریس اور لیکچرز:۔

لندن میں اپنے قیام کے آخری ایام میں اقبال نے لندن یونیورسٹی میں تدریس عربی کے علاوہ ثقافت اور تاریخ پر لیکچروں کا ایک سلسلہ بھی شروع کیا۔بیان کرتے ہیں،

> ''انگلستان میں مَیں نے اسلامی تہذیب وتمدن پر لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔ایک لیکچر ہو چکا ہے۔دوسرا ''اسلامی تصوف'' پر فروری کے تیسرے ہفتہ میں ہوگا۔باقی لیکچروں کے معانی یہ ہوں گے ''مسلمانوں کا اثر تہذیب یورپ پر''، ''اسلامی جمہوریت'' ''اسلام اور عقل انسانی وغیرہ۔''(33)

انہی ایام میں اقبال کا ایک آرٹیکل Islam and Khilafat لندن کے سوشیالوجیکل ریویو میں شائع ہوا۔اسی سال لوزاک کمپنی لندن نے ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ Development of Metaphysics in Persia شائع کیا۔یورپ میں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کے بعد اقبال جولائی 1908ء کو وطن واپس آ گئے۔

فلسفۂ عجم:۔

1908ء میں اقبالؒ کی ایک انگریزی نثری تصنیف منظرعام پر آئی۔یہ دراصل ان کا وہ مقالہ تھا جو انہوں نے میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے لکھا تھا۔اس کو عرفِ عام میں 'فلسفۂ عجم' کہتے ہیں لیکن اس کا اصل نام The Development of Metaphysics in Persia ہے۔اسے ''ایران میں مابعدالطبیعات کا ارتقا'' کا نام بھی دیا جاتا ہے۔یہ کتاب پہلی بار 1908ء میں لندن میں شائع ہوئی۔اس کا اردو ترجمہ 'فلسفۂ عجم' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔یہ ترجمہ میر حسن الدین نے 1928ء میں کیا تھا اور یہ 1936ء میں شائع ہوا تھا۔علامہ اقبالؒ 'فلسفۂ عجم' کی تمہید میں اس کتاب کے نفسِ مضمون کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اس کتاب میں دو امور سے بحث کی گئی ہے:
>
> الف: میں نے ایرانی تفکر کے منطقی سراغ لگانے کی کوشش کی ہے اور اس کو میں نے فلسفۂ جدید کی زبان میں پیش کیا ہے۔
>
> ب: تصوف کے موضوع پر میں نے زیادہ سائنٹفک طریقے سے بحث کی ہے اور ان ذہنی حالات وشرائط کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی ہے جو اس قسم کے واقعے کو معرضِ ظہور میں لے آتے ہیں۔لہٰذا اس خیال کے برخلاف جو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے میں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تصوف ان مختلف عقلی واخلاقی قوتوں کے باہمی عمل واثر کا لازمی نتیجہ ہے

جو ایک خوابیدہ روح کو بیدار کر کے زندگی کے اعلیٰ ترین نصب العین کی
طرف راہنمائی کرتی ہیں۔"

وطنیت کی بجائے عالمگیر قومیت کی پیغام رسانی:۔

اقبالؒ نے یورپ میں مغرب کی ترقی اور مشرق کے تنزل کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ انہوں نے اسلامی ممالک کی سیر بھی کی تھی اور ان کے مسائل سے آگاہ تھے۔ وہ مسلمانوں کی بے حسی، بے بسی اور محکومی کو بچشمِ خود دیکھ چکے تھے۔ 1910ء میں جنگِ طرابلس نے ان کے دل میں مسلمانوں کی مظلومیت کو اور گہرا کر دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ یورپی اقوام وطنیت اور قومیت کی آڑ میں مسلمانوں کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ جنگ بلقان اور جنگ طرابلس نے اقبالؒ کے خدشات کو صحیح ثابت کر دیا۔ اقبالؒ کو یورپ کے نظریۂ وطنیت اور نظریۂ قومیت کی خامیوں کا پتہ چل چکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے 'ہندی ترانہ' کی بجائے 'اسلامی ترانہ' لکھا اور وطنیت کی محدود فضاؤں سے نکل کر عالمگیر قومیت کی پیغام رسانی کی۔ اپنی نظم 'وطنیت' میں وہ کہتے ہیں ۔

اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے (34)

'ترانۂ ملی' میں وہ 'ترانۂ ہندی' کی طرح یہ نہیں کہتے کہ 'سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا'..... بلکہ ان کی لے یہ ہے:

چین و عرب ہمارا ، ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا (35)

اقبالؒ نے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے، انہیں ان کے ماضی کی روشن تصویریں دکھائیں تا کہ ان میں حرکت پیدا ہو۔ 'شکوہ' (اپریل 1911ء) اور 'جوابِ شکوہ' (1913) اس قسم کے خیالات سے معمور ہیں۔

'شکوہ' میں مختلف پیرائے اور انداز سے ہمارے اسلاف کی تین بنیادی صفات 1- قوتِ ایمانی 2- اعمال صالحہ 3- علمی برتری کا ذکر کیا گیا ہے جن کی بدولت انہیں ہر شعبۂ زندگی میں اقوامِ عالم پر فضیلت اور برتری حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں نہایت اعلیٰ مراتب اور مقامات نصیب ہوئے۔

'جواب شکوہ' میں مسلمانوں کی درج ذیل کمزوریوں کا ذکر ہے جن کی بدولت ملت اسلامیہ زوال کا شکار ہوئی۔

-1 مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق کمزور ہو گیا۔
-2 مسلمان بے عملی اور دیگر اخلاقِ رذیلہ کا شکار ہو گئے۔
-3 مسلمان جمود کا شکار ہو گئے۔ علم و عرفان سے دلچسپی لینا چھوڑ دی۔
-4 مسلمان قومی اتحاد اور یکجہتی کے فقدان کا شکار ہو گئے۔

'جواب شکوہ' کے آخر پر اقبالؒ مسلمانوں کو مندرجہ بالا خامیاں دور کر کے پھر سے عظمت رفتہ کے حصول کا طریقہ یوں بتاتے ہیں ۔

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں (36)

اقبالؒ نے 1914ء میں مثنوی اسرارِ خودی اور نومبر 1917ء کو مثنوی رموزِ بے خودی لکھی۔ اسرار خودی 1915ء کو اور رموز بے خودی 1918ء کو شائع ہوئیں۔ 1923ء کو دونوں کتابیں اسرار و رموز کے نام سے شائع ہوئیں۔

مثنوی اسرارِ خودی (1915ء)

'مثنوی اسرارِ خودی' میں اقبال نے نہایت جامع اور مدلل انداز سے اپنا فلسفۂ خودی پیش کیا۔ 'خودی' سے مراد اپنے آپ کو پہچاننا اور اپنی صلاحیتوں اور قوتوں سے آگاہ ہونا ہے۔ اقبالؒ کی یہ مثنوی بہت مقبول ہوئی۔ 1920ء میں مشہور مستشرق آر۔اے۔ نکلسن (وفات 1944ء) نے اس کا انگریزی ترجمہ کر کے اہلِ یورپ کو فلسفۂ خودی سے روشناس کرایا۔

مثنوی رموزِ بے خودی (1918ء)

'مثنوی اسرارِ خودی' میں اقبالؒ نے فرد کی تربیت کے لیے انفرادی خودی کا تصور پیش کیا تھا۔ مثنوی رموزِ بے خودی میں انہوں نے اجتماعی خودی یا قومی خودی کا تصور پیش کیا۔ 'بے خودی' سے مراد اپنی 'خودی' کو قوم وملت کی خدمت کے لیے وقف کرنا ہے۔ جب انسان صاحبِ خودی ہو جائے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ صاحبِ بے خودی ہو جائے یعنی اپنی صلاحیتیں اصلاحِ عامہ کے لیے اور ملک وقوم کی خدمت کے لیے وقف کر دے۔ اسلام کے اساسی موضوعات پر مباحث کے اعتبار سے 'مثنوی رموزِ بے خودی' نے اقبال کی کتابوں میں بے حد نمایاں اور امتیازی مقام حاصل کیا۔

پیامِ مشرق 1923ء میں شائع ہوئی۔ یہ جرمنی کے مشہور شاعر گوئٹے کے 'مغربی دیوان' کے جواب میں لکھی گئی تھی۔

بانگِ درا (1924ء)

'اسرارِ خودی'، 'رموزِ بے خودی' اور پیامِ مشرق (تینوں فارسی مجموعوں) کے بعد اقبالؒ کا اردو میں پہلا مجموعہ 'بانگِ درا' 1924ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب تین حصوں میں منقسم ہے۔

پہلا حصہ۔ پہلا حصہ آغاز سے لے کر 1905ء تک کے کلام پر مشتمل ہے۔

دوسرا حصہ: حصہ دوم میں 1908ء تک کا کلام ہے۔

تیسرا حصہ: حصہ سوم میں 1908ء کے بعد کا کلام درج ہے۔

اقبالؒ کی کئی مشہور نظمیں مثلاً شکوہ، جوابِ شکوہ، شمع وشاعر، طلوعِ اسلام اور خضرِ راہ، اس مجموعے میں شامل ہیں۔

عملی سیاست کا خارزار:۔

1926ء میں دوسری مرتبہ پنجاب قانون ساز کونسل کے انتخابات میں اقبالؒ نے عملی طور پر حصہ لیا اور 6/ دسمبر 1926ء کو انہیں تین ہزار ووٹوں کی اکثریت سے کامیاب قرار دیا گیا۔ اقبالؒ 1927ء سے 1930ء تک پنجاب قانون ساز کونسل کے رکن رہے۔ اس سال وہ پنجاب صوبائی مسلم لیگ کے سیکرٹری بھی بن گئے۔ یوں انہیں برصغیر کے مسلمانوں کی قومی سیاست میں بھرپور حصہ لینے کا موقع مل گیا اور یہی ان کی سیاسی زندگی کا اہم ترین پہلو تھا۔ اقبالؒ نے عملی سیاست میں قدم رکھنے کی وجہ یوں بیان کی:

> ''اب قوم کی مصیبتیں مجبور کر رہی ہیں کہ اپنا حلقۂ عمل قدرے وسیع کر دوں۔ شاید میرا ناچیز وجود اس طرح اس ملت کے لیے زیادہ مفید ہو سکے جس کی خدمت میں میری زندگی کے تمام لیل ونہار گزرے ہیں۔'' (37)

زبورِ عجم (1927ء)

اقبال کا چوتھا فارسی مجموعہ کلام 'زبورِ عجم' 1927ء میں شائع ہوا۔ یہ مجموعہ کلام دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں 56 اور دوسرے میں 75 غزلیں یا غزل نما قطعات ہیں۔ پہلے حصے میں شاعر خدا سے مخاطب ہے اور دوسرے میں بنی نوع انسان سے۔ دونوں حصوں میں پڑھنے والوں سے خطاب ہے جسے 'سرنامہ' کہیں گے۔

'زبورِ عجم' کے ضمیمہ میں دو مثنویاں، 'مثنوی گلشن رازِ جدید' اور 'مثنوی بندگی نامہ' شامل ہیں 'مثنوی گلشن رازِ جدید' ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے صوفی شاعر شیخ محمود شبستری تبریزی کی مثنوی 'گلشنِ راز' کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اقبالؒ نے اس مثنوی میں اپنے فلسفۂ خودی کی روشنی میں تفکر، علم، خدا، کائنات، انسان، مردِ کامل اور عارف کے تصورات واضح کیے ہیں۔ مثنوی 'بندگی نامہ' میں اقبالؒ نے غلامی کی مذمت کی ہے۔

تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ:۔

یہ کتاب علامہ اقبالؒ کے سات فلسفیانہ خطبات کا مجموعہ ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن 1930ء میں شائع ہوا تھا اور اس میں 6 خطبات شامل تھے۔ ساتواں خطبہ بعد کی اشاعت میں شامل کیا گیا تھا۔ اصل خطبات انگریزی میں ہیں اور ان کا نام Reconstruction of Religious Thought in Islam ہے۔ ان خطبات کے عنوانات درج ذیل ہیں:

1- علم اور مذہبی مشاہدات
2- مذہبی مشاہدات کا فلسفیانہ معیار
3- ذاتِ الٰہیہ کا تصور اور حقیقت دعا
4- خودی، جبر وقدر، حیات بعد الموت
5- اسلامی ثقافت کی روح
6- الاجتہاد فی الاسلام
7- کیا مذہب کا امکان ہے؟

ان خطبات میں اقبالؒ نے جدید اسلامی علم کلام کی بنیاد رکھی ہے۔ انہوں نے اہم مذہبی امور پر اسلام اور

جدید فلسفہ کی رو سے تفصیلی بحث کر کے عہد حاضر کے مفکرین کے لیے اسلام کو ایک قوت کی حیثیت سے پیش کیا۔ علامہ اقبالؒ کے افکار کو سمجھنے کے لیے ان کا مطالعہ ناگزیر ہے۔(38)

خطبہ الہ آباد... مُسلم ریاست کا تصور:۔

1930ء کو الہ آباد کے مقام پر اپنے خطبہ میں اقبالؒ نے برصغیر میں الگ مسلم ریاست کا تصور پیش کیا۔ اس مطالبے نے آگے چل کر تحریکِ پاکستان کی شکل اختیار کی۔

خطبہ الہ آباد کے درج ذیل الفاظ تاریخی لحاظ سے بہت اہم ثابت ہوئے اور قیامِ پاکستان کا سبب بنے:

> ''..... میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے خواہ اس کے باہر، مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اورنہیں تو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو آخر ایک منظم ریاست قائم کرنی پڑے گی.....''(39)

1931ء میں برطانوی حکومت کی دعوت پر لندن میں گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے اور واپسی پر بیت المقدس میں اسلامی کانفرنس میں شرکت کی۔ 1932ء میں مسلمانوں کے ایک نمائندہ کی حیثیت سے دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے اور واپسی پر سپین کا دورہ کیا اور مسجد قرطبہ میں نوافل ادا کئے۔

جاوید نامہ (1932ء)

جاوید نامہ کا زیادہ تر حصہ ڈرامے اور کالموں کی صورت میں ہے۔ اس کتاب میں اقبالؒ نے اپنا نام زندہ رُود (بہتی ہوئی ندی) رکھا ہے۔ اٹلی کے شاعر ڈینٹے (وفات 1321ء) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعہ معراج سے متاثر ہو کر ڈیوائن کامیڈی (طربیہ الٰہی) لکھی تھی۔ اقبال نے اسی کی طرز پر 'جاوید نامہ' لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے افلاک کی سیر، مختلف حکماء، فلاسفہ اور دانشوران کی باہمی ملاقات، ان سے اپنی ملاقات اور خدا تعالیٰ کے حضور اپنی حاضری کا نہایت دلچسپ انداز سے ذکر کیا ہے۔

1933ء میں نادر شاہ کی دعوت پر علامہ اقبالؒ نے افغانستان کا دورہ کیا۔ افغانستان سے واپسی پر 1934ء میں آپ اکثر بیمار رہنے لگے۔ آپ کی بیماری میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ آپ کو گلے کی تکلیف تھی جو کہ روز بروز بڑھتی ہی گئی۔

بالِ جبریل (1935ء)

'بالِ جبریل' 1935ء میں شائع ہوئی۔ یہ اقبال کا دوسرا اردو مجموعہ کلام ہے۔ اس میں ستر غزلیں، تقریباً پچاس چھوٹی بڑی نظمیں اور بیالیس کے قریب قطعات و رباعیات شامل ہیں۔ اقبال نے اپنے جن خاص خیالات کا اظہار 'اسرارِ خودی'، 'رموزِ بےخودی' اور 'جاوید نامہ' وغیرہ میں کیا ہے انہیں ایجاز و اختصار اور رمزو کنایہ کے ذریعے 'بالِ جبریل' کے غزلیہ اشعار میں پیش کیا۔ بالِ جبریل کی چھوٹی نظمیں ان کے فکر و خیال کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی کرتی ہیں مگر بڑی نظمیں ان کے فکر و فن کا شاہکار نمونہ ہیں۔ ان میں سے مسجد قرطبہ، ذوق وشوق اور ساقی نامہ خصوصی طور پر نظم کی تاریخ کا سنہری باب ہیں۔

پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق مع مثنوی مسافر(1936ء)

'مثنوی مسافر' اقبالؒ کے سفرِ افغانستان کی سرگزشت ہے۔ اقبالؔ اکتوبر اور نومبر 1933ء کے قریباً دو ہفتے افغانستان میں رہے تھے۔ اس مثنوی میں انہوں نے افغان قوم، امتِ مسلمہ، بابر، حکیم سنائی، سلطان محمود غزنوی کے حوالہ سے اپنی قلبی کیفیات بیان کی ہیں اور امت مسلمہ کو عظمتِ رفتہ حاصل کرنے کے لیے عمل پیہم اور جہد مسلسل کی تلقین کی ہے۔

'مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق' 1936ء میں شائع ہوئی اور مثنوی 'مسافر' کو بھی اس کے ساتھ ضمیمہ کے طور پر شائع کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ دونوں مثنویاں ایک ساتھ شائع ہوتی رہی ہیں۔ 'مثنوی پس چہ باید کرد' قریباً سوا پانچ سو اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ مضامین کے لحاظ سے اقبال کی اہم ترین کتابوں میں شامل ہوتی ہے۔

ضربِ کلیم(1936ء)

ضربِ کلیم 1936ء کے وسط میں شائع ہوئی۔ ضربِ کلیم میں اقبال نے تہذیب حاضر کی انسانیت دشمن آزادی کو موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب کو دورِ حاضر کے خلاف اعلانِ جنگ قرار دیا ہے۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں 'اسلام اور مسلمان' کے زیرِ عنوان متفرق نظمیں ہیں۔ اس کے بعد تعلیم و تربیت، عورت، ادبیات (فنونِ لطیفہ) اور سیاسیات مشرق و مغرب کے عنوانات اور پھر ان کے مزید ذیلی عنوانات قائم کر کے نظمیں درج کی گئی ہیں۔ آخری حصے میں ''محراب گل افغان کے افکار'' کے زیرِ عنوان ایک فرضی کردار کے نام سے کچھ نظمیں تحریر کی گئی ہیں۔

علامہ اقبالؒ 21/اپریل 1938ء کو دارِ فانی سے خالقِ حقیقی کے پاس چلے گئے۔ لاہور کی بادشاہی مسجد کے بائیں جانب آپ کی آخری آرام گاہ بنی ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا (40)

ارمغانِ حجاز(1938ء)

'ارمغانِ حجاز' علامہ اقبالؒ کی وفات کے چند ماہ بعد چھپی۔ اس کا زیادہ تر حصہ فارسی میں ہے مگر کچھ حصہ اردو میں ہے۔ اس مجموعہ کلام کی دو بیتیوں میں اقبالؒ نے اللہ تعالیٰ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ملتِ اسلامیہ، عالمِ انسانی اور اپنے دوستوں سے خطاب کیا ہے اور حقائق و معارف کے دریا بہا دیئے ہیں۔

تصانیفِ اقبال

اردو:	1-	بانگِ درا	1924ء
	2-	بالِ جبریل	1935ء
	3-	ضربِ کلیم	1936ء
	4-	ارمغانِ حجاز (اردو حصہ)	1938ء (وفات کے چند ماہ بعد)
فارسی:	1-	اسرارِ خودی	1915ء
	2-	رموزِ بیخودی	1918ء
	3-	پیامِ مشرق (گوئٹے کے دیوان کے جواب میں)	1923ء
	4-	زبورِ عجم	1927ء
	5-	جاوید نامہ (1929ء میں لکھنا شروع کیا تھا)	1932ء،
	6-	پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق مع مثنوی مسافر	1936ء
	7-	ارمغانِ حجاز (حصہ فارسی)	1938ء
اردو نثر:	1-	علم الاقتصاد	1904ء
	2-	ملتِ بیضا پر عمرانی نظر	1910ء
انگریزی نثر:	1-	Development of Metaphysics in Persia فلسفۂ عجم	1908ء
	2-	Reconstruction of Religious Thought in Islam تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ	1930ء (چھ خطبات) 1934ء (سات خطبات)

پیامِ مشرق

(اجمالی جائزہ)

اقبال کے فارسی کلام میں 'زبورِ عجم' اپنی غزلوں کی لہک اور غنائیت کی وجہ سے مقبول ہے۔ اقبال نے اسے اپنا پسندیدہ مجموعہ کہا ہے ؎

اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھ زبورِ عجم
فغانِ نیم شبی بے نوائے راز نہیں (41)

'جاوید نامہ' کو اقبال نے اپنی زندگی کا ماحصل قرار دیا ہے۔ 'جاوید نامہ' دانتے کی 'طربیۂ خداوندی' کے انداز پر ایک ڈرامائی کینوس کی حامل ہے۔

'زبورِ عجم' اور 'جاوید نامہ' کی اہمیت اپنی جگہ پر مُسلّم ہے مگر اس کے باوجود اقبال کے فارسی کلام میں 'پیامِ مشرق' کو منفرد مقام حاصل ہے۔ یہ رباعیات (لالۂ طور)، نظمیات (افکار)، غزلیات (مئے باقی) اور نقشِ فرنگ میں شامل گوناگوں کلام کی بنا پر ایک مکمل شعری مجموعہ ہے۔ جس میں فکرِ اقبال معراج پر نظر آتا ہے۔ 'پیامِ مشرق' کا ہر شعر بحر بہ حباب اندر کی حیثیت رکھتا ہے۔

گوئٹے کا دیوانِ مغرب (West Ostlicher Divan) 1819ء میں شائع ہوا۔ اس کے قریباً سو سال بعد علامہ محمد اقبال نے 'پیامِ مشرق' لکھ کر جواب دیا۔

پیامِ مشرق کے ٹائٹل پر ''وللہ المشرق والمغرب'' اس بات کا اعلان ہے کہ جس طرح مشرق و مغرب کی فرمانروائی خدائے واحد ہی کا حق ہے جو زماں و مکاں کی قید سے ماورا ہے اسی طرح مشرق ہو یا مغرب، کوئی بھی علاقہ ہو یا زمانہ، کسی بھی علاقے یا زمانے کا انسان ہو، اس کی اخلاقی، روحانی، فکری اور عملی نشوونما کے لیے اسلامی نظامِ فکر و عمل جامع عالمگیر ضابطۂ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔

پیامِ مشرق میں اقبالؒ نے دانشورانِ مغرب کے افکار کو اسلام کی کسوٹی پر پرکھ کر کھوٹے کھرے کو الگ کر دیا ہے اور 'لالۂ طور' 'مئے باقی' کے گلدستوں کی شکل میں اہلِ مشرق و اہلِ مغرب کو صوفیانہ اور روحانی تجاربِ سے آگاہ کیا ہے۔ اس طرح 'افکار' اور 'نقشِ فرنگ' کے گنجینۂ ہدایت کے ذریعے سماجی، قومی اور بین الاقوامی مسائل و مصائب کی نشاندہی کی اور ان کا حل تجویز کیا ہے۔ پیامِ مشرق کی مقصدیت کے بارے میں اقبال خود تحریر فرماتے ہیں:

> ''پیامِ مشرق'' کے متعلق جو ''مغربی دیوان'' سے سو سال بعد لکھا گیا ہے مجھے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ناظرین خود اندازہ کر لیں گے کہ اس کا مدعا زیادہ تر ان اخلاقی مذہبی اور ملی حقائق کو پیش نظر لانا ہے جن کا تعلق افراد و اقوام کی باطنی تربیت سے ہے۔ اس سے سو سال پیشتر کی جرمنی اور مشرق کی موجودہ حالت میں کچھ نہ کچھ مماثلت ضرور ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقوامِ عالم کا باطنی اضطراب جس کی اہمیت کا

46788

صحیح اندازہ ہم محض اس لیے نہیں لگا سکتے کہ خود اس اضطراب سے متاثر ہیں ایک بہت بڑے روحانی اور تمدنی انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ یورپ کی جنگِ عظیم ایک قیامت تھی جس نے پرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا ہے اور اب تہذیب و تمدن کی خاکستر سے فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لیے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے، جس کا ایک دھندلا سا خاکہ ہمیں حکیم آئن سٹائن اور برگسان کی تصانیف میں ملتا ہے''۔(42)

اقبال کا انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تبدیلی لانے کا یہ پیغام نہ صرف اہلِ مغرب بلکہ اہلِ مشرق کے لیے بھی تھا۔ وہ عالمگیر اسلامی معاشرہ کا قیام چاہتے تھے۔ انہوں نے نہ صرف انقلاب کی ضرورت پر زور دیا بلکہ انقلاب (تبدیلی) لانے کے طریقہ کی بھی نشاندہی کی۔ وہ لکھتے ہیں:

''مشرق اور بالخصوص اسلامی مشرق نے صدیوں کی مسلسل نیند کے بعد آنکھ کھولی ہے مگر اقوام شرق کو یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسانوں کے ضمیر میں متشکل نہ ہو۔ فطرت کا یہ اٹل قانون جس کو قرآن نے اِنَّ اللّٰہَ لَایُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے۔ زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے اور میں نے اپنے فارسی تصانیف میں اسی صداقت کو مدنظر رکھنے کی کوشش کی ہے۔

اس وقت دنیا میں اور بالخصوص ممالکِ مشرق میں ہر ایسی کوشش جس کا مقصد افراد و اقوام کی نگاہ کو جغرافی حدود سے بالاتر کر کے ان میں ایک صحیح اور قومی انسانی سیرت کی تجدید یا تولید ہو، قابلِ احترام ہے۔ (43)

ڈاکٹر اے ایف جے ریمی کی کتاب 'The Influence of India & Persia on the Poetry of Germany' کے مندرجات (44) کے مطابق گوئٹے دیدانتی فلسفے اور تہذیب کے بارے میں پڑھ چکا تھا۔ قرآن مجید کے جرمن ترجمے بھی اس کے پیشِ نظر تھے۔ وہ کلام اللہ اور سیرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متاثر تھا۔ پاکستان کے مشہور و ممتاز محقق و نقاد اور ماہر اقبالیات ڈاکٹر اکرام چغتائی کی کتاب 'Iqbal and Goethe' (مطبوعہ 2000ء) کے مطابق وہ عربی رسم الخط سے آگاہ تھا اور اس نے اپنی ایک نظم کا آغاز ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' سے کیا تھا۔(45)

گوئٹے نے 'نغمہ محمدؐ' کے نام سے ایک نظم بھی لکھی تھی۔ اسلام سے گوئٹے کی رغبت سے اقبال متاثر ہوئے اور اس کے دیوانِ مغرب کے جواب میں 'پیامِ مشرق' لکھ دی۔

پیامِ مشرق کے حصہ 'پیشکش' میں اقبال نے گوئٹے کے ساتھ اپنا موازنہ کرتے ہوئے اسے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ انہوں نے ایک نظم 'جلال و گوئٹے' میں مولانا رومؒ اور گوئٹے کا تقابل کیا ہے۔ اقبالؒ نے پیامِ مشرق کے دوسرے ایڈیشن میں گوئٹے کے حوالے سے دو نظموں 'حور و شاعر' اور 'جوئے آب' کا اضافہ کیا۔ نظم 'جوئے آب'

گوئٹے کی مشہور نظم 'نغمۂ محمدؐ' کا آزاد ترجمہ ہے۔ نظم 'حور و شاعر' گوئٹے کی اسی نام کی نظم کے جواب میں لکھی گئی تھی۔

پیامِ مشرق کے حصہ 'پیشکش' میں اقبال نے ملّی، مذہبی اور سیاسی ترقی کے اصول اور کامیاب حکمرانی کا طریقہ کار بیان کیا ہے۔ انہوں نے 'پیشکش' کو امیر امان اللہ خان والیٔ افغانستان کے نام سے منسوب کیا تھا کیونکہ انہیں امید تھی کہ وہ افغانستان میں اسلامی حکومت قائم کر کے عالم اسلام کے اتحاد و یکجہتی کے لیے کوشش کریں گے۔ افسوس! امیر موصوف ان ہدایات پر عمل نہ کر پائے اور ناکام رہے۔ پیشکش کے علاوہ پیامِ مشرق پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔

1- لالۂ طور (163 رباعیات):

یہ حصہ ایک صد تریسٹھ (163) رباعیات پر مشتمل ہے۔ ان رباعیات میں اقبال نے عشق، عقل، زندگی، فنا و بقا، حیاتِ جاوید، جہدِ مسلسل، عمل پیہم، تخلیقِ آرزو، خودی، کائنات اور ذاتِ باری تعالیٰ کے اہم ترین موضوعات پر حقائق و معارف بیان کیے ہیں۔

2- افکار (51 نظمیں):

اس حصہ میں اقبال نے خدا، انسان اور کائنات کے بارے میں اپنے افکار بیان کیے ہیں۔ تسخیر فطرت، نوائے وقت، حیات جاوید، محاورہ علم و عشق، کرم کتابی، حکمت و شعر، قطرۂ آب، عشق، بندگی، غلامی اور اس طرح کے دیگر اہم موضوعات پر مبنی نظمیں حیاتِ انسانی، فکرِ انسانی اور عظمتِ انسانی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ یہ نظمیں فکری و فنی لحاظ سے نہایت اعلیٰ اور اپنی مثال آپ ہیں۔

3- مئے باقی (45 غزلیات)

اس حصہ کے بارے اقبال کے قریبی دوست چوہدری محمد حسین لکھتے ہیں:

> ''غزلیں عموماً مشہور اساتذۂ عجم حافظ، سعدی، نظیری، عرفی، غالب وغیرہ کی شہرہ آفاق غزلوں کا جواب ہیں.....'' (46)

ان غزلوں میں بھی اقبالؒ نے فرد اور معاشرہ کی اخلاقی، روحانی اور فکری و عملی اصلاح کی کوشش کی ہے اور حیاتِ انسانی کے مختلف پہلوؤں کو موضوع بنایا ہے۔

4- نقشِ فرنگ (24 نظمیں)

اس حصہ میں اقبالؒ نے حکمائے فرنگ کے افکار کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس حصہ میں اقبال نے شوپن ہار، نیٹشا، آئن سٹائن، ہیگل، پٹوفی، برگساں، وغیرہ کے افکار کی خوبیاں اور خامیاں بیان کی ہیں اور مغرب زدہ افراد اور مغربی افکار سے متاثر مفکرین کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔

5- خُردہ (16 متفرق اشعار اور قطعات)

یہ حصہ چند قطعات اور متفرق اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں حکیمانہ نکات بیان کیے گئے ہیں۔

پیامِ مشرق کے بارے میں اہلِ علم کی آراء

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

''یہ کتاب بلاشبہ جاوید نامہ کے بعد اقبال کی مشکل ترین تصنیف ہے کیونکہ اس میں انہوں نے وہ حقائق اور معارف بیان کئے ہیں جن کا تعلق افراد اور اقوام کی باطنی تربیت سے ہے۔'' (47)

حضور احمد سلیم

''پیامِ مشرق اپنے متنوع اسالیب اور اصنافِ سخن کی گوناگوں دلآویزیوں کے لحاظ سے وہ منفرد کتاب ہے جسے فکرِ اقبال کی ترویج و تبلیغ میں نہ نظرانداز کیا جاسکتا ہے اور نہ اقبال کی دوسری کتابوں میں اسلوب کی خوبی اور رنگارنگی موجود ہے جو اس میں ہے۔''(48)

عبدالرحمٰن طارق

''.....اس کتاب کی ہر چھوٹی سے چھوٹی نظم ایک عظیم الشان روحانی یا اخلاقی پیغام کی حامل ہے.....''(49)

پروفیسر (ڈاکٹر) یوسف کمال

''پیامِ مشرق'' اقبال کے فکری سفر میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ انا میری شیمیل ''پیامِ مشرق'' کو اقبال کے فکری سفر میں ایک اہم سنگِ میل گردانتی ہیں کہ اس زمانے میں (1918ء تا 1923ء) اقبال کی فکر نے مغرب سے ایجابی اثرات قبول کئے۔''(50)

مولانا غلام رسول مہر

''اگر آج اقبال یورپ کے کسی ملک میں ہوتا تو اس کی ایک ایک نظم موتیوں سے تلتی لیکن قدرت نے اسے ایک غلام، محکوم اور اپنی اصل سے دور افتادہ قوم کی حقیقی زندگی کی راہ دکھانے اور اسے بھولا ہوا سبق یاد کرانے کے لیے ہندوستان میں پیدا کیا۔ وہ موتیوں کا طالب نہیں ہے، گوہروں کا آرزومند نہیں ہے، دولت اور عزوجاہ کا خواہاں نہیں ہے۔ صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کی بربطِ وجود سے زندگی کی جو نوا نکلی ہے لوگ اس کو حقیقت سمجھیں اور جو صحیح اور سچا اسلامی راستہ دکھا رہا ہے اس کی پیروی کریں۔''(51)

اقبال کا اخذ وترجمہ اور شرح کا اسلوب

اقبالؒ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ ترجمہ اور تشریح کے بغیر اصل متن کی تفہیم ہر کس و ناکس کے لیے ممکن نہیں۔ انہوں نے خود بھی انگریزی، فارسی، عربی زبان میں لکھے ہوئے مضامین، کلام اور دیگر تحریروں سے استفادہ کیا اور ان کا دیگر زبانوں (انگریزی، اردو، فارسی) میں منثور و منظوم ترجمہ کیا۔ اسی طرح انہوں نے بعض مقامات پر اپنے کلام کی شرح بیان کی ہے۔

اقبالؒ منفرد شخصیت کے حامل تھے۔ وہ اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کے قائل تھے۔ انہوں نے فکر وفن اور فلسفہ میں منفرد مقام پیدا کیا اور اپنی مثال آپ بن گئے۔ اخذ و ترجمہ کے معاملے میں بھی اقبال منفرد مقام رکھتے تھے۔ ڈاکٹر محمد ریاض، اقبال کے اخذ و ترجمے کے اسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''.....اقبال اخذ و اقتباس و ترجمہ کے معاملے میں ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ وہ کسی موضوع کو جذب فرما کر ہی اسے صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کے حامی تھے۔ اخذ و اقتباس کے ضمن میں وہ آزادانہ روش کے حامل تھے مگر ماخوذ و مقتبس و مترجم اور تضمین و تلمیح کے حامل موضوعات ان کے ہاں آکر حیرت انگیز طور پر ترقی یافتہ ہو جاتے ہیں۔''(52)

مندرجہ بالا اقتباس کے حوالے سے واضح ہوتا ہے کہ اقبال اصل ماخذ (نظم و نثر) کے احساسات و جذبات کی گہرائیوں میں ڈوب کر اسے اپنے مخصوص رنگ اور آہنگ میں پیش کر دیتے تھے۔ ان کے تراجم کا بغور مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ زیادہ تر تراجم ادبی اور کہیں کہیں لفظی بھی ہیں۔ ان کے نثری تحریروں کے تراجم خاصے ادبی اور تحت اللفظ ہیں۔

اس طرح پروفیسر حامد کاشمیری اقبال کے منظوم تراجم پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''جہاں تک اقبال کے منظوم ترجموں کا تعلق ہے وہ اصل کے ہو بہو ترجمے نہیں کہلائے جا سکتے عموماً انہوں نے اصل کی روح کو اُردو کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ اس کوشش میں اقبال نے آزادی سے کام لیا ہے۔ اصل تصورات کو اپنے طور پر ادا کر کے ایک اپنی تخلیق بنا دی ہے۔''(53)

اقبال نے ٹینی سن، ایمرسن، لانگ فیلو، ولیم کاوپر اور سموئیل راجرز جیسے شعرا کی نظموں کے تراجم میں اصل کی روح کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں انہوں نے آزادی سے کام لیا اور شاندار تراجم تخلیق کیے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:

> ''کئی نظمیں انگریزی شعرا کے ترجمے ہیں لیکن ترجمے ایسے ہیں کہ ترجمے معلوم نہیں ہوتے۔ کسی زبان کی نظم کا کامیاب اور موثر ترجمہ فقط وہی شاعر کر سکتا ہے، جو پہلے اصلی نظم کی نفسیات میں غوطہ لگا سکے۔ اس کے خم میں اپنا ساغر ڈبوئے اور پھر اس کو اپنے کوثر میں ڈال کر نکالے۔''(54)

اقبال نے انگریزی، فارسی، عربی تخلیقات کے ضمن میں اخذ و ترجمہ کا یہی رنگ اپنایا ہے۔ انہوں نے دیگر شعرا کے خیالات اور احساسات کو نہایت خوبصورت انداز سے پیش کیا ہے اور ترجمے اور تخلیق کی دوئی کو ختم کر دیا ہے۔ ڈاکٹر سہیل احمد خان اس امرِ حقیقی کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ''اقبال نے بعض انگریزی نظمیں اتنی خوبصورت اخذ کی ہیں کہ ان کی اپنی تخلیقات بن گئی ہیں۔'' (55)

برصغیر میں کلام اقبال کا سب سے پہلا ترجمہ خود اقبال نے ہی کیا۔ انہوں نے 1901ء میں اپنی نظم ''اشکِ خون'' کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ یہ نظم انہوں نے ملکہ وکٹوریہ کی وفات پر لکھی تھی۔

اس ضمن میں ڈاکٹر عبدالغنی لکھتے ہیں:

> "The First Translation of Iqbal's poetry was made by Iqbal himself in1901. He translated his poem, ''اشکِ خون'' which is an eiegy written on the death of Queen Victoria as "Tear of Blood". (56)

اقبال نے ڈاکٹر وائٹ برجنٹ کے انگریزی مضمون کا ''زبانِ اردو'' کے عنوان سے اردو میں ترجمہ کیا جو ''مخزن'' ستمبر 1902ء کے شمارے میں شائع ہُوا تھا۔ اس ترجمہ کے بارے میں زیب النساء لکھتی ہیں:

> ''یہ مضمون ڈاکٹر وائٹ برجنٹ صاحب کے انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے، جو علامہ اقبال نے مخزن کی درخواست پر تحریر کیا تھا۔'' (57)

مسعود سعد سلمان (م 515 ہجری) غزنوی دور کے نامور ایرانی شاعر تھے۔ (58) اقبالؒ نے ان کی ایک دوبیتی کا، قطعہ کی شکل میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ بالِ جبریل میں شامل ہے۔ اقبالؒ نے اصل فارسی کلام کے مفہوم کو نہ صرف واضح کیا بلکہ اس کی ترفیع بھی کر دی۔ صوری و معنوی لحاظ سے یہ منظوم ترجمہ اپنی مثال آپ ہے:

فارسی دوبیتی از مسعود سعد سلمان	منظوم اردو ترجمہ از اقبال
باہمت باز باش و باکبر پلنگ	ہے یاد مجھے نکتۂ سلمانِ خوش آہنگ
زیبا بگہ شکار و پیروز بجنگ	دنیا نہیں مردانِ جفاکش کے لیے تنگ
کم کن بر عندلیب و طاؤس درنگ	چیتے کا جگر چاہیے، شاہین کا تجسّس
کانجا ہمہ بانگ آمد و اینجا ہمہ رنگ	جی سکتے ہیں بے روشنیِ دانش و فرہنگ
(59)	کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
	بلبل فقط آواز ہے، طاؤس فقط رنگ (60)

مندرجہ بالا فارسی دوبیتی کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

ہمت والا باز اور برتری والا چیتا بن جا۔ تم شکارگاہ میں خوبصورت اور جنگ میں فاتح (بن جاؤ گے)۔ بلبل اور مور پر فکر کم کرو کہ اس طرف سے آواز ہے اور اُس طرف سے رنگ ہی رنگ ہے۔

اقبال نے فارسی دوبیتی کے نفسِ مضمون کو نئے انداز اور آہنگ سے پیش کیا ہے اور لفظی ترجمہ کرنے کی بجائے نفسِ مضمون واضح انداز سے پیش کیا ہے۔

اقبال نے امریکی شاعر ایمرسن (Ralph Waldo Emerson)(م1882ء) کی ایک نظم کا 'ایک پہاڑ اور گلہری' کے عنوان سے ترجمہ کیا ہے۔ اصل نظم اور اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

FABLE

The mountain and the squirrel — پہاڑ اور گلہری میں
Had a quarrel; — جھگڑا ہو گیا؛
And the former called the latter 'Little Prig'.
اور پہلے نے دوسری کو 'ننھی مغرور شے' کے نام سے پکارا۔
Bun replied, "You are doubtless very big;
گلہری نے جواب دیا۔ 'تم بے شک بہت بڑے ہو؛
But all sorts of things and weather — مگر تمام قسم کی اشیا اور موسم
Must be taken in together, — یقیناً آپس میں ملتے ہیں،
To make up a year — ایک سال بنانے کے لیے
And a sphere — اور کوئی شے (بنانے کے لیے)
And I think it no disgrace — اور میں توہین نہیں سمجھتی
To occupy my place. — اپنے ایسا ہونے پر۔
If I'm not so large as you, — اگر میں تمہارے جتنی بڑی نہیں ہوں،
You are not so small as I, — تو تم بھی میرے جتنے چھوٹے نہیں ہو،
And not half so spry. — اور اس قدر مستعد بھی نہیں ہو۔
I'll not deny you make — میں انکار نہیں کروں گی اگر تم بناؤ
A very pretty squirrel track; — ایک بہت خوبصورت سا گلہری کا راستہ؛
Talents differ; all is well and wisely put;
صلاحیتیں مختلف ہیں؛ ہر چیز اچھی طرح اور دانشمندی سے بنائی گئی ہے؛
If I cannot carry forests on may back, — اگر میں اپنی پشت پر جنگلات نہیں اٹھا سکتی،
Neither can you crack a nut." (61) — تو تم بھی تو چھالیا نہیں چبا سکتے۔"

ایک پہاڑ اور گلہری

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے — تجھے ہو شرم، تو پانی میں جا کے ڈوب مرے
ذرا سی چیز ہے، اس پر غرور! کیا کہنا! — یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور! کیا کہنا!
خدا کی شان ہے ناچیز چیز بن بیٹھیں! — جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں!
تری بساط ہے کیا میری شان کے آگے؟ — زمیں ہے پست مری آن بان کے آگے
جو بات مجھ میں ہے تجھ کو وہ ہے نصیب کہاں — بھلا پہاڑ کہاں، جانور غریب کہاں!

کہا یہ سن کے گلہری نے، منہ سنبھال ذرا
یہ کچی باتیں ہیں، دل سے انہیں نکال ذرا!
جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا!
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا
ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اس کی حکمت ہے
بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اُس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اُس نے
قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں
نری بڑائی ہے! خوبی ہے اور کیا تجھ میں
جو تُو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو
یہ چھا لیا ہی ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو
نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں (62)

مندرجہ بالا نظم اقبال نے بچوں کے لیے لکھی تھی۔ اس لیے انہوں نے اس میں نہایت آسان الفاظ استعمال کئے۔ یہ ترجمہ نہایت سلیس، آسان اور رواں ہے۔ اس کا صوری و معنوی اور مکالماتی و محاوراتی حسن قابلِ تحسین ہے۔ اقبال نے انگریزی نظم سے مرکزی خیال لیا اور اسے نہایت واضح انداز سے اردو زبان میں بیان کر دیا۔ انگریزی نظم میں پہاڑ، گلہری سے کوئی زیادہ باتیں نہیں کرتا۔ وہ گلہری کو 'ننھی مغرور شے' ('little prig') کہہ کر بلاتا ہے اور پھر خاموش ہو جاتا ہے۔ اقبال کی نظم میں پہاڑ کھل کر باتیں کر رہا ہے۔ منظوم اردو ترجمہ کے پہلے پانچ اشعار کا مطالعہ کریں فکر اقبال نے پہاڑ کو کیا خوب گویائی عطا کی ہے۔ اس کی گفتگو میں بے ساختگی ہے۔ اس کے جواب میں گلہری کے دلائل اسے لاجواب کر دیتے ہیں۔ انگریزی نظم میں گلہری تسلیم کرتی ہے کہ پہاڑ بڑا ہے لیکن ساتھ ہی دلیل دیتی ہے کہ چھوٹی اشیاء ملیں تو کوئی بڑی شے بنتی ہے۔ یہ زماں لمحوں سے بنا ہے اور ہر شے چھوٹے ذرات سے بنی ہے۔ وہ پہاڑ سے کہتی ہے کہ ٹھیک ہے کہ میں تمہاری طرح اپنی پشت پر جنگلات نہیں اٹھا سکتی۔ تم بھی تو میری طرح چل پھر نہیں سکتے۔ خوبصورت راستہ نہیں بنا سکتے اور چھالیا نہیں چبا سکتے۔ تمام چھوٹی بڑی اشیاء اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں۔ اور ہر شے کو کوئی نہ کوئی خوبی عطا فرمائی ہے۔

انگریزی نظم کی نسبت منظوم اردو ترجمہ میں گلہری زیادہ بے باکی سے اور مدلل انداز سے شانِ قدرت اور اپنی قدر و قیمت اور اہمیت بیان کرتی ہے۔ یہ منظوم اردو ترجمہ لفظی نہیں بلکہ بامحاورہ اور ادبی ہے۔ اگر اقبال اس کا لفظی ترجمہ کرتے تو بارہ اشعار کی بجائے غالباً پانچ چھ اشعار میں ہی انگریزی نظم کا مفہوم بیان کر دیتے۔ اقبال زبردست تخلیقی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کے ہاں فکر و فلسفہ اور تصورات معراج پاتے تھے۔ انہوں نے انگریزی نظم کا مرکزی خیال برقرار رکھتے ہوئے پہاڑ اور گلہری کے مکالمہ میں بہت وسعت، حکمت اور گہرائی پیدا کر دی ہے۔ اس تمام نظم میں لفظی و صوری حُسن اور اختتامی شعر میں محاوراتی حُسن جوبن پر نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد ریاض اپنی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"..... اختتامی چند شعر، خصوصاً آخری بیت، شاعر کی قوتِ استنباط و استنتاج کا مظہر ہے....." (63)

حاصل مطالعہ یہ ہے کہ

اس ترجمہ میں بھی اقبالؒ نے اصل نظم کے مفہوم کو واضح انداز سے اور نئی تخلیقی شان و شوکت سے پیش کیا ہے۔ اختتامی شعر میں نہایت خوبصورت انداز سے حاصل کلام بیان کر دیا ہے۔ انہوں نے اصل نفسِ مضمون ایمرسن کی نسبت زیادہ واضح اور زوردار انداز سے پیش کیا ہے۔

اقبال فکروفن اور فلسفہ میں اعلیٰ مقصدیت کے قائل تھے۔ وہ 'فن برائے فن' یا 'فن برائے تفریح' کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ 'فن برائے زندگی' اور 'فن برائے تعمیرِ خودی' کے قائل تھے۔ اس سلسلہ میں وہ کہتے ہیں۔

سرود و شعر و سیاست، کتاب و دین و ہنر
گہر ہیں ان کی گرہ میں تمام یک دانہ!
ضمیرِ بندۂ خاکی سے ہے نمود ان کی
بلند تر ہے ستاروں سے اُن کا کاشانہ!
اگر خودی کی حفاظت کریں تو عینِ حیات
نہ کر سکیں تو سراپا فسون و افسانہ!
ہوئی ہے زیرِ فلک اُمتوں کی رسوائی
خودی سے جب ادب و دیں ہوئے ہیں بیگانہ! (64)

اقبال فکروفن وفلسفہ کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو کر حقیقت کا سراغ لاتے تھے۔ وہ کسی بھی مضمون، موضوع، خیال، تصور، فلسفہ، نظریہ پر بات شروع کرتے تھے اور اسے نہایت حقیقی، احسن اور خوبصورت انداز سے صوری و معنوی محاسن کے ساتھ واضح، جامع، منطقی اور مدلل انداز سے بیان کر دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ دوٹوک انداز سے کہتے ہیں۔

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے، وہ نظر کیا!
مقصودِ ہنر سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا!
جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا، وہ گہر کیا!
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا!
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا! (65)

ترجمہ کی طرح، شرح کے معاملہ میں بھی اقبال کا اپنا مخصوص انداز تھا۔ وہ زیرِ بحث موضوع، کلام یا شخصیت کے بارے میں تمام ضروری امور اچھی طرح کھول کر بیان کر دیتے تھے۔ اقبالؒ نے ایک بار پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے سامنے اسرارِ خودی کے پہلے مصرع کی شرح بیان کی تھی۔ اس ضمن میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی، علامہ کے ساتھ اپنی 27/ مئی 1932ء کی ملاقات کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

۹۔۔۔۲۷ مئی ۱۹۳۲ء ۸ بجے دن میکلوڈ روڈ

علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ڈرائنگ روم میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے۔ میں رسالہ ''نگار''، لکھنؤ بابت ماہ مئی ساتھ لایا تھا۔ اس میں ان کی شاعری پر فنی نقطہ نگاہ سے تنقید کی گئی

تھی۔ اسے پڑھ کر فرمایا ''خدا جانے مسلمانوں کو یہ توفیق کب حاصل ہوگی کہ وہ وزن اور بحر سے بالاتر ہو کر معانی تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے بعد دیر تک شاعری کے مقصد پر گفتگو کی۔

پچھلی ملاقات میں، میں نے عرض کی تھی کہ اسرارِ خودی کے بعض اشعار آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں۔ چونکہ اس امر کی اجازت دے دی تھی، اس لیے آج اسرار خودی بھی ساتھ لایا تھا۔ اشارہ پا کر میں نے پہلا مصرعہ پڑھا:

پیکر ہستی ز آثار خودی است

(اسرار و رموز: ص ۱۲)

فرمایا ''ہر شے میں خودی موجود ہے۔ پتھر ہی کو لے لو۔ اگر تم کمزور ہو تو تم سے اٹھائے نہیں اٹھے گا۔ اس میں وزن ہے اور یہی اس کی خودی ہے۔ درخت کو کاٹو تو مشکل سے کٹے گا۔ غرض ہر شے کسی نہ کسی رنگ میں قوت مزاحمت (power of resistance) رکھتی ہے اور یہی اس کی خودی ہے یہی اس کی ہستی کا ثبوت ہے، کہ وہ ہے۔

فرمایا کہ ایغو کے لیے غیر ایغو (Non-ego) کا ہونا ضروری ہے، جب تک آپ غیر کو ثابت نہ کریں، ایغو کو ثابت نہیں کر سکتے۔ ایغو کو مشخص کرنے کے لیے اسے اغیار سے متمیز کرنا ضروری ہے، اور اس امتیاز کے لیے دوسری اشیاء کا وجود ضروری ہے جن کے مقابلے میں یا موجودگی میں ذہن کسی خاص شے کے وجود کا تصور کر سکتا ہے۔ الغرض انا کے لیے غیر کا وجود ضروری ہے:

باطل از قوت پذیرد شان حق

(اسرار و رموز: ص ۵۱)

فرمایا کہ قوت ایسی شے ہے کہ اگر یہ حاصل ہو جائے تو باطل میں بھی حق کی ایک شان پیدا ہو جاتی ہے اور اس میں شک بھی کیا ہے۔ نصرانیت کو دیکھ لو۔ چونکہ اس وقت اس کے پیروؤں کو قوت حاصل ہے، اس لیے بہتوں کے حق میں باعث منزلت اقوام بنی ہوئی ہے:

زندگانی محکم از لا تقنطو است

(ایضاً: ص ۹۴)

فرمایا ''یاد رکھو، غم اور خوف یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ خودی کو تباہ کر دیتی ہیں۔ اور ایک مسلمان جب تک ان دو عیبوں سے پاک نہ ہو جائے حقیقی معنی میں مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اور ان کے ازالے کی صورت یہ ہے کہ انسان، توحید الٰہی کو اپنے دل میں پختہ کر لے، بایں طور کہ پھر شک دل میں راہ نہ پا سکے۔ یعنی اسے یہ یقین ہو جائے کہ جب تک خدا نہ چاہے، کوئی طاقت مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ پھر اس کے دل میں نہ حزن راہ پا سکتا ہے نہ خوف۔ اگر غیر اللہ کا خوف کسی درجے میں بھی دل میں موجود ہے

تو خودی کبھی ہرگز نہیں ابھر سکتی:

بیم غیر اللہ عمل را دشمن است

(اسرار و رموز: ص ۹۵)

فرمایا "ہم جملہ مظاہر فطرت سے ڈرتے ہیں، زلزلے سے، آگ سے، امراض سے، سانپ سے، تاریکی سے، شیر سے، وغیرہ۔ محض اسی لیے کہ ہم موت سے ڈرتے ہیں۔ لیکن اگر ہمیں یہ یقین ہو جائے کہ موت ایک مرحلہ ہے جو روحانی ترقی کے سلسلے میں لازماً پیش آتا ہے تو ہم موت سے خوفزدہ نہیں ہو سکتے"۔ موت بھی زندگی ہی کی ایک شان (Aspect) ہے۔ موت زندگی کے خاتمے کا نام نہیں ہے بلکہ موت وہ دروازہ ہے جس میں سے ہو کر ہم نئی دنیا میں داخل ہوتے ہیں۔

کائنات میں کوئی شے تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ جب ہم کہتے ہیں کہ دنیا کی کوئی حقیقت نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ کائنات سراب (illusion) ہے۔ بلکہ یہاں جو کچھ ہے مومن کی نگاہ میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مطمع نظر بہت بلند ہوتا ہے۔ وہ مادی ساز و سامان سے مطلق مرعوب نہیں ہوتا، کیونکہ ہر شے فانی ہے۔

اگر ہم یہ یقین کر لیں کہ کائنات میں یا میں ہوں یا خدا ہے، تیسری کوئی ہستی نہیں ہے، تو پھر خوف کیسا؟ یعنی ہم مومن اس وقت بن سکتے ہیں جب خدا کے سوا کسی کا وجود ہماری نگاہ میں نہ سمائے۔

رمز قرآں از حسین آموختیم

(اسرار و رموز: ص ۱۱۱)

فرمایا کہ تعلیمات قرآنی کی روح یہ ہے کہ مومن وہ ہے جو باطل کا مقابلہ کرے اور مطلق ہراساں نہ ہو۔ یعنی ایسے موقع پر نفع یا نقصان کا خیال دل میں نہ لائے، شہید کو شہید اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے معتقدات کی سچائی پر اپنے خون سے گواہی دیتا ہے۔

ایک فرنچ مصنف نے لکھا ہے کہ اسلام ایک آسان مذہب ہے۔ والٹیر نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ اسلام آسان مذہب نہیں ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنا، موسم گرما میں روزے رکھنا، زکوٰۃ دینا اور حج کرنا، یہ باتیں آسان نہیں ہیں۔ میں نے دل میں کہا اسلام کی حقیقت سے نہ معترض واقف ہے نہ مجیب۔ بیشک اسلام نے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا حکم دیا ہے مگر اسلام کا نصب العین ان ارکان سے بالاتر ہے۔ نماز پڑھنی آسان ہے مگر باطل کے مقابلے میں صف آرائی ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ انسان جان دیدے مگر فرعون کے سامنے سر نہ جھکائے:

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

(اسرار و رموز: ص ز ۱۱۱)

ہمارے زمانے میں انور پاشا شہید نے اسی اصول پر عمل کیا۔ انہوں نے ترکستان میں آزاد اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ چونکہ مشیت ایزدی کو منظور نہ تھا اس لیے وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ مگر انہوں نے روسیوں کے آگے سرِ تسلیم خم نہیں کیا۔ بلکہ مردانہ وار موت کو لبیک کہا اور ابدی زندگی حاصل کر لی۔

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست (66)

(اسرار رموز: ص ۴۹)

اقبالؒ نے صرف ایک مصرع کی شرح کی ہے جو کہ قریباً سوا دو صفحات پر محیط ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو شرح میں طوالت یا اختصار کے بجائے اصل متن کی تفہیم پر توجہ دینی چاہیے۔

اقبال نے فکر و فلسفہ، منطق و علم الکلام، نثر و کلام اور ترجمہ و شرح، غرضیکہ کسی بھی شعبہ اور میدان میں اندھا دھند تقلید نہیں کی۔ انہوں نے فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق جہاں سے بھی حکمت و دانائی کی بات ملی ، لے لی اور اسے قرآن و حدیث کے میزانِ حق پر پرکھ کر اپنے مخصوص اور اعلیٰ فکر و آہنگ کے ساتھ پروان چڑھا کر پیش کر دیا۔

اقبال کے اخذ و ترجمہ اور شرح کے اسلوب کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے، تاکہ اس کے مطابق ان کے کلام کی شروح اور تراجم کی صحت اور معیار کا محاکمہ قائم کیا جا سکے۔

اقبال اصل متن کے حقیقی مفہوم پر خصوصی توجہ مرکوز کرتے تھے اور اسے اپنے مخصوص انداز سے بیان کرتے تھے۔ ان کے ترجمہ و شرح سے نہ صرف یہ کہ اصل متن کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جاتا تھا بلکہ نفسِ مضمون کے مختلف مخفی پہلو بھی عیاں ہو جاتے تھے اور غور و فکر کے نئے در وا ہو جاتے تھے۔

اجمالی تعارف شارحین پیامِ مشرق

یوسف سلیم چشتی

یوسف سلیم چشتی 2/ مئی 1895ء کو بریلی (یو۔پی) میں پیدا ہوئے۔ محمد یوسف خان نام اور سلیم تخلص ہے۔ چشتیہ سلسلہ سے عقیدت کی وجہ سے چشتی کہلاتے تھے۔ وہ ذات کے پٹھان تھے ان کے والد کا نام محمد عیسیٰ خان اور والدہ کا نام عزیز جہاں بیگم تھا۔(67)

عربی، اردو اور فارسی کی ابتدائی تعلیم نانا اور والدہ سے حاصل کی۔ 1912ء میں گورنمنٹ ہائی سکول نگینہ ضلع بجنور سے میٹرک اور 1916ء میں گورکھپور سے ایف اے پاس کیا۔ 1918ء میں الہٰ آباد یونیورسٹی سے فلسفہ مغرب میں بی اے آنرز کیا۔ فلسفے سے لگاؤ کی وجہ سے نیشنل یونیورسٹی احمد آباد سے 1922ء میں انڈین فلاسفی اور 1923ء میں ہندو فلاسفی میں ایم اے کی ڈگری لی۔ 1924ء میں مدرسہ الٰہیات کانپور سے عالم الٰہیات کی سند پائی۔ 1926-28ء میں ویدک اور دھرم شاستر کی تعلیم ودیا النکار پنڈت بھگوت دت جی شاستری سے حاصل کی۔(68)

چشتی صاحب نے زندگی بھر کسی نہ کسی شکل میں تحصیلِ علم کا سلسلہ جاری رکھا۔ انہوں نے جید علمائے عصر سے قرآن، حدیث، فقہ اور تصوف کی تعلیم حاصل کی۔

انہوں نے عملی زندگی کا آغاز مشن ہائی سکول بریلی میں سیکنڈ ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے کیا۔ 1918ء میں محکمہ ڈاک میں ملازم ہو گئے مگر جلد ہی یہ ملازمت چھوڑ دی اور درس وتدریس کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ 1920ء سے لے کر 1943ء تک مختلف تعلیمی اداروں میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ترکِ ملازمت کے بعد تصنیف و تالیف کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ انہوں نے کلامِ اقبال کی شرحیں لکھنے کا کام قریباً 1938-1939ء میں شروع کیا۔ زمانی ترتیب کے لحاظ سے ان شروح کی تفصیل درج ذیل ہے:

شرح اسرارِ خودی	1939ء	158 صفحات
شرح بانگِ درا	1951ء	572 صفحات
شرح ضربِ کلیم	1951ء	624 صفحات
شرح بالِ جبریل	1952ء	236 صفحات
شرح پیامِ مشرق	1952ء	631 صفحات
شرح رموزِ بیخودی	1953ء	336 صفحات
شرح زبورِ عجم	1955ء	628 صفحات
شرح ارمغانِ حجاز (اردو)	1955ء	256 صفحات
شرح ارمغانِ حجاز (فارسی)	1955ء	384 صفحات

شرح جاوید نامہ	1956ء	1206 صفحات
شرح پس چہ باید کرد	1957ء	616 صفحات
نصاب فاضل فارسی		160 صفحات
شرح رومئی عصر	سنہ ندارد	167 صفحات
اقبال کی منتخب فارسی نظموں کی شرح	------	------ (69)

چشتی صاحب نے غالب اور اکبر کے کلام کی شرحیں بھی لکھی ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی شرحوں کی تعداد باقی شارحین کی شرحوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔

چشتی صاحب صحیح اسلامی تصوف کے حامی تھے۔ قرآن پاک سے خاص شغف رکھتے تھے۔ تقابل ادیان کا بہت شوق تھا۔ وسیع المطالعہ تھے۔ بہت سی زبانوں سے واقف تھے۔ عربی، فارسی، اردو اور دیگر اسلامی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے۔ انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اور لاطینی زبان بھی جانتے تھے۔ شعر و شاعری کا نہایت اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ کبھی کبھی خود بھی شعر کہہ لیتے تھے۔ تحریکِ پاکستان کے سرگرم رکن رہے۔ 1925ء تا 1938ء تک علامہ اقبالؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور ان سے براہِ راست استفادہ حاصل کرتے رہے۔

آخری عمر میں ضعفِ معدہ اور ضعفِ مثانہ کی وجہ سے علمی و ادبی سرگرمیاں ختم رہ گئی تھیں۔ وفات سے کچھ عرصہ قبل کراچی گئے۔ 9/ فروری کو اچانک طبیعت خراب ہوگئی۔ 11/ فروری کو ناسازیٔ طبع کے باعث بذریعہ طیارہ کراچی سے لاہور لائے گئے اور اسی دن (11/ فروری 1984ء) شام ساڑھے سات بجے آپ نے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کردی۔ 12/ فروری کو ان کا جسدِ خاکی قبرستان میانی صاحب (لاہور) میں لب سڑک سپرد خاک کردیا گیا۔ نماز جنازہ علامہ علاء الدین صدیقی صاحب نے پڑھائی۔ (70)

پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی

حمید اللہ ہاشمی 15/اپریل 1939ء کو تحصیل کمالیہ، ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ایک گاؤں چک نمبر 6607/1 گ ب میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام غلام حیدر شاہ اور والدہ کا نام گلزار بیگم ہے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ہی حاصل کی۔ 1954ء میں گورنمنٹ ڈی بی ہائی سکول، ٹوبہ ٹیک سنگھ سے میٹرک کیا۔ گھریلو مجبوریوں کی وجہ سے عارضی طور پر سلسلۂ تعلیم منقطع ہو گیا۔ 1958ء میں گورنمنٹ کالج جھنگ سے ایف اے اور 1960ء میں بی اے کے امتحانات پاس کیے۔ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے 1962ء میں بی ایڈ کیا۔ بعد میں ایم اے اردو، ایم اے تاریخ اور ایم اے اسلامیات کے امتحانات پاس کیے۔

1962ء میں گورنمنٹ ڈی بی ہائی سکول، ٹوبہ ٹیک سنگھ میں بطور پرائمری ٹیچر سروس کا آغاز کیا۔ 1975ء میں بطور لیکچرر گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں تدریس کا آغاز کیا۔ وہاں 1980ء تک سلسلۂ تدریس جاری رہا۔ 1980ء کو اپنی مسز کے ہمراہ چین چلے گئے۔ وہاں ایمبیسی کالج میں وہ بطور پرنسپل اور ان کی مسز بطور وائس پرنسپل خدمات سرانجام دیتی رہی۔ وہاں سے پاکستان ایمبیسی کالج، جدہ چلے گئے۔ پھر اپنے ملک واپس آ گئے اور گورنمنٹ کالج، اٹک میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد گزشتہ بارہ سال سے چکوال گرامر سکول کے پرنسپل کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ آج کل ان کی رہائش اسلام آباد میں ہے۔ ہاشمی صاحب کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ بیٹا سافٹ انجینئر ہے اور بیٹی لیڈی ڈاکٹر ہے۔

زندگی بھر سلسلہ تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اب تک ستر کے قریب کتب اور تراجم تحریر کر چکے ہیں۔ بابا فرید گنج شکرؒ، میاں محمد بخشؒ، خواجہ غلام فریدؒ اور وارث شاہؒ کے کلام کے تراجم و شروح تحریر کی ہیں۔ عمر خیام کی رباعیات کا ترجمہ کیا ہے جو کہ الفیصل ناشران کتب، لاہور نے شائع کیا ہے۔ دیوانِ غالب کی شرح بھی تحریر کر چکے ہیں۔ اقبالیات کے حوالہ سے انہوں نے دو کتب 'شرح کلیات اقبال فارسی' اور 'آسان کلیات اقبال' تحریر کی ہیں۔ دونوں کتب مکتبۂ دانیال لاہور سے شائع ہوئی ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی کتب یونیورسٹی کی سطح پر بھی پڑھائی جا رہی ہیں۔ انہیں 'پنجابی ادب کی تاریخ' پر علامہ اقبال ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم 4/اگست 1899ء کو پیدا ہوئے اور 1978ء کو وفات پائی۔ان کا قلمی نام تبسم ہے ۔انہوں نے اردو، پنجابی اور فارسی میں شاعری کی۔بچوں کے لیے نظمیں لکھیں جو بہت مشہور ہوئیں۔انہوں نے کئی شعراء کے فارسی کلام اور اردو کلام کا پنجابی میں ترجمہ کیا۔

صوفی صاحب کا امرتسر، انڈیا کے ایک کشمیری گھرانے سے تعلق تھا۔انہوں نے فورمین کرسچین کالج، لاہور سے ایم اے فارسی کی ڈگری حاصل کی۔اس کے بعد زندگی بھر گورنمنٹ کالج،لاہور میں تعلیمی وادبی خدمات سرانجام دیتے رہے۔وہ ترقی کر کے شعبہ فارسی کے صدر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

وہ پچاس سال تک ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر علمی وادبی پروگرام کرتے رہے۔نور جہاں، غلام علی اور دیگر گلوکاروں نے ان کے گیت گائے اور شہرت پائی۔

استاد غلام علی خاں کی گائی ہوئی مشہور پنجابی غزل 'میرے شوق دائیں اعتبار تینوں آ جاو یکھ میرا انتظار آ جا' صوفی صاحب کی لکھی ہوئی ہے۔یہ مرزا غالب کی ایک فارسی غزل کا ترجمہ ہے۔

1966ء کو حکومتِ ایران نے ان کی خدمات کے اعتراف میں انہیں 'تمغہ نشانِ' سپاس دیا۔اسی طرح حکومت پاکستان کی طرف سے انہیں 'ستارہ امتیاز' دیا گیا۔

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم صوفی منش انسان تھے۔وہ چشتی صابری سلسلہ کے مشہور بزرگ مولانا نواب الدین رامداسیؒ اور حافظ مظہر الدینؒ کے مرید تھے۔

صوفی تبسم کے بیٹے صوفی نثار احمد بھی ڈرامہ نویس ہیں۔انہوں نے کئی مزاحیہ ڈرامے، پنجابی سٹیج ڈرامے اور ٹیلی ویژن ڈرامے لکھے ہیں۔ان کے دوسرے بیٹے پروفیسر صوفی گلزار احمد، شعبۂ تعلیم سے وابستہ ہیں اور علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور میں رہائش پذیر ہیں۔ان کی کوششوں سے صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کی غیر مطبوعہ تخلیقات منظر عام پر آ رہی ہیں۔ 1977ء کو مرکزی اردو بورڈ (اردو سائنس بورڈ) کی طرف سے علامہ اقبالؒ کے اردو کلام سے منتخب اشعار کی شرح پر مشتمل کتاب صد شعر اقبال (اردو) شائع ہو چکی ہے۔1995ء کو اقبال اکادمی لاہور کی طرف سے علامہ اقبال کے فارسی کلام سے منتخب اشعار کی شرح پر مشتمل کتاب صد شعر اقبال (فارسی) بھی شائع ہو چکی ہے۔یہ دونوں کتابیں علامہ اقبالؒ کے شائقین کے لیے بہت بڑی نعمت اور ادبی سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ان کی دیگر مطبوعات کی فہرست درج ذیل ہے:

1- ٹوٹ بٹوٹ (بچوں کے لیے گیت)

2- اب سب ہیں ٹوٹ بٹوٹ (صوفی گلزار احمد کی طبع کردہ)

3- جھولنے (مطبوعہ فیروزسنز)

4- دوگونہ (حضرت امیر خسروؒ کے کلام کا ترجمہ)

5- ساون رین دا سفنہ (شیکسپیئر کی A Midsummer Nights Dream کا پنجابی ترجمہ) (71)

en.wikipedia.org/wiki/Sufi_Ghulm_Mustafa_Tabassum

6- نقشِ اقبال (مطبوعہ 1977ء؛ کلام اقبال ... پیامِ مشرق، زبورِ عجم اور ارمغانِ حجاز کا جزوی پنجابی ترجمہ) (72)

اجمالی تعارف منثور اردو مترجمین پیامِ مشرق

میاں عبدالرشید

میاں عبدالرشید یکم جنوری 1915ء کو گوجرانوالہ کے ایک گاؤں 'کیلا سکے' میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ محترم میاں امام دین ایک ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر تھے۔ آپ کا تعلق راجپوت برادری سے تھا مگر احتراماً لوگ آپ کو 'میاں' کہہ کر پکارتے تھے۔ میاں عبدالرشید کی ولادت کے اٹھارہ برس بعد قدرت نے میاں امام دین کو ایک اور بیٹا عطا فرمایا۔ میاں عبدالرشید نے گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ سے فرسٹ ڈویژن میں مڈل اور میٹرک کے امتحانات پاس کیے۔ انہوں نے ایف اے کا امتحان گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ سے پاس کیا۔ بی اے کا امتحان 1935ء میں فرسٹ ڈویژن کے ساتھ دیال سنگھ کالج لاہور سے پاس کیا۔ پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے ریاضی کی کلاس میں داخلہ لیا مگر بعض مجبوریوں کی وجہ سے ایم اے نہ کر پائے۔ (73)

آپ نے پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی میں بحیثیت رپورٹر عملی زندگی کا آغاز کیا۔ آپ روزمرہ زندگی کی مصروفیات سے مطمئن نہیں تھے۔ زیادہ دیر تک ملازمت کی پابندی برداشت نہ کر سکے۔ اور 1959ء میں ملازمت سے استعفیٰ دے کر زیادہ شدومد کے ساتھ عبادت اور خدمتِ خلق میں مشغول ہو گئے۔ آپ سچے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور باعمل مسلمان تھے۔ آپ اچھے اخلاق کے مالک تھے اور سادگی پسند تھے۔ یہ آپ کی والدہ محترمہ کی دعاؤں کا اثر تھا کہ آپ تمام نمازیں پابندی سے ادا کرنے لگے اور تہجد گزار بن گئے۔ 1979ء کے رمضان المبارک میں آپ نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری اور بیت اللہ شریف میں اعتکاف بیٹھنے کی اعلیٰ سعادت حاصل کی۔ آپ اولیاء اللہ سے محبت رکھتے تھے۔ آپ نے مختلف بزرگوں سے روحانی فیض حاصل کیا۔ لاہور کی مختلف مساجد میں قریباً پینتیس (35) برس تک نماز جمعہ کا خطبہ دیتے رہے۔ آپ روزنامہ 'نوائے وقت' میں کالم 'نورِ بصیرت' لکھتے رہے۔ آپ کے یہ کالم ریڈیو پاکستان لاہور سے ہفتہ وار پروگرام کی شکل میں نشر ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ اردو، انگریزی زبان میں شائع ہونے والے دیگر رسائل و جرائد اور اخبارات میں مضامین لکھتے رہے۔ لکھنے کا مقصد صرف دین کی خدمت اور اصلاحِ امت تھا۔ آپ نے عملی طور پر جہاد میں بھی حصہ لیا۔ آپ نے جون 1948ء سے اگست 1948ء تک کشمیر کے اوڑی محاذ پر جنگ آزادی میں حصہ لیا۔

آپ کو تین مرتبہ حج کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ 1977ء میں موتمرِ عالمِ اسلامی کے اجلاس منعقدہ جدہ میں شامل ہوئے۔ 1981ء کو حکومتِ ترکی کی دعوت پر انقرہ گئے اور مصطفیٰ کمال پاشا اتاترک کی صد سالہ تقریبات میں شامل ہوئے۔

آپ حضرت علامہ اقبالؒ سے شدید عقیدت اور محبت رکھتے تھے۔ آخری عمر میں کلام اقبال فارسی کا سلیس اردو ترجمہ کیا جو آپ کی وفات کے بعد شیخ غلام علی اینڈ سنز نے شائع کیا۔

آپ راہِ خدا میں جان کا نذرانہ پیش کرنے کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ ذاتِ باری تعالیٰ نے آپ کی یہ خواہش پوری فرمائی۔ 16/ ستمبر 1991ء بروز سوموار دن کے بارہ بجے ان کی رہائش گاہ واقع سمن آباد، لاہور میں

نامعلوم افراد نے انہیں گولی مار کر شہید کر دیا۔ قاتل گرفتار نہ ہوئے اور نہ ہی انہیں بعد میں گرفتار کیا جا سکا۔

میاں عبدالرشید صاحب تمام عمر علمی، عملی اور قلمی جہاد میں مصروف رہے۔ ان کی قابلِ قدر تصانیف اور تراجم کی فہرست درج ذیل ہے:

-1	سیفِ کشمیر	اشاعتِ ادب، لاہور
-2	شیر شاہ سوری	مکتبہ میری لائبریری، لاہور
-3	اسلام اور تعمیرِ شخصیت	ادارہ ثقافت اِسلامیہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
-4	پاکستان کا پسِ منظر اور پیش منظر	اِدارہ تحقیقاتِ پاکستان دانش گاہ، پنجاب، لاہور
-5	نُورِ بصیرت (ج۔۱)	مکتبۂ ندائے ملت لمیٹڈ، لاہور
-6	نُورِ بصیرت (ج۔۲)	شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
-7	ISLAM IN INDO PAKISTAN SUB-CONTINENT	نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

اُردو تراجم:۔

-1	کامیابی کا راستہ	یوس ٹیس چیئر مکتبۂ جدید، لاہور
-2	زِندگی کا راستہ	یوس ٹیس چیئر مکتبۂ جدید، لاہور
-3	قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر	شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
-4	اخلاقی زِندگی کا نظریہ	جان ڈیوی مقبول اکیڈیمی، لاہور
-5	بین الاقوامی یہودیت	ہنری فورڈ اوّل، مکتبۂ ندائے ملت لمیٹڈ، لاہور
-6	قدیم خفیہ یہودی دستاویزات:	برق ڈائری اینڈ کیلنڈر کمپنی، لاہور
-7	کُلیات ۲/ جلد اور جُدا گانہ بھی: (اُردو ترجمہ فارسی کلامِ اقبال):	شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
-8	THE LIGHT OF ISLAM	مقبول اکیڈمی، لاہور (74)

احمد جاوید

احمد جاوید 18 نومبر 1955ء کو بھارت کے شہر الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ محترم کا نام سید حسین امیر عثمانی ہے۔ آپ کی تعلیم ایم۔اے اردو ہے۔ آپ نے محکمہ بہبود آبادی پاکستان میں ملازمت کی۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے ایک پرائیویٹ فرم میں کام کیا۔ نہایت اعلیٰ علمی و ادبی ذوق اور مطالعہ و تحقیق کا شوق رکھنے کی وجہ سے یہ ملازمت بھی چھوڑ دی اور اقبال اکیڈمی لاہور میں سینئر ریسرچ سکالر کے طور پر کام کرنا شروع کر دیا۔ جہاں آپ اب تک علمی و ادبی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبان پر دسترس حاصل ہے۔ مذہب، شاعری، ادب اور فلسفہ میں خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ باعمل صوفی ہیں۔ فنِ ترجمہ میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ سے خصوصی محبت اور عقیدت رکھتے ہیں۔ آپ کے کیے ہوئے تراجم کی فہرست درج ذیل ہے:

1- ڈاکٹر محسن جہانگیری کی کتاب محی الدین ابنِ عربی ''چہرہ برجستہ عرفانِ اسلامی'' کا ترجمہ بعنوان محی الدین ابنِ عربی ''احوال و آثار''۔ یہ ترجمہ آپ نے محمد سہیل عمر کے ساتھ مل کر کیا۔

2- کلیاتِ خواجہ باقی باللہ (مجموعہ ملفوظات و مکتوبات و رسائل کا اردو ترجمہ)

3- ''تسہیل جاوید نامہ'' اقبال اکادمی لاہور۔

4- ''تسہیلِ پیامِ مشرق'' اقبال اکادمی لاہور (75)

ایم رمضان گوہر

محمد رمضان گوہر نے سیکنڈری سطح تک کی تعلیم ہائی سکول عام خاص باغ ،ملتان سے حاصل کی۔ دیگر مضامین کے ساتھ فارسی ان کا پسندیدہ مضمون تھا۔شعروشاعری سے اور خصوصاً کلامِ اقبال سے خصوصی شغف رکھتے تھے۔وقت گزرتا رہا۔سلسلہ تعلیم کسی نہ کسی شکل میں جاری رہا۔اس کے ساتھ ہی وہ شعروشاعری میں بھی طبع آزمائی کرتے رہے۔جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم کی بدولت وہ ایک اچھے شاعر اور ادیب بن گئے۔انہوں نے بچوں کے لیے اصلاحی ادب لکھا۔قومی گیت، تاریخی کتابچے، ناول، پہیلیاں،تحریکِ پاکستان پر مشتمل کتابیں اور نرسری گیت لکھے۔ اقبال کے حوالے سے اب تک انہوں نے تین کتابیں لکھی ہیں، اقبال کا شعری انتخاب (اردو)، اقبال کا پیغام (نثری مضامین) اور انتخاب کلیاتِ اقبال فارسی (مع فرہنگ، سلیس اردو ترجمہ اور اعراب)۔

ڈاکٹر وحید عشرت، محمد رمضان گوہر کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''محمد رمضان گوہر پختہ کار شاعر اور بچوں کے ممتاز ادیب ہیں۔طویل عرصے سے پاکستان' اسلام آباد، قائداعظم اور اقبالیات پر بچوں کے لیے بہت پرمغز اور سلیس ادب لکھ رہے ہیں بچوں کے لیے لکھنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا اس (کے) لیے گہرا تجربہ، زبان وقلم پر استادانہ عبور اور بچوں کی نفسیات پر گرفت ہونی چاہیے۔محمد رمضان گوہر کی شخصیت ان تمام خوبیوں سے مرصع ہے۔'' (76)

ڈاکٹر عاصی کرنالی 'اظہارِ خیال' کے عنوان کے تحت، محمد رمضان گوہر کے بارے میں رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''رمضان گوہر ایک سیماب خوانسان ہیں۔ان کی روح مضطرب اور قلبِ متجسس انہیں قرار سے نہیں بیٹھنے دیتا۔دفتر کی جاں کاہ مصروفیات کے باوجود وہ ادب سے بھرپور رابطہ رکھتے ہیں۔اور لگاتار کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے ہیں۔شب کے چراغ گواہ ہیں کہ رمضان گوہر رات کو مسلسل کئی کئی گھنٹوں دُود چراغ کی رفاقت میں بسر کرتے ہیں بقول غالب۔ثریا کی قدیم ہوں دود چراغ کا۔(77)

محمد رمضان گوہر محبِ وطن پاکستانی اور فکرِ اقبال کے پرجوش ترجمان ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے نورِ علم، حسنِ عمل اور زورِ قلم میں اضافہ فرمائے۔آمین!

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم، یوسف زئی (افغان قبیلہ) کی ایک معروف شاخ ککے زئی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد کا پیشہ مال برداری (Transportation) اور تجارت (Trade) تھا۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کا اصل نام اللہ دتہ ہے۔ ان کا قلمی نام اے۔ ڈی۔ نسیم/ الف۔ د۔ نسیم ہے۔ نسیم ان کا تخلص ہے۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم 30/ نومبر 1919ء کو ہوشیار پور کے محلہ ککے زیاں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام شیخ شیر محمد اور والدہ کا نام مائی رمضان بی بی ہے۔

ابتدائی تعلیم کے لیے انہیں 1924ء میں اسلامیہ پرائمری سکول ہوشیار پور میں داخل کروایا گیا۔ پرائمری کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ اسلامیہ ہائی سکول، ہوشیار پور چلے گئے جہاں سے انہوں نے 1933ء سے میٹرک کا امتحان اعزازی حیثیت سے پاس کیا۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج ہوشیار پور سے 1935ء میں ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ گھر کے ناموافق حالات کی وجہ سے وہ فوری طور پر بی اے میں داخلہ نہ لے سکے۔ معاشی تنگی کی وجہ سے وہ لاہور آ گئے۔ یہاں آ قابیدار بخت مرحوم کے مدرسہ 'السنہ شرقیہ' دلی دروازہ لاہور میں داخلہ لیا۔ دن کو ملازمت کرتے اور شام کو تعلیم حاصل کرتے رہے۔ دو سال کی شدید محنت کے بعد انہوں نے فارسی زبان میں منشی فاضل کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ 45-1944ء کے عرصہ میں منشی فاضل کی تکمیل کے بعد انہوں نے 1946ء میں بی اے کی ڈگری کے حصول کے لیے انگریزی مضمون کے تین پرچوں کا امتحان دیا۔ انہی دنوں ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ ان کے پرچے ان فسادات کی نظر ہو گئے۔ انہوں نے اگلے سال دوبارہ امتحان دے کر بی اے کی ڈگری حاصل کر لی۔ 1950ء میں انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کے تحت ایم اے اردو کا امتحان دیا۔ یہ پاکستان میں ایم۔ اے اردو کا پہلا امتحان تھا۔ الف۔ د۔ نسیم اس امتحان میں شرکت کرنے والے سب سے کم عمر امیدوار تھے۔ انہوں نے ایم۔ اے میں ''خواجہ میر درد کا تصوف'' کے عنوان سے مقالہ لکھا تھا جو ضخامت اور طوالت میں پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کے برابر تھا۔ ان کا یہ مقالہ بہت پسند کیا گیا۔ وہ اس امتحان میں پہلی پوزیشن اور گولڈ میڈل حاصل کرنے والے پہلے طالب علم ثابت ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے بطور لیکچرر ملازمت اختیار کر لی۔ ملازمت کے دوران انہوں نے 'اردو شاعری کا مذہبی اور فلسفیانہ عنصر' کے موضوع پر مقالہ لکھا اور پی۔ ایچ۔ ڈی (ڈاکٹریٹ) کی ڈگری حاصل کی۔ ان کا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ قریباً ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور دکنی عہد سے دورِ جدید تک کے عرصہ کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

1963ء میں انہوں نے گورنمنٹ کالج ملتان (بوسٹن روڈ) میں ایم۔ اے اردو کی کلاسز کا آغاز کیا اور طلبہ کے دو سیشنز کی رہنمائی کی۔ اس کے بعد واپس ساہیوال کالج آئے اور یہیں سے 31/ نومبر 1981ء کو آخری پیریڈ پڑھانے کے بعد ریٹائر ہو گئے۔ ریٹائرمنٹ کے چند ماہ بعد انہوں نے صادق پبلک سکول میں ملازمت کر لی۔ وہ وہاں دو ڈھائی سال رہے اور پھر ساہیوال واپس آ گئے۔

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے ریٹائرمنٹ کے بعد باقاعدہ کتابیں لکھنا شروع کیں۔ ان کی سب سے پہلی

کتاب 'مسئلہ میلاد' پر تھی جسے مکتبہ نسیم ، ساہیوال نے شائع کیا۔انہوں نے باقی کتب بھی اسی دس بارہ برس کے درمیان لکھیں۔ان کی غزلوں کا پہلا مجموعہ 79-1978ء اور 90-1989ء کے عرصہ پر محیط ہے۔انہوں نے دو نعتیہ مجموعے 'نسیمِ طیبہ' اور 'نسیمِ رحمت' لکھے۔دونوں مجموعے 1991-1978ء تک کے عرصہ میں لکھے گئے۔ڈاکٹر الف ۔د۔نسیم صاحب کا ایک اور بڑا علمی و ادبی کارنامہ 'کلیاتِ اقبال فارسی کا ترجمہ و مفہوم' تحریر کرنا ہے۔انہوں نے مکمل کلیاتِ اقبال فارسی کا لفظی و بامحاورہ ترجمہ دیا ہے اور نہایت مختصر اور جامع انداز سے اس کا مفہوم قلمبند کیا ہے۔یہ ترجمہ شیخ محمد بشیر اینڈ سنز کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ڈاکٹر صاحب کے فرزند ڈاکٹر سعادت سعید صاحب کے مطابق یہ ترجمہ 1993ء میں شائع ہوا تھا۔ڈاکٹر سعادت سعید صاحب کی ذاتی ویب سائٹ پر ان کی ذاتی اور ان کے والد ڈاکٹر الف۔ د۔نسیم کی علمی و ادبی خدمات کے بارے میں کافی زیادہ معلومات دی گئی ہیں۔ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کو مختلف علمی و ادبی کاموں میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ڈاکٹر سید عبداللہ، احسان دانش اور مولانا عظامی کی علمی و ادبی شفقت اور رہنمائی نصیب رہی۔

ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کی شادی نومبر 1947ء میں ہوئی تھی۔ان کی بیوی نہایت نیک اور سمجھدار تھیں۔انہوں نے گھر داری کا نظام نہایت اچھے طریقے سے چلایا اور ڈاکٹر صاحب کو علمی و ادبی سرگرمیوں کے لیے پرسکون گھریلو ماحول مہیا کیا۔اللہ تعالیٰ نے انہیں چار بیٹے اور دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔

ان کی پہلی اولاد ڈاکٹر سعادت سعید صاحب ہیں جو 1948ء میں پیدا ہوئے۔ان کا اردو ادب میں ایک خاص مقام ہے۔تنقید اور تاریخ کے حوالے سے بھی وہ اردو کی ایک معروف شخصیت ہیں۔ان کے دوسرے صاحبزادے حسن جاوید 1949ء میں پیدا ہوئے جو کہ گورنمنٹ کالج چیچہ وطنی میں سیاسیات کے پروفیسر ہیں۔ان کے تیسرے صاحبزادے ظاہر نسیم ہیں جو 1952ء میں پیدا ہوئے وہ بھی ادب سے خاص شغف رکھتے ہیں۔ان کی ایک کتاب ''سرسید اور صحافت'' کے نام سے مکتبہ عالیہ کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔چوتھے صاحبزادے شاہد نسیم ہیں جو 1959ء میں پیدا ہوئے اور ریاض (سعودی عرب) میں بنک کے آفیسر کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ان کا رجحان بھی شروع سے ہی ادبی سرگرمیوں کی طرف رہا ہے۔وہ مختلف مضامین تخلیق کر چکے ہیں۔ایک مضمون بزمِ اقبال لاہور کی طرف سے شائع ہونے والی کتاب ''اقبال اور ساہیوال'' میں موجود ہے۔چار بیٹوں کے علاوہ انہیں خدا نے دو بیٹیوں سے بھی نواز رکھا ہے۔ان میں سے ایک طاہرہ بتول 1956ء میں اور طیبہ بتول 1966ء میں پیدا ہوئیں دونوں بفضلِ خدا شادی شدہ ہیں۔

ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کی ولادت ان کی والدہ کے مرشد خواجہ محمد دیوان کی دعا سے ہوئی تھی۔انہی کی دعا سے انہوں نے علمی و ادبی شعبہ میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ڈاکٹر الف۔د۔نسیم 1938ء میں قریباً اٹھارہ برس کی عمر میں انہی کے بیعت ہو گئے تھے۔1940ء میں ان کے مرشد وصال فرما گئے۔ان کے فیضِ نگاہ سے ان کے دل میں عشقِ رسولؐ اور حبِ ملّت کے جذبات ہمیشہ موجزن رہے۔ڈاکٹر صاحب نے قیامِ پاکستان کے قیام کے لیے مسلم لیگ کی قیادت میں بھرپور جدوجہد کی اور قیامِ پاکستان کے بعد اہلِ وطن کی علمی و ادبی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا 23/مارچ 1940ءکو ایک کشمیری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ان کے والد محترم کا نام غلام نبی اور والدہ محترمہ کا نام نثار فاطمہ ہے۔ان کے علمی سفر کا آغاز جھنگ سے ہوا۔انہوں نے اسلامیہ ہائی سکول جھنگ صدر سے 1956ء میں میٹرک کیا۔گورنمنٹ کالج جھنگ صدر سے 1958ء میں ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ پھر لاہور چلے آئے اور 1960 میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کیا۔1962ء میں یونیورسٹی اورینٹیل کالج لاہور سے ایم۔اے اردو کیا۔یہ تعلیمی سفر جاری رہا۔ساتھ ہی سلسلہ تدریس بھی جاری رہا۔1974ءکو انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی۔ان کے مقالہ کا عنوان تھا ''اکبر الہ آبادی کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ''۔ڈاکٹر صاحب خاص تحقیقی وتنقیدی شعور رکھتے ہیں۔انہوں نے فکری وفنی اور علمی وادبی شعبۂ جات میں تبدیلی واصلاح اور جدت وترقی کے عمل کو بہتر بنانے اور مزید آگے بڑھانے کے لیے تعلیم وتدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ان کی علمی وادبی خدمات کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر ان پر چھ (6) تحقیقی مقالہ جات تحریر کیے جا چکے ہیں۔اب تک ان کی پینتیس (35) عدد کتب زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں اور علمی وادبی حلقوں میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھی جا رہی ہیں۔ان میں سے چند ایک تصانیف کے نام یہ ہیں:

1- تفہیم بالِ جبریل 2- اقبالیات چند نئی جہات 3- اکبر الہ آبادی کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ
5- اردو میں قطع نگاری 6- چند اہم جدید شاعر 7- قدیم نظمیں
8- تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی (اس کی پانچ (5) جلدیں چھپ چکی ہیں اور چھٹی جلد پر کام جاری ہے۔)

ڈاکٹر صاحب کے دو بیٹے ہیں جن کے نام 'فواد زکریا' اور 'جواد زکریا' ہیں۔ان کی ایک بیٹی ہے جس کا نام 'شباہت زکریا' ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے بہت سے شاگرد ڈاکٹریٹ کی ڈگریز حاصل کر کے مختلف یونیورسٹیز میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔اپنی اعلیٰ فکری وفنی اور علمی وادبی کارکردگی کے لحاظ سے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کسی جامع ادارے سے کم نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے حُسنِ علم وعمل میں اضافہ فرمائے اور ان کے علم، عمل، عمر اور افکار میں لحہ بہ لحہ برکت عطا فرمائے۔آمین۔

اجمالی تعارف منظوم مترجمین پیامِ مشرق

فیض احمد فیض

فیض احمد فیض 13/ فروری 1916ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سلطان محمد خان تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی۔ آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے انگریزی اور ایم اے اردو کے امتحانات پاس کیے۔ آپ نے 1936ء میں ایم اے او کالج امرتسر میں پڑھانا شروع کیا۔ وہاں سے چار سال بعد ہیلی کالج آف کامرس میں چلے گئے اور انگریزی کی تعلیم دینا شروع کی۔ آپ کو صوفی غلام مصطفےٰ تبسم، پروفیسر یوسف سلیم چشتی، پطرس بخاری، پروفیسر لینگ ہارن اور مولوی محمد شفیع جیسے عظیم اساتذہ سے تعلیم و تربیت کا شرف حاصل ہوا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران 1942ء میں بطور کیپٹن فوج کے محکمہ تعلقات میں ملازمت اختیار کر لی اور ترقی کر کے لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے تک پہنچے۔ 28/ اکتوبر 1941ء کو ایک لندن نژاد خاتون ایلس جارج سے آپ کی شادی ہوئی۔ فیض احمد فیض ترقی پسند خیالات کے مالک تھے اور ان سرگرمیوں کی وجہ سے تین بار قید بھی کاٹی۔ راولپنڈی سازش کیس کے سلسلہ میں 9/ مارچ 1951 تا اپریل 1955ء تک قید میں رہے۔

آپ نے ایشیا، افریقہ، امریکہ اور یورپ کے مختلف ممالک کا کئی بار سفر کیا اور وہاں سیاحت کی۔ آپ 'پاکستان ٹائمز'، 'امروز'، 'لیل و نہار' اور فلسطینی مہاجرین کے مجلّہ 'لوٹس' میں بطور ایڈیٹر و چیف ایڈیٹر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ 1963ء میں آپ کو 'لینن ایوارڈ' ملا۔ آپ نے کئی شعری مجموعے تخلیق کیے۔ اردو اور پنجابی زبان میں کئی ڈرامے بھی لکھے۔ آپ نے 20/ نومبر 1984ء میں لاہور میں وفات پائی۔ آپ کی دو بیٹیاں ہیں بڑی بیٹی کا نام سلیمہ ہاشمی اور چھوٹی بیٹی کا نام منیزہ ہاشمی ہے۔

شعری مجموعے:۔

1- نقش فریادی　2- دستِ صبا　3- زندان نامہ　4- سر وادیٔ سینا
5- دست تہہ سنگ　6- شام شہر یاراں　7- رات دی رات　8- ورق ورق
9- میرے دل میرے مسافر　10- انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)

نثری مجموعے:۔

1- میزان　2- صلیبیں میرے دریچے میں　3- متاعِ لوح و قلم　4- مہ و سالِ آشنائی

فیض احمد فیض ایک عظیم شاعر، ادیب اور مفکر تھے۔ ان کے بارے میں اشفاق احمد لکھتے ہیں:

> "یہ ادب، یہ صبر، ایسا دھیما پن، اس قدر درگزر، کم سخنی اور احتجاج سے گریز، یہ صوفیوں کے کام ہیں، ان سب کو فیض صاحب نے سمیٹ رکھا ہے۔" (78)

فیض احمد فیض کے بارے میں ڈاکٹر سیّد عبداللہ لکھتے ہیں:

> "فیض کے یہاں جذبات و احساسات کی کارفرمائیوں کا بھی دخل ہوتا ہے۔ ان کی مقبولیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کی لے میں ذاتی درد و غم اور رنج و الم کی کسک پائی جاتی ہے۔" (79)

حضور احمد سلیم

حضور احمد سلیم اگست 1924ء کو مشرقی پنجاب کے نزدیک ایک مقام 'کنڈ' میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام عبدالشکور خان ہے۔ آپ نے میٹرک تک کا زمانہ ریواڑی میں گزارا۔ 1942ء میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کیا۔ اس کے بعد عربک کالج، دہلی میں داخل ہوئے مگر ناسازگار حالات کی وجہ سے سلسلہ تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ آپ نے محکمہ سنٹرل ایکسائز میں ملازمت اختیار کر لی۔ اس دوران پنجاب یونیورسٹی سے 1945ء کو منشی فاضل اور 1946ء میں ادیب فاضل کے امتحانات پاس کیے۔ 1947ء میں انڈیا سے ہجرت کر کے سرگودھا آ گئے۔ وہاں سے مظفر گڑھ اور پھر لاہور میں تبادلہ ہو گیا۔ 1948ء کو بی اے کیا۔ بی اے کرنے کے بعد محکمہ سنٹرل ایکسائز کی ملازمت چھوڑ دی اور حیدرآباد سندھ چلے گئے جہاں ان کے والدین اور دیگر اقارب ہجرت کر کے اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ یہاں ایک پرائیویٹ تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ 1951ء میں سندھ یونیورسٹی سے فارسی میں ایم اے کیا اور اورینٹل کالج حیدرآباد میں لیکچرر مقرر ہو گئے۔ 1952ء کو اعلیٰ تعلیم کے لیے ایران چلے گئے۔ اس دوران حج کی ادائیگی اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد 1953ء کو واپس وطن لوٹے اور سٹی کالج حیدرآباد میں فارسی کی تدریس پر مامور ہوئے۔ یہاں سے گورنمنٹ کالج حیدرآباد میں چلے گئے۔ 1956ء کو سندھ یونیورسٹی کے شعبہ فارسی میں تقرر ہوا۔ 1974ء کو ایسوسی ایٹ پروفیسر اور 1984ء کو پروفیسر بن گئے۔ اس کے ساتھ ہی ریٹائرڈ ہو گئے۔ آپ نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہے۔

تصانیف:۔

1- آموزگار فارسی

2- دوبیتی نامہ باباطاہر عریاں (مع اردو منظوم ترجمہ)

3- انتخاب پیامِ مشرق منظوم ترجمہ

4- دیوانِ حلیم (حضرت عبدالحلیم نقشبندیؒ کے حالاتِ زندگی اور کلام پر مبنی کتاب)

5- حیاتِ قلندر (یہ کتاب حضرت پیر و مُرشد قلندر شاہ نقشبندی کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے) (80)

فارسی درسی کتب:۔

1- کتاب اول فارسی 2- کتاب دوم فارسی 3- ارمغانِ فارسی 4- دبستانِ فارسی

5- خزینہ دانش (81)

عبدالعلیم صدیقی

عبدالعلیم صدیقی صوبہ یو۔پی (بھارت) کے مشرقی علاقے (اودھ)، ضلع سلطان پور کے ایک دور دراز کے گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبدالطیف صدیقی سلطان پور شہر میں وکالت کرتے تھے اور ضلع مسلم لیگ کے صدر تھے۔ عبدالعلیم صدیقی نے 1937ء میں آٹھویں جماعت پاس کرلی۔ مطالعہ کے خصوصی شغف کی وجہ سے انہوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر مختلف ادبی رسائل، جرائد اور کتابیں اکٹھی کر کے ایک چھوٹا سا کتب خانہ بنالیا تھا۔ انہوں نے نوعمری میں ہی 'تک بندی' شروع کردی تھی۔ جب وہ دسویں جماعت میں پڑھتے تھے تو انہوں نے اپنے سکول کے ایک مشاعرہ میں غزل پڑھی۔ وہ غزل پسند کی گئی۔ ان کے استاد بسمل سیتاپوری نے انہیں مشقِ سخن جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔ ان کے ادبی ذوق کی تربیت میں ان کے والدین کا بڑا حصہ ہے۔ گھر کے علمی و ادبی اور دینی ماحول نے ان میں شوقِ مطالعہ پیدا کیا۔

انہوں نے الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کے بعد 1947ء میں فارسی میں ایم اے کیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایل ایل بی میں داخلہ لیا لیکن فائنل کے امتحان میں شریک ہونے سے پہلے ہی انہیں الہ آباد چھوڑنا پڑا۔

انہوں نے الہ آباد یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران تقریباً چار سال صحافت میں بھرپور حصہ لیا۔ 1949ء کو حالات کی خرابی کی وجہ سے وہ کراچی آگئے جہاں ان کے بھائی محمد امین صدیقی پاکستان ایئر فورس میں تھے۔ کچھ عرصہ کراچی میں گزارا۔ پھر وہاں سے لاہور آگئے اور اسلامیہ کالج میں بطور لیکچرار تدریس کرنے لگے۔ 7/مارچ 1953ء کو راولاکوٹ کالج، آزاد کشمیر میں طلبہ میں ادبی ذوق پیدا کرنے کے لیے انہیں مقرر کیا گیا۔

ان کی کوششوں سے راولاکوٹ میں لکھنؤ کا سا ادبی ماحول پیدا ہوگیا۔ راولاکوٹ ہی میں رہتے ہوئے انہوں نے پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے 1956ء میں پنجاب یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے کیا۔ اس سال وہ لیکچرار کے منصب پر فائز ہوئے۔ لیکچرر شپ کا زیادہ عرصہ گورنمنٹ کالج میر پور میں گزرا۔ وہ 1967ء میں انٹرمیڈیٹ کالج باغ اور 1973ء میں ڈگری کالج راولاکوٹ کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ پرنسپل کی حیثیت سے آخری بارہ سال پلندری میں رہے اور وہیں 1985ء میں ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے پلندری میں مستقل رہائش اختیار کرلی اور علامہ اقبال کے تمام فارسی کلام کا منظوم اردو ترجمہ کیا۔ اس سلسلہ میں منظوم اردو ترجمہ کلیاتِ اقبال (فارسی) کے دیباچہ میں وہ لکھتے ہیں:

> ''علامہ اقبال کے شعری مجموعوں کے یہ منظوم تراجم الگ الگ بھی چھپ چکے ہیں۔ اب ان کی پذیرائی و مقبولیت کو دیکھ کر انہیں کلیات کی شکل میں یکجا شائع کیا جارہا ہے کلیات میں ان کتابوں کی ترتیب وہی ہے جو علامہ اقبال کی اصل فارسی تصانیف کی اشاعت کی تھی۔ اگرچہ میں نے ترجمہ اس ترتیب سے نہیں کیا تھا۔ سب سے پہلے میں نے ''پیامِ مشرق'' اور ''ارمغان حجاز'' کے فارسی قطعات اور آخر میں اسرارِ خودی کی منظومات کو اردو کے قالب میں ڈھالا تھا۔'' (82)

منظوم اردو ترجمہ کلیاتِ اقبال فارسی کے علاوہ عبدالعلیم صدیقی کے بوستانِ سعدی (2005ء) اور رباعیاتِ عمر خیام (2007ء) کے منظوم اردو تراجم بھی مقبول اکیڈمی لاہور سے شائع ہو چکے ہیں۔

عبدالعلیم صدیقی یہ گراں قدر علمی و ادبی خدمات سرانجام دینے کے بعد 3/ دسمبر 2009ء کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ان کے دو بیٹے ہیں اور ایک بیٹی ہے۔ بڑے بیٹے کا نام، سلمان احمد صدیقی اور چھوٹے بیٹے کا نام نعمان احمد صدیقی ہے۔ بیٹی کا نام، نزہت یاسمین ہے۔ ان کے چھوٹے بیٹے نعمان احمد صدیقی نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم کام کیا ہے اور آج کل گورنمنٹ کالج پلندری کے شعبہ کامرس میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کا موبائل فون نمبر 0345-5842352 ہے۔ راقم الحروف نے فون پر رابطہ کر کے ان سے عبدالعلیم صدیقی صاحب کی شخصیت، فکر اور فن کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کر کے سپردِ قلم کی ہیں۔

عبدالرحمٰن طارق

عبدالرحمٰن طارق مرحوم 1917ء کو ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ 1942ء میں آپ لاہور آئے اور معراج بلڈنگ، اچھرہ میں اپنی والدہ اور دو بھائیوں کے ہمراہ بطور کرایہ دار رہائش پذیر ہو گئے۔ تمام عمر شادی نہیں کی اور تمام زندگی اپنی والدہ محترمہ کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ آپ کی والدہ محترمہ 67-1966ء میں وفات پا گئیں۔

عبدالرحمٰن طارق درویش منش انسان تھے۔ دنیاوی جاہ و حشمت اور مال و دولت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ سادہ زندگی بسر کی۔ تصنیف، تالیف و ترجمہ اور زمین کی محدود سی آمدن سے ضروریاتِ زندگی پوری کرتے رہے۔ 1954ء کو انہوں نے ناشرِ کتب ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور کے ہاں ملازمت کی اور تصنیف و تالیف کا کام سرانجام دیتے رہے۔ چند سال بعد یہ ملازمت بھی چھوڑ دی اور ذاتی طور پر تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔

انہیں نوعمری میں علامہ اقبالؒ کی زیارت اور متعدد بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ وہ علامہ اقبالؒ سے شدید محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک ادارہ 'مکتبۂ یادگارِ اقبال' قائم کیا اور اس ادارے کے زیرِ اہتمام 'تفسیرِ خودی اور فلسفۂ بے خودی' اور 'اقبال اور دخترانِ ملت' جیسی خوبصورت کتابیں شائع کیں۔ 1982ء کو جبکہ ان کی عمر 65 برس تھی وہ ایک المناک حادثہ کا شکار ہو کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

عبدالرحمٰن طارق نے زندگی بھر علمی و ادبی خدمات سرانجام دیں۔ انہوں نے آئندہ نسل کے لیے بہت بڑا ادبی سرمایہ چھوڑا جس کی فہرست درج ذیل ہے:

اقبالیات:۔

1- پیامِ اقبال
2- جہانِ اقبال
3- جوہرِ اقبال

تراجم:۔

1- حدیقہ ارم (زبورِ عجم کا منظوم ترجمہ)
2- رموزِ فطرت (ارمغانِ حجاز کے فارسی حصہ کا منظوم ترجمہ)
3- رُوحِ مشرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)
4- رُباعیاتِ اقبال (انگریزی)
5- اسرارِ خودی "
6- رموزِ بے خودی "
7- اقبال کی چند طویل نظمیں (انگریزی)

شروح:۔

1- اشاراتِ اقبال

2- معارفِ اقبال

متفرقات:

1- مضامین

2- سرورِ حیات (مجموعہ کلام)

3- فرعون وکلیم (ڈراما)

4- لیاقت امریکہ میں (وزیراعظم پاکستان جناب لیاقت علی خان) کی انگریزی تقاریر کا ترجمہ۔

5- مقامِ خیال (ترجمہ)

6- عبدالقادر جیلانیؒ (ترجمہ)

7- سیّد علی ہجویریؒ (ترجمہ)

اقبالیات:۔

1- فردوسِ معانی

2- لسان العصر

3- مشاہیرِ اسلام، موت کی آغوش میں

4- اشتراکیت۔

5- صحیفۂ ادب (کلامِ غالب پر ایک خوبصورت مقدمہ)

6- SPEECHES AND STATEMENTS OF IQBAL (83)

انجم رومانی

انجم رومانی 14/ محرم الحرام 1339ھ بمطابق 28/ ستمبر 1920ء کو سلطان پور لودھی (سابق ریاست کپورتھلہ، ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق چغتائی خاندان سے ہے۔ ان کے والد کا نام عطا محمد اور والدہ کا نام دولت بی بی ہے۔ والدین نے ان کا نام فضل الدین رکھا۔ ان کی تعلیمی اسناد پر ان کا نام فضل الدین چغتائی اور شناختی کارڈ پر فضل الدین انجم رومانی درج ہے۔ عطا محمد بالکل ان پڑھ تھے۔ دولت بی بی عالمہ فاضلہ خاتون تھیں۔ ان کے بارے میں انجم رومانی لکھتے ہیں:

> ''صبر و توکل کا پیکر، جوانی میں سفید بالوں والی اس عورت کا نام دولت بی
> بی تھا..... ہاں! دولت بی بی..... اس کے پاس ہمت کی دولت تھی.....
> علم و ادب کی دولت۔'' (84)

انجم رومانی کے دادا قطب الدین درویش صفت اور صوفی منش انسان تھے۔ پیشے کے اعتبار سے معمار تھے۔ انجم رومانی کے والد بھی نہایت درویش صفت انسان تھے۔ ان کے درویشانہ مزاج اور سادہ لوحی کی وجہ سے ان کے دوست احباب انہیں سائیں کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ عطا محمد بھی پیشہ کے لحاظ سے معمار تھے۔

ان کے نانا حکیم فیض اللہ ریاست کپورتھلہ کے فوجی رسالے میں نعل بند تھے۔ یہ شاعر بھی تھے اور مسافر تخلص کرتے تھے۔ مطالعہ کا بہت شوق رکھتے تھے اور کئی کتابوں کے خالق بھی تھے۔

انجم رومانی نے ابتدائی تعلیم پر مجیت ہائی سکول سلطان پور لودھی، ریاست کپورتھلہ سے حاصل کی۔ وہ بچپن ہی سے خاموش مزاج اور سنجیدہ شخصیت کے مالک تھے۔ وہ انتہائی ذہین طالب علم تھے۔ علم و ادب سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ انہوں نے بچپن میں ہی داغ دہلوی، نظیر اکبر آبادی، مولانا الطاف حسین حالی، مرزا اسد اللہ غالب اور علامہ اقبال جیسے شعراء کا مطالعہ کر لیا تھا۔

انہوں نے 1937ء میں نمایاں پوزیشن سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ انہوں نے ریاست میں پوزیشن حاصل کی اور انہیں گولڈ میڈل ملا۔ میٹرک کے فوراً بعد اسی سال رندھیر کالج کپورتھلہ میں ایف اے میں داخلہ لے لیا۔ تعلیم کے ساتھ شاعری کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ''ثاقب چغتائی'' کے نام سے چند نظمیں لکھیں۔ جو کالج میگزین میں شائع ہوئیں۔ 1939ء میں ایف اے کا امتحان درجہ اول میں پاس کیا اور لاہور چلے آئے۔ یہاں آ کر اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ 1941ء میں بی اے کا امتحان اعزازی نمبروں سے پاس کیا اور اپنی ذاتی دلچسپی سے ریاضی میں آنرز کی ڈگری کا اعزاز حاصل کیا۔ اسلامیہ کالج میں انہیں 42-1941ء کے رول آف آنر سے بھی نوازا گیا۔ 1941ء میں انہوں نے اسلامیہ کالج کے شعبہ ریاضیات میں ایم اے میں داخلہ لیا۔ 1943ء میں انہوں نے ریاضیات میں ماسٹر کی ڈگری نمایاں کامیابی کے ساتھ حاصل کی۔ اس طرح انہوں نے تعلیمی مراحل نمایاں کامیابی سے طے کیے۔

تعلیمی مراحل طے کرنے کے بعد قریباً چار پانچ ماہ تک ٹرانسپورٹ کے ذیلی محکمہ میں بطور راشننگ آفیسر کام کیا۔ 23/ ستمبر 1944ء کو بطور صدر شعبہ ریاضی، اسلامیہ کالج جالندھر میں تعینات ہوئے۔ اس کالج میں وہ 13

/جولائی 1947ء تک رہے۔قیام پاکستان سے ایک ماہ قبل ان کا تقرر پنجاب یونیورسٹی لاہور کے شعبہ فلکیات میں ہوا اور لاہور چلے آئے۔وہ 14/جولائی 1947ء تا 9/اکتوبر 1947ء تک یہاں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ وہ 10/اکتوبر 1947ء کو بطور لیکچرار ریاضی، ایمرسن کالج ملتان چلے گئے۔یہاں وہ 25/فروری 1948ء تک رہے۔ یہاں سے ان کی ٹرانسفر گورنمنٹ کالج منٹگمری، ساہیوال میں کر دی گئی۔انجم رومانی یہاں صرف سات ماہ رہے۔وہ 3/ستمبر 1948ء کو استعفیٰ دے کر واپس لاہور آ گئے۔یکم اکتوبر 1948ء کو بطور صدر شعبہ ریاضی، دیال سنگھ کالج میں تعینات ہوئے اور 1972ء تک اسی عہدے پر فائز رہے۔1972ء میں انہیں وائس پرنسپل بنا دیا گیا۔اس عہدے پر وہ 11/جنوری 1977ء تک فائز رہے۔اس کے بعد اسلامیہ کالج سول لائنز (پرانا ڈی۔اے۔وی کالج) میں بطور صدر شعبہ ریاضی تعینات ہوئے۔تین سال تک اس عہدے پر فائز رہے اور 4/جنوری 1980ء کو ان کی ملازمت کا دور اختتام پذیر ہوا۔اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے تک وہ پنجاب یونیورسٹی کے سپیس سائنس کے شعبہ میں ہفتے میں پانچ دن تک لیکچر دیتے رہے۔

انجم رومانی درس و تدریس اور شاعری میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔وہ بہت محنتی، مخلص، فرض شناس اور با اصول انسان تھے۔وہ مذہب اور وطن سے شدید محبت رکھتے تھے۔

اس سلسلہ میں یاسمین انجم جاوید لکھتی ہیں:

''ابو نے اپنی ساری زندگی ان زریں اصولوں کے مطابق گزاری جواب صرف کتابوں تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور اس کے باعث بے شمار نقصانات اٹھائے.....''
ابو شروع سے ہی حق حلال کی کمائی کے معاملے میں بہت محتاط تھے۔انہوں نے میرے بھائی سرور انجم کو صرف اس وجہ سے سول سروس میں نہیں جانے دیا کہ وہاں رشوت کے بغیر گزارا نہیں ہوتا۔رشوت اور سفارش کو وہ فعل قبیح گردانتے تھے۔''(85)

انجم رومانی کفایت شعار تھے اور رسم و رواج کے بھی قائل نہ تھے۔مثلاً جب انہوں نے اپنے بیٹے کی شادی کی تو جہیز لینے سے انکار کر دیا۔خود اپنی وفات سے قبل سوم اور چہلم نہ کرنے کی وصیت کر گئے تھے۔اس طرح اس احتیاط کے پیش نظر تحائف بھی قبول نہیں کرتے تھے کہ نہ جانے کس قسم کی آمدنی سے یہ تحائف خریدے گئے ہوں۔

13/اپریل 2001ء کو انجم رومانی وفات پا گئے۔انہیں قبرستان گلشن راوی لاہور میں آرام گاہ نصیب ہوئی۔

انجم رومانی نے 1937ء سے شاعری شروع کی۔سب سے پہلے داغ دہلوی کی شاعری کا مطالعہ کیا۔اس کے بعد نظیر اکبر آبادی، مولانا الطاف حسین حالی، مرزا غالب، اور اقبال کے کلام خوب پڑھے۔غالب اور اقبال نے انہیں بے حد متاثر کیا۔وہ اختر شیرانی کی شاعری سے بھی بہت متاثر تھے۔

ہم عصروں میں سے انتظار حسین، شہرت بخاری، اعجاز حسین بٹالوی، حنیف رامے، الطاف گوہر اور قیوم نظر، اگلی نسل میں سے گلزار وفا چوہدری، احمد حسن حامد، عطاء الحق قاسمی اور جونیئرز میں سے سراج منیر، ڈاکٹر تحسین فراقی، سعادت سید اور علی اکبر عباس ان کے ساتھیوں اور خیر خواہوں میں سے تھے۔ان حضرات سے آخری دم تک دوستی اور تعلق قائم رہا۔

مذہبی، صوفی اور ادبی گھرانے سے تعلق کی وجہ سے انجم رومانی مذہبی اور صوفیانہ طرزِ فکر رکھتے تھے۔ وہ نعت ،غزل اور نظم تینوں میدانوں میں منفرد مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے پہلے نظم اور پھر آزاد نظم میں بہت طبع آزمائی کی۔ بالاخر غزل گوئی کی طرف مائل ہوئے اور یہی ان کا فن ٹھہرا۔ اس ضمن میں انتظار حسین لکھتے ہیں:

''اختر شیرانی سے متاثر ہو کر رومانی نظم لکھی اور فضل دین انجم سے انجم رومانی بن گئے۔ آزاد نظم کا شور وغل سنا تو آزاد نظم بھی بہت لکھی۔ مگر جب طبیعت میں ٹھہراؤ آیا تو رومانی نظم اور نظم آزاد دونوں کو جوانی کی آوارگی جان کر ترک کیا۔ سیدھی راہ پر آئے اور غزل کہنے لگے اور آخر کو یہی ان کا فن ٹھہرا۔'' (86)

انجم رومانی اپنی تخلیقات پر بار بار نظر ثانی کرتے اور جب تک دل و دماغ دونوں مطمئن نہ ہو جاتے، یہ سلسلہ جاری رہتا۔ عطاء الحق قاسمی ان کی اس عادت کے بارے میں کہتے ہیں:

''انجم رومانی گوشہ نشین شاعر تھے۔ مگر ان کے پائے کے غزل گو ہمارے ہاں بہت کم ہیں۔ وہ بلاشبہ ایک صاحب طرز شاعر تھے۔ وہ ''کاتا اور لے دوڑی'' کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ ایک ایک شعر پر محنت کرتے، اسے سنوارتے، تراشتے اور پھر کہیں ارباب ذوق کے سامنے پیش کرتے۔'' (87)

انجم رومانی کی غزل گوئی کے بارے میں ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر لکھتے ہیں:

''.....انجم رومانی کی غزل پڑھیے تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ غزل صرف انجم رومانی ہی کہہ سکتے ہیں۔ لفظ کے انتخاب سے لے کر غزل کی ترتیب و تشکیل تک کے تمام مراحل ان کے وظیفۂ حیات اور حسنِ خیال کے گواہ ہیں۔ ان کی غزل کا فن لوچ اور فکری آہنگ ان کے دل کی سرزمین میں اُگتا ہے۔'' (88)

ڈاکٹر تحسین فراقی، انجم رومانی کی اقبال شناسی کے بارے میں کہتے ہیں:

''فن کے تقاضوں کو مجروح کیے بغیر اقبال کی فکری وراثت کو جس خوبی سے انجم رومانی نے اپنی شاعری میں جذب کیا ہے۔ اس کی مثالیں ہماری معاصر شاعری میں عنقا ہیں۔ وہ ہمارے ان شعراء میں سے تھے جو ''بہترین'' پر اصرار کرتے تھے۔ (89)

نمونہ کلام:۔

اللہ کے در کے سوا کب سر ہمارا خم ہوا — تم اور انساں کے چرن، تم اور ہو، ہم اور ہیں (90)
تم خود کو سمجھو عقلِ کل، ہم تابع ختم الرسلؐ — اے پیروان اہرمن! تم اور ہو، ہم اور ہیں (91)
ترے ہی نقشِ پا پر چل رہا ہے — اگر صادق ہے کوئی یا امیں ہے (92)
ہوں گے وہ اور جن کو دل و جاں عزیز ہے — مجھ کو ہو تم عزیز کہ ایماں عزیز ہے (93)
عرفان و آگہی کے جتنے بھی سلسلے ہیں — پھوٹے ہیں سارے تجھ سے، سب تجھ پہ آ ملے ہیں (94)
یوں بھی کچھ لوگ انہیں لوٹ کے لے جاتے ہیں — کچھ طبیعت بھی فقیروں کی غنی ہوتی ہے (95)

فہرست تخلیقات:۔

نمبر شمار	عنوان	ناشر	مقام اشاعت	بار	سنہ اشاعت
1	اقبال کا منتخب فارسی کلام (منظوم اردو ترجمہ)	اقبال اکادمی پاکستان	لاہور	اول	1999ء
2	پس انداز	القمر انٹر پرائزز	لاہور	اول	2000ء
3	ثنا اور طرح کی (نعتیہ مجموعہ)	سلیم و ریاض، قوسین	لاہور	اول	1998ء
4	دنیا کے کنارے سے	سنگِ میل پبلی کیشنز	لاہور	اول	1998ء
5	کلیات انجم رومانی (مرتبہ:۔یاسمین انجم جاوید)	روداد پبلی کیشنز	اسلام آباد	اول	ستمبر 2001ء
6	کوئی ملامت	مکتبہ عالیہ	لاہور	اول	1983ء (96)

ڈاکٹر خالد حمید شیداؔ

ڈاکٹر خالد حمید شیداؔ (ایم ڈی) 1929ء میں کوچہ چیلان ، دہلی میں پیدا ہوئے۔ بچپن بھی وہیں گزرا۔ اینگلوعربک ہائی اسکول سے آرٹس میں تیرہ برس کی عمر میں میٹرک کیا۔ وہ وکیل بننا چاہتے تھے مگر اپنے والد عبدالحمید خاں کی خواہش پر ڈاکٹر بننے کا عزم کیا۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں داخلہ لے کر بی ایس سی کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی ۔ جب پاکستان بنا تو ان کی عمر سترہ برس تھی۔ ان کے والد جائیداد اور کاروبار کی الجھنوں کی وجہ سے اس وقت دہلی نہ آ سکے اور اپنے بچوں کو بہتر مستقبل اور بہتر تعلیم کے حصول کے لیے لاہور بھیج دیا۔

اس نوعمری میں خالد حمید نے اپنے بہن بھائیوں کی تعلیم و تربیت اور والدہ کی خدمت کی ذمہ داریاں بہ طریقِ احسن سرانجام دیں۔ اُس نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں داخلہ لے کر میڈیکل کی تعلیم بھی حاصل کرنا شروع کی۔ 1953ء میں میڈیکل کالج سے تعلیم مکمل ہوگئی۔ پاک فوج میں بحیثیت ڈاکٹر خدمات سرانجام دینا شروع کر دیں اور کیپٹن کے عہدے پر فائز ہوئے۔ 1957ء میں امریکہ چلے گئے اور تعلیم کے شعبہ میں خدمات سرانجام دینا شروع کر دیں۔ 1963ء میں پیتھالوجی میں سپیشلائز کیا۔ پڑھانے اور تحقیق کے شوق میں امریکہ کی ریاست اوہیو (Ohio) کے ایک ہسپتال میں پیتھالوجی کی پریکٹس شروع کر دی۔ بیس سال تک پریکٹس کرتے رہے۔ 1994ء میں پھر تدریس کا شعبہ اختیار کیا اور 1999ء تک Ohio ہی کے میڈیکل کالج میں پڑھایا۔

آج کل وہ ہیوسٹن ٹیکساس میں مقیم ہیں۔ انہیں امریکہ آئے قریباً 54 برس بیت گئے ہیں۔ اس دوران دس سال کینیڈا میں بھی گزارے۔

ڈاکٹر خالد حمید شیدا کے دو بھائی اور پانچ بہنیں ہیں۔ ان سے بڑی بہن لیڈی ڈاکٹر ہیں۔ ان سے چھوٹی ایک بہن لیڈی ڈاکٹر ہے اور تیسری بہن ٹاؤن پلانر ہے۔ ان سے چھوٹا بھائی زاہد چیف انجینئر کے عہدے سے ریٹائر ہُوا ہے اور سب سے چھوٹا بھائی ماجد امریکہ میں کیمیکل انجینئر کے طور پر خدمات سرانجام دے رہا ہے۔

خالد حمیدؔ کی 1964ء میں شادی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے یوسف حمید اور آدم حمید عطا فرمائے۔ انہوں نے اپنے بیٹوں کی بھی بہت محنت، توجہ اور لگن سے پرورش کی۔ بڑا بیٹا ڈاکٹر بن گیا اور Anesthsia میں سپیشلائز کیا۔ چھوٹا بیٹا الیکٹریکل انجینئر ہے اور بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹر کرنے کے بعد ایک امریکن کمپنی سے منسلک ہے۔

خالد حمید شیداؔ کے پردادا فقیر محمد خاں پٹھانوں کے یوسف زئی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے وہ شاعر بھی تھے اور گویاؔ تخلص رکھتے تھے۔ ان کا پیشہ سپہ گری تھا۔

خالد حمید شیداؔ کے دادا پیشہ کے لحاظ سے ڈاکٹر تھے۔ فارسی اور عربی پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ یہ بھی شاعر تھے۔ قرآن حکیم کا منظوم ترجمہ کر رہے تھے کہ وقت آخر آ گیا۔ ان کے چچا بھی شاعر تھے اور ان کا تخلص غزالیؔ تھا۔ انہیں یہ لقب خواجہ حسن نظامی نے دیا تھا۔ ان کے والد مولوی عبدالحمید خان زندگی بھر صحافت سے منسلک رہے اور تبلیغِ اسلام کا فریضہ بھی سرانجام دیتے رہے۔ وہ عربی فارسی کے عالم تھے۔ خالد حمید شیداؔ نے بچپن میں اپنے والد سے ہی فارسی کی تعلیم حاصل کی تھی۔

خالد حمید شیدا ننھیال کی طرف سے سیّد تھے۔ ان کا شجرۂ نسبت حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ ان کے آباؤ اجداد تبلیغ کے سلسلہ میں غالباً بخارا سے تشریف لائے تھے۔

ان کی شخصیت کے ارتقا میں ان کے خاندانی پس منظر اور تربیت کا بہت دخل رہا ہے۔ انہیں فارسی کے علاوہ اردو اور انگریزی ادب سے بہت لگاؤ تھا۔ وہ طالب علمی کے زمانے سے ہی اردو، فارسی اور انگریزی ادب کا بغور مطالعہ کرتے رہے۔

خالد حمید نے 1994ء میں حافظ شیرازی کے فارسی کلام کا اردو میں منظوم ترجمہ کرنا شروع کیا۔ ان کے خاندان میں پہلے سے شعر و شاعری کا رجحان تھا۔ انہیں مطالعہ کا شوق تھا۔ ان کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ہمت خداداد ہی تھی کہ انہوں نے فارسی کلام کا منظوم اردو ترجمہ شروع کر دیا۔ سب سے پہلے انہوں نے حافظ کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ کیا۔ حافظ کے ترجمے کے بعد، انہوں نے جمیل الدین عالیؔ کی ہدایت پر کلام غالب کا ترجمہ شروع کر دیا۔ اس کے بعد خسروؔ اور اقبالؒ کی فارسی غزلیات کا منظوم اردو ترجمہ کیا۔

ڈاکٹر خالد حمید شیدا کے حالاتِ زندگی کا بغور مطالعہ کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے باقاعدہ کسی قادر الکلام شاعر کی شاگردی نہیں کی۔ اس کے باوجود فارسی ادب کے عظیم شعرا حافظ، غالب، خسروؔ اور اقبالؒ کے کلام کا اردو میں منظوم ترجمہ کر دیا۔ اس حیرت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی چھوٹی بہن بشریٰ انیس الرحمٰن لکھتی ہیں:

> ..... فارسی شاعری سے ان کی دلچسپی 1994ء میں شروع ہوئی۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے مجھے اطلاع ملی کہ بھائی حافظ شیرازی کے فارسی کلام کا اردو میں منظوم ترجمہ کر رہے ہیں تو مجھے بالکل یقین نہیں آیا۔ اس لیے کہ امریکن بیوی کی موجودگی میں تو وہ اردو میں بات بھی بہت کم کرتے تھے اور اکثر کہتے تھے کہ میں اردو پڑھنا ہی بھول گیا ہوں۔ میں دل ہی دل میں ان کی اس بات سے خاصی افسردہ رہتی تھی۔.....'' (97)

خالد حمید شیدا خود اپنی اس تنگ دامنی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ..... مجھے یقین ہے آپ سوچ رہے ہوں گے کہ اس قدر نالائق آدمی کا اردو و فارسی ادب و عبارت اور شعر و شاعری سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ بات آپ کی ٹھیک ہے مگر آدھی۔ یہ صحیح ہے کہ میں نے 64 سال کی عمر سے پہلے ذرا بھی تک بندی نہیں کی اور فارسی تو کیا پچاس سال سے اردو تک نہیں بولی اور فارسی میں نے صرف اسکول ہی میں پڑھی تھی مگر میرا مزاج بچپن ہی سے عاشقانہ تھا۔ دو سال کی عمر میں میرے والدین مجھے لیلیٰ مجنوں کا تھیٹر دیکھنے لے گئے تھے۔ وہاں مجنوں نے کئی فارسی کی غزلیں گائی تھیں جو مجھے ازبر ہوگئی تھیں اور میں روز و شب گاتا پھرتا تھا۔ سر مستم و مدہوشم دیوانۂ منزل ام۔ گو فارسی میں نے تھوڑی سی اسکول میں پڑھی تھی میرے والد محترم کو فارسی عربی پر عبور تھا جس کی وجہ سے فارسی سے میرا بچپن ہی میں تعارف ہوگیا تھا اور پھر علی گڑھ میں میرے اُستادِ مہرباں حضرت معین احسن جذبی نے اس کی نشوونما کر دی تھی۔ لیکن اس کے بعد خلاص۔'' (98)

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ

1- خالد حمید شیدا نے فارسی کی ابتدائی تعلیم سکول سے حاصل کی۔ بعد میں انہوں نے اپنے والد سے فارسی زبان کی تعلیم حاصل کی۔

2- خالد حمید شیدا اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے 64 سال کی عمر سے پہلے ذرا بھی تُک بندی نہیں کی۔ انہوں نے یہ دیباچہ 8 اکتوبر 2008ء کو تحریر کیا تھا۔ وہ 1929ء میں پیدا ہوئے تھے۔ دیباچہ تحریر کرتے وقت ان کی عمر قریباً 79 سال تھی۔ 1995ء میں ان کی عمر 64 سال تھی۔ ان کے بیان سے ظاہر ہے کہ انہوں نے 1995ء سے پہلے ذرا بھی تک بندی نہیں کی۔ ان کی چھوٹی بہن بشریٰ انیس الرحمٰن کے بیان کے مطابق فارسی شاعری سے ان کی یعنی خالد حمید شیدا کی دلچسپی 1994ء میں یعنی 63 سال کی عمر میں شروع ہوئی اور انہوں نے حافظ شیرازی کے فارسی کلام کا اردو میں منظوم ترجمہ کرنا شروع کیا۔

3- خالد حمید شیدا 1957ء میں امریکہ چلے گئے تھے۔ انہوں نے کتاب 'خسرو اور اقبال' کا دیباچہ 8 اکتوبر 2008ء کو تحریر کیا تھا۔ دیباچہ تحریر کرتے وقت انہیں امریکہ میں رہائش اختیار کئے ہوئے 50 سال گزر گئے تھے۔ وہ مندرجہ بالا اقتباس میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے فارسی تو کیا پچاس سال سے اردو تک نہیں بولی۔ ان کی بہن بشریٰ انیس الرحمٰن لکھتی ہیں کہ جب مجھے اطلاع ملی کہ بھائی حافظ شیرازی کے فارسی کلام کا اردو میں منظوم ترجمہ کر رہے ہیں تو مجھے بالکل یقین نہیں آیا۔ اس لیے کہ امریکن بیوی کی موجودگی میں تو وہ اردو میں بات بھی بہت کم کرتے تھے۔ اور اکثر کہتے تھے کہ میں اردو پڑھنا ہی بھول گیا ہوں۔

متذکرہ بالا حقائق کے خط کشیدہ جملے غور طلب ہیں۔ خالد حمید شیدا کہتے ہیں کہ انہوں نے پچاس سال سے اردو تک نہیں بولی۔ ان کی بہن کہتی ہیں وہ اردو میں گفتگو کر لیتے تھے مگر بہت کم۔ مزید غور طلب بات یہ ہے کہ ان کی بہن کے بیان کے مطابق خالد حمید شیدا اردو پڑھنا بھول گئے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا شخص جو اردو پڑھنا بھول گیا ہو۔ پچاس برس سے اس نے اردو نہ بولی ہو یا بہت کم بولی ہو وہ فارسی کے مستند اساتذہ کا کلام کیسے پڑھ اور سمجھ سکتا تھا اور پھر اس کا منظوم اردو میں کیسے ترجمہ کر سکتا تھا۔ فارسی سے اردو میں ترجمہ کرنا تو الگ رہا ایسا شخص جو اردو پڑھنا بھول گیا ہو وہ اردو لکھ نہیں سکتا۔ جبکہ خالد حمید شیدا نے عظیم اساتذہ کا کلام پڑھا، سمجھا اور پھر اس کا منثور اردو نہیں بلکہ منظوم اردو ترجمہ کیا۔

4- مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ خالد حمید شیدا جب دو سال کے تھے تو ان کے والدین انہیں لیلیٰ مجنوں کا تھیٹر دیکھنے لے گئے۔ ان کا یہ بیان محلِ نظر ہے اور خلافِ مشاہدہ و عادت بھی۔ اس قدر کم عمری میں ان کی یادداشت اس قدر تیز تھی کہ انہیں مجنوں کی گائی ہوئی غزلیں زبانی یاد ہو گئیں اور وہ دن رات یہ غزلیں گاتے پھرتے رہے۔ دو سال کا دودھ پیتا بچہ 'اوں آں' تو کر سکتا ہے مگر فارسی غزلیں سن کر کیسے یاد کر سکتا ہے اور گا سکتا ہے۔ مزید یہ کہ اس کم عمری میں غزلیں گا کر کیسے مست اور مدہوش ہو سکتا ہے۔

5- ان کے حالاتِ زندگی کے بغور مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے صرف مختصر عرصہ میں معین حسن جذبی سے فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اس قدر چھوٹی عمر میں حاصل کی گئی فارسی زبان کی تعلیم کسی صورت بھی اس قدر اعلیٰ پائے کی نہیں ہو سکتی کہ متعلم فارسی اور اردو زبانوں سے قریباً پچاس سال کی لاتعلقی کے بعد فارسی زبان کے عظیم اساتذہ کا کلام سمجھ کر اچھے طریقے سے اس کا منظوم اردو ترجمہ کر پائے۔

6- خالد حمید شیدا کے حالاتِ زندگی اور احوال کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ فارسی اور اردو زبان کی باریکیوں سے آگاہ نہیں تھے۔ انہوں نے عظیم اساتذہ کے کلام کو سمجھنے کے لیے اربابِ ذوق اور اہلِ فن و ادب کی شاگردی بھی اختیار نہیں کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں زبانوں میں مہارت نہ ہونے کی وجہ سے اور فارسی کے عظیم شعرا کے کلام کے فنی، فکری اور ادبی محاسن سے لاعلم ہونے کی وجہ سے ممکن نہ تھا کہ وہ حقِ ترجمہ ادا کر پاتے۔

7- ڈاکٹر خالد حمید شیدا کے اپنے بیانات سے عیاں ہوتا ہے کہ انہوں نے ذریعہ معاش کے طور پر شعر و شاعری اور ترجمہ کا کام شروع کیا اور خداداد صلاحیت کی بدولت اسے نبھانے کی کوشش کی۔ وہ بیان کرتے ہیں:

> بڑھاپے میں جب بے روزگاری کا خوف بڑھنے لگا تو بچپن یاد آیا اور میں نے اردو فارسی کی شاعری کا رخ کیا۔ حافظ سے مجھے لڑکپن سے لگاؤ تھا 64 سال کی عمر میں جب پھر انہیں پڑھنے بیٹھا تو سوچا کہ ان کا تو اردو میں بھی آسانی سے منظوم ترجمہ کیا جا سکتا ہے بس اس میں لگ گیا۔ ترجمہ کردہ غزلیات کچھ پاکستان بھیجیں تو وہاں لوگوں کو پسند آئیں اور اس سلسلے میں محترم شبنم رومانی مدیر ''اقدار'' نے میری پذیرائی کی اور بہت ہمت بڑھائی۔(99)
>
> ''بے روزگاری کے خوف نے مجھے تک بندی سکھائی تھی اور میں نے فارسی غزلوں کا اردو ترجمہ کرنا شروع کر دیا تھا۔''..... آج کل فارسی غزلوں کا انگریزی ترجمہ کر رہا ہوں۔ خسرو اور حافظ کی پہلی سو سو غزلوں کا ترجمہ کر دیا ہے۔.....''(100)

خالد حمید شیدا کے بیانات سے ظاہر ہے کہ انہوں نے کاروباری بنیادوں پر فارسی کلام کا اردو اور انگریزی میں ترجمہ شروع کیا۔ ذاتی گرہ سے یہ کتب چھپوائیں اور ان کی فروخت کا سلسلہ قائم کرنے کے لیے مختلف میڈیا کا سہارا لیا۔ اگر وہ بڑھاپے میں روزگار کے حصول کے لیے کوئی اور ذریعہ اختیار کرتے تو بہتر ہوتا۔

8- خالد حمید شیدا کا دو سال کی عمر میں لیلیٰ مجنوں کی فارسی غزلیں سن کر انہیں یاد کر لینا اور مستی و مدہوشی میں گاتے پھرنا، امریکہ میں 50 سال کے عرصہ میں رہائش کے دوران اردو پڑھنا بھول جانا، ذریعہ معاش کے طور پر شعر و شاعری اور ترجمہ کا کام شروع کرنا، بے روزگاری کے خوف سے تک بندی سیکھنا، یہ سب امور اس معاملہ کے ایک اور پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا خالد حمید شیدا نے معاوضہ دے کر کسی مجبور، بے کس، بے بس شاعر سے ترجمہ کا یہ کام تو نہیں کرایا۔ میں پاکستان میں ایسے بہت سے ان پڑھ پبلشرز کو جانتا ہوں جو مسودے خرید کر اپنے نام سے شائع کر رہے ہیں اور عالم فاضل بن بیٹھے ہیں۔ یہ حادثہ میرے ساتھ بھی گزر چکا ہے۔ اردو بازار کے ایک مشہور پبلشر نے جو کہ خادمِ خلق اور لاہور کے ان داتا کے نام سے مشہور ہیں مجھ سے اس وعدہ پر انگریزی سے انگریزی اور اردو ترجمہ پر مشتمل ڈکشنری لکھوائی کہ وہ اسے میرے نام سے شائع کرے گا مگر جب ڈکشنری شائع ہو گئی تو

اسے اپنے بیٹے کے نام پر شائع کر دیا جو کہ ابھی ایک طالب علم ہے اور انگلینڈ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔
اس طرح یہ پبلشر آئے دن اپنے نام سے یا اپنے مرحوم بھائی کے نام سے علمی، ادبی کتابیں شائع کر رہا ہے۔ مختصر یہ کہ خالد حمید شیدا کے حالاتِ زندگی، ان کے اپنے اور ان کی ہمشیرہ کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ کا یہ کام ان کی بساط سے باہر تھا۔ اس امر پر تحقیق کی ضرورت ہے کہ کہیں یہ ترجمہ کسی اور کی علمی کوشش تو نہیں ہے۔
معلومات حاصل کرنے کے دستیاب ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ خالد حمید شیدا نے منظوم اردو تراجم کے بعد حافظ، خسرو، غالب اور فیض کے کلام کا بھی انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ انگریزی تراجم شائع ہو چکے ہیں اور ہارڈ پرنٹ، الیکٹرانک پرنٹ اور آڈیو کی شکل میں موجود ہیں۔

1. Ghalib, the Indian beloved
2. Hafiz, the Vioce of God: A Hundred Odes
3. Hafiz, Drunk with God
4. Khusro, the Indian Orpheus: A Hundred Odes
5. Faiz, Wailing Nightingale

اس کے علاوہ ''شام غریب'' کے نام سے اردو غزلیات اور Shaida, the Romantic Old Fool کے نام سے ان کا انگریزی مجموعہ کلام بھی شائع ہو چکے ہیں۔(101)
حاصل مطالعہ یہ ہے کہ اصل تخلیق کے تمام محاسن کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا بہت مشکل کام ہے۔ ترجمہ کرتے وقت ایک مترجم کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اصل تخلیق کا حقیقی مفہوم دوسری زبان میں بیان کر دے۔ اس کے لیے کہیں لفظی ترجمہ کرنا پڑتا ہے اور کہیں الفاظ کی کمی بیشی سے اصل مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ منظوم ترجمہ کی صورت میں اصل کلام کے شعری محاسن بھی برقرار رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان دشواریوں کے پیشِ نظر اکثر مترجمین اصل کلام کے الفاظ اور تراکیب کا سہارا لیتے ہیں تا کہ اس کلام کے صوری و معنوی محاسن برقرار رہیں۔ اس کوشش میں بعض اوقات ترجمہ مضحکہ خیز ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی اصل مفہوم سے بھی ہٹ جاتا ہے۔ خالد حمید شیدا کے منظوم تراجم میں یہی صورتِ حال نظر آتی ہے۔
مزید یہ کہ تاریخ زبان و ادب میں ایسے بہت سے کاموں کا پتہ چلتا ہے جو کسی محنتی انسان کی کوشش سے منصہ شہود پر آتے ہیں مگر ان پر لیبل کوئی اور لگا لیتا ہے۔ خالد حمید شیدا کی متذکرہ علمی قابلیت کی بنیاد پر اس شبہ کو بھی تقویت ملتی ہے اور یہ امر تحقیق کا تقاضا کرتا ہے۔

حکیم سید محمود احمد سروسہارنپوری

حکیم سیّد محمود احمد سروسہارنپوری 3 مارچ 1934ء کو سہارنپور انڈیا میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حکیم حافظ سید داؤد احمد بخاری خاندانی حکیم تھے۔ وہ تحریکِ خلافت کے نامور رہنما تھے اور اعلیٰ سیرت و کردار کے مالک تھے۔ حکیم حافظ سید داؤد احمد بخاری 5 مئی 1937ء کو انتقال فرما گئے۔

ان کے والدِ محترم کے انتقال کے بعد ان کی تربیت ان کی والدہ محترمہ نے کی۔ وہ انہیں ان کے والد اور تحریکِ خلافت کے دیگر رہنماؤں کے ایمان افروز واقعات سناتی رہیں۔ اس سے ان کے دل میں ایمان کی ایسی شمع روشن ہوگئی جس نے انہیں کبھی حق کے راستے سے منحرف نہ ہونے دیا۔

حکیم صاحب زندگی بھر سلسلۂ تعلیم سے وابستہ رہے۔ مطالعہ کا بہت شوق رکھتے تھے۔ انہوں نے قرآن مجید، حدیث شریف، فقہ کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ سرسید احمد خاں، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، علامہ مشرقی، مولانا مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا منظور نعمانی، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع جیسی عظیم شخصیات کی تحریروں کے ذریعے شرف تلمذ کی سعادت پائی۔ انہوں نے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا احمد سعید دہلوی کے خطبات کو بھی سنا اور بھرپور استفادہ کیا۔

حکیم صاحب نے فارسی زبان و ادب میں بھرپور دلچسپی لی۔ سعدیؔ، انوریؔ، فردوسؔی، حافظ شیرازی، مولانا روم اور اقبالؔ کی شاعری کا بغور مطالعہ کیا اور ذوق پیدا کیا۔

اردو نظم و نثر میں بھی بھرپور دلچسپی لی۔ ولی دکنی سے فیضؔ و فرازؔ تک اور میرؔ سے حسرتؔ تک سب کو پڑھا۔ داستانوں میں داستان امیر حمزہ اور طلسم ہوشربا کے سارے دفاتر پڑھے۔

حکیم صاحب زندگی بھر اندرونِ ملک اور بیرون ملک مختلف مقامات اور مواقع پر درس قرآن و حدیث دیتے رہے ہیں اور اپنی تحریر و تقریر سے ریڈیو، ٹیلی ویژن اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے علمی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔

انہوں نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں بھی نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ اس سلسلہ میں 1946ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ میرٹھ سے پشاور تک کا سفر کیا۔ جہاں راستے کے جلسوں میں تلاوت کی، نعتیں اور نظمیں پڑھیں۔

وہ مختلف اداروں، کالجز اور یونیورسٹیوں (قائداعظم یونیورسٹی، اسلامی یونیورسٹی (دعوۃ اکیڈمی)، محمد علی جناح یونیورسٹی اور دیگر اداروں) میں خطبات دیتے رہے۔ اجمل طبیہ کالج اور دعوۃ اکیڈمی انٹرنیشنل یونیورسٹی میں اعزازی لیکچرار کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔

حکیم صاحب سچے عاشقِ رسولؐ تھے۔ اس عشق و محبت کے صدقے وہ عمر بھر شور و شغب، جہلا اور تماش بینوں کی محبت سے دور رہے۔ اس کا اعتراف کرتے ہوئے وہ خود کہتے ہیں ؎

ان کے صدقے میں رہی پاک جوانی میری　　ان کی رحمت سے مبارک ہے بڑھاپا میرا　　(102)

عشقِ نبویؐ کی بدولت ہی ان کی شاعری میں رنگ پیدا ہوا۔ خود لکھتے ہیں ؎

نعت گوئی کی جب ابتدا ہو گئی　　شاعری میری قبلہ نما ہو گئی　　(103)

حکیم صاحب نے حکمت میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔ وزارت مذہبی امور نے نشان سیرت کانفرنس دیا۔ ریڈیو پر مقابلہ نعت میں 17 جولائی 1999ء کو انعام حاصل کیا۔ محمد علی جناح یونیورسٹی میں لیکچرار کے طور پر انہیں اعزازی شیلڈ ملی۔ آزاد کشمیر حکومت نے 2001ء میں کشمیر ایوارڈ دیا۔ لاہور کالج فار وومین یونیورسٹی لاہور سے بھی انہیں اعزازی شیلڈ دی گئی۔

حکیم صاحب کی اہلیہ مشہور بزرگ شاہ امیر الحسن سہارنپوری کی نواسی تھی۔ وہ سال پہلے پردہ فرما گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکیم صاحب کو تین بیٹے اور تین بیٹیاں عطا فرمائیں۔ ان میں سے ایک بیٹی اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئی ہیں۔ حکیم صاحب کے تینوں بیٹے سید حسن محمود، سید حسین محمود اور سید محمد محمود مستند حکیم ہیں اور اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے طب کے شعبہ میں خدمتِ خلق کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ تینوں بیٹے ہونہار ہیں۔ حکیم سید محمد محمود بھی حکیم صاحب کی طرح گولڈ میڈلسٹ ہیں اور طب کی پریکٹس کے ساتھ تعلیم کا فریضہ بھی سرانجام دے رہے ہیں۔

حکیم سرو سہارنپوری کی تصانیف کا اجمالی ذکر درج ذیل ہے:

1- زخمہ دل:۔ پہلا مجموعہ جو قصائد اور نعتوں پر مشتمل ہے۔ جس کا دیباچہ مولانا مودودیؒ نے لکھا۔
2- لالہ طور:۔ یہ پیام مشرق کا اردو منظوم ترجمہ ہے۔ جس کا کچھ حصہ اقبال اکادمی نے شائع کیا ہے۔ بقیہ ابھی چھپنا باقی ہے۔
3- خریطہ:۔ المشرقی کے 'خریطہ' کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا۔ جو علامہ المشرقی کے حوالے سے چھپنے والی کتاب کا حصہ ہے۔
4- ثنائے خواجہ:۔ دوسرا مجموعہ حمد و نعت ہے۔
5- خطبات رمضان
6- ام السنۃ حدیث جبریل
7- اسلامی نظام کس طرح نافذ ہوتا ہے
8- عزائم سے عمل تک
9- پاکستان بنانے کا مقصد افکار اقبال اور قائد اعظم کی روشنی میں۔
10- توہین رسالت ایکٹ (104)

بقول پروفیسر بدر حسین محشر زیدی حکیم سرو سہارنپوری جگر مراد آبادی کے اس شعر کی روشن ترین تصویر تھے۔

اپنا مقام آپ بناتے ہیں اہلِ دل　　ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا　　(105)

بقول افتخار عارف، سرو سہارنپوری عصر حاضر کے ایک عالمِ متبحر تھے جو عملی زندگی میں اللہ کی کتاب کی تبلیغ اور اللہ کے رسولؐ کی سنت کو عام کرنے میں ہمہ وقت منہمک رہے۔ (106)

حکیم سرور سہارنپوری 2/ اگست 2012ء بروز جمعرات بمطابق 13 رمضان المبارک کو راہی ملک عدم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ہر لحہ مدارج بلند فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر عصمت جاوید

عصمت اللہ جواد بی دنیا میں 'عصمت جاوید' کے نام سے معروف ہوئے 1922ء کو پونا کے قصبہ پیٹ جونا کوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اینگلو اردو سکول پونا میں ہوئی۔ بمبئی یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان اور پھر بی اے اور ایم اے کے امتحانات درجہ اول میں پاس کئے۔ 1958ء میں امراوتی کالج کے شعبہ اردو میں لیکچرار مقرر رہے۔ 1963ء میں بمبئی تبادلہ ہوا اور 1967ء میں اورنگ آباد آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ اپنے منظوم اردو ترجمہ (پیام مشرق) کی اشاعت کے وقت انہیں اورنگ آباد میں رہتے ہوئے 34 سال ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر عصمت جاوید نے مختلف ادبی شعبہ جات میں، خصوصاً شعبہ لسانیات میں اہم خدمات سرانجام دیں۔ ان کی تیرہ (13) عدد کتب شائع ہو چکی ہیں اور چار عدد (4) کتب زیرِ طبع ہیں۔ ان کی خدمات کے اعتراف میں انہیں اعزازات بھی دیے گئے ہیں۔ آپ نے تصنیف و تالیف اور ترجمہ کے علاوہ شعر و شاعری بھی کی ہے۔ ان کے چند اشعار مثال کے طور پر پیش ہیں۔

سائے میں اس کے بیٹھ کے ہم سوچتے کہاں
جو دھوپ جھیلنے کا سلیقہ شجر میں تھا

در ہیں ہونٹوں کے مقفل، سخت ہے پہرہ بہت
پھر بھی کہہ جاتا ہے خاموشی سے یہ چہرہ بہت

میرے دیار بدن میں تھا رات بھر روشن
گیا جو شام ڈھلے آخری کرن کی طرح (107)

ان کی مطبوعات، زیرِ طبع کتب اور اعزازات کی فہرست بھی پیشِ خدمت ہے۔ یہ فہرست ان کی بھرپور علمی، ادبی اور فنی مصروفیات کو ظاہر کرتی ہے۔

مصنف ہذا کی تصانیف

نمبر شمار	نام کتاب	صنف/موضوع	ناشر	سن اشاعت و مقام
01	فکر پیما	لسانیات و ادبی تنقید	منور جہاں	1971ء اورنگ آباد
02	لسانیاتی جائزے	لسانیات و عروض	مصنف	1977ء اورنگ آباد
03	ادبی تنقید	فن تنقید سے متعلق ہڈسن کے خیالات	اردو رائٹرز گلڈ	1978ء الہ آباد
04	قلب ماہیت	کافکا کے ناولٹ Metamorphosis کا اردو ترجمہ	ادارۂ جواز	1978ء مالیگاؤں
05	وجدان	جمالیاتی نظریات	اردو رائٹرز گلڈ	1979ء الہ آباد

06	تاش کا گھر	کہانی بسلسلۂ تعلیم بالغان	مہاراشٹر اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایڈلٹ ایجوکیشن	1981ء اورنگ آباد
07	نئی اردو (قواعد)	اردو کی پہلی لسانی قواعد پر مشتمل کتاب	ترقی اردو بورڈ دہلی	1981ء دہلی
08	اردو پر فارسی کے لسانی اثرات	لسانیات	مصنف	1987ء پونا
09	عکس اسرارِ خودی	فارسی 'اسرار خودی' کا منظوم اردو ترجمہ	مرکزی مکتب اسلامی دہلی	1991ء دہلی
10	گلبانگ خیال	عمر خیام کی فارسی رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ	فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ لاہور	1991ء لاہور
11	مراٹھی آموز	اہل اردو کے لیے مراٹھی گرامر	مہاراشٹر اردو اکیڈمی ممبئی	1992ء ممبئی
12	اکیلا درخت	غزلیات	مصنف	1998ء اورنگ آباد
13	عکس لالہ طور	فارسی 'لالہ طور' کا منظوم اردو ترجمہ	منور جہاں	2002ء اورنگ آباد

زیرِ طبع

01	Tulip of Sinai	لالہ طور کا انگریزی ترجمہ	اقبال اکیڈمی حیدرآباد
02	تلفظ نما اردو لغت	------------	حاجی غلام محمد اعظم ٹرسٹ پونا
03	قفسِ رنگ	منظومات	
04	اور پھر بیاں اپنا	انگریزی اور فارسی نظموں کے منظوم تراجم	

اعزازات

1- مہاراشٹر شاسن سمان پتر، 1983ء
2- مہاراشٹر اردو اکیڈمی کی طرف سے 'مراٹھی۔ اردو خدمات ایوارڈ، 1993ء
3- پونا فیسٹی ول کمیٹی پونے کی طرف سے ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر عوامی ایوارڈ، 1996ء
4- مہاراشٹر اردو اکیڈمی کی طرف سے 'ولی دکنی ریاستی ایوارڈ، 2001ء (108)

ڈاکٹر عصمت جاوید ہمارے دور کی ایک اہم علمی وادبی شخصیت ہیں۔ ان کی خدمات گراں قدر اور لائقِ تحسین ہیں۔

رؤف خیر

رؤف خیر حیدرآباد انڈیا کے رہنے والے ہیں۔ وہ ایک باصلاحیت اور ہونہار قلمکار ہیں۔ بقول ڈاکٹر تسخیر فہمی گزشتہ صدی کی ساتویں دہائی میں اور اس کے بعد جن شعراء نے اپنی طرف متوجہ کیا اور اپنی صلاحیتوں کے بل بوتہ پر اپنی پہچان بنائی ان میں رؤف خیر کا نمایاں نام ہے، جس نے اردو ادب کو بہت کچھ دیا اور جو دیا خوب دیا۔ اردو شاعری کی شاید ہی کوئی ایسی صنف ہو جو ان کی مشقِ سخن کی ہدف نہ بنی ہو۔ انہوں نے متعدد شعری مجموعے تخلیق کیے جن کی فہرست درج ذیل ہے:

مترجم کی دیگر تصنیفات

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/موضوع	سند/اعزاز	سنِ اشاعت
-1	اقراء	شعری مجموعہ	اردو اکادمی آندھرا پردیش کا انعام یافتہ	1977ء
-2	ایلاف	شعری مجموعہ	اردو اکادمی آندھرا پردیش کا انعام یافتہ	1982ء
-3	شہداب	شعری مجموعہ	اردو اکادمی آندھرا پردیش کا انعام یافتہ	1993ء
-4	حیدرآباد کی خانقاہیں	تحقیق		1994ء
-5	خط خیر	تنقیدی مضامین	اردو اکادمی آندھرا پردیش و مغربی بنگال کلکتہ کا انعام یافتہ	1997ء

(109)

رؤف خیر کلام اقبال کے شیدائیوں میں سے ہیں۔ انہوں نے علامہ اقبال کی مشہور نظم 'تنہائی' اور لالۂ طور (رباعیات) کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے جو قنطار (سونے چاندی کا ڈھیر) کے نام سے شائع ہوا ہے۔ رؤف خیر نے قنطار میں فارسی متن کے ساتھ منظوم اردو ترجمہ دیا۔ انہوں نے اقبال ہی کی بحر اور اسلوب میں یہ ترجمہ کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> ''ترجمہ کرتے ہوئے میں نے اقبال کی فکر کو اقبال ہی کے اسلوب میں بیان کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ البتہ کہیں کہیں مصرعوں کو موخر و مقدم کرلیا ہے تاکہ ترجمے کا حسن مجروح نہ ہونے پائے۔ کہیں کہیں تو ایسے ایسے قافیے میں نے برتے ہیں اور کچھ ایسے الفاظ Coin کئے ہیں کہ سخن شناس اپنا سکوت توڑنے پر مجبور ہو ہی جائیں گے۔''(110)

محمد سرور رجا

محمد سرور رجا بچپن سے ہی علمی وادبی مشاغل میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ پنجابی ان کی مادری زبان ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے محنتِ شاقہ سے پنجابی، اردو، فارسی اور انگریزی زبانوں میں مہارت حاصل کی۔ سولہ برس کی عمر میں انہوں نے شعروشاعری بھی شروع کر دی تھی۔ اس عمر میں انہوں نے فارسی میں ایک غزل لکھی جو بہت پسند کی گئی۔ یہ غزل ایران میں شائع ہوئی اور اسے خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔ انہوں نے شعروشاعری کے علاوہ فنِ ترجمہ میں بھی خصوصی دلچسپی لی اور اس میں خوب مہارت حاصل کی۔ ان کا پیامِ مشرق کے حصہ 'مئے باقی' کا منظوم اردو ترجمہ 2007ء کو شائع ہوا۔ اس سے پہلے ان کا لالۂ طور کا منظوم اردو ترجمہ 'ہالۂ نور' اور 'زبورِ عجم' کے اقتباسات کا منظوم اردو ترجمہ 'نسیم ارم' چھپ چکے تھے۔ علمی وادبی دنیا میں ان کے تراجم کو بہت پسند کیا گیا اور سراہا گیا۔

اچھے اخلاق اور اعلیٰ علمی وادبی مقام کی بدولت علمی وادبی دنیا میں انہیں خاص مقام حاصل ہے وہ ایک مسلّم الثبوت استادِ فن ہیں اور مترجمین میں اپنی ایک منفرد اور جداگانہ شناخت رکھتے ہیں۔ وہ صاحبِ طرز بھی ہیں اور صاحبِ اسلوب بھی۔ ان کی فنکارانہ صلاحیت اور غیر معمولی تخلیقی بصیرت قابلِ تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں لمبی عمر اور تندرستی عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے زورِ قلم میں اضافہ فرمائے اور انہیں بدستور علمی وادبی خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نمونۂ کلام

اصل متن از پیامِ مشرق غزل نمبر 24	منظوم اردو ترجمہ از محمد رور رجا
① فرقے نہ نہد عاشق در کعبہ و بتخانہ	عاشق کے لیے یکساں کعبہ ہو کہ بُت خانہ
ایں جلوتِ جانانہ، آں خلوتِ جانانہ	یہ جلوتِ جانانہ، وہ خلوتِ جانانہ
② شادم کہ مزارِ من در کوے حرم بستند	ہوں شاد مری تربت کوچۂ حرم میں ہے
راہے ز مژہ کادم از کعبہ بہ بتخانہ	رہ پلکوں سے کھودی ہے از کعبہ بہ بُتخانہ
③ از بزمِ جہاں خوشتر، از حور و جناں خوشتر	خوشتر یہ جہاں سے ہے اور حور و جناں سے ہے
یک ہمدمِ فرزانہ و ز بادہ دو پیمانہ	اک ہمدمِ فرزانہ و ز بادہ دو پیمانہ

سیّد احمد ایثارؔ

پیامِ مشرق کے منظوم اردو ترجمہ کے ٹائٹل سے اگلے صفحہ پر سیّد احمد ایثارؔ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:

تعارف مترجم

نام: سیّد احمد
تخلص: ایثارؔ

ولدیت: جناب سیّد جہانگیر مرحوم

تعلیم: بی ایس سی (میسور یونیورسٹی)، ماسٹر آف فارسٹری (یونیورسٹی واشنگٹن سیاٹل، یو ایس اے)۔

ملازمت: کنزرویٹر آف فارسٹ۔ آئی ایف ایس (وظیفہ یاب)

استفادہ:
1- حضرت قاضی سیّد نصیر الدین حسینی چشتی القادری مرحوم، بنگلور (ابتدائی دینی تعلیم اور فارسی سے رغبت)۔
2- ماموں محمد اسمعیل خان صاحب مرحوم
3- حضرت عبدالواسع عصری مرحوم، چکمگلور، (علامہ اقبال کے کلام سے وابستگی کا ذوق)
4- حضرت منشی احمد شریف آزاد مرحوم، بنگلور
5- حضرت ابوالعباس، عالم فاضل، مقیم ساگر شیموگہ ڈسٹرکٹ۔(111)

سیّد احمد ایثارؔ فنِ ترجمہ میں مہارت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کئی عظیم فارسی شعرا کے فارسی کلام کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

خالد عرفان، سابق صدر شعبۂ کیمیا، سری رینو کا چاریہ کالج، بنگلور، 'من دانم' کے عنوان سے سیّد احمد ایثار کی شخصیت، فکر اوران کے بارے میں رائے دیتے ہوئے، خالد عرفان لکھتے ہیں:

> ''ایثارؔ صاحب نے بحیثیت مترجم نہ صرف اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا ہے بلکہ اس کی تکمیل میں احتیاط بھی برتی ہے، اور ادب کے محولہ بالا تمام تقاضوں کی بحسن و کیف تکمیل بھی کی ہے۔ صرف ''پیامِ مشرق'' ہی نہیں، اس کے علاوہ بھی انہوں نے علامہ اقبال کی دیگر تصانیف، عمر خیام کی رباعیوں، مولانا روم کی مثنویٔ معنوی، دیوانِ شمس تبریز، حافظ اور سعدی کی رباعیوں وغیرہ کا جو ترجمہ کیا ہے ان سب میں انہوں نے اسی معیار کو برقرار رکھا ہے اور فنی لوازمات کو پورے اہتمام کے ساتھ برتا ہے۔ یہ ایک مترجم کے لیے فخر کی بات بھی ہے اور اطمینان کی بھی۔

اس طرح پیامِ مشرق کے منظوم اردو ترجمہ کے بارے میں رائے دیتے ہوئے، خالد عرفان لکھتے ہیں:

> .....انہوں نے پورے ترجمہ میں خواہ وہ غزلوں کا ہو کہ نظموں کا، کہ رباعیوں کا اس بحر کو استعمال کیا ہے جس میں اصل کلام نظم کیا گیا ہے۔ اسی طرح جب فارسی کلام کے

مقابل اردو ترجمہ کو پڑھا جائے گا اثر و نشاط کی ایک ایسی کیفیت طاری ہوگی جو ہر اعلیٰ ادب پارے کی خصوصیت ہوتی ہے"۔(112)

سید احمد ایثار نے 1976ء میں عمر خیام کی 773 رباعیات کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اس کے بعد رومیؔ و سعدیؔ اور حافظ کی رباعیات کا اردو میں ترجمہ کیا۔ بعدازاں کلامِ اقبال کا اردو میں ترجمہ کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے اسرارِ خودی کا ترجمہ کیا۔ 1982ء تک ساتوں فارسی تصانیفِ اقبال کا ترجمہ مکمل ہوگیا۔ بعدازاں مولانا رومؒ کی مثنوی کے ترجمہ میں لگ گئے اور جلد پنجم تک ترجمہ مکمل کرلیا۔

سیّد احمد ایثار کے کلامِ اقبال کے تراجم میں سے سب سے پہلے 1997ء کو پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ شائع کیا گیا۔ تاحال، دیگر تراجم، شائع ہونے کی تصدیق نہیں ہوئی ہے۔

صابر ابوہری

صابر ابوہری کی مادری زبان پنجابی ہے۔ انہوں نے انگریزی میں ایم ۔اے کیا اور طویل عرصہ تک کالجوں میں انگریزی کے اُستاد رہے۔ فارسی زبان سے خصوصی دلچسپی کی وجہ سے انہوں نے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا اور اس زبان میں مہارت حاصل کر کے فارسی میں شعر کہنے لگے۔ ان کا فارسی کلام کابل کے رسالہ 'ہند' میں شائع ہوتا رہا ہے۔ فارسی میں ان کی شعر گوئی کی اہمیت وافادیت کے پیشِ نظر آل انڈیا ریڈیو نے ان کی شخصیت اور فارسی شاعری پر ایک کتابچہ شائع کیا جو بڑی تعداد میں ایران اور افغانستان میں تقسیم کیا گیا۔

صابر ابوہری کو اردو، فارسی کے علاوہ ہندی اور سنسکرت پر بھی قدرت حاصل ہے۔ انہوں نے گیتا کے ڈیڑھ سو شلوکوں کا براہِ راست سنسکرت سے ترجمہ کیا ہے۔

صابر ابوہری کو بچپن سے ہی کلامِ اقبال میں دلچسپی رہی ہے۔ اسی دلچسپی کی وجہ سے انہوں نے منتخب کلامِ اقبال کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ ان کا کلام ہندو پاک کے مقتدر رسالوں میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ ان کے اردو کلام کے دو مجموعے 'نوائے جنوں' اور 'نوائے شوق' شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا منتخب کلامِ اقبال کا منظوم اردو ترجمہ 'افکارِ اقبال' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس ترجمہ کے سلسلہ میں ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں:

> ''علامہ اقبال کے کلام کے یہ ترجمے اقبالیات میں اہم اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں.......''(113)

ڈاکٹر عبدالودود اظہر دھلوی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''میرے فاضل دوست صابر ابوہری نے بڑی جانفشانی اور کاوش سے اقبال کے فارسی کلام کے بعض حصوں کو اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ طبیعت میں شعریت ہونے کی وجہ سے وہ شعری محاسن کو بھی مدنظر رکھتے ہیں اور حتی الامکان معنی آفرینی کو مجروح نہیں ہونے دیتے۔ اور اوزان اور قوافی کی بھی رعایت کرتے ہیں۔ ان کی یہ کاوش وکوشش قابلِ ستائش ہے کہ اُردو داں حضرات اقبال کے فکروفن کی گہرائی وگیرائی تک پہنچ سکیں اور یوں صابر ابوہری صاحب کی سعی مشکور رہو'۔(114)

مالک رام (ماہر غالبیات) لکھتے ہیں:

> ''اقبال کے کلام کا نمائندہ انتخاب، ترجمہ برجستہ اور نک سک سے درست۔ آپ نے اقبال کے بنیادی خیال کی خوب ترجمانی کی ہے.....''(115)

مضطر مجاز

مضطر مجاز، حیدرآباد (انڈیا) کے پختہ مشق شاعر ہیں۔انہوں نے پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے جو کہ پہلی بار جولائی 1996ء کو اقبال اکیڈمی، حیدرآباد (انڈیا) نے شائع کیا۔اس سے پہلے اسی اکیڈمی نے مضطر مجاز کا 'جاوید نامہ' کا منظوم اردو ترجمہ بھی شائع کیا تھا۔مضطر مجاز کے منظوم اردو تراجم کے بارے میں پروفیسر ڈاکٹر یوسف کمال (عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد، آندھرا پردیش) لکھتے ہیں:

> ''یہ ترجمے بجائے خود ایک تخلیقی شان رکھتے ہیں۔ان تراجم کو پڑھتے ہوئے آپ محسوس کریں گے کہ مترجم نے تخلیق کار کے فکر وفن کو کچھ اس قدر اپنے اندر جذب کر لیا ہے کہ بعض تراجم پر طبعزاد کلام کا گمان ہوتا ہے۔مترجم کے ساتھ ساتھ ایک سنجیدہ محقق کی حیثیت سے بھی انہوں نے حواشی اور اشارات کے ذیل میں خاصہ علمی مواد بھی مہیا کر دیا ہے جن میں تاریخی حوالے، قرآنی تلمیحات، مشرقی اور مغربی مفکروں اور علماء کے مختصر خاکے وغیرہ شامل ہیں''۔(116)

ڈاکٹر این میری شمل، مضطر مجاز کی ادبی خدمات کے اعتراف میں لکھتی ہیں:

> .... Since Persian is no longer as well known in India and Pakistan as it was during Iqbal's time, a Urdu translation is most welcome-all the more when it is made by a scholar and poet of the calibre of Muztar Majaz who has all necessary equipment to take up the difficult task of presenting a versified Urdu rendition of this great work of Iqbal. ....
>
> Prof. ANNEMARIE SCHIMMEL,
>
> On
>
> Translation of Javidnama (117)

پروفیسر (ڈاکٹر) یوسف کمال کے مطابق مضطر مجاز نے اقبال کے چار فارسی مجموعوں کا اردو میں مکمل منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔

زیرِ نظر، منظوم اردو ترجمہ پیامِ مشرق کے علاوہ انہوں نے 'جاوید نامہ'، 'پس چہ باید کرد'، (1975ء) اور 'ارمغانِ حجاز' (1975ء) کے بھی منظوم اردو تراجم کیے ہیں۔راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق ان میں سے تین تراجم اقبال اکیڈمی لاہور کی لائبریری میں موجود ہیں۔ان کے حوالہ جات یہ ہیں:

1- طلوعِ مشرق..... مثنوی پس چہ باید کرد اور مناجات جاوید نامہ کا منظوم اردو ترجمہ
(Account No.14424)

2- جاوید نامہ (منظوم اردو ترجمہ) (Account No.24355)

3- پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) (Account No.21187)

فکرِ اقبال کی تفہیم و ترویج کے سلسلے میں مضطر مجاز کی یہ کوششیں نہایت قابلِ قدر اور قابلِ تحسین ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

-1 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیام مشرق (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، ب ن، 1973ء)، ص 11

-2 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیام مشرق، ص 7

-3 رشید احمد گوریجہ، ڈاکٹر تشریحات کلام اقبال (ملتان: بیکن بکس، گلگشت کالونی، جنوری 1995ء)، ص 8

-4 عبدالرحمن طارق، اشارات اقبال (لاہور: کتاب منزل، بار دوم، 1958ء)، ص 9

-5 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، مکتوب بنام گرامی، مرقومہ: 16 مئی 1922ء، مشمولہ: مکاتیب اقبال، مرتبہ: محمد عبداللہ قریشی (کراچی: اقبال اکادمی، باراول، 1960ء)، ص 205

-6 محمد زکریا، ڈاکٹر، خواجہ، اقبالیات چندنئی جہات، (لاہور: خزینہ علم وادب، ب ن، 2001ء)، ص 119

-7 اے کیو۔نوید کیانی، مقالہ "پیام مشرق کے اردو اور انگریزی تراجم کا تنقیدی جائزہ" (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1994ء)، ص 4

-8 اے کیو۔نوید کیانی، مقالہ "پیام مشرق کے اردو اور انگریزی تراجم کا تنقیدی جائزہ"، ص 10

-9 عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال (لاہور: بزمِ اقبال، طبع ہشتم، نومبر 2005ء)، ص 29

-10 عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال، ص 30

-11 عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال، ص 30

-12 جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، بار دوم، 2008ء)، ص 225

-13 غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء (لاہور: بزم اقبال، اشاعت اول، اکتوبر 1998ء)، ص 12

-14 غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص 13

-15 عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال، ص 29

-16 عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال، ص 29

-17 غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص 13

-18 جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود، ص 225

-19 عابد علی عابد، سید، شعرِ اقبال (لاہور: بزم اقبال، ب ن، 1993ء)، ص 47

-20 غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص 14

-21 جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود، ص 105

-22 غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص 14

-23 غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص 16

-24 غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص 17

25- غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص18
26- غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص20
27- غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص21 تا22
28- عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال، ص41
29- عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال، ص40
30- جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود، ص157
31- غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، مشمولہ علامہ اقبال کا خصوصی مطالعہ، ص8
32- غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص30
33- غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص33
34- محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، بانگ درا، مشمولہ: کلیات اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، مارچ 1982ء)، ص161
35- محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، بانگ درا، مشمولہ: کلیات اقبال اردو، ص159
36- محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، کلیات اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، مارچ 1982ء)، ص207
37- جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود، ص364
38- جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود، ص436 تا443
39- محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، حرفِ اقبال، مرتبہ ومترجمہ: لطیف احمد خان شروانی (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، باراول، 1984ء)، ص29
40- محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، بانگ درا، مشمولہ: کلیات اقبال اردو، ص268
41- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، بالِ جبریل، مشمولہ: کلیات اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، مارچ1982ء)، ص39
42- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ہفدہم، 1983ء)، ص11
43- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 12
44- A.F.J.Remy: The Influence of India & Persia on the Poetry of Germany. Columbia Univ., New York 1901;Reprinted 1966.

محقق اور نقاد محمد اکرام چغتائی کے ماہنامہ المعارف میں 'پیامِ مشرق (چند تصریحات)' کے عنوان سے شائع ہونے والے مضمون کے آخر (صفحہ نمبر 59) پر یہ وضاحت درج ہے کہ اس کتاب کا اُردو ترجمہ ڈاکٹر ریاض الحسن نے کیا تھا، جو کراچی کے پاک جرمن فورم کی جانب سے شائع ہوا، زیرِ عنوان ''ایران وہندوستان کا اثر جرمنی کی شاعری پر'' (1973ء)۔ ابتدا میں مترجم نے ایک مفصل دیباچہ تحریر کیا ہے۔ (ص ۱۷۔۷۰)، جس میں ریمی کی کتاب

کے موضوع پر مختلف پہلوؤں سے اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ چند سال قبل اس معلومات افزا دیباچے کو ''جرمن ادب پر اسلامی ادب کے اثرات'' کے تحت شائع کر دیا گیا ہے۔ (ماہنامہ ''ساحل'' (کراچی) جلد۱، شمارہ ۸، ۹، بابت اگست۔ ستمبر ۱۹۹۸ء، ص ۴۸۔۶۹)

45- رؤف خیر، قنطار (لالۂ طور کا منظوم ترجمہ) (انڈیا: خیری پبلی کیشنز، حیدر آباد، باراول، اپریل 2001ء)، ص9

46- محمد حسین، چوہدری، مضمون: پیامِ مشرق، مشمولہ اقبال شناسی کے زاویے (1984ء۔1974ء) مرتبہ: ڈاکٹر سلیم اختر (لاہور: بزمِ اقبال، باراول، مئی 1985ء) ص 311

47- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق (لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، باراول، س ن)، ص4

48- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باراول، 1977ء)، ص9

49- عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، پیش لفظ (لاہور: ادارہ معارف، ب ن، 1977ء)، ص 'ن'

50- یوسف کمال، پروفیسر ڈاکٹر، کلامِ اقبال تراجم (ایک جائزہ)، مشمولہ: اقبال پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) از مضطر مجاز (انڈیا: اقبال اکیڈمی، حیدر آباد، باراول، جولائی 1996ء)، ص9

51- محمد حسین، چوہدری، مضمون: پیامِ مشرق، مشمولہ 'اقبال شناسی کے زاویے' (1984ء۔1974ء) مرتبہ: ڈاکٹر سلیم اختر، ص319

52- محمد ریاض، ڈاکٹر، ''اقبال کے چند تراجم و ماخوذات: تقابلی نمونے''، مشمولہ: اقبال شناسی کے زاویے (منتخب مقالات مجلہ اقبال 1974ء تا 1984ء)، مرتبہ: ڈاکٹر سلیم اختر (لاہور: بزمِ اقبال، باراول، مئی 1985ء)، ص279

53- جمیل اصغر، آزادی کے بعد بھارت میں اقبال شناسی (مقالہ پی ایچ ڈی) (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، شعبہ اردو اورینٹل کالج، 2006ء)، ص288

54- عبدالحکیم، ڈاکٹر خلیفہ، ''فکرِ اقبال'' (لاہور: بزمِ اقبال، بار چہارم، 1968ء) ص 47

55- سہیل احمد خان، ڈاکٹر، ''ترجمہ تالیف، تلخیص اور اخذ کرنے کا فن''، مشمولہ: ''ترجمہ، روایت اور فن''، مرتب: نثار احمد قریشی (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1985ء)، ص77

56- Abdul Ghani. Prof. Dr. "The English Translations of Iqbal's Poetry". (Lahore: Bazam-i-Iqbal, 2004), Page:7

57- زیب النساء، ''اقبال کی اردو نثر'' (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1997ء) ص 67

58- مسعود سعد سلمان (1048ء تا 1121ء) لاہور میں پیدا ہوئے۔ شاہِ غزنی نے انہیں کافی عرصہ قید میں رکھا۔ پھر ایک قصیدہ پر انہیں رہا کر دیا۔

59- محمد ریاض، ڈاکٹر، ''اقبال کے چند تراجم و ماخوذات: تقابلی نمونے''، ص285

60- محمد اقبال، ڈاکٹر، ''بالِ جبریل'' (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، مارچ 1982ء) ص 76

61- محمد ریاض، ڈاکٹر، ''اقبال کے چند تراجم و ماخوذات''، ص290

62- محمد اقبال، ڈاکٹر، ''بانگِ درا'' (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، مارچ 1982ء)، ص31

63- محمد ریاض، ڈاکٹر، ''اقبال کے چند تراجم و ماخوذات''، ص291

-64 محمد اقبال، ڈاکٹر، ''ضربِ کلیم'' (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، مارچ 1982ء)، ص 100

-65 محمد اقبال، ڈاکٹر، ''ضربِ کلیم''، ص118

-66 یوسف سلیم چشتی (مرحوم)، پروفیسر، مقالات یوسف سلیم چشتی، مرتبہ: اختر النساء (بسلسلہ علامہ اقبال) (لاہور: بزمِ اقبال، 1999ء، باراول)، ص24 تا27

-67 خضر حیات خاں، مقالہ: بانگِ درا کی شرحوں کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1997ء)، ص93

-68 اختر النساء، 'مقدمہ'، مشمولہ: مقالاتِ یوسف سلیم چشتی (لاہور: بزمِ اقبال، باراول، 1999ء)، ص7

-69 قیوم حسین شاہ، تحقیقی مقالہ: ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز کی شرحوں کا تحقیقی مطالعہ (ایم فل اقبالیات) (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1997ء)، ص13

چشتی صاحب کی اکثر شروح پر باقاعدہ کہیں بھی سنِ اشاعت درج نہیں ہے۔ محققین نے ان شروح کے داخلی اندراجات اور دیگر مصادر و منابع کی مدد سے ان کے سنِ اشاعت کا تعین کیا ہے۔ بعض شروح کے سنِ اشاعت کے سلسلہ میں اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی تحقیق کے مطابق شرح بانگِ درا کا سنِ اشاعت 1951ء نہیں بلکہ 1949ء ہے۔ اسی طرح شرح بالِ جبریل کا سنِ اشاعت 1952ء کے بجائے 1950ء ہے۔ اس سلسلہ میں 'اقبالیات چند نئی جہات' کے صفحہ نمبر 121 پر وہ لکھتے ہیں:

''ضربِ کلیم کی جو شرحیں یوسف سلیم چشتی نے لکھی ہے اس پر خوش قسمتی سے طبع اول کا سال یعنی 1951ء درج ہے۔ ضربِ کلیم کی شرح بعض داخلی شواہد کے مطابق بانگ درا اور بال جبریل کی شرحوں کے بعد لکھی گئی ہے۔ اس لیے قیاس ہے کہ بانگ درا اور بالِ جبریل کی شرحیں بالترتیب 1949ء اور 1950ء میں لکھی گئی ہوں گی۔''

-70 اختر النساء، 'مقدمہ'، مشمولہ: مقالاتِ یوسف سلیم چشتی، ص8

71- en.wikipedia.org/wiki/Sufi_Ghulm_Mustafa_Tabassum

-72 ارشاد فضل احمد، تحقیقی مقالہ: تصانیفِ اقبال کے پنجابی تراجم (ایم فل اقبالیات) (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1995ء)، ص13

-73 اے۔ کیو۔ نوید کیانی، پرفیسر، پیامِ مشرق کے اردو اور انگریزی تراجم کا تحقیقی اور توضیحی جائزہ (جہلم: بک کارنر، باراول، فروری 1999ء)، ص83

-74 اے۔ کیو۔ نوید کیانی، پرفیسر، پیامِ مشرق کے اردو اور انگریزی تراجم کا تحقیقی اور توضیحی جائزہ، ص87

-75 اے۔ کیو۔ نوید کیانی، پرفیسر، پیامِ مشرق کے اردو اور انگریزی تراجم کا تحقیقی اور توضیحی جائزہ، ص69

-76 ایم رمضان گوہر، انتخاب کلیات اقبال فارسی (مع فرہنگ، سلیس اردو ترجمہ اور اعراب) (لاہور: وحدت کالونی، باراول، دسمبر 2001ء)، ص بیک ٹائٹل

-77 عاصی کرنالی، ڈاکٹر، مضمون 'اظہار خیال'، مشمولہ: انتخاب کلیات اقبال فارسی از ایم رمضان گوہر، ص5

-78 اے۔ کیو۔ نوید کیانی، پروفیسر، پیامِ مشرق کے اردو اور انگریزی تراجم کا تحقیقی اور توضیحی جائزہ (جہلم:

بک کارنر، باراول، فروری 1999ء)، ص120
79- اے۔ کیو۔ نوید کیانی، پروفیسر، پیامِ مشرق کے اردو اور انگریزی تراجم کا تحقیقی اور توضیحی جائزہ، ص120
80- اے۔ کیو۔ نوید کیانی، پروفیسر، پیامِ مشرق کے اردو اور انگریزی تراجم کا تحقیقی اور توضیحی جائزہ، ص145
81- اے۔ کیو۔ نوید کیانی، پروفیسر، پیامِ مشرق کے اردو اور انگریزی تراجم کا تحقیقی اور توضیحی جائزہ، ص146
82- عبدالعلیم صدیقی، دیباچہ، کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ب ن، 1985ء)
83- اے۔ کیو۔ نوید کیانی، پروفیسر، پیامِ مشرق کے اردو اور انگریزی تراجم کا تحقیقی اور توضیحی جائزہ، ص104
84- انجم رومانی، 'پیش لفظ'، مشمولہ: کلیات انجم رومانی، مرتبہ: یاسمین انجم رومانی جاوید (اسلام آباد: روداد پبلی کیشنز، باراول، ستمبر 2001ء)، ص11
85- یاسمین انجم جاوید، میرے ابو، 17 تا 19
86- انتظار حسین، انجم رومانی، مضمون مشمولہ: ماہنامہ روداد، ص9
87- عطاء الحق قاسمی، انجم رومانی، مضمون مشمولہ: سہ ماہی معاصر انٹرنیشنل، جلد 1، شمارہ 2، لاہور، اپریل تا جون 2001ء)، ص234 تا 235
88- عبدالعزیز ساحر، ڈاکٹر، حسن کو اہلِ نظر حسنِ ادا کہتے ہیں، انجم رومانی، نوائے وقت، ادبی ایڈیشن راولپنڈی، 2 اپریل 2002ء
89- تحسین فراقی، ڈاکٹر، مضمون مشمولہ: ماہنامہ روداد، کتابی سلسلہ نمبر 14، اسلام آباد، اپریل تا جون 2001ء، ص9
90- انجم رومانی، کلیات انجم رومانی، مرتبہ: یاسمین انجم جاوید، ص499
91- انجم رومانی، کلیات انجم رومانی، ص500
92- انجم رومانی، کلیات انجم رومانی، ص371
93- انجم رومانی، کلیات انجم رومانی، ص379
94- انجم رومانی، کلیات انجم رومانی، ص395
95- انجم رومانی، کلیات انجم رومانی، ص36
96- کرن رباب نقوی، مقالہ: انجم رومانی: فن و شخصیت (1920ء تا 2001ء) (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 2004ء)، ص220
97- بشریٰ انیس الرحمٰن، میرے بھائی، مشمولہ: خسرو اور اقبال (مرتبہ: خالد حمید شیدا) (لاہور: سورج پبلشنگ بیورو، اکتوبر 2008ء)، ص20
98- خالد حمید شیدا، ڈاکٹر، خسرو اور اقبال (لاہور: سورج پبلشنگ بیورو، ب ن، اکتوبر 2008ء)، ص6
99- خالد حمید شیدا، ڈاکٹر، خسرو اور اقبال، ص6
100- خالد حمید شیدا، ڈاکٹر، خسرو اور اقبال، ص19
101- www.writing.com
ebookstore.sorry.com/ebook/khalid-hameed-shaida/

نوٹ:۔ مندرجہ بالا ویب سائٹ پر آن لائن بکس فروخت کی جاتی ہیں۔ راقم الحروف نے اس سائٹ سے خالد حمید شیدا کی نئی مطبوعات کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔

-102 محمود احمد سہارنپوری، حکیم سید، ثنائے خواجہ (مجموعہ حمد و نعت) (فیصل آباد: دارالاحسان، سالار والا، س ن) ص 11

-103 محمود احمد سہارنپوری، ثنائے خواجہ، ص 11

-104 محمد محمود سہارنپوری، حکیم سید، قلمی مخطوطہ (راولپنڈی: 13 اپریل 2012ء)، ص 5

-105 بدر حسین محشر زیدی، پروفیسر، ''ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا''، مشمولہ: ثنائے خواجہ (فیصل آباد: دارالاحسان، سالار والا، س ن)، ص 12

-106 حکیم سید محمود احمد سرو سہارنپوری کے تمام حالاتِ زندگی ان کے فرزند محمد محمود سہارنپوری کے قلمی مخطوطہ، محررہ 13 اپریل 2012ء سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ان سے میرا ٹیلی فون پر رابطہ رہا ہے اور انہوں نے مجھے اپنے والدِ محترم کی چند ایک مطبوعات بھی ارسال کی ہیں۔

-107 عصمت جاوید، ڈاکٹر، عکس لالہ طور (منظوم اردو ترجمہ) (انڈیا: اورنگ آباد، باراول، جنوری 2002ء)، ص 17

-108 عصمت جاوید، ڈاکٹر، عکس لالہ طور (منظوم اردو ترجمہ)، ص 100-101

-109 رؤف خیر، قنطار (لالۂ طور کا منظوم ترجمہ) (انڈیا: خیری پبلی کیشنز، حیدرآباد، باراول، اپریل 2001ء)، ص 26

-110 رؤف خیر، قنطار (لالۂ طور کا منظوم ترجمہ)، ص 12

-111 احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن) (انڈیا: گرینڈ پرنٹرز، بنگلور، باراول، 1997ء)، بیک ٹائٹل

-112 احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص 29 تا 28

-113 صابر ابوہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ) (انڈیا: ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ب ن، 1995ء)، ص 12

-114 صابر ابوہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص 13

-115 صابر ابوہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص 15

-116 مضطر مجاز، اقبال پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) (انڈیا: اقبال اکیڈمی، حیدرآباد، باراول، جولائی 1996ء)، ص 9

-117 مضطر مجاز، اقبال پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، بیک ٹائٹل

باب دوم:

پیام مشرق کی اُردو شروح

شرح پیامِ مشرق

از

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

'شرح پیام مشرق' اردو زبان میں لکھی گئی پیامِ مشرق کی پہلی شرح ہے۔ یہ شرح پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے لکھی ہے۔ یوسف سلیم چشتی اقبال کے اولین شارح ہیں۔ انہیں اس لحاظ سے بھی کلامِ اقبال کے دیگر شارحین پر تقدم حاصل ہے کہ انہوں نے اقبال کی تمام شعری تصانیف کی شرحیں لکھی ہیں۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے 'کتابیاتِ اقبال' میں چشتی صاحب کی شرح پیام مشرق کی اشاعت کے بارے میں درج ذیل معلومات فراہم کی ہیں:

بار اول عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور، ۱۹۵۳ء، ۶۳۱ص

باردوم عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور، ۱۹۶۱ء، ۶۳۱ص (1)

زیرنظر شرح پیامِ مشرق 632 صفحات پر مشتمل ہے۔ مندرجہ بالا 'حوالہ' کی رو سے زیرِ نظر کتاب شرح پیامِ مشرق کا تیسرا یا اس کے بعد کا کوئی ایڈیشن ہے۔

اس شرح کے مختلف مقامات پر دیے گئے حوالہ جات اور توضیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرح 1952ء سے 1953ء کے عرصہ میں لکھی گئی ہے۔ اس امر کی وضاحت شرح پیامِ مشرق کے درج ذیل اقتباسات سے ہوتی ہے:

''اقبال نے یہ خیالات ۱۹۲۲ء میں ظاہر کئے تھے..... مقامِ افسوس ہے کہ یورپ کے مدبرین تیس (۳۰) سال گزر جانے کے بعد بھی جنت الحمقاء میں زندگی بسر کر رہے ہیں.....'' (2)

''امریکہ کے عروج کی پیشگوئی اقبال نے آج سے تیس سال پہلے کی تھی اور ہم لوگ جو اس وقت ۱۹۵۳ء میں زندہ ہیں، اس پیشگوئی کو اپنی آنکھوں سے پوری ہوتی ہوئی دیکھ رہے ہیں۔'' (3)

''اقبال نے یہ بات ۱۹۲۳ء میں کہی تھی لیکن آج ۱۹۵۲ء میں بھی مسلمانوں پر حرف بحرف صادق آسکتی ہے.....'' (4)

''آج ۱۹۵۳ء میں کوئی شخص اس رُوس میں کیمونسٹ پارٹی یا اس کے لیڈر کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکال سکتا.....'' (5)

''اقبال نے یہ بات ۱۹۲۳ء میں لکھی تھی اور اب ۱۹۵۳ء ہے.....'' (6)

''اقبال نے یہ نظم ۱۹۲۲ء میں لکھی تھی، اگر ہم گزشتہ تیس (۳۰) سال کے واقعات کا

جائزہ لیں تو مرحوم کی بصیرت (مومنانہ فراست) کا اعتراف کرنا پڑے گا......''(7)

یوسف سلیم چشتی نے یہ شرح طلبا و ناظرین کی سہولت کی خاطر تحریر کی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

(''ناظرین کی سہولت کے لیے مزید تشریح بایں الفاظ ہوسکتی ہے کہ.....''(8)

''ناظرین کی سہولت کی خاطر اس طرف اشارہ کیے دیتا ہوں.....''(9)

''شعر کا مطلب لکھنے کی ضرورت تو نہیں ہے مگر طلبہ کی خاطر لکھے دیتا ہوں.....''(10)

''ناظرین کی سہولت کے لیے ذیل میں ان کتابوں کے بنیادی تصورات درج کرتا ہوں تا کہ چوتھے مصرع کا مفہوم واضح ہوسکے۔''(11)

گویا یہ شرح طلبا اور عام قارئین کی تعلیمی ضروریات پوری کرنے کے لیے لکھی گئی تھی۔ اس لیے اس کا آسان اور عام فہم ہونا ضروری ہے۔

یہ کتاب چھوٹی ($17\frac{1}{2} \times 12$ س م) میں اکیس (21) سطری مسطر پر لکھی گئی ہے۔ یہ اخباری کاغذ پر شائع ہوئی ہے اور جلد بندی بھی ناقص ہے۔ اس کا ناشر ''عشرت پبلشنگ ہاؤس، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور'' ہے۔

اس شرح کے صفحہ نمبر 4 پر 'مقدمہ' تحریر کیا گیا ہے۔ یہ 'مقدمہ' دو صفحات پر مشتمل ہے۔ 'مقدمہ' کے شروع میں یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

''پیام مشرق کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا۔ اب تک اس کے چھ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ جن کے نسخوں کی مجموعی تعداد 9 ہزار ہے.....''(12)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی تحقیق کے مطابق 1923ء تا 1953ء تک پیامِ مشرق کے سات (7) ایڈیشن شائع ہو چکے تھے۔ انہوں نے 'کتابیاتِ اقبال' میں ان کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

''☆ مطبع جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، ۱۹۲۳ء، ص ۲۶۴

☆ شیخ مبارک علی، لاہور، ۱۹۲۴ء - ۱۹۲۹ء - ۱۹۴۲ء - ۱۹۴۴ء - ۱۹۴۶ء - ۱۹۴۸ء.....''(13)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی تصنیف ''تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ'' کے صفحات 129 تا 146 پر دی گئی پیامِ مشرق سے متعلقہ تحقیق سے بھی مندرجہ بالا اقتباس کی تصدیق ہوتی ہے کہ 1923ء تا 1953ء تک پیام مشرق کے سات (7) ایڈیشن شائع ہو چکے تھے۔ ان میں سے، سب سے پہلا ایڈیشن دہلی سے اور باقی چھ (6) ایڈیشن لاہور سے شائع ہُوئے تھے۔ ہوسکتا ہے چشتی صاحب کے علم میں صرف لاہور سے شائع ہونے والے ایڈیشن ہوں۔ اس لیے انہوں نے شرح پیامِ مشرق کے مقدمہ میں صرف چھ ایڈیشن کا ذکر کیا۔ اس لحاظ سے شرح پیام مشرق کے 'مقدمہ' کے شروع میں پیامِ مشرق کی اشاعت کے سلسلہ میں ان کی طرف سے دی گئی معلومات مشکوک اور تحقیق طلب ہیں۔

'مقدمہ' میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے پیامِ مشرق کی اہمیت، ادبی نوعیت اور اس کے نفسِ مضمون کے بارے میں لکھا ہے:

''یہ کتاب بلاشبہ جاوید نامہ کے بعد اقبال کی مشکل ترین تصنیف ہے کیونکہ اس میں

انہوں نے وہ حقائق اور معارف بیان کئے ہیں جن کا تعلق افراد اور اقوام کی باطنی تربیت سے ہے.....''(14)

اس کے بعد انہوں نے پیامِ مشرق کے پانچوں حصوں (لالۂ طور، افکار، مئے باقی، نقشِ فرنگ اور خُردہ) میں دیے گئے کلام کا مختصر مگر جامع تعارف تحریر کیا ہے۔

صفحہ نمبر 6 تا 14 پر 'دیباچۂ کتاب' تحریر کیا گیا ہے۔ اس عنوان کے تحت شارح نے پیامِ مشرق میں دیے گئے علامہ اقبالؒ کے دیباچہ پر تبصرہ کیا ہے۔ انہوں نے درج ذیل الفاظ میں دیباچہ کی اہمیت بیان کی ہے:

''اقبال نے اپنی تمام تصانیف میں صرف دو کتابوں پر دیباچہ لکھا، ایک اسرارِ خودی اور دوسری یہی پیامِ مشرق جو زیرِ نظر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی دو کتابیں ان کی نظر میں اس لائق تھیں کہ وہ خود ناظرین سے ان کو متعارف کریں۔

(ا) اسرارِ خودی بالکل نئی کتاب تھی اور ان کے مخصوص افکار کی علمبردار تھی، جن سے لوگ بالکل ناآشنا تھے۔

(۲) پیامِ مشرق جن اسباب کی بناء پر لکھی گئی وہ بھی تمام لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ تھے۔ اس لیے خود مصنف کو وضاحت کی ضرورت لاحق ہوئی۔

پیامِ مشرق کا دیباچہ بہت پُر مغز، پُراز معلومات اور بصیرت افروز ہے۔ اس لیے اس کو بہت غور سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس پر کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت تو نہیں ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس کے اہم مقامات کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کر دوں۔''(15)

اس کے بعد شارح نے دیباچہ کے بارہ (12) اہم مقامات کی نشاندہی کی ہے اور ان پر تبصرہ کیا ہے۔

دیباچۂ کتاب کے بعد شارح نے پیامِ مشرق کے مختلف حصوں کی ترتیب وار تشریح کی ہے۔

شرح پیامِ مشرق کا فکری وفنی جائزہ

شرح پیامِ مشرق کے فکری، فنی اور ادبی معیار کے تعین کے لیے چند ضمنی عنوانات کے تحت تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔

1- فہرست عنوانات

شرح کے شروع میں فہرست عنوانات نہیں دی گئی ہے۔ تمام شرح میں شعر نمبر، رباعی نمبر، نظم کا عنوان، غزل نمبر وغیرہ دے کر متن کی نشاندہی کی گئی ہے۔ بعض صفحات پر نظم کا عنوان یا شعر نمبر نظر نہیں آتا۔ اس لیے فہرست کے بغیر مطلوبہ شعر تک رسائی حاصل کرنا مشکل کام ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

''..... نہ کہیں فہرست مندرجات ہوتی ہے نہ اندرونی صفحات پر نظم کا عنوان، شعر نمبر بھی کبھی کبھی غائب ہوتا ہے اس لیے کسی شعر کی شرح تلاش کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔''(16)

2- اصل متن از پیامِ مشرق

شرح کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ سب سے پہلے شعر کا پورا متن دیا جائے تا کہ اصل متن کے حوالے سے

شرح بھی اور سمجھائے جاسکے۔ شرح پیامِ مشرق 1953ء کولکھی گئی تھی۔ اس وقت علامہ اقبالؒ کو وفات پائے قریباً پچیس (25) برس بیت گئے تھے۔ کاپی رائٹ ایکٹ کے مطابق کسی شاعر یا ادیب کی وفات کے بعد پچاس (50) سال تک اس کے وارثوں کو اس کی ادبی و فنی تخلیقات پر حقِ تصنیف حاصل رہتا ہے۔ اس قانونی مجبوری کی وجہ سے اس شرح میں پیامِ مشرق کا اصل متن نہیں دیا جاسکا، تاہم اگر فہرست عنوانات دی جاتی اور اس میں اصل متن کے صفحات نمبر دیے جاتے تو کسی حد تک اصل متن تک رسائی بآسانی ہو جاتی۔ 1988ء میں کاپی رائٹ ایکٹ کی پابندی ختم ہوگئی تھی۔ پابندی ختم ہوئے قریباً چوبیس (24) برس گزر گئے ہیں مگر اقبال اکیڈمی، بزم اقبال یا کسی بھی یونیورسٹی کے شعبہ اردو و اقبالیات کی طرف سے شرح پیامِ مشرق از یوسف سلیم چشتی پر نظر ثانی نہیں کی گئی اور اس میں موجود کمزوریوں اور خامیوں کو دور کرنے کے لیے کوئی مثبت پیش رفت نہیں ہوئی۔ حواشی و تعلیقات اور توضیحات کی مدد سے شرح پیامِ مشرق کو اصل فارسی متن سے آراستہ کیا جاسکتا تھا اور اس سے متعلقہ دیگر فنی و ادبی تقاضے بھی پورے کئے جاسکتے تھے۔

3- مشکل الفاظ و معانی اور تراکیب کی تشریح

فارسی متن کے ساتھ مشکل الفاظ اور معانی دینے چاہئیں تھے مگر شرح پیامِ مشرق میں ہر شعر کے بعد نہ تو اصل فارسی متن دیا گیا ہے اور نہ ہی مشکل الفاظ اور معانی دیے گئے ہیں۔ بعض اشعار میں جہاں کہیں شارح کو تشریح طلب اور مشکل الفاظ نظر آئے، ان کے معانی تحریر کر دیے اور وضاحت کردی ہے۔ یہ شرح طلبہ اور عام قارئین کی سہولت اور آسانی کے لیے تحریر کی گئی ہے۔ اسے اس قدر آسان اور عام فہم ہونا چاہیے تھا کہ کمزور تعلیمی سطح والے اور عام سمجھ بوجھ رکھنے والے طلبہ و ناظرین سے لے کر ذہین و فطین طلبہ و ناظرین تک اس سے بآسانی استفادہ کر پاتے۔ اسے مختلف عمر اور تعلیمی درجہ رکھنے والے طلبا و طالبات اور قارئین و شائقین کے لیے آسان اور عام فہم بنانے کے لیے مشکل الفاظ کے معانی ضرور دیے جانے چاہئیں تھے۔ اس طرح شارح نے بعض مقامات پر مشکل تراکیب کی وضاحت دی ہے۔ یہ توضیحات عام فہم ہیں، تاہم بعض مقامات پر انہوں نے خود مشکل الفاظ و تراکیب استعمال کر کے عام قارئین کے لیے مشکلات کھڑی کردی ہیں۔

4- محاورات، استعارات، کنایات، تلمیحات اور اصطلاحات کی تشریح

پیامِ مشرق میں اقبال نے بعض الفاظ بطور محاورہ، استعارہ، کنایہ یا اصطلاح، استعمال کئے ہیں۔ بعض اشعار میں تلمیحات استعمال کی ہیں۔ ان کی وضاحت کے بغیر متعلقہ اشعار کا حقیقی مفہوم سمجھنا بہت مشکل ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے ایسے اکثر مقامات پر پہلے اس طرح کے محاورات، استعارات، کنایات، تلمیحات اور اصطلاحات کی وضاحت کی ہے اور پھر شرح تحریر کی ہے۔ شرح کے دوران بعض مقامات پر وہ خود دقیق اصطلاحات استعمال کرتے ہیں جنہیں سمجھنے کے لیے مزید شرح کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

> ”کبھی کبھی ان کے ہاں دقیق اصطلات کی بھر مار نظر آتی ہے مگر قاری جب تک خود ایک اعلیٰ علمی سطح پر قائم نہ ہو، ان کی وضاحتوں کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔“ (17)

5- عنوانات کی تشریح

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے طلبہ و قارئین کی سہولت کے لیے پیامِ مشرق بعض کے حصوں کے عنوانات کی بہت اچھی اور تسلی بخش تشریح کی ہے۔ مثلاً حصہ لالۂ طور کے شروع میں رباعیات کی شرح سے پہلے انہوں نے 'شرح عنوان' کے تحت 'لالۂ طور' کی وضاحت اس طرح سے کی ہے:

> ''اقبال نے رباعیات کے اس مجموعہ کو استعارۃً لالۂ طور سے موسوم کیا ہے۔ طور جیسا کہ سب جانتے ہیں، وہ مقام ہے جہاں حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے حسن مطلق کی تجلی دیکھی تھی۔
>
> لالہ، اقبال کے کلام میں ایک علامت (SYMBOL) ہے۔ یعنی مظہرِ عشق ہے۔ اِسی لیے عالمِ نباتات میں اس کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ جیسا کہ سعدی کے اس مصرع سے ثابت ہوتا ہے:۔
>
> ع در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس
>
> آگ چونکہ دُور سے سُرخ دکھائی دیتی ہے، اس لیے اسے بھی لالہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ چراغ کی لَو کو بھی جو عموماً صنوبری شکل کی ہوتی ہے، لالہ کہتے ہیں۔ اس لیے اقبال نے اس نور کی چمک کو جو حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے دیکھی تھی، لالہ سے تشبیہ دی ہے۔ اور چونکہ ان رباعیات میں اکثر و بیشتر مقامات میں حقیقتِ وجود سے بحث کی ہے۔ اور ان کا مرکزی تصور سرِ ظہور یا سرِ تخلیق ہے۔ اس لیے ان رباعیات کا عنوان ''لالۂ طور'' قرار دیا ہے۔ یعنی ان رباعیات میں اسماء و صفاتِ الٰہیہ کی تجلیات کا بیان کیا گیا ہے بالفاظِ دگر، یہ رباعیات وہ تجلیات ہیں جو حسنِ مطلق نے شاعر کے دِل پر نازل فرمائیں، اور اس نے بذریعہ الفاظ ان کی تصویریں صفحہ قرطاس پر کھینچ دیں۔'' (18)

اس طرح چشتی صاحب نے 'بنیادی تصور' کے عنوان سے ہر ایک رباعی کا مرکزی خیال دیا ہے۔ یہ بنیادی تصور کسی آسان جملے، زیرِ مطالعہ شعر کے کسی مصرع یا دیگر شعرا کے اشعار کی مصرعوں کی شکل میں مختصر اور جامع انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ بعض رباعیات کے بنیادی تصور کی وضاحت بھی کر دی ہے۔

پیامِ مشرق کے باقی حصوں میں چشتی صاحب نے جہاں کہیں ضروری سمجھا 'بنیادی تصور' تحریر کیا ہے، تاہم ان حصوں میں اس کا خاص اہتمام دکھائی نہیں دیتا۔ مثلاً

1- حصہ دوم ''افکار'' کی صرف پانچ نظموں 'لالہ'، 'تنہائی'، 'غلامی'، 'عشق' اور 'تہذیب' کا بنیادی تصور تحریر کیا ہے۔ اسی حصے کی نظم ''تسخیر فطرت'' کے پہلے بند کا بنیادی تصور تحریر کیا ہے۔

2- ''مئے باقی'' کی بعض غزلوں کے اشعار کا بنیادی تصور تحریر کیا ہے۔

3- 'نقش فرنگ' کی دو نظموں ''جلال و ہیگل'' اور ''میخانہ فرنگ'' کا 'بنیادی تصور' تحریر کیا ہے۔

4- ''خردہ'' کے 16 نکتوں میں سے 9 نکتوں (1، 4، 5، 9، 10، 12، 14، 15، 16) کا 'بنیادی تصور' تحریر کیا ہے۔''

6- فلاسفہ، ادبا، حکما، مختلف اداروں اور تحریکات کا تعارف

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے تمام پیامِ مشرق کی شرح میں عموماً اور ''نقشِ فرنگ'' کی شرح میں خصوصاً ان فلاسفہ، ادبا، حکما، اداروں اور تحریکات کا تعارف کرایا ہے جن کا بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر پیامِ مشرق میں ذکر ہوا ہے۔ اس طرح کی توضیحات سے کلامِ اقبال کو سمجھنے میں خاطر خواہ مدد ملتی ہے۔

7- فلسفہ و تصوف سے متعلقہ مسائل اور اصطلاحات کی شرح

پروفیسر یوسف سلیم چشتی فلسفہ اور تصوف میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ انہیں تصوف کی تاریخ اور صوفیائے کرام کے نظریات پر خوب دسترس حاصل تھی۔ اس لیے انہوں نے پیامِ مشرق کے فلسفہ و تصوف سے متعلقہ کلام کی تسلی بخش حد تک اچھی تشریح کی ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

> ''یوسف سلیم چشتی ایک وسیع المطالعہ شخص تھے۔ فلسفہ اور تصوف سے وہ خصوصی لگاؤ رکھتے تھے، اس لیے جبریل کے جن اشعار میں مابعد الطبیعاتی مسائل پیش کیے گئے ہیں، ان کی وضاحت اکثر جگہ بہت اچھے انداز میں کی گئی ہے۔ اسی طرح تصوف کی تاریخ اور صوفیائے کرام کے نظریات پر انہیں اچھی دسترس حاصل ہے، اس لیے جہاں اقبال نے تصوف کی اصطلاحات استعمال کی ہیں، ان کی تشریح عموماً تشفی بخش انداز میں کی گئی ہے.....'' (19)

بعض مقامات پر محسوس ہوتا ہے کہ دیے گئے کلام کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں مگر تاویلات کے سہارے سے شرح کا رخ تصوف کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

> ''وہ بلاوجہ متعدد اشعار کو کھینچ تان کر تصوف کی طرف لے جاتے ہیں حالانکہ لفظیات میں تصوف کی معنویت کا قرینہ موجود نہیں ہوتا۔'' (20)

8- بے جا طوالت یا اختصار

شرح کا تقاضا ہے کہ اصل متن کی تفہیم میں حائل رکاوٹیں دور کر کے متن کے حقیقی مفہوم تک رسائی ممکن بنائی جائے۔ شرح میں تمام گزارشات اور توضیحات کا مرکز، متن کا اصل مفہوم ہونا چاہیے۔ بعض مقامات پر چشتی صاحب اِدھر اُدھر الجھے نظر آتے ہیں اور شرح اصل متن کی ترجمانی نہیں کرتی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

> ''بعض اوقات ان کی شرح بہت دور از کار اور قطعی غیر متعلق ہوتی ہے۔ وہ شعر کو چھوڑ چھاڑ کر طویل غیر متعلق باتوں میں الجھ جاتے ہیں اور شارح کے منصب سے دور ہو جاتے ہیں..... ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اشعار کو معروضی طریقے سے نہیں سمجھ سکتے اور لفظیات اور علائم و رموز سے ہٹ کر من مانی تشریحات شروع کر دیتے ہیں۔'' (21)

بعض جگہ پر وہ ضروری امور کی تشریح نہیں کرتے اور بے جا اختصار سے کام لیتے ہیں جس سے متن کا حقیقی مفہوم قاری تک نہیں پہنچ پاتا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

> ''بعض اوقات ایک ایک شعر کی شرح کئی کئی صفحات میں پھیل جاتی ہے۔ مگر جہاں سمیٹنے پر آتے ہیں وہاں پوری پوری نظمیں گول کر جاتے ہیں اور لکھ دیتے ہیں ''نظم

آسان ہے، اس میں کوئی بات تشریح طلب نہیں۔'' حالانکہ ایسی نظموں میں بھی کئی الجھنیں ہوتی ہیں۔(22)

9- شعری ماخذ بیان کرنا

کلام اقبال میں شامل ایسے اشعار جو علامہ اقبال نے دیگر شعرا کے کلام یا کسی شعر سے متاثر ہو کر لکھے، چشتی صاحب نے ایسے اشعار کے مآخذات کی نشاندہی کر دی ہے۔ متعلقہ قرآنی آیت، شعر اور شاعر کا نام بھی لکھ دیا ہے۔

10- شعری حوالے نہ دینا

چشتی صاحب نے دورانِ شرح دیگر شعرا کے اشعار بھی دیے ہیں مگر شعرا کے نام تحریر نہیں کیے۔ اس سے طلبہ و قارئین کو تفہیم اور تحقیق و تنقید کے امور میں دشواری پیش آتی ہے۔

11- مطالعہ کے لیے موزوں مآخذات کی نشاندہی

چشتی صاحب وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ شرح کے دوران انہوں نے قارئین کو بعض کتب کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیا ہے، تاکہ وہ بہتر طور پر کلامِ اقبال کو سمجھ سکیں۔ مثلاً

۱۔ انہوں نے اپنی شرح کے صفحہ نمبر 271 پر نظم 'نوائے وقت' کو سمجھنے کے لیے اقبال کی تمام تصانیف، خصوصاً خطباتِ مدارس کا مطالعہ لازمی قرار دیا ہے۔

۲۔ شرح پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 554 پر لکھتے ہیں کہ مزدک کی تحریک کے تفصیلی حالات جاننے کے لیے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد سوم صفحہ ۴۳۰ تا ۴۳۲ کا مطالعہ کافی ہوگا۔

۳۔ شرح پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 559 پر دو اشعار پر مشتمل نظم 'نیٹشا' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اسے سمجھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے کم از کم اس کی تین تصانیف سے واقفیت ضروری ہے:

(ا) نسب نامۂ اخلاق (ب) ماورائے خیر و شر (ج) بقول زرتشت

۴۔ شرح پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 588 پر لکھتے ہیں کہ برگساں کا فلسفہ سمجھنے کے لیے حسب ذیل کتب کا مطالعہ لازمی ہے:

(۱) ٹائم اینڈ فری ول (زمان اور اختیار)

(۲) میٹر اینڈ میموری (مادہ اور شعور)

(۳) تخلیقی ارتقا

(۴) اخلاق اور مذہب کے دو مآخذ

۵۔ شرح پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 591 پر لکھتے ہیں کہ یورپ میں لادینی افکار کے اسباب جاننے کے لیے ڈاکٹر ڈریپر کی عالمانہ تصنیف ''یورپ کے ذہنی ارتقا کی تاریخ'' کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔

چشتی صاحب نے زیادہ تر مقامات پر ایسی کتب کے تراجم کے نام تحریر کیے ہیں مگر اصل کتب کے نام تحریر نہیں کیے ہیں۔ اگر اصل کتب کے نام دے دیے جاتے تو تنقید و تحقیق کے تقاضے پورے کرنے کے لیے اصل مآخذات تک بآسانی رسائی ممکن ہو جاتی۔

12- شرح میں مبلغانہ اور واعظانہ رنگ

مقالاتِ یوسف سلیم چشتی مرتبہ اختر النساء کے 'مقدمہ' میں درج ہے:

''چشتی صاحب لاہور کی مختلف مساجد میں درس قرآن دیتے رہے..... وہ مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر جمعے کے خطبات بھی عرصہ دراز تک دیتے رہے''(23)

چشتی کی شروح میں بعض مقامات پر یہ واعظانہ اور مبلغانہ رنگ نظر آتا ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

''..... وہ کہیں کہیں شارح کی حدیں توڑ تاڑ کر مبلغ اور واعظ بن جاتے ہیں اور تقریریں کرنے لگتے ہیں۔ ان کے حواشی اکثر اسی نوعیت کے ہوتے ہیں.....''(24)

اس ضمن میں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''...... چشتی صاحب ایک خطیب بھی تھے اور زورِ خطابت میں لکھتے ہوئے وہ یہ بات نظر انداز کر جاتے تھے کہ وہ علمی نثر لکھ رہے ہیں جس میں اطناب کی بجائے ایجاز مستحسن ہوتا ہے اور پھر ان کے مضامین میں جا بجا تکرار بھی ہوتی ہے۔ یہ بات ان کی شرحوں میں بھی عام ہے۔''(25)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے حالاتِ زندگی اور فکری و علمی و ادبی تخلیقات کا بغور جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ تشریحاتِ اقبال کے فکری و فنی تقاضے پورے کرنے کے لیے تمام ضروری صلاحیتیں رکھتے تھے۔

1- وہ اقبال کے فکری ارتقا کے تمام مراحل سے آگاہ تھے۔

2- ان کی فکرِ اقبال کے بنیادی اور اہم ثانوی ذرائع پر گہری نظر تھی۔

3- وہ اقبال کے سوانحی حالات سے بخوبی آگاہ تھے اور ان سے خصوصی قرب رکھتے تھے۔ انہیں 1925ء سے 1938ء تک علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملتا رہا۔ انہوں نے 1933ء میں جب علامہ بقیدِ حیات تھے ان کے سوانح حیات، سیرت و فلسفے پر ایک مضمون بعنوان ''اقبال کا پیغام'' تحریر کیا تھا اور یہ بات ان کے لیے باعث عزت و افتخار ہے۔

4- وہ اقبال کے عہد کے سیاسی و سماجی پس منظر سے آگاہ تھے۔

5- وہ کلامِ اقبال کی مخصوص لفظیات (diction) کو مخصوص پس منظر میں سمجھتے تھے۔

6- وہ تخلیقی صلاحیتوں سے متصف تھے۔ فنِ ترجمہ و شرح اور تحقیق و تنقید میں مہارت رکھتے تھے۔

7- شعر و شاعری کا نہایت اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ رومی، غالب، اقبال اور اکبر آلہ آبادی کے کلام سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ کبھی کبھی خود بھی شعر کہہ لیتے تھے۔

8- وہ وسیع مطالعہ اور گہری نظر رکھتے تھے۔ اس ضمن میں اختر النساء لکھتی ہیں:

''..... ذاتی لائبریری تھی جس میں تاریخ، فلسفہ، تصوف، سیاست، معاشیات، عمرانیات، شاعری اور اسلامیات جیسے موضوعات پر اردو، انگریزی اور فارسی میں متعدد کتابیں موجود تھیں۔..... ان کا مطالعہ کسی ایک موضوع تک محدود نہیں تھا

بلکہ مختلف موضوعات کی ہر قابلِ ذکر کتاب ان کے زیرِ مطالعہ رہی۔'' (26)

9- وہ بہت محنتی تھے اور سلسلہ تعلیم و تدریس اور تصنیف و تنقید کو جہاد تصور کرتے تھے۔ شرح ضربِ کلیم میں وہ لکھتے ہیں:

''مجھے جہاد سے محبت اور انگریز سے نفرت ہے۔ جہاد سے محبت + انگریز سے نفرت ان ہی دو باتوں کو مدنظر رکھ کر میں نے کلام اقبال کی شرحوں کا بیڑا اٹھایا ہے۔'' (27)

وہ فکرِ اقبال کے ترجمان تھے۔ شرح ضربِ کلیم کے اسی صفحہ پر وہ لکھتے ہیں:

''میں اقبال کا وکیل اور شارح ہوں۔'' (28)

10- وہ انگریزی، اردو، عربی اور فارسی زبانوں میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ وہ فرانسیسی اور جرمن بھی جانتے تھے۔ بقول اختر النساء وہ شاید ملک کے واحد عالم تھے جو لاطینی زبان پر بھی عبور رکھتے تھے۔ قرآن حکیم ،حدیث ،فقہ ،فلسفہ ،تاریخ ،منطق ،تصوف ،نجوم ،موسیقی کے علوم میں وسیع مطالعہ اور سمجھ بوجھ رکھتے تھے۔ ہندو مت، بدھ مت اور جین مت مذاہب کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتے تھے۔

11- وہ اقبال سے گہرا قلبی اور روحانی تعلق رکھتے تھے۔ انہیں اقبال سے براہِ راست تعلیم اور رہنمائی حاصل کرنے کے مواقع حاصل ہُوئے۔ اسی وجہ سے وہ فکرِ اقبال تک اچھی رسائی رکھتے تھے اور کلامِ اقبال کی شرح کے فکری و فنی تقاضے پورے کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مارچ یا اپریل 1924ء کو اپنے دوست ملک عبدالحمید پرشئین ٹیچر رنگ محل مشن ہائی سکول لاہور، کے ہمراہ عصر کے وقت علامہ اقبال کی میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ ان کی علامہ سے پہلی ملاقات تھی۔ انہوں نے علامہ سے دریافت کیا کہ حکماء کے دلائل تو کانٹ نے باطل ٹھہرا دیئے، اب ہم ذاتِ واجب کا اثبات کریں تو کیسے کریں؟ علامہ کے جواب نے ان کی زندگی میں بہت بڑا انقلاب برپا کر دیا۔ انہوں نے فرمایا:

''عقلی دلائل کی مدد سے واجب الوجود کا اثبات نہیں ہوسکتا۔ اس کے اثبات کا طریقہ باطنی مشاہدہ یا مذہبی تجربہ ہے۔ خدا شناسی کا ذریعہ خرد نہیں، عشق ہے، جسے فلسفہ کی اصطلاح میں وجدان کہتے ہیں۔'' (29)

اقبالؒ نے پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے فکری ارتقا میں نمایاں اور مرکزی کردار ادا کیا۔ اس کی ایک مثال مندرجہ بالا اقتباس کی صورت میں دی گئی ہے۔ اقبالؒ نے پروفیسر یوسف سلیم چشتی کو حقیقتِ مطلقہ تک رسائی کے ذریعہ سے آگاہ کیا اور ان کی سوچ کو نیا انداز اور نئی سمت عطا کر دی۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی اس حقیقت کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

''علامہ نے رفتہ رفتہ یہ حقیقت واضح کر دی کہ نہ تو خدا کی ہستی پر کوئی عقلی دلیل ایسی قائم ہوسکتی ہے جو قاطع ہو اور نہ عقل ان اعتراضات کا خاطر خواہ جواب دے سکتی ہے، جو خود عقل ہی خالقِ کائنات کے وجود پر وارد کرتی ہے۔

زماں زماں شکند انچہ می تراشد عقل

بیا کہ عشق مسلمان و عقل زناری است

اس لیے خدا کی ہستی کا تعین اگر ہوسکتا ہے تو صرف مشاہدہ باطنی RELIGIOUS EXPERIENCE کے ذریعہ سے۔

بوعلی اندر غبارِ ناقہ گم
دستِ رومی پردۂ محمل گرفت" (30)

چشتی صاحب نے 1931ء میں اقبال سے خطبہ الہ آباد کا ابتدائی حصہ سبقاً سبقاً پڑھا اور سمجھا۔ وہ جو کچھ سنتے اور سمجھتے اپنے شاگردوں کو لکھوا دیتے۔ انہوں نے اقبال سے 'گلشن رازِ جدید' اور 'اسرارِ خودی' بھی پڑھیں اور اپنی استعداد اور فہم کے مطابق علامہ کے ارشادات سے استفادہ کیا۔ چشتی صاحب کے مقالہ 'ملفوظاتِ اقبال' میں چشتی صاحب کے چند استفسارات اور اقبال کے جوابات اور تشریحات دی گئی ہیں ان میں سے خصوصاً مجلس نمبر 9 اور مجلس نمبر 10 میں اسرارِ خودی کے اشعار کی تشریح سے علم ہوتا ہے کہ اقبال اپنے کلام کی شرح کس انداز سے کرتے تھے۔ چشتی صاحب نے بھی اپنی شرح میں قریباً یہی انداز اپنایا ہے۔ اسرارِ خودی کے ایک شعر کی شرح ملاحظہ کریں۔

۱۰۔ ۳ جون ۱۹۳۲ء، یوم جمعہ، میکلوڈ روڈ۔۔۔ ۵ بجے شام

علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باہر بیٹھے ہوئے تھے اور ایک صاحب سے اپنی کوٹھی کے لیے زمین کی خریداری (۶) کے مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے۔ میں خاموش بیٹھا رہا۔ جب وہ صاحب چلے گئے تو آپ نے حقے کے چند کش لیے اور میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا "مجھے مسلمانوں کی حالت پر رونا آتا ہے۔ ان میں غیرت کا مادہ بہت کم رہ گیا ہے۔ اسی لیے انہیں اب اتنی تمیز نہیں ہے کہ جس کی وہ خوشامد کرتے ہیں اس سے انہیں کچھ فائدہ بھی حاصل ہوگا یا نہیں۔ جس شخص کو صاحب اقتدار دیکھتے ہیں اس کی خوشامد کرنے لگتے ہیں اور یہ مسئلہ کہ جسے وہ فائدہ سمجھتے ہیں دراصل اس کی قیمت (Value) کیا ہے، اس قدر اونچا ہے کہ اس تک ان کے ذہنوں کی رسائی بھی نہیں ہوسکتی۔ اس کے بعد مجھے پڑھنے کے لیے اشارہ کیا۔ میں نے یہ شعر پڑھا:۔

شعلہ ہائے او صد ابراہیمؑ سوخت
تا چراغِ یک محمد ﷺ برفروخت

(اسرار و رموز: ص ۱۳)

فرمایا "اس سے پہلے یہ شعر آچکا ہے:

عذرِ ایں اسراف و ایں سنگین دلی
خلق و تکمیلِ جمالِ معنوی

(ایضاً)

مطلب یہ ہے کہ فطرت بظاہر خونریزی کرتی ہے لیکن جمال باطنی کی تکمیل اسی سے ہوتی ہے۔ جب ملائکہ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی، خلافت ارضی ہمیں عطا کی جائے۔ انسان تو بہت خصیم اور خونریز ہے اور ہم ہر وقت آپ کی تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں تو اللہ نے ان کی تردید تو نہیں کی مگر یہ فرمایا: انی اعلم مالا تعلمون

(۱۔۳۰) یعنی خدا نے کائنات کی تخلیق ایک خاص نہج پر کی ہے۔ خصومت اور سفک دم، دونوں باتیں انسان کی فطرت میں ودیعت کی ہیں۔ اگر چاہتا تو تکمیل جمال معنوی کے لیے کوئی اور صورت پیدا کر سکتا تھا، مگر اس نے یہی پسند کیا کہ جدوجہد اور جنگ و جدل سے جمال کی تکمیل ہو۔ اسی لیے اس نے فرشتوں کو اس کام کے لیے منتخب نہیں کیا کیونکہ ان کے اندر خصومت اور خونریزی کا مادہ نہیں ہے۔ جبکہ پیکار اور جدال انسان کی سرشت میں داخل ہے۔

فطرت میں بظاہر خونریزی اور تباہ کاری نظر آتی ہے۔ بہت ضیاع ہوتا ہے۔ اس کے بعد کوئی عمدہ شے تیار ہوتی ہے۔ مثلاً لاکھوں پھول آتے ہیں، اکثر ضائع ہو جاتے ہیں، چند ہی پھولوں پر پھل لگتے ہیں۔ لاکھوں بچے پیدا ہوتے ہیں اکثر مر جاتے ہیں، کمتر پروان چڑھتے ہیں۔ اسی طرح خودی کے شعلے نے سینکڑوں ابراہیم پیدا کر کے فنا کر دیئے۔ تب جا کر ایک انسان کامل پیدا ہوا۔ یہ صورت اس لیے مدنظر ہوئی کہ انسان جدوجہد کرنے کے بعد تکمیل جمال کر سکے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''الذی خلق فسوی و الذی قدر فھدی

(۳۲:۳۰)

یعنی پیدا کیا، پھر درست کیا (مناسب حال صورت بخشی) پھر اندازہ مقرر کیا کہ اس حد تک ترقی ممکن ہے۔ پھر اس حد تک پہنچنے کے لیے ہدایت عطا کی۔ اس کے بعد آزادی عطا کی کہ جدوجہد کرے۔ زندگی از اول تا آخر عمل سے عبارت ہے۔ سکون موت ہے۔

شعلہ خود در شرر تقسیم کرد
جز پرستی عقل را تعلیم کرد

(اسرار و رموز: ص ۱۴)

فرمایا ''عقل، کل کو نہیں دیکھ سکتی صرف جزء کو دیکھ سکتی ہے۔ کیونکہ وہ زنجیری زمان و مکان ہے۔ کل کو صرف وجدان پا سکتا ہے، کیونکہ واجدانی حالت میں نفس ناطقہ، قید زمان و مکان سے آزاد ہو جاتا ہے:

علم از سامان حفظ زندگی است

(اسرار و رموز: ص ۱۷)

فرمایا: ''علم و فن کا مقصد اصلی، محض آگاہی نہیں ہے بلکہ یہ کہ انسان علم کی بدولت اپنی زندگی اور خودی کی حفاظت کے طریقوں سے آگاہ ہو جائے۔ مذہب کا مقصد بھی یہی ہے۔ جو لوگ ''فن برائے فن'' کے قائل ہیں، وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ فلسفہ، آرٹ اور مذہب، اگر خودی کی حفاظت میں معاون نہ ہوں تو بالکل بیکار ہیں:

در اطاعت کوش اے غفلت شعار
می شود از جبر پیدا اختیار
(اسرار ورموز: ص ۴۱)

فرمایا ''خودی کی تربیت میں پہلا مرحلہ اطاعت ہے۔ اسی لیے اسلام کے معنی ہیں احکام شرع کی بلا چون و چرا اطاعت کرنی۔ جب انسان احکام شرع کی اطاعت کرتا ہے تو اس میں اختیار کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے یعنی وہ صاحب اقتدار ہو جاتا ہے۔ حقیقی آزادی (حریت) احکام الٰہی کی تعمیل ہی سے پیدا ہوتی ہے۔

کائنات پر نظر ڈالو۔ جو شے قیمتی اور معزز ہے وہ اطاعت ہی کی وجہ سے ہے۔ ہوا جب پھول میں مقید ہوتی ہے تو خوشبو دار بن جاتی ہے۔ اسی طرح مردِ مومن، اطاعت سے مراتب عالیہ حاصل کرتا ہے۔ اس لیے مسلمان کو سختی، آئین کی شکایت کرنی زیبا نہیں ہے۔ اور نہ آئین میں تاویل کرنی چاہیے۔

اطاعت سے ضبط نفس کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ انسان دو عنصر سے مرکب ہے، خوف اور محبت۔ ان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دنیا کی طرف مائل رہتا ہے اور یہ دنیا طلبی اسے فحشاء اور منکرات پر ابھارتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ مسلمان یہ عقیدہ اپنے دل میں راسخ کر لے کہ اللہ کے سوا اور کوئی ہستی مجھے نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ''لا الٰہ'' کا عصا اس قدر طاقتور ہے کہ خوف اور محبت کے طلسم کو چشم زدن میں باطل کر دیتا ہے۔ دیکھ لو! حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند کے گلے پر چھری رکھ دی، کیوں؟ محض اس لیے کہ انہیں اللہ کے سوا اور کسی سے محبت نہیں تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کو قیامت تک مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا کہ مومن وہ ہے جس کے دل میں خدا کے سوا اور کسی کی محبت نہ ہو۔ خالد جانباز کو ''سیف اللہ'' کا لقب اسی چیز نے دلوایا کہ وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔

آخر میں فرمایا کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' زبان سے مت کہو بلکہ دل سے کہو۔ یعنی اس بات پر کامل یقین رکھو کہ خدا کے علاوہ کوئی ہستی تم پر قاہر اور غالب نہیں ہے۔ جب ماسوی اللہ کا خوف اور اس سے امید، یہ دو باتیں دل سے نکل جاتی ہیں تو مسلمان، مومن بن جاتا ہے۔ (31)

14 نومبر 1927ء کو چشتی صاحب نے 'زبور عجم' کا ایک نسخہ خرید کر اقبال کی خدمت میں پیش کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس کتاب پر اپنے قلم سے اپنا پسندیدہ شعر لکھ دیں، جو ان کی پوری شخصیت اور تیس سالہ شاعری پر حاوی ہو۔ علامہ اقبال نے وکٹورین ایرا قلمدان منگوایا، اور یہ شعر اپنے قلم سے لکھ کر، دستخط ثبت فرمائے۔

تو نشناسی ہنوز شوق بمیرد ز وصل
چیست حیاتِ دوام؟ سوختنِ ناتمام (32)

روزگارِ فقیر جلد اول کے صفحات 175 تا 187 پر دیے گئے 'علمی مباحث' کے مندرجات سے واضح ہوتا

ہے کہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے مختلف تصانیفِ اقبال کا بار بار مطالعہ کیا اور انہیں سمجھنے کے لیے علامہ اقبال سے رہنمائی حاصل کی۔ انہوں نے کلام اقبال کو سمجھنے کے لیے قرآن حکیم کا مطالعہ کیا اور رہنمائی پائی۔ ان کا کہنا ہے کہ کلام اقبال کا ماخذ، منبع ومحور قرآنِ کریم ہے، اس لیے پہلے قرآن کو پڑھیے اور پھر اقبال کے کلام سے لطف اور فیض حاصل کیجیے۔

10 فروری 1938ء کو ایک مجلس میں اقبال نے فرمایا:

''..... یوسف سلیم چشتی کہاں ہیں؟ انہوں نے تحریک وہابیت پر مضمون کیوں نہیں لکھا؟
اگر لکھیں تو مجھے دکھادیں۔'' (33)

اقبال سمجھتے تھے کہ یوسف سلیم چشتی کس موضوع پر تسلی بخش حد تک لکھ سکتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے یوسف سلیم چشتی سے تحریکِ وہابیت پر مضمون لکھنے اور نظر ثانی کے لیے مضمون دکھانے کو کہا۔

مندرجہ بالا تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ یوسف سلیم چشتی نے قرآنِ حکیم کی مدد سے اور علامہ اقبالؒ سے براہِ راست استفسارات کے ذریعے مختلف تصانیف کلام کو سمجھا۔ اس فکرِ اقبال کی تفہیم کے سلسلہ میں انہیں اقبال کے نزدیک معتبر مقام حاصل تھا۔ اس لحاظ سے ان کی شروح اور تصانیف فکرِ اقبال کی تفہیم کے اہم اور مستند ذرائع کی حیثیت رکھتی ہیں۔

چشتی صاحب کی شروح کے بارے میں ماہرین کی آرا

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، قیوم حسین شاہ، ریسرچ سکالر ایم فل اقبالیات کے نام اپنے خط (محررہ 2 اکتوبر 1996ء) میں پروفیسر چشتی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''چشتی صاحب کی شرحیں عالمانہ ہیں اور ان کے وسیع مطالعہ پر دال۔ انہیں اقبال کی صحبت بھی میسر رہی۔ ان کی اپروچ بحیثیت مجموعی مثبت اور راست فکری پر مبنی ہے۔'' (34)

چشتی صاحب کلام اقبال کے اولین شارح ہیں اور صرف انہوں نے ہی اقبال کے تمام شعری مجموعوں کی مفصل اور جامع شروح لکھی ہیں۔ انہوں نے اقبال کے علاوہ غالب اور اکبر کے کلام کی بھی شرحیں لکھی ہیں۔ وہ واحد شارح ہیں جنہوں نے کلام اکبر کی شرح لکھی ہے۔ ان کی لکھی ہوئی شرحوں کی تعداد باقی شارحین کی تعداد سے زیادہ ہے۔ کلامِ اقبال کی شرح نویسی کے وقت ان کے سامنے کوئی مثال یا نمونہ نہیں تھا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

''..... یوسف سلیم چشتی کے سامنے شرح کلام اقبال کا کوئی نمونہ نہ تھا جبکہ باقی سب شارحین نے ان سے استفادہ کیا..... مہر اپنے تمام علم وفضل کے باوجود یوسف سلیم سے بچ نہیں سکے اور عبدالرشید فاضل کے ہاں مہر کے اثرات بالکل واضح ہیں۔'' (35)

چشتی صاحب کے بعد کے شارحین نے ان کی شروح سے استفادہ کیا، مگر پھر بھی کوئی نمایاں خدمات سرانجام نہیں دے سکے۔ فکرِ اقبال کی ترویج میں ان کی شرحوں نے خصوصی کردار ادا کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

''ان کی شرحوں سے اقبال فہمی کا ایک شعور پیدا ہوا۔فروغِ اقبالیات کی گزشتہ نصف صدی کی تاریخ لکھی جائے گی تو اس میں چشتی کا نام بہت نمایاں ہوگا۔''(36)

ڈاکٹر الف۔د۔نسیم ان الفاظ میں چشتی صاحب کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

''علامہ یوسف سلیم چشتی مرحوم چونکہ اقبال مرحوم کے صحبت یافتہ اور دین و ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف علومِ ضروریہ کے حامل بھی تھے۔اس لیے انہوں نے علامہ کے کلام کی جو شرحیں لکھی ہیں وہ کافی حد تک کلامِ اقبال کے صحیح گوشوں کو قاری کے سامنے لاتے ہیں۔دوسرے شارحین ان جیسی صفات نہ رکھنے کے سبب ان جیسا کام نہیں کر سکے..... جو کچھ انہوں نے لکھا صحت کے ساتھ لکھا ہے۔''(37)

ان کی شروح میں اگر بعض امور کے لحاظ سے افراط و تفریط نظر آتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فکر روزگار کے ساتھ ساتھ وہ زیادہ تر وقت مطالعہ، تصنیف و تالیف اور تنقید و تحقیق کے کاموں میں بسر کرتے تھے۔اس لیے انہیں اپنے کام پر نظر ثانی کا موقع نہ مل سکا۔ان کی شروح کو نظر ثانی سے بہتر بنایا جا سکتا ہے اور اس میں موجود کمزوریوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔اس کے لیے اقبال اکیڈمی، بزم اقبال اور دیگر ادبی اداروں اور یونیورسٹیوں کے ادبی و تحقیقی شعبہ جات کو مثبت پیش رفت کرنی چاہیے۔

شرح پیامِ مشرق از یوسف سلیم چشتی کا فکری وفنی جائزہ
شرح 'پیش کش'

(صفحہ 14 تا 30)

پیامِ مشرق کے حصہ 'پیش کش' کی شروع میں 'تمہید' کے عنوان سے پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے 'پیش کش' کا تاریخی پس منظر پیش کیا ہے۔ انہوں نے امیر امان اللہ خان کی افغانستان میں تخت نشینی، انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے اور ملکی وقومی اصلاحات کے لیے کوششوں کا ذکر کیا ہے۔ ساتھ ہی امیر موصوف کی ناکامی کی وجہ بیان کی ہے کہ امیر موصوف نے علامہ کی 'پیش کش' میں بیان کردہ ملی، مذہبی اور سیاسی ترقی کے پروگرام پر عمل کرنا تو درکنار غالبًا اسے پڑھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی جس کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں سامنے آیا۔

'تمہید' کے بعد چشتی صاحب نے 'پیشکش کا تجزیہ' کے عنوان سے پیشکش کے بند نمبر 1 تا بند نمبر 7 میں سے ہر ایک کے نفسِ مضمون کا تعارف کرایا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ہر ایک بند کا مطلب واضح کیا ہے۔ انہوں نے ہر ایک بند کا مفہوم اچھی طرح واضح کیا ہے۔ جہاں کہیں ضروری سمجھا، وضاحت کے لیے اقبالؔ کا یا کسی اور شاعر کا شعر بھی لکھ دیا ہے۔ مثلاً صفحہ 19 پر دوسرے بند کی شرح کے آخر پر لکھتے ہیں:

> ''..... حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھ کو دین اور سیاست کے رموز (اسرار) سے آگاہ فرمایا ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ غیر معمولی علم وفضل کے باوجود مجھے ہندوستان میں پیدا کیا جہاں کوئی میرا راز داں نہیں یعنی میں اپنی قوم میں رہتا ہوں لیکن اجنبی شخص کی طرح کوئی شخص مجھ سے آگاہ نہیں ہے، اس میں کیا شک ہے کہ آسمان سفلہ پرور ہے۔ اس لیے افسوس ہے اُس شخص کے حال پر جو صاحبِ ہنر ہو۔''(38)

مندرجہ بالا اقتباس میں دیے گئے حوالہ جات کے تحت انہوں نے اسی صفحہ پر پاورقی میں اقبالؔ اور ذوقؔ کے اشعار یوں دیے ہیں:

اسی جذبہ کو ضربِ کلیم میں یوں ظاہر کیا ہے:

لیکن مجھے پیدا کیا اس دیس میں تو نے!\
جس دیس کے بندے ہیں غلامی پہ رضامند

اُستاد ذوقؔ نے کیا خوب لکھا ہے:

یوں پھریں اہلِ کمال آشفتہ حال افسوس ہے\
اے کمال! افسوس ہے تجھ پر! کمال افسوس ہے (39)

اسی طرح انہوں نے چھٹے بند کی شرح میں غدارانِ ملت کا ذکر کیا اور یہ شعر لکھا ہے:

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ آدم ، ننگِ دیں ، ننگِ وطن (40)

نفسِ مضمون کے مطابق دیے گئے اشعار سے تفہیم متن میں آسانی رہتی ہے۔

چشتی صاحب شاعری سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کا حافظہ بھی بہت تیز تھا۔ انہوں نے اپنی شرح میں بیدل، حافظ، عراقی، رومی، جامی، نظامی، محمود شبستری، عرفی، ظہیر فاریابی، غالب، اکبر، حالی، جگر، درد، مومن، ذوق، ظفر، بھگت کبیر اور چند اور شعرا کے اشعار دیے ہیں۔

بقول اختر النساء چشتی صاحب نے فارسی شعرا میں سب سے زیادہ بیدل کے اشعار (۳۷)، رومی (۱۸) اور پھر حافظ (۶) کے اشعار کے شعری حوالے دیے ہیں۔ اردو شعرا میں اقبال کے علاوہ سب سے زیادہ اشعار اکبر کے (۱۸) ہیں اور پھر غالب (۸) کے ہیں۔

چشتی نے خود اقبال کے اردو اور فارسی اشعار سے بھی استشہاد کیا ہے، چنانچہ شرح پیام مشرق میں اقبال کے تقریباً ۹۰ فارسی اور ۸۴ اردو اشعار کے حوالے ملتے ہیں۔ (41)

چشتی صاحب نے پیام مشرق کی شرح میں موقع محل کی مناسبت سے قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کے حوالے بھی دیے ہیں۔ فکر اقبال کی تفہیم میں قرآن وحدیث بنیادی مآخذات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اقبال کا میزانِ ردّ و قبول قرآن وحدیث ہی تھے۔ انہوں نے صرف وہی افکار اپنائے اور بیان کیے جن کی قرآن وحدیث سے تصدیق ہوئی۔ اس لیے چشتی صاحب کی شرح کا خوبصورت ترین پہلو یہی ہے کہ انہوں نے شرح کے دوران متعلقہ قرآنی آیات واحادیث کے حوالے بھی دیے ہیں۔ مثلاً 'پیش کش' کے تیسرے بند کی شرح میں لکھتے ہیں:

''دوسرے مصرع کا مضمون قرآن حکیم کی اس آیت سے ماخوذ ہے:
حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ (۳۲:۸)
یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا۔'' (42)

پانچویں بند کے پہلے شعر کے دوسرے مصرع کی شرح میں لکھتے ہیں:

''.....لفظِ 'انفس' اور 'آفاق' میں تلمیح ہے اس آیت کی طرف:
سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ (۴۱:۵۳)
عنقریب دکھائیں گے ہم ان کو اپنی نشانیاں کائنات میں، اور خود ان کے نفوس میں۔'' (43)

چشتی صاحب پانچویں بند کے دوسرے شعر کی تشریح کے دوران حکمت (سائنس) کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''.....اے امیر! حکمت (سائنس) کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے 'خیر کثیر' سے تعبیر فرمایا ہے۔''

اس مصرع کا مضمون حسبِ ذیل آیت قرآنی سے ماخوذ ہے:
مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا۔
اور جسے حکمت عطا کی گئی (گویا) اُسے خیر کثیر (بہت بڑی بھلائی) عطا کی گئی۔ (44)

چشتی صاحب پانچویں بند کے چوتھے شعر کی شرح کے دوران لکھتے ہیں:

''..... آپؒ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے یہ التجا فرمایا کرتے تھے کہ رَبِّ زِدْنِی عِلْماً۔
یعنی اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔'' (45)

پانچویں بند کے پانچویں شعر کے حوالے سے علم الاسماء کی وضاحت کرتے ہوئے، چشتی صاحب لکھتے ہیں:

''اس شعر کا مضمون حسبِ ذیل آیت قرآنی سے ماخوذ ہے:
وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (۲:۳۱)
اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو کائنات کی تمام اشیا کے نام سکھا دیے۔'' (46)

ساتویں بند کے آخری اشعار کی شرح کے دوران وجودِ کائنات کے حوالے سے عشقِ نبویؐ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حاشیہ میں چشتی صاحب لکھتے ہیں:

''ا ان اشعار میں اس حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے:۔
لَوْلَا كَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔
اے میرے محبوبؐ! اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو آسمانوں (کائنات) کو بھی پیدا نہ کرتا ۔یعنی یہ کائنات آپؐ کی بدولت معرضِ وجود میں آئی ہے۔'' (47)

چشتی صاحب نے شرح کے دوران، جہاں ضروری سمجھا، کسی مشکل لفظ، تلمیح، استعارہ یا اصطلاح کی وضاحت بھی دے دی ہے۔ مثلاً چھٹے بند کے چوتھے شعر میں استعمال ہونے والے لفظ 'کعبتین دغل' کی 'نوٹ' کے عنوان کے تحت بہت اچھی وضاحت پیش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

نوٹ:۔ کعبتین، تثنیہ کا صیغہ ہے یعنی ۲ کعب یا قمار کے شش پہلو پاسے۔ کعبتین دغل ان پاسوں کو کہتے ہیں جن کے اندر اٹھے کی طرف (اندرونی جانب) سیسہ چپکا دیتے ہیں۔ تا کہ جب ان کو پھینکا جائے تو چھکا اُوپر کی طرف رہے یعنی ہمیشہ پو آئے یہیں سے اُردو زبان میں دو ۲ محاورے پیدا ہوئے۔
(ا) مثلاً وہ تو دن رات چھکا پو میں مشغول ہے یعنی جُوا کھیلتا ہے
(ب) اُس کی کیا بات کرتے ہو؟ آج کل اُس کے پو بارہ ہیں۔ یعنی وہ کامیاب ہے۔ (48)

میاں عبدالرشید نے اس شعر کا صرف ترجمہ دیا ہے اور مشکل الفاظ کے معانی نہیں دیے۔ انہوں نے اپنے ترجمہ میں کہیں بھی مشکل الفاظ کے معانی نہیں دیے۔ متعلقہ شعر اور میاں عبدالرشید کا دیا ہوا ترجمہ ملاحظہ کریں۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید
پاکباز و کعبتینِ او دغل ریمن و غدر و نفاق اندر بغل (49)	(بظاہر) وہ پاکباز ہے مگر وہ فریب کا کھیل کھیلتا ہے، اس کی بغل میں مکاری، غداری اور نفاق ہے۔ (50)

'احمد جاوید' نے اس شعر کا قدرے واضح ترجمہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"(بظاہر) پاکباز مگر اس کے دونوں پانسے کھوٹے۔ دل میں فریب اور دوغلا پن رکھنے والا مکّار۔" (51)

'احمد جاوید' نے ترجمہ میں کعبتین (دونوں پانسے) اور دغل (کھوٹے) کا ترجمہ بھی دیا ہے جبکہ میاں عبدالرشید نے اس مصرع کا مفہوم دیا ہے مگر ترجمہ میں لفظ 'کعبتین' سے بیان کی گئی لطافت پیدا نہیں کی۔ احمد جاوید نے فرہنگ میں الفاظ 'کعبتین' اور 'دغل' کا ان الفاظ میں مختصر سا مفہوم دیا ہے:

"• کعبتین: کعب کا تثنیہ، جواریوں کے دو پانسے، دو چھکے
• دغل: فریب، کھوٹ..." (52)

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے اپنے ترجمہ میں الگ سے مشکل الفاظ و تراکیب کے معانی نہیں دیے، تاہم انہوں نے جہاں کہیں مشکل لفظ یا جملہ آیا قوسین میں اس کی وضاحت دے دی۔ اس لحاظ سے پیامِ مشرق کے تمام تراجم میں سے ان کا ترجمہ سب سے زیادہ واضح اور عام فہم ہے۔ انہوں نے اس شعر کا ترجمہ اس طرح سے کیا ہے:

"(ایسا شخص بظاہر) پاکباز ہوتا ہے (لیکن حقیقت میں) دغل کعبتین کی طرح فریب دینے والا ہوتا ہے (دغل کعبتین جوا کے کھیل کے ان پانسوں کو کہتے ہیں جن کے اندر یکے کی طرف سیسہ چپکا دیتے ہیں تاکہ جب پانسا پھینکا جائے تو چھکا ہی آئے اور اس طرح دھوکا دہی سے جوا جیتا جائے) + وہ اپنی بغل میں بدنفسی و سرکشی اور بغاوت و نفاق لیے ہوئے ہوتا ہے۔" (53)

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے فرہنگ میں صفحہ نمبر 293 پر قریباً ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے الفاظ میں ہی 'کعبتین دغل' کا مفہوم دیا ہے۔

لفظ 'کعبتین' کے مفہوم کے لحاظ سے دیکھیں تو پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے دیگر تمام مترجمین اور شارحین کی نسبت زیادہ واضح اور بہتر انداز سے اس لفظ کا مفہوم واضح کیا ہے۔

پیامِ مشرق کے تمام تراجم اور شروح کے موازنہ سے واضح ہوتا ہے کہ اگر پیامِ مشرق کی شرح میں 'احمد جاوید' کے سے انداز سے فارسی متن کے ساتھ 'فرہنگ'، ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے انداز سے لفظی و بامحاورہ ترجمہ اور صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کے انداز سے ایک معینہ میزان اور مقررہ انداز سے شرح اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے انداز سے اہم نکات، شخصیات اور اصطلاحات سے متعلقہ ضروری حواشی و تعلیقات اور توضیحات دے دی جائیں تو مثالی شرح تخلیق کی جا سکتی ہے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اپنی شرح میں نفسِ کلام کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اکثر مقامات پر استعمال ہونے والے محاورات، استعارات، کنایات، تلمیحات اور اصطلاحات کی وضاحت کی ہے۔ مثلاً "حصہ پیش کش" کے تیسرے بند کے دوسرے شعر کی شرح کے دوران لفظ 'بطحی' بطور تلمیح استعمال ہوا ہے۔ چشتی صاحب نے اس کی وضاحت اس طرح سے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس شعر میں تلمیح ہے عربوں کی اسلام کش روش کی طرف کہ ۱۹۱۶،۱۷ء میں انہوں نے ترکوں کے خلاف۔ اُن ترکوں کے خلاف جنہوں نے چار سو سال تک اپنے خون سے سرزمین حجاز کی آبیاری کی تھی۔ اور لفظِ "خادم حرمین شریفین" کو اپنے لیے سب

سے بڑا اعزاز تصور کیا تھا۔ اعلان جنگ کر دیا اور دشمنانِ اسلام یعنی انگریزوں کے دوش بدوش اپنے محسنوں کے سینوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا۔''(54)

اس طرح 'پیش کش' کے پانچویں بند کے پہلے شعر کے دوسرے مصرع کی شرح میں انہوں نے اَنْفُس اور آفاق کی تلمیح کی وضاحت اس طرح سے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''علم اَنْفُس کو اصطلاح میں فلسفہ اور علم اور آفاق کو اصطلاح میں سائنس کہتے ہیں اور مادی ترقی انہی دو چیزوں پر موقوف ہے۔ لفظِ اَنْفُس اور آفاق میں تلمیح ہے اس آیت کی طرف:۔

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ (۵۳:۴۱)

عنقریب دکھائیں گے ہم ان کو اپنی نشانیاں کائنات میں، اور خود ان کے نفوس میں۔''

چونکہ اَنْفُس اور آفاق میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں پوشیدہ ہیں۔ اس لیے اسلام نے ان دونوں کے مطالعہ کا حکم دیا ہے۔''(55)

حصہ 'پیش کش' کی شرح کے آخر پر پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے 'بقیہ حواشی متعلقہ پیش کش' کے عنوان کے تحت شہنشاہ مراد، اردشیر اور حضرت ابوذر غفاریؓ کا تعارف پیش کیا ہے۔ اس طرح انہوں نے ہر طرح سے کوشش کی ہے کہ ان کی شرح سے ہر درجہ کا طالب علم اور ہر ذہنی سطح کا قاری زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکے۔

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے پیامِ مشرق کے حصہ 'پیش کش' کی بہت اچھی شرح لکھی ہے۔ انہوں نے فکر اقبال کی ترجمانی کے لیے ان کے کلام سے متعلقہ آیاتِ مقدسہ، حدیث شریف، تلمیحات کی وضاحت، تاریخی حوالہ جات اور نفسِ مضمون سے ملتے جلتے دیگر شعرا کے اشعار بھی دیے ہیں۔

شرح رباعیات موسومہ بہ لالۂ طور
(صفحہ نمبر 31 تا صفحہ نمبر 246)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے 'تمہید' کے عنوان کے تحت رباعیات کے موضوعات کی فہرست دی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ذکر کیا ہے کہ علامہ اقبال نے پندرہ رباعیات میں وحدت الوجود کی تعلیم دی ہے۔ ان رباعیات کے علاوہ چونکہ غزلیات میں بھی اکثر مقامات پر انہوں نے اسی مسلک کی تلقین کی ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عقیدہ کی کسی قدر تشریح کر دی جائے تا کہ ان مقامات کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ فکرِ اقبال کے حوالے سے مسئلہ وحدت الوجود کی اہمیت کے پیشِ نظر پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے صفحات نمبر 32 تا 50 پر مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر ابن عربیؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے افکار کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ آخری صفحات پر امام غزالیؒ اور مولانا اشرف علی تھانوی کے حوالے سے بطور حتمی نتیجہ تحریر کرتے ہیں:

''خلاصۂ کلام یہ ہے کہ پہلی صدی ہجری سے تا ایں دم جس قدر علماء اور عرفاء گزرے ہیں سب نے یہی تعلیم دی ہے کہ کائنات کا وجود حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ ظلی ہے۔ اختلاف جو کچھ ہوا ہے، وہ اس بات میں کہ اس ظل کی کیفیت کیا ہے۔

شیخ اکبرؒ یہ فرماتے ہیں کہ ظل موہوم ہے: ہمہ اوست

حضرت مجددؒ یہ فرماتے ہیں کہ یہ ظل موجود ہے: ہمہ از اوست
اقبال اگرچہ کہیں بالکل شیخ اکبرؒ کے ہمنوا معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی
حضرت مجددؒ کے متبع ہیں۔(56)

اپنی اس شرح میں رباعی نمبر 81 کی شرح کے بعد چشتی صاحب نے ایک نوٹ تحریر کیا ہے اور اس میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اقبال ہمہ اوست کے قائل تھے۔ گویا چشتی صاحب خود تذبذب کا شکار تھے کہ اقبال ہمہ اوست کے قائل تھے یا کہ ہمہ از اوست کے۔ وہ 'نوٹ' ملاحظہ کریں:

''نوٹ:۔ اقبال نے ان چاروں رباعیوں میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کو پڑھ کر ہر شخص اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ وہ ہمہ اوست کے قائل ہیں بحث صرف اس بات میں ہوسکتی ہے کہ وہ اس کی کونسی تعبیر سے متفق ہیں۔ اس کی تفصیل تو ''اقبال اور تصوف'' میں درج کروں گا۔ یہاں اتنا لکھنا کافی ہے کہ فلسفی خواہ مشرقی ہو یا مغربی، جس قدر پختہ اور حقیقت شناس ہوتا جائے گا اسی قدر وحدت الوجود کی طرف مائل ہوتا جائے گا۔
پس اقبال اگر ہمہ اوست کے معترف ہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔''(57)

'تمہید' کے آخر پر چشتی صاحب نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے شرح اسرارِ خودی کے مقدمہ میں مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے بارے میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے، شائقین وہاں سے یہ مسئلہ پڑھ کر وحدۃ الوجود کے موضوع سے متعلقہ رباعیات کا مطلب واضح طور پر سمجھ سکیں گے۔

'تمہید' کے بعد چشتی صاحب نے 'شرح عنوان' کے تحت رباعیات کے عنوان 'لالۂ طور' کی نہایت اچھے انداز سے وضاحت کی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ترتیب سے رباعیات کی شرح تحریر کی ہے۔

تمام رباعیات کی شرح کا جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ چشتی صاحب نے مختلف رباعیات کے نفسِ مضمون اور اس سے متعلقہ وضاحت طلب امور کے پیش نظر مختصر یا طویل شرح کی ہے۔ انہوں نے قریباً ستاون (57) رباعیات کی مختصر سی شرح تحریر کی ہے۔ ان میں سے ہر ایک رباعی کی شرح قریباً نصف صفحہ پر دی ہے۔ پچھتر (75) رباعیات کی شرح قریباً ایک صفحہ فی رباعی کی ترتیب سے دی ہے۔ صرف بائیس (22) رباعیات ایسی ہیں جن کی شرح قدرے زیادہ تفصیل سے دی گئی ہے۔ ان میں سے ہر ایک رباعی کی شرح قریباً دو (2) صفحات پر دی گئی ہے۔ صرف نو (9) رباعیات ایسی ہیں جن میں سے ہر ایک کی شرح تین تا پانچ صفحات پر دی گئی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو چشتی صاحب پر محققین اور ناقدین کا یہ اعتراض کہ انہوں نے شرح میں بے جا طوالت یا اختصار سے کام لیا ہے، قابلِ قبول نظر نہیں آتا۔ چشتی صاحب نے جن نو (9) رباعیات کی شرح تین تا پانچ صفحات فی رباعی کے لحاظ سے دی ہے ان کا نفسِ مضمون اور ان میں استعمال ہونے والے الفاظ و تراکیب کا تقاضا تھا کہ ان کی شرح کافی زیادہ تفصیل سے لکھی جائے۔ وہ نو (9) عدد رباعیات، ان کی شرح کے صفحات کی تعداد اور موضوعات درج ذیل ہیں:

رباعی نمبر	موضوع/نفسِ مضمون	شرح کے صفحات کی تعداد	رباعی نمبر	موضوع/نفسِ مضمون	شرح کے صفحات کی تعداد
8	معرفتِ الٰہی	7	61	انسان/مسئلہ جبر وقدر	$3\frac{1}{2}$
22	حُبِّ الٰہی	4	78	ہمہ با اوست کا نظریہ	$5\frac{1}{2}$
27	سخت کوشی/مہم جوئی	4	152	مادہ کی اصلیت (روح)	3
32	انسان	5	163	عشق کی اہمیت	$2\frac{1}{2}$
51	خودی کی حقیقت	4			

ان گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ چشتی صاحب پر شرح کے دوران بے جا طوالت یا بے جا اختصار کا اعتراض قابلِ غور ہے۔ بظاہر ایسا نظر نہیں آتا۔ اگر انہوں نے کسی جگہ پر کسی موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے تو ان کے پیشِ نظر وہ اہم موضوع اور اس سے متعلقہ دیگر کلام اقبال تھا۔ انہوں نے فکرِ اقبال کی تفہیم کے لیے ہی ایسا کیا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ تفصیلی شرح صرف چند ایک مقامات پر نظر آتی ہے، جیسا کہ مندرجہ بالا دیے گئے اعداد و شمار سے ظاہر ہے۔ یہ اعداد و شمار حصہ لالۂ طور کی تمام رباعیات کی شرح کی، ان کی طوالت یا اختصار کے لحاظ سے درجہ بندی اور تجزیہ کے بعد پیش کیے گئے ہیں۔

چشتی صاحب نے قریباً تمام رباعیات کی شرح، عنوانات، 'بنیادی تصور' اور 'مطلب' کے تحت کی ہے۔ انہوں نے صرف دس (10) عدد رباعیات میں تمہید، تبصرہ یا تشریح الفاظ کے عنوان کے تحت مزید توضیحات دی ہیں۔ انہوں نے رباعی نمبر 8 میں 'تمہید' کے عنوان سے، رباعی نمبر 27، 44، 49، 61، 64، 65، 68 اور 70 میں 'تبصرہ' کے عنوان سے اور رباعی نمبر 32 میں 'تشریح الفاظ' کے عنوان سے مزید تفصیلات اور توضیحات دی ہیں۔

حصہ لالۂ طور میں بھی پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے شرح کا وہی انداز اختیار کیا ہے جو کہ 'پیش کش' کی شرح میں نظر آتا ہے۔

چشتی صاحب نے رباعی نمبر 1 کی شرح میں سب سے پہلے 'بنیادی تصور' کے عنوان سے رباعی کا مرکزی خیال پیش کیا ہے۔ مشکل الفاظ کے استعمال کی وجہ سے ان کی تحریر عام فہم نہیں رہی۔ ملاحظہ کریں، وہ لکھتے ہیں:

> ''بنیادی تصور:۔ چونکہ یہ پہلی رباعی ہے، اس لیے دستورِ قدیم کے مطابق اقبال نے اس میں حمد باری تعالیٰ بیان کی ہے اور ضمناً اپنا مسلک بھی واضح کر دیا ہے۔ یعنی وحدتِ شہود کا نظریہ پیش کیا ہے اس نظریہ کی رُو سے وجودِ واحد کا اثبات، حقیقتین میں کیا جاتا ہے۔ یعنی ذی ظل بھی حقیقت ہے اور ظل بھی حقیقت ہے۔ یعنی عالم اور معلوم دونوں موجود ہیں۔ اگرچہ (خدا) عالم کا وجود حقیقی ہے (کائنات) معلوم کا وجود ظلی ہے وحدتِ شہود اور وحدتِ وجود میں فرق یہ کہ

(۱) وجودِ واحد در حقیقتین مانا جائے تو وحدتِ شہود ہے۔

(۲) وجودِ واحد در حقیقتِ واحد تسلیم کیا جائے تو وحدتِ وجود ہے۔

وجودِ حقیقی کی شان یہ ہے کہ وہ عالم ہے۔ خالق ہے۔ معبود ہے۔ محتاج الیہ ہے۔ وجودِ ظلی کی کیفیت یہ ہے کہ وہ معلوم ہے، مخلوق ہے، عبد ہے، محتاج ہے۔(58)

اگر چشتی صاحب کوشش کرتے تو سادہ اور عام فہم الفاظ میں بھی مرکزی خیال بیان کرسکتے تھے۔

چشتی صاحب نے 'مطلب' کے عنوان کے تحت الفاظ 'شہید ناز'، 'ناز' اور 'نیاز' کا مفہوم دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''شہیدِ ناز'' میں خالص تغزل کا رنگ ہے۔ شعرا اس ترکیب سے عاشق مراد لیتے ہیں چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

لیے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل
شہیدِ ناز کی تربت کہاں ہے

''نیاز'' کے دو معنی ہیں (۱) رنگِ عاشقی (۲) شانِ احتیاج۔ اور اس رباعی میں یہ دونوں معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔

اقبال نے اپنے کلام میں ناز اور نیاز یہ دو لفظ جا بجا استعمال کئے ہیں۔ ناز بھی دو معنوں میں مستعمل ہے (۱) اندازِ معشوقانہ، رنگِ محبوبی (۲) شانِ استغناء یا شانِ بے نیازی۔

بیٹھے بیٹھے حکم دے بیٹھے وہ قتلِ عام کا
جب کہا یہ کیا؟ تو بولے ناز معشوقانہ تھا (59)

چشتی صاحب نے بہت اچھے انداز سے مندرجہ بالا الفاظ کا مفہوم تحریر کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے 'نیاز' کے پہلے معنی (رنگِ عاشقی) کے اعتبار سے رباعی کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

'لفظِ نیاز کے پہلے معنی کے اعتبار سے رباعی کا مطلب یہ ہے کہ یہ ساری کائنات حسن مطلق پر مفتون ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عشق کا جذبہ ہر شئے کی سرشت (نہاد) میں داخل ہے۔ دیکھ لو! یہ مہر فلک تاب سحر کی پیشانی پر سجدہ ہائے نیاز کا داغ بن کر چمک رہا ہے۔

بالفاظِ دگر یہ کائنات، محبوبِ حقیقی کی شانِ شہود کا نتیجہ ہے۔ یعنی ہر شئے میں وہی جلوہ گر ہے:

تارے میں وہ، قمر میں وہ، جلوہ گہ سحر میں وہ
چشم نظارہ میں نہ تو سُرمۂ امتیاز دے (60)

مندرجہ بالا اقتباس میں استعمال کئے گئے الفاظ 'مفتون'، 'حسن مطلق'، شانِ شہود وغیرہ عام فہم الفاظ نہیں ہیں۔ اس طرح متن کی تفہیم کے لیے دیا گیا شعر بھی عام فہم نہیں ہے۔ مندرجہ بالا عبارت (شرح) کو سمجھنے کے لیے مزید شرح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

لفظ 'نیاز' کے دوسرے معنی (شانِ احتیاج) کے لحاظ سے چشتی صاحب نے رباعی کا مطلب یوں دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''دوسرے معنی کے اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کائنات خلقت کا ہر ہر فرد اپنے وجود اور اپنی بقاء کے لیے اس کا محتاج ہے۔ افتقار الی الواجب (وجود حقیقی کی طرف احتیاج) ہر ممکن کی عینِ فطرت ہے۔ ہر شئے میں احتیاج کا رنگ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر شئے جو عدم سے وجود میں آئی ہے، اپنی اصل کے اعتبار سے ذاتِ واجب کی محتاج (نیاز مند) ہے۔ غور سے دیکھو! یہ آفتاب سحر کی نیاز مندی پر ایک روشن دلیل ہے۔ یعنی یہ کائنات تمام تر مرہون منت ہے آفتاب کی۔ اور آفتاب بذاتِ خود محتاج ہے خالقِ کائنات کا۔(61)

مندرجہ بالا اقتباس میں دی گئی شرح بھی مشکل الفاظ کی وجہ سے عام قاری یا عام تعلیمی سطح رکھنے والے طالب علم کے لیے قابلِ فہم نہیں ہے۔ وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ہر شے اپنے خالقِ حقیقی کی محتاج اور نیاز مند ہے۔ ہر شے کو ذاتِ باری تعالیٰ نے ہی وجود بخشا ہے۔ اس لیے ہر شے اپنی بقاء کے لیے ذاتِ باری تعالیٰ کی ہی محتاج اور نیاز مند ہے۔ مثلاً ہماری اس دنیا میں روشنی سورج کی وجہ سے ہے اور سورج بذات خود خالقِ کائنات کا محتاج ہے۔

اس رباعی کی شرح کے آخر پر چشتی صاحب نے اچھے انداز سے رباعی کا حقیقی مفہوم واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''شاعر نے آفتاب کو استعارۂ سحر کی پیشانی پر سجدہ ہائے نیاز کا داغ قرار دیا ہے۔ یعنی آفتاب کیا ہے؟ سحر کی نیاز مندی پر ایک روشن دلیل ہے۔ اگر خدا نہ ہوتا، تو آفتاب بھی نہ ہوتا۔ اور آفتاب نہ ہوتا تو سحر کہاں ہوتی؟ یعنی ساری کائنات اپنے وجود اور بقاء میں خدا کی محتاج ہے۔(62)

اس رباعی کی شرح میں چشتی صاحب نے موضوع کی مناسبت سے تین اشعار دیے ہیں مگر ان کے حوالہ جات نہیں دیے کہ یہ اشعار کن شعرا کے ہیں۔ تیسرے شعر کا مفہوم بھی واضح نہیں ہے۔ بہتر ہوتا کہ صوفی غلام مصطفٰے تبسم کی طرح چشتی صاحب بھی شرح میں استعمال ہونے مشکل شعر یا اشعار کا آسان الفاظ میں مفہوم بھی دے دیتے اور ان کے حوالہ جات بھی دے دیتے۔

صوفی غلام مصطفٰے تبسم نے 'صد شعر اقبال' میں پیامِ مشرق کے منتخب کلام کی شرح بیان کی ہے۔ انہوں نے رباعی نمبر 21 کی بھی شرح کی ہے۔

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم	اصل متن از پیامِ مشرق
میں نے سنا ہے کہ عدم میں (جب اس نے ابھی وجود اختیار نہیں کیا تھا) پروانہ (خالق کائنات سے) کہہ رہا تھا+ کہ ایک لمحہ کے لیے مجھے زندگی کی تب وتاب (تڑپ اور جلن) بخش دے۔ صبح کے وقت میری خاکستر (راکھ) کو (بے شک) بکھیر دینا+ لیکن ایک رات کا سوز و ساز جلنے اور مزہ لینے کی کیفیت) عطا کر دے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو	شنیدم در عدم پروانہ می گفت دمے از زندگی تاب و تبم بخش پریشاں کن سحر خاکسترم را ولیکن سوز و سازِ یک شبم بخش

سکتا ہے کہ مجھے ایک سازگار رات عطا کر دے وہ
رات جو سوز بھری ہو۔

نوٹ:۔ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے ترجمہ میں لفظ 'ائنات' غلط لکھا ہے۔درست لفظ 'کائنات' ہے۔

صوفی صاحب کی شرح میں درج ذیل خصوصیات نظر آتی ہیں۔

- اس رباعی کی شرح میں صوفی صاحب نے سب سے پہلے فارسی متن دیا ہے۔

2- انہوں نے پہلے پیراگراف میں لکھا ہے کہ اقبال کے نزدیک تب وتاب اور سوز وساز بہت اہمیت رکھتے تھے۔اس رباعی میں پروانے کی زبان سے سوز وساز کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

3- دوسرے پیراگراف میں رباعی کا با محاورہ ترجمہ اور مفہوم دیا ہے۔

4- اس کے بعد انہوں نے محبوب کے قرب اور دیدار میں بسر ہونے والے لمحوں کی جذباتی قدر و قیمت اور اہمیت کا ذکر کیا ہے۔مفہوم کی وضاحت کے لیے کسی شاعر کے اردو زبان میں کہے گئے شعر اور حافظ کا ایک فارسی زبان کا شعر تحریر کیا ہے۔انہوں نے آسان اردو زبان میں حافظ کے شعر کا مفہوم بھی دیا ہے۔

5- اس کے بعد صوفی صاحب نے زیادہ واضح انداز سے رباعی کا مفہوم بیان کیا ہے اور پروانے کے استعارے کی وضاحت کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''اس قطعے میں پروانہ وہ ننھا کیڑا نہیں جو رات کی تاریکیوں میں چمکتا دکھائی دیتا ہے بلکہ ہر وہ انسان ہے جو کسی عظیم الشان نصب العین کے حصول کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے،تسلیم وایثار کا یہ لمحہ ایک ایسا لمحہ ہوتا ہے جو جان پر کھیل جانے والے انسان کی ساری زندگی پر بھاری ہوتا ہے۔''(63)

انسانی زندگی کے حوالے سے رباعی کے نفسِ مضمون کی وضاحت کرنے کے بعد صوفی صاحب نے حضرت اسمٰعیلؑ اور امام حسینؓ کے حوالے سے معراجِ زندگی کا واضح تصور پیش کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''حضرت اسمٰعیلؑ نے جب رضائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا تھا اور حضرت امام حسینؓ جب باطل سے ٹکرانے کے لیے میدان شہادت میں سر بکف نکلے تھے تو ان کی زندگی کا وہ لمحہ وہی بھرپور لمحہ تھا جسے اقبال پروانے کا ''سوز وساز یک شب'' قرار دیتا ہے۔
> سوز وساز کی یہ ایک رات صدیوں پر بھاری ہوتی ہے اور اسی کو زندگی کی معراج کہتے ہیں۔(64)

صوفی صاحب نے آسان اردو زبان میں اس رباعی کی شرح بیان کی ہے۔انہوں نے پروانے کے استعارہ کی وضاحت کی ہے،سوز وساز زندگی کی اہمیت بیان کی ہے اور نہایت خوبصورت اشعار اور مثالوں کی مدد سے 'معراجِ زندگی' کا اعلیٰ ترین تصور پیش کیا ہے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی اور صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کی رباعی نمبر 21 کی شروح کا موازنہ کریں تو ان کی شروح کی درج ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں:

1- پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے صرف ایک جملے میں رباعی کا بنیادی تصور تحریر کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''مقصودِ حیات،سوز وساز ہے نہ کہ طولِ حیات''(65)

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے رباعی کا بنیادی تصور قدرے واضح انداز سے دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اقبال کے نزدیک زندگی تب و تاب اور سوز و ساز کا نام ہے۔ اگر یہ تڑپ یہ سوز و گداز نہ ہو تو زندگی افسردہ ہو کر رہ جاتی ہے اور انسان کی طبعی استعداد یں بے کار ہو جاتی ہیں۔ اس قطعے میں اقبال اسی اہم نکتے کی وضاحت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تڑپ یہ سوز ایک لمحے ہی کا کیوں نہ ہو، زندگی کا ماحصل ہوتا ہے......" (66)

2- چشتی صاحب نے 'مطلب' کے عنوان کے تحت رباعی کا مفہوم دیا ہے اور اس کے بعد ایک 'نوٹ' کی صورت میں 'سوز و ساز' کا مفہوم دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"سوز و ساز" اقبال کی محبوب اور اسی لیے کثیر الاستعمال تراکیب میں سے ہے۔ اگرچہ انہوں نے اس کو عاشقانہ زندگی کی مختلف کیفیات کے اظہار کے لیے استعمال کیا ہے لیکن ان دو لفظوں کا بنیادی تصور یہ ہے:۔

سوز = در غمِ جاناں سوختن = فراقِ یار میں تڑپتے رہنا۔

ساز = با غمِ جاناں ساختن = تڑپنے میں لذت محسوس کرنا۔

اقبال کی رائے میں عاشق کی زندگی انہی دو باتوں سے عبارت ہے۔ اور یہ زندگی اس قدر رفیع ہے، اس قدر قیمتی ہے کہ وہ اس کے بدلہ میں "شانِ خداوندی" بھی لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

متاعِ بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی (67)

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے ترکیب لفظی 'سوز و ساز' کا مفہوم واضح نہیں کیا۔

3- چشتی صاحب نے پروانے کے استعارے کی وضاحت نہیں کی جبکہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم صاحب نے بہت اچھے انداز سے پروانے کے استعارے کی وضاحت کی ہے اور اس حوالے سے انسانی زندگی میں سوز و ساز کی اہمیت بیان کی ہے۔

4- صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے رباعی کی شرح کے شروع میں ہی اقبال کے حوالے سے نہایت آسان الفاظ میں سوز و ساز کی اہمیت بیان کی ہے۔ چشتی صاحب نے رباعی کے آخر میں اقبال کے حوالے سے سوز و ساز کی اہمیت بیان کی ہے، تاہم انہوں نے قدرے مشکل الفاظ استعمال کئے ہیں۔

5- چشتی صاحب نے اپنی شرح کے آخر میں منطق کی زبان میں بات کی ہے۔ انہوں نے نہایت مشکل الفاظ اور مشکل جملوں میں انسانی زندگی کے لیے سوز و گداز کی اہمیت اور ضرورت بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"بات یہ ہے کہ یہ کیفیتِ سوز و گداز ہی وہ جوہر ہے جس سے انسان بنایا گیا ہے یعنی انسان سوز و ساز ہی کا دوسرا نام ہے۔ اِسی میں اس کی ہستی کا راز مضمر ہے۔ اس لیے اگر یہ کیفیت "درد و سوز" جو اس کی ذاتیات ہے، اس کی ذات سے زائل یا منفک ہو جائے تو فنائے ذات لازم آجائے گی۔ کیونکہ منطق میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ ذاتِ شئے اور ذاتیاتِ شئے میں کسی جاعل کا تخلل ممتنع ہے۔" (68)

اس کے برعکس صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے اختتامی عبارت اور جملوں میں نہایت آسان، واضح، عام فہم

اور شاندار مثالوں کی مدد سے حاصل مطالعہ تحریر کیا ہے۔

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ چشتی صاحب کی نسبت صوفی غلام مصطفےٰ تبسم صاحب کا انداز شرح آسان، عام فہم اور زیادہ دلچسپ ہے۔ چشتی صاحب دوران شرح بعض مقامات پر کافی زیادہ مشکل الفاظ اور جملے استعمال کرتے ہیں۔

چشتی صاحب کی شرح نویسی کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ وہ کلام اقبال کے مشکل الفاظ، تراکیب، استعارات اور کنایات کی خوب اچھی طرح وضاحت کرتے ہیں مگر شرح کرتے وقت مشکل الفاظ اور جملے استعمال کرتے ہیں جس سے عام سطح کا قاری الجھ کے رہ جاتا ہے۔

چشتی صاحب نے رباعی نمبر 22 کے مشکل الفاظ و تراکیب کی بہت اچھے انداز سے توضیح کی ہے۔ ان کی اس کوشش کا جائزہ لینے سے پہلے مناسب ہوگا کہ رباعی نمبر 22 اور اس کا منثور اردو ترجمہ دیکھ لیا جائے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم
مسلماناں ! مرا حرفے است در دل کہ روشن تر ز جانِ جبرئیل است	اے مسلمانو! میرے دل میں ایک حرف (باریک /مختصر بات) ہے+ کہ جبرئیل فرشتہ کی جان سے بھی زیادہ روشن ہے۔
نہانش دارم از آزر نہاداں کہ ایں سِرّے ز اسرارِ خلیلؑ است (69)	میں نے اسے آزر سرشتوں (خدا کا انکار کرنے والے اور بتوں کو پوجنے والوں) سے چھپا کر رکھا ہے+ کیونکہ یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے (اور وہ یہ بھید ہے کہ اصل وجود ذات خدا کا ہے اور اس کے سوا جو کچھ موجود ہے وہ چونکہ ذات خدا کی وجہ سے ہے اس لیے حقیقت میں وجود نہیں رکھتا اور جب اس بھید کا پتہ چل جائے کہ ''لاموجود الا اللہ'' یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو پھر بت خانہ دنیا کو حضرت خلیلؑ کی طرح توڑ کر صرف اللہ کی توحید کو قائم کرنا چاہیے)۔ (70)

چشتی صاحب نے اس رباعی کی شرح میں سب سے پہلے 'بنیادی تصور' پیش کیا ہے۔ اس کے بعد 'مطلب' کے عنوان کے تحت سب سے پہلے رباعی کے مشکل اور وضاحت طلب الفاظ 'مسلماناں'، 'حرفے است'، 'روشن تر ز جانِ جبرئیل'، 'آزر نہاد' اور 'خلیلؑ' کی نہایت اچھے انداز سے وضاحت کی ہے اور ان کا مفہوم واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''چونکہ یہ مشکل ترین رباعیوں میں سے ہے۔ اس لیے مفہوم واضح کرنے سے پہلے الفاظ کی تشریح کرتا ہوں:۔
>
> (۱) ''مسلمانان!'' اس سے معلوم ہوا کہ اس رباعی کے مخاطب صرف مسلمان ہیں۔ کیوں کہ غیر مسلم اس رمز کو جو اس رباعی میں پنہاں ہے۔ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ جس طرح ایک اندھا، رنگ کے۔ اور ایک بہرا آواز کے حسن کا تصور ہی نہیں کرسکتا۔
>
> (۲) ''حرفے است'' اس سے معلوم ہوا کہ وہ رمز بہت ہی مختصر ہے۔ فلسفہ یا منطق کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جس کے بیان کے لے ایک طومار درکار ہو پھر اس طومار کی شرح

لکھی جائے اور پھر اس شرح پر حاشیے، چڑھائے جائیں۔

ارباب بینش سے مخفی نہیں ہے کہ وہ ''حرف'' اس حقیقت کبریٰ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا:

لَامَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی شئے حقیقی معنیٰ میں موجود نہیں ہے۔ اور چونکہ موجود نہیں ہے۔ اس لیے اس کو مقصود بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ راقم الحروف اپنے تجربہ کی بناء پر یہ بات کہہ سکتا ہے کہ جب تک یہ نکتہ ذہن نشن نہ ہو، انسان دُنیا کو مقصودِ حیات بنانے سے باز نہیں آسکتا۔ جسے شک ہو تجربہ کر کے دیکھ لے۔

خوش بود گر محکِ تجربہ آید بمیاں
تاسیہ رُوئے شود ہر کہ درد، غش باشد

(۳) ''روشن تر ز جان جبرئیل'' اس لیے کہا کہ

(ا) کائنات خلقت میں فرشتے، دیگر مخلوقات (مثلاً حیوان یا انسان) سے روشن تر ہیں۔ کیونکہ اُن کی تخلیق خالص نور سے ہوئی ہے۔

(ب) حضرت جبریلؑ تمام فرشتوں سے روشن تر ہیں۔ کیونکہ وہ حاملِ وحی الٰہی ہیں۔

(ج) لیکن حرفِ زیرِ بحث، ذاتِ الٰہی سے متعلق ہے۔ اس لیے جانِ جبریل سے بھی زیادہ روشن ہے۔

(۴) آذر نہاد سے وہ شخص مراد ہے۔ جس کی سرشت میں بت پرستی اس طرح راسخ ہو چکی ہے کہ وعظ و تبلیغ کا اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوسکتا۔ آذر، حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام ہے۔ جو بُت پرست تھا۔ یہاں آذر سے خاص شخص مراد نہیں ہے بلکہ یہ لفظ بُت پرستی کا نمائندہ ہے۔

(۵) خلیلؑ۔ حضرت ابراہیم کا لقب ہے اور حضرت ابراہیمؑ ساری دنیا کے خدا پرستوں کے نمائندہ ہیں۔

اقبال یہاں ابراہیمؑ کے بجائے خلیلؑ کا لفظ لائے ہیں، یعنی عَلَم کے بجائے وصف خاص استعمال کیا ہے، اس میں مصلحت یہ ہے۔ وہ حرف حضرت ابراہیمؑ کی اسی صفت خلّۃ کا مظہر ہے۔ اسی کی بدولت حضرتِ ابراہیمؑ کو بارگاہِ ایزدی سے ''خلیل'' کا لقب عطا ہوا۔'' (71)

مشکل الفاظ کا مفہوم ادا کرنے کے بعد چشتی صاحب نے رباعی کا مفہوم تحریر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''اب مطلب بیان کرتا ہوں:۔

کہتے ہیں کہ اے مسلمانو! میرے دل میں ایک نکتہ پوشیدہ ہے جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے جانِ جبریل سے بھی زیادہ روشن ہے۔ میں اسے آذر نہاد اشخاص سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں (اسی لیے برملا نہیں کہنا چاہتا) کیونکہ وہ حضرت ابراہیم خلیل کے اسرار میں سے ایک سرّ ہے۔'' (72)

رباعی کا مفہوم دینے کے بعد چشتی صاحب نے بہت اچھے مدلل انداز سے مفہوم واضح کیا ہے۔ چشتی

صاحب نے اس رباعی میں جومفہوم بیان کیا ہے ڈاکٹر الف۔ د۔نسیم نے اپنے ترجمہ میں قریباً وہی مفہوم تحریر کیا ہے۔
چشتی صاحب نے اس رباعی کی شرح میں بھی چند ایک مشکل الفاظ اور جملے استعمال کیے ہیں وہ لکھتے ہیں:

(ا) ''..... غیر مسلم اس رمز کو جو اس رباعی میں پنہاں ہے سمجھ ہی نہیں سکتے۔''

(ب) ''..... وہ رمز بہت ہی مختصر ہے۔ فلسفہ یا منطق کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جس کے بیان کے لیے ایک طومار درکار ہو پھر اس طومار کی شرح لکھی جائے.....''

(ج) ''خوش بود گر محکِ تجربہ آید بمیاں
تاسیہ رُوئے شود ہر کہ درد، غش باشد''

نوٹ:۔ چشتی صاحب نے شرح میں مندرجہ بالا فارسی شعر بھی دیا ہے مگر شاعر کا نام اور ترجمہ نہیں لکھا۔

(د) ''اقبال یہاں ابراہیمؑ کے بجائے خلیلؑ کا لفظ لائے ہیں، یعنی علَم کے بجائے وصف خاص استعمال کیا ہے، اس میں مصلحت یہ ہے۔ وہ حرف حضرت ابراہیمؑ کی اسی صفت خلتہ کا مظہر ہے.....''

(ہ) ''..... اس لیے وہ ماسوی المحبوب سے کلیتہً بے نیاز ہو گئے تھے۔''

(و) ''..... جب کسی میں ذاتی طور پر قوت ہی نہیں، تو اس سے خوف کرنا چہ معنی دارد!''

(ز) ''بس یہی سر ابراہیمی ہے۔ یہی مقام خلتہ ہے.....''

شرح پیامِ مشرق میں مندرجہ بالا نوعیت کے (خط کشیدہ) مشکل الفاظ اور جملوں کے استعمال کی وجہ سے شرح سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ نفسِ مضمون کے لحاظ سے شرح بہت اچھی ہے۔
چشتی صاحب نے رباعی نمبر 27 کی شرح بھی بہت اچھے انداز سے کی ہے۔ پہلے اصل رباعی اور اس کا منثور اردو ترجمہ ملاحظہ کریں۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔نسیم
بہل افسانۂ آں پاچراغے حدیثِ سوزِ او آوازِ گوش است	اس پاچراغ (پروانہ بے قرار) کا افسانہ چھوڑ + اس کے سوز کی حدیث (بات) کی میرے کانوں میں جھنجھناہٹ موجود ہے۔ (شمع کو پروانہ کے قصہ کو کون نہیں جانتا)۔
من آں پروانہ را پروانہ دانم کہ جانش سخت کوش و شعلہ نوش است (73)	میں اس پروانے کو پروانہ سمجھتا ہوں (جو شمع کی لو کے گرد ایک لمحہ کے لیے چکر لگا کر فنا کی نیند نہ سو جائے) + بلکہ وہ جو سخت کوش اور شعلہ نوش ہو یعنی نہایت کوشش کرنے والا اور عشق سے لذت حاصل کرنے والا ہو۔ (74)

چشتی صاحب نے اس رباعی کا بنیادی تصور اور مطلب پیش کرنے کے بعد تبصرہ تحریر کیا ہے۔ انہوں نے تبصرہ میں وضاحت کی ہے اس رباعی میں پروانہ سے مراد انسان ہے۔ انہوں نے رباعی کے دو الفاظ 'سخت کوش' اور 'شعلہ نوش' کی بہت اچھے انداز سے وضاحت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اس رباعی میں ''سخت کوش'' اور ''شعلہ نوش'' یہ دو لفظ بہت غور طلب ہیں۔ کیونکہ پورا سلوک انہی دو لفظوں میں بند ہے۔ بالفاظ دگر، اسلامی تصوف کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مسلمان کو سخت کوش اور شعلہ نوش بناتا ہے۔
>
> (ا) سخت کوش کا مطلب یہ ہے کہ سالک یا عاشق (مومن) ہر وقت جدوجہد میں مشغول رہتا ہے اور یہ اسلامی تصوف کی پہلی خصوصیت ہے جو اُسے عجمی یا غیر اسلامی تصوف سے متمیّز کرتی ہے۔ غیر اسلامی تصوف، انسان کو افسردہ مایوس، تن آسان، کاہل اور دوسروں کا دستِ نگر بناتا ہے۔ لیکن اسلامی تصوف جس کی تعلیم حضور سرکارِ نامدار آقائے دو جہاںؐ اور حضورؐ کے صحابہؓ نے دی۔ مسلمان کو سخت کوش (مجاہد) بناتا ہے۔ کیونکہ آیت قرآنی لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (انسان کو صرف وہی ملے گا جس کے لیے وہ کوشش کرے) ہر وقت اس کے پیشِ نظر رہتی ہے۔
>
> (ب) شعلہ نوش سے مراد یہ ہے کہ پروانہ کی طرح فنا (نہ) ہو جائے۔ بلکہ محبوب کی صفات کو آہستہ آہستہ اپنے اندر جذب کر لے۔ یہاں تک کہ اس کی شخصیت سے محبوب کا رنگ جھلکنے لگے۔ (75)

اس رباعی کی شرح کے حوالے سے درج ذیل امور غور طلب ہیں:

1- چشتی صاحب نے 'بنیادی تصور' اور 'مطلب' آسان زبان میں بیان کیا ہے اور ان کی تحریر عام فہم ہے۔

2- 'تبصرہ' قدرے مشکل زبان میں کیا ہے۔

3- تبصرہ میں مشکل الفاظ کا مفہوم وضاحت سے تحریر کیا ہے۔

4- تبصرہ میں وضاحت کے لیے دو اشعار دیے ہیں۔ پہلا شعر اقبالؔ کا ہے۔ دوسرے شعر کے شاعر کا نام نہیں لکھا۔

5- چشتی صاحب نے شرح میں سند کے طور پر دو آیاتِ مقدسہ (عربی متن اور ترجمہ کے ساتھ) دی ہیں۔

6- انہوں نے رباعی کی شرح کا حاصل مطالعہ (اختتامیہ) مشکل زبان میں تحریر کیا ہے جو کہ رباعی کے نفسِ مضمون کے مطابق درست ہے اور فکر اقبال کے مطابق ہے مگر عام فہم نہیں ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

> ''اس آیت سے بدلالت النص ثابت ہے کہ مومن کا آئیڈیل لقا (ملاقات ہے) اور اس کے لیے اس کا باقی رہنا لازمی ہے۔ اگر وہ فنا ہو جائے تو لقاء عقلاً ناممکن ہے۔ ملاقات کے لیے دونوں کا وجود شرط ہے۔'' (76)

7- چشتی صاحب نے رباعی کی شرح صوفیانہ رنگ میں کی ہے۔ اقبال کا فلسفۂ حیات صرف تصوف تک محدود نہیں تھا۔ سخت کوشی کی عادت ہر شعبۂ حیات میں کام آتی ہے اور جذبۂ عشق ہر میدان میں عمل پر آمادہ رکھتا ہے۔ اگر چشتی صاحب صوفیانہ تشریح کے ساتھ عام روزمرہ کی زندگی کے حوالے سے بھی اس رباعی کی شرح دے دیتے تو مفہوم زیادہ وسیع اور واضح ہو جاتا۔

رباعی نمبر 32 اور اس کا منثور اردو ترجمہ ملاحظہ کریں۔

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم	اصل متن از پیامِ مشرق
یارب یہ جہان کتنا اچھا ہنگامہ رکھا ہے + تو نے ہر ایک کو ایک ہی پیالہ کی شراب سے مست کر رکھا ہے مراد ہے سب کی اصل ایک ہی ہے یا سب لوگ جہان کی مصروفیات اور مشاغل میں مگن ہیں۔	جہاں یا رب چہ خوش ہنگامہ دارد ہمہ را مستِ یک پیمانہ کر دی
تو نے ایک کی نگاہ کو دوسرے کی نگاہ سے تو ملایا ہے+ (لیکن) ایک کے دل کو دوسرے کے دل سے (اور) ایک کی جان کو دوسرے کی جان سے بیگانہ رکھا ہے مراد ہے ظاہری طور پر تو ہر کوئی ایک ہی شراب زندگی سے مست ہے لیکن ہر ایک کی باطنی کیفیات الگ الگ ہیں۔ (78)	نگہ را بانگہ آمیز دادی دل از دل ، جاں ز جاں بیگانہ کر دی (77)

چشتی صاحب نے رباعی کا بنیادی تصور لکھنے کے بعد 'تشریح الفاظ' کے عنوان کے تحت رباعی کے مشکل الفاظ و تراکیب کی وضاحت تحریر کی ہے۔ان کی یہ کوشش مستحسن اور گراں قدر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''مست یک پیمانہ'' بہت بلیغ ترکیب ہے۔اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

(ا) سب نے ایک ہی شراب پی ہے۔یعنی سب کی اصل ایک ہی ہے اس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ط o

یعنی اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمھیں سب کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے

(ب) سب ایک ہی محبوب کے پرستار ہیں یعنی سب اسی کے طلبگار ہیں

دوسرے شعر میں تین لفظ غور طلب ہیں:۔

(ا) نگہ۔ اقبال کے یہاں لفظ نگاہ دو معنی میں مستعمل ہے۔کبھی تو وہ اس کو دوسرے شعراء کی طرح اس کے عام مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔مثلاً

می شود پردۂ چشم پر کاہے گاہے
دیدہ ام ہر دو جہاں را بہ نگاہے گاہے

یہاں لفظ نگاہ سے مجرد دیکھنا مراد ہے جو آنکھ کا فطری تقاضا ہے لیکن کبھی کبھی اقبال نگاہ سے ایسا دیکھنا مراد لیتے ہیں جس کی تہ میں کوئی مقصد پنہاں ہو۔مثلاً عبرت پذیری یا کسی شئے کا کسی خاص زاویہ سے مطالعہ کرنا۔مثلاً

خرد نے کہہ بھی دیا لاالہ تو حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

اس شعر میں نگاہ سے محض قوتِ بصارت مراد نہیں ہے، بلکہ وہ نگاہ جو دل کے تابع ہو

جس کی بدولت انسان اشیائے کائنات کو دیکھ کر عبرت حاصل کر سکتا ہے۔اس شعر میں اقبال نے نگاہ کو محض دیکھنے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔یعنی مجرد مشاہدۂ اشیاء۔

(ب) دل :۔ اقبال کے فلسفہ میں ''دل'' بہت اہم اور غور طلب اصطلاح ہے۔ دراصل یہ تصوف کی بنیادی اصطلاحات میں سے ہے۔یہی وجہ ہے کہ تمام صوفی شعراء مثلاً سنائیؒ ،عطارؒ، رومیؒ، جامیؒ، عراقیؒ ،اور بیدلؒ کے کلام میں ہر جگہ دل ہی نظر آتا ہے۔کوئی غزل دل کے تذکرہ سے خالی نہیں ہے۔......''(79)

چشتی صاحب نے 'دل' کے بارے میں کافی تفصیل سے لکھا ہے۔دل کی توضیح کے آخری حصہ میں انہوں نے نتیجہ خیز مفہوم تحریر کیا ہے اور اس کے بعد لفظ 'جان' کا مفہوم تحریر کیا ہے۔

''ایک بات اور لکھ دوں۔انسان اپنی کوتاہ بینی اور غلط فہمی کی بناء پر اللہ تعالیٰ کو اپنے سے باہر ڈھونڈتا رہتا ہے۔حالانکہ وہ باہر نہیں ہے بلکہ اندر ہے۔یعنی عاشق کے دل میں پوشیدہ ہے۔چنانچہ اقبال خود کہتے ہیں:۔

حسن کا گنج گراں مایہ تجھے مل جاتا
تو نے فرہاد نہ کھودا کبھی ویرانۂ دل

اِسی حقیقت کو خلاق المعانی مرزا بیدلؒ علیہ الرحمت نے یُوں بیان کیا ہے

بردن دل نتواں یافت ہر چہ خواہی یافت
کدام گنج کہ در خانہ ٔخراب تو نیست

اسی لیے وہ ہمیں عالم دل کی سیر کا مشورہ دیتے ہیں:۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو دسمن درآ
تو زغنچہ کم نہ دمیدہ ء در دل کشا بہ چمن درآ

(ج) جان:۔ جان سے یہاں انفرادی خودی یا ذاتی شخصیت مراد ہے۔ان تین لفظوں میں منطقی ربط یہ ہے:۔

1- نگاہ، ادنیٰ درجہ کی چیز ہے۔مادیات سے متعلق ہے۔
2- دل، اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔روحانیات سے متعلق ہے۔
3- جان، سب جانتے ہیں کہ دل اور نگاہ دونوں کا وجود اسی پر موقوف ہے۔بہ الفاظ دگر، نگاہ اور دل، دونوں عرض ہیں، جان، جوہر ہے جوہر نہ ہو، تو اعراض کا وجود متحقق نہیں ہوسکتا۔''(80)

چشتی صاحب نے نہایت واضح اور مدلل انداز میں رباعی کا مطلب واضح کیا ہے اور خلاصہ کلام یوں تحریر کیا ہے:

''خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سب اسی (ذات مطلق) کے جویا ہیں۔یعنی سب کا مطمع نظر ایک ہی ہے (نگاہ را با نگاہ آمیز دادی) لیکن اس کے باوجود ہر ایک کا طریقہ کار یا ہر ایک کی راہ جداگانہ ہے۔(دل از دل، جاں زجاں بیگانہ کردی)''(81)

چشتی صاحب نے رباعی نمبر 32 کی شرح میں ایک قرآنی آیت، اقبالؒ کے پانچ اشعار اور مرزا بیدل

کے دو اشعار دیے ہیں۔ انہوں نے بیدلؔ کے فارسی اشعار کا ترجمہ یا مفہوم نہیں دیا۔ اگر وہ ان اشعار کا ترجمہ یا مفہوم دے دیتے تو عام قارئین بھی ان اشعار کی مدد سے رباعی کی شرح مزید بہتر طور پر سمجھ سکتے۔ مجموعی طور پر چشتی صاحب کی شرح مدلل اور فہم رسا ہے۔ انہوں نے کوشش کی ہے کہ کسی بھی لحاظ سے رباعی کی شرح کا مفہوم غیر واضح نہ رہے، تاہم مشکل نویسی کی عادت کی وجہ سے چند ایک مشکل جملے تحریر کر دیے ہیں۔ مندرجہ بالا اقتباسات میں خط کشیدہ الفاظ غور طلب ہیں۔

چشتی صاحب نے اکثر اشعار میں مفہوم واضح کرنے کے لیے مشکل الفاظ کے معانی اور توضیحات کے ساتھ، کنایات اور استعارات کی بھی نشاندہی اور وضاحت کی ہے۔ اس کی ایک مثال رباعی نمبر 35 کی شرح ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم
اگر در مشتِ خاکِ تو نہادند دلِ صد پارۂ خونابہ بارے	اگر (خالق نے) تیری مشت خاک (مٹی کی مٹھی/جسم) میں رکھ دیا ہے + سو ٹکڑے ہوا اور خون کے آنسو برسانے (بہانے) والا دل یعنی ایسا دل جو غم عشق میں جلنا، سلگنا اور رونا جانتا ہے (تو)…. (اگلا مصرع دیکھیے)۔
ز ابرِ نو بہاراں گریہ آموز کہ از اشکِ تو روید لالہ زارے (82)	تازہ اور نئی بہار کے بادل سے رونا سیکھ + کہ تیرے آنسوؤں سے لالہ زار (لالہ کے سرخ رنگ اور سیاہ داغ رکھنے والے پھولوں کا چمن) اگے۔ مراد ہے صاحب درد و محبت لوگ پیدا ہوں۔ اگر تجھے اللہ نے سوز و ساز اور درد و داغ رکھنے والا دل دیا ہے تو کوشش کر کہ دوسرے بھی اس متاع سے مالا مال ہو جائیں۔ (83)

چشتی صاحب نے آسان الفاظ میں رباعی کا بنیادی تصور اور مفہوم تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اس رباعی کا بنیادی تصور اور مفہوم دونوں یکساں ہیں۔ یعنی اقبال یہ کہتے ہیں کہ اے مخاطب! (مسلمان) اگر اللہ تعالیٰ تجھے محبت کرنے والا دِل عطا فرمائے تو تجھے لازم ہے کہ محبت کرنے والوں (عاشقوں) سے قوم کے غم میں جلنے اور سلگنے کا فن سیکھ لے، تا کہ تو اپنی قوم کی خدمت کر سکے اور اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ افراد قوم میں محبت (دین کی خدمت کا جذبہ) پیدا کیا جائے۔'' (84)

اس کے بعد چشتی صاحب نے شعر کے کنایات کی نشاندہی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ابر نو بہاراں'' کنایہ ہے بزرگانِ دین سے جن کا مقصد حیات ابر کی طرح دُوسروں کو فیض پہنچانا ہوتا ہے۔
>
> ''گریہ آموختن'' کنایہ ہے خدمت خلق کے جذبہ سے۔
>
> ''اشک'' کنایہ ہے جدوجہد یا طریق عمل سے۔

"لالہ زار" کنایہ ہے ان نوجوانوں سے جن کے دل میں تبلیغ اسلام کی تڑپ ہو۔(85)

چشتی صاحب کا ایک اور خاص انداز یہ ہے کہ بعض مقامات پر وہ مساوات کی طرز پر (مساوی، جمع وغیرہ کی علامات) استعمال کر کے چند ایک الفاظ میں مفہوم یا خلاصۂ کلام بیان کرتے ہیں۔ رباعی نمبر 38 کی شرح میں انہوں نے خوبصورت انداز سے عقل کا دل سے اور صاحبِ دل کا شعر و سخن سے تعلق بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"خلاصۂ کلام یہ ہے کہ

عقل معہ سوز = دِل = عشق = لاہوت = رُوح = ایمان

عقل بغیر سوز = گِل = ہوس = ناسوت = مادہ = کفر

طبع مسلم از محبت قاہر است
مسلم ار عاشق نباشد کافر است

نوٹ:۔ صاحب دل (عاشق) عموماً شعر و سخن کا دلدادہ ہوتا ہے بلکہ اکثر اوقات عشق، انسان کو شاعر بنا دیتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دل اور شعر دونوں میں سوز کا رنگ موجود ہوتا ہے۔ یہ نقشہ ذیل کے نقشہ سے واضح ہو سکتا ہے:۔

دل = خرد + سوز

شعر = حق + سوز

اگر ثبوت درکار ہو تو یہ شعر پڑھ لیجئے:۔

حق اگر سوزے ندارد حکمت است
شعر می گردو چو سوز از دِل گرفت" (86)

رباعی نمبر 38 کی طرح رباعی نمبر 51 میں بھی چشتی صاحب نے پہلے رباعی میں استعمال ہونے والے استعاروں کا مفہوم بیان کیا ہے۔ اصل رباعی کے حوالے سے شرح کا جائزہ لیں تو مفہوم عین واضح ہو جاتا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید
ز پیوندِ تن و جانم چہ پرسی	تن و جان کے اختلاط کے بارے میں کیا پوچھتا ہے،
بدامِ چند و چوں درمی نیایم	"مَیں" "کیا" اور "کیسے" کے دام میں نہیں آتا۔
دمِ آشفتہ ام در پیچ و تابم	مَیں دم آشفتہ ہوں اور پیچ و تاب کھا رہا ہوں، لیکن
چو از آغوشِ نَے خیزم نوایم (87)	جب نَے کے آغوش سے نکلتا ہُوں تو نوا بن جاتا ہُوں۔ (88)

چشتی صاحب نے اس رباعی کے استعاروں کا مفہوم اس طرح سے تحریر کیا ہے:

"(۱) دم۔ وہ پھونک ہے جو بانسری میں مارتے ہیں لیکن دم کا تعلق نَے (جسم) سے نہیں ہوتا بلکہ نَے نواز سے ہوتا ہے۔ نَے تو محض ایک رابطہ ہے۔ دم سے مراد ہے ذات باری کی تجلی یا اس کا پرتو۔

(۲) دم آشفتہ۔ دم نے نواز سے جدا ہو گیا ہے، اور جُدائی کا لازمی نتیجہ آشفتگی

(اضطراب) ہوتا ہے۔ (آشفتگی، جمعیت کی ضد ہے اور جمعیت وصل سے پیدا ہوتی ہے)

انسان دراصل "دم آشفتہ" ہے۔ بس یہی اس کی حقیقت ہے، یعنی وہ دم ہے لیکن آشفتہ ہے۔ اور آشفتگی کا باعث، اصل سے جُدائی ہے۔

(۳) آغوش نَے۔ جسم یا تعیناتِ جسمی کے وہ پردے جن کو ہٹا دیا جائے تو وہی نَے نواز (انائے مطلق) باقی رہ جاتا ہے:۔

پردے کو تعین کے درِ دل سے ہٹا دے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

(۴) نوا= انائے مقید۔ یعنی وہی دم آشفتہ جب بانسری سے نکلتا ہے تو پیوندتن کے سبب سے نوا (انائے مقید) بن جاتا ہے۔

رباعی کا مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب! تو مجھ سے تن (جسم) اور جان (رُوح) کے پیوند (رابطہ) کو سمجھنا چاہتا ہے۔ سُن! خودی چونکہ جوہرنوری ہے، اس لیے مادہ (چندو چوں) کے دام میں محصور نہیں ہوسکتی اس تصریح کے بعداب میں تجھے اس کی حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں:۔"(89)

چشتی صاحب نے تین قرآنی آیات اور تین اشعار کی مدد سے رباعی کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے قرآنی آیات کے حوالہ جات اور تراجم دیے ہیں، مگر اشعار کے حوالہ جات نہیں دیے۔ آخر پر انہوں نے اپنے مخصوص انداز سے حاصل مطالعہ دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"..... یہ تو ممکن ہے کہ زمین آسمان ہو جائے لیکن یہ ممکن نہیں کہ آدمی خدا ہو جائے۔

اس کو آسان لفظوں میں یوں سمجھو کہ ذی ظِلّ اور ظِلّ میں ہمیشہ فرق قائم رہے گا۔

(۱) خدا، ذی ظل ہے۔

(۲) انسان، اُس کا ظل ہے۔

اس لیے خدا اور انسان میں ہمیشہ امتیاز باقی رہے گا۔

یہی وہ نکتہ ہے کہ جسے دنیائے اسلام کے سب سے بڑے مفکر یعنی حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ نے یُوں بیان کیا ہے:۔

وَالْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی والربُّ ربٌّ وَاِنْ تنزّل۔

بندہ خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرے، بندہ ہی رہے گا۔ خدا نہیں بن سکتا۔ (اور) خدا خواہ کتنا ہی تنزل کیوں نہ کرے۔ خدا ہی رہے گا بندہ نہیں بن سکتا۔(90)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم	اصل متن از پیامِ مشرق
اے میرے دل، اے میرے دل، اے میرے دل+ اے میرے سمندر، اے میری کشتی، اے میرے ساحل۔	دلِ من! اے دلِ من!! اے دلِ من!!! یمِ من، کشتیِ من، ساحلِ من!

چو شبنم بر سرِ خاکم چکیدی؟
و یا چوں غنچہ رستی از گلِ من؟
(91)

یا تو تو شبنم کی طرح میری مٹی پر ٹپکا ہے+ اور یا تو غنچہ کی مانند میری مٹی سے اگا ہے (اگر تجھے گوشت کے لوتھڑے کی حیثیت سے دیکھا جائے تو تو مادی ہے اور اگر تجھے لطیفہ دل کے طور پر سمجھا جائے تو تو کوئی اور ہی شے ہے۔ تیرا وجود سالمات مادی کی وجہ سے نہیں بلکہ تو کوئی نوری جوہر ہے)۔(92)

چشتی صاحب نے مندرجہ بالا رباعی (رباعی نمبر 85) میں بہت اچھے انداز سے دل کی حیثیت، مقام اور مرتبہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اقبال نے پہلے مصرع میں لفظِ دل تین مرتبہ استعمال کیا ہے اس تکرار کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ فن بلاغت میں تکرار، تاکید کا فائدہ دیتی ہے، تاکہ سامع کے ذہن میں موضوع کی اہمیت جاگزیں ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ دوسرے مصرع میں اقبال نے دل کی تین حیثیات بیان کی ہیں:۔

(۱) اس لحاظ سے کہ سالک دل میں غوطہ زن ہوتا ہے۔ اسے 'یم' سے تعبیر کیا ہے۔

ع غوطہ در دل زن کی بینی راز وقت!

ع اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغِ زندگی

(۲) اس اعتبار سے کہ سالک دل ہی کی مدد سے غوطہ زن ہوتا ہے، اسے کشتی سے تعبیر کیا ہے۔

ع خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں

ع ز حکم غیر نتواں جزبہ دلِ رست

(۳) اس حیثیت سے کہ دل ہی سالک کی منزلِ مقصود ہے۔ اسے ساحل سے تعبیر کیا ہے۔

ع اگر دم رفت دل باقی است غم نیست

ع فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود

دوسرے شعر میں سوال کے پردہ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ غنچہ کی طرح مٹی سے نہیں اُگا۔ بلکہ شبنم کی طرح عالم بالا سے آیا ہے یعنی سالمات مادی کے امتزاج کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ جوہر نوری بے جسم اور جسمانیات سے ماوراء ہے۔(93)

چشتی صاحب نے آخری سطروں میں حاصل مطالعہ دیا ہے۔ حسبِ معمول انہوں نے یہاں بھی مشکل الفاظ اور جملے استعمال کئے ہیں۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے بھی اپنے ترجمہ میں یہی مفہوم دیا ہے مگر انہوں نے سادہ، آسان اور عام فہم انداز اختیار کیا ہے۔

مندرجہ بالا تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ چشتی صاحب نے قرآنی آیات، احادیثِ مبارکہ اور نفسِ

مضمون سے متعلقہ اشعار کی مدد سے، بہت اچھے انداز سے رباعیات کی شرح بیان کی ہے۔ انہوں نے مدلل انداز سے رباعیات کے بنیادی تصورات، مطالب اور مفاہیم درج کئے ہیں۔ بعض مقامات پر مشکل الفاظ اور جملوں کے استعمال کی وجہ سے شرح سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ انہوں نے شرح میں قرآنی آیات کے حوالہ جات اور تراجم تو دیے ہیں مگر دیگر شعرا کے اشعار کے حوالہ جات زیادہ تر نہیں دیے ہیں۔ مجموعی طور پر ان کی یہ علمی کوشش بہت اچھی ہے۔ اس درجے کی کوئی اور شرح ابھی تک نہیں لکھی جاسکی۔ اگرچہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے پیامِ مشرق کے چند ایک منتخب اشعار کی بہت اچھی شرح کی ہے۔ انہوں نے کافی زیادہ آسان اور عام فہم زبان استعمال کی ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے پیامِ مشرق کے مختصر سے، منتخب کلام کی شرح پیش کی ہے۔ اس لیے اسے پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شرح پیامِ مشرق کا بدل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے بھی 'شرح پیامِ مشرق' کے نام سے پیامِ مشرق کی شرح لکھی ہے۔ اس میں پیامِ مشرق کا ترجمہ اور مختصر سا مفہوم دیا گیا ہے۔ اس میں مشکل الفاظ و تراکیب، تشبیہات، استعارات، تلمیحات وغیرہ کی وضاحت نہیں دی گئی۔ اس میں کلامِ اقبال کے حوالے سے اہم تصورات، نکات، افکار کی وضاحت نہیں دی گئی۔ اس میں ضروری امور کھول کر اور وضاحت سے بیان نہیں کئے گئے۔ اس لیے، اسے شرح یا جامع شرح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

حصہ افکار

(صفحہ نمبر 247 تا صفحہ 400)

چشتی صاحب پر بعض محققین اور ناقدین کا اعتراض ہے کہ وہ اپنی شروح میں بے جا طوالت یا بے جا اختصار سے کام لیتے ہیں۔ راقم الحروف نے اس تنقید یا رائے کا تحقیقی جائزہ لینے کے لئے 'لالہ طور' اور 'افکار' کی شرح کا شماریاتی جائزہ لیا تو مختلف نتیجہ اخذ ہُوا۔ 'لالہ طور' کی شرح کی طوالت کے بارے میں تبصرہ گزشتہ اوراق پر پیش کیا جا چکا ہے۔ حصہ 'افکار' کی شرح کا جائزہ لینے سے درج ذیل امور سامنے آئے ہیں:

1- حصہ 'افکار' میں دی گئی نظموں کی کل تعداد اکیاون (51) ہے۔ ان میں سے کوئی نظم مختصر ہے تو کوئی طویل ہے۔ موضوعات کے لحاظ سے بھی بعض نظمیں بہت اہم ہیں، بعض اہم ہیں اور بعض نظمیں عمومیت کے زمرہ میں آتی ہیں۔ چشتی صاحب نے نظموں کے متن یا نفسِ مضمون کی طوالت کے لحاظ سے ان کی شرح تحریر کی ہے۔

2- چشتی صاحب نے نظموں کی طوالت یا ان کے نفسِ مضمون کی اہمیت اور متن کی مشکلات کے پیشِ نظر درج ذیل نظموں میں سے ہر ایک کی شرح قریباً چار (4) سے بیس (20) صفحات پر تحریر کی ہے۔

نمبر شمار	نظم نمبر بمطابق پیام مشرق	نظم کا عنوان	صفحہ نمبر از پیامِ مشرق	صفحہ نمبر از شرح پیام مشرق	تعداد صفحات
1	7	تسخیرِ فطرت	85	251 تا 270	20
2	9	نوائے وقت	89	271 تا 278	8
3	15	سرودِ انجم	98	288 تا 293	6
4	17	پند باز با بچۂ خویش	102	294 تا 298	4
5	31	شبنم	119	327 تا 335	8
6	37	حور و شاعر	126	347 تا 351	4
7	40	جوئے آب	129	357 تا 369	$12\frac{1}{2}$
8	49	بہ مُبلّغ اسلام در فرنگستان	136	386 تا 391	5
9	51	خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا	138	393 تا 397	5

مندرجہ بالا نو (9) عدد نظموں کے علاوہ چشتی صاحب نے دس (10) نظموں کی شرح قریباً تین (3) صفحات فی نظم کے حساب سے دی ہے۔ تیس (30) نظموں کی شرح قریباً 1 تا 2 صفحات فی نظم کے حساب سے ہے۔ صرف دو نظمیں ایسی ہیں جن کی شرح قریباً نصف صفحہ فی نظم کے حساب سے ہے۔ اس حساب سے دیکھیں تو کہیں بھی

بے جا طوالت یا بے جا اختصار نظر نہیں آتا۔ ہر کوئی اپنی علمی و فکری سطح اور ترجیحات کے لحاظ سے کسی نظم کی شرح کی طوالت یا اختصار کا فیصلہ کر سکتا ہے، تاہم مندرجہ بالا شماریاتی تجزیہ سے عمومی رائے ضرور قائم کی جا سکتی ہے۔ مندرجہ بالا اعداد و شمار سے عین واضح ہے کہ چشتی صاحب نے شرح میں میانہ روی سے کام لیا ہے۔ بے جا اختصار تو واضح طور پر نظر نہیں آیا۔ طوالت کے لحاظ سے بھی صرف نو (9) عدد نظمیں سامنے آتی ہیں۔ ان نظموں کے متن میں موجود شعری مشکلات، غور طلب اور وضاحت طلب امور اور نکات کے پیش نظر ان کی شرح کو طویل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

لالۂ طور کی طرح حصہ 'افکار' میں بھی چشتی صاحب نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ ہر علمی و ذہنی سطح کا قاری ان کی شرح سے استفادہ کر سکے۔ انہوں نے سب سے پہلے 'تمہید' کے عنوان کے تحت 'افکار' میں شامل نظموں کا مختصر مگر جامع تعارف پیش کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ترتیب سے تمام نظموں کی شرح تحریر کی ہے۔ انہوں نے قریباً ہر ایک نظم کی شرح تمہید، مطلب یا مفہوم کے عنوانات کے تحت کی ہے۔ چند ایک نظمیں ایسی بھی ہیں جن میں صرف 'تمہید' کے عنوان کے تحت ہی مطلب اور مفہوم بھی تحریر کر دیا گیا ہے۔ مثلاً 'سرودِ انجم' اور 'نامۂ عالمگیر' میں یہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ چند ایک نظمیں ایسی ہیں جن میں 'تمہید' کے عنوان کے تحت ابتدائی تبصرہ یا معلومات فراہم نہیں کی گئیں۔

نظم 'تسخیرِ فطرت' چار (4) صفحات پر مشتمل ہے اور چشتی صاحب نے اس کی شرح قریباً بیس (20) صفحات پر کی ہے۔ چونکہ اقبال نے اس نظم میں انسان کی پیدائش کا مقصد واضح کیا ہے اس لیے چشتی صاحب نے اس نظم کی شرح پر خصوصی توجہ دی ہے اور بہت زیادہ تفصیل سے اس کی شرح تحریر کی ہے۔ 'تمہید' کے عنوان کے تحت چشتی صاحب نے اس نظم کے عنوان کے حوالے سے اس کا موضوع اور اس کی اہمیت بیان کی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے نظم کا مفہوم واضح کرنے کے لیے کلامِ اقبال اور خطباتِ اقبال کے حوالے سے عظمتِ انسان اور تخلیقِ آدم کے سلسلہ میں 'فکرِ اقبال' کو مختصراً بیان کیا ہے۔ انہوں نے اقبال کی تعلیمات دس نکات کی شکل میں تحریر کی ہیں۔ اس کے بعد ان سب نکات کا مفہوم اس طرح سے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''..... اقبال کا مسلک اس باب میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ارادہ اور اختیار دونوں نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ تاکہ وہ ان کی بدولت اس کائنات کو مسخر کر کے مرتبۂ نیابتِ الٰہیہ پر فائز ہو سکے اور یہی اس کی پیدائش کا مقصد ہے۔ چنانچہ حسب ذیل آیت اس پر شاہد ہے:۔
>
> اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۔ (۲۰:۱۳۰)
>
> اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (آدم کو) اپنا نائب مقرر کرنے والا ہوں۔ (94)

چشتی صاحب نے جہاں بھی قرآنی آیت تحریر کی ہے حوالہ ضرور دیا ہے اور اکثر مقامات پر ترجمہ یا مفہوم بھی ضرور دیا ہے۔ انہوں نے ہر جگہ آیات اعراب کے ساتھ تحریر کی ہیں تاکہ قاری صحیح تلفظ کے ساتھ آیاتِ مقدسہ پڑھ سکے۔

چشتی صاحب نے نظم 'تسخیرِ فطرت' کے مطالب واضح کرنے کے لیے قریباً اڑھائی صفحات پر یہ تصریحات تحریر کی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے نہایت خلوص، لگن، توجہ اور محنت سے یہ شرح تحریر کی ہے۔ جہاں کہیں انہیں کوئی مشکل یا الجھن نظر آئی یا فکرِ اقبال کی درست تفہیم کے لیے تصریحات اور توضیحات پیش کرنے کی

ضرورت محسوس ہوئی، وہاں انہوں نے تخیل سے کام نہیں لیا۔

تفہیمِ نظم کے لیے تصریحات پیش کرنے کے بعد چشتی صاحب نے نظم کے بند نمبر 1 تا بند نمبر 5 کے مضامین کا مختصر سا تعارف کرایا ہے۔ اس تعارف میں 'نوٹ' کے عنوان کے ساتھ ایک قرآنی آیت اور اس کا مفہوم بھی درج کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے نہایت اچھے اور مفصل انداز سے ہر ایک بند کی شرح تحریر کی ہے۔ انہوں نے بند نمبر 1 تا 4 کی شرح میں ہر ایک شعر کا نمبر دے کر اس کی شرح تحریر کی ہے۔ بند نمبر 5 کی شرح میں اشعار کے نمبر نہیں دیے۔ انہوں نے تمام نظم کی بہت اچھے انداز سے شرح بیان کی ہے۔ موقع محل کی مناسبت سے اقبال اور دیگر شعرا کے اشعار بھی دیے ہیں۔ جا بجا نوٹ تحریر کر کے مفہوم واضح کیا ہے۔ مشکل الفاظ کے معانی بھی دیے ہیں اور کنایات کی نشاندہی اور ان کا مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ مثلاً

-1 صفحہ نمبر 257 پر لکھتے ہیں:

"آدم کی اس خصوصیتِ کبریٰ کو ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے:۔

باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے

پہنچا اُس جا کہ فرشتوں کا بھی مقدور نہ تھا" (95)

صفحہ نمبر 259 پر نسلی تفوق کے معائب بیان کرنے کے بعد، چشتی صاحب لکھتے ہیں:

"اس لیے اقبال نے آج سے چالیس سال پہلے ہندی مسلمان کو متنبہ کر دیا تھا۔

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی

اُڑ گیا دُنیا سے تُو مانندِ خاکِ رہ گذر" (96)

صفحہ نمبر 268 پر لکھتے ہیں:

"..... اس نکتہ کو اقبال نے پیامِ مشرق کی ایک رباعی کے پہلے شعر میں بایں انداز بیان کیا ہے۔

ہمائے علم تا افتد بدامت

یقین کم کُن گرفتار شکے باش

یعنی جو شخص علم حاصل کرنے کا خواہشمند ہو، اسے لازم ہے کہ یقین کے بجائے شک کا طریق اختیار کرے۔ اقبال کا نظریہ یہ ہے کہ علم شک سے پیدا ہوتا ہے اور عمل یقین سے۔" (97)

-2 چشتی صاحب نے دورانِ شرح نوٹ تحریر کر کے متن کی روانی بھی قائم رکھی ہے اور ضروری وضاحتیں بھی دے دی ہیں۔ مثلاً، صفحہ نمبر 260 پر لکھتے ہیں:

"نوٹ:۔ اس شعر میں "سوز" سے سوزِ عشق مراد نہیں ہے۔ بلکہ ابلیسی فطرت جو سراپا آتش ہے۔" (98)

اس طرح کے نوٹ جا بجا تحریر کیے گئے ہیں اور تفہیم متن میں مدد دیتے ہیں۔

-3 چشتی صاحب نے مشکل الفاظ اور تراکیب کی اچھی طرح سے وضاحت کی ہے۔ مثلاً صفحہ نمبر 265 پر

''سوز وساز'' کی ترکیب کی اس طرح سے وضاحت کی ہے:

''واضح ہو کہ اقبال نے ''سوز وساز'' کی ترکیب اپنی تمام تصانیف میں استعمال کی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ان کی بڑی محبوب ترکیب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی رائے میں لطفِ زندگی سوز وساز پر موقوف ہے۔ ذیل میں ان دونوں لفظوں کی تشریح لکھتا ہوں۔

سوز (سوختن) کے معنی ہیں حرارت، حمیت، محبت، اشتیاق اور ذہنی اضطراب وغیرہ۔

ساز (ساختن) کے معنی ہیں ہم آہنگی، موافقت، مطابقت اور کسی بات یا معاملہ میں رضامندی کا اظہار وغیرہ۔

سوز وساز کے معنی ہیں کسی شدید جذبہ مثلاً رنج یا محبت سے متاثر یا مغلوب ہو جانا، اصطلاحی معنی ہیں عاشقانہ زندگی۔ اور اقبال نے اس ترکیب کو عموماً اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔(99)

-4 چشتی صاحب نے شرح کے دوران کنایات اور استعارات کا مفہوم بھی واضح کیا ہے۔ مثلاً صفحہ نمبر 270 پر لکھتے ہیں:

''بستنِ زنارِ او'' کنایہ ہے ابلیس کی اطاعت اور فرمانبرداری سے۔''(100)

-5 چشتی صاحب نے اکثر نظموں کے آخر پر حاصل مطالعہ یا نظم کا مجموعی مفہوم تحریر کیا ہے۔
نظم 'تسخیرِ فطرت' کے آخر پر بھی وہ ان الفاظ میں حاصل مطالعہ تحریر کرتے ہیں:

''آخری شعر میں اقبال نے اس نظم کا خلاصہ بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کی نعمت عطا فرمائی ہے اور یہ وہ جوہر گراں مایہ ہے کہ اس کی بدولت انسان نے فطرتِ چالاک (کائنات) کو مسخر کر لیا۔ یعنی آج ابلیس (اہرمنِ شعلہ زاد) آدم کے سامنے سربسجود ہے۔''(101)

نظم 'کرم کتابی' کے دوسرے شعر میں سینا اور فاریابی کا ذکر ہوا ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اپنی شرح کے صفحہ نمبر 299 پر سینا اور فاریابی کا اس طرح ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''نوٹ:۔ ابن سینا، حکماء کا اور فاریابی، شعراء کا نمائندہ ہے

(۱) سینا سے ابوعلی الحسین ابن عبداللہ ابن سینا مراد ہے، جو دُنیائے اسلام کے نامور حکماء میں سے تھا۔ یہ فلسفی ۳۷۰ھ میں ترکستان کے مشہور شہر بخارا میں پیدا ہوا تھا۔ تمام علوم وفنون میں ید طولےٰ رکھتا تھا۔ اس کی تصانیف میں اشارات، الشفاء (جو ۱۸ جلدوں میں ہے) نجات اور قانون بہت مشہور ہیں۔ ۴۲۸ھ میں وفات پائی۔

(۲) فاریابی سے ظہیرالدین ظاہر بن محمد فاریابی مراد ہے جو بارہویں صدی عیسوی کے مشہور فارسی شعراء میں سے تھا۔ اس نے ۱۲۰۱ء میں وفات پائی۔ اس کی شہرت کا دارومدار زیادہ تر اس شعر پر ہے:۔

دیوانِ ظہیر فاریابی
در کعبہ بدزد اگر بیابی''(102)

شرح میں بو علی سینا کے بارے میں دی گئی معلومات، تلمیحات اقبال از سید عابد علی عابد کے صفحہ نمبر 171 پر درج بو علی سینا کے بارے میں دی گئی معلومات کے مطابق عین درست ہیں۔ چشتی صاحب کے مندرجہ بالا اقتباس میں 'ترگستان' کی جگہ 'ترکستان' اور 'وفائی' کی جگہ 'وفات' آنا چاہیے۔

فاریابی کے بارے میں دی گئی معلومات تحقیق طلب ہیں۔ مطالعۂ تلمیحات و اشاراتِ اقبال کے صفحہ نمبر 305 پر ڈاکٹر اکبر حسین قریشی نے فاریابی کے بارے میں درج ذیل معلومات دی ہیں:

> ''فاریابی''۔ ابوالفضل طاہر بن محمد ظہیر الدین فاریابی بلخ کے ایک قصبہ فاریاب میں پیدا ہوا۔ وہ جوانی ہی سے شعر و ادب اور تحصیلِ علم کا شائق تھا۔ اس نے علمِ نجوم میں بڑی مہارت پیدا کی۔ نیشاپور، مازندران اور آذربائیجان کی سیاحت کی۔ اپنے زمانے کے امرا و سلاطین کی مدح سرائی کیا کرتا تھا۔ س کے قصائد استادانہ ہیں لیکن وہ انوری اور خاقانی کے ہم پلہ نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کے بعض قطعات خوب ہیں۔ وہ صاحبِ دیوان شاعر تھا۔ ظہیر نے آخر عمر میں قصیدہ گوئی ترک کر دی تھی۔ اس کا انتقال تبریز میں ۵۹۸ھ (۲۰۱ء) میں ہوا۔ (103)

ڈاکٹر اکبر حسین قریشی کے دیے گئے اقتباس کا چشتی صاحب کے اقتباس سے موازنہ کریں تو فاریابی کے مکمل نام اور سنِ وفات کا فرق نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی کے مطابق فاریابی کا صحیح اور مکمل نام ابوالفضل طاہر بن محمد ظہیر الدین فاریابی ہے اور سنِ وفات ۵۹۸ھ (۲۰۱ء) ہے۔ چشتی صاحب کے مطابق فاریابی کا صحیح اور مکمل نام ظہیر الدین ظاہر بن محمد فاریابی ہے اور سنِ وفات ۱۲۰۱ء ہے۔ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی نے فاریابی کا سنِ وفات سن ہجری اور سن عیسوی، دونوں میں دیا ہے۔ ناقص پرنٹنگ یا کمپوزنگ کی وجہ سے ان کی کتاب کے صفحہ نمبر 306 پر دیا گیا فاریابی کا سنِ وفات درست نہیں۔ سن ۵۹۸ھ میں '۹' کا ہندسہ واضح نہیں لکھا ہوا اس طرح سنِ عیسوی (۲۰۱ء) میں ۲۰۱ اور ء کے درمیان ایک ہندسہ کا خلا ہے۔)

چشتی صاحب کی تحریر کے مطابق سنِ وفات ۱۲۰۱ء ہے نہ کہ ۲۰۱ء۔ فرہنگِ اقبال فارسی (صفحہ نمبر 614) پر فاریابی کا سنِ وفات ۱۲۰۱ء لکھا ہوا ہے۔ اس لیے قرینِ قیاس یہی ہے کہ ناقص کمپوزنگ یا پرنٹنگ کی وجہ سے مطالعہ تلمیحات و اشاراتِ اقبال از ڈاکٹر اکبر حسین قریشی کے صفحہ نمبر 306 دیا گیا فاریابی کا سنِ وفات درست نہیں۔

فاریابی کے اصل اور مکمل نام کے بارے میں اختلافات نظر آتے ہیں۔ فرہنگ اقبال فارسی میں فاریابی کا مکمل نام 'ظہیر الدین طاہر بن محمد فاریابی درج ہے۔ (104)

چشتی صاحب نے بھی یہی نام لکھا ہے۔ نام میں 'طاہر' کی جگہ 'ظاہر' لکھا ہے۔ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی کے تحریر کردہ نام میں بھی 'طاہر' لکھا ہے۔ اس لیے یوں لگتا ہے کہ کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے چشتی صاحب کی کتاب میں 'طاہر' کی جگہ 'ظاہر' لکھا گیا۔

تلمیحاتِ اقبال از سیّد عابد علی عابد میں کہیں بھی فاریابی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ سیّد عابد علی عابد بہت اعلیٰ پائے کے محقق اور ناقد ہیں۔ 'کرم کتابی' کے ایک ہی شعر میں سینا و فاریابی، دونوں کا ذکر ہوا ہے۔ سیّد عابد علی عابد نے تلمیحاتِ اقبال کے صفحہ نمبر 171 پر 'سینا' کا تعارف کرایا ہے مگر فاریابی کا کہیں بھی ذکر نہیں کیا۔

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ چشتی صاحب نے تلمیحات و اشارات کا مفہوم بیان کرتے وقت بھی

احتیاط کا دامن تھامے رکھا ہے۔ سینا اور فارابی کے حوالے سے دی گئی معلومات کے جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی مہیا کردہ زیادہ تر معلومات درست ہیں۔ بعض مقامات پر کتابت کی اغلاط نظر آتی ہیں۔ ان کی تصحیح کی ضرورت ہے۔

شرح کا حقیقی مقصد یہی ہے کہ زیرِ مطالعہ کلام کا مفہوم واضح ہو جائے اور اس کے نفسِ مضمون سے متعلقہ تمام امور کی کھلی وضاحت کر دی جائے۔ چشتی صاحب کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ انہوں نے شرح میں حتی المقدور کوشش کی ہے کہ نفسِ مضمون کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے۔ وضاحت کے لیے انہوں نے قرآن و حدیث اور بائبل سے حوالہ جات دیے ہیں۔ انہوں نے دورانِ شرح موضوع کی مناسبت کے لحاظ سے دیگر شعرا کے اشعار بھی دیے ہیں اور مدلل الفاظ سے مفہومِ متن واضح کیا ہے۔ اس سلسلہ میں چند مزید مثالیں ملاحظہ کریں۔ سب سے پہلے نظم 'حقیقت'، اس کا منثور اردو ترجمہ اور اس کی شرح پر تبصرہ و رائے ملاحظہ کریں۔

''حقیقت''

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم
عقابِ دوربیں جوئینہ را گفت نگاہم آنچہ می بیند سراب است	(آسمان کی بلندی پر اڑتے ہوئے) ایک دور تک دیکھنے والے عقاب نے پانی میں رہنے والے ایک جانور (چڑیا) سے کہا + میری نگاہ جو کچھ دیکھ رہی ہے وہ (پانی نہیں) سراب ہے (سراب بظاہر پانی دکھائی دیتا ہے حقیقت میں ریت ہوتی ہے)۔
جوابش داد آں مرغِ حق اندیش تو می بینی و من دانم کہ آب است	اس حق اندیش (سچ جاننے والے) پرندے نے اس کو جواب دیا + تو دیکھ رہا ہے (اس لیے تیری نظر دھوکا کھا رہی ہے) اور میں جانتا ہوں کہ یہ پانی ہے (کیونکہ میں اس پر تیر رہا ہوں۔ اسے محسوس کرتا ہوں اس سے لطف اندوز ہوتا ہوں)۔
صدائے ماہی آمد از تہِ بحر کہ چیزے ہست و ہم در پیچ و تاب است! (105)	پانی کی تہ سے مچھلی کی آواز آئی + کہ کوئی چیز ضرور ہے لیکن پیچ و تاب میں ہے یا بل کھا رہی ہے۔ (106)

نظم 'حقیقت' کی شرح کی 'تمہید' کے عنوان کے تحت چشتی صاحب نے اس نظم کے حوالے سے آسان الفاظ میں فلسفۂ اقبال بیان کیا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں:

> ''اس مختصر نظم میں اقبال نے فلسفہ کا نہایت قیمتی نکتہ بیان کیا ہے کہ کسی شئے کی حقیقت سے آگاہی اُس وقت ہو سکتی ہے، جب طالبِ حقیقت، اس شئے سے ہم آغوش ہو جائے یا بالفاظِ صحیح تر خود وہی شئے بن جائے چنانچہ مرشد رومی فرماتے ہیں:-
>
> پس قیامت شو قیامت را بہ بیں
> دیدنِ ہر چیز را شرط است ایں'' (107)

چشتی صاحب کا بیان کردہ مفہوم عین واضح ہے، تاہم اگر وہ مولانا رومؒ کے فارسی شعر کا ترجمہ یا مفہوم بھی تحریر کر دیتے تو عام قاری کو فہمِ متن میں مزید آسانی رہتی۔

شعر کا مفہوم بیان کرنے کے بعد چشتی صاحب نے ذاتی رائے تحریر کی ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مثال سے اپنا نکتۂ نظر واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "..... اگر کسی انسان کو حق سے آگاہی مطلوب ہو تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان خود حق بن جائے۔ کیونکہ حق کو حق ہی پہچان سکتا ہے۔ یہ تو عقلاً ناممکن ہے کہ باطل حق کو پہچان سکے۔
>
> یہیں سے سیدنا حضرت اکبرؓ کے مقام رفیع کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ چونکہ خود صادق تھے، اس لیے مخبرِ صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بلا تامل و تردد ایمان لے آئے۔" (108)

اس صفحہ پر حاشیہ میں انہوں نے حق پرستی کے ضمن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد بھی تحریر کیا ہے۔ چشتی صاحب لکھتے ہیں:

> "جناب مسیح بھی یہی فرماتے ہیں:-
>
> میں حق کی شہادت دینے کے لیے دنیا میں آیا ہوں اور جو حقانی ہے وہی میری آواز سنتا ہے۔" (یوحنا ۱۸ : ۳۷) (109)

چشتی صاحب نے جناب مسیحؑ کا ارشاد مبارک حوالہ کے ساتھ دیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چشتی صاحب بائبل کا علم بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے شرح کے دوران نفسِ مضمون کی وضاحت کے لیے عین موزوں حوالہ جات تحریر کئے ہیں۔

چشتی صاحب نے 'مطلب' کے عنوان کے تحت عقاب، مرغابی اور مچھلی کے مشاہدات میں فرق واضح کیا ہے اور حتمی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حق کی معرفت کے لیے حق بننا ضروری ہے۔

"عشق"

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم
(1) فکرم چو بہ جستجو قدم زد در دیر شد و در حرم زد	جب میری فکر نے جستجو (کے میدان) میں قدم رکھا + وہ مندر میں گئی اور اس نے کعبہ کے دروازے پر دستک دی۔
(2) در دشت طلب بسے دویدم دامن چوں گرد باد چیدم	میں طلب کے بیابان میں بہت دوڑا + (اور) بگولے کی طرح چکر کھاتا رہا (کہیں نہ پہنچا) (دامن چیدن کے معنی علیحدہ ہونا بھی ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میں بگولے کی طرح سب سے الگ ہو کر جستجو کرتا رہا۔

(3) پویاں بے خضر سوئے منزل بر دوشِ خیال بستہ محمل	بغیر خضر کے (راہبر کے) منزل کی طرف دوڑتا رہا + (اور) خیال کے کاندھے (مراد پیٹھ) پر کجاوا باندھے ہوئے چلتا رہا مراد ہے اپنے خیال کے مطابق سفر کرتا رہا۔
(4) جویاے مے و شکستہ جامے چوں صبح بباد چیدہ دامے	میں شراب کی تلاش کرتا رہا اور (حالانکہ) پیالہ میرا ٹوٹا ہوا تھا + میں لاحاصل کوشش کرتا رہا (صبح بباد چیدہ دامے کنایہ ہے سعی لاحاصل کرنا)
(5) پیچیدہ بخود چو موجِ دریا آوارہ چو گرد بادِ صحرا	میں دریا کی موج کی طرح اپنے اندر غلطاں رہا + اور صحرا کے بگولے کی طرح آوارہ رہا۔
(6) عشقِ تو دلم ربود ناگاہ از کار گرہ کشود ناگاہ	اچانک تیرے عشق نے میرے دل کو لوٹ لیا + (اور) میرے کام کی گرہ کھول دی (یکایک میری مشکل حل کردی)
(7) آگاہ ز ہستی و عدم ساخت بتخانۂ عقل را حرم ساخت	(عشق نے) مجھے ہستی و نیستی کے راز سے آگاہ کردیا + (اور) میری عقل کے بتخانہ کو کعبہ بنادیا یعنی بھٹکی ہوئی عقل کو راہ راست دکھادی۔
(8) چوں برق بخرمنم گذر کرد از لذّتِ سوختن خبر کرد	عشق میری زندگی کے کھلیان (اناج کا ڈھیر۔ خرمن) پر سے بجلی کی طرح گزرا (اسے جلا کر راکھ کردیا) + اس طرح اس نے مجھے جلنے کی لذت سے آگاہ کردیا۔
(9) سرمست شدم ز پا فتادم چوں عکس ز خود جدا فتادم	میں مست ہوگیا اور لڑکھڑانے لگا (یا عالم مدہوشی میں چلا گیا) + جس طرح عکس کسی شے سے جدا ہوتا ہے۔ میں خود سے جدا ہوگیا۔ (جس طرح آئینہ کے اندر کسی شخص کا عکس اس شخص سے الگ ہوتا ہے لیکن شخص بھی موجود ہوتا ہے اس طرح میرا وجود اپنی جگہ موجود ہونے کے باوجود اپنا نہ رہا محبوب کا ہوگیا) اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ عشق نے مجھے ماسویٰ سے بیگانہ کردیا۔
(10) خاکم بفرازِ عرش بردی زاں راز کہ با دلم سپردی	(اے عشق) تو میری خاک کو عرش پر لے گیا + اس راز کی بدولت جو تو نے میرے سپرد کیا۔ یعنی مجھ پر کھولا۔ مراد ہے کہ اس راز کی بدولت میں عالم ناسوت سے عالم لاہوت میں چلا گیا۔

(11) واصل بکنار گشتیم شد طوفانِ جمال ز شتیم شد	(اس راز کے کھلنے پر) میری زندگی کی کشتی کنارے پر لگ گئی+ میری بدی یا بدصورتی خوبصورتی کا طوفان بن گئی (مجھ سے ہر عیب دور ہو گیا اور میں سراپا جمال بن گیا)۔
(12) جز عشق حکایتے ندارم پروائے ملامتے ندارم	(اب) سوائے عشق کے میں کوئی کہانی نہیں رکھتا (میں نے عشق کو اپنا مسلک بنالیا ہے) (اب) مجھے کسی کی ملامت کی کوئی پرواہ نہیں۔
(13) از جلوۂ علم بے نیازم سوزم گریم تپم گدازم (110)	(اب) علم کے جلوے سے میں بے نیاز ہوں+ (اب تو) میں جلتا ہوں، روتا ہوں تڑپتا ہوں اور گداز ہو رہا ہوں۔ (111)

نظم 'عشق' کی تمہید میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب نے آسان الفاظ میں نظم کا مرکزی خیال بیان کیا ہے۔اس کے بعد انہوں نے بعض الفاظ اور محاورات کا مفہوم تحریر کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''اس نظم میں بعض الفاظ اور محاورات وضاحت طلب ہیں، اس لیے ذیل میں ان کا مفہوم لکھے دیتا ہوں، تا کہ عبارت کا مطلب سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔
>
> فکر:۔ منطقی اصطلاح میں ذہن (عقل) کے ترغیبی عمل کو فکر کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کی حرکت ہے جو ذہن انسانی کسی مجہول کی تحصیل کے لیے کرتا ہے، عرف عام میں فکر کہتے ہیں۔ کسی مسئلہ میں غور کرنے کو۔ یہ ان الفاظ میں سے ہے جن کو ہر شخص ہر وقت بولتا ہے۔ لیکن بہت کم لوگ ہیں جو اس کے حقیقی مفہوم سے آگاہ ہیں، جیسے شک ہو، وہ خود، فکر، میں فکر کر کے دیکھ لے۔ میں اس لفظ کی پوری وضاحت گلشنِ راز جدید کی شرح میں پیش کروں گا۔
>
> گردباد:۔ بمعنی بگولا۔
>
> دامن چیدن:۔ بمعنی علیحدہ ہونا، کنارہ کرنا، احتراز کرنا۔
>
> محمل بستن:۔ کنایہ ہے سفر یا روانگی سے۔
>
> بباد دام چیدن:۔ کنایہ ہے سعی لاحاصل سے۔
>
> بخود پیچیدن:۔ کنایہ ہے اپنی ذات میں غور کرنے سے۔
>
> از پا افتادن:۔ کنایہ ہے حالت بے خودی سے۔
>
> طوفانِ جمال:۔ کنایہ ہے وفور حسن جمال سے۔'' (112)

انہوں نے 'فکر' کا مفہوم بیان کرنے کے لیے مشکل الفاظ اور جملے استعمال کئے ہیں۔ اگر وہ آسان اور عام فہم زبان میں 'فکر' کا مفہوم تحریر کرتے تو زیادہ سے زیادہ قارئین ان کی اس تحریر سے استفادہ کر پاتے۔

'تمہید' کے بعد چشتی صاحب نے 'مطلب' کے عنوان کے تحت نظم 'عشق' کے اشعار کا مطلب اور مفہوم تحریر کیا ہے۔ انہوں نے 'مطلب' میں اشعار کے نمبر نہیں دیے جس وجہ سے ایک مبتدی کے لیے اس بات کا تعین کرنا

بہت مشکل ہے کہ کس شعر کا مفہوم کہاں پر درج ہے۔ فارسی متن اور ترجمہ کی مدد سے چشتی صاحب کے تحریر کردہ مطلب کا بغور مطالعہ کریں تو مختلف اشعار کے مفہوم کی نشاندہی ہوتی ہے۔ چشتی صاحب کی شرح کی یہ ایک بڑی کمزوری ہے۔

چشتی صاحب کاپی رائٹ ایکٹ کی پابندی کی وجہ سے اپنی شرح میں فارسی متن نہیں دے سکے۔ یہ ان کی مجبوری تھی۔ مگر انہوں نے پابندی کے ساتھ تمام کلام کے الفاظ اور معانی نہیں دیے۔ اسی طرح انہوں نے میاں عبدالرشید، ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم یا احمد جاوید کی طرح ہر شعر کا الگ سے لفظی یا بامحاورہ ترجمہ نہیں دیا۔ انہوں نے صرف مفہوم بیان کیا ہے اور ضروری امور کی وضاحت کی ہے۔ انہوں نے مطلب اور مفہوم میں اشعار کے نمبر بھی نہیں دیے جس وجہ سے ان کی شرح سے استفادہ کرنا مشکل محسوس ہوتا ہے۔ بعض مقامات پر جہاں انہوں نے ضروری سمجھا مشکل الفاظ و محاورات کے معانی دیے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے بعض مقامات پر تلمیحات و اشارات اور کنایات کا مفہوم بھی بیان کیا ہے۔

چشتی صاحب نے آسان انداز میں نظم 'عشق' کا مفہوم تحریر کیا ہے۔ انہوں نے خصوصاً شعر نمبر 10 کا مفہوم وضاحت سے دیا ہے۔ یہ شعر نظم کے مرکزی خیال پر مشتمل ہے۔ اس لیے انہوں نے اس کی شرح وضاحت سے تحریر کی ہے۔ چشتی صاحب لکھتے ہیں:

> ''اے محبوب! تو نے مجھے راز سے آگاہ کر دیا، جس کی بدولت میں مادیات (عالم ناسوت) سے بالاتر ہو کر رُوحانیات (عالم ملکوت) میں داخل ہو گیا۔
>
> زماں راز کہ بادلم سپردی، اس مصرع کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے لیے سب سے بڑا راز جسے اس کی عقل نہیں سمجھ سکتی، یہ ہے کہ مطلق (حق تعالیٰ) مقید کس طرح بن گیا؟ یہ راز صرف عشق کی بدولت انسان پر آشکار ہو سکتا ہے۔ لفظوں کے ذریعہ سے اس کو۔ کوئی سمجھا سکتا ہے۔ اور نہ کوئی سمجھ سکتا ہے۔
>
> اتنا تو ہر شخص جانتا ہے کہ حق تعالیٰ انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ لیکن وہ کس طرح اس قدر قریب ہو گیا؟ عقل اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی۔ اس سوال کا جواب عشق دے سکتا ہے:۔
>
> مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔
>
> یہ معرفت عقل کی بدولت نہیں بلکہ صرف عشق کی بدولت حاصل ہو سکتی ہے۔'' (113)

شعر نمبر 10 کا مفہوم پڑھنے کے بعد تمام نظم کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔

چشتی صاحب کی شرح کے انداز سے آگاہ ہونے کے لیے نظم 'جوئے آب' کی شرح کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

'تمہید' میں چشتی صاحب نے 'جوئے آب' کا ابتدائی تعارف پیش کیا ہے۔ اس کے بعد گوئٹے کی نظم 'نغمۂ محمدؐ' کا لفظی ترجمہ درج کیا ہے تاکہ قارئین اندازہ کر سکیں کہ علامہ مرحوم نے نہایت کامیابی کے ساتھ اور بڑے دلکش انداز میں گوئٹے کا نقطۂ نگاہ واضح کیا ہے۔ تعارف کے بعد چشتی صاحب 'جوئے آب' کے تمثیلی انداز کے بارے میں لکھتے ہیں:

''گوئٹے کی طرح علامہ نے بھی ساری نظم تمثیلی تشبیہہ اور استعارہ کے رنگ میں لکھی ہے۔ یعنی از اول تا آخر رموز اور کنایات سے کام لیا ہے، اور اس کی وجہ بالخصوص یہ ہے کہ رمز اور کنایہ سے نظم میں بہت زیادہ دلکشی اور تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔

خوشتر آن باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں'' (114)

تفہیم متن میں مدد دینے کے لیے چشتی صاحب نے قریباً $5\frac{1}{2}$ صفحات پر اس نظم کے رموز و کنایات کی تصریح درج کی ہے۔ نمونہ کے طور پر چند ایک کنایات اور اس کی تصریح درج کی جاتی ہے۔

''جوئے آب کنایہ ہے زندگی[1] سے، اور چونکہ اسلام منبع حیات ہے اس لیے جُوئے آب کنایہ ہے اسلام سے، اور چونکہ اسلام[2] کا وجود موقوف ہے ذاتِ محمدیؐ پر، اس لیے جوئے آب کنایہ ہے ذاتِ محمدیؐ[3] سے۔ یعنی یہ تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

مستانہ می رود میں مستی کنایہ ہے اُس انہماک و استغراق، ولولہ اور جوش سے، جس کا اظہار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے غلاموں کے طرزِ عمل سے تبلیغ و اشاعت اسلام کے سلسلہ میں ہوا۔

بکر یبانِ مرغزار کنایہ ہے اس کائنات سے۔

بہ گہوارۂ سحاب یعنی ذاتِ محمدیؐ دنیا میں ظاہر ہونے سے قبل انائے مطلق کی آغوش میں محوِ خواب تھی۔ اگر کسی کو شک ہو تو اقبال کا یہ شعر پڑھ لے:

بضمیرت آرمیدم تو بجوشِ خود نمائی
بکنارہ برفگندی در آبدارِ خود را

چشمِ شوق کنایہ ہے آپؐ کی شانِ رحمۃ للعالمین سے۔

ع ہست شانِ رحمت گیتی نواز

آپؐ کے دل میں بنی نوعِ آدم کی اصلاح کا شدید جذبہ کارفرما تھا۔

چنانچہ قرآن حکیم کی یہ آیت اس پر شاہد ہے:۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○

اے لوگو! یہ رسول جو تمہارے پاس آئے ہیں، یہ تمہارے لیے اجنبی نہیں ہیں، بلکہ تم ہی میں سے ہیں۔ یعنی تم لوگ آپؐ کے حسب ونسب، اخلاق وعادات، دیانت و امانت سے بخوبی واقف ہو۔ آپؐ کی قلبی حالت حالت یہ ہے کہ آپ کا دِل تمہاری ہمدردی سے لبریز ہے۔ ہر وہ شئی جس سے تمہیں تکلیف پہنچے، وہ اُن پر بہت گراں گزرتی ہے۔ اور آپؐ کے دل میں تمہاری خیر خواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ ہے، اور آپؐ مومنوں پر تو خاص طور سے شفیق اور مہربان ہیں۔

بآغوشِ کوہسار کنایہ ہے کائنات سے۔ واضح ہو کہ ذاتِ محمدیؐ ساری کائنات

کے لیے باعثِ رحمت ہے۔(115)

چشتی صاحب نے بہت اچھے انداز سے کنایات کی تصریح پیش کی ہے۔

1- انہوں نے مختلف کنایات کی تصریح کے دوران اقبال کے تین فارسی اشعار بھی تحریر کیے ہیں مگران کا ترجمہ نہیں دیا۔

2- 'چشمِ شوق' کے حوالہ سے شانِ رحمۃ اللعالمین بیان کرنے کے لیے ایک قرآنی آیت مع ترجمہ تحریر کی ہے، تاہم آیتِ مقدسہ کا حوالہ (سورت کا نام اور آیت نمبر) درج نہیں کیا۔

3- انہوں نے کنایات کی وضاحت کے لیے آسان اور عام فہم زبان استعمال کی ہے۔

4- انہوں نے اپنے نکتۂ نظر کی وضاحت مدلل انداز سے کی ہے اور اپنے موقف کی حمایت میں ضروری حوالہ جات بھی پیش کیے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کا اندازِ تحریر نہایت قابلِ تعریف ہے۔ مثلاً صفحہ نمبر 365 پر 'نوٹ' تحریر کرتے ہیں:

> ''نوٹ:۔ میں نے تشریح الفاظ میں اسلام اور زندگی کو مترادف قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اقبال کے فلسفہ میں اسلام سے باہر زندگی کا کہیں وجود نہیں ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ذاتِ محمدیؐ معیارِ قدر ہے۔ جو شئے حضور سے جتنی زیادہ قریب ہے اتنی ہی زیادہ قیمتی ہے۔ اور جتنی زیادہ دور ہے اتنی ہی زیادہ بے قیمت ہے اور جو شئے آپؐ سے بالکل بیگانہ ہے یعنی آپؐ کے نُور سے بالکل محروم ہے، اُس کا عدم اور وجود دونوں برابر ہیں۔ اسی نکتہ کو اقبال نے یُوں واضح کیا ہے:۔
>
> (۱) ہر کجا بینی جہاں رنگ و بُو
> آنکہ از خاکش بروید آرزُو
>
> (۲) یا ز نُورِ مصطفیٰؐ او را بہا است
> یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ است
>
> اقبال نے مجھ سے ایک مرتبہ یہ کہا تھا کہ انسان اور مُسلم ہم معنیٰ الفاظ ہیں۔ جو مسلمان نہیں وہ انسان ہی نہیں۔ یعنی انسانیت کے مقام کو حاصل نہیں کرسکتا۔ اِسی لیے میرا عقیدہ یہ ہے کہ اسلام اور حیات ہم معنیٰ الفاظ ہیں، جو شخص اسلام سے دُور ہے، وہ گویا زندگی سے دُور ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عقیدہ کی تائید میں قرآن حکیم کی ایک آیت بھی لکھ دوں:۔
>
> یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ
>
> اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم مانو۔ جب وہ بُلائے تم کو اُس (دین) کی طرف جو تمہیں زندہ کرتا ہے (یعنی حضورؐ کا پیغام زندگی بخشتا ہے۔ یعنی حضورؐ کی ذات بابرکات زندگی کا سرچشمہ ہے۔'' (116)

مندرجہ بالا اقتباس میں چشتی صاحب نے اسلام اور زندگی کو مترادف قرار دیا ہے اور پھر قرآن حکیم اور فکرِ اقبال کی رو سے اپنا موقف واضح کیا ہے۔ ان کے یہ الفاظ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں:

''ذاتِ محمدیؐ معیارِ قدر ہے۔ جو شئے حضور سے جتنی زیادہ قریب ہے اتنی ہی زیادہ قیمتی

ہے۔ اور جتنی زیادہ دور ہے اتنی ہی زیادہ بے قیمت ہے اور جو شی آپؐ سے بالکل بیگانہ ہے یعنی آپؐ کے نُور سے بالکل محروم ہے، اُس کا عدم اور وجود دونوں برابر ہیں .....'' (117)

چشتی صاحب نے براہِ راست اقبال سے تعلیم و تربیت پائی تھی۔ جیسا کہ پہلے دیے گئے اقتباس میں انہوں نے خود ذکر کیا ہے۔ اس لیے فکرِ اقبال کی تفہیم کے سلسلہ میں ان کی رائے بہت اہمیت کی حامل ہے۔

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ چشتی صاحب نے بہت اچھے انداز سے نظم 'جوئے آب' کا مطلب اور مفہوم واضح کیا ہے اور موضوع کی مناسبت سے احادیثِ مبارکہ کی مدد سے مطلب و مفہوم کو سند کا درجہ دیا ہے۔

مئے باقی

(شرح غزلیات ص 411 تا ص 520)

حصہ غزلیات میں بھی چشتی صاحب نے وہی شرح کا انداز اختیار کیا ہے جس کا پیش کش، لالۂ طور (رباعیات) اور افکار میں جائزہ لیا جاچکا ہے۔ پیام مشرق کے حصہ مئے باقی میں پنتالیس (45) غزلیات کی شرح پیش کی گئی ہے۔ قریباً چودہ (14) غزلیات کی شرح ایک تا ڈیڑھ صفحات فی غزل کے حساب سے، سترہ (17) غزلیات کی شرح دو تا اڑھائی صفحات فی غزل اور قریباً (11) غزلیات کی شرح تین تا ساڑھے تین صفحات فی غزل کے حساب سے کی گئی ہے۔ صرف ایک غزل (غزل نمبر 18) کی شرح پانچ (5) صفحات پر مشتمل ہے۔ جبکہ دو غزلیات (غزل نمبر 1 اور غزل نمبر 8) ایسی ہیں جن میں سے ہر ایک کی شرح آٹھ (8) صفحات پر مشتمل ہے۔ تمام غزلیات کے متن اور ان کی شرح کا جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ چشتی صاحب نے دیگر حصوں کی طرح (مئے باقی) کی شرح میں بھی بے جا طوالت یا اختصار سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے شرح کے دوران لفظی و معنوی لحاظ سے میانہ روی اختیار کی ہے۔

شرح غزلیات کے شروع میں چشتی صاحب نے پاورقی میں مئے باقی کا مفہوم تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''مئے باقی سے مراد ہے وہ شراب جس کا سرور کبھی زائل نہ ہو۔ اقبال نے اپنی غزلوں کو مئے باقی سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ انہوں نے ان غزلوں میں وہ بلند حقائق و معارف بیان کئے ہیں جو اپنے اندر بقائے دوام کی صفت رکھتے ہیں۔ اور اگر انسان ان پر عامل ہو جائے تو اس کو بھی یہ نعمت کبریٰ حاصل ہو جائے گی۔ غزل کو شراب سے اس لیے تعبیر کیا کہ غزل میں بھی شراب کی سی مستی ہوتی ہے اور پڑھنے والے کو وہی سرور حاصل ہوتا ہے جو مے نوش کو شراب پینے سے حاصل ہوتا ہے۔''(118)

غزل نمبر 1 کی شرح کے آغاز میں چشتی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ اس غزل کے پہلے شعر میں اقبال نے اپنے نظامِ فلسفہ کا بنیادی تصور رمز و کنایہ کے لباس میں پیش کر دیا ہے۔ اور باقی پانچ اشعار میں اپنے نظامِ فلسفہ کے عناصرِ ترکیبی کی صراحت کی ہے۔ اگر کوئی شخص اس غزل کے ابتدائی چھ اشعار کے حقیقی مفہوم سے آگاہ ہو جائے تو وہ فلسفہ اقبال سے بڑی حد تک واقف ہو سکتا ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ اقبال کا تمام کلام رمز و ایما کے پردے میں پوشیدہ ہے۔ ان پردوں کو ہٹا کر ہی حقیقی مفہوم تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ صرف لفظی ترجمہ کی مدد سے اقبال کے حقیقی فکر اور پیغام تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ چشتی صاحب نے اپنے نکتہ نظر کی وضاحت کے لیے غزل نمبر 1 کے پہلے شعر کا ترجمہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ لفظی ترجمہ سے کوئی مفہوم اخذ نہیں ہوتا حقیقی معانی تک رسائی کے لیے رمز و ایما کے پردے ہٹانا ہوں گے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

> ''لفظی ترجمہ تو بہت آسان ہے کہ جب بہار نے گلستان میں محفلِ نشاط آراستہ کی تو بلبل شوریدہ کے نالوں نے غنچوں کی آنکھیں کھول دیں۔ لیکن یہ مضمون اقبال کا مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں نہ کوئی مفہوم ہے نہ معنی۔ بالفاظ دگر اس ترجمہ سے کوئی بات

پیدا نہیں ہوتی۔اور جب تک شعر سے کوئی بات یعنی مضمون پیدا نہ ہو، وہ شعر نہیں بلکہ تک بندی کا مصداق ہے۔شاعری تو مضمون کا نام ہے نہ کہ قافیہ کا‘‘(119)

اس کے بعد چشتی صاحب نے اس شعر کا ان الفاظ میں مطلب بیان کیا ہے:

’’مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ جب ذرا (بہار) نے دُنیا (گلستان) کو گونا گوں مخلوقات سے آراستہ کر دیا تو انسان (بلبل شوریدہ) نے اپنے جذبۂ عاشقی (نوا) کی بدولت ساری کائنات (چشم غنچہ) میں ہنگامہ برپا کر دیا۔‘‘(120)

مطلب بیان کرنے کے بعد چشتی صاحب نے اس شعر کے حوالے سے فکر اقبال کی رو سے جذبۂ عشق کی اہمیت بیان کی ہے اور اپنے موقف کی تائید میں ’جاوید نامہ‘ سے اقبال کے تین اشعار دیے ہیں مگر ان کا ترجمہ نہیں دیا۔

شعر نمبر 2 کا لفظی ترجمہ دینے کے بعد اقبال کے ساتھ اپنی گفتگو کے حوالے سے چشتی صاحب اس شعر کا مفہوم اس طرح تحریر کرتے ہیں:

’’بات یہ ہے کہ اس شعر میں اقبال نے اپنے فلسفہ کے ایک اہم پہلو کو واضح کیا ہے۔ ان کا نظریہ جیسا کہ ایک گفتگو کے دوران میں انہوں نے خود مجھ سے فرمایا تھا، یہ ہے کہ صرف وجود مطلق، چونکہ وہ واجب الوجود ہے اس لیے درحقیقت موجود ہے۔اب رہا انسان، تو وہ فی الحقیقت موجود نہیں ہے بلکہ موجود ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔‘‘(121)

چشتی صاحب نے اقبال کے ساتھ اپنی گفتگو کا پاورقی میں ذکر کیا ہے مگر گفتگو کے الفاظ لکھنے بھول گئے۔ وہ لکھتے ہیں:

’’ ۱ اقبال نے اس مفہوم کو انگریزی میں ادا کیا تھا اور ان کے الفاظ یہ تھے:۔‘‘(122)

پاورقی میں مندرجہ بالا حوالہ کے بعد اقبال کی گفتگو کے الفاظ نہیں لکھے گئے۔

شعر نمبر 2 کا مفہوم اور مطلب واضح کرنے کے لیے چشتی صاحب نے شرح میں اقبال کے تین اشعار، بیدلؔ کا ایک شعر اور شیخ اکبر کا ایک قول بھی تحریر کیا ہے۔

شعر نمبر 2 کی شرح کے آخر پر چشتی صاحب نے ایک نوٹ تحریر کیا ہے جس میں انہوں نے ناظرین کو مشورہ دیا ہے کہ وہ کلامِ اقبال کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ان کا تمام کلام اول تا آخر غور سے پڑھیں۔چشتی صاحب کا یہ مشورہ نہایت قابل قدر ہے۔خود چشتی صاحب بھی شرح کے دوران اقبال کے کلام، خطبات اور ان سے اپنی گفتگو کے حوالہ جات دیتے ہیں۔اقبال کے کلام کو کماحقہ سمجھنے کے لیے ان تمام مآخذات تک رسائی ضروری ہے۔

پہلے دو اشعار کی طرح، چشتی صاحب نے اس غزل کے باقی اشعار کی بھی بہت اچھے طریقے سے شرح تحریر کی ہے۔چشتی صاحب نے باقی غزلیات میں بھی خوبصورت طریقے سے شرح کے تقاضے نبھائے ہیں۔مثلاً انہوں نے غزل نمبر 4 کے شعر نمبر 2 کی تلمیح کی ان الفاظ میں وضاحت کی ہے:

’’اس شعر میں تلمیح ہے قصۂ خلافتِ آدم کی طرف کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو انہوں نے عرض کی کہ ہم سے بڑھ

کراس اعزاز کا مستحق کون ہوسکتا ہے؟ اس پر ارشاد ہوا کہ تم آدم کی مخفی صلاحیتوں سے واقف نہیں ہو۔ وہ اگر قانون کی پابندی کرے تو اس کائنات کو مسخر کرسکتا ہے۔ اور تم یہ کام نہیں کرسکتے کیونکہ ہم نے تم کو علمِ اسماء عطا نہیں فرمایا۔ تفصیل کے لیے دیکھو قرآن (۲۔۳۰)"(123)

غزل نمبر 10 کے شعر نمبر 3 کی شرح میں سب سے پہلے بہت اچھی طرح سے سوز و ساز کا مفہوم واضح کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اس شعر کا مفہوم واضح کیا ہے۔ چشتی صاحب لکھتے ہیں:

"واضح ہو کہ اقبال کے یہاں سوز و ساز کی ترکیب بکثرت مستعمل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اقبال شاعر حیات ہیں اور سوز و ساز، حیات کی دو اہم شانیں ہیں، اور عاشق کی زندگی انہی دو کیفیتوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ سوز (سوختن) سے مراد ہے محبت میں جلنا، تڑپنا، پگھلنا، سلگنا، ضبط کرنا۔ ساز (ساختن) سے مراد ہے محبت میں ہر اس حالت سے مطابقت اور موافقت پیدا کرنا جس سے مقصد میں کامیابی حاصل ہوسکے۔ عاشق کبھی فراق محبوب میں تڑپتا ہے یہ حالت سوز ہے۔ اور کبھی اس کے حصول کی غرض سے ناموافق حالات سے مطابقت پیدا کرتا ہے یعنی معشوق جس حال میں اُسے رکھتا ہے اس حال سے موافقت پیدا کرتا ہے یہ حالت ساز ہے اور اس کی زندگی اسی حالت سوز و ساز میں بسر ہوتی ہے"(124)

غزلیات کی شرح میں چشتی صاحب نے کنایات کی اچھی طرح سے وضاحت کی ہے اور تفہیمِ متن میں آسانی پیدا کی ہے۔ مثلاً

غزل نمبر 11، شعر نمبر 1 کی شرح میں لکھتے ہیں:

"(ا) ترکِ تندخو، کنایہ ہے معشوق سے۔ فارسی شاعری میں معشوق کو ایک سفاک، غضبناک، ظالم، جفاکار، خون ریز اور تندخو انسان تصور کیا جاتا ہے"(125)

غزل نمبر 17، شعر نمبر 7 اور شعر نمبر 9 کی شرح میں چشتی صاحب لکھتے ہیں:

"(۷) نہنگ کنایہ ہے نفس امارہ اور اس کی تحریکات سے۔ زورق بمعنی کشتی۔ اقبال کہتے ہیں کہ سالک کا کمال یہ ہے کہ وہ ان دشمنوں کو مغلوب کرے جو اس کے نفس میں پوشیدہ ہیں اور وہ دشمن پانچ ہیں یعنی شہوت، غضب حرص و طمع، طلب لذائذ اور تکبر۔ انہی دشمنوں کو اقبال نے "نہنگاں" سے تعبیر کیا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک دشمن، سالک کو فنا کردینے کے لیے کافی ہے اور نفسِ امارہ انہی کے مجموعہ کا نام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قابلِ تحسین شخص وہ ہے جو نہنگوں کا مقابلہ کرسکے نہ کہ وہ جو ساحل دریا پر بیٹھا رہے۔"(126)

غزل نمبر 21، شعر نمبر 4 کی شرح میں چشتی صاحب لکھتے ہیں:

"(۴) بادۂ راز کنایہ ہے عرفانِ الٰہی سے۔ پیمانہ گسار کنایہ ہے طالب یا سالک سے۔ خرابات مغاں کنایہ ہے خانقاہ مرشد سے اور گردشِ جام کنایہ ہے تعلیم و تلقین سے....."

''(۵) شوریدہ نوائی یا نوائے شوریدہ کنایہ ہے درسِ عاشقی یا اسرارِ معرفت سے۔ مرغ لاہوتی کنایہ ہے عارف کامل سے۔ دوست کنایہ ہے محبوب حقیقی سے پیام کنایہ ہے وعدۂ الٰہی سے کہ اگر تم مجھ سے محبت کروگے تو میں تم سے محبت کروں گا......'' (127)

غزل نمبر22، شعر نمبر 4 کی شرح میں چشتی صاحب لکھتے ہیں:

''پردہ برگرفتن کنایہ ہے افشائے راز سے۔ واؤ بمعنی لیکن۔ در پردہ سخن گفتن یعنی رمزیہ انداز بیان۔ تیغ خونریز کنایہ ہے درس عاشقی یا تلقین جہاد سے کہتے ہیں کہ اگرچہ میں رموز قلندری فاش کررہا ہوں لیکن میرا انداز بیان رمزیہ ہے یعنی میں استعاروں میں گفتگو کرتا ہوں۔ ع

چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب استعاروں میں

میں دراصل مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی تلقین کررہا ہوں لیکن تلقین کا اسلوب ایمانی ہے:۔'' (128)

مئے باقی کی غزلیات کی شرح میں چشتی صاحب نے شخصیات کا تعارف بھی کرایا ہے۔ مثلاً غزل نمبر 13 کے شعر نمبر 5 کی شرح میں گوئٹے کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ چشتی صاحب لکھتے ہیں:

''اس شعر میں اقبال نے گوئٹے کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ گوئٹے کا شمار اقبال کی طرح، شعرائے عالم میں ہے یُوں تو اس کی تصانیف بہت سی ہیں لیکن فاؤسٹ اس کا شاہکار ہے اور اس کی شہرت کا اسی کتاب پر دارومدار ہے۔ اس کتاب کے متعلق علامہ اقبال کی رائے یہ ہے کہ ''اس کتاب میں گوئٹے نے حکیم فاؤسٹ اور شیطان کے عہدو پیمان کی قدیم روایت کے پیرایہ میں انسان کے امکانی نشوونما کے تمام مدارج اس خوبی سے بتائے ہیں۔ یعنی واضح کئے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کمالِ فن، خیال میں نہیں آسکتا۔''

گوئٹے ۱۷۴۹ء میں بمقام فرانک فورٹ (جرمنی) پیدا ہوا تھا۔ ۱۷۷۵ء میں ویمر کے نواب کی دعوت پر اُس نے اس شہر کو اپنا وطن ثانی بنالیا۔ طویل عرصہ تک عاشقانہ زندگی بسر کرنے کے بعد آخر کار ۱۸۰۶ء جبکہ اس کی عمر ۵۷ کی ہوچکی تھی اُس نے شادی کی قیود گوارا کرلیں۔

گوئٹے نے اپنی غیر فانی تصنیف فاؤسٹ کی ابتدا ۱۷۸۰ء کے قریب کی تھی اور ۱۸۳۰ء میں اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچادیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اُس عرصہ میں دُوسری تصانیف (دیوان، ڈراموں، غزلوں اور نظموں کے لکھنے) میں مشغول رہا۔ گوئٹے کا فلسفہ دو لفظوں میں قلمبند کیا جاسکتا ہے:۔

(۱) ترکِ علائق دنیوی (۲) اختیارِ شیوۂ تسلیم۔ گوئٹے کا عقیدہ جسے اُس نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے، یہ تھا کہ ''حریت نفس اور لذتِ وجود صرف وہ شخص حاصل کرسکتا ہے جو ہر روز ان دنوں کو از سرِ نو فتح کرسکے'' یعنی صرف وہی شخص مرتے وقت یہ کہہ سکتا ہے کہ میں آزادی زندگی سے متمتع ہوسکا۔ دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا۔

گوئٹے نے ۱۸۳۲ء میں وفات پائی اور ویمر میں مدفون ہوا۔(129)

غزل نمبر 28، شعر نمبر 4 کی شرح میں اشارات کی نشاندہی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''(۴) بخارا، کابل اور تبریز یہ تین شہر نمائندے ہیں اُن اسلامی مرکزوں کے جہاں اکثر نامور علماء اور صلحاء پیدا ہوئے۔ مثلاً بخارا سے اشارہ ہے شیخ فریدالدین عطارؒ اور خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کی طرف۔ کابل سے اشارہ ہے حکیم سنائیؒ کی طرف جن کا وطن غزنی تھا۔ اور تبریز سے اشارہ ہے حضرت شمس تبریز کی طرف جو عارف رومی کے مرشد تھے کہتے ہیں کہ اگرچہ میں پیدا تو ہندوستان میں ہوا لیکن میں نے دین اسلام کے حقائق و معارف ان بزرگوں سے حاصل کئے جو بخارا، کابل اور تبریز میں پیدا ہوئے تھے۔ یعنی میرے افکار کا سرچشمہ ہندی (عجمی) نہیں ہے بلکہ اسلامی ہے۔''(130)

چشتی صاحب نے غزل نمبر 1 کی طرح دیگر غزلیات کی شرح میں بھی علامہ اقبال کے ساتھ اپنی گفتگو کے حوالے سے توضیحات پیش کی ہیں۔ مثلاً

صفحہ نمبر 449 پر چشتی صاحب لکھتے ہیں:

''علامہ مرحوم نے ایک دفعہ مجھ سے فرمایا تھا کہ ''عاشق، شاعر اور پاگل یہ تینوں بظاہر تمہاری دنیا میں رہتے ہیں۔ لیکن دراصل اپنی دنیا میں رہتے ہیں جو تمہاری دنیا سے بالکل مختلف ہوتی ہے''(131)

صفحہ نمبر 482 پر چشتی صاحب لکھتے ہیں:

نوٹ:۔ ۱۹۳۰ء میں راقم الحروف نے علامہ مرحوم سے اس مسئلہ کی وضاحت کی درخواست کی تھی اس کے جواب میں مرحوم نے اپنی تقریر کے دوران میں یہ بات کہی تھی کہ ''کوئی شخص وحدۃ الوجود کی حقیقت، بذریعہ الفاظ بیان نہیں کر سکتا''(132)

صفحہ نمبر 518 پر چشتی صاحب غزل نمبر 44 کے شعر نمبر 7 کی شرح میں لکھتے ہیں:

''(۷) آخری شعر میں اقبال نے اپنا مسلک واضح کر دیا ہے۔ یعنی اے میرے آقا! میں نہ تو براہ راست خدا تک پہنچ سکتا ہوں اور نہ اُس سے ہمکلام ہو سکتا ہوں کیونکہ وہ پردے میں ہے بلکہ میں نے اُسے دیکھا نہ بھالا (اس لیے اس سے خطاب کروں تو کیسے؟) لیکن آپؐ تو میری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں یعنی آشکار ہیں، اس لیے خدا سے عرض کروں گا تو بالواسطہ اور آپؐ سے عرض کروں گا تو بلاواسطہ۔

نوٹ:۔ میں نے ایک دفعہ حضرت علامہؒ سے اس شعر کا مفہوم دریافت کیا تھا تو انہوں نے میرے سوال کے جواب میں ایک تقریر کی تھی جو میری ڈائری میں محفوظ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے کبھی مجھ کو ملفوظات اقبال شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی تو یہ تقریر اور دوسرے جواہرات تمام و کمال قرینے کے ساتھ سجا کر مشتریان علم کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس تقریر کے دوران میں انہوں نے یہ نکتہ بھی بیان کیا تھا کہ عقل تو کسی شخص کے دل میں خدا کی ہستی کا یقین نہیں پیدا کر سکتی۔ میں اگر خدا پر ایمان رکھتا ہوں تو محض اس لیے کہ میرے آقا اور مولیٰ یہ فرماتے ہیں کہ خدا موجود ہے۔ اس کے بعد

ان پر حسب معمول رقت طاری ہوگئی) اگر حضورؐ کا وجود نہ ہوتا تو ہم کہاں ہوتے؟ میرے لیے جو کچھ ہیں وہ حضور ہی ہیں۔ میرا دین، میرا ایمان، میری روح، میری جان سب کچھ آپؐ ہی ہیں۔اس کے بعد اپنا یہ شعر پڑھا:۔

قُوتِ قلب و جگر گردد نبیؐ
از خدا محبوب تر گردد نبیؐ

اس میں شک نہیں کہ اقبال کی ظاہری وضع وقطع کو دیکھ کر کوئی شخص یہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ شخص عشق رسولؐ میں سرتاپا غرق ہے لیکن کچھ مدت تک قریب سے دیکھنے کے بعد اس شعر کی کی صداقت آشکار ہو جاتی تھی:۔

بیا بمجلس اقبال و یک دو ساغر کش
اگرچہ سر نتراشد قلندری داند'' (133)

اس کے بعد چشتی صاحب ذاتی تجربے کی بناء پر اقبال کی شخصیت، فکر اور عمل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''راقم الحروف اپنے تجربہ کی بناء پر کہہ سکتا ہے کہ اقبال قلندری (عاشقی) سے خود بھی آگاہ تھے اور انہوں نے اس دور مادیت میں مغرب زدہ مسلمانوں کو بھی اس کے اسرار ورموز سے آشنا کیا۔اور ان کا یہ احسان اتنا عظیم الشان ہے کہ ملتِ اسلامیہ صدیوں تک اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکے گی۔وہ خود کہتے ہیں:۔

کیے ہیں فاش رموزِ قلندری میں نے
کہ فکرِ مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد'' (134)

چشتی صاحب کی یہ خوبی ہے کہ وہ شرح کے دوران شعر کا اصل مفہوم واضح کرنے کے لیے کوئی مستند حوالہ یا حوالہ جات ضرور پیش کرتے ہیں۔ غزل نمبر 25 کے درج ذیل شعر کی شرح ملاحظہ کریں۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم
دل بحق بند و کشادے ز سلاطیں مطلب کہ جبیں بر درِ ایں بتکدہ سودن نتواں (135)	دل کو خدا سے لگا اور بادشاہوں سے حاجات طلب نہ کر اس سے مشکلات کا حل نہ ڈھونڈ + کیونکہ پیشانی کو اس بت کدہ (سلاطین) کے دروازے پر گھسایا نہیں جا سکتا۔ یہ جبیں اللہ کے آگے جھکنے کے لیے ہے غیر اللہ کے آگے نہیں۔(136)

چشتی صاحب نے اس شعر کا مفہوم بیان کیا ہے اور پھر مزید وضاحت کے لیے چشتیہ سلسلہ کے بزرگانِ دین کا طرز عمل بیان کیا ہے اور پھر اقبال کے ایک شعر کے حوالے سے اپنی دی گئی توجیہ کو مستند بنا دیا ہے۔

غزل نمبر 26 کے درج ذیل شعر (نمبر 1) کی شرح ملاحظہ کریں۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم
ایں گنبدِ مینائی، ایں پستی و بالائی در شد بدلِ عاشق ، باایں ہمہ پہنائی (137)	یہ نیلا آسمان، یہ پستی، یہ بلندی یعنی ساری کائنات + اپنی ساری وسعتوں کے باوجود عاشق کے دل میں سما گئی (اللہ تعالیٰ کی اگر کہیں سمائی ہو سکتی ہے تو وہ صرف مومن کا دل ہے)۔ (138)

چشتی صاحب نے سب سے پہلے مندرجہ بالا شعر کا مطلب بیان کیا ہے۔اس کے بعد حضرت امام حسینؓ کے ارشادِ مبارک اور مرزا بیدلؔ کے شعر سے اس کی مزید وضاحت کی ہے اور پھر حتمی نتیجہ تحریر کر دیا۔چشتی صاحب کا طرزِ تحریر مدلل اور متاثر کن ہیں اور اس سے اصل متن کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''(ا) اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ عاشق کے دل میں اس قدر وسعت (پہنائی) پیدا ہو جاتی ہے کہ ساری کائنات (گنبد مینائی) اس میں سما سکتی ہے۔اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ واقعی کوئی شخص اس ساری کائنات کو اٹھا کر عاشق کے دل میں اس طرح رکھ دیتا ہے جس طرح ہم صندوقچہ میں زر و جواہر رکھ دیتے ہیں۔ بلکہ شاعرانہ اندازِ بیان ہے جو اس حقیقت کا مظہر کہ جب سالک (عاشق، سیر النفسی (دل کی سیر) شروع کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا بلکہ اس سے بھی زیادہ دل کے اندر موجود ہے چنانچہ امام حسینؓ نے اپنے فرزند کو بایں الفاظ وصیت فرمائی تھی۔

انّكَ جرمٌ صَغِيرٌ وَ فِيكَ عَالِمٌ كَبِيرٌ وَ فِكْرُكَ فِيكَ يَكْفِيكَ

اے بیٹے تو بظاہر ایک چھوٹا سا جسم ہے لیکن تیرے اندر ایک جہان پوشیدہ ہے اور اگر تو اپنے اندر (دل کی دنیا میں) غور و فکر کرے گا تو یہ سیر النفسی تیرے لیے بالکل کافی ہو گی۔اسی نکتہ کو خلاق المعانی مرزا بیدلؔ یوں لکھتے ہیں:۔

برونِ دل نتواں یافت ہر چہ خواہی یافت
کدام گنج کہ درخانہ خراب تو نیست

یعنی وہ کونسی دولت ہے جو تیرے دل میں مخفی نہیں ہے؟ پھر تو دُنیا والوں کی طرف کیوں دیکھتا ہے؟ بات یہ ہے کہ عرفا کے نزدیک باہر تو کچھ ہے ہی نہیں جو کچھ ہے اندر ہی۔ جسے دنیا والے دُنیا کہتے ہیں وہ انہی کے حواس خمسہ کے احساسات ہیں جنہیں وہ غلطی سے باہر سمجھتے ہیں۔محسوس کا وجود تو احساس پر موقوف ہے۔یعنی کوئی شخص ہستی کا مشاہدہ اپنے دل کی دنیا سے باہر ہو کر نہیں کرتا۔'' (139)

مندرجہ بالا تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ چشتی صاحب نے حصہ غزلیات کی بہت اچھے طریقے سے شرح کی ہے۔انہوں نے شرح میں قرآنی آیات، احادیث مبارکہ، اقوالِ صحابہ، فرموداتِ اولیاء، دیگر شعراء کے اشعار اور تاریخی حوالہ جات اور شخصیات کا تعارف بھی پیش کیا ہے۔ انہوں نے مشکل الفاظ و تراکیب، تلمیحات، اشارات اور کنایات کا مفہوم بیان کر کے فکرِ اقبالؒ تک رسائی ممکن بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔انہوں نے کوشش کی ہے کہ شرح میں توازن اور اعتدال قائم رہے اور ان کی ذاتی رائے کلام اقبال کے اصل مفہوم پر اثر انداز نہ ہو۔ اس سلسلہ میں انہوں نے نہایت احتیاط سے کام لیا ہے اور جا بجا مقامات پر مستند حوالہ جات پیش کیے ہیں اور اقبال کے ساتھ اپنی گفتگو کے حوالہ جات کی مدد سے بھی ضروری امور کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

ا

حصہ چہارم...... نقشِ فرنگ

(صفحہ نمبر 521 تا 623)

نقشِ فرنگ میں بھی چشتی صاحب نے شرح کے اصول مدنظر رکھے ہیں اور انہوں نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ کلام اقبال کا حقیقی مفہوم اچھی طرح واضح ہو جائے۔

مشکل الفاظ و معانی اور تراکیب کی تشریح

چشتی صاحب نے کلامِ اقبال کی تفہیم کے لیے مشکل الفاظ و تراکیب کے مفہوم و معانی واضح کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ تمام شرح پیامِ مشرق میں سے اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً

1- 'پیام' کی شرح کے دوران انہوں نے بہت اچھے انداز سے عقل اور عشق میں فرق بیان کیا ہے۔ انہوں نے تاثیر کے چار درجے تحریر کئے ہیں۔ اور مثالوں سے ان میں فرق بیان کر کے واضح کیا ہے کہ اعلیٰ درجے کی تاثیر عشق کی بدولت پیدا ہوتی ہے۔ چشتی صاحب لکھتے ہیں:

''نوٹ:۔ واضح ہو کہ تاثیر کے چار درجے ہیں:۔

(۱) تاثیر العکاسی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص عطر لگا کر محفل میں آئے اور اس کی خوشبو تمام اہل محفل کے دماغ کو معطر کر دے۔ یہ تاثر کا ادنیٰ درجہ ہے۔ کیونکہ اس خوشبو کا اثر اسی وقت تک ہے جب تک وہ شخص محفل میں بیٹھا رہے۔

(۲) تاثیر ابقائی۔ جیسے کوئی شخص بتی اور تیل کسی مٹی کے پیالہ میں ڈال کر لائے اور دوسرا شخص جس کے پاس آگ ہو۔ اُس بتی کو روشن کر دے۔ اس قسم کی تاثیر، موثر کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ لیکن دیرپا نہیں ہوتی۔ مثلاً ہوا کا ایک جھونکا اس چراغ کو گل کر سکتا ہے۔

(۳) تاثیر اصلاحی۔ مثلاً دریا یا کنوئیں کے پانی کو خزانہ میں جمع کریں، اور خزانے کی راہ کو حوض کے فوارے تک صاف کر کے خوب زور سے اس میں پانی چھوڑیں، تاکہ فوارہ بہت زور سے اُبلنے لگے۔ یہ تاثیر پہلی دونوں صورتوں سے زیادہ قوی ہے۔ لیکن اگر خزانہ میں کمی ہو جائے تو فوارہ کے جوش میں بھی کمی ہو جائے گی۔

(۴) تاثیر اتحادی۔ پہلی تین مثالوں میں مستفید بہر حال منبعِ فیض کا محتاج ہے لیکن اس صورت میں یہ ہوتا ہے کہ مؤثر، منبعِ فیض کو مستفید کے حوالہ کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مستفید سے بار بار استفادہ کی حاجت نہیں رہتی۔

عشق یہی چوتھی صورت اختیار کرتا ہے یعنی منبعِ فیض (برق) کو مستفید کے حوالہ کر دیتا ہے۔ تاثیر کا یہ آخری اور اکمل درجہ ہے اور صرف عشق کی بدولت حاصل ہو سکتا ہے۔ عقل بے چاری اس مقام تک کہاں پہنچ سکتی ہے! وہ تو خود حواس خمسہ کی محتاج ہے۔ اور جو خود محتاج ہو، وہ دوسروں کو کیا دے سکتا ہے؟'' (140)

نظمِ 'پیام' کے تیسرے بند کی شرح میں اہلِ یورپ کی عقل پرستی اور مادہ پرستی پر تنقید کے حوالے سے چشتی صاحب نے بائبل کا حوالہ دیا ہے۔ اس حوالہ سے ایک تو چشتی صاحب کی وسعتِ علمی ظاہر ہوتی ہے اور دوسرا تفہیم متن میں بھی مدد ملتی ہے۔ اقبالؒ نے اس بند میں یورپ کی عقل پرستی اور الحاد پرور تہذیب پر تنقید کی ہے۔ اس لیے چشتی صاحب نے بائبل سے حوالہ دے کر متن کا مفہوم مزید واضح کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اس لیے بائبل نے بنی آدم کو اس حقیقت سے مطلع کر دیا کہ ''خداوند کا خوف، دانائی کا آغاز ہے۔'' لیکن افسوس کہ اہلِ یورپ نے اس پاکیزہ روحانی تعلیم کو صدیوں سے پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور مدتوں سے زر پرستی کو اپنا شیوہ حیات بنا لیا ہے۔'' (141)

'پیام' کے چوتھے بند کی شرح میں چشتی صاحب نے 'عقلِ خود بیں' اور 'عقل جہاں بیں' کی اصطلاحات کا مفہوم واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> واضح ہو کہ عقلِ خود بیں اور عقل جہاں بیں، اقبال کی وضع کردہ اصطلاحیں ہیں۔ اوّل الذکر سے ان کی مراد وہ عقل ہے جو حواسِ خمسہ پر مبنی ہے۔ اور اس لیے محدود اور ناقص ہے۔ اسی کو منطقی اصطلاح میں قوت مدرکہ کہتے ہیں۔ لفظ خود بیں سے اُن کی مراد متکبر نہیں ہے۔ بلکہ محدود ہے۔ اسی کو انہوں نے ''جُز بین'' سے بھی تعبیر کیا ہے۔ آخر الذکر سے اُن کی مراد وہ عقل ہے جو ادب خوردۂ دل'' ہے۔ جو ''کُل'' کو دیکھ سکتی ہے، یعنی عشق۔ ان دونوں اصطلاحوں کو انہوں نے اس شعر میں واضح دیا ہے:۔
>
> عقل ہم عشق است و ز ذوقِ نظر بے گانہ نیست
> لیکن ایں بے چارہ راآں جراتِ رہذانہ نیست

نوٹ:۔ مندرجہ بالا شعر زبورِ عجم کے صفحہ نمبر 26 (کلیاتِ اقبال فارسی صفحہ نمبر 418) پر درج ہے۔ چشتی صاحب نے یہ شعر درست تحریر نہیں کیا ہے۔ درست شعر اس طرح ہے:

> عقل ہم عشق است و از ذوقِ نگہ بیگانہ نیست
> لیکن ایں بیچارہ را آں جرأتِ رندانہ نیست (142)

پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 201 پر 'نیٹشا' کے تیسرے شعر میں اقبالؒ نے نیٹشا کے بارے میں لکھا ہے ع

> قلبِ او مومن دماغش کافر است

چشتی صاحب نے اس مصرع کی شرح کے دوران فکرِ اقبال کے حقیقی منبع (ارشادِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نشاندہی کی ہے اور اس قول کا پس منظر بیان کیا ہے۔ چشتی صاحب لکھتے ہیں:

> ''امیہ ابن الصلت حضورِ سرورِ کائنات صلعم کا ہمعصر تھا اور اس کی شاعری سے یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ وہ بت پرستی اور دوسری اخلاقی بُرائیوں سے نفور تھا۔ لیکن جب حضورؐ نے دعوائے نبوت کیا تو اُسے حضورؐ پر ایمان لانے کی توفیق حاصل نہ ہو سکی۔ اس لیے حضورؐ نے فرمایا کہ ''اس کی زبان مومن تھی لیکن اس کا دل کافر تھا۔'' اقبالؔ نے حضورؐ کے اس ارشاد کو بدل کر نیٹشا پر منطبق کیا ہے۔ کیونکہ وہ بھی بعض اُن اخلاقی اُصولوں کی تعلیم دیتا ہے جو اسلامی زاویۂ نگاہ سے محمود ہیں۔ لیکن جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ وہ خدا کا منکر ہے۔(143)

'حکیم آئن سٹائن' کی شرح میں چشتی صاحب نے 'تمہید' میں وضاحت کی ہے کہ اقبال نے اس نظم میں آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کو شاعری کے لباس میں پیش کیا ہے۔ نظریۂ اضافیت آسانی سے سمجھ نہیں آتا۔ اقبال نے اسے رمز وایما کے پردوں میں اور پوشیدہ کر دیا ہے۔ نظریہ اضافیت کو سمجھنے کے لیے اعلیٰ ریاضی کے علاوہ طبیعات سے اچھی واقفیت درکار ہے۔ چونکہ میں ان دونوں فنون سے ناواقف ہوں اس لیے میں اسے ڈاکٹر رضی الدین کے رسالہ میں دی گئی نظریۂ اضافیت کی تشریح کی مدد سے اس نظریہ کے مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کروں گا۔

چشتی صاحب کی علمی دیانت کا ثبوت ہے کہ انہوں نے ریاضی اور طبیعات کے علوم میں اپنی کم مائیگی کا اعتراف کیا۔ اگر وہ چاہتے تو دیگر مترجمین اور شارحین کی طرح اس نظم کا مختصر سا مفہوم بیان کر کے آگے چل دیتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ یہ ان کے خلوص اور علمی دیانت کے منافی تھا۔ اس کے لیے انہوں نے ڈاکٹر رضی الدین کے تصنیف کردہ رسالے کا تفصیلی مطالعہ کیا اور قریباً چار صفحات (صفحہ نمبر 564 تا صفحہ 567) پر نظریہ اضافیت کے بارے میں چودہ اہم نکات تحریر کیے اور اس کے بعد اس نظم کا مطلب تحریر کیا۔

چشتی صاحب کا اسلوب شرح یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے کسی نظم، غزل یا رباعی کے مشکل الفاظ وتراکیب کا مفہوم واضح کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی اصطلاحات کی وضاحت کرتے ہیں، رمز وایما کے پردے ہٹاتے ہیں اور ضروری پس منظر بیان کرتے ہیں۔ مستند ذرائع اور حوالوں کی مدد سے وضاحت طلب امور کی وضاحت کرتے ہیں اور اس کے بعد اس نظم، غزل، رباعی یا شعر کا مطلب بیان کرتے ہیں۔

محاورات، اشارات، کنایات، تلمیحات اور اصطلاحات کی تشریح

چشتی صاحب نے دیگر شروح کی طرح پیام مشرق کی شرح میں اور اسی طرح پیام مشرق کے حصہ 'نقشِ فرنگ' کی شرح میں اکثر مقامات پر محاورات، اشارات، کنایات، تلمیحات اور اصطلاحات کی تشریح کی ہے۔ اس ضمن میں 'پیام'، 'جمعیۃ الاقوام' اور 'خطاب بہ گلستان' کی شرح میں سے کنایات کی وضاحت ملاحظہ کریں۔

چشتی صاحب 'پیام' کے چوتھے بند کی شرح میں لکھتے ہیں:

> ''دانۂ افتادہ برخاک'' کنایہ ہے پستی اور مادیات سے۔ اور ''دانۂ پرویں'' کنایہ ہے بلندی اور رُوحانیت سے۔ جس طرح بلبل اپنے بازوؤں کی مدد سے صرف زمین پر گرے پڑے دانے چُگ سکتی ہے۔ لیکن شاہین فضائے آسمانی میں پرواز کر سکتا ہے۔ اسی طرح فلسفی صرف مادیات میں بحث کر سکتا ہے۔ اس کی عقل صرف اعراض و اوصاف کو سمجھ سکتی ہے۔ لیکن عاشق کی نظر اعراض سے گزر کر ضمیر کائنات کو دیکھ سکتی ہے۔ یعنی حقیقتِ اشیاء سے آگاہ ہو سکتی ہے۔'' (144)

چشتی صاحب 'نظم پیام' کے ہی پانچویں بند کی شرح میں لکھتے ہیں:

> ''(ا) خلوت کدۂ عشق کنایہ ہے ذاتِ مطلق سے۔'' (145)

> ''عیاں باختن کنایہ ہے اس حقیقت سے کہ عاشق خدا کے لیے دُنیا کو ترک کر دیتا ہے۔ نہاں بُرون کنایہ ہے اس حقیقت سے کہ جب وہ خدا کے لیے دُنیا ترک کر دیتا ہے، تو خدا اس سے خوش ہو کر اس دُنیا کو اس کے قدموں میں ڈال دیتا ہے۔ یعنی عاشق بظاہر بازی ہار جاتا ہے۔ (دُنیا ترک کر دیتا ہے) مگر دراصل بازی جیت جاتا ہے

(دُنیا اس کے قدموں میں آ جاتی ہے)

(۳) جب عاشق، عشق کی بدولت، حقیقی زندگی حاصل کر لیتا ہے، تو وہ اطمینانِ قلب کے ساتھ اس کائنات کا مطالعہ کرتا رہتا ہے۔ جوئے رواں کنایہ ہے زندگی سے۔ اور خیمہ برافراختن کنایہ ہے تمکین و وجاہت سے، جو عشق کا ثمرہ ہے۔" (146)

چشتی صاحب 'نظم پیام' کے آٹھویں بند کی شرح میں لکھتے ہیں:

"(۳) کوہ کنایہ ہے ملوکیت سے اور کاہ کنایہ ہے مزدور طبقہ سے۔ مطلب واضح ہے کہ وہ زمانہ آنے والا ہے اور جلد آنے والا ہے، جب ملوکیت دنیا میں ذلیل ہو جائے گی۔ اور جمہوریہ (عوام) کو عروج حاصل ہوگا۔" (147)

نظم 'جمعیۃ الاقوام' کی شرح میں چشتی صاحب لکھتے ہیں:

"برافتادن بمعنی مغلوب شدن، یہاں مراد ہے ختم شدن۔ دردمنداں جہاں، کنایہ ہے اُن اقوام سے جو بنی نوع آدم کی بہبود کی مدعی ہیں۔ مثلاً روس، امریکہ، فرانس، جرمنی، اطالیہ۔" (148)

نظم 'خطاب بہ انگلستان' چار اشعار پر مشتمل ہے۔ چشتی صاحب نے نہایت اچھے طریقے سے اس نظم کے کنایات اور نظم کا حقیقی مفہوم واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مشرقی کنایہ ہے ہندوستان کے باشندوں سے، بادہ کنایہ ہے جذبۂ آزادی سے، مینائے فرنگ کنایہ ہے انگریزی سیاست سے۔ تو بہ شکستن کنایہ ہے طلب آزادی سے، کہتے ہیں کہ چونکہ ہندیوں کو انگریزوں نے مغربی سیاست کے اور طریقے سکھا دئے ہیں۔ اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اگر وہ اب آزادی کے طلب گار نظر آتے ہیں۔

(۲) فکرِ نوزادہ کنایہ ہے سیاسی شعور یا بیداری سے، جو ہندوؤں میں انیسویں صدی کے آخر میں پیدا ہوئی، شیوۂ تدبیر کنایہ ہے، حقوق طلبی کے مختلف طریقوں سے، بندۂ تقدیر پرست، کنایہ ہے باشندگانِ ہندوستان سے جو تقدیر پرستی کے لیے چار وانگ عالم میں مشہور ہیں اور جب تک جہالت کا عفریت ان پر مسلط رہے گا اسی ذہنی پستی میں مبتلا رہیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ اس شعور کی بدولت ہندیوں میں حصول آزادی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

(۳) ساقیا کنایہ ہے انگریزوں سے، سنگدل کنایہ ہے ۱۹۱۹ء کے مارشل لاء اور ۱۹۲۱ء کے تشدد آمیز رویہ سے، شورشِ مستاں، کنایہ ہے ہندوؤں اور علی الخصوص مسلمانوں کی ہنگامہ آرائیوں سے۔" (149)

فلاسفہ، ادبا، حکما، مختلف اداروں اور تحریکات کا تعارف

چشتی صاحب نے شرح کے دوران نفسِ مضمون کی نوعیت اور تقاضوں کے پیشِ نظر فلاسفہ، ادبا، حکما، مختلف اداروں اور تحریکات کا واضح اور مفصل انداز سے تعارف کرایا ہے۔ اکثر مقامات پر انہوں نے شرح کے دوران

کنایات واشارات کی وضاحت اور فلاسفہ وادبا کے تعارف کے بعد متعلقہ کلام کا مطلب یا مفہوم دیا ہے۔ مثلاً

1- جمعیت الاقوام کی شرح میں (صفحہ نمبر 534 تا صفحہ نمبر 536 پر) انہوں نے اس نظم کا تاریخ وسیاسی پس منظر بیان کیا ہے۔ 'جمعیت الاقوام' اور اقوام متحدہ کا تعارف پیش کیا ہے اور مغرب کی چالاک وعیار اور باطل پرست اقوام کی مکاریوں کو بے نقاب کیا ہے۔

2- 'شوپن ہار اور نیٹشا' کی شرح میں (صفحہ نمبر 536 تا صفحہ نمبر 544 پر) شوپن ہار اور نیٹشا کے حالات زندگی، ان کے افکار اور فلسفہ پر جامع اور مفصل نوٹ تحریر کیا ہے اور اس کے بعد اس نظم کا مفہوم واضح کیا ہے۔

3- 'صحبتِ رفتگان' کی شرح میں (صفحہ نمبر 546 تا صفحہ نمبر 555 پر) ٹالسٹائے، کارل مارکس، ہیگل، مزدک اور کوہکن پر جامع اور مفصل نوٹ تحریر کیے ہیں اور اس کے بعد اس تمثیلی نظم کا مطلب بیان کیا ہے۔ حکما کے تعارف کے بعد نظم کا مطلب سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔

4- 'نیٹشا' دو اشعار پر مبنی مختصر ترین نظم ہے۔ چشتی صاحب نے قریباً چار صفحات پر اس کی شرح تحریر کی ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے خوبصورت انداز سے نظم کا تعارف کرایا ہے اور اس کی تفہیم کے لیے 'نیٹشے' کی تین تصانیف کے مطالعہ کی ضرورت بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اقبالؔ نے دو شعروں کی اس نظم میں اپنے شاعرانہ فن اور اپنی فکرِ رسا ان دونوں کا کمال دکھایا ہے۔ یعنی چوتھے مصرع میں نیٹشا کے تمام بنیادی تصورات کا عطر کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ اس لیے اس مختصر ترین نظم کو سمجھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے کم از کم اس کی تین تصانیف سے واقفیت ضروری ہے:۔
>
> (۱) نسب نامۂ اخلاق۔
>
> (۲) ماورائے خیر وشر۔
>
> (۳) بقول زرتشت۔'' (150)

اس کے بعد انہوں نے قارئین کی سہولت کے لیے مندرجہ (مجوزہ) بالا کتابوں کے بنیادی تصورات (دس نکات کی صورت میں) تحریر کیے ہیں تاکہ چوتھے مصرع کا مفہوم واضح ہو سکے۔ انہوں نے نیٹشے کی کتاب 'بقولِ زرتشت' سے چند فقرے بھی تحریر کیے ہیں۔

نیٹشے کی کتابوں کے بنیادی تصورات تحریر کرتے ہوئے چشتی صاحب نے نیٹشے اور اقبال کے افکار میں فرق بھی بیان کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اندریں الفاظ اس نظم کا مفہوم درج کیا ہے۔ فارسی نظم اور اس کا منثور اردو ترجمہ ساتھ دیا جا رہا ہے تاکہ چشتی صاحب کی شرح سے صحیح طور پر لطف اندوز ہوا جا سکے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم
از سستی عناصر انساں دلش تپید فکر حکیم پیکر محکم تر آفرید	اس کا یعنی نیٹشا کا دل انسان کے عناصر کی سستی پر تڑپ اٹھا انسان کی کمزوری پر اس حکیم کے دل میں انسان کے لیے ہمدردی پیدا ہوگئی اور اس نے اس کے پیکر کو زیادہ مضبوط بنایا (یہ کہہ کر کہ انسان ہی سب کچھ ہے اسے فوق البشر بن کر کائنات کی ہر شے پر حکمرانی کرنی چاہیے)۔

افگند در فرنگ صد آشوب تازۂ
دیوانۂ بکارگہ شیشہ گر رسید!
(151)

نٹشے نے یورپ میں (اپنے گمراہ کن افکار سے) سینکڑوں نئے فتنے پیدا کر دیے (یوں سمجھیں کہ) کوئی دیوانہ شیشہ بنانے والے کے کارخانے میں گھس گیا ہے جس کے نتیجے میں وہاں کی کوئی شے بھی سلامت نہیں رہ سکتی۔ (152)

چشتی صاحب ضروری تصریحات اور نیٹشے کے بنیادی افکار تحریر کرنے کے بعد ان الفاظ میں نظم 'نیٹشا' کا مفہوم درج کرتے ہیں:

''ناظرین مذکورہ بالا تصریحات اور بنیادی افکار کو مدِ نظر رکھ کر بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ نیٹشے کے ان خیالات نے اہلِ مغرب کے دماغوں میں وہی ہنگامہ برپا کر دیا ہوگا جو چینی کے برتنوں کی دوکان میں ایک دیوانہ کے داخل ہو جانے سے برپا ہو جائے گا۔ اب نظم کا مطلب لکھتا ہوں:۔

اقبال کہتے ہیں کہ جب نیٹشے نے انسان کی کمزوری پر نظر کی تو اس کے دل میں ہمدردی کا شدید جذبہ پیدا ہو گیا۔ اس لیے اس نے بنی آدم کے سامنے فوق البشر کا تخیل پیش کیا۔ یعنی ان سے کہا کہ اپنی خودی کو مستحکم کر کے کائنات پر حکمران ہو جاؤ۔

اس کے افکار نے اہلِ یورپ کے دماغوں میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ اس کا فلسفہ کیا تھا؟ بس یہ سمجھو کہ ایک دیوانہ کانچ کے برتنوں کے کارخانہ میں جا گھسا۔ جس طرح دیوانے کے ہاتھ سے کوئی برتن سلامت نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح نیٹشے نے یورپین تہذیب کے تمام اصولوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔'' (153)

چشتی صاحب کا اسلوبِ شرح نہایت واضح اور قابلِ تعریف ہے۔ انہوں نے نہایت محنت اور لگن سے یہ شرح تحریر کی ہے۔ تمام شروح میں، پیامِ مشرق کی شرح میں اور نقشِ فرنگ میں انہوں نے یہی اسلوبِ شرح برقرار رکھا ہے۔

-5 چشتی صاحب نے اپنی شرح میں صفحہ نمبر 562 تا صفحہ نمبر 568 پر آئن سٹائن اور اس کے نظریہ اضافیت، صفحہ نمبر 570 پر زرتشت، صفحہ نمبر 570 تا صفحہ نمبر 572 پر بائرن اور اس کی شاعرانہ خصوصیات، صفحہ نمبر 575 تا صفحہ نمبر 578 پر ہیگل کا فلسفہ اور اس کی الجھنیں، صفحہ نمبر 580 تا صفحہ نمبر 581 پر پٹوفی کے حالاتِ زندگی اور افکار، صفحہ نمبر 582 تا صفحہ نمبر 583 پر آگستے کانگٹ کے حالاتِ زندگی اور افکار، صفحہ نمبر 586 پر ہیگل کا فلسفہ، صفحہ نمبر 588 تا صفحہ نمبر 590 پر ہنری برگساں کے مختصر حالاتِ زندگی اور افکار، صفحہ نمبر 593 تا صفحہ نمبر 594 پر لینن اور قیصر ولیم کا تعارف، صفحہ نمبر 596 تا صفحہ نمبر 602 پر کانٹ، لاک اور برگساں کا تعارف اور ان کے افکار پیش کیے ہیں۔ نظم 'حکماء' صرف تین اشعار پر مشتمل ہے ان تین اشعار کی وضاحت کے لیے چشتی صاحب نے سات (7) صفحات تحریر کیے ہیں۔ یہ ان کے خلوص، لگن اور علمی دیانت کا واضح ثبوت ہے۔

اسی طرح نظم 'شعرا' چار اشعار پر مشتمل ہے۔ چشتی صاحب نے اس کی شرح قریباً دس (10) صفحات پر تحریر کی ہے۔ انہوں نے برونگ، بائرن، غالب اور رومی کے حالات اور افکار بیان کیے ہیں۔ اس کے

بعد انہوں نے ان افکار کی روشنی میں نظم 'شعرا' کے اشعار کی تشریح کی ہے۔
نظم 'خطاب بہ انگلستان' کی شرح کی ابتداء میں چشتی صاحب نے سب سے پہلے نظم کا تاریخی پس منظر پیش کیا ہے اور اس کے بعد اس کا مطلب تحریر کیا ہے۔

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ چشتی صاحب نے شرح کے تقاضے نبھانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ بعض ناقدین ان کی شرح کی طوالت پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ طوالت بے جا نہیں ہے۔ انہوں نے شرح کے تقاضے پورے کرنے کے لیے حکماء، ادبا، شخصیات کا تعارف پیش کیا ہے۔ ضروری محسوس ہوا تو تاریخی اور سیاسی حوالہ جات بھی پیش کیے ہیں۔ تلمیحات و کنایات کی شرح پیش کی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے زیرِ مطالعہ کلام کا مطلب اور مفہوم پیش کیا ہے۔ ضروری تصریحات و توضیحات کے بعد مطلب اور مفہوم واضح ہو گیا ہے۔ چشتی صاحب کی یہ علمی کوشش قابلِ تحسین ہے۔

مطالعہ کے لیے موزوں مآخذات/کتب کی نشاندہی

چشتی صاحب وسیع المطالعہ، عالم، محقق اور نقاد تھے۔ انہوں نے پیامِ مشرق کی شرح میں ضروری توضیحات تصریحات اور حوالہ جات دیے ہیں۔ اس قدر وضاحت کے بعد کوئی تشنگی محسوس نہیں ہوتی۔ پھر بھی انہوں نے ذوقِ مطالعہ رکھنے والے افراد کے لیے اور محققین و ناقدین کی سہولت کے لیے موضوع کے حوالے سے مزید مطالعہ کے لیے موزوں مآخذات کی نشاندہی کی ہے۔ شرح پیامِ مشرق میں کئی مقامات پر ایسے حوالہ جات نظر آتے ہیں۔ مثلاً

1- صفحہ نمبر 540 پر چشتی صاحب لکھتے ہیں:

> ''(ز) اس فوق البشر کے تصور کو اس نے اپنی غیر فانی تصنیف ''بقول زرتشت'' میں پُوری وضاحت سے بیان کیا ہے۔ نطشہ کے افکار سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔'' (154)

2- صفحہ نمبر 552 پر وہ لکھتے ہیں:

> ''(۴) ہیگل کو کسی حد تک سمجھنے کے لیے اس کی منطقِ صغیر اور منطقِ کبیر کا مطالعہ شرط اولین ہے۔ اور منطق سے اس کی مُراد، مابعد الطبیعات ہے۔'' (155)

3- صفحہ نمبر 554 پر وہ لکھتے ہیں:

> ''تفصیلی حالات کے لیے سائکلو پیڈیا آف اسلام جلد سوم صفحہ ۴۳۰ تا ۴۳۲ کا مطالعہ کافی ہوگا۔'' (156)

4- صفحہ نمبر 558 پر وہ لکھتے ہیں:

> ''اقبالؔ نے دو شعروں کی اس نظم میں اپنے شاعرانہ فن اور اپنی فکرِ رسا ان دونوں کا کمال دکھایا ہے۔ یعنی چوتھے مصرع میں نیٹشا کے تمام بنیادی تصورات کا عطر کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ اس لیے اس مختصر ترین نظم کو سمجھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے کم از کم اس کی تین تصانیف سے واقفیت ضروری ہے:۔
>
> (۱) نسب نامۂ اخلاق۔
>
> (۲) ماورائے خیر و شر۔

(۳) بقول زرتشت۔"(157)

5- صفحہ نمبر 588 پر وہ برگساں کے فلسفہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس کا فلسفہ سمجھنے کے لیے حسب ذیل کتب کا مطالعہ لازمی ہے:۔

(۱) ٹائم اینڈ فری وِل (زمان اور اختیار)

(۲) میٹر اینڈ میموری (مادہ اور شعور)

(۳) تخلیقی ارتقاء

(۴) اخلاق اور مذہب کے دو مآخذ۔

ان تصانیف میں اُس نے حسب ذیل مسائل پر اظہار خیالات کیا ہے:۔

عقل اور وجدان اور ان کا باہمی تعلق، مابعد الطبیعاتی مسائل (رُوح، مادہ، جبر و اختیار، ارتقا، تغیر، جوش نمود، فکر اور شعور، ابدیتِ روح، اخلاق اور مذہب، حیات اور شخصیت۔(158)

6- صفحہ نمبر 591 پر وہ لکھتے ہیں:

"یورپ میں لادینی افکار کا سبب چونکہ بہت تفصیل طلب ہے اس لیے اقبال نے مصلحتاً سکوت اختیار کیا۔ جب تک یورپ کی بارہ سو سال کی تاریخ پیشِ نظر نہ ہو، ایک طالب علم یہ نہیں سمجھ سکتا کہ سترھویں صدی سے یورپ میں الحاد اور بے دینی کی حکومت کیونکر قائم ہوگئی۔ اس موضوع پر ڈاکٹر ڈریپر کی عالمانہ تصنیف موسومہ "یورپ کے ذہنی ارتقاء کی تاریخ" کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔"(159)

اضافی مطالعہ کے لیے مآخذات کی نشاندہی کرنا بھی چشتی صاحب کی علم دوستی اور علمی دیانت کا ثبوت ہیں۔ ان کی یہ کوشش قابلِ تحسین ہے۔ پیامِ مشرق کی کسی اور شرح میں ان کا سا اندازِ شرح نظر نہیں آتا۔ زیادہ تر شارحین موضوع کو اس طرح چھو کر گزر جاتے ہیں جیسے پرندہ پانی کی سطح کو چھو کر اڑ جائے اور اس کے پر تک بھی نہ بھیگیں۔ چشتی صاحب غوطہ زنی کے قائل تھے۔ وہ گہرائیوں کے غواص تھے اور ہر معاملہ کی گہرائی میں اترنے اور لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔

اشعار کے حوالے

چشتی صاحب نے شرح کے دوران تفہیمِ متن کے لیے، موضوع کی مناسبت سے، اقبال اور دیگر شعرا کے اشعار دیے ہیں۔ بعض مقامات پر انہوں نے شاعر کا نام دیا ہے اور بعض مقامات پر ذکر نہیں کیا کہ یہ شعر کس شاعر کا ہے۔ اس طرح انہوں نے اکثر مقامات پر بطور حوالہ دیے گئے فارسی اشعار کا ترجمہ نہیں دیا، جس سے تفہیمِ متن میں دشواری پیش آتی ہے۔ مثلاً حصہ نقشِ فرنگ کی نظم 'پیام' کی شرح میں انہوں نے صفحہ نمبر 527 پر درج ذیل تین اشعار اور صفحہ نمبر 529 پر چوتھا شعر دیا ہے مگر ان کے حوالہ جات نہیں دیے۔

(1) عقل ہم عشق است و ز ذوقِ نظر بے گانہ نیست
لیکن ایں بے چارہ را آں جراتِ رندانہ نیست

(2) عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام

اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

(3) عشق بسر کشیدن است شیشہ کائنات را
جامِ جہاں نما مجو ، دست جہاں کشا طلب

(4) بود و نبود ماست ز یک شعلۂ حیات
از لذّتِ خودی چو شرر پارہ پارہ ایم

مندرجہ بالا چار میں سے تین اشعار فارسی کے ہیں۔ان کا ترجمہ نہیں دیا گیا۔ان چاروں اشعار کے حوالہ جات بھی نہیں دیے گئے۔

شعر نمبر 1 زبورِ عجم سے لیا گیا ہے۔یہ زبورِ عجم کے صفحہ نمبر 26 (کلیات اقبال فارسی کے صفحہ نمبر 418) پر ہے۔شرح پیامِ مشرق میں درج اس شعر کا متن درست نہیں ہے۔درست متن یہ ہے:

عقل ہم عشق است و از ذوقِ نگہ بیگانہ نیست
لیکن ایں بیچارہ را آں جرأتِ رندانہ نیست (160)

اس شعر کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''عقل بھی عشق کی مانند ہے اور وہ ذوقِ نظر سے انجان نہیں ہے۔لیکن اس بے چاری کے پاس وہ ہمت و دلیری نہیں ہے جو عشق کو حاصل ہے۔''(161)

شعر نمبر 2 بالِ جبریل کی غزل نمبر 14 کا ہے۔یہ بالِ جبریل میں صفحہ نمبر 18 (کلیاتِ اقبال اردو کے صفحہ نمبر 310) پر درج ہے۔شرح پیام مشرق میں دیا گیا متن عین درست ہے۔

شعر نمبر 3 زبور عجم حصہ دوم سے ہے۔یہ زبور عجم کے صفحہ نمبر 115 (کلیات اقبال فارسی کے صفحہ نمبر 507) پر درج ہے۔شرح پیامِ مشرق میں لکھے گئے اس شعر کا متن کلیاتِ اقبال فارسی کے مطابق عین درست ہے۔اس شعر کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''عشق کائنات کی صراحی پی جانے کا نام ہے۔جامِ جہاں تلاش نہ کر بلکہ جہان کو فتح کرنے والا ہاتھ طلب کر۔''(162)

شعر نمبر 4 کا متن بھی درست ہے۔یہ پیام مشرق کی غزل نمبر 39 کا دوسرا شعر ہے۔یہ شعر پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 178 (کلیاتِ اقبال فارسی کے صفحہ نمبر 348) پر درج ہے۔اس شعر کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''ہمارا ہونا (ہستی) اور ہمارا نہ ہونا (نیستی) زندگی کے ایک شعلہ پر موقوف ہے+ ہم خودی کی لذت سے شرر کی مانند پارہ پارہ (یا منتشر) ہیں (ہم سب کی حقیقت صرف ایک ہے یہاں ہم اپنی پہچان کی لذت کی بنا پر جدا جدا نظر آتے ہیں)۔''(163)

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ

1- چشتی صاحب نے تفہیم متن کے لیے اقبال اور دیگر شعرا کے اشعار دیے ہیں مگر ان کے حوالہ جات نہیں دیے۔

2- شرح پیامِ مشرق میں اقبال اور دیگر شعرا کے اشعار کا متن زیادہ تر درست ہے، تاہم چند ایک مقامات پر متنی اغلاط بھی نظر آتی ہیں۔

3- چشتی صاحب نے وضاحت کے لیے دیے گئے فارسی اشعار کا ترجمہ نہیں دیا جس سے عام قارئین ان اشعار کے مفہوم سے لاعلم ہونے کی وجہ سے استفادہ نہیں کر پاتے۔

4- مجموعی طور پر چشتی صاحب کی یہ اچھی کوشش ہے کہ انہوں نے کلام اقبال کی شرح کے لیے اقبال اور دیگر شعرا کے اشعار دیے ہیں۔ اس سے ان کی علمی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی اس کوشش سے شرح مزید دلچسپ اور قابلِ فہم ہو گئی ہے۔

حصہ پنجم...... خُردہ

(صفحہ نمبر 624 تا 632)

حصہ 'خردہ' میں اقبال نے اہم نکات بیان کیے ہیں۔ خردہ نمبر 1، 4، 5، 9، 10، 11 اور 16 دو، دو اشعار پر مشتمل ہیں دیگر، ایک، ایک شعر پر مشتمل ہیں۔

چشتی صاحب نے اس حصہ میں شامل کلام کی بھی اچھے انداز سے شرح کی ہے۔ خردہ نمبر 1، اس کا منثور اردو ترجمہ اور شرح ملاحظہ کریں۔

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم	اصل متن از پیامِ مشرق
ہمارا ہر ذرہ پیچ و تاب کھا رہا ہے + ہمارے ہر سانس کے اندر ایک قیامت چھپی ہوئی ہے مراد ہے انسانی زندگی مخالف حالات کے خلاف مسلسل جدوجہد کرنے کا نام ہے۔	می خورد ہر ذرہ ما پیچ و تاب محشرے در ہر دمِ ما مضمر است
خضر نے بحرِ ظلمات میں (جہاں سکندر خضر کی راہنمائی میں آب حیات پی کر ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے گیا تھا) سکندر سے کہا (کہ پانی پینے سے پہلے سوچ لے کہ) موت ضرور مشکل ہے یعنی آدمی مرنا نہیں چاہتا لیکن زندگی اس سے زیادہ مشکل ہے (زندہ رہنے کے لیے سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ ہر قدم پر دشواریوں کا سامنا ہے۔ سکون و آرام کہیں نہیں ہے۔(165)	با سکندر خضر در ظلمات گفت مرگِ مشکل ، زندگی مشکل تر است (164)

چشتی صاحب نے نہایت واضح اور دلچسپ انداز سے مندرجہ بالا اشعار کی شرح تحریر کی ہے۔ چشتی صاحب لکھتے ہیں:

> ''سکندر سے طالبِ زندگی اور خضر سے دانائے رموزِ زندگی مراد ہے اور زندگی سے کامیاب زندگی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کے لیے حیوانوں کی سی بے مقصد زندگی بسر کرنی تو آسان ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی زندگی کا کوئی مقصد معین کرتا ہے تو اس مقصد کا حصول بہت دشوار ہے کیونکہ دنیا میں ہر وقت ایسے حالات رُونما ہوتے رہتے ہیں جو حصول مقصد کو دشوار بنا دیتے ہیں۔ چوتھے مصرع میں اقبال نے لفظ مشکل دو جگہ استعمال کیا ہے۔ لیکن دونوں جگہ مفہوم مختلف ہے مرگ مشکل است۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی بہت مشکل سے مرنے پر راضی ہو سکتا ہے۔ حتی المقدور موت کو رفع کرتا ہے۔ مرتا تو ہے مگر بڑی مشکل سے۔ یعنی اس وقت مرتا ہے جب زندگی کی کوئی صورت اس کے اختیار میں نہیں رہتی۔
>
> زندگی مشکل تر است۔ یہاں مشکل سے مراد یہ ہے اور اسی میں ان کا بنیادی

تصور پوشیدہ ہے کہ دنیا میں کامیابی حاصل کرنا یا کامیاب زندگی بسر کرنا بہت مشکل ہے کامیابی حاصل کرنے کے لیے انسان کو ہر قدم پر دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے چوتھا مصرع اس قطعہ کی جان ہے جس میں وہ یہی بتانا چاہتے ہیں کہ کامیابی بہت مشکل سے حاصل ہوتی ہے اس مصرع کی خوبی اس کے اندازِ بیان میں مضمر ہے۔" (166)

خردہ نمبر 11 کی شرح میں چشتی صاحب نے نہایت اچھے طریقے سے کنایات کے پردے ہٹا کر قطعہ کا مفہوم واضح کیا ہے۔ شرح کے آخر پر خلاصۂ کلام کی شکل میں رباعی کا حقیقی مفہوم واضح کر دیا ہے۔ آخر پر ایک فارسی شعر بھی دیا ہے مگر اس کا ترجمہ اور حوالہ نہیں دیا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید
در جہاں مانندِ جوے کوہسار از نشیب و ہم فراز آگاہ شو یا مثالِ سیلِ بے زنہار خیز فارغ از پست و بلندِ راہ شو	یا دنیا میں پہاڑ کی ندی کی مانند، (راستہ کے) سارے نشیب و فراز سے آگاہ رہ۔ اور یا پُر جوش سیلاب کی مانند اُٹھ اور راستے کے پست و بلند سے بے نیاز ہو جا۔
(167)	(168)

چشتی صاحب نے بہت اچھے انداز سے ان اشعار کی تشریح کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اقبال نے اس قطعہ میں ہم کو یہ بتایا ہے کہ دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کے صرف دو طریقے ہیں۔ یا تو جوئے کوہسار (عام انسانوں) کی طرح زندگی بسر کرو یعنی کبھی وہ ترقی اور سروری (فراز) کا لطف اٹھاتی ہے، کبھی تنزل اور محکومی (نشیب) کی تلخی چکھتی ہے۔ فراز کنایہ ہے عزت اور دولت سے، نشیب کنایہ ہے ذلت اور افلاس سے یا سیل بے زنہار (مردِ مومن) کی طرح زندگی بسر کرو کہ وہ سارے امتیازات مٹا کر رکھ دیتا ہے۔ اس کے سامنے پستی اور بلندی دونوں ایک ہو جاتی ہیں۔ یعنی ہم مومن کی زندگی کو سیلِ بے زنہار سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یا تو مومن بن جاؤ اور جو سامنے آئے اُسے ہٹا دو، اور نہ ہٹے تو مٹا دو۔ اور ساری دنیا میں اسلامی مساوات کا قانون نافذ کر دو۔ اگر یہ نہیں کر سکتے تو پھر عقلمندی اس میں ہے کہ فراز کے ساتھ نشیب کو بھی برداشت کر لو۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ (۱) یا تو اپنے آپ کو دنیا کے سانچہ میں ڈھال دو۔ مزے میں رہو گے۔ اور اگر یہ پسند نہ ہو تو (۲) دنیا کو اپنے (اسلام کے) سانچہ میں ڈھال دو۔ زندہ ہو جاؤ گے۔ بس زندگی بسر کرنے کے یہ دو ہی طریقے ہیں۔ تیسری کوئی صورت نہیں ہے اسی نکتہ کو ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے:۔

طبع بہم رساں کہ بسازی بعالمے
یا ہمتے کہ از سرِ عالم تواں گزشت" (169)

تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ

1- 'شرح پیامِ مشرق' کے شروع میں فہرست عنوانات نہیں دی گئی ہے۔ تمام شرح میں شعر نمبر، رباعی نمبر، نظم کا عنوان، غزل نمبر وغیرہ دے کر متن کی نشاندہی کی گئی ہے۔ بعض صفحات پر نظم کا عنوان یا شعر نمبر نظر نہیں آتا۔ اس لیے فہرست کے بغیر مطلوبہ شعر تک رسائی حاصل کرنا مشکل کام ہے۔

2- شرح کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ سب سے پہلے شعر کا پورا متن دیا جائے تا کہ اصل متن کے حوالے سے شرح سمجھی اور سمجھائی جاسکے۔ شرح پیامِ مشرق 1953ء کو لکھی گئی تھی۔ اس وقت علامہ اقبالؒ کو وفات پائے قریباً پچیس (25) برس بیت گئے تھے۔ کاپی رائٹ ایکٹ کے مطابق کسی شاعر یا ادیب کی وفات کے بعد پچاس (50) سال تک اس کے وارثوں کو اس کی ادبی و فنی تخلیقات پر حقِ تصنیف حاصل رہتا ہے۔ اس قانونی مجبوری کی وجہ سے اس شرح میں پیامِ مشرق کا اصل متن نہیں دیا جاسکا، تاہم اگر فہرست عنوانات اور اس میں اصل متن کے صفحات نمبر دے دیے جاتے تو کسی حد تک اصل متن تک رسائی بآسانی ہو جاتی۔ 1988ء میں کاپی رائٹ ایکٹ کی پابندی ختم ہو گئی تھی۔ پابندی ختم ہوئے قریباً چوبیس (24) برس گزر گئے ہیں مگر اقبال اکیڈمی، بزم اقبال یا کسی بھی یونیورسٹی کے شعبہ اردو و اقبالیات کی طرف سے شرح پیامِ مشرق از یوسف سلیم چشتی پر نظر ثانی نہیں کی گئی اور اس میں موجود کمزوریوں اور خامیوں کو دور کرنے کے لیے کوئی مثبت پیش رفت نہیں ہوئی۔ حواشی و تعلیقات اور توضیحات کی مدد سے شرح پیامِ مشرق کو اصل فارسی متن سے آراستہ کیا جاسکتا تھا اور اس سے متعلقہ دیگر فنی و ادبی تقاضے بھی پورے کئے جاسکتے تھے۔

3- فارسی متن کے ساتھ مشکل الفاظ اور معانی دینے چاہئیں تھے مگر شرح پیامِ مشرق میں ہر شعر کے بعد نہ تو اصل فارسی متن دیا گیا ہے اور نہ ہی مشکل الفاظ اور معانی دیے گئے ہیں۔ بعض اشعار میں جہاں کہیں شارح کو تشریح طلب اور مشکل الفاظ نظر آئے، ان کے معانی تحریر کر دیے اور وضاحت کر دی ہے۔ یہ شرح طلبہ اور عام قارئین کی سہولت اور آسانی کے لیے تحریر کی گئی ہے۔ اسے اس قدر آسان اور عام فہم ہونا چاہیے تھا کہ کمزور تعلیمی سطح والے اور عام سمجھ بوجھ رکھنے والے طلبہ و ناظرین سے لے کر ذہین و فطین طلبہ و ناظرین تک اس سے بآسانی استفادہ کر پاتے۔ اسے مختلف عمر اور تعلیمی درجہ رکھنے والے طلبا و طالبات اور قارئین و شائقین کے لیے آسان اور عام فہم بنانے کے لیے مشکل الفاظ کے معانی ضرور دیے جانے چاہئیں تھے۔ اس طرح شارح نے بعض مقامات پر مشکل تراکیب کی وضاحت دی ہے۔ یہ توضیحات عام فہم ہیں، تاہم بعض مقامات پر انہوں نے خود مشکل الفاظ و تراکیب استعمال کر کے عام قارئین کے لیے مشکلات کھڑی کر دی ہیں۔

4- پیامِ مشرق میں اقبال نے بعض الفاظ بطور محاورہ، استعارہ، کنایہ یا اصطلاح، استعمال کئے ہیں۔ بعض اشعار میں تلمیحات استعمال کی ہیں۔ ان کی وضاحت کے بغیر متعلقہ اشعار کا حقیقی مفہوم سمجھنا بہت مشکل ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے ایسے اکثر مقامات پر پہلے اس طرح کے محاورات، استعارات کنایات، تلمیحات اور اصطلاحات کی وضاحت کی ہے اور پھر شرح تحریر کی ہے۔ شرح کے دوران بعض مقامات پر انہوں نے خود دقیق اصطلاحات استعمال کی ہیں جنہیں سمجھنے کے لیے مزید شرح کی ضرورت

پیش آتی ہے۔

5- پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے طلبہ وقارئین کی سہولت کے لیے پیامِ مشرق کے بعض حصوں کے عنوانات کی بہت اچھی اور تسلی بخش تشریح کی ہے۔انھوں نے 'بنیادی تصور' کے عنوان سے ہر ایک رباعی کا مرکزی خیال دیا ہے۔بعض رباعیات کے بنیادی تصور کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ یہ بنیادی تصور کسی آسان جملے، زیرِ مطالعہ شعر کے کسی مصرع یا دیگر شعرا کے اشعار کی مصرعوں کی شکل میں مختصر اور جامع انداز سے پیش کیا گیا ہے۔پیامِ مشرق میں چشتی صاحب نے جہاں کہیں ضروری سمجھا 'بنیادی تصور' تحریر کیا ہے۔بعض حصے ایسے بھی ہیں جن کے عنوانات کی تشریح نہیں کی گئی یا بنیادی تصور کی وضاحت نہیں کی گئی۔

6- پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے تمام پیامِ مشرق کی شرح میں عموماً اور ''نقشِ فرنگ'' کی شرح میں خصوصاً ان فلاسفہ، ادبا، حکما، اداروں اور تحریکات کا تعارف کرایا ہے جن کا بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر پیامِ مشرق میں ذکر ہوا ہے۔اس طرح کی توضیحات سے کلامِ اقبال کو سمجھنے میں خاطر خواہ مدد ملتی ہے۔

7- پروفیسر یوسف سلیم چشتی فلسفہ اور تصوف میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔انہیں تصوف کی تاریخ اور صوفیائے کرام کے نظریات پر خوب دسترس حاصل تھی۔اس لیے انہوں نے پیامِ مشرق کے فلسفہ و تصوف سے متعلقہ کلام کی تسلی بخش حد تک اچھی تشریح کی ہے۔بعض مقامات پر محسوس ہوتا ہے کہ دیے گئے کلام کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں مگر تاویلات کے سہارے سے شرح کا رخ تصوف کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔

8- شرح کا تقاضا ہے کہ اصل متن کی تفہیم میں حائل رکاوٹیں دور کر کے متن کے حقیقی مفہوم تک رسائی ممکن بنائی جائے۔شرح میں تمام گزارشات اور توضیحات کا مرکز، متن کا اصل مفہوم ہونا چاہیے۔چشتی صاحب پر اعتراض ہے کہ وہ اِدھر اُدھر الجھے نظر آتے ہیں اور شرح اصل متن کی ترجمانی نہیں کرتی۔بعض جگہ پر وہ ضروری امور کی تشریح نہیں کرتے اور بے جا اختصار سے کام لیتے ہیں جس سے متن کا حقیقی مفہوم قاری تک نہیں پہنچ پاتا۔راقم الحروف کے مطابق یہ اعتراض درست نہیں ہے۔بے جا طوالت یا اختصار صرف چند ایک مقامات پر نظر آتے ہیں۔ان کی زیادہ تر شرح اصل متن کے مطابق مختصر یا طویل ہے۔بعض اشعار کی شرح میں نظر آنے والی طوالت بے جا نہیں ہے۔انہوں نے شرح کے تقاضے پورے کرنے کے لیے حکماء، ادبا، شخصیات کا تعارف پیش کیا ہے۔ضروری محسوس ہوا تو تاریخی اور سیاسی حوالہ جات بھی پیش کیے ہیں۔تلمیحات و کنایات کی شرح پیش کی ہے۔اس کے بعد انہوں نے زیرِ مطالعہ کلام کا مطلب اور مفہوم پیش کیا ہے۔اس طرح ضروری تصریحات و توضیحات کے بعد مطلب اور مفہوم واضح ہو گیا ہے۔

9- کلامِ اقبال میں شامل ایسے اشعار جو علامہ اقبال نے دیگر شعرا کے کلام یا کسی شعر سے متاثر ہو کر لکھے، چشتی صاحب نے ایسے اشعار کے مآخذات کی نشاندہی کر دی ہے۔متعلقہ قرآنی آیت، شعر اور شاعر کا نام بھی لکھ دیا ہے۔

10- چشتی صاحب نے تفہیمِ متن کے لیے اقبال اور دیگر شعرا کے اشعار دیے ہیں مگر ان کے حوالہ جات نہیں دیے۔دیے گئے ان اشعار کا متن زیادہ تر درست ہے، تاہم چند ایک مقامات پر متنی اغلاط بھی نظر آتی

ہیں۔چشتی صاحب نے وضاحت کے لیے دیے گئے فارسی اشعار کا ترجمہ نہیں دیا جس سے عام قارئین ان اشعار کے مفہوم سے لاعلم ہونے کی وجہ سے استفادہ نہیں کر پاتے۔مجموعی طور پر چشتی صاحب کی یہ اچھی کوشش ہے کہ انہوں نے کلامِ اقبال کی شرح کے لیے اقبال اور دیگر شعرا کے اشعار دیے ہیں۔اس سے ان کی علمی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ان کی اس کوشش سے شرح مزید دلچسپ اور قابلِ فہم ہوگئی ہے۔

-11 چشتی صاحب وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔شرح کے دوران انہوں نے قارئین کو بعض کتب کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیا ہے، تاکہ وہ بہتر طور پر کلامِ اقبال کو سمجھ سکیں۔چشتی صاحب نے زیادہ تر مقامات پر ایسی کتب کے تراجم کے نام تحریر کیے ہیں مگر اصل کتب کے نام تحریر نہیں کیے ہیں۔اگر اصل کتب کے نام دے دیے جاتے تو تنقید و تحقیق کے تقاضے پورے کرنے کے لیے اصل مآخذات تک بآسانی رسائی ممکن ہو جاتی۔

-12 چشتی صاحب کی شروح میں اگر بعض امور کے لحاظ سے افراط و تفریط نظر آتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فکر روزگار کے ساتھ ساتھ وہ زیادہ تر وقت مطالعہ، تصنیف و تالیف اور تنقید و تحقیق کے کاموں میں بسر کرتے تھے۔اس لیے انہیں اپنے کام پر نظر ثانی کا موقع نہ مل سکا۔ان کی شروح کو نظر ثانی سے بہتر بنایا جاسکتا ہے اور اس میں موجود کمزوریوں کو دور کیا جاسکتا ہے۔اس کے لیے اقبال اکیڈمی، بزم اقبال اور دیگر ادبی اداروں اور یونیورسٹیوں کے ادبی و تحقیقی شعبہ جات کو مثبت پیش رفت کرنی چاہیے۔

-13 مجموعی طور پر چشتی صاحب کی شرح بہت اچھی علمی و ادبی کوشش ہے اور کلامِ اقبال کی تفہیم میں کلیدی اور اساسی حیثیت کی حامل ہے۔ان کی شرح پیامِ مشرق اور دیگر شروح کو نظر ثانی سے مزید بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ان شروح میں فارسی متن، لغت اور ضروری حواشی و تعلیقات کے اضافہ سے ان کی اصل شکل برقرار رکھتے ہوئے، ان میں موجود کمزوریاں دور کی جاسکتی ہیں اور ان کی عمومی و خصوصی افادیت میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

شرح پیامِ مشرق

از

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

شرح پیام مشرق (برائے طلبہ) از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی، 2004ء کو سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور سے شائع ہوئی ہے۔ یہ شرح $\frac{23\times36}{16}$ سائز پر پرنٹ ہوئی ہے اور یہ تین سو اڑسٹھ (368) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے صفحات نمبر 3 تا 8 پر اقبال کا تحریر کردہ دیباچہ دیا گیا۔ صفحہ نمبر 9 تا صفحہ نمبر 10 پر 'پیش گفتار' کے عنوان سے ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے پیامِ مشرق کا مختصر سا تعارف کرایا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی شرح کے سلسلہ میں درج ذیل الفاظ میں اہم اُمور کا ذکر کیا ہے:

1- شرح آسان زبان اور سیدھے سادھے انداز میں کی گئی ہے۔

2- فلسفیانہ گتھیوں سے اجتناب برتا گیا ہے تا کہ ایک عام قاری اور طالب علم علامہ کے کلام و پیغام کو پوری طرح سمجھ سکے اور یوں وہ اپنی زندگی میں ایک تعمیری انقلاب لا سکے۔

3- شرح سے پہلے ترجمہ دیا گیا ہے۔

4- فرہنگ/لغت کا باب الگ رکھا گیا ہے۔

5- بعض اشعار کی شرح میں دوسرے فارسی وار دو شعراء کے ہم مضمون اشعار دیے گئے ہیں۔

6- فرہنگ میں مشکل الفاظ و محاورات کے معنی کے علاوہ مختلف قسم کی قرآنی، حدیث کی اور تاریخی تلمیحات وغیرہ کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

7- کتاب میں جن شخصیات کا ذکر آیا ہے ان پر مختصر صورت میں نوٹ لکھا گیا ہے۔

8- ہر نظم یا قطعہ وغیرہ کے اشعار کے نمبر الگ الگ لکھے ہیں اور اسی طرح شرح و فرہنگ کا انداز رکھا ہے۔

مندرجہ بالا تمام امور اپنی جگہ پر درست ہیں۔ اس کتاب کے سلسلہ میں دو اہم امور قابلِ ذکر ہیں۔

1- یہ شرح طلبہ کے لیے تحریر کی گئی ہے۔ شروع میں فہرست عنوانات نہیں دی گئی۔ فہرست کے نہ ہونے کی وجہ سے مطلوبہ رباعی، غزل، نظم، یا شعر تک پہنچنے میں دشواری پیش آتی ہے۔

2- تمام اشعار سے متعلقہ مشکل الفاظ، معانی، اور ضروری توضیحات فارسی متن، ترجمہ اور شرح کے ساتھ ہی دیئے جانے چاہئیں تھے۔ فرہنگ/لغت کا باب کتاب کے آخر پر دینے کی کوئی منطقی وجہ سمجھ نہیں آتی۔ اندریں صورت حال، مشکل الفاظ و معانی پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے دیے گئے کلام کا مفہوم، ترجمہ اور تشریح باآسانی سمجھنا ممکن نہیں۔

حصہ 'پیشکش'

(صفحہ نمبر 11 تا صفحہ نمبر 25)

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے 'پیشکش' کے اکیاسی اشعار کا فارسی متن، اردو ترجمہ اور مفہوم قریباً پندرہ صفحات پر دیا ہے۔انہوں نے قریباً ہر ایک شعر کا ترجمہ و مفہوم قریباً 3/4 سطروں میں تحریر کیا ہے۔قریباً 3/4 سطروں میں صرف ترجمہ و مفہوم ہی دیا جا سکتا ہے، شرح ہر گز نہیں دی جا سکتی ہے۔اس لیے واضح طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یزدانی صاحب نے پیامِ مشرق کا ترجمہ و مفہوم تحریر کیا ہے۔اسے شرح قرار دینا درست نہیں ہے۔

یزدانی صاحب نے آسان الفاظ میں ترجمہ کیا ہے۔بعض اشعار کے ترجمہ میں قوسین میں توضیحی الفاظ یا جملے تحریر کر کے ترجمہ سلیس اور رواں بنا دیا ہے اور ساتھ ہی مفہوم بھی واضح کر دیا ہے۔تاہم انہوں نے ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کی طرح ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار نہیں رکھی۔پیامِ مشرق کے منثور اردو تراجم کو زمانی ترتیب کے لحاظ سے دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ میاں عبدالرشید کا ترجمہ 1991ء میں احمد جاوید کا ترجمہ 1992ء میں، ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کا ترجمہ 1993ء میں، ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ 2004ء میں، حمید اللہ ہاشمی کا ترجمہ 2007-2008ء میں اور خرم شفیق و مزملہ شفیق کا آسان نثری ترجمہ 2010ء میں شائع ہوا۔

تمام مترجمین میں سے ڈاکٹر الف۔د۔نسیم واحد مترجم ہیں جنہوں نے لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار رکھتے ہوئے قوسین میں توضیحی الفاظ اور توضیحی جملے دے کر ترجمہ کا مفہوم واضح کیا اور ضروری معلومات مہیا کی ہیں۔ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے بعد ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے بھی قریباً اسی انداز سے ترجمہ کیا ہے اور قوسین میں توضیحی الفاظ و جملے دیے ہیں۔یزدانی صاحب نے ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کی طرح ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار رکھنے کی کوشش نہیں کی، تاہم انہوں نے قوسین کا استعمال ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کی طرح سے کیا ہے بعض مقامات پر ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے تراجم و مفاہیم میں فکری مماثلت نظر آتی ہے۔یزدانی صاحب نے شرح پیامِ مشرق میں کہیں بھی اس امر کا اظہار نہیں کیا۔یزدانی صاحب کے ترجمہ و مفہوم کی ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے ترجمہ و مفہوم سے مماثلت کا جائزہ لینے کے لیے، دونوں مترجمین کے تراجم ساتھ ساتھ دیے جا رہے ہیں۔تقابلی جائزہ کے لیے حصہ پیشکش کے اشعار نمبر 18، 31، 35، 38 اور 52 کے تراجم و مفاہیم ملاحظہ کریں۔

<u>شعر نمبر 18</u>

ہر دو گوہر ارجمند و تاب دار
زادۂ دریائے ناپیدا کنار (170)

منثور اردو ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

<u>ہم دونوں بڑی قدر و قیمت والے اور چمکدار موتی ہیں</u> جو ایک بے کراں سمندر میں وجود پذیر ہوئے ہیں۔ <u>ایسے سمندر میں جو موتی پیدا ہوتے ہیں، ان میں بڑی چمک دمک ہوتی ہے اور اسی وجہ سے ان کی قدر و قیمت</u>

منثور اردو ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم

<u>ہم دونوں قدر و قیمت والے اور چمک دار موتی ہیں</u> + ہم دونوں وہ موتی ہیں جو اس دریا میں پیدا ہوئے ہوں جس کا کوئی کنارہ نہیں (<u>ایسے دریا میں پیدا ہونے والے موتی زیادہ آب و تاب والے</u>

بھی بڑی ہوتی ہے۔اس تشبیہ سے دونوں کی عظمت بیان کرنا مقصود ہے۔(171)

ہوتے ہیں)۔(172)

شعر نمبر 31

بسکہ گردوں سفلہ و دوں پرور است
وائے بر مردے کہ صاحب جوہر است (173)

منشور اردو ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

آسمان گھٹیا اور کمینے لوگوں کی کچھ زیادہ ہی پرورش کرتا ہے (اگر سفلہ کا لفظ گردوں سے متعلق ہو تو پھر ترجمہ ہوگا: کمینہ آسمان، گھٹیا لوگوں......) ایسی صورت میں ایک صاحب جوہر انسان کی حالت لائق افسوس ہے، یعنی کوئی اسے نہیں پوچھے گا، اس کی قدر نہیں کرے گا جبکہ بے جوہر کی قدر ہوگی۔(174)

منشور اردو ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم

حاصل کلام یہ ہے کہ کمینہ آسمان کمینوں کی پرورش کرتا ہے+ افسوس ہے اس مرد پر جو اپنے اندر کوئی جوہر رکھتا ہے (کیونکہ اس کی قدر نہیں ہوگی بے جوہر کی ہوگی)۔(175)

شعر نمبر 35

آلِ عثماں در شکنجِ روزگار
مشرق و مغرب ز خونش لالہ زار (176)

منشور اردو ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

ترک زمانے کے شکنجے میں گرفتار ہیں۔آج مشرق اور مغرب ان کے خون سے لالہ زار بنے ہوئے ہیں۔ کبھی عثمانی خلفاء ترکی کے علاوہ یورپ، ایشیا اور افریقہ کے بہت سے علاقے پر حکمران تھے لیکن پھر وہ کمزور ہوگئے اور یوں ان کا سارا دبدبہ ختم ہوگیا۔ پہلے انہیں خلافت عثمانیہ کے قیام کے لیے خون بہانا پڑا اور پھر اپنے دفاع کے سلسلے میں وہ دوسری قوموں کے ہاتھوں خون میں نہا گئے۔(177)

منشور اردو ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم

عثمان کی اولاد میں سے جو ترک ہیں وہ زمانہ کے شکنجے میں گرفتار ہیں (عثمان نام کا ایک ترک تھا جس کی اولاد نے خلافت عثمانیہ قائم کی تھی اور عثمانی خلفاء کے تحت یورپ، ایشیا اور افریقہ کا بہت سا علاقہ تھا لیکن رفتہ رفتہ وہ کمزور ہوتے گئے اور زمانہ نے ان کی سلطنت کو کمزور اور ختم کرنے کے لیے بہت کچھ کیا اور اس طرح عثمانی ترک جن کا کل تک ہر جگہ دبدبہ تھا اب بے رعب و بے طاقت ہو گئے)+ (یہی وہ ترک ہیں) جن کے خون سے مشرق اور مغرب کے ملک لالہ زار (لالہ کے سرخ رنگ کے پھولوں کے چمن) کی طرح کے بنے ہوئے ہیں (پہلے ان ترکوں نے سلطنت عثمانیہ قائم کرنے کے لیے اپنا خون بہایا اور آخر میں اس کو بچانے کے لیے خون دیا)۔(178)

شعر نمبر 38

مسلمِ ہندی شکم را بندۂ!
خود فروشے، دل ز دیں برکندۂ (179)

منشور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

جہاں تک ہندی مسلمانوں کا تعلق ہے تو وہ پیٹ کے غلام ہو کے رہ گئے ہیں۔ اپنے دنیاوی اور مادی مفاد کے حصول کے لیے وہ اپنی خودداری کا بھی سودا کر لیتے ہیں اور یوں دین سے ان کا دل اکھڑ کے رہ گیا ہے۔(180)

منشور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم

ہندوستان کا مسلمان پیٹ کا غلام ہے (وہ پیٹ بھرنے یا حصول دولت کے لیے ہر قدم اٹھانے کو تیار ہے)+(یہاں تک کہ وہ خود کو بیچنے والا اور دین سے دل کو اکھاڑنے والا بن چکا ہے مراد ہے اس کا دل دین سے بیزار ہو چکا ہے اور وہ اپنی حیات دنیا کو سنوارنے کے لیے اپنی خودداری کا سودا بھی کر چکا ہے اور اس میں حمیت و غیرت مر چکی ہے۔ شکم پروری اور تن پروری کے لیے وہ ضمیر فروش بن چکا ہے۔(181)

شعر نمبر 52

علم اشیا علم الاسما ستے
ہم عصا و ہم یدِ بیضا ستے (182)

منشور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

قرآن کریم میں ہے کہ ''ہم یعنی خدا نے آدمؑ کو تمام نام سکھا دیے۔ سو یہ جو ارشاد ہوا ہے تو یہ علم حقیقت میں اشیا کے جاننے کا علم ہے۔ یہ عصا بھی ہے اور یدِ بیضا بھی۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے عصا سے زمین پر ضرب لگائی تو چشمہ پھوٹ پڑا اور جادوگروں کی رسیوں کے خیالی سانپوں کے لیے وہ سچ مچ کا اژدھا بن گیا۔ جب وہ جیب سے ہاتھ نکالتے تو وہ روشن ہو جاتا۔ گویا اشیائے کائنات سے آگاہی کی بدولت انسان بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے اور بڑے بڑے معرکے مار سکتا ہے۔ نئی نئی ایجادات کر کے ملک وقوم کے مقدر سنوار سکتا ہے۔(183)

منشور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم

(قرآن کریم میں جو) **علم الاسما** کا (ناموں کے جاننے کے علم کا) ذکر ہے اس سے مراد (در حقیقت) اشیا کا علم ہے+(یہ علم) بھی ہے اور ید بیضا بھی (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عصا کی طرف اشارہ ہے جس کی ضرب سے زمین سے چشمے پھوٹ پڑے تھے یا وہ جادوگروں کی بے جان رسیوں کے خیالی سانپوں کے مقابلے میں زندہ اژدہا بن گیا تھا۔ اور ید بیضا یعنی روشن یا سفید ہاتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ دست کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ جیب سے ہاتھ نکالتے تھے تو روشن ہو جاتا تھا) مراد ہے اشیا کے خواص کا علم جو حیران کن ایجادات کے معجزے دکھا سکتا ہے۔ جیسا کہ اس دور میں خصوصاً سائنس دکھا رہی ہے۔(184)

1- مندرجہ بالا اشعار کے تراجم و مفاہیم متن کے مطابق اور عین درست ہیں۔
2- ڈاکٹر الف۔د۔نسیم اور ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کے تراجم و مفاہیم سے فکری مماثلت ظاہر ہوتی ہے۔اس سلسلہ میں خط کشیدہ جملے خصوصی طور پر غور طلب ہیں۔
3- دونوں مترجمین نے فارسی متن کے ساتھ مشکل الفاظ و تراکیب کے معانی نہیں دیے۔
4- ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے صفحہ نمبر 289 تا صفحہ نمبر 294 پر حصہ 'پیشکش' سے مشکل الفاظ اور معانی دیے ہیں۔اگر یہ معانی فارسی متن اور ترجمہ کے ساتھ دیے جاتے تو ان سے صحیح طور پر استفادہ کرنا ممکن ہوتا۔
5- دونوں مترجمین نے حصہ 'پیشکش' کے اشعار کی تشریح میں کسی شاعر کا حوالہ نہیں دیا۔موضوع کی مناسبت سے دیگر شعرا کے اشعار نہیں دیے۔سوائے ایک دو مقامات کے زیادہ تر مقامات پر تلمیحات، استعارات ،کنایات کی نشاندہی نہیں کی اور ان کا مفہوم نہیں دیا۔
6- ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے فرہنگ میں امیر امان اللہ خان، گوئٹے، شہنشاہ مراد اور حضرت سلمان فارسیؓ کا تسلی بخش حد تک تعارف دیا ہے، تاہم انہوں نے صلاح الدین ایوبیؒ، حضرت ادریسؑ، اردشیر اور حضرت ابوذرؓ کا برائے نام حوالہ دیا ہے۔
7- ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کے ترجمہ میں شعر نمبر 39 کو شعر نمبر 38 کی جگہ پر لکھا گیا ہے جبکہ شعر نمبر 38 نہیں لکھا گیا۔

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ

1- ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ و مفہوم، ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے ترجمہ و مفہوم سے فکری مماثلت رکھتا ہے۔
2- دونوں مترجمین کا اسلوب ترجمہ بھی ایک جیسا ہے۔
3- دونوں مترجمین نے اشعار کے تراجم و مفاہیم تو تحریر کئے ہیں۔شرح تحریر نہیں کی ہے۔ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کے اس ترجمہ کو شرح قرار دینا علمی لحاظ سے درست نہیں ہے۔
4- مجموعی طور پر ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے تراجم و مفاہیم آسان، عام فہم اور سلیس و رواں ہیں۔
5- ڈاکٹر الف۔د۔نسیم نے ترجمہ کی الگ حیثیت کو برقرار رکھا ہے جبکہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار نہیں رکھی۔ان کا ترجمہ لفظی نہیں ہے۔یہ ترجمہ مفہوم کے قریب تر ہے۔
6- بہت زیادہ اختصار کی وجہ سے خواجہ حمید یزدانی نے اشعار کی کھل کر شرح بیان نہیں کی ہے۔شرح کے تقاضوں کے پیش نظر اسے شرح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کی شرح پیام مشرق کے تمام حصوں میں مذکورہ بالا اسلوب ترجمہ نظر آتا ہے اس لیے دیگر حصوں کی ترجمہ و شرح کا اجمالی جائزہ لیا جائے گا۔

لالۂ طور

(رباعیات صفحہ نمبر 26 تا صفحہ 80)

1- تمام رباعیات (163 رباعیات) اوران کے تراجم و مفاہیم قریباً پچپن (55) صفحات پر تحریر کیے گئے ہیں۔اوسطً ہر رباعی کا ترجمہ و مفہوم پانچ تا سات سطروں میں تحریر کیا گیا ہے۔ترجمہ 4/5 سطروں اور مفہوم دو تین سطروں میں تحریر کیا گیا ہے۔اس قدر اختصار کی صورت میں صرف ترجمہ و مفہوم ہی درج ہوسکتا ہے،شرح ہرگز نہیں لکھی جاسکتی۔اس لیے شرح پیامِ مشرق از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی دراصل پیامِ مشرق کی شرح نہیں بلکہ ترجمہ ہے جس میں مختصر الفاظ میں مفہوم بھی دیا گیا ہے۔

2- رباعیات کی تلمیحات، استعارات اور کنایات وغیرہ کی توضیحات برائے نام دی گئی ہیں۔

3- ایک سوتریسٹھ (163) رباعیات میں سے صرف درج ذیل پندرہ (15) رباعیات میں ترجمہ کے ساتھ مفہوم واضح کرنے کے لیے اقبال یا کسی اور شاعر کا شعر یا اشعار دیے گئے ہیں۔

163،161،141،136،117،105،92،83،76،72،62،52،38،33،2

4- حصہ پیش کش کی طرح یہاں بھی ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے انداز سے ترجمہ و مفہوم دیا گیا ہے۔دونوں کے ترجمہ مفہوم میں صوری و معنوی مماثلت بھی نظر آتی ہے۔مثلاً

رباعی نمبر 21

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی
شنیدم در عدم پروانہ می گفت دمے از زندگی تاب و تبم بخش پریشاں کن سحر خاکسترم را ولیکن سوز و ساز یک شبم بخش (185)	میں نے سنا ہے کہ پروانہ عدم میں خدا سے کہہ رہا تھا کہ مجھے ایک پل/لمحے کے لیے زندگی کی سوز و تپش عطا فرما (گویا پروانہ ابھی وجود میں نہیں آیا تھا)۔میری راکھ کو بیشک صبح کے وقت ادھر ادھر بکھیر دے، لیکن مجھے ایک رات کے سوز و ساز سے ضرور نواز۔مطلب یہ کہ میری زندگی بیشک تھوڑی ہو لیکن وہ سوزِ عشق و محبت سے مالا مال ہو۔پروانہ، شمع پر جل مرتا ہے۔اس کا یہ عمل گویا شمع پر عاشق ہونے کے باعث ہے۔(186)

دیا گیا ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے، تاہم اس میں شامل لفظ 'بے شک' زائد ہے۔اصل فارسی متن میں کوئی بھی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا ترجمہ 'بے شک' کیا جاسکے۔

میاں عبدالرشید نے اس رباعی کے دوسرے شعر کے ترجمہ میں لفظ 'بے شک' قوسین میں استعمال کیا تھا۔ ان کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

"(بے شک) صبح کے وقت میری راکھ بکھیر دینا، بس ایک رات کا سوز و ساز مل

جائے۔"(187)

ڈاکٹر الف۔ د۔نسیم نے بھی اس شعر کے ترجمہ میں لفظ 'بے شک' قوسین میں استعمال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"صبح کے وقت میری خاکستر (راکھ) کو (بے شک) بکھیر دینا + لیکن ایک رات کا
سوز و ساز (جلنے اور مزہ لینے کی کیفیت) عطا کر دے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے
کہ مجھے ایک سازگار رات عطا کر دے وہ رات جو سوز بھری ہو۔"(188)

میاں عبدالرشید اور ڈاکٹر الف۔ د۔نسیم نے مفہوم واضح کرنے کے لیے لفظ 'بے شک' قوسین میں دیا ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے یہ لفظ ترجمہ میں شامل کر دیا ہے۔ اس لحاظ سے ان کا ترجمہ درست نہیں ہے۔ خواجہ حمید یزدانی نے اس رباعی کا ترجمہ تین سطروں میں دیا ہے اور اس کا مطلب صرف دو سطروں میں بیان کیا ہے۔ دیا گیا مطلب ناکافی ہے۔ اس سے رباعی کا مرکزی خیال واضح نہیں ہوتا۔ انسانی زندگی میں سوز و ساز کی قدر و قیمت اور اہمیت و ضرورت واضح نہیں ہوتی۔ اس میں لفظ 'پروانہ' بطور 'استعارہ' استعمال ہوا ہے۔ اس امر کی بھی وضاحت نہیں کی گئی کہ سوز و ساز، تب و تاب اور عشق و محبت اور قربانی و ایثار پر مبنی گھڑی بھر کی زندگی کو بے سوز و ساز زندگی پر کیوں فضیلت حاصل ہے۔ لفظ سوز و ساز میں 'سوز' اور 'ساز' کے مفہوم میں فرق واضح نہیں کیا گیا۔ ان الفاظ کا بنیادی تصور واضح کرتے ہوئے پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح پیامِ مشرق میں لکھتے ہیں:

"سوز = در غمِ جاناں سوختن = فراقِ یار میں تڑپتے رہنا۔
ساز = با غمِ جاناں ساختن = تڑپنے میں لذت محسوس کرنا۔
اقبال کی رائے میں عاشق کی زندگی انہی دو ۲ باتوں سے عبارت ہے اور یہ زندگی اس
قدر رفیع ہے، اس قدر قیمتی ہے کہ وہ اس کے بدلہ میں "شانِ خداوندی" بھی لینے کے
لیے تیار نہیں ہیں۔

متاعِ بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی" (189)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے سوز اور ساز کا مفہوم واضح کیا ہے اور فکرِ اقبال کی رو سے اس کی اہمیت بیان کی ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے یہی بات کنائے سے بیان کی ہے اور اس رباعی کی تشریح کے سلسلہ میں ضروری امور کی وضاحت نہیں کی ہے۔

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے اس رباعی کی شرح میں پروانے کے 'استعارہ' کے بارے میں لکھا ہے:

".....اس قطعے میں پروانہ وہ ننھا سا کیڑا نہیں جو رات کی تاریکیوں میں چمکتا دکھائی
دیتا ہے بلکہ ہر وہ انسان ہے جو کسی عظیم الشان نصب العین کے حصول کے لیے اپنی
جان تک قربان کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے، تسلیم و ایثار کا یہ لمحہ ایک ایسا لمحہ ہوتا
ہے جو جان پر کھیل جانے والے انسان کی ساری زندگی پر بھاری ہوتا ہے۔"(190)

ان گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے اس رباعی کا ترجمہ اور مطلب تو دیا ہے مگر سیر حاصل شرح نہیں کی ہے۔ ان کی اس کتاب کا عنوان 'شرح پیامِ مشرق' ہے مگر اس میں شرح نظر نہیں آتی۔ شرح سے مراد کوئی بات کھول کر بیان کرنا اور کسی موضوع یا غور طلب امر کے تمام ضروری پہلو اچھی طرح واضح کرنا ہے۔

خواجہ حمید یزدانی نے اس کتاب کے صفحہ نمبر 295 پر فرہنگ شرح پیامِ مشرق میں اس رباعی کے صرف دو الفاظ 'دمے' اور 'پریشان کن' کے معانی دیے ہیں۔ ملاحظہ کریں۔ انہوں نے لکھا ہے:

''دمے: ایک پل یا لمحہ کے لیے　　　　پریشان کن: منتشر کردے، بکھیر دے'' (191)

انہوں نے دیگر مشکل الفاظ 'شنیدم'، 'می گفت'، 'تاب وتبسم'، 'خاکسترم'، 'سوز وساز' کے معانی نہیں دیے۔ اس رباعی میں 'تاب وتب' اور 'سوز وساز' کی اہمیت، ضرورت اور قدر و قیمت بیان کی گئی ہے مگر ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے ان الفاظ کے معانی تک بھی نہیں دیے۔ فرہنگ اقبال فارسی کے مطابق ان الفاظ کا مفہوم یوں تحریر کیا ہے:

''تب وتاب (ف ف ف) مرکب ناقص، تب (رک) + و (عطف) + تاب (رک):

مرادعشق کی آگ اور ہجر کی تڑپ　　ع

جز تب وتابے ندارد ساز و برگ (ج ن، ۸۷)

:مراد جذبات، سوزِ دل، پُرسوز اشعار　　ع

از تب وتابم نصیب خود بگیر (پ چ، ۸۵)

:مرادعشق

تب وتابے کہ باشد جاودانہ (اح، ۹۸)'' (192)

''سوز وساز (ف ف ف) مرکب ناقص، سوز، مصدر سوختن (=جلنا) سے فعل امر + و (عطف) + ساز، مصدر ساختن (= بنانا (کچھ نہ کچھ کرنا): (زندگی کا) درد یا لگن اور (اس کے نتیجے میں) عمل پیہم　　ع

سوز وساز زندگی رفت از گلش (پ م، ۱۸)

:مرادسوز محبت　　ع

ولیکن سوز وساز یک شم بخش (پ م، ۳۲)'' (193)

شرح پیام مشرق کے ٹائٹل کے مطابق یہ شرح طلبہ کے لیے لکھی گئی ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کے مطابق یہ شرح اس لیے لکھی گئی ہے کہ ایک عام قاری اور طالب علم علامہ کلام و پیغام کو پوری طرح سمجھ سکے۔ اس رباعی کے ترجمہ وشرح اور فرہنگ کے مطابق اس مقصد کی تکمیل ہوتی نظر نہیں آتی۔

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے اسلوبِ ترجمہ، تراجم اور مفاہیم میں مماثلت کا جائزہ لینے کے لیے چند ایک رباعیات کے تراجم پیش کیے جا رہے ہیں، تا کہ ان کے تقابل و موازنہ سے حقیقی صورتِ حال کا تعین ہو سکے۔

<u>رباعی نمبر 34</u>

سریر کیقباد، اکلیلِ جم خاک
کلیساؤ بتستان و حرم خاک
ولیکن من ندانم گوہرم چیست
نگاہم برتر از گردوں، تنم خاک (194)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی　　　　منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

کیقباد کا تخت اور جمشید کا تاج سب مٹی یعنی فانی ہیں۔ کلیسا ، بت خانہ اور حرم سبھی مٹی یعنی مادی ہیں۔ دنیاوی شان وشوکت اور عظمت اور مذہبی عبادت گاہیں سبھی عارضی و فانی ہیں۔ لیکن خدا معلوم میرا جوہر کیا ہے کہ میرا جسم تو مٹی کا ہے لیکن میری نگاہ آسمان سے بھی بلند تر ہے۔ جوہر سے مراد غالباً انسانی روح اور اس کا روحانی شعور ہے جس کی بنا پر انسان اشرف مخلوقات بنا ہے جبکہ دوسری مخلوق اس سے محروم ہے۔(195)

ایران کے بادشاہ کیقباد کا تخت اور وہاں کے جمشید بادشاہ کا تاج دونوں خاک ہیں (مادی ہیں مٹی ہیں۔ مٹ جانے والے ہیں)+ عیسائیوں کا گرجا، بت پرستوں کا بت خانہ اور مسلمانوں کا حرم یہ مادی ہیں مٹی کے ہیں (ان کا مٹ جانا بھی یقینی ہے)۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ میں کیا گوہر ہوں+ میرا جسم (اگر چہ) مٹی کا ہے لیکن میری نگاہ آسمان سے بھی بلند ہے مراد ہے میرا جسم بھی بے شک مندرجہ بالا اشیا کی طرح مٹی اور مادہ کا ہے لیکن اس کے اندر جو روح کا جوہر ہے وہ مادی اور خاکی نہیں (اور یہ میرے (یعنی آدمی) کے سوا کسی اور مخلوق کو نصیب نہیں) (196)

دونوں تراجم میں خط کشیدہ جملے مترجمین کی فکری مماثلت کو ظاہر کرتے ہیں۔ تمام تراجم کے موازنہ وتقابل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ کو مدنظر رکھا ہے اور اسے زیادہ مختصر اور جامع شکل میں پیش کیا ہے۔ اس ضمن میں مزید دو مثالیں ملاحظہ کریں۔

رباعی نمبر 82

تو اے کودک منش خود را ادب کن
مسلماں زادۂ ترکِ نسب کن
برنگِ احمر و خون و رگ و پوست
عرب نازد اگر، ترکِ عرب کن (197)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

تو اے بچوں کی سی خصلت والے انسان! کیا تو پیدائشی مسلمان ہے؟ اگر ایسا ہے تو خاندان ونسب کی بات چھوڑ دے۔ (اپنے خاندان یا نسل ونسب کے حوالے نہ لا)۔ اگر عرب بھی سرخ رنگ اور خون اور رنگ و نسب پر فخر کرتا ہے تو تو اس سے قطع تعلق کر لے۔ مطلب یہ کہ اسلام میں خاندان ونسب اور رنگ ونسل یا کسی علاقہ وغیرہ کے حوالے سے خود کو دوسروں سے برتر جاننے کی بات نہیں ہے۔ اسلام میں سب مسلمان برابر ہیں۔ اللہ کے نزدیک وہی برتر اور صاحب فضیلت ہے جو متقی ہے۔ حضور اکرمؐ کی حدیث مبارکہ

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

(مسلمان عہد حاضر سے خطاب ہے کہ) تو اے بچوں کی سی طبیعت رکھنے والے (جن کو ادب کا پتہ نہیں ہوتا) اپنے آپ کو ادب سکھا+ کیا تو مسلمان کے گھر (یا مسلمان) پیدا ہوا ہے؟ (اگر یہ حقیقت ہے) تو نسب کو ترک کر دے (نسب پر فخر کرنا چھوڑ دے کیونکہ اسلام میں خون، نسل، برادری، زبان، علاقہ وغیرہ کی بنیاد پر ایک کے کم تر اور دوسرے کے برتر ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ اخوت ہے۔ کسی کی فضیلت اس کے تقویٰ کی بنیاد پر ہے)۔ (عربوں کا ادب محض اس لیے نہ کرو کہ وہ عرب ہیں)

ہے کہ کسی عرب کو کسی عجمی (غیر عرب) پر فضیلت اور برتری نہیں ہے۔فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔(198)

اگر کوئی عرب اپنے سرخ رنگ، خون اور رگ و پوست (خاندان اور نسب وغیرہ پر ناز کرتا ہے تو اس عرب سے تعلق توڑ دو (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ کسی عرب کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں+ فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔کوئی ہو۔)(199)

نوٹ:۔مندرجہ بالا رباعی میں ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے 'خودرا ادب کن' کا ترجمہ نہیں کیا۔اس کا مطلب ہے 'اپنے آپ کو ادب سکھا'۔

رباعی نمبر125

اگر آگاہی از کیف و کمِ خویش
یمے تعمیر کن از شبنمِ خویش
دلا دریوزۂ مہتاب تا کے!
شب خود را برافروز از دمِ خویش (200)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

اگر تو اپنی صلاحیتوں اور اہلیتوں سے پوری طرح آگاہ ہے تو اپنی شبنم سے ایک سمندر تعمیر کر لے۔اے دل! تو کب تک چاندنی سے بھیک مانگتا رہے گا، تو اپنے دم سے اپنی رات کو روشن کر۔مطلب یہ کہ دوسروں کی محتاجی اچھی بات نہیں کہ اس سے آدمی اپنا عزت و وقار کھو بیٹھتا ہے۔بہتر یہی ہے کہ خود میں ایسے جذبے پیدا کیے جائیں اور جہد و عمل سے کام لیا جائے، جن کی بدولت آدمی کا وقار بھی برقرار رہے اور اس کی بقا کا بھی سامان ہو جائے۔(201)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم

اگر تو اپنی کمیت و کیفیت (اپنی صلاحیتوں اور اہلیتوں کی قدر و قیمت) جانتا ہے+ تو تو اپنی شبنم کو وسعت دے کر (اس سے) سمندر پیدا کر لے۔
اے دل تو کب تک چاند (کی روشنی) کی گدائی کرتا رہے گا (دوسروں کا محتاج رہ کر اپنی صلاحیت و اہلیت سے غافل رہے گا)+ (دوسروں کی محتاجی سے نکل آ) اور اپنے دم سے اپنی رات میں روشنی پیدا کر۔(202)

مندرجہ بالا رباعیات کے تراجم کے تقابل و موازنہ سے واضح ہوتا ہے کہ

1- ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے تراجم و مفاہیم میں فکری مماثلت پائی جاتی ہے۔
2- ڈاکٹر الف۔د۔نسیم نے قوسین کی مدد سے ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار رکھی ہے۔انہوں نے قوسین میں توضیحی الفاظ اور جملے دے کر مفہوم واضح کر دیا ہے۔
3- ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے ترجمہ ومفہوم میں کوئی حدِ فاصل قائم نہیں کی۔
4- مجموعی طور پر ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے تراجم درست ہیں اور اصل متن کی ترجمانی کرتے ہیں۔
5- یہ تراجم شرح کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔انہیں ترجمہ ومفہوم کی حیثیت تو حاصل ہے مگر شرح کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

حصہ افکار

(صفحہ نمبر 81 تا صفحہ نمبر 175)

-1 حصہ 'افکار' اکیاون (51) نظموں پر مشتمل ہے۔ شرح پیامِ مشرق از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی میں ان نظموں کا فارسی متن، ترجمہ اور مفہوم قریباً چورانوے (94) صفحات پر دیا گیا ہے۔ اوسطاً ہر ایک نظم فارسی متن، ترجمہ و شرح کے ساتھ پونے دو صفحات پر دی گئی ہے۔

-2 ان نظموں کے اشعار کا ترجمہ اور مفہوم قریباً 2/3 سطر فی شعر کے حساب سے دیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ 2/3 سطروں میں ترجمہ و مفہوم تو دیا جا سکتا ہے مگر شرح نہیں دی جا سکتی۔

-3 تین نظمیں (تسخیرِ فطرت، محاورہ مابین خدا و انسان اور شبنم) ایسی ہیں جن میں معمول سے ہٹ کر کچھ شرح دی گئی ہے۔

-4 پیشکش اور لالۂ طور کی طرح حصہ 'افکار' میں شامل کلام کا ترجمہ اور مفہوم بھی ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے انداز سے دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے کچھ اضافات کے ساتھ مفہوم مزید بہتر انداز سے دیا ہے۔ بطور مثال افکار کی پہلی نظم 'گلِ نخستین'، اس کا منثور اردو ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور منثور اردو ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم ملاحظہ کریں۔

شعر نمبر 1

ہنوز ہم نفسے در چمن نمی بینم
بہار می رسد و من گلِ نخستینم (203)

منثور اردو ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

ابھی تک مجھے چمن میں اپنا کوئی ساتھی نظر نہیں آ رہا۔ بہار کا موسم پہنچ رہا یا پہنچ چکا ہے اور میں اس موسم کا پہلا پھول ہوں۔ اس نظم میں پھول کی زبانی فطرت یعنی نیچر کی عکاسی کی گئی ہے۔(204)

منثور اردو ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

ابھی تک میں چمن میں کوئی ہم نفس (ساتھی یا دوست) نہیں دیکھ رہا + بہار پہنچ گئی ہے اور میں اس بہار کا ابھی پہلا پھول ہوں۔ (205)

شعر نمبر 2

بہ آبجو نگرم، خویش را نظارہ کنم
بایں بہانہ مگر روے دیگرے بینم (206)

منثور اردو ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

میں ندی کے پانی میں دیکھتا اور آپ اپنا نظارہ کر رہا ہوں کہ شاید اس بہانے میں کسی اور پھول کا چہرہ دیکھ لوں۔ پھول ندی کے کنارے اگا ہے۔ اس کا عکس پانی میں پڑ رہا ہے۔ اس منظر میں صنعت حسن تعلیل سے کام لیا گیا اور یہ کہا گیا ہے کہ پہلا پھول اپنے اس

منثور اردو ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

میں نہر کے پانی میں (جو آئینہ کی مانند ہے) دیکھتا ہوں اور اپنا آپ نظارہ کر رہا ہوں + (اور) اس بہانے گویا میں کسی اور کا چہرہ دیکھ رہا ہوں (اور دل کو تسلی دے رہا ہوں کہ میرے ساتھ کوئی اور بھی ہے)۔(208)

عکس سے گویا خود کو، کسی ساتھی کی خواہش میں، تسلی دے رہا ہے۔(207)

شعر نمبر3

بخامۂ کہ خطِ زندگی رقم زدہ است
نوشتہ اند پیامے بہ برگِ رنگینم (209)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

قضا و قدر یا خالق کائنات نے اپنے جس قلم سے زندگی کا خط تحریر کیا ہے، اس سے میری رنگین پتی پر بھی ایک پیام لکھا ہے۔ گویا پھول کا کھلنا بہار کی آمد کا پیام ہے۔(210)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

(خالق کائنات نے) اپنے اس قلم سے جس سے اس نے زندگی کا خط لکھا ہے یعنی ہر شے کو زندگی عطا کرنے والے نے + میری رنگین پتی (کے صفحہ) پر بھی ایک پیام لکھ دیا ہے (اور وہ پیام یہ ہے کہ بہار آ گئی ہے)۔(211)

شعر نمبر4

دلم بہ دوش و نگاہم بہ عبرتِ امروز
شہیدِ جلوۂ فردا و تازہ آئینم (212)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

میرا دل میرے گزرے ہوئے کل پر لگا ہوا ہے اور میری نگاہ آج (زمانۂ حال) کی عبرت پر جمی ہوئی ہے۔ میں مستقبل کے جلوہ کا شہیدا ور نئے انداز اور اصولوں کا منتظر ہوں۔ مطلب یہ کہ پہلی مرتبہ کھلنے پر میں اپنی رنگینی وخوشبو پر اترایا تھا لیکن میرا انجام مرجھا جانے پر ہوا۔ اپنی اس صورت حال سے عبرت پکڑتے ہوئے اس امر کا منتظر ہوں کہ شاید مستقبل میں میرے لیے کوئی بہتر دور آئے۔(213)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

میرا دل میرے گزرے ہوئے کل میں لگا ہوا ہے اور میری نگاہ آج یعنی زمانہ حال کی عبرت پر جمی ہوئی ہے مراد ہے جب میں پہلے کھلا تھا اور اپنی رنگینی، لطافت، حسن اور خوشبو پر اترایا تھا اس وقت بھی میرا انجام میری پژمردگی تھا اس صورت حال سے میں آج عبرت پکڑ رہا ہوں + اور زمانہ مستقبل کا مقتول یا شدید طور پر طلبگار ہوں اور اس دور کے نئے طور طریقوں اور اصولوں کا منتظر ہوں (کہ شاید کوئی بہتر دور آئے)۔(214)

شعر نمبر5

ز تیرہ خاک دمیدم ، قبائے گل بستم
وگرنہ اخترِ واماندۂ ز پروینم (215)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

میں سیاہ مٹی سے اگا اور میں نے پھول کا لباس پہن لیا۔ (پہلے میں کلی کی صورت تھا پھر پھول بن گیا) وگرنہ میں پروین سے پیچھے رہ جانے والا ایک

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

میں تاریک مٹی سے کھلا (اور) میں نے پھول کا لبادہ پہن لیا + ورنہ میں اپنی پروین کا ایک پیچھے رہ جانے والا ستارہ ہوں (پروین ستاروں کا

ستارہ ہوں۔ مطلب یہ کہ ستارے ہوں، پھول ہوں یا گلدستہ ہو، زمین و آسمان کی ہر ہر شے خدا کے حسن ازلی کی آئینہ دار ہے، یعنی وہ سب میں سمایا ہوا ہے۔(216)

ایک جھرمٹ ہے جس کا ایک ستارہ پھول نے خود کو بھی کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ میں اگرچہ پروین کا ایک ستارہ ہوں لیکن تاریک مٹی میں سے پیدا ہوا ہوں) شاعر کی مراد اس مضمون سے یہ ہے کہ پروین ہو یا گلدستہ گل کوئی آسمان کی چیز ہو یا زمین کی، ہر شے میں ایک ہی حسن ازل موجود ہے۔ ذرہ ذرہ میں ایک ہی حقیقت جلوہ گر ہے۔(217)

مندرجہ بالا نظم کے پانچوں اشعار کے تراجم و مطالب میں تقابل و موازنہ سے واضح طور پر فکری مماثلت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک عام ذہنی و علمی سطح رکھنے والے طالب علم کو اگر دونوں تراجم پڑھائے جائیں تو وہ بھی آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کر لے گا کہ دونوں تراجم کا مفہوم یکساں ہے، صرف چند ایک الفاظ کا فرق ہے۔

مزید یہ کہ خواجہ حمید یزدانی نے اس ترجمہ میں مختصر انداز سے مفہوم یا مطلب تو دیا مگر شرح نہیں کی ہے۔ انہوں نے شرح کے تقاضے پورے نہیں کئے۔ اس لیے ان کی اس کوشش کو شرح تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس نظم کے حوالے سے جائزہ لیں تو ان کی شرح کا معیار واضح ہو جاتا ہے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اس نظم کی 'تمہید' میں نظم کے عنوان کا مفہوم اور تعارف دیا ہے۔ جبکہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے کہیں بھی اس طرح کی وضاحت نہیں کی۔ چشتی صاحب لکھتے ہیں:

> ''یہ ایک آسان نظم ہے اور اس کا عنوان ہے ''موسم بہار کا پہلا پھول'' شاعر نے پھول کو ایک صاحبِ شعور ہستی قرار دیا ہے (اس صنعتِ بدیع کو انگریزی میں (PERSONIFICATION) کہتے ہیں''(218)

چشتی صاحب نے تمام نظم کا ترجمہ تحریر کرنے کے بعد نظم کے آخر پر اس کا مفہوم بھی دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''آخری شعر میں اقبال نے اپنے مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے کہ گلِ بہار ہو یا اخترِ فلک، دونوں میں ایک ہی حقیقت جلوہ گر ہے دونوں ایک ہی ہستی کے مظاہر ہیں۔ یعنی وہی ذاتِ واحد (حق تعالیٰ) کائنات کی ہر شئے میں جلوہ گر ہے:
>
> تارے میں وہ قمر میں وہ جلوہ گہ سحر میں وہ
> چشمِ نظارہ میں نہ تو سرمۂ امتیاز دے'' (219)

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی صاحب نے نظم کا مجموعی مفہوم تحریر نہیں کیا۔

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے صفحہ نمبر 309 پر نظم 'گل نخستین' کے چند مشکل الفاظ اور ان کے معانی دیے ہیں۔ انہوں نے اس نظم کے درج ذیل مشکل الفاظ اور ان کے معانی نہیں دیے:

ھنوز، نمی بینم، میرسد، گلِ نخستینم، بایں، بہانہ، خطِ زندگی، نگاھم، عبرت امروز، جلوۂ فردا، تازہ آئینم

تمام تراجم و شروح میں صرف 'احمد جاوید' نے بہت زیادہ وضاحت سے مشکل الفاظ اور معانی دیے ہیں اور ان سے ہر علمی و ذہنی سطح کا طالب علم آسانی سے استفادہ کرسکتا ہے۔

نظم 'کرم کتابی' کے شعر نمبر 2 میں 'فاریابی' کا ذکر ہے۔ احمد جاوید نے تسہیل پیام مشرق کے صفحہ

نمبر 290 پر فرہنگ میں 'نسخۂ فاریابی' کا مفہوم ان الفاظ میں تحریر کیا ہے:

نسخۂ فاریابی: فاریابی کی کتاب (نسخہ = کتاب، مسودہ + فاریابی = ظہیر فاریابی۔ مشہور فارسی شاعر یا ابونصر محمد الفارابی معروف مسلمان فسلفی) (220)

اقبال نے شعر میں 'فاریابی' کا ذکر کیا ہے تو ترجمہ وتشریح میں بھی اس سے مراد فاریابی ہی ہوگا نہ کہ فارابی۔ میاں عبدالرشید کے ترجمہ میں صفحہ 185 پر، ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ میں صفحہ نمبر 106 پر اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شرح کے صفحہ نمبر 299 پر اس شعر کا ترجمہ و مفہوم 'فاریابی' کے حوالے سے ہی تحریر کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 119 پر 'احمد جاوید' سے فکری موافقت کا اظہار کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ یہاں 'فاریابی' سے مراد فارابی ہوسکتا ہے۔ 'احمد جاوید' نے کنایتاً 'فاریابی' کی جگہ پر فارابی' کا ذکر کیا۔ انہوں نے اس امر کی وضاحت نہیں کی کہ اقبال کے شعر میں تو فاریابی کا ذکر ہے مگر ترجمہ میں ہم اس سے مراد 'فارابی' کیوں لیں۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے اس کی دلیل بھی فراہم کردی۔ وہ لکھتے ہیں:

''ایک رات میں نے اپنے کتب خانہ میں ایک کتابی کیڑے کو یہ کہتے سنا کہ میں نے بو علی سینا کی کتابوں میں اپنا آشیانہ بنایا اور فاریابی کی بھی کئی کتابیں دیکھی ہیں (اگر فلسفے کے حوالے سے بات ہو تو یہ فارابی ہوگا اور شعروشاعری یا ادب کے حوالے سے بات ہو تو پھر یہ مشہور شاعر ظہیر الدین فاریابی ہے۔ جو بلخ کے ایک قصبہ میں پیدا ہوا اور تبریز میں ۵۹۸ھ/۲۰۱۲ میں فوت ہوا۔ چونکہ زیادہ تر کتب کی بات ہوئی ہے، اس لیے یہ فارابی ہی ہوسکتا ہے)۔'' (221)

مندرجہ بالا اقتباس میں ایک اور غلطی بھی پائی جاتی ہے۔ ظہیر الدین فاریابی کا سنِ وفات 2012ء درج کیا ہوا ہے۔ یزدانی صاحب کا یہ ترجمہ 2004ء میں شائع ہوا تھا۔ بقول ان کے ظہیر الدین فاریابی ان کے ترجمہ کی اشاعت کے آٹھ سال بعد فوت ہوا یا ہوگا۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اپنی شرح کے صفحہ نمبر 299 پر فاریابی کا سنِ وفات ۱۲۰۱ء تحریر کیا ہے۔ دیگر مآخذات سے بھی اس سنِ وفات کی تصدیق ہوتی ہے۔ ہندسوں کے ردوبدل سے ۱۲۰۱ کی جگہ پر ۲۰۱۲ء درج ہوگیا۔ یہ غلطی نامی گرامی پبلشر (سنگِ میل پبلی کیشنز) اور مترجم کی نظروں میں نہ آسکی اور اسی طرح پرنٹ ہوگئی۔

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے احمد جاوید کی غلطی کو دہرایا اور پھر اس کی تاویل بھی کی۔ 'احمد جاوید' کی یہ غلطی کسی بھی لحاظ قرینِ قیاس نہیں ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کے علاوہ کسی اور مترجم یا شارح نے 'احمد جاوید' کی تائید نہیں کی۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کی 'احمد جاوید' اور اس طرح ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم سے فکری مماثلت اور بعض مقامات پر لفظی مماثلت اصولِ تحقیق کی رو سے 'سرقہ' شمار ہوتی ہے کیونکہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے ان اصحاب سے استفادہ کا کہیں ذکر یا اعتراف نہیں کیا۔ ڈاکٹر گیان 'تحقیق کا فن' کے صفحہ نمبر 201 پر لکھتے ہیں:

''جعل ہی کے خاندان کی دوسری چیز سرقہ ہے۔ اسے انگریزی میں Plagiarism کہتے ہیں۔ Webster's Collegiate Dictionary میں اس کی یہ تعریف دی ہے۔

Passing off as one's own the ideas, words, writings etc. of others. (۲۸)

یعنی دوسروں کے خیالات، الفاظ، تحریروں کو اپنا ظاہر کر کے چلانا ایم ایل اے ہینڈ بک میں Alexander Lindley نے سرقے کی تعریف یوں کی ہے۔

The False assumption of authorship; the wrongful act of taking the prduct of another person's mind, presenting it as one's own.(۲۹)

یعنی دوسروں کی ذہنی پیداوار مثلاً دلائل، سوچنے کے خطوط وغیرہ کو اپنا بنا کر پیش کرنا بھی سرقہ ہے، عاریت سے سرقے تک کئی منزلیں ہیں۔ خیال کی مماثلث لازماً سرقہ نہیں۔ فقروں کی مماثلث سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مظروف خیال بعد کے مصنف نے پیشتر کے مصنف سے اڑایا ہے۔ اگر الفاظ اور مفہوم دونوں بالکل یا بہت کچھ ملتے ہوں اور ان کا اعتراف نہ کیا گیا ہو تو وہ سرقہ ہے۔ سیرس نے سرقے کی تین قسمیں کی ہیں۔

۱۔ لفظ بہ لفظ چوری ۲۔ Patch work quilt یعنی ایسا لحاف جس کا ابرہ مختلف کپڑوں کی پیوندوں کو سی کر تیار کیا گیا ہو، مراد ہے جا بجا دوسروں کے جملے لے کر چپکا دینا۔ ۳۔ دوسروں کی دریافتوں کا اپنے الفاظ میں خلاصہ کر دینا۔ آخر الذکر میں اگر ماخذ کا اعتراف کر لیا جائے تو سرقہ نہیں۔ ماخذ کا اعتراف نہ کرنے کی صورت میں سرقہ ہے۔(۳۰)" (222)

مئے باقی

(صفحہ نمبر 176 تا صفحہ نمبر 245)

1- شرح پیامِ مشرق از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی میں قریباً ستر (70) صفحات پر اکیالیس (41) غزلیات مع فارسی متن اور اردو ترجمہ و مفہوم کے دی گئی ہیں۔

2- اس حصہ میں ہر ایک شعر کا ترجمہ و مفہوم قریباً 3 تا 5 سطروں میں دیا گیا ہے۔

3- ترجمہ کے ساتھ چند ایک جملوں کے اضافہ سے مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

4- شرح بہت کم نظر آتی ہے۔

5- زیادہ تر غزلیات (33 غزلیات) کے دو تین اشعار کے ساتھ نفسِ مضمون کی مناسبت سے اقبال یا کسی اور شاعر کے ایک دو اشعار دیے گئے ہیں۔

6- غزلیات نمبر 7، 8، 12 اور 20 میں اشعار کے نمبر درست نہیں دیے گئے۔

7- غزل نمبر 38 میں شعر نمبر 3 کا ترجمہ و مفہوم نہیں دیے گئے۔

8- بعض اشعار کا ترجم و مفہوم ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ و مفہوم سے مماثلث رکھتا ہے۔ غزل نمبر 2 کا شعر نمبر 6، ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے تراجم و مفاہیم ملاحظہ کریں۔

کس ندانست کہ من نیز بہاے دارم
آں متاعم کہ شود دست زدِ بے بصراں (223)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

کسی کو بھی یہ علم نہ ہوا / ہوسکا کہ میری بھی کوئی قدر و قیمت ہے۔ میں ایک ایسی دولت ہوں جو بے بصروں/ بے قدروں کے ہاتھ لگ جائے۔ علامہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان کی قوم نے دوسری زبانوں اور قوموں کے شعرا وادبا اور فلاسفہ کے اشعار واقوال کو تو لائق توجہ جانا لیکن میرے روح پرور پیغام پر بالکل توجہ نہ دی۔(224)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

کسی نے نہیں جانا کہ میں بھی کوئی قدر و قیمت رکھتا ہوں+ میں وہ دولت ہوں جو بے قدروں اور بے نظروں کے ہاتھ لگ جائے یعنی میری قوم نے دوسری قوموں اور زبانوں کے شاعروں ، فلسفیوں ، دانش وروں اور ادیبوں کو تو لائق توجہ سمجھا لیکن میرے کلام اور پیغام کی طرف توجہ نہ دی۔(225)

1- مندرجہ بالا شعر کا ترجمہ قریباً دو سطروں میں دیا گیا ہے۔

2- اس شعر کا مفہوم بھی دو سطروں میں دیا گیا ہے۔

3- ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے تراجم ومفاہیم میں لفظی ومعنوی مماثلت پائی جاتی ہے۔

غزل نمبر 3 کے شعر نمبر 3 کے ترجمہ ومفہوم کے ساتھ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے تفہیم متن کے لیے سات اشعار دیے ہیں۔ چار اشعار غالب کے، ایک شعر امیر خسرو، ایک شعر سعدی اور ایک شعر حسرت موہانی کا ہے۔ یہ واحد شعر ہے جس کا مفہوم واضح کرنے کے لیے یزدانی صاحب نے سات اشعار دیے ہیں۔ اقبال کا شعر اور یزدانی صاحب کا ترجمہ ومفہوم ملاحظہ کریں۔

بس کہ غیرت می برم از دیدۂ بینائے خویش
از نگہ بافم بہ رخسارِ تو رو بندے دگر (226)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

مجھے چونکہ تیرا انظارہ کرنے والی اپنی آنکھ سے غیرت آ رہی ہے، اس لیے میں اپنی نگاہوں کے تاروں سے تیرے رخساروں پر ایک چہرہ پوش/ نقاب بن رہا ہوں۔ گویا عاشق نہیں چاہتا کہ اس کے سوا کوئی اور بھی اس کے محبوب کو دیکھے حتیٰ کہ اس میں وہ اپنی آنکھوں کو بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں۔

ترجمہ کے بعد ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے اس مضمون کے درج ذیل اشعار لکھے ہیں۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

غالب نے بالکل یہی بات کی ہے:

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے
میں اسے دیکھوں، بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

غالب ہی کے بقول:

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

(چونکہ) تیرا نظارہ کرنے والی اپنی آنکھ سے مجھے بہت غیرت آ رہی ہے کیونکہ میری غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ تجھے کوئی اور نہ دیکھے)+ میں (نظروں کے تاروں سے) تیرے رخسار (چہرے) پر ایک اور چہرہ پوش بن رہا ہوں۔ تاکہ کوئی اور تو کیا میری آنکھیں بھی تجھے نہ دیکھ پائیں۔(228)

حسرت موہانی:

مجھے سے پوچھا نہ گیا نام و نشان بھی ان کا جستجو کی کوئی تمہید اٹھائی نہ گئی

رشک پر شعرا نے مختلف انداز میں بات کی ہے مثلاً:

نخواہد مردہ کس خودرا، ولے من زیں خوشم زیرا زجانِ خویش در رشکم کہ پہلویت چرا باشد
(امیر خسرو)

دل و جانم بتو مشغول و نظر در چپ وراست تا ندانند حریفاں کہ تو منظور منی
(سعدی)

می روم زیں کوئے واز رشک محبت می روم بس کہ بامن آشنا گشتی زغیرت می روم

آتا ہے میرے قتل کو، پر جوشِ رشک سے مرتا ہوں اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر
غالب (227)

1- شرح پیامِ مشرق از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی میں مندرجہ بالا فارسی شعر میں ’بافم‘ کی جگہ پر’باغم‘ لکھاہُوا ہے۔ درست لفظ ’بافم‘ ہے۔

2- ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے ترجمہ ومفہوم میں مماثلت قابلِ غور ہے۔

3- یزدانی صاحب نے شعر کا ترجمہ دوسطروں میں اور مفہوم بھی دوسطروں میں دیا ہے جبکہ بقیہ دس سطروں میں دیگر شعرا کے اشعار دیے ہیں۔

4- ڈاکٹر الف۔د۔نسیم نے توضیحی الفاظ و جملے قوسین میں دے کر لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے جبکہ حمید یزدانی صاحب نے نہ صرف اس شعر بلکہ تمام پیامِ مشرق کے ترجمہ میں یہ طرز اختیار نہیں کی۔انہوں نے ترجمہ ومفہوم میں بھی کوئی امتیاز قائم نہیں کیا۔

ترجمہ وشرح کا ہر ایک مترجم وشارح کا منفرد انداز ہوتا ہے۔میاں عبدالرشید، احمد جاوید، ڈاکٹر الف۔د۔نسیم اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے آزادی سے ترجمہ کیا ہے۔اس لیے ان کا ترجمہ کسی اور کے ترجمہ سے نہیں ملتا۔ حمید اللہ ہاشمی نے لفظ بہ لفظ دیگر تراجم اور شروح سے نقل لگائی ہے۔ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ ومفہوم کافی زیادہ حد تک ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے ترجمہ سے فکری مماثلت رکھتا ہے۔بعض مقامات پر لفظی مماثلت بھی نظر آتی ہے۔ موازنہ کے لیے غزل نمبر 45 کے پانچ اشعار اور ہر ایک شعر کے نیچے دیگر مترجمین کا ترجمہ دیا گیا ہے۔اس موازنہ سے تمام صورتِ حال واضح ہو جاتی ہے۔

شعر نمبر 1

بتانِ تازہ تراشیدۂ دریغ از تو
درونِ خویش نہ کاویدۂ دریغ از تو (229)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

تو نے نئے نئے بت تراشے ہیں، افسوس ہے تجھ پر لیکن تو نے اپنے باطن کو نہیں کھودا، افسوس ہے تجھ پر۔مطلب یہ کہ تو نے اپنی خودی، اپنی مخفی قوتوں اور

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم

تو نے نئے بت تراش لیے ہیں تجھ پر افسوس ہے +اپنے اندر کو تو نے نہیں کھودا (اپنی خودی تک رسائی حاصل نہ کی اسی لیے کئی خدا بنا رکھے ہیں) تجھ پر

صلاحیتوں کی معرفت حاصل نہیں کی، اسی لیے تو نت نئے معبود/ خدا بنا رہا ہے، تیرا یہ عمل لائق افسوس ہے۔(230)

افسوس ہے۔(231)

منثور اردو ترجمہ و مفہوم از میاں عبدالرشید

تجھ پر افسوس کہ تُو نے نئے بُت تراش لیے ہیں، مگر (کان) دل کی کھدائی نہ کی۔(232)

منثور اردو ترجمہ و مفہوم از احمد جاوید

تو نے نئے بُت تراش لئے تجھ پر افسوس ہے اپنا بھیتر نہ کریدا حیف ہے تجھ پر(233)

منثور اردو ترجمہ و مفہوم از حمید اللہ ہاشمی

تو نے نئے نئے بت تراش لیے تجھ پر افسوس ہے اپنا اندر نہ کریدا حیف ہے تجھ پر(234)

شعر نمبر 2

چناں گداختۂ از حرارتِ افرنگ

زچشمِ خویش تراویدۂ دریغ از تو (235)

منثور اردو ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

تو یورپ یعنی یورپی تہذیب سے کچھ اس حد تک پگھل گیا ہے کہ اپنی آنکھوں سے تو ٹپک پڑا ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے یعنی تو نے اپنی شناخت کھو دی ہے اور مذکورہ تہذیب سے بری طرح متاثر ہو کر تو اسے اپنائے ہوئے ہے۔ تیری یہ بات قابل افسوس ہے۔(236)

منثور اردو ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

تو یورپ یا اہل یورپ کی حرارت سے اس طرح پگھل گیا ہے+ کہ اپنی آنکھ کی راہ سے ٹپک پڑا ہے تجھ پر افسوس ہے (اپنی شناخت کھو بیٹھا ہے اور افرنگ رنگ ہو گیا ہے فرنگیوں کی جھولی میں جا پڑا ہے)۔(237)

منثور اردو ترجمہ و مفہوم از میاں عبدالرشید

تجھ پر افسوس کہ تو فرنگ کے (افکار کی) حرارت سے اس طرح پگھل چکا ہے، کہ خود اپنی نظر میں گر گیا ہے۔(احساسِ کمتری کا شکار ہو چکا ہے)(238)

منثور اردو ترجمہ و مفہوم از احمد جاوید

تو فرنگ کی حرارت سے ایسا پگھلا اپنی آنکھ سے (آنسو بن کر ٹپک پڑا) وائے ہو تجھ پر (239)

منثور اردو ترجمہ و مفہوم از حمید اللہ ہاشمی

تو فرنگ کی حرارت سے ایسا پگھلا اپنی آنکھ سے (آنسو بن کر) ٹپک پڑا! وائے ہو تو تجھ پر (خود اپنی نظر میں گر گیا ہے) احساس کمتری کا شکار ہو چکا ہے۔(240)

شعر نمبر 3

بکوچۂ کہ دہد خاک را بہائے بلند

بہ نیم غمزہ نیرزیدۂ دریغ از تو (241)

منثور اردو ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

ایک ایسے کوچے میں جہاں خاک کی بھی بڑی قدر و قیمت ہے، تو نیم ناز و ادا کی بھی قیمت نہیں پا رہا

منثور اردو ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

اس گلی میں عشق کی گلی میں) کہ جس کی مٹی بھی بڑی قیمت پاتی ہے+ تو آدھے غمزے (محبوب کے

،افسوس ہے تجھ پر۔ یہ باعث ہے اس امر کا کہ تو عشق حقیقی سے بالکل ناآشنا ہے۔(242)

معمولی آنکھ کے اشارے) کی قیمت بھی نہیں پاتا تجھ پر افسوس ہے (کیونکہ تو عشق سے ناآشنا ہے)۔(243)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از میاں عبدالرشید

تجھ پر افسوس کہ اس کوچہ (فرنگ) میں جو خاک کو بلند قیمت عطا کرتا ہے، تُو نے نیم غمزہ قیمت بھی نہیں پائی۔ (تُو فرنگیوں کے بازار میں سستا ہی بک گیا)(244)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از احمد جاوید

اس کوچے میں جہاں مٹی (بھی) اونچا مول پاتی ہے

تو آدھی جھلک کے (بھی) لائق نہ ٹھہرا! افسوس تجھ پر (245)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از حمید اللہ ہاشمی

اس کوچے (فرنگ) میں جہاں مٹی (بھی) اونچا مول پاتی ہے تو آدھی جھلک کے (بھی) لائق نہ ٹھہرا! افسوس تجھ پر (تو فرنگیوں کے بازار میں سستا ہی بک گیا)(246)

شعر نمبر 4

گرفتم ایں کہ کتابِ خرد فرو خواندی
حدیثِ شوق نہ فہمیدۂ دریغ از تو (247)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

میں یہ مان لیتا ہوں کہ تو نے عقل کی کتاب خوب پڑھی ہے، رٹ لی ہے لیکن افسوس کہ تو نے عشق کی بات ہی نہیں سمجھی یعنی عقل وخرد کے معاملے میں تو تیرے بڑے دعوے ہیں لیکن عشق کی دولت سے محروم ہے۔ افسوس ہے تجھ پر۔(248)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

میں مانتا ہوں کہ تو نے عقل کی کتاب بہت پڑھی ہے+ (لیکن) تو عشق کی حکایت کو نہیں سمجھتا تجھ پر افسوس ہے۔(249)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از میاں عبدالرشید

میں مانتا ہوں کہ تُو نے عقل کی ساری کتاب پڑھ لی ہے، مگر افسوس کہ تُو نے محبت وشوق کی بات نہیں سمجھی۔(250)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از احمد جاوید

میں نے یہ مانا کہ تو عقل کی کتاب پڑھ چکا ہے

(لیکن) عشق کی بات تو نے نہ سمجھی تجھ پر افسوس ہے(251)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از حمید اللہ ہاشمی

میں نے یہ مانا کہ تو عقل کی ساری کتاب پڑھ چکا ہے (تو نے انگریزوں کے قائم کردہ کالجوں میں فلسفہ اور سائنس کا بہت مطالعہ لیا ہے) لیکن عشق کی بات تو نے نہ سمجھی (تو نے عشق رسولؐ کا فلسفہ بالکل نہیں سمجھا تجھ پر افسوس ہے۔(252)

شعر نمبر 5

اطوافِ کعبہ زدی گردِ دَیر گردیدی
نگہ بخویش نہ پیچیدۂ دریغ از تو (253)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

تو نے کعبہ کا تو طواف کیا اور مندر کے گرد چکر لگائے لیکن اپنے آپ پر تو نے نظر نہ ٹکائی یا الجھائی، افسوس ہے تجھ پر۔ جب تو نے اپنی معرفت اپنی خودی کی شناخت نہیں کی تو تیرے یہ سب عمل بیکار ہیں۔ بنیادی چیز اپنی خودی کی معرفت ہے جس سے بقا کا سامان ہوتا ہے۔(254)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم

تو نے کعبہ کا طواف کیا تو نے مندر کے گرد چکر لگائے +(لیکن تو نے اپنی نگاہ کو اپنے آپ سے نہیں الجھایا تجھ پر افسوس ہے (تو نے خود کو نہ پہچانا یا اپنی خودی حاصل نہیں ہے)۔(255)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از میاں عبدالرشید

تُو نے کعبہ کا طواف بھی کیا، دَیر (بُت خانہ) کے گرد بھی پھرا، مگر افسوس کہ تُو نے اپنے آپ پر نگاہ نہ ڈالی۔(256)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از احمد جاوید

تو نے کعبے کا طواف کیا مندر کے پھیرے لگائے (مگر) اپنی طرف نگاہ نہ کی افسوس تجھ پر(257)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از حمید اللہ ہاشمی

تو نے کعبے کا طواف کیا مندر کے پھیرے لگائے (مگر) اپنی طرف نگاہ نہ کی افسوس تجھ پر (تو نے کبھی اپنی خودی کی تربیت کی طرف توجہ نہ کی)۔(اے مسلمان تو نے کعبہ کا طواف بھی کیا اور واپس آ کر پھر انگریز کی چوکھٹ پر سر جھکا دیا تو ساری عمر اندھا ہی رہا)۔(258)

مندرجہ بالا تمام اشعار کے تراجم کے درمیان موازنہ سے واضح ہے کہ

1- میں عبدالرشید، احمد جاوید اور ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے تراجم منفرد اور آزادانہ حیثیت رکھتے ہیں۔

2- ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے تراجم میں فکری اور بعض مقامات پر لفظی مماثلت پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کا ترجمہ 1997ء میں شائع ہوا تھا اور ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ 2009ء میں شائع ہوا۔ اس لیے واضح ہوا کہ مؤخر الذکر نے اول الذکر کی پیروی کی ہے۔

3- ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے ترجمہ دیا ہے شرح نہیں کی ہے۔

4- حمید اللہ ہاشمی نے غزل نمبر 45 کے الفاظ معانی اور ترجمہ احمد جاوید کی تسہیل پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 597 تا صفحہ نمبر 598 سے لفظ بہ لفظ نقل کیے ہیں اور انہوں نے ترجمہ کے اندر قوسین میں دیے گئے الفاظ شرح پیامِ مشرق از یوسف سلیم چشتی کے صفحہ نمبر 519 تا صفحہ نمبر 520 سے نقل کیے گئے ہیں مثلاً شعر نمبر 4 کے ترجمہ میں قوسین کے اندر دیے گئے درج ذیل اقتباسات بالکل اسی طرح شرح پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 520 پر دیے گئے ہیں۔

اقتباسات شرح حمید اللہ شاہ ہاشمی:

1- ''تو نے انگریزوں کے قائم کردہ کالجوں میں فلسفہ اور سائنس کا بہت مطالعہ کیا ہے''

2- ''تو نے عشق رسولؐ کا فلسفہ بالکل نہیں سمجھا تجھ پر افسوس ہے۔''

شرح از پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے صفحہ نمبر 520 پر شعر نمبر 4 کا ترجمہ ومفہوم اس طرح دیا گیا ہے۔ اس کے خط کشیدہ الفاظ حمید اللہ شاہ ہاشمی نے اپنے ترجمہ وشرح میں دیے ہیں۔

''میں نے مانا تو نے انگریزوں کے قائم کردہ کالجوں میں فلسفہ اور سائنس کا بہت مطالعہ کیا ہے لیکن افسوس ہے تجھ پر کہ تو نے عشق رسول کا فلسفہ بالکل نہیں سمجھا اور جب تو عاشقِ رسول نہیں ہے، تو کچھ بھی نہیں ہے''۔(259)

-5 حمید اللہ ہاشمی صاحب نے مذکورہ بالا غزل (غزل نمبر 45) کے شعر نمبر 2 اور شعر نمبر 3 کے تراجم کے آخری جملے، میاں عبدالرشید کے ترجمہ سے نقل کیے ہیں۔ ان اشعار کے تراجم کے خط کشیدہ جملے ملاحظہ کریں۔

نقشِ فرنگ وخردہ

(صفحہ نمبر 246 تا صفحہ نمبر 288)

-1 اس حصہ میں بھی پیامِ مشرق کے دیگر حصوں کی طرح تین چار سطروں میں ہر ایک شعر کا ترجمہ اور مفہوم دیا گیا ہے۔

-2 بعض اشعار کے ترجمہ ومفہوم کو واضح کرنے کے لیے نفسِ مضمون کے مطابق اقبال یا کسی اور شاعر کا شعر بھی تحریر کیا گیا ہے۔

-3 فرہنگ میں شخصیات اور تحاریک کا اختصار کے ساتھ تعارف دیا گیا ہے۔

جلال و ہیگل کے شعر نمبر 7 کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔

آفتابے که از تجلّیِ او

افقِ روم و شام نورانی (260)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم	منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی
رومی ایک ایسا سورج ہے کہ اس کی جلوہ گری سے ملک روم اور ملک شام کے افق پر نور ہے مراد ہے انہوں نے دنیائے اسلام کو منور کیا ہے۔(262)	وہ رومی جو ایک ایسا آفتاب ہیں جن کی روشنی سے ملک روم اور شام کے افق پرنور ہیں یعنی انہوں نے اسلامی دنیا کو منور کیا ہے۔(261)

نظم 'پٹوفی' کے شعر نمبر 3 کا ترجمہ ومفہوم ملاحظہ کریں۔

بنوائے خود گم استی سخنِ تو مرقدِ تو

بہ زمیں نہ باز رفتی کہ تو از زمیں نہ بودی (263)

منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم	منثور اردو ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی
(چونکہ پٹوفی کو قبر نصیب نہیں ہوئی تھی اس پر منظر میں کہا گیا ہے کہ) تو اپنی شاعری میں گم ہے (لوگ تجھے قبر میں نہیں تیری شاعری میں پوشیدہ دیکھتے ہیں) تیری شاعری ہی تیری قبر ہے+ چونکہ تو اس زمین کی مٹی سے نہیں تھا (بلکہ کسی اور جہان کی مخلوق تھا اس لئے) تو واپس زمین میں نہیں گیا یعنی تیری قبر نہیں بن سکی (اس	تو اپنی نوا/شاعری میں گم ہے اور تیری شاعری ہی تیری قبر ہے، تو زمین میں واپس نہیں گیا، اس لیے کہ تیرا تعلق زمین سے نہ تھا۔ گویا اس کے جذبوں اور اس کی قبر نہ ہونے کے حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ تو اگرچہ نسل انسانی سے تعلق رکھتا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے تجھے اس کام کی خاطر

خصوصی جذبوں اور صفات کے ساتھ عام انسانوں سے ہٹ کر تخلیق کیا ہے۔(264)

جہان کی مخلوق ہونے سے یہ مراد نہیں کہ وہ نسل آدم سے نہ تھا بلکہ یہ مراد ہے کہ اس نسل کے عام آدمیوں کی طرح نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے قدرت نے اسے خصوصی طور پر تخلیق کیا تھا اور خصوصی صفات سے نوازا تھا۔(265)

شرح پیامِ مشرق کے مختلف حصوں میں دیے گئے نفسِ مضمون کے تحقیقی جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ

1- کتاب کے شروع میں فہرست عنوانات نہیں دی گئی۔ فہرست عنوانات نہ دینے کی وجہ سے مطلوبہ رباعی، نظم، غزل یا شعر تک پہنچنے میں دشواری پیش آتی ہے۔

2- شرح پیامِ مشرق کے تمام مندرجات اور نفس مضمون سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب پیامِ مشرق کے ترجمہ و مفہوم پر مشتمل ہے۔ اس میں شرح سے متعلقہ ضروری امور مدنظر رکھ کر اقبال کے فکر و فن اور فلسفہ کے ضروری پہلوؤں کو کھول کر بیان نہیں کیا گیا۔ کلام اقبال میں شامل ہر ایک شعر کا ترجمہ و مفہوم چند سطروں میں دیے گئے ہیں اس لیے اسے پیامِ مشرق کی شرح قرار نہیں دیا جاسکتا، تاہم اسے ترجمہ کی حیثیت حاصل ہے۔

3- اس کتاب میں فارسی متن کے ساتھ ترجمہ و مفہوم دیا گیا ہے، جس سے فارسی متن اور اس کے حوالے سے ترجمہ و مفہوم کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

4- ترجمہ میں قوسین کے استعمال سے لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار نہیں رکھی گئی۔ اس لیے اس ترجمہ کی مدد سے حقیقی معنوں میں فارسی متن کی تفہیم حاصل نہیں ہوسکتی۔

5- اس کتاب کا ترجمہ و مفہوم بعض مقامات پر ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ و مفہوم سے مماثلت رکھتا ہے۔ اس طرح احمد جاوید کے ترجمہ میں دیے گئے فرہنگ کے ساتھ بھی مماثلت نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے اپنی تصنیف میں اس امر کا اعتراف نہیں کیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند اس طرح کی مماثلت کو بھی سرقہ قرار دیتے ہیں۔

6- ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے ترجمہ و مفہوم آسان زبان اور سیدھے سادھے انداز میں بیان کیے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی علمی کوشش قابلِ تعریف ہے۔

7- بعض اشعار کی شرح میں دوسرے فارسی و اردو شعرا کے ہم مضمون اشعار دیے گئے ہیں۔

8- فرہنگ میں مشکل الفاظ و محاورات کے معانی کے علاوہ مختلف قسم کی قرآنی، حدیث کی اور تاریخی تلمیحات وغیرہ کی وضاحت دی گئی ہے، تاہم تمام مشکل الفاظ و محاورات کے معانی نہیں دیے گئے۔

9- کتاب میں جن شخصیات کا ذکر آیا ہے ان پر مختصر نوٹ دیے گئے ہیں۔ بعض شخصیات اور ان کے افکار کے حوالے سے یہ نوٹ تسلی بخش نظر نہیں آتے۔

10- فارسی کلام کے مشکل الفاظ و معانی فارسی متن کے ساتھ نہیں دیے گئے بلکہ کتاب کے آخر پر دیے گئے ہیں۔ اس سے تفہیم متن میں دشواری پیش آتی ہے۔

11- مندرجہ بالا معروضات اور گزارشات کی روشنی میں اگر اس تصنیف کو بہتر بنالیا جائے تو یہ طلبہ و طالبات اور دیگر قارئین کے لیے قابلِ قدر تصنیف ثابت ہوسکتی ہے۔

شرح وترجمہ

پیامِ مشرق

از

پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

شرح وترجمہ پیامِ مشرق از حمید اللہ ہاشمی ان کی شرح کلیاتِ اقبال فارسی میں شامل ہے۔شرح کلیاتِ اقبال فارسی از پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی میں اقبال کے درج ذیل فارسی مجموعہ ہائے کلام کا ترجمہ اور تشریح شامل ہے۔

نمبر شمار	ٹائٹل	صفحہ نمبر	نمبر شمار	ٹائٹل	صفحہ نمبر
1-	اسرار و رموز	007	2-	پیامِ مشرق	265
3-	زبورِ عجم	499	4-	جاوید نامہ	685
5-	مثنوی پس چہ باید کرد..... مع مثنوی مسافر	907	6-	ارمغانِ حجاز	1031

ٹائٹل، سب ٹائٹل، پرنٹنگ کے صفحہ اور فہرست کے بعد 'تعارف' دیا گیا ہے۔تعارف میں پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی نے کلام اقبال فارسی کے ترجمہ وشرح کے مقاصد بیان کئے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

> ''شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کا تمام تر شعری سرمایہ فارسی اور اُردو میں ہے۔فارسی برصغیر کی عظیم ثقافتی اور ادبی زبان رہی ہے، مگر اب وہ ہمارے ہاں ایک اجنبی زبان بنتی جارہی ہے۔مطالعہ فارسی کے انحطاط کی وجہ سے عام قاری اور طلبہ/ طالبات ان سے استفادہ کم کرتے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ علامہ اقبالؒ کے افکار (جو زیادہ تر فارسی میں ہیں) کو زیادہ سے زیادہ سلیس اور عام فہم انداز میں بیان کر دیا جائے تا کہ عام قاری کے لیے فکرِ اقبال تک رسائی آسان ہو جائے۔یہی اس کتاب کا مقصد بھی ہے کہ عام پڑھا لکھا آدمی آسانی سے علامہ مرحوم ومغفور کا پیغام صحیح طور پر سمجھ سکے اور علامہ مرحوم کی تعلیمات سے استفادہ کر سکے۔''(266)

'تعارف' کے آخر پر پروفیسر حمید اللہ ہاشمی نے اندریں الفاظ اپنی تعلیمی قابلیت (اسناد) اور موجودہ مصروفیت کا ذکر کیا ہے:

> ''پروفیسر حمید اللہ ہاشمی''
> ایم۔اے (اردو)، ایم۔اے (تاریخ)
> ایم اے (اسلامیات)، ایم۔اے (پنجابی)
> پرنسپل چکوال گرامر سکول، چکوال''(267)

مندرجہ بالا اقتباس کے مطابق پروفیسر حمید اللہ ہاشمی اردو، تاریخ، اسلامیات اور پنجاب میں ایم اے کی

سطح کی تعلیم کے حامل ہیں۔فارسی زبان وادب کے حوالے سے وہ کوئی تعلیم نہیں رکھتے۔

اندریں حالات فکر اقبال کی تفہیم اور فارسی زبان وادب کے حوالے سے شرح کلیات اقبال فارسی کا ترجمہ وتشریح کرنا، ان کی ان کہی، نادیدہ اور چھپی ہوئی صلاحیت کا اظہار ہے جو کہ قابلِ تحقیق اور غور طلب امر ہے۔

یہ کتاب $\frac{20 \times 30}{8}$ کے سائز پر پرنٹ ہوئی ہے۔یہ کتاب کل 1136 صفحات پر مشتمل ہے۔اس کے صفحہ نمبر 3 پر کلیات اقبال فارسی کی اجمالی (مختصر) فہرست دی گئی ہے۔صفحات نمبر 1123 تا 1136 پر تفصیلی فہرست دی گئی ہے۔صفحات نمبر 265 تا صفحات نمبر 497 پر پیامِ مشرق کا فارسی متن، فرہنگ، ترجمہ اور تشریح دیے گئے ہیں۔

صفحہ نمبر 267 پر 'تمہید' کے عنوان سے پیامِ مشرق کے حصہ ''پیش کش'' کا تعارف اور تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔صفحہ نمبر 269 تا صفحہ نمبر 272 پر پیامِ مشرق میں شامل اقبال کا محررہ 'دیباچہ' دیا گیا ہے۔صفحہ نمبر 273 تا صفحہ نمبر 281 پر 'مقدمہ' کے عنوان کے تحت پیامِ مشرق کے مختلف حصوں کا تعارف اور 'پیامِ مشرق پر ایک نظر' کے عنوان سے پیامِ مشرق کا فکری وفنی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔اس کے بعد ترتیب سے لالۂ طور، افکار، مئے باقی، نقشِ فرنگ اور خردہ میں شامل کلامِ اقبال، اس کے معانی، ترجمہ، تشریح پیش کیے گئے ہیں۔ترجمہ وتشریح میں کوئی حدِ فاصل قائم نہیں کی گئی اور ہر ایک شعر کا ترجمہ وتشریح چند ایک سطروں میں دیا گیا ہے۔اس میں ترجمہ کے ساتھ چند ایک جملوں کے اضافہ سے، اسے تشریح کی شکل دی گئی ہے۔

<u>لالۂ طور:-رباعی نمبر 21</u>

صفحہ نمبر 302 پر رباعی نمبر 21، اس کے معانی اور ترجمہ وتشریح دیے گئے ہیں۔یہاں پر دیا گیا فارسی متن، اصل متن از پیامِ مشرق کے عین مطابق درست ہے۔پیامِ مشرق کے دیگر تراجم اور شروح کے ساتھ موازنہ اور تجزیہ سے درج ذیل حیران کن امور واضح ہوتے ہیں۔

-1 اس رباعی کے معانی تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید سے نقل کیے گئے ہیں۔
-2 اس کا ترجمہ بھی تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید سے نقل کیا گیا ہے۔
-3 ترجمہ وشرح کے آخر پر دیا گیا 'نوٹ' شرح پیامِ مشرق از پروفیسر یوسف سلیم چشتی سے نقل کیا گیا ہے۔

اس رباعی کے معانی اور ترجمہ وتشریح کے سلسلہ میں پروفیسر حمید اللہ ہاشمی کی ذاتی کوشش اس کے علاوہ اور نظر نہیں آتی۔اس لیے اس کا فکری وفنی جائزہ لینا بے کار ہے۔جائزہ اور تجزیہ کے لیے رباعی 21، مشکل الفاظ ومعانی اور ترجمہ وتشریح کے اصل مآخذ اور پروفیسر حمید اللہ ہاشمی کے منقول معانی، ترجمہ وتشریح درج یل ہیں۔

شنیدم در عدم پروانہ می گفت
دمے از زندگی تاب و تبم بخش
پریشاں کن سحر خاکسترم را
ولیکن سوز و سازِ یک شبم بخش (268)

الفاظ معانی از احمد جاوید	الفاظ معانی از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی
• شنیدم: میں نے سُنا (شنیدن = سننا۔ • عدم: وجود کی ضد، نیستی۔ • می گفت: وہ کہہ رہا تھا (گفتن =	شنیدم: میں نے سُنا۔عدم: وجود کی ضد۔نیستی، می گفت: وہ کہہ رہا تھا۔دمے: ایک پل، ایک لمحہ، ایک

سانس ۔تاب وتم بخش: مجھے تپش اورتڑپ عطا کر۔ تاب: پریشان کن: بکھیر دے۔ہوا میں اڑا دے ۔خاکسترم: میری راکھ ۔سوز: فراق یار میں تڑپتے رہنا۔ساز:تڑپنے میں لذت محسوس کرنا۔(269)

کہنا)۔ •دے: ایک پل، ایک لمحہ، ایک سانس (دم=+ ے=ایک)۔• تاب وتم بخش: مجھے تپش اورتڑپ عطا کر(تاب=گرمی، چمک+تب=تڑپ، گرمی+ بخش = عطا کر[بخشیدن = عطا کرنا])۔ •پریشان کن: بکھیر دے، ہوا میں اڑا دے ۔ •خاکسترم=راکھ +م =میری)۔ •را: کو۔(پریشان کردن:بکھیرنا) (270)

ترجمہ از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

میں نے عدم میں پروانے کو یہ کہتے سنا مجھے زندگی بھر میں سے ایک پل کی تپش اورتڑپ بخش دے یعنی میں دنیا میں عاشقانہ زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔

بے شک سویرے میری راکھ بکھیر دینا لیکن مجھے ایک رات سوز وساز عطا کردے۔اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجھے ایک سازگار رات عطا کردے وہ رات جو سوز بھری ہو۔(271)

ترجمہ از احمد جاوید

میں نے عدم میں پروانے کو یہ کہتے سُنا
مجھے زندگی (بھر) میں سے ایک پل کی تپش اور تڑپ بخش دے
سویرے میری راکھ بکھیر دے
لیکن مجھے ایک رات کا سوز وساز عطا فرمادے

(272)

شرح از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

نوٹ:۔''سوز وساز'' اقبال کی محبوب اور کثیر الاستعمال تراکیب میں سے ہے۔اقبال کی رائے میں عاشق کی زندگی انہی دو باتوں سوز وساز سے عبارت ہے یہ اس قدر قیمتی ہے کہ وہ اس کے بدلے میں ''شان خداوندی'' بھی لینے کیلئے تیار نہیں ہے۔

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی
(اقبال)(273)

شرح از پروفیسر یوسف سلیم چشتی

نوٹ:۔''سوز وساز'' اقبال کی محبوب اور اسی لیے کثیر الاستعمال تراکیب میں سے ہے۔اگرچہ انہوں نے اس کو عاشقانہ زندگی کی مختلف کیفیات کے اظہار کے لیے استعمال کیا ہے لیکن ان دو لفظوں کا بنیادی تصور یہ ہے:۔

سوز=درغمِ جاناں سوختن=فراقِ یار میں تڑپتے رہنا۔
ساز=باغمِ جاناں ساختن = تڑپنے میں لذّت محسوس کرنا۔

اقبال کی رائے میں عاشق کی زندگی انہی دو باتوں سے عبارت ہے۔اور یہ زندگی اس قدر رفیع ہے، اس

قدر قیمتی ہے کہ وہ اس کے بدلہ میں ''شانِ
خداوندی'' بھی لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

متاعِ بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

(274)

ہاشمی صاحب نے رباعی کے ترجمہ وشرح میں شامل درج ذیل جملہ ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے ترجمہ سے نقل کیا ہے:

''......اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجھے ایک سازگار رات عطا کردے وہ رات جوسوز بھری ہو۔.....''(275)

ڈاکٹر گیان چند نے اپنی تصنیف 'تحقیق کا فن' کے صفحہ نمبر 201 پر 'سرقہ' اور اس کی اقسام کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

''جعل ہی کے خاندان کی دوسری چیز سرقہ ہے۔اسے انگریزی میں Plagiarism کہتے ہیں۔Webster's Collegiate Dictionary میں اس کی یہ تعریف دی ہے۔

Passing off as one's own the ideas, words, writings etc. of others .(28)

یعنی دوسروں کے خیالات، الفاظ، تحریروں کو اپنا ظاہر کر کے چلانا ایم ایل اے ہینڈ بک میں Alexander Lindley نے سرقے کی تعریف یوں کی ہے۔

The false assumption of authorship; the wrongful act of taking the product of another person's mind, presenting it as one's own(29)

یعنی دوسروں کی ذہنی پیداوار مثلاً دلائل، سوچنے کے خطوط وغیرہ کو اپنا بنا کر پیش کرنا بھی سرقہ ہے، عاریت سے سرقے تک کئی منزلیں ہیں۔خیال کی مماثلت لازماً سرقہ نہیں۔فقروں کی مماثلت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مظروف خیال بعد کے مصنف نے پیشتر کے مصنف سے اڑایا ہے۔اگر الفاظ اور مفہوم دونوں بالکل یا بہت کچھ ملتے ہوں اور ان کا اعتراف نہ کیا گیا ہو تو وہ سرقہ ہے۔سیرس نے سرقے کی تین قسمیں کی ہیں۔

۱۔لفظ بہ لفظ چوری۔۲۔Patch work quilt یعنی ایسا لحاف جس کا ابرہ مختلف کپڑوں کی پیوندوں کو سی کر تیار کیا گیا ہو، مراد ہے جابجا دوسروں کے جملے لے کر چپکا دینا۔۳۔دوسروں کی دریافتوں کا اپنے الفاظ میں خلاصہ کردینا۔آخرالذکر میں اگر ماخذ کا اعتراف کرلیا جائے تو سرقہ نہیں۔ماخذ کا اعتراف نہ کرنے کی صورت میں سرقہ ہے۔(۳۰)'' (276)

حمیداللہ ہاشمی صاحب نے قریباً تمام شرح پیامِ مشرق میں تسہیل پیام مشرق از احمد جاوید سے الفاظ معانی اور ترجمہ دیا ہے۔ ترجمہ میں قوسین کے اندر دیے گئے توضیحی الفاظ و جملے یا ترجمہ کے ساتھ مفہوم واضح کرنے کے لیے دیے گئے اضافی جملے شرح پیام مشرق از یوسف سلیم چشتی اور ترجمہ و مفہوم پیامِ مشرق از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم سے لفظ بہ لفظ نقل کئے گئے ہیں۔ ریاضی کی زبان میں حمیداللہ شاہ ہاشمی کا پیامِ مشرق کا ترجمہ و شرح لکھنے کا فارمولا یوں بنتا ہے۔

شرح پیامِ مشرق از حمیداللہ ہاشمی = الفاظ معانی و ترجمہ از احمد جاوید + شرح از یوسف سلیم چشتی + ترجمہ از ڈاکٹر الف ۔د۔ نسیم

آنکھیں بند کر کے حمیداللہ شاہ ہاشمی کی شرح کا کوئی صفحہ بھی کھول لیں، مندرجہ بالا فارمولا درست ثابت ہوگا۔ اس ضمن میں پیام مشرق کے مختلف حصوں سے چند ایک مزید مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔

لالۂ طور:- رباعی نمبر 93

رباعی نمبر 93، اس کے معانی اور ترجمہ و تشریح ملاحظہ کریں:

الفاظ معانی از پروفیسر حمیداللہ ہاشمی

مرکب ختلی: ختلانی گھوڑا، اعلیٰ نسل کا گھوڑا۔ مرکب: سواری، گھوڑا۔ ختلی، ختلانی: ختل یا ختلان سے منسوب جو بدخشاں کے نواح میں ایک علاقہ ہے جہاں کے گھوڑے بہت مشہور ہیں۔ سوارم: میں سوار ہوں۔ نہ از وابستگان شہر یارم: نہ میں بادشاہ کے مصاحبوں اور درباریوں میں سے ہوں۔ ہمیں: یہی۔ بس: بہت، کافی۔ کاوم: میں کریدوں۔ لعلے: کوئی یاقوت، لعل۔ برآرم: نکالوں، باہر لاؤں۔ برآوردن: باہر لانا، نکالنا، باہر نکالنا۔(277)

الفاظ معانی از احمد جاوید

• مرکبِ ختلی: ختلانی گھوڑا (مرکب سواری، گھوڑا + ختلی = ختلانی، ختل یا ختلان سے منسوب جو بدخشاں کے نواح میں ایک علاقہ ہے جہاں کے گھوڑے بہت مشہور ہیں)۔ • سوارم: میں سوار ہوں (سوار + م = میں ہوں)۔ • نہ از وابستگانِ شہر یارم: نہ میں بادشاہ کے مصاحبوں اور درباریوں میں سے ہوں (نہ + از = سے + وابستگاں = وابستہ کی جمع، درباری، مصاحب + شہر یار = بادشاہ + م = ہوں)۔ • ھمیں: یہی۔ • بس: بہت، کافی۔ • کاوم: میں کریدوں (کاویدن = کھودنا، تلاش کرنا، جدوجہد کرنا)۔ • لعلے: کوئی یاقوت، لعل (لعل + ے = ایک، کوئی)۔ • برآرم: نکالوں، باہر لاؤں (برآوردن = باہر لانا، نکالنا، باہر نکالنا)۔(278)

ترجمہ از پروفیسر حمیداللہ ہاشمی

نہ میں ختلانی گھوڑے پر سوار ہوں نہ (کسی) بادشاہ کے درباریوں میں سے ہوں (عاشق بادشاہوں سے بے نیاز ہوتا ہے) اے دوست میرے لئے یہی دولت کافی ہے جب سینے کو کریدوں، یاقوت نکالوں۔ میرے لیے یہی دولت کافی ہے کہ جب تنہائی میں فکر سخن (سینہ کاوی) کرتا ہوں تو نہایت بلند پایہ اور بیش

ترجمہ از احمد جاوید

نہ میں ختلانی گھوڑے پر سوار ہوں نہ (کسی) بادشاہ کے درباریوں میں سے ھوں اے دوست میرے لیے یہی دولت کافی (ھے) جب سینے کو کریدوں، یاقوت نکالوں"(280)

قیمت اشعار (لعل) موزوں کر لیتا ہوں۔یعنی
جب میں فکر میں ڈوبتا ہوں معانی ومضامین کے
موتی نکال لیتا ہوں)''۔(279)

1- حمید اللہ ہاشمی صاحب نے مذکورہ بالا رباعی کے معانی اور ترجمہ تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید کے صفحہ نمبر 135 سے نقل کئے ہیں۔ تقابل و موازنہ کے لیے مندرجہ بالا متون ملاحظہ کریں۔

2- ہاشمی صاحب نے ترجمہ کے بعد مفہوم واضح کرنے کے لیے دو جملے تحریر کیے ہیں۔ پہلا جملہ شرح پیامِ مشرق از پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے صفحہ نمبر 181 سے اور دوسرا (آخری) جملہ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ کے صفحہ نمبر 55 سے نقل کیا گیا ہے۔ متعلقہ اقتباسات ملاحظہ کریں۔

''..... میرے لیے یہی دولت کافی ہے کہ جب میں رات کی تنہائی میں فکرِ سخن (سینہ کاوی) کرتا ہوں تو نہایت بلند پایہ اور بیش قیمت اشعار (لعل) موزوں کر لیتا ہوں۔'' (281)

''جب میں فکر میں ڈوبتا ہوں معانی ومضامین کے موتی نکال لیتا ہوں۔''(282)

3- ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کا متذکرہ بالا جملہ، ہاشمی صاحب کی طرح ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے بھی اپنے ترجمہ پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 57 پر معمولی سے ردوبدل کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی لکھتے ہیں:

''..... فکر میں محو ہوتا ہوں تو پھر جو کچھ کہتا ہوں وہ گویا معانی ومضامین کے موتی نکالتا ہوں۔''(283)

4- حمید اللہ ہاشمی نے پیامِ مشرق کے معانی اور ترجمہ دیے ہیں، تشریح نہیں دی۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے پیامِ مشرق کا ترجمہ ومطالب 'نسیم سلام مشفق' تحریر کیا مگر اسے شرح کا نام نہیں دیا۔ انہی کے انداز سے ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور حمید اللہ شاہ ہاشمی نے بھی پیامِ مشرق کے تراجم تحریر کئے اور برائے نام مفہوم دیا مگر اپنی اس علمی کوشش کا نام 'شرح' رکھ دیا۔ ان حضرات کی یہ علمی کوششیں کسی طرح بھی شرح کے زمرے میں نہیں آتیں۔

لالۂ طور:- رباعی نمبر 163

رباعی نمبر 163، شرح پیامِ مشرق از حمید اللہ شاہ ہاشمی سے ان کے معانی اور ترجمہ وتشریح ملاحظہ کریں۔

الفاظ معانی از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

زعقل ذوفنوں: بہت سے فن جاننے والی عقل۔ کرد: اس نے کیا۔ دل خود کام: خود غرض دل۔ زاقبال فلک پیما: آسمانوں کی سیر کرنے والے اقبال کے بارے میں، آسمان ناپنے والے اقبال کا۔ پرسی: تو پوچھتا ہے۔ حکیم نکتہ دان ما: ہمارا عقل مند فلسفی۔ جنوں کرد: اس نے پاگل پن کیا، وہ دیوانہ ہوگیا۔ ع کیا جنوں کر گیا شعور سے وہ (میر)۔(284)

الفاظ معانی از احمد جاوید

• زعقل ذوفنوں: بہت سے فن جاننے والی عقل (عقل = خرد، جزوی عقل + ذوفنوں = ہر فن مولا، مکار، چالباز، فریبی، عیار)۔ • کرد: اُس نے کیا (کردن = کرنا)۔ • دل خود کام: خود غرض دل (دل + خود کام = خود غرض، خود سر، مغرور)۔ • زاقبال فلک پیما: آسمانوں کی سیر کرنے والے اقبال کے بارے میں، آسمان ناپنے والے اقبال کا (ز = از = کا، کے متعلق + اقبال + فلک

= آسمان + پیما = ناپنے والا [پیمر دن = ناپنا، طے کرنا]۔ فلک پیما = آسمان کی سیر کرنے والا، بلند خیال)۔ • پرسی: تو پوچھتا ہے (پرسیدن = پوچھنا)۔ • حکیم نکتہ دانِ ما: ہمارا عقلمند فلسفی (حکیم = فلسفی، صاحب حکمت +نکتہ = بھید، باریکی، دور کی بات + داں = دانندہ، جاننے والا [دانستن = جاننا] ما = ہمارا)۔ • جنون کرد: اس نے پاگل پن کیا، وہ دیوانہ ہو گیا (جنون کردن = دیوانہ ہونا، اردو میں جنوں کرنا بھی مستعمل ہے۔ ؏ کیا جنوں کر گیا شعور سے وہ (میر)۔(285)

ترجمہ از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

آخر عیار (چالاک) عقل سے پیچھا چھڑایا دل کو عشق سے لہو کیا (خون کیا) آسمان کی سیر کرنے والے اقبال کا کیا پوچھتا ہے ہمارا سیانا فلسفی (عقل چھوڑ کر) مجنوں ہو گیا۔ (عقل کی بجائے عشق کا راستہ اختیار کر)۔ یہ حکیم نکتہ داں خدا، رومی یا کوئی اور صاحب عشق ہوسکتا ہے جس نے اقبال میں یہ تبدیلی پیدا کی۔ انہوں نے مذہب عشق اختیار کیا۔ اقبال لکھتے ہیں۔

ہے فلسفہ میرے آگ و گل میں
پوشیدہ ہے ریشہ ہائے دل میں
انجام خرد ہے بے حضوری
ہے فلسفہ زندگی سے دوری
(286)

ترجمہ از احمد جاوید

آخر عیار عقل سے پیچھا چھڑایا دل کو عشق سے لہو کیا آسمان کی سیر کرنے والے اقبال کا کیا پوچھتا ہے ہمارا سیانا فلسفی مجنوں ہو گیا۔"(287)

ترجمہ و مفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

"یہ حکیم نکتہ داں خدا، رومی یا کوئی اور صاحب عشق ہوسکتا ہے جس نے اقبال میں یہ تبدیلی پیدا کی....."(288)

شرح پیامِ مشرق از پروفیسر یوسف سلیم چشتی

"انہوں نے اپنی علمی زندگی کا آغاز فلسفہ سے کیا ہے۔ ۱۸۹۳ء سے ۱۹۱۰ء تک وہ دن رات اس کے مطالعہ میں منہمک رہے۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں کہ ۔

ہے فلسفہ میرے آب و گل میں
پوشیدہ ہے ریشہ ہائے دل میں

لیکن ۱۹۱۱ء سے انہوں نے قرآن حکیم کا مطالعہ تحقیقی رنگ سے شروع کیا، تو اُن پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ ۔

انجام خرد ہے بے حضوری
ہے فلسفہ زندگی سے دوری

اس لیے ۱۹۱۸ء سے انہوں نے مذہب عشق اختیار کر لیا۔ اور تادمِ وفات اسی مسلک پر گامزن رہے۔"(289)

1- مندرجہ بالا رباعی کا فارسی متن ، پیامِ مشرق، صفحہ 79 پر دیے گئے متن کے مطابق درست ہے۔

2- تمام معانی اور ترجمہ تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید کے صفحہ نمبر 205 سے نقل کیے گئے ہیں۔

3- ترجمہ وتشریح کے آخر پر دیے گئے دو جملوں میں سے پہلا جملہ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ کے صفحہ نمبر 80 سے نقل کیا گیا ہے۔

4- آخر پر دیے گئے دونوں اشعار بھی شرح پیامِ مشرق از چشتی صاحب کے صفحہ نمبر 244 سے نقل کئے گئے ہیں۔ یہ دونوں اشعار ضرب کلیم کے صفحہ نمبر 18 پر لکھی گئی نظم 'ایک فلسفہ زدہ سیّد زادے کے نام' سے لیے گئے ہیں۔ کلیاتِ اقبال اردو کے مطابق پہلا شعر درست ہے۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں چشتی صاحب نے غلطی سے 'خرد ہے' کے بجائے 'خرد ے' لکھ دیا۔ ہاشمی صاحب نے اسے 'خرد دے' بنا دیا۔ اس مصرع میں لفظ 'دے' غلط لکھا گیا ہے۔ درست لفظ 'ہے' ہے۔ کلیاتِ اقبال اردو کے مطابق درست شعر یہ ہے ۔

انجامِ خرد ہے بے حضوری
ہے فلسفہ زندگی سے دوری

5- حمید اللہ شاہ ہاشمی کی علمی کوشش کے تحقیقی وتقابلی جائزہ کے لیے تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید، شرح پیامِ مشرق از یوسف سلیم چشتی اور ترجمہ ومفہوم از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کتب سے نقل کیے گئے متون مع حوالہ جات بائیں کالم میں تحریر کردیے گئے ہیں۔

افکار:- کرمِ کتابی

'کرمِ کتابی' پانچ اشعار پر مشتمل مختصر سی نظم ہے۔ شرح از حمید اللہ ہاشمی میں دوسرے شعر کا پہلا مصرع درست نہیں دیا۔ اس میں 'باوراق' کی جگہ 'بہ اوراق' لکھا ہوا ۔ پیامِ مشرق کے مطابق اصل متن یہ ہے:

شنیدم شبے در کتب خانۂ من   بہ پروانہ می گفت کرمِ کتابی
باوراقِ سینا نشیمن گرفتم   بسے دیدم از نسخۂ فاریابی (290)

ہاشمی صاحب نے ان دونوں اشعار کے معانی اور ترجمہ وتشریح اس طرح سے دیے ہیں:

معانی ترجمہ وتشریح از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

شنیدم: میں نے سنا۔ شبے: ایک رات۔ شب: رات۔ درکتب خانہ من: میرے کتب خانے میں۔ بہ: سے۔ میگفت: وہ کہہ رہا تھا، کہتا تھا۔ کرم کتابی: کتاب کا کیڑا ، دیمک۔ بہ اوراق سینا: بوعلی سینا کے اوراق میں۔ سینا: ابوعلی ابن عبداللہ ابن سینا، نامور مسلمان فلسفی۔ نشیمن گرفتم: میں نے گھر بنایا۔ بسے: بہت۔ دیدم: میں نے دیکھا۔ نسخہ فاریابی کی کتاب۔ نسخہ: کتاب، مسودہ۔ فاریابی: ظہیر فاریابی مشہور فارسی شاعر یا ابونصر محمد الفارابی معروف مسلمان

فرہنگ وترجمہ از احمد جاوید

• شنیدم: میں نے سنا (شنیدن=سننا)۔ • شبے: ایک رات (شب=رات + ے=ایک)۔ • درکتب خانہ من: میرے کتب خانے میں (در= میں+ کتب خانہ= لائبریری[کتب= کتاب کی جمع + خانہ= گھر] +من= میرے)۔ • بہ: سے۔ • میگفت: وہ کہہ رہا تھا ،کہتا تھا (گفتن= کہنا)۔ • کرم کتابی: کتاب کا کیڑا، دیمک۔ • بہ اوراقِ سینا: بوعلی سینا کے اوراق میں (بہ= میں+ اوراق= ورق کی جمع مراد کتابیں + سینا= ابوعلی ابن عبداللہ ابن سینا

فلسفی اس کی شہرت کا دارومدار زیادہ تر اس شعر پر ہے۔ دیوان ظہیر فاریابی۔ در کعبہ بدزد اگر یابی۔(291)

نامور مسلمان فلسفی)۔ • نشیمن گرفتم: میں نے گھر بنایا۔ • بسے: بہت۔ • دیدم: میں نے دیکھا (دیدن = دیکھنا)۔ • نسخہ فاریابی کی کتاب (نسخہ = کتاب، مسودہ + فاریابی =ظہیر فاریابی مشہور فارسی شاعر یا ابو نصر محمد الفارابی معروف مسلمان فلسفی)۔(292)

ترجمہ وتشریح ..... میں نے ایک رات اپنے کتب خانے میں سنا دیمک نے پروانے سے یہ کہا کہ میں نے بوعلی سینا کی کتابوں میں گھونسلہ بنایا۔ فاریابی کی بہتری کتابیں دیکھ ڈالیں (میں نے فلسفہ وادب کی ساری کتابیں چٹ کرلیں)۔‘‘(293)

ترجمہ ..... میں نے ایک رات اپنے کتب خانے میں سنا دیمک پروانے سے کہہ رہی تھی میں نے بوعلی سینا کی پوتھیوں میں بسیرا کیا فاریابی کی بہتیری کتابیں دیکھ ڈالیں(294)

اقتباس از پروفیسر یوسف سلیم چشتی

شرح پیامِ مشرق از پروفیسر یوسف سلیم چشتی سے وہ اقتباس بھی دیا جارہا ہے جو الفاظ معانی کے آخر پر دیا گیا ہے۔

’’اس کی شہرت کا دارومدار زیادہ تر اس شعر پر ہے:۔

دیوانِ ظہیر فاریابی
در کعبہ بدزد اگر بیابی

1- مندرجہ بالا متون کے تقابل وموازنہ سے واضح ہے کہ ہاشمی صاحب نے تمام الفاظ ومعانی تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید کے صفحہ نمبر 290 سے نقل کئے ہیں۔

2- الفاظ معانی کے آخر پر دیا گیا جملہ اور شعر لفظ بہ لفظ شرح پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 299 سے نقل کئے گئے ہیں۔

3- ترجمہ تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید کے صفحہ نمبر 290 سے نقل کیا گیا ہے۔ ترجمہ میں صرف دو الفاظ تبدیل کئے گئے ہیں۔

4- ترجمہ وتشریح کا آخری جملہ ’’میں نے فلسفہ وادب کی ساری کتابیں چٹ کرلیں۔‘‘ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ کے صفحہ نمبر 106 سے لفظ بہ لفظ نقل کیا گیا ہے۔

فہمیدہ ام حکمتِ زندگی را ہماں تیرہ روزم ز بے آفتابی
نکو گفت پروانۂ نیم سوزے کہ ایں نکتہ را در کتابے نیابی (296)

1- حمید اللہ شاہ ہاشمی نے مندرجہ بالا اشعار کے الفاظ معانی اور ترجمہ تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید کے صفحہ نمبر 291 سے نقل کئے ہیں۔

2- انہوں نے ترجمہ میں شامل جملہ ’مراد ہے میں زندگی کی اس حقیقت کو نہیں پاسکا جو تو نے پالی ہے، ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ کے صفحہ نمبر 106 سے لفظ بہ لفظ نقل کیا ہے۔ تقابل و جائزہ کے لیے متعلقہ اقتباسات پیشِ خدمت ہے:

معانی، ترجمہ وتشریح از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

نفہمیدہ ام: میں نے نہیں سمجھا، انجان، میں نہیں سمجھا ہوں۔حکمت زندگی: زندگی کی حکمت۔ ہماں: وہی، ویسا ہی۔ تیرہ روزم: میں بدنصیب ہوں۔ تیرہ: تاریک، اندھیرا۔روز: دن، بے آفتابی: سورج کا نہ ہونا۔نکو: اچھا، خوب۔گفت: اس نے کہا۔ پروانہ نیم سوزے: ایک ادھ جلا پتنگا۔ایں نکتہ را: اس بھید کو۔ در کتابے: کسی کتاب میں۔ نیابی: تو نہیں پائے گا۔ (297)

ترجمہ وتشریح..... میں زندگی کی حکمت سے اب تک انجان ہوں سورج کے نہ ہونے سے میرے دن اس طرح تاریک ہیں۔ مراد ہے میں زندگی کی اس حقیقت کو نہیں پا سکا جو تو نے پالی ہے۔ایک ادھ جلے پتنگے نے خوب کہا کہ تو اس بھید کو کسی کتاب میں نہیں پائے گا۔(299)

فرہنگ وترجمہ از احمد جاوید

• نفہمیدہ ام: میں نے نہیں سمجھا، میں نہیں سمجھا ہوں (فہمیدن = سمجھنا)۔• حکمتِ زندگی: زندگی کی حکمت (حکمت = مصلحت، چھپی ہوئی معنویت، غرض + زندگی)۔• ہماں: وہی، ویسا ہی۔• تیرہ روزم: میں بدنصیب ہوں (تیرہ = تاریک، اندھیرا + روز = دن+ام=ہوں [تیرہ روز = بدبخت، بدنصیب])۔• بے آفتابی: سورج کا نہ ہونا۔• نکو: اچھا، خوب۔• گفت: اس نے کہا (گفتن = کہنا)۔• پروانۂ نیم سوزے: ایک ادھ جلا پتنگا (پروانہ= پتنگا + نیم = آدھا + سوز = بمعنی سوختہ=جلا ہوا + ے = ایک)۔• ایں نکتہ را: اس بھید کو (ایں =اس+نکتہ+ را =کو)۔• در کتابے: کسی کتاب میں (دریں+ کتاب +ے = کسی)۔• نیابی: تو نہیں پائے گا (یافتن = پانا)۔(298)

ترجمہ..... میں زندگی کی حکمت سے اب تک انجان ہوں سورج کے نہ ہونے سے میرے دن اسی طرح تاریک ہیں ایک ادھ جلے پتنگے نے خوب کہا کہ تو اس بھید کو کسی کتاب میں نہیں پائے گی۔(300)

ترجمہ از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم

میں (ابھی تک) زندگی کی حکمت (کہ زندگی کیا ہے اور کیوں ہے) نہیں سمجھ سکا + میں اپنی زندگی کے جہان میں سورج کے طلوع نہ ہونے کی وجہ سے (ابھی تک) تیرہ روز ہوں یعنی میری زندگی کے دن روشن نہیں ہیں۔ مراد ہے میں زندگی کی اس حقیقت کو نہیں پا سکا جو تو نے پالی ہے۔

(شمع کی لو سے آدھے جلے ہوئے پروانے نے جو زمین پر تڑپ رہا تھا) خوب بات کہی + کہ اس رمز یا باریک بات کو کسی کتاب سے نہیں پائے گا۔(301)

تپش می کند زندہ تر زندگی را تپش می دہد بال و پر زندگی را

(302)

1- حمید اللہ شاہ ہاشمی نے آخری شعر کے الفاظ و معانی و ترجمہ بھی تسہیل پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 292 سے نقل کیے ہیں۔

2- ترجمہ میں دیے ہوئے آخری جملے کا کچھ حصہ 'کیونکہ زندگی پرواز کا نام ہے اور یہ طاقت صرف عشق سے پیدا ہو سکتی ہے۔' ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ کے صفحہ نمبر 106 سے لفظ بہ لفظ دیا گیا ہے۔ تقابل و جائزہ کے لیے متعلقہ اقتباسات پیشِ خدمت ہیں:

معانی، ترجمہ و تشریح از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی	معانی و ترجمہ از احمد جاوید
تپش: حرارت، تڑپ، بے قراری۔ میکند: وہ کرتی ہے۔ زندہ تر: اور زندہ، زیادہ زندہ۔ زندہ: جیتا، جاندار۔ تر: اور بھی، زیادہ۔ میدہد: وہ دیتی ہے۔ بال و پر: پنکھ اور پر، اڑان۔ (303)	• تپش: حرارت، تڑپ، بے قراری۔ • میکند: وہ کرتی ہے (کردن = کرنا)۔ • زندہ تر = اور زندہ، زیادہ زندہ (زندہ = جیتا، • جاندار + تر = اور بھی، زیادہ)۔ • میدہد: وہ دیتی ہے۔ (دادن = دینا)۔ • بال و پر: پنکھ اور پر، اُڑان (بال: پنکھ، پرندے کا بازو + و = اور + پر)۔ (304)
ترجمہ و تشریح..... تپش زندگی کو زندہ تر کرتی ہے۔ تپش زندگی کو بال و پر دیتی ہے۔ نوٹ: اس راز سے واقف ہونا چاہتا ہے تو عشق اختیار کر کیونکہ زندگی پرواز کا نام ہے اور یہ طاقت صرف عشق سے پیدا ہو سکتی ہے۔ (305)	ترجمہ..... تپش زندگی کو زندہ تر کرتی ہے تپش زندگی کو بال و پر دیتی ہے" (306)
	ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم (زندگی کی رمز کیا ہے وہ یہ ہے کہ) زندگی کو بہتر طور پر زندہ جوشے رکھتی ہے وہ حرارت (عشق) ہے + حرارت (عشق) زندگی کو بال و پر (بازو اور پر) عطا کرتی ہے (یعنی زندگی اعلیٰ سے اعلیٰ مقام کی طرف پرواز کا نام ہے اور یہ طاقت پرواز علم سے نہیں عشق سے پیدا ہوتی ہے)۔

(307)

افکار:- عشق

'پیام مشرق' کے حصہ 'افکار' کے آخر پر دو اشعار پر مبنی ایک چھوٹی سی نظم 'عشق' ہے۔ یہ نظم، اور شرح پیامِ مشرق از حمید اللہ شاہ ہاشمی سے اس کے معانی اور ترجمہ و تشریح ملاحظہ کریں۔

آں حرفِ دل فروز کہ راز است و رازنیست
من فاش گویمت کہ شنید؟ از کجا شنید؟
دزدیدہ ز آسمان و بہ گل گفت شبنمش
بلبل ز گل شنید و ز بلبل صبا شنید (308)

1- حمید اللہ شاہ ہاشمی نے اس نظم کے الفاظ معانی اور ترجمہ تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید کے صفحہ نمبر 436 سے لفظ بہ لفظ نقل کیے ہیں۔

2- ترجمہ وتشریح کے آخر پر دیا گیا نوٹ: ''شبنم'' اقبال کی شاعری میں فیضان سماوی کا مظہر ہے کیونکہ وہ ''اوپر'' سے آتی ہے۔'شرح پیام مشرق از یوسف سلیم چشتی کے صفحہ نمبر 399 سے لفظ بہ لفظ نقل کیا گیا ہے۔اقتباسات ملاحظہ کریں:

الفاظ معانی از حمید اللہ شاہ ہاشمی

آں: وہ۔حرفِ دلفروز: دل کو روشن کرنے والا حرف۔ کہ: جو۔من فاش گویمت: میں تجھ سے صاف کہتا ہوں، میں تجھ پر کھولتا ہوں۔کہ: کون، کس نے۔ شنید: سنا۔از: سے۔کجا: کہاں، کدھر۔بہ: سے۔ دزدید: اس نے چرایا۔گفت: کہا۔شبنمش: اس کی شبنم۔صبا: ہوا، باغ کی ہوا۔(309)

الفاظ معانی از احمد جاوید

• آں: وہ۔ • حرفِ دلفروز: دل کو روشن کرنے والا حرف (حرف=کلمہ، حرف + دل + فروز = بمعنی فروزندہ/افروزندہ، روشن کرنے والا [افروختن = افروزیدن= روشن کرنا])۔• کہ: جو۔• من فاش گویمت: میں تجھ سے صاف کہتا ہوں، میں تجھ پر کھولتا ہوں (فاش گفتن= صاف صاف کہنا، کچھ چھپائے بغیر کہنا، کسی چیز کو بالکل واضح کر دینا)۔• کہ: کون، کس نے۔ • شنید: سنا (شنیدن= سننا)۔ •از: سے۔• کجا: کہاں، کدھر۔• بہ: سے۔• دُزدید: اُس نے چُرایا (دزدیدن = چرانا) • گفت: کہا (گفتن= کہنا)۔ شبنمش: اُس کی شبنم (شبنم+ش = اسکی)۔• صبا: پُروا، ہوا، باغ کی ہوا۔(310)

ترجمہ از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

وہ دل چمکانے والا حرف جو راز ہے اور نہیں بھی میں تمہیں کھول کر بتاتا ہوں کہ اسے کس نے سنا؟ اور کہاں سے سنا؟ شبنم نے اس حرف کو آسمان سے چرایا اور پھول کو بتایا، بلبل نے پھول سے سنا اور بلبل سے صبا نے (پھر صبا نے اسے عام کر دیا)۔ نوٹ: ''شبنم'' اقبال کی شاعری میں فیضان سماوی کا مظہر ہے کیونکہ وہ ''اوپر'' سے آتی ہے۔ (بوساطت شبنم آسمان سے آئی ہے)۔(311)

ترجمہ از احمد جاوید

وہ دل چمکانے والا حرف جو راز ہے اور نہیں بھی میں تجھ پر کھولتا ہوں کہ کس نے سنا؟ کہاں سے سُنا؟ شبنم نے اسے آسمان سے چُرایا اور پھول سے کہہ دیا بلبل نے پھول سے سنا اور بلبل سے صبا نے۔(312)

'نوٹ' از پروفیسر یوسف سلیم چشتی

''شبنم'' اقبال کی شاعری میں فیضانِ سماوی کا مظہر ہے کیونکہ وہ ''اُوپر'' سے آتی ہے۔''
(313)

مقدمہ ’مئے باقی‘

حصہ سوم ’مئے باقی‘ کے شروع میں ہاشمی صاحب نے مختصر سا مقدمہ تحریر کیا ہے۔ انہوں نے یہ مقدمہ بھی شرح پیامِ مشرق از پروفیسر یوسف سلیم چشتی سے لفظ بہ لفظ نقل کیا ہے۔

اقتباس نمبر 1 مقدمہ ’مئے باقی‘ از ہاشمی صاحب

ذیل میں حافظ اور اقبال کے چند مصرعے درج کیے جاتے ہیں جن کے تقابل سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال، حافظ سے بہت متاثر تھے۔

حافظ کہتے ہیں
درخراباتِ مغاں نورِ خدا می بینم
اقبال کہتے ہیں
درخراباتِ مغاں گردشِ جامے دارم
حافظ کہتے ہیں
بملازمانِ سلطاں کہ رساند ایں دعارا
اقبال کہتے ہیں
بملازمانِ سلطاں خبرے دہم زرازے
حافظ کہتے ہیں
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند
اقبال کہتے ہیں
اگرچہ سر نتراشد قلندری داند

حافظ اور اقبال میں دوسری مماثلت یہ ہے کہ دونوں نے فقیہہ شہر کو ہدف ملامت بنایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طبقہ کے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔(314)

اقتباس نمبر 2 مقدمہ ’مئے باقی‘ از ہاشمی صاحب

مئے باقی سے مراد ہے وہ شراب جس کا سرور کبھی زائل نہ ہو۔ اقبال نے اپنی غزلوں کو مئے باقی سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ انہوں نے ان غزلوں میں وہ بلند حقائق و معارف بیان کئے ہیں جو اپنے اندر بقائے دوام کی صفت رکھتے ہیں۔ غزل کو شراب سے اس لیے تعبیر کیا کہ غزل میں بھی شراب کی سی مستی ہوتی ہے اور پڑھنے

اقتباس نمبر 1 مقدمہ ’مئے باقی‘ از چشتی صاحب

ذیل میں حافظ اور اقبال کے چند مصرعے درج کرتا ہوں جن کے تقابل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اقبال حافظ سے متاثر ہوئے ہیں۔

حافظ کہتے ہیں:۔
درخراباتِ مغاں نُورِ خدا می بینم
اقبال کہتے ہیں:۔
درخراباتِ مغاں گردشِ جامے دارم
حافظ کہتے ہیں:۔
بملازمانِ سلطاں کہ رساند ایں دعارا
اقبال کہتے ہیں:۔
بملازمانِ سلطاں خبرے دہم زرازے
حافظ کہتے ہیں:۔
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند
اقبال کہتے ہیں:۔
اگرچہ سر نتراشد قلندری داند

حافظ اور اقبال میں دوسری مماثلت یہ ہے کہ دونوں نے فقیہہ شہر کو ہدف ملامت بنایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طبقہ کے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔(315)

اقتباس نمبر 2 مقدمہ ’مئے باقی‘ از چشتی صاحب

مئے باقی سے مراد ہے وہ شراب جس کا سرور کبھی زائل نہ ہو۔ اقبال نے اپنی غزلوں کو مئے باقی سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ انہوں نے ان غزلوں میں وہ بلند حقائق و معارف بیان کئے ہیں جو اپنے اندر بقائے دوام کی صفت رکھتے ہیں۔ اور اگر انسان ان پر عامل ہو جائے تو اس کو بھی یہ نعمت کبریٰ حاصل ہو جائے گی۔

والے کو وہی سرور حاصل ہوتا ہے جو مے نوش کو شراب پینے سے حاصل ہوتا ہے۔ (316)	غزل کو شراب سے اس لیے تعبیر کیا کہ غزل میں بھی شراب کی سی مستی ہوتی ہے اور پڑھنے والے کو وہی سرور حاصل ہوتا ہے جو مے نوش کو شراب پینے سے حاصل ہوتا ہے۔(317)

حمیدؔ اللہ شاہ ہاشمی صاحب نے شرح پیامِ مشرق کے شروع سے آخر تک ایک فارمولے کے تحت الفاظ معانی، ترجمہ وتشریح نقل کیے ہیں۔اس لیے حصہ مئے باقی کی غزل نمبر 1 کے پہلے دو اشعار اور آخری غزل (غزل نمبر 45)کے آخری شعر کے الفاظ معانی اور ترجمہ و تشریح کا تحقیقی جائزہ لینا ہی کافی ہوگا۔

مئے باقی:-غزل نمبر 1 پہلے دو اشعار

غزل نمبر 1 کے پہلے دو اشعار ملاحظہ کریں۔

بہار تا بہ گلستان کشید بزم سرود نوائے بلبلِ شوریدہ چشمِ غنچہ کشود
گماں مبر کہ سرشتند در ازل گلِ ما کہ ما ہنوز خیالیم در ضمیرِ وجود (318)

ہاشمی صاحب نے مندرجہ بالا اشعار کے الفاظ معانی اور ترجمہ وتشریح تسہیل پیام مشرق از احمد جاوید کے صفحہ نمبر 441 سے لفظ بہ لفظ نقل کیے ہیں۔تقابل و جائزہ کے لیے اقتباسات ملاحظہ کریں۔

الفاظ معانی از حمید اللہ شاہ ہاشمی	الفاظ معانی از احمد جاوید
کشید: کھینچ لے گئی، اس نے پھیلا دیا۔ بزم سرود: ساز ونغمہ کی محفل۔شعر۔نوائے بلبل شوریدہ: مستانی بلبل کا نغمہ۔نوا:شوریدہ: دیوانہ، مست، عاشق۔گماں مبر: وہم نہ کر، اس خیال میں نہ رہ۔سرشتند: انہوں نے گوندھی، کارکنان قضاء وقدر نے گوندھی۔ازل: زمانہ جس کی ماضی کی طرف کوئی حد نہ، ہوتخلیق، تخلیق کائنات کی گھڑی۔گل ما: ہمارا خمیر۔خیالیم: ہم خیال ہیں۔ضمیر وجود: وجود کا قلب۔(319)	• کشید: کھینچ لے گئی، اس نے پھیلا دیا (کشیدن = کھینچنا، پھیلانا، لے جانا)۔• بزمِ سرود: ساز ونغمہ کی محفل (بزم = محفل + سرود = نغمہ، شعر [سرودن = گانا بجانا])۔• نوائے بلبل شوریدہ: مستانی بلبل کا نغمہ (نوا = نغمہ، آواز + بلبل + شوریدہ = دیوانہ، مست، عاشق [شوریدن = بے قرار ہونا، دیوانہ ہونا، ہیجان میں آنا])۔• گماں مبر: وہم نہ کر، اس خیال میں نہ رہ (گماں بردن = خیال کرنا، وھم کرنا، سمجھنا، تصور کرنا)۔• سرشتند: انہوں نے گوندھی، کارکنان قضا و قدر نے گوندھی (سرشتن = گوندھنا، خمیر کرنا، ملانا)۔• ازل: زمانہ جس کی ماضی کی طرف کوئی حد نہ ہو، تخلیقِ کائنات کی گھڑی۔• گلِ ما: ہمارا خمیر (گل = خمیر + ما = ہماری)۔• خیالیم: ھم خیال ہیں (خیال = تصور، صورت جو مادے سے مجرد ہو اور اس پر مقدم + یم = ایم = ھم ہیں)۔• ضمیر وجود: وجود کا قلب (ضمیر = قلب، ذہن، باطن + وجود)۔(320)

ترجمہ از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

جب بہار نے ساز و نغمہ کی محفل کو چمن میں سجایا تو مستانی بلبل کی آواز نے کلی کی آنکھ کھول دی (پھول کھلنے لگے) یہ گماں مت کر کہ ازل میں ہمارا خمیر گوندھ دیا گیا تھا کہ ہم ابھی وجود کے دل میں خیال (کی طرح) ہیں (یعنی ہماری تکمیل باقی ہے)۔(321)

ترجمہ از احمد جاوید

بہار نے ساز و نغمہ کی محفل کو چمن تک پھیلا دیا مستانی بلبل کی آواز نے کلی کی آنکھ کھولدی یہ گماں مت کر کہ ازل میں ہمارا خمیر گوندھ دیا گیا کہ ہم ابھی وجود کے دل میں خیال (کی طرح) ہیں (322)

مئے باقی:- غزل نمبر 45، آخری شعر

غزل نمبر 45 (آخری غزل) کا آخری شعر ملاحظہ کریں۔

طوافِ کعبہ زدی گردِ دَہر گردیدی نگہ بخویش نہ پیچیدۂ دریغ از تو (323)

1- ہاشمی صاحب نے مندرجہ بالا شعر کے الفاظ معانی اور ترجمہ تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید کے صفحہ نمبر 599 سے نقل کیے ہیں۔

2- ترجمہ کے ساتھ الگ الگ توسین میں دیے گئے دونوں جملوں شرح پیامِ مشرق از پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب سے لفظ بہ لفظ نقل کئے گئے ہیں۔ تقابل و جائزہ کے لیے اقتباسات ملاحظہ کریں۔

الفاظ معانی از حمید اللہ شاہ ہاشمی

طواف کعبہ زدی: تو نے کعبے کا طواف کیا۔ زدی: تو نے کیا۔ گرد دیر: بت خانے کے گرد۔ گردیدی: تو پھرا ۔نگہ بخویش نہ پیچیدہ ای: تو نے اپنے آپ میں نگاہ نہ کی۔(324)

الفاظ معانی از احمد جاوید

• طواف کعبہ زدی: تو نے کعبے کا طواف کیا (طواف + کعبہ = زدی = تو نے کیا [طواف زدن = طواف کرنا])۔ • گرد دیر: بت خانے کے (گرد + دیر = بتخانہ، مندر)۔ • گردیدی: تو پھرا (گردیدن = پھرنا)۔ • نگہ بخویش نہ پیچیدہ ای: تو نے اپنے آپ میں نگاہ نہ کی (نگہ خویش پیچیدن = اپنی طرف نگاہ کرنا۔(325)

ترجمہ از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

تو نے کعبے کا طواف کیا مندر کے پھیرے لگائے (مگر) اپنی طرف نگاہ نہ کی افسوس تجھ پر (تو نے کبھی اپنی خودی کی تربیت کی طرف توجہ نہ کی)۔ (اے مسلمان تو نے کعبہ کا طواف بھی کیا اور واپس آ کر پھر انگریز کی چوکھٹ پر سر جھکا دیا تو ساری عمر اندھا ہی رہا)(326)

ترجمہ از احمد جاوید

تو نے کعبے کا طواف کیا مندر کے پھیرے لگائے (مگر) اپنی طرف نگاہ نہ کی افسوس تجھ پر (327)

اقتباسات از پروفیسر یوسف سلیم چشتی

کبھی اپنی خودی کی تربیت کی طرف توجہ نہیں کی۔(328)

اے مسلمان ! ساری عمر انگریزوں کی غلامی میں بسر کرنے کے بعد اور ناجائز طریقوں سے روپیہ جمع کرنے کے بعد تو نے کعبہ کا طواف بھی کیا اور واپس آ کر پھر انگریز کی چوکھٹ پر سرِ تسلیم خم کر دیا۔ (گرد دیر گردیدی) لیکن افسوس کہ تُو نے کبھی اپنی خودی کی تربیت کی طرف توجہ نہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تُو ساری عمر اندھا ہی رہا۔ (329)

تمہید' نقشِ فرنگ'

ہاشمی صاحب نے نقشِ فرنگ کی 'تمہید' بھی لفظ بہ لفظ شرح پیامِ مشرق از پروفیسر یوسف سلیم چشتی سے نقل کی ہے۔ اقتباسات ملاحظہ کریں:

'تمہید' نقشِ فرنگ از ہاشمی صاحب	'تمہید' نقشِ فرنگ از چشتی صاحب
اس نظم میں اقبالؔ نے اہل یورپ کو یہ پیغام دیا ہے کہ اگر مقصدِ حیات حاصل کرنا چاہتے ہو تو عقل کے بجائے عشق کو اپنا رہنما بناؤ۔ اس نظم میں نو (۹) بند ہیں۔	اس نظم میں اقبالؔ نے اہل یورپ کو یہ پیغام دیا ہے کہ اگر مقصدِ حیات حاصل کرنا چاہتے ہو تو عقل کے بجائے عشق کو اپنا رہنما بناؤ۔ اس نظم میں نو[9] بند ہیں:
پہلا بند بطور تمہید ہے۔ دانایانِ فرنگ کی غلط روش پر اظہار افسوس کیا ہے۔	پہلے بند میں جو انہوں نے بطور تمہید لکھا ہے۔ دانایانِ فرنگ کی غلط روش پر اظہار تاسف کیا ہے۔
دوسرے بند میں انہوں نے عقل (حکمت و فلسفہ) کی کوتاہیوں کو واضح کیا ہے۔	دوسرے بند میں انہوں نے عقل (حکمت و فلسفہ) کی کوتاہیوں، اور مُضرتوں کو واضح کیا ہے۔
تیسرے بند میں عقل پرستی کے مضر نتائج بیان کئے ہیں۔	تیسرے بند میں عقل پرستی کے مُضر نتائج بیان کئے ہیں۔
چوتھے بند میں عقل اور عشق میں موازنہ کر کے عشق کی برتری ثابت کی ہے۔	چوتھے بند میں عقل اور عشق میں موازنہ کیا ہے اور ضمناً آخر الذکر کی برتری ثابت کی ہے۔
پانچویں بند میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ انسان کی اصل عشق ہے، مادہ نہیں ہے۔	پانچویں بند میں انہوں نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ انسان کی اصل عشق ہے
چھٹے بند میں واضح کیا ہے کہ جب انسان نے مسلکِ عشق کے بجائے مسلکِ عقل اختیار کیا، تو معاشرت میں فساد رُونما ہو گیا۔	چھٹے بند میں انہوں نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ جب انسان نے مسلکِ عشق کے بجائے مسلکِ عقل اختیار کیا، تو معاشرت (سوسائٹی) میں فساد رُونما ہو گیا۔
ساتویں بند میں اس انقلاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اس وقت دنیا میں رُونما ہے۔	ساتویں بند میں انہوں نے اس انقلاب کی طرف اشارہ کیا ہے، جو اس وقت دُنیا میں رُونما ہے۔
آٹھویں بند میں اس انقلاب کے نتائج سے آگاہ کیا	آٹھویں بند میں انہوں نے اس انقلاب کے نتائج

گیا ہے۔

نویں بند میں اس حقیقت کو پیش کیا ہے کہ زندگی ایک ارتقائی حرکت ہے اور اس حرکت کا رُخ خوب سے خوب تر کی طرف ہے۔(330)

سے آگاہ کیا گیا ہے۔

نویں بند میں انہوں نے اس صداقت کو پیش کیا ہے کہ زندگی ایک ارتقائی حرکت ہے اور اس حرکت کا رُخ خوب سے خوب تر کی طرف ہے۔(331)

نقشِ فرنگ:۔ 'پیام'

'نقشِ فرنگ' کی پہلی نظم 'پیام' کے پہلے دو اشعار اور حمید اللہ ہاشمی کی علمی کوشش ملاحظہ کریں۔

ازمن اے بادِ صبا گوے بدانائے فرنگ عقل تا بال کشوداست گرفتار تراست
برق را ایں بجگرمی زند، آں رام کند عشق از عقلِ فسوں پیشہ جگردار تراست (332)

ہاشمی صاحب نے تمام الفاظ معانی اور ترجمہ تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید کے صفحہ نمبر 601 سے نقل کیے ہیں۔

الفاظ معانی از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

ازمن: میری طرف سے۔ گوے: تو کہنا۔ بدانائے فرنگ: مغرب کے دانا سے۔ تا: جتنا، جس قدر۔ بال کشود است : پر کھولے ہوئے ہے بجگرمی زند: جگر میں رکھ لیتا ہے۔ رام کند: وہ رام کر لیتی ہے۔ رام کردن: قابو میں لانا، مطیع کرنا۔ عقل فسوں پیشہ: جادوگر عقل ۔فسوں پیشہ: جادوگر، منتر پھونکنے والی۔ جگردارتر: زیادہ بہادر۔(333)

الفاظ معانی از احمد جاوید

•ازمن: میری طرف سے۔(از=طرف سے+من = میری)۔• گوے: تو کہنا (گفتن = کہنا)۔ •بدانائے فرنگ: مغرب کے گیانی سے (ب= سے+دانا+فرنگ)۔• تا: جتنا، جسقدر۔• بال کشود است : پر کھولے ہوئے ہے (بال = پر، پرندوں کا بازو+کشوداست=کشودہ است = اس نے کھولا ہوا ہے[بال کشودن = پر کھولنا، اُڑان لینا])۔• بجگرمی زند: جگر میں رکھ لیتا ہے(بجگر زدن = یہ جگر میں رکھ لینا)۔ •رام کند: وہ رام کر لیتی ہے (رام کردن = قابو میں لانا، مطیع کرنا)۔• عقل فسوں پیشہ: جادوگر عقل (عقل+فسوں پیشہ = جادوگر، منتر پھونکنے والی)۔ جگر دارتر: زیادہ بہادر (جگر دار = بہادر+تر = مقابلتاً زیادہ)۔(334)

ترجمہ از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

اے صبا میری طرف سے مغرب کے دانا سے کہنا (تمہاری) عقل جتنا پر کھولتی ہے پھنستی چلی جاتی ہے یہ برق کو جگر پر لیتا ہے وہ اسے رام کرتی ہے عشق منتر پھونکنے والی عقل سے زیادہ جگر دار (حوصلہ مند) ہے۔(335)

ترجمہ از احمد جاوید

اے صبا میری طرف سے مغرب کے گیانی سے کہنا عقل جتنا پر کھولتی ہے پھنستی چلی جاتی ہے یہ برق کو جگر میں رکھ لیتا ہے وہ رام کرتی ہے عشق منتر پھونکنے والی عقل سے زیادہ جگردار ہے۔

(336)

نقشِ فرنگ :- 'آزادی بحر'

نقشِ فرنگ کی آخری نظم 'آزادی بحر' کے الفاظ معانی اور ترجمہ بھی تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید کے صفحہ نمبر 697 سے نقل کیے گئے ہیں۔ اصل اقتباسات ملاحظہ کریں۔

بطے می گفت بحر آزاد گردید چنیں فرماں ز دیوانِ خضر رفت
نہنگے گفت رو ہر جا کہ خواہی دلے از ما نباید بیخبر رفت (337)

الفاظ معانی از حمید اللہ شاہ ہاشمی

بطے: ایک بطخ۔ می گفت: وہ کہہ رہی تھی۔ آزاد گردید: آزاد ہو گیا۔ چنیں: ایسا۔ فرمان: حکم۔ ز دیوان خضر: خضر کے دربار سے۔ رفت: جاری ہوا۔ نہنگے: ایک مگر مچھ۔ رو: تو جا۔ ہر جا: ہر جگہ، سب جگہ، جہاں۔ خواہی: تو چاہے۔ نباید بے خبر رفت: بے خبر ہو کر نہیں جانا چاہیے۔ (338)

الفاظ معانی از احمد جاوید

• بطے: ایک بطخ (بطہ = بطخ + ے = ایک)۔ • می گفت: وہ کہہ رہی تھی (گفتن = کہنا)۔ • آزاد گردید: آزاد ہو گیا (گردیدن = ہونا)۔ • چنیں: ایسا۔ • فرمان: حکم۔ • ز دیوان خضر: خضر کے دربار سے (ز = سے + دیوان = دربارِ شاہی، عدالت + خضر = حضرت خضر)۔ • رفت: جاری ہوا (رفتن = جاری ہونا)۔ • نہنگے: ایک مگر مچھ (نہنگ = مگر مچھ، گھڑیال + ے = ایک)۔ • رو: تو جا (رفتن = جانا، چلنا)۔ • ہر جا: ہر جگہ، سب جگہ، جہاں۔ • خواہی: تو چاہے (خواستن = چھنا)۔ • نباید بے خبر رفت: بے خبر ہو کر نہیں جانا چاہیے (نہ + باید = چاہیے [بایستن = چاھنا] + بے خبر + رفت = رفتن = چلنا، جانا)۔ (339)

ترجمہ از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

ایک بطخ کہہ رہی تھی سمندر آزاد ہو گیا (ہمارے لیے بحر میں گھومنے پھرنے کی پوری آزادی ہو گئی ہے) خضر کے دربار سے یہ فرمان جاری ہو گیا ایک مگر مچھ بولا جہاں چاہے جا مگر ہم سے بے خبر نہیں رہنا چاہئے۔ (340)

ترجمہ از احمد جاوید

ایک بطخ کہہ رہی تھی سمندر آزاد ہو گیا خضر کے دربار سے یہ فرمان جاری ہو گیا ایک مگر مچھ بولا جہاں چاہے جا مگر ہم سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔ (341)

پیامِ مشرق کے حصہ 'خردہ' کی تمہید، شرح پیامِ مشرق از پروفیسر یوسف سلیم چشتی سے نقل کی گئی ہے۔ اس طرح خردہ نمبر 1 اور خردہ نمبر 16 کے الفاظ معانی اور ترجمہ تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید سے نقل کئے گئے ہیں۔ متعلقہ اقتباسات ملاحظہ کریں۔

تمہید از حمید اللہ شاہ ہاشمی

خردہ کثیر المعانی لفظ ہے۔ اقبال نے اسے نکتہ یا باریک بات کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس حصہ

تمہید از پروفیسر یوسف سلیم چشتی

خردہ کثیر المعانی لفظ ہے۔ اقبال نے اسے نکتہ یا باریک بات کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔

میں جس قدر اشعار ہیں، ان سب میں کوئی نہ کوئی نکتہ ضرور بیان کیا گیا ہے۔(342)

کیونکہ اس حصہ میں جس قدر اشعار ہیں، انہوں نے درج کیے ہیں، ان سب میں انہوں نے کوئی نہ کوئی نکتہ ضرور بیان کیا ہے۔(343)

خردہ نمبر 1

می خورد ہر ذرہ ما پیچ و تاب
باسکندر خضر در ظلمات گفت

محشرے در ہر دمِ ما مضمر است
مرگ مشکل ، زندگی مشکل تر است (344)

الفاظ معانی از حمید اللہ شاہ ہاشمی

می خورد: کھا رہا ہے، کھاتا رہتا ہے۔ ہر ذرہ ما: ہمارا ہر ذرہ ، ہمارا ذرہ ذرہ۔ پیچ و تاب۔ بل ، بے قراری۔ محشرے: ایک قیامت۔ مضمر: چھپا ہوا، پوشیدہ۔ ظلمات: داستانی آب حیات کے اردگرد کے اندھیرے جنہوں نے اسے چھپا رکھا ہے، مراد آب حیات کا سرچشمہ۔(345)

الفاظ معانی از احمد جاوید

• می خورد: کھا رہا ہے، کھاتا رہتا ہے (خوردن = کھانا)۔ • ہر ذرہ ما: ہمارا ہر ذرہ، ہمارا ذرہ ذرہ (ہر+ ذرہ + ما = ہمارا)۔ • پیچ و تاب۔ بل ، بے قراری۔ • محشرے: ایک قیامت (محشر + ے = ایک)۔ مضمر: چھپا ہوا، پوشیدہ۔ • ظلمات: داستانی آب حیاتِ کے اردگرد کے اندھیرے جنہوں نے اسے چھپا رکھا ہے، مراد آبِ حیات کا چشمہ۔(346)

ترجمہ از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

ہمارا ذرہ ذرہ بل کھاتا رہتا ہے ہماری ہر سانس میں ایک محشر چھپا ہوا ہے خضر نے آبِ حیات کے اندھیرے کنارے پر سکندر سے کہا (بیشک) موت دشوار ہے (مگر) زندگی اس سے دشوار تر ہے۔(347)

ترجمہ از احمد جاوید

ہمارا ذرہ ذرہ بل کھاتا رہتا ہے ہماری ہر سانس میں ایک محشر چھپا ہوا ہے خضر نے آبِ حیات کے اندھیرے کنارے پر سکندر سے کہا موت دشوار ہے زندگی دشوار تر(348)

خردہ نمبر 16

چہ خوش بودے اگر مرد نکوپے
اگر تقلید بودے شیوہ خوب

زبندِ پاستاں آزاد رفتے
پیمبرؐ ہم رہِ اجداد رفتے (349)

الفاظ معانی از حمید اللہ شاہ ہاشمی

بودے ہوتا ۔ مردنکوپے: مبارک قدم انسان۔ زبند پاستان: ماضی کے بندھن سے۔ رفتے: چلتا، گیا ہوتا۔ تقلید: دوسرے کے پیچھے چلنا ۔ شیوہ خوب: اچھا طریقہ۔ پیمبر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ہم: بھی۔ رہ اجداد رفتے: اجداد کی راہ چلے ہوتے۔(350)

الفاظ معانی از احمد جاوید

• بودے: ہوتا (بودن = ہونا)۔ • مردنکوپے: مبارک قدم انسان۔ مرد= مرد+نکوپے= نیک، پے= قدم، باسعادت، نیک قدم آدمی۔ • زبند پاستان: ماضی کے بندھن سے۔(ز= سے+ بند= بندھن، قید+ پاستاں= باستان= قدیم، اگلا زمانہ ماضی۔ • رفتے:

چلا گیا ہوتا۔ (رفتن = چلنا)۔• تقلید: دوسرے کے پیچھے چلنا۔ • شیوہ خوب: اچھا طریقہ (شیوہ = طریقہ، چلن+خوب = اچھا)۔• پیمبر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔• م: بھی۔• رہ اجداد رفتے: اجداد کی راہ چلے ہوتے (رہ = راہ+اجداد = پُرکھے، باپ دادا+رفتے = رہ چلا ہوتا)۔(351)

ترجمہ از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ مبارک قدم انسان ماضی کی بیڑی توڑ کر چلتا (بندھنوں سے آزاد رہ کر زندگی بسر کرتا)۔ اگر بھیڑ چال اچھا چلن ہوتی تو رسولؐ اللہ بھی آباؤاجداد کی راہ اختیار کرتے۔ (انسان کو اپنے بزرگوں یا اپنے اجداد کی کورانہ تقلید سے اجتناب کرنا چاہیے)۔(352)

ترجمہ از احمد جاوید

کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ مبارک قدم انسان ماضی کی بیڑی توڑ کر چلتا اگر بھیڑ چال اچھا چلن ہوتی تو رسول اللہ (ص) بھی پرکھوں کی راہ چلے ہوتے (353)

ہاشمی صاحب نے خردہ نمبر 16 کے الفاظ معانی اور ترجمہ بھی تسہیل پیام مشرق از احمد جاوید کے صفحہ نمبر 713 سے نقل کئے ہیں۔

ہاشمی صاحب کے ترجمہ کا آخری جملہ شرح پیامِ مشرق از چشتی صاحب کے صفحہ نمبر 632 پر دیے گئے آخری جملے کی تبدیل شدہ صورت ہے۔

مندرجہ بالا تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ حمید اللہ شاہ ہاشمی نے قریباً تمام پیامِ مشرق کے الفاظ معانی اور ترجمہ احمد جاوید کی تسہیل پیامِ مشرق سے نقل کیا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ مفہوم واضح کرنے کے لیے پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شرح پیامِ مشرق اور ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے پیامِ مشرق کے ترجمہ سے لفظ بہ لفظ جملے نقل کیے ہیں۔ ہاشمی صاحب نے تمام شرح پیامِ مشرق اسی طرح مرتب کی ہے۔ وہ سرقہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس تحقیق کے پیشِ نظر ان کی دیگر علمی و ادبی تخلیقات کی حیثیت بھی مشکوک ہوگئی ہے اور ان پر تحقیق کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

ترجمہ وشرح صد شعر اقبال فارسی

از

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم

(فہرست کلام منتخبہ از پیامِ مشرق، مشمولہ کتاب 'صد شعر اقبال فارسی')

شعر نمبر صد شعر اقبال	صفحہ نمبر صد شعر اقبال	شعر	غزل/رباعی نمبر یا نظم کا عنوان	صفحہ نمبر از پیامِ مشرق
1	21	بے تو از خوابِ عدم دیدہ کشودن نتواں بے تو بودن نتواں باتو نبودن نتواں	غزل نمبر25	166
4	27	نچپے کہ پا بر زمین سودہ است ز مرغِ سرا سفلہ تر بودہ است	پند باز با بچۂ خویش	103
11	41	اے صبا از تنک افشانی شبنم چہ شود تب و تاب از جگرِ لالہ ربودن نتواں	غزل نمبر25	167
13	45	نہ بہ جادۂ قرارش، نہ بہ منزلے مقامش دلِ من مسافرِ من کہ خداش یار بادا	غزل نمبر40	179
19	57	بایں بہانہ بدشتِ طلب زپا منشیں کہ در زمانۂ ما آشنائے راہے نیست	غزل نمبر43	182
45	112	از نالہ بر گلستان آشوب محشر آور تادم بہ سینہ پیچد مگذار ہاے و ہو را	غزل نمبر11	154
46	114	زخاک تابہ فلک ہرچہ ہست رہ پیماست قدم کشاے کہ رفتارِ کارواں تیز است	کوہکن	198
47	116	نغمہ عافیت از بربطِ من می طلبی؟ از کجا برکشم آں نغمہ کہ درتارش نیست	غزل نمبر37	177
48	118	دریں محفل زمن تنہا ترے نیست بچشمِ دیگرے بینم جہاں را	رباعی نمبر56 دوسرا شعر	43
49	121	نوا ز حوصلۂ دوستاں بلند تر است غزل سرا شدم آنجا کہ ہیچکس نشنید	غزل نمبر14	156

51	126	بو علی اندر غبارِ ناقہ گم دستِ رومی پردۂ محمل گرفت	حکمت وشعر	106
52	128	باسکندر خضر در ظلمات گفت مرگ مشکل، زندگی مشکل تر است	خردہ1	218
54	132	بہ کیشِ زندہ دلاں، زندگی جفا طلبی است سفر بکعبہ نکردم کہ راہ بے خطر است	غزل نمبر4	147
55	134	چساں در مشتِ خاکے تن زند دل کہ دل دشتِ غزالانِ خیال است!	رباعی نمبر59 شعر نمبر2	44
56	136	ز خود گزشتہٴ اے قطرۂ محال اندیش شدن بہ بحر و گہر برنخاستن ننگ است	غزل نمبر8	151
60	146	بہ نوریاں ز منِ پا بہ گِل پیامے گوے حذر ز مشت غبارے کہ خویشتن نگراست!	غزل نمبر4	146
61	148	بہر زمانہ بہ اسلوبِ تازہ می گویند حکایتِ غم فرہاد و عشرتِ پرویز	غزل نمبر28	169
62	151	بتانِ تازہ تراشیدۂ دریغ از تو درونِ خویش نہ کاویدۂ دریغ از تو	غزل نمبر45	183
63	153	درعشق و ہوسناکی دانی کہ تفاوت چیست؟ آں تیشۂ فرہادے ایں حیلۂ پرویزے	غزل نمبر19	161
66	159	بود و نبود ماست زیک شعلۂ حیات از لذّتِ خودی چو شرر پارہ پارہ ایم	غزل نمبر39	178
68	163	ہست ایں میکدہ و دعوتِ عام است اینجا قسمت بادہ باندازۂ جام است اینجا	جہانِ عمل	124
70	167	زیاں بینی ز سیرِ بوستانم اگر جانت شہیدِ جستجو نیست نمایم آنچہ ہست اندر رگِ گل بہارِ من طلسمِ رنگ و بو نیست	رباعی نمبر29	34
71	169	ترا از خویشتن بے گانہ سازد من آں آبے طربناکے ندارم بباز اوم مجو دیگر متاعے چو گُل جز سینۂ چاکے ندارم	رباعی نمبر28	34

72	171	به کویش ره سپاری اے دل ، اے دل! مرا تنہا گزاری اے دل ، اے دل! دمادم آرزو ہا آفرینی مگر کارے نہ داری اے دل اے دل!	رباعی نمبر23	32
73	173	رہے در سینۂ انجم کشائی ولے از خویشتن ناآشنائی یکے بر خود کشا چوں دانہ چشمے کہ از زیرِ زمیں نخلے برآئی	رباعی نمبر24	33
74	176	مسلماناں مرا حرفے است در دل کہ روشن تر ز جانِ جبرئیل است نہانش دارم از آذر نہاداں کہ ایں سرّے ز اسرارِ خلیلؑ است	رباعی نمبر22	32
75	179	شنیدم در عدم پروانہ می گفت دمی از زندگی تاب و تبم بخش پریشاں کن سحر خاکسترم را ولیکن سوز و ساز یک شبم بخش	رباعی نمبر21	32
76	181	چہ لذّت یا رب اندر ہست و بود است دلِ ہر ذرّہ در جوشِ نمود است شگافد شاخ را چوں غنچۂ گل تبسم ریز از ذوقِ وجود است	رباعی نمبر20	31
77	183	ترا اے تازہ پرواز آفریدند سراپا لذّتِ بال آزمائی ہوس مارا گراں پرواز دارد تو از ذوقِ پریدن پر کشائی	رباعی نمبر19	31
78	186	تنے پیدا کن از مشتِ غبارے تنے محکم تر از سنگیں حصارے درونِ او دلِ درد آشنائے چوں جوے در کنارِ کوہسارے	رباعی نمبر14	29
79	189	دلا نارائی پروانہ تاکے نگیری شیوۂ مردانہ تاکے یکے خود را بسوزِ خویشتن سوز طوافِ آتشِ بیگانہ تاکے	رباعی نمبر13	29

80	192	گذشتی تیزگام اے اخترِ صبح مگر از خوابِ ما بیزار رفتی من از نا آگہی گُم کردہ راہم تو بیدار آمدی بیدار رفتی	رباعی نمبر17	30
81	195	نہ من انجام و نے آغاز جویم ھمہ رازم، جہانِ راز جویم گر از روے حقیقت پردہ گیرند ھماں بوک و مگر را باز جویم	رباعی نمبر12	29
82	197	تہی از ہائے و ہو میخانہ بودے گلِ ما از شرر بیگانہ بودے نبودے عشق و ایں ہنگامۂ عشق اگر دل چوں خرد فرزانہ بودے	رباعی نمبر18	31
83	200	جہاں مشتِ گل و دل حاصلِ اوست ہمیں یک قطرۂ خوں مشکلِ اوست نگاہِ ما دوربیں افتاد، ورنہ جہانِ ہر کسے اندر دلِ اوست	رباعی نمبر8	27
84	202	نوائے عشق را ساز است آدم کشاید راز و خود راز است آدم جہاں او آفرید، ایں خوب تر ساخت مگر با ایزد انباز است آدم	رباعی نمبر11	28
85	205	دریں گلشن پریشاں مثلِ بویم نمی دانم چہ می خواھم ، چہ جویم بر آید آرزو یا برنیاید شہیدِ سوز و ساز آرزویم	رباعی نمبر7	27
86	207	نہ ہر کس از محبت مایہ دار است نہ با ہر کس محبت ساز گار است بروید لالہ با داغِ جگر تاب دلِ لعلِ بدخشاں بے شرار است	رباعی نمبر6	27
87	210	شہیدِ ناز او بزمِ وجود است نیاز اندر نہادِ ہست و بُود است نمی بینی کہ از مہرِ فلک تاب بسیماے سحر داغِ سجود است	رباعی نمبر1	25

88	213	دلِ من روشن از سوزِ درون است جہاں بیں چشمِ من از اشکِ خون است ز رمزِ زندگی بیگانہ تر باد کسے کو عشق را گوید جنون است	رباعی نمبر2	25
89	215	ز خوب و زشتِ تو ناآشنایم عیارش کردہٗ سود و زیاں را دریں محفل زمن تنہا ترے نیست بچشمِ دیگرے بینم جہاں را	رباعی نمبر56	43
90	218	بباغاں بادِ فروردیں دہد عشق براغاں غنچہ چوں پرویں دہد عشق شعاعِ مہرِ او قلزم شگاف است بماہی دیدہٗ رہ بیں دہد عشق	رباعی نمبر3	26
91	220	عقاباں را بہائے کم نہد عشق تدرواں را بباز اں سر دہد عشق نگہ دارد دلِ ما خویشتن را ولیکن از کمینش بر جہد عشق	رباعی نمبر4	26
92	222	بہ برگِ لالہ رنگ آمیزیٔ عشق بجانِ ما بلا انگیزیٔ عشق اگر ایں خاکداں را واشگافی درونش بنگری خونریزیٔ عشق	رباعی نمبر5	26
93	224	خرد بر چہرہٗ تو پردہ ہا بافت نگاہے تشنۂ دیدار دارم درافتد ہر زماں اندیشہ با شوق چہ آشوب افگنی در جانِ زارم!	رباعی نمبر49	41
94	227	مرا فرمود پیرِ نکتہ دانے ہر امروزِ تو از فردا پیامِ است دل از خوبانِ بے پروا نگہدار حریمش جز با و دادن حرام است	رباعی نمبر52	42
95	230	رگِ مسلم ز سوزِ من تپید است زچشمش اشکِ بے تابم چکید است ہنوز از محشرِ جانم نداند جہاں را بانگاہِ من ندید است	رباعی نمبر158	77

96	233	سفالم را مئے او جامِ جم کرد درونِ قطرہ ام پوشیدہ یم کرد خرد اندر سرم بتخانہ ریخت خلیلِ عشق دیرم را حرم کرد	رباعی نمبر43	39
97	235	بخود باز آورد رندِ کہن را مئے برناکہ من در جام کر دم من ایں مے چوں مغانِ دور پیشیں ز چشمِ مستِ ساقی وام کر دم	رباعی نمبر42	39
98	238	بحرف اندر نگیری لامکاں را درونِ خود نگر، ایں نکتہ پیداست بہ تن جاں آنچناں دارد نشیمن کہ نتواں گفت اینجا نیست آنجاست	رباعی نمبر159	78
99	241	مرا ذوقِ سخن خوں در جگر کرد غبارِ راہ را مشتِ شرر کرد بگفتارِ محبت لب کشودم بیاں ایں راز را پوشیدہ تر کرد	رباعی نمبر162	79
100	243	بہر دل عشق رنگ تازہ بر کرد گہے باسنگ گہ باشیشہ سرکرد ترا از خود ربود و چشم تر داد مرا باخویشتن نزدیک تر کرد	رباعی نمبر160	78

-1 صد شعر اقبال (فارسی) میں پیامِ مشرق کے مختلف حصوں میں سے دیے گئے منتخب کلام کو ترتیب دینے سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں مختلف حصوں سے دیے گئے اشعار کی تعداد درج ذیل ہے۔

پیش کش	لالۂ طور	افکار	مئے باقی	نقشِ فرنگ	خردہ	کل تعداد اشعار
اشعار	رباعیات	منظومات	غزلیات	منظومات	اشعار	
×	33	3	14	1	1	52+32

-2 کتاب صد شعر اقبال میں بعض مقامات پر دیے گئے فارسی کلام کا متن درست نہیں۔ اسی طرح حوالہ جات بھی ساتھ نہیں دیے گئے۔ کلیاتِ اقبال فارسی کے اشاریہ کی مدد سے ان اشعار کے حوالہ جات تلاش کر کے ان میں سے پیامِ مشرق کے اشعار کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مضمون کے شروع میں دی گئی فہرست میں ان اشعار کے حوالہ جات اور درست متن تحریر کر دیے گئے ہیں تاکہ قارئین، محققین اور ناقدین ان حوالہ جات کی مدد سے مزید مطالعہ اور تحقیق کے کام کو آگے بڑھا سکیں۔

3- اس کتاب میں ہر رباعی کو ایک شعر کے طور پر شمار کیا گیا ہے حالانکہ رباعی (دوبیتی) دو اشعار پر مشتمل ہوتی ہے۔ کتاب کے صفحہ نمبر 118 پر رباعی نمبر 56 کا دوسرا شعر، اس کا ترجمہ اور تشریح دی گئی ہے۔ اس طرح کتاب کے صفحہ نمبر 215 پر مکمل رباعی نمبر 56، اس کا ترجمہ اور تشریح دی گئی ہے۔ اگر حقیقی طور پر دیکھا جائے تو رباعی نمبر 56 کا مشترک شعر نکال کر اس کتاب میں پیام مشرق کے چوراسی (84) اشعار کا ترجمہ اور تشریح دیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں اقبال کے دیگر فارسی کلام سے انچاس (49) اشعار دیے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے کتاب صد شعر اقبال فارسی میں اقبال کے فارسی کلام سے ایک سو تینتیس (133) اشعار کا ترجمہ اور تشریح دیے گئے ہیں۔ کتاب کے مندرجات کے پیش نظر اس کتاب کا عنوان درست نہیں ہے۔ یہ کتاب 1995ء میں پہلی بار شائع ہوئی۔ اس کے مرتب صوفی تبسم کے فرزند ارجمند پروفیسر صوفی گلزار احمد ہیں۔ کتاب کے ناشر ڈاکٹر وحید قریشی ہیں جو اس وقت اقبال اکادمی پاکستان کے ناظم تھے۔ اس کتاب کا دیباچہ ڈاکٹر عبیداللہ خان نے تحریر کیا ہے۔ اس قدر اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی نگرانی اور رہنمائی میں شائع ہونے والی اس کتاب کے عنوان کی کمزوری حیرت کا باعث ہے۔

4- اس کتاب میں اشعار ترتیب سے نہیں دیے گئے۔ اس سلسلہ میں کتاب کے دیباچہ میں ڈاکٹر عبیداللہ خان لکھتے ہیں:

> ''مرتب پروفیسر صوفی گلزار صاحب نے اشعار کی ترتیب میں تاریخوں کی ترتیب کا خیال نہیں رکھا بلکہ غالباً موضوع کے اعتبار سے اشعار کو ترتیب دیا ہے.....''(354)

کتاب میں دی گئی فہرست کے مطابق جائزہ لیں تو اشعار کی ترتیب نہ زمانی ہے اور نہ ہی موضوعی۔ اس کتاب میں شامل پہلے دس اشعار، ان کے ترجمہ اور تشریح کا بغور مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے مرکزی خیال درج ذیل ہیں:

شعر نمبر	مرکزی خیال	شعر نمبر	مرکزی خیال
1	خودی	2	چشمِ بینا، استحکامِ خودی
3	سخت کوشی، خطر جوئی، عملِ پیہم، جہدِ مسلسل	4	سخت کوشی
5	فلسفۂ غم	6	چشمِ بینا
7	عظمتِ رفتہ کے حصول کے لیے حوصلہ افزائی	8	خودی کا استحکام
9	خودشناسی	10	سخت کوشی اور مہم جوئی

مندرجہ بالا ٹیبل سے ظاہر ہے کہ اس کتاب میں دیے گئے اشعار موضوعاتی ترتیب سے نہیں ہیں۔ موضوع کی مناسبت سے پہلے شعر کے بعد شعر نمبر 8، شعر نمبر 9، شعر نمبر 2، اور شعر نمبر 6 آنے چاہئیں تھے۔ اس طرح مضمون 'سخت کوشی' کی مناسبت سے شعر نمبر 3 اور نمبر 4 کے بعد شعر نمبر 10 اور پھر شعر نمبر 5 آنے چاہئیں تھے۔ ان کے بعد شعر نمبر 7 آنا چاہیے تھا۔

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ کتاب 'صد شعر اقبال فارسی' میں دیے گئے اشعار ترتیب سے نہیں ہیں۔ یہ ترتیب نہ تو زمانی ہے اور نہ موضوعاتی۔

-5 کتاب صد شعر اقبال فارسی میں کلام اقبال کے وہ اشعار اور تشریحات دی گئی ہیں جنہیں صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے مختلف تاریخوں میں ریڈیو پاکستان سے نشر کیا گیا تھا۔ یہ اشعار اس ترتیب سے نہیں دیے گئے جس ترتیب سے نشر ہوئے تھے۔ مثلاً شعر نمبر 2 زبورِ عجم حصہ دوم کی ایک غزل سے لیا گیا ہے۔ اس کی تشریح کے شروع میں صوفی صاحب فرماتے ہیں:

> ''کل زبورِ عجم کی ایک غزل کے مطلع کی تشریح کرتے کرتے آج کا شعر یاد آ گیا۔ یاد آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ کل کے شعر میں چشمِ بینا کے الفاظ سے اس شعر کے الفاظ ابھر آئے۔.....'' (355)

شعر نمبر 2 کی تشریح کے دیے گئے اقتباس کے مطابق شعر نمبر 1 'زبورِ عجم' کا ہونا چاہیے تھا مگر شعر نمبر 1 پیام مشرق کی غزل نمبر 25 کا مطلع (پہلا شعر) ہے۔ اس شعر میں 'چشمِ بینا' کے الفاظ استعمال نہیں ہوئے۔ ان تمام گزارشات کا مقصد یہ بات واضح کرنا ہے کہ اس کتاب کی ترتیب و پیشکش کے سلسلہ میں ضروری امور کو پیش نظر نہیں رکھا گیا۔

-6 کتاب کے دیباچہ میں ڈاکٹر عبیداللہ خان تحریر کرتے ہیں:

> ''راقم الحروف نے بڑی محنت سے ان اشعار کے صحیح نقل ہونے کی طرف توجہ دی ہے۔ نقل ہونے میں بعض اشعار میں غلطیاں رہ گئی تھیں انہیں درست کیا ہے۔ بعض جملوں میں الفاظ چھوٹ گئے تھے انہیں پورا کیا ہے۔ نقل کرنے والے صاحب سے بعض اشعار غلط نقل ہو گئے تھے انہیں صحیح کیا گیا ہے۔ یہ سب کام راقم الحروف نے کلیات فارسی کو سامنے رکھ کر پایۂ تکمیل کو پہنچایا ہے۔ یہ بھی اہتمام کیا گیا ہے کہ ہر شعر کے بعد بریکٹ میں اس کی نشاندہی کر دی جائے کہ وہ شعر یا قطعہ علامہ اقبال کے کسی مجموعہ فارسی سے لیا گیا ہے۔'' (356)

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ

-1 ڈاکٹر عبیداللہ خان نے اس کتاب میں صحتِ متن کا خیال رکھا ہے اور سلسلہ میں بڑی محنت اور توجہ سے کام لیا ہے۔ انہوں نے یہ سب کام کلیاتِ فارسی کو سامنے رکھ کر مکمل کیا ہے۔

-2 ڈاکٹر صاحب نے ہر فارسی شعر کے ماخذ کی نشاندہی کر دی ہے۔

اس ضمن میں راقم الحروف نے تمام اشعار کے متن کا کلیاتِ اقبال فارسی سے موازنہ کیا تو درج ذیل امور سامنے آئے ہیں۔

-1 اس کتاب کی فہرست اشعار میں اور صفحہ نمبر 21 پر دیا گیا پہلا شعر ہی درست نہیں ہے۔ پہلے مصرع میں سے لفظ 'دیدہ' غائب ہے اور لفظ 'خواب' کے نیچے زیر (ِ) نہیں لگائی گئی۔ پیام مشرق سے اصل متن اور صد شعر اقبال فارسی میں دیا گیا متن ملاحظہ کریں۔

اصل متن از پیامِ مشرق	متن از صد شعر اقبال فارسی از صوفی تبسم
بے تو از خوابِ عدم دیدہ کشودن نتواں	بے تو از خواب عدم چشم کشودن نتواں
بے تو بودن نتواں ، باتو نبودن نتواں	بے تو بودن نتواں ، با تو نبودن نتواں
(357)	(358)

اسی طرح شعر نمبر 11 کا دوسرا مصرع بھی غلط لکھا ہوا ہے۔ پیامِ مشرق سے اصل متن اور صد شعر اقبال فارسی میں دیا گیا متن ملاحظہ کریں۔

اصل متن از پیامِ مشرق	متن از صد شعر اقبال فارسی از صوفی تبسم
اے صبا از تنک افشانی شبنم چہ سود تب و تاب از جگر لالہ ربودن نتواں (359)	اے صبا از تنک افشانی شبنم چہ سود تب و تاب جگر از لالہ ربودن نتواں (360)

اکثر اشعار میں ضروری اعراب بھی نہیں دیے گئے۔ یہ صورتِ حال قریباً تمام اشعار میں نظر آتی ہے بطور مثال شعر نمبر 13 ملاحظہ کریں۔

اصل متن از پیامِ مشرق	متن از صد شعر اقبال فارسی از صوفی تبسم
نہ بہ جادۂ قرارش ، نہ بہ منزلے مقامش دلِ من ، مسافرِ من کہ خداش یار بادا (361)	نہ بہ جادۂ قرارش، نہ بہ منزلے مقامش دل من مسافر من کہ خداش یار بادا (362)

-2 ڈاکٹر عبیداللہ خان نے ہر شعر کے بعد بریکٹ میں نشاندہی کر دی ہے کہ وہ شعر یا قطعہ علامہ اقبال کے کس مجموعہ فارسی سے لیا گیا ہے۔ مثلاً شعر نمبر 1 کے نیچے بریکٹ میں اس کا حوالہ یوں درج ہے۔

''(یہ شعر پیامِ مشرق کی ایک غزل سے لیا گیا ہے)''(363)

راقم الحروف کے نزدیک حوالہ دینے کا یہ انداز نامکمل ہے اور غیر تسلی بخش ہے۔ اگر یہ حوالہ اندریں الفاظ دے دیا جاتا تو زیادہ واضح ہوتا اور اہلِ علم و دانشور حضرات اس حوالہ سے استفادہ بھی کر پاتے۔ (شعر از پیامِ مشرق، غزل نمبر 25، صفحہ نمبر 166)

کتاب کے شروع میں دی گئی 'فہرست اشعار' میں بھی پیام مشرق کے اس حصہ کی نشاندہی کی جا سکتی تھی جس سے یہ شعر لیا گیا ہے اور ساتھ ہی پیام مشرق کا صفحہ نمبر بھی دیا جا سکتا تھا۔ اس مقصد کے لیے اضافی صفحات کی ضرورت نہیں تھی۔ فہرست میں مکمل حوالہ جات ساتھ ہی دیے جا سکتے تھے۔

صد شعر اقبال فارسی میں تمام اشعار بغیر کسی ترتیب کے دیے گئے ہیں۔ تحقیق کی ضرورتوں کے پیشِ نظر راقم الحروف نے پیامِ مشرق کے اس کتاب میں شامل کلام کی کتاب میں دی گئی ترتیب اور پیامِ مشرق کے مطابق درست ترتیب بھی دے دی ہے تاکہ اس کتاب سے استفادہ کرنے والے قارئین اور محققین کو آسانی رہے۔

لالۂ طور (رباعیات...32 اشعار)

صد شعر اقبال فارسی میں دی گئی ترتیب	پیامِ مشرق کے مطابق درست ترتیب
56 (دوسرا شعر)، 59 (دوسرا شعر)، 29، 28،	1، 2، 3، 4، 5، 6، 7، 8، 11، 12، 13، 14،
23، 24، 22، 21، 20، 19، 14، 13، 17،	17، 18، 19، 20، 21، 22، 23، 24، 28،
12، 18، 8، 11، 7، 6، 1، 2، 56، 3، 4، 5،	29، 42، 43، 49، 52، 56، 59، 158،
49، 52، 158، 43، 42، 159، 162، 160	159، 160، 162

رباعی نمبر 56 کے دوسرے شعر کی الگ بھی تشریح دی گئی ہے اور مکمل رباعی کی بھی تشریح دی گئی ہے۔ رباعی نمبر 59 کے صرف دوسرے شعر کی تشریح دی گئی ہے۔ اس کتاب میں رباعی نمبر 56 اور رباعی نمبر 59 کو ایک،

ایک شعر کے طور پر شمار کیا گیا ہے جبکہ مکمل رباعیوں کی تشریح بھی دی گئی ہے مگر ہر مکمل رباعی کو بھی ایک شعر شمار کیا گیا ہے۔ اس طرح اسے 'صدشعر اقبال فارسی کا نام دیا گیا ہے جو کہ درست عنوان نہیں ہے۔

حصہ افکار (منظومات...3 اشعار)

صدشعر اقبال فارسی میں دی گئی ترتیب	پیامِ مشرق کے مطابق ترتیب
پند باز بابچۂ خویش ، حکمت و شعر ، جہان عمل	۱۷۔ پند باز بچۂ خویش ۲۱۔ حکمت وشعر ۳۴۔ جہانِ عمل (صدشعر اقبال فارسی میں دی گئی ترتیب، پیامِ مشرق کے مطابق عین درست ہے)

مئے باقی (غزلیات...14 اشعار)

صدشعر اقبال فارسی میں دی گئی ترتیب	پیامِ مشرق کے مطابق درست ترتیب
25 (پہلا شعر)، 25 (چوتھا شعر)، 40، 43، 11، 37، 14، 4 (چھٹا شعر)، 8، 4 (دوسرا شعر)، 28، 39، 19، 45	4 (دوسرا اور چھٹا شعر)، 8، 11، 14، 19، 25 (پہلا اور چوتھا شعر)، 28، 37، 39، 40، 43، 45

حصہ نقشِ فرنگ (منظومات.... 1 شعر)

'صحبتِ رفتگان' میں 'کوہکن' کا آخری شعر

حصہ خردہ (ایک شعر)

خردہ نمبر 1 کا دوسرا شعر

لالۂ طور (رباعیات)

صدشعر اقبال فارسی:- شعر نمبر 75 (رباعی نمبر 21)

'صدشعر اقبال فارسی' کے صفحہ نمبر 179 پر شعر نمبر 75 دیا گیا ہے۔ دراصل یہ پیام مشرق کے صفحہ نمبر 32 پر دی گئی رباعی نمبر 21 ہے۔ سب سے پہلے فارسی رباعی دی گئی ہے۔ یہ رباعی پیامِ مشرق میں دیے گئے اصل متن کے مطابق عین درست ہے۔ رباعی کے نیچے قوسین میں وضاحت بھی دی گئی ہے۔ کہ "یہ قطعہ پیامِ مشرق سے لیا گیا ہے"۔ اگر یہاں رباعی نمبر اور پیام مشرق کا صفحہ نمبر بھی دے دیا جاتا تو یہ حوالہ زیادہ واضح ہو جاتا۔

اس کے بعد قریباً دو صفحات پر اس رباعی کا ترجمہ اور تشریح دی گئی ہے۔ یہ کتاب 245 صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ نمبر 21 تا صفحہ نمبر 245 پر کلام اقبال فارسی سے صدشعر اقبال (فارسی) کے عنوان سے منتخب اشعار، ان کا ترجمہ اور تشریح دی گئی ہے۔ یہ ترجمہ و تشریح قریباً 225 صفحات پر مشتمل ہے۔ اوسطً فی شعر 2.25 صفحات پر مشتمل ترجمہ اور تشریح دیے گئے ہیں۔ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے یہ تشریحات مختلف تاریخوں میں ریڈیو پاکستان سے نشر کی تھیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر نشریات کا دورانیہ مقرر ہوتا ہے۔ نشریات کے لیے مقرر وقت میں پیش کرنے کے لیے مخصوص طوالت کی تحریر تیار کرنا اور پیش کرنا ہوتی ہے۔ اس لیے تمام اشعار کی تشریحات قریباً یکساں طوالت رکھتی ہیں۔

اس رباعی کے شروع میں، پہلے پیراگراف میں صوفی صاحب نے نہایت خوبصورت، واضح اور جامع انداز سے رباعی کا مرکزی خیال اور اصل مفہوم بیان کیا ہے۔ صوفی صاحب لکھتے ہیں:

"اقبال کے نزدیک زندگی تب وتاب اور سوز وساز کا نام ہے۔ اگر یہ تڑپ یہ سوز و گداز نہ ہو تو زندگی افسردہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور انسان کی طبعی استعدادیں بے کار ہو جاتی ہیں۔ اس قطعے میں اقبال اس اہم نکتے کی وضاحت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تڑپ یہ سوز ایک لمحے ہی کا کیوں نہ ہو، زندگی کا ماحصل ہوتا ہے..... "(364)

مندرجہ بالا اقتباس اور خصوصاً اس کا پہلا اور آخری جملہ بہت جامع، واضح اور مختصر انداز سے مذکورہ بالا رباعی کا مرکزی خیال بیان کرتے ہیں۔ طرزِ بیان سادہ، آسان اور عام فہم ہے۔ چند ایک جملوں میں رباعی کا اصل مفہوم کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔

اس کے بعد صوفی صاحب نے اس رباعی کا ترجمہ تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"میں نے سنا کہ پروانہ عدم مین خدا سے یہ کہہ رہا تھا کہ زندگی کا ایک لمحہ بے تابانہ عطا کر۔ صبح کو تو چاہے تو میری راکھ کو غبار بنا کر اڑا دینا لیکن مجھے ایک رات کا سوز و ساز میسر آ جائے۔"(365)

یہ ترجمہ بھی آسان اور عام فہم ہے، تاہم یہ لفظی ترجمہ نہیں بلکہ بامحاورہ ترجمہ ہے۔ اس میں درج ذیل تبدیلیوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

1- ترجمہ میں دیا گیا لفظ 'مین' سہو کاتب سے اس طرح ٹائپ ہو گیا ہے۔ اصل لفظ 'میں' ہے۔

2- دوسرے شعر کے ترجمہ میں بھی لفظ 'چاہے' اضافی طور پر دیا گیا ہے اس کا اصل متن سے تعلق نہیں۔ یہ لفظ قوسین میں دینا چاہیے تھا تاکہ وضاحت بھی ہو جاتی اور صحیح لفظی ترجمہ کا تعین بھی ہو جاتا۔ اس شعر کے آخری لفظ 'بخش' کا ترجمہ نہیں دیا گیا۔ اس مصرع کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے:

اصل ترجمہ از صد شعر اقبال فارسی	مجوزہ ترجمہ از راقم الحروف
صبح کو تو چاہے تو میری راکھ کو غبار بنا کر اڑا دینا لیکن مجھے ایک رات کا سوز و ساز میسر آ جائے۔	صبح کو (تو چاہے) میری راکھ کو غبار بنا کر اڑا دینا لیکن مجھے ایک رات کا سوز و ساز عطا کر دینا۔

ترجمہ کے بعد صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ بعض اوقات گھڑی دو گھڑی کا کوئی جذباتی تجربہ انسان کی زندگی پر انمٹ اثرات مرتب کر دیتا ہے۔ اس سے انسان کی زندگی میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ وہ گھڑی دو گھڑی کے اس جذباتی تجربہ کو حاصل زندگی بلکہ عین زندگی قرار دیتا ہے۔ اسے انگریزی میں Concentrated Emotion کہتے ہیں۔ اس ضمن میں صوفی صاحب کا تحریر کردہ یہ اقتباس غور طلب ہے:

"نفسیات کا ایک نظریہ ہے جسے انگریزی میں Concentrated Emotion یا اردو میں جذبات کا بھرپور تجربہ کہا جا سکتا ہے اس نظریے کا ماحصل یہ ہے کہ نفسیاتی طور پر یہ ممکن ہے کہ کوئی انسان اپنی ساری جذباتی زندگی ایک دو لمحوں میں بسر کر دے۔"(366)

مندرجہ بالا اقتباس میں پہلا جملہ مکمل ہونے پر ختمہ (full stop) نہیں دیا گیا۔ دوسرے جملے کا آخری حصہ بھی غیر واضح ہے۔ اس عبارت کے نفسِ مضمون اور سیاق و سباق کے حوالے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جملہ دراصل یوں ہونا چاہیے تھا:

''اس نظریے کا ماحصل یہ ہے کہ نفسیاتی طور پر ممکن ہے کہ کوئی انسان اپنی ساری جذباتی زندگی ایک دو لمحوں (کی یاد) میں بسر کر دے۔''

خمہ کا نہ دینا، جملہ ادھورا لکھنا، اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ جس طرح اس کتاب میں دیے گئے فارسی متن میں اغلاط پائی جاتی ہیں، اسی طرح ترجمہ وتشریح اور کتابت میں بھی کچھ کمزوریاں نظر آتی ہیں جو کہ مرتب کتاب اور نظر ثانی کرنے والے حضرات کی بھرپور توجہ نہ ملنے کی وجہ سے شامل اشاعت ہوگئی ہیں۔

'بھرپور جذباتی تجربہ' کا مفہوم واضح کرنے کے بعد صوفی صاحب نے دو اشعار کی مدد سے اس نظریے کی مزید وضاحت کی ہے۔ پہلے شعر کا شاعر نا معلوم ہے جبکہ دوسرا شعر حافظ کا ہے۔ صوفی صاحب نے نہایت خوبصورت اور دلچسپ انداز سے سوز وسازِ زندگی کی ضرورت واہمیت اور قدر قیمت واضح کی ہے۔ دیے گئے دونوں اشعار عین موزوں اور رباعی کے حقیقی مفہوم کے اچھے ترجمان ہیں۔

صوفی صاحب نے عام قارئین کے لیے حافظ کے فارسی شعر کا مفہوم بھی بیان کر دیا ہے۔ یہ شعر اور اس کا مفہوم ملاحظہ کریں۔ صوفی صاحب لکھتے ہیں:

''حافظ کے اس شعر کو دیکھئے

بفراغ دل زمانے نظرے بہ ماہ روئے

بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ عمر ہا و ہوئے

یعنی اگر ساری عمر ہمارے سر پر چتر شاہی سایہ کیے ہو اور عیش ونشاط کے ہنگامے گرم رہیں تو بے سود ہیں۔ ان سب سے بہتر وہ ایک لحہ ہے۔ جس میں محبوب کا دیدار ہو اور سکون دل نصیب ہو۔ گویا فراغت دل یا اطمینان قلب کا ایک لحہ زندگی کی ساری ہنگامہ خیزیوں پر حاوی ہوتا ہے۔'' (367)

مندرجہ بالا اقتباس میں خط کشیدہ الفاظ اور جملہ غور طلب ہیں۔

1- الفاظ 'سکون دل'، 'فراغت دل' اور 'اطمینان قلب' کے ساتھ زیر (ِ) کے استعمال سے ان کی املا بھی درست ہو جاتی اور عام قارئین صحیح تلفظ سے یہ الفاظ پڑھ سکتے۔ زیر (ِ) کے اضافے کے ساتھ یہ الفاظ یوں لکھے جانے چاہئیں تھے:

'سکونِ دل'، 'فراغتِ دل'، 'اطمینانِ قلب'

2- آخری جملہ فارسی شعر کے اصل مفہوم کی ترجمانی نہیں کرتا۔ راقم الحروف کے نزدیک یہ جملہ اس طرح سے ہونا چاہیے تھا:

جملہ محررہ در صد شعر اقبال فارسی	مجوزہ جملہ از راقم الحروف
گویا فراغت دل یا اطمینان قلب کا ایک لحہ زندگی کی ساری ہنگامہ خیزیوں پر حاوی ہوتا ہے۔	گویا فراغتِ دل یا اطمینانِ قلب کا ایسا لحہ جس میں محبوب کا دیدار ہو، زندگی بھر کے عیش ونشاط پر مبنی ہنگامہ خیزیوں پر حاوی ہوتا ہے۔

رباعی نمبر 21 کا مرکزی خیال اور ترجمہ دینے کے بعد صوفی صاحب نے سوز وساز زندگی کی اہمیت بیان کی ہے۔ اس کے بعد صوفی صاحب 'پروانے کی التجا' اس کی دیوانگی اور مر مٹنے کا ذکر کرتے ہیں۔ اس سے اگلی عبارت

میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ اقبال اپنی شاعری میں لفظ 'پروانہ' بطور استعارہ استعمال کرتے ہیں۔اس قطعہ میں پروانہ سے مراد ہر وہ انسان ہے جو کسی عظیم الشان نصب العین کے حصول کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔تسلیم وایثار کے اظہار پر مبنی یہ لمحہ انسان کی ساری زندگی پر بھاری ہوتا ہے۔اس کے بعد صوفی صاحب نہایت ہی خوبصورت انداز سے اس رباعی کی تشریح معراج پر پہنچاتے ہیں۔آخری عبارت اور آخری جملہ زیرِ تبصرہ رباعی کی تشریح کا حق خواب ادا کرتے ہیں۔ملاحظہ کریں۔صوفی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت اسمٰعیل نے جب رضائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا تھا اور حضرت امام حسین جب باطل سے ٹکرانے کے لیے میدان شہادت میں سربکف نکلے تھے تو ان کی زندگی کا وہ لمحہ وہی بھرپور لمحہ تھا جسے اقبال پروانے کا ''سوز و ساز یک شب'' قرار دیتا ہے۔
سوز و ساز کی یہ ایک رات صدیوں پر بھاری ہوتی ہے اور اس کو زندگی کی معراج کہتے ہیں۔'' (368)

صوفی صاحب نے نہایت خوبصورت اور عام فہم انداز سے اس رباعی کی تشریح بیان کی ہے۔اس تشریح کا ابتدائی جملہ، ابتدائی عبارت، آخری عبارت اور آخری جملہ مترجم اور شارح کے زورِ قلم اور اعلیٰ فکری پرواز کا واضح ثبوت ہیں۔کاش صوفی صاحب نے تمام کلامِ اقبال کی شرح کی ہوتی۔صوفی صاحب کا شرح کا انداز منفرد اور دلچسپ ہے۔اس رباعی کے حوالے سے اگر پروفیسر یوسف سلیم چشتی، ڈاکٹر الف۔د۔نسیم، ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور پروفیسر حمید اللہ ہاشمی کے تراجم وشروح کا موازنہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ صوفی صاحب کا بطور شارح الگ ہی انداز ہے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے بھی اس رباعی کے حوالے سے سوز و ساز کی قدر و قیمت اور ضرورت واہمیت بیان کی ہے، تاہم انہوں نے صوفی صاحب کا سا توضیحی اور تدریجی تفہیم کا انداز اختیار نہیں کیا۔ان کی اس رباعی کی شرح کی اختتامی عبارت مشکل الفاظ اور بعید از فہم اختتامی جملے پر مشتمل ہے۔موازنہ وتقابل کے لیے صوفی غلام مصطفےٰ تبسم اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شروح کی اختتامی عبارتیں اور اختتامی جملے پیش خدمت ہیں۔

رباعی نمبر 21 کی شرح کی اختتامی عبارت و اختتامی جملہ از صوفی غلام مصطفےٰ تبسم	رباعی نمبر 21 کی شرح کی اختتامی عبارت و اختتامی جملہ از پروفیسر یوسف سلیم چشتی
''حضرت اسمٰعیلؑ نے جب رضائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا تھا اور حضرت امام حسینؑ جب باطل سے ٹکرانے کے لیے میدان شہادت میں سربکف نکلے تھے تو ان کی زندگی کا وہ لمحہ وہی بھرپور لمحہ تھا جسے اقبال پروانے کا ''سوز و ساز یک شب'' قرار دیتا ہے۔ سوز و ساز کی یہ ایک رات صدیوں پر بھاری ہوتی ہے اور اس کو زندگی کی معراج کہتے ہیں۔'' (369)	''بات یہ ہے کہ یہ کیفیتِ سوز و گداز ہی وہ جوہر ہے جس سے انسان بنایا گیا ہے یعنی انسان سوز و ساز ہی کا دوسرا نام ہے۔اِسی میں اس کی ہستی کا راز مضمر ہے۔اس لیے اگر یہ کیفیتِ ''درد و سوز'' جو اس کی ذاتیات ہے، اس کی ذات سے زائل یا منفک ہو جائے تو فنائے ذات لازم آجائے گی۔کیونکہ منطق میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ ذاتِ شئے اور ذاتیاتِ شئے میں کسی حاعل کا تخلل ممتنع ہے۔'' (370)

فرق عین واضح ہے۔صوفی صاحب کی عبارت سلیس، آسان، عام فہم اور اصل متن کی حقیقی ترجمان

ہے۔چشتی صاحب کی عبارت دقیق، عام قاری کے فکروفہم سے وراءاور اصل متن کی تفہیم میں الجھن پیدا کرتی ہے۔

ڈاکٹر(ل۔د۔نسیم نے اس رباعی کا عام فہم ترجمہ دیا ہے۔ترجمہ واضح کرنے کے لیے قوسین میں توضیحی الفاظ اور جملے دیے ہیں۔اس طرح انہوں نے لفظی ترجمہ کو بامحاورہ ترجمہ کی شکل دے دی ہے اور اس رباعی کا مفہوم (مطلب) بھی تحریر کیا ہے۔ان کے اس اندازِ تحریر سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ اس رباعی کا لفظی ترجمہ کیا ہے اور قوسین میں دیے گئے توضیحی الفاظ اور جملوں کی مدد سے اس رباعی کا اصل مفہوم (مطلب) بھی واضح ہو گیا ہے۔ انہوں نے اس رباعی کا ترجمہ ومفہوم قریباً چار سطروں میں تحریر کر دیا ہے۔اسے تشریح ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔کیوں کہ تشریح میں ضروری امور کی وضاحت کی جاتی ہے اور بات کھول کر بیان کی جاتی ہے تاکہ عام سطح کا قاری بھی نفسِ مضمون سے آگاہ ہو جائے۔ڈاکٹر(ل۔د۔نسیم نے تمام پیامِ مشرق کے ترجمہ میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔انہوں نے مشکل الفاظ کے معانی کہیں بھی نہیں دیے۔

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے اس رباعی کی شرح پانچ سطروں میں دی ہے۔انہوں نے ڈاکٹر(ل۔د۔نسیم کی شرح کو قدرے واضح اور آسان الفاظ سے بیان کر دیا ہے۔انہوں نے بھی تمام 'شرح پیامِ مشرق' میں شرح کا یہی میزان برقرار رکھا ہے۔انہوں نے قریباً تمام اشعار کی شرح دو تا چار یا پانچ سطریں فی شعر کے کلیہ پر عمل کیا ہے۔ صرف چند ایک اشعار کی تشریح قریباً دس تا پندرہ سطریں فی شعر کے حساب سے دی ہے۔انہوں نے اشعار کے مشکل الفاظ اور ان کے معانی شرح پیامِ مشرق کے آخر پر (صفحات نمبر 289 تا 368 پر) دیے ہیں۔اصولاً الفاظ معانی اصل متن کے ساتھ ہونے چاہئیں تھے۔

پروفیسر حمید اللہ ہاشمی نے اپنی شرح میں اس رباعی کے الفاظ معانی تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید سے نقل کئے ہیں۔انہوں نے ترجمہ بھی اسی کتاب سے اخذ کیا ہے اور ترجمہ کے ساتھ تین چار سطروں کے اضافہ سے اسے شرح کا رنگ دیا ہے۔انہوں نے یہ تین چار سطریں بھی پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی اسی رباعی کی شرح (صفحہ نمبر 76) سے نقل کی ہیں۔پیامِ مشرق کے ترجمہ وشرح پر مبنی پروفیسر حمید اللہ ہاشمی کا بنایا ہوا رنگا رنگ پھولوں پر مبنی یہ گلدستہ اس طرح کی خوشہ چینی کا کمال ہے۔اس رباعی اور دیگر کلام کے حوالہ سے تفصیلات اور حوالہ جات کے لیے اسی مقالہ میں شامل پروفیسر حمید اللہ ہاشمی کے ترجمہ وشرح پیامِ مشرق کے تبصرہ پر مبنی گزارشات ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

رباعی نمبر 21 کے ترجمہ وشرح کے حوالہ سے پیامِ مشرق کی تمام اردو شروح کے موازنہ وتقابل کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ صوفی غلام مصطفٰے تبسم کی شرح آسان، عام فہم، جامع، مدلل اور فکر اقبال کی بھرپور انداز سے ترجمانی کرتی ہے۔اس کے بعد پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شرح قابلِ تحسین ہے۔ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کی شرح نہایت مختصر، مگر عام فہم ہے،تاہم، یہ شرح ڈاکٹر(ل۔د۔نسیم کے ترجمہ ومطالب سے فکری مماثلت رکھتی ہے اور بعض مقامات پر جملے بھی کافی حد تک ایک جیسے ہیں۔حمید اللہ ہاشمی صاحب کا ترجمہ وشرح پیامِ مشرق زیادہ تر مختلف تراجم و شروح کے اقتباسات (نقل) پر مشتمل ہیں۔

صد شعر اقبال فارسی:۔ شعر نمبر 89 (رباعی نمبر 56)

صد شعر اقبال فارسی کے صفحہ نمبر 215 پر شعر نمبر 89 کے عنوان کے تحت پیامِ مشرق کی رباعی نمبر 56 دی گئی ہے نیچے قوسین میں تحریر کیا گیا ہے کہ ''یہ قطعہ پیامِ مشرق سے لیا گیا ہے۔اس قطعہ کا دوسرا شعر پہلے بھی 48 ویں شعر کے طور پر آ چکا ہے۔''

دی ہوئی رباعی کا فارسی متن قریباً درست ہے لفظ کردہَ کے نیچے کھڑی زیر (ِ) آنی چاہیے اور 'بچشم دیگرے' میں لفظ بچشم کے نیچے زیر (ِ) آنی چاہیے۔ اسے 'بچشمِ دیگرے' لکھا جانا چاہیے تھا۔

صوفی صاحب کی شرح کا جائزہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ فارسی رباعی اور اس کا لفظی ترجمہ سامنے ہو۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم
زخوب و زشتِ تو نا آشنایم عیارش کردہَ سود و زیاں را	میں تیری اچھائی اور برائی کے معیار سے نا آشنا ہوں یعنی متفق نہیں ہوں تو نے اپنے نفع اور نقصان کو اس کا معیار بنا رکھا ہے۔
دریں محفل زمن تنہا ترے نیست بچشمِ دیگرے بینم جہاں را (371)	اس محفل (دنیا یا دنیائے شاعری) میں مجھ سے زیادہ تنہا کوئی نہیں ہے+ یعنی اچھائی، برائی اور نفع نقصان کے معیار کو جس طرح میں جانچتا ہوں کوئی اور نہیں پرکھتا۔ (کیونکہ) میں جہاں کو دوسروں کی آنکھ سے الگ کسی اور ہی آنکھ سے دیکھتا ہوں (اور وہ نگاہ فطرت اور حقیقت کو دیکھنے والی ہے)۔(372)

صوفی صاحب نے سب سے پہلے واضح کیا ہے کہ اس قطعے کا مخاطب دنیادار انسان ہے جو رسم ورواج کا پابند ہوتا ہے اور اپنے گردوپیش کی چیزوں کو ماحول ہی کے پیدا کیے ہوئے زاویہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کے بعد صوفی صاحب نے اس طرح سے اس قطعے کا سادہ اردو مفہوم دیا ہے:

> ''میں تیرے اچھے اور برے کے تصور سے نا آشنا ہوں۔ کیونکہ تو نے سود وزیاں اچھائی اور برائی کا معیار مقرر کر رکھا ہے۔ یعنی تو اس چیز کو اچھا سمجھتا ہے جس میں سود یعنی نفع ہو اور اس نشے کو برا خیال کرتا ہے جس میں زیاں یعنی نقصان ہو۔ لیکن میرا خوب و زشت، کا معیار کچھ اور ہے۔ میں دنیا کو کسی اور ہی نظر سے دیکھتا ہوں، ایک ایسی نظر سے جو تجھے نصیب نہیں۔ میرا زاویہ نگاہ تم سب سے الگ تھلگ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی فرد بشر ایسا نہیں جو میرا ہم نگاہ، یا ہم فکر اور ہم خیال ہو۔ اس لیے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں اس دنیا میں تنہا ہوں اور دنیا میں مجھ جیسا اور کوئی انسان تنہا نہیں۔''(373)

صوفی صاحب نے بہت اچھے انداز سے رباعی کا مفہوم بیان کیا ہے۔ مندرجہ بالا اقتباس میں املاء کی کچھ غلطیاں نظر آتی ہیں۔ پہلی سطر میں سود وزیاں کے بعد لفظ 'کو' آنا چاہیے۔ یہ جملہ اس طرح لکھا جانا چاہیے تھا: ''کیونکہ تو نے سود وزیاں (نفع ونقصان) کو اچھائی اور برائی کا معیار مقرر کر رکھا ہے۔'' اس سے اگلے جملے میں لفظ 'نشے' کی جگہ پر 'شے' آنا چاہیے۔

مجوزہ بالا غلطیوں کی طرح، صد شعر اقبال کے فارسی اور اردو متن میں اس طرح کی بہت سی غلطیاں ہیں جو کہ ناقص پروف ریڈنگ کی وجہ سے رہ گئی ہیں۔

رباعی کا مفہوم بیان کرنے کے بعد صوفی صاحب نے آسان اور عام فہم جملوں میں واضح کیا ہے کہ غیر معمولی ذہانت رکھنے والے انسان کی سوچ کا انداز منفرد ہوتا ہے۔ وہ پرانی روایات کی پیروی کرنے کے بجائے نئی

راہیں تلاش کرتا ہے۔رسم ورواج کے پابند لوگ ایسے شخص کو باغی کہتے ہیں۔ ایسا شخص خود کو تنہا محسوس کرتا ہے۔

اقبال نے اس رباعی میں نہایت خوبصورتی سے اپنی یہی ذہنی کیفیت بیان کی ہے۔صوفی صاحب اقبال کی فنی خوبی اور فنکارانہ مہارت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''شاعر نے اس خیال کو بڑی فنی خوبی سے بیان کیا ہے اور یہی فنکارانہ مہارت ہے۔ جو اسے ایک طرف مفکروں میں اور دوسری طرف شعرا میں ممتاز کرتی ہے دیکھئے کیسی خوبصورتی کے ساتھ وہ اپنے ہم عصروں کے فرسودہ اور روایتی اندازِ فکر پر تنقید کرتا ہے اور کتنی طنز کے ساتھ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان لوگوں کی اقدار کتنی پست ہیں۔ یہ لوگ زندگی کے خوب وزشت اور نیک و بد کو نفع و نقصان کی ترازو سے تولتے ہیں اور ان کی فنی اخلاقی، یہاں تک کہ مذہبی اقدار بھی اسی معیار سے قائم ہوئی ہیں۔ ظاہر ہے ایسے ماحول میں رہنے والا وہ انسان، جسے قدرت نے غیر معمولی بالغ نظری عطا کی ہو۔ ان لوگوں کا کیونکر ہم نوا ہوسکتا ہے۔ وہ ذہنی طور پر یقیناً ان سے الگ تھلگ ہوگا۔ ایسا انسان اگر اپنے آپ کو تنہا محسوس نہ کرے تو اور کیا کرے۔'' (374)

صوفی صاحب نے نہایت خوبصورت، آسان اور عام فہم انداز سے اس رباعی کا مفہوم بیان کیا ہے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب نے اس رباعی کی شرح صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کی طرح تفصیل سے نہیں کی۔ انہوں نے رباعی کا بنیادی تصور تحریر کیا ہے اور پھر قریباً دس سطروں میں اس کا مطلب تحریر کیا ہے۔

رباعی پڑھ کر ذہن میں آتا ہے کہ علامہ اقبالؒ کے نزدیک خوب وزشت کا معیار کیا تھا؟ یہ ٹھیک ہے کہ وہ ایک منفرد شخصیت تھے دوسرے سے الگ فکر اور نقطہ نظر رکھتے تھے مگر ان کا خوب وزشت اور سود وزیاں کا معیار کیا تھا؟۔ اس سوال کا جواب ہمیں صوفی صاحب کی شرح سے نہیں ملتا۔ چشتی صاحب نے اپنی شرح میں اس سوال کا جواب دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> ''اے مخاطب! تو نے نفع اور نقصان کو خوب وزشت کا معیار قرار دیا ہے۔ یعنی تیرے نزدیک جس چیز سے فائدہ حاصل ہو وہ اچھی ہے، اور جس چیز سے نقصان پہنچے وہ بُری ہے۔ لیکن میں تیرے اس معیار سے متفق نہیں ہوں۔
> میں اس دُنیا (محفل) میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا ہوں کیونکہ میں اس دُنیا کو اور اس کے معاملات کو کسی دوسرے کی یعنی شریعت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ میری نگاہ میں خوب (نیکی) وہ ہے جسے شریعت خوب قرار دے، خواہ اُس سے مالی فائدہ حاصل ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح زشت (بدی) وہ ہے جسے شریعتِ اسلامیہ زشت قرار دے، خواہ اس سے کتنا ہی دنیاوی فائدہ کیوں نہ حاصل ہو سکے۔'' (375)

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے صرف چھ سطروں میں اس رباعی کا مفہوم تحریر کیا ہے۔ انہوں نے تین سطروں میں ترجمہ تحریر کیا ہے اور باقی تین سطروں میں مطلب تحریر کیا ہے۔ ان کا یہ ترجمہ و مفہوم ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ و مفہوم سے لفظی و فکری مماثلت رکھتا ہے۔ ان کی اس کوشش کو کسی بھی لحاظ سے شرح قرار نہیں دیا جاسکتا۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''میں تیرے بھلے برے کے معیار سے ناواقف ہوں، متفق نہیں ہوں۔ تو نے اس (بھلے برے) کا معیار اپنے نفع/ فائدہ اور نقصان کے مطابق رکھا ہے۔ اس محفل

میں مجھ سے زیادہ کوئی تنہا نہیں ہے۔ میں تو کسی اور ہی نگاہ سے اس دنیا کو دیکھتا ہوں۔
مطلب یہ کہ عام آدمی اپنے نفع نقصان کے مطابق کسی چیز کو اچھا یا برا سمجھتا ہے۔ علامہ
نے خود کو اس دنیا میں تنہا اس بنا پر کہا ہے کہ وہ اس دنیا کے ظاہر پر توجہ دینے کی بجائے
حقیقت اور فطرت پر توجہ رکھتے ہیں۔'' (376)

صد شعر اقبال فارسی:۔ شعر نمبر 99 (رباعی نمبر 162)

صد شعر اقبال فارسی کا شعر نمبر 99، اصل میں پیام مشرق کی رباعی نمبر 162 ہے۔ رباعی کا متن پیامِ مشرق میں دیے گئے متن کے مطابق ہے۔ اس کے الفاظ 'ذوقِ سخن'، 'مشتِ شرر'، 'بگفتارِ محبت' بغیر علامتِ اضافت کے ہیں۔ اصل رباعی اور اس کا منثور اردو ترجمہ ملاحظہ کریں۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم
مرا ذوقِ سخن خوں در جگر کرد غبارِ راہ را مشتِ شرر کرد	سخن (شاعری) کے ذوق نے میرے جگر کو خون کر دیا ہے + اس نے مجھ غبار راہ کو شرر کی مٹھی بنا دیا ہے (میرے جسم خاکی میں سوز اور تڑپ پیدا کر دی ہے)۔
بگفتارِ محبت لب کشودم بیاں ایں راز را پوشیدہ تر کرد (377)	میں نے محبت کے بارے میں بات کرنے کے لیے لب کھولے + (لیکن) میرے بیان نے اس راز کو کھولنے کی بجائے اور زیادہ پوشیدہ کر دیا (مراد ہے جذبہ عشق و محبت کو الفاظ کی قید میں نہیں لایا جا سکتا)۔ (378)

سب سے پہلے صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے اس رباعی کا سادہ، عام فہم اردو ترجمہ دیا ہے۔ یہ ترجمہ لفظی نہیں بلکہ بامحاورہ ہے۔ صوفی صاحب لکھتے ہیں:

''ذوق گویائی نے مجھے تڑپا دیا، میں ایک مٹھی بھر غبار راہ تھا، اس مٹھی بھر غبار راہ میں ان
بے تابیوں نے چنگاریاں بھر دیں۔ میں اس ذوق سخن کے بل پر چاہتا تھا کہ محبت کا
افسانہ سناؤں لیکن شرح و بیان کی کوشش نے اس راز یعنی راز محبت کو اور بھی چھپا دیا۔
اس کا اظہار نہ ہو سکا۔'' (379)

رباعی کا سادہ اردو ترجمہ لکھنے کے بعد صوفی صاحب نے جذبۂ محبت و عشق کے اظہار کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ افلاطون کے خیال میں خالقِ کائنات سے محبت، سرمدی محبت ہے باقی سب محبتیں اس کے مقابلے میں مجازی ہیں۔ محبت و عشق سے انسانی قلب و جگر میں قوت آتی ہے۔ عشق ہی سے عقل کی بصیرت کو جلا ملتی ہے اور اسے تقویت پہنچتی ہے۔ عشق کا جذبہ بے پناہ کیفیت ہے۔ اس کی وسعتیں تفسیر و بیان کے دامن میں نہیں سمیٹی جا سکتیں عام انسان تو کیا ایک شاعر بھی نطق و گویائی کی خصوصی قوت رکھنے کے باوجود اسے بیان نہیں کر سکتا۔ بقول خلیفہ عبدالحکیم جذبۂ عشق محسوس کیا جا سکتا ہے مگر اس کی حقیقت بیان نہیں ہو سکتی۔ اگر بیان بھی کیا جائے تو اس کی حقیقت ایک عاشق ہی سمجھ سکتا ہے، کوئی اور ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔

صوفی صاحب کی خوبی ہے کہ وہ ہر ایک شعر کی شرح کا اختتامیہ بہت زوردار لکھتے ہیں۔ یوں کہہ لیں کہ

اختتامیہ میں ان کی شرح معراج پاتی ہے۔ کچھ اسی طرح کی صورتِ حال اس شعر کی شرح کے اختتامیہ میں نظر آتی ہے۔ اختتامیہ میں انہوں نے اقبال کی رباعی کے نفسِ مضمون کی مماثلت کے لحاظ سے مولانا روم کا ایک شعر تحریر کیا ہے اور پھر اس شعر کا مفہوم بیان کر کے اختتامی جملہ تحریر کر دیا ہے۔ صوفی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا روم فرماتے ہیں:۔

گرچہ تفسیر و بیاں روشن گر است
لیک عشق بے زبان روشن تر است

مولانا روم نے اس نکتے کو اور ہی پیرائے میں بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں۔ کہ اگر چہ انسانی قوت بیان اور توضیح و تشریح، پوشیدہ باتوں کو روشن کر دیتی ہے لیکن عشق کا معاملہ دگرگوں ہے مولانا روم عشق کو بے زبان کہتے ہیں، لیکن اس کی بے زبانی خود گویائی ہے کسی دوسرے کے اظہار و بیان کی محتاج نہیں۔ اور محتاج ان معنوں میں نہیں کہ کسی بڑے سے بڑے شاعر کی فصاحت اور سحر بیانی بھی یہاں کام نہیں دے سکتی۔ بلکہ اس کے اظہار میں اور بھی رکاوٹ ڈال دیتی ہے جسے اقبال یوں بیان کرتا ہے کہ اس راز کو اور پوشیدہ تر بنا دیتی ہے۔'' (380)

صد شعر اقبال فارسی:۔ شعر نمبر 4 (پند باز با بچۂ خویش، شعر نمبر 15)

صد شعر اقبال فارسی میں دیا گیا شعر نمبر 4 نظم پند باز با بچۂ خویش، کا شعر نمبر 15 ہے۔ اس کا اصل متن اور منثور اردو ترجمہ ملاحظہ کریں:

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم
نجیبے کہ پا بر زمین سودہ است ز مرغِ سرا سفلہ تر بودہ است (381)	اصیل نسل کا وہ پرندہ جو زمین پر رہنے میں آرام پاتا ہے + وہ گھروں میں رہنے والے پرندے سے زیادہ کمینہ ہوتا ہے (382)

'احمد جاوید' نے اس رباعی کا ترجمہ یہ کیا ہے:

''وہ اصیل جو مٹی پر پاؤں گھستا ہے، پالتو مرغ سے بھی زیادہ نیچ ہو گیا ہے۔'' (383)

'میاں عبدالرشید' نے اس رباعی کا ترجمہ یہ کیا ہے:

''وہ (نجیب الطرفین باز) جو زمین پر پاؤں گھسیٹتا ہے، وہ گھریلو پرندوں سے بھی زیادہ کمینہ ہے۔'' (384)

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم، احمد جاوید اور میاں عبدالرشید کا ترجمہ قریباً یکساں مفہوم رکھتا ہے۔ 'احمد جاوید' کا ترجمہ متن کے زیادہ قریب ہے۔ انہوں نے ترجمہ کرتے وقت ہر ایک لفظ کا مفہوم پیش نظر رکھا ہے۔ وہ ترجمہ میں محتاط روی اختیار کرتے ہیں اور تمام ترجمہ میں یہ روش نظر آتی ہے۔ دیگر مترجمین بعض مقامات پر چُوک جاتے ہیں۔ مثلاً مندرجہ بالا رباعی کے ترجمہ میں ہی ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے پہلے مصرع کے لفظ 'سودہ' کا ترجمہ درست نہیں کیا ہے۔ انہوں نے اس کی جگہ پر غالباً لفظ 'آسودہ' کا ترجمہ (آرام پاتا ہے) کر دیا ہے۔ میاں عبدالرشید نے 'نجیبے' کا ترجمہ 'وہ نجیب (نجیب الطرفین باز)' کرنا چاہیے تھے۔ لفظ 'نجیب' قوسین سے باہر الگ آنا چاہیے تھا اور قوسین

میں اس کا مفہوم آنا چاہیے تھا۔ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کا ترجمہ بھی اصل متن سے ہٹ کر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''وہ ہستی جو اپنے قدم زمین پر دھرتی پھرتی ہے کتنی ہی نجیب کیوں نہ ہو اس پرندے سے بھی زیادہ نیچ ہے جو زمین ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔'' (385)

صوفی صاحب نے شرح میں تحریر کیا ہے کہ شاہین، باز، عقاب یہ تینوں آزاد پرندے ایسے ہیں جو شاعر کے تصورِ حیات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اقبال نظم 'پند باز با بچۂ خویش' میں ایک باز کا ذکر کرتے ہیں جو اپنے بچے کو چکور، شیر وغیرہ سے دور رہنے اور سخت کوشی کی زندگی بسر کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ باز اپنے بچے کو تلقین کرتا ہے کہ وہ اپنے آبا کی طرح آسمان کی وسعتوں میں پرواز کرے اور چٹانوں پر بسیرا کرے۔

صوفی صاحب ضروری توضیحات کے بعد اس شعر کا حقیقی مفہوم اس طرح سے تحریر کرتے ہیں:

> ''اقبال ایسے اسیر پرندے کی زندگی کو پست سمجھتا ہے اور اس سے زیادہ اس بلند نسب انسان کی زندگی کو پست تر خیال کرتا ہے جس کی نظریں سطحِ ارضی سے اوپر نہیں اٹھتیں وہ حافظ کے اس شعر کا مصداق بن کر رہ جاتا ہے۔
>
> ترا ز کنگرۂ عرش می زنند صفیر
> ندانمت کہ دریں دامگہ چہ افتاد است
>
> ستم کی بات ہے کہ انسان کو کنگرۂ عرش سے پکارا جا رہا ہے اور وہ اس دنیاوی جال میں الجھ کر رہ گیا ہے۔'' (386)

صوفی صاحب نے اختتامی عبارت میں نہایت جامع انداز سے اس شعر کا مفہوم تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''شاعر نے نجیب کا لفظ استعمال کیا ہے جو نجابت سے مشتق ہے اور بڑا بلیغ اور پر معنی ہے۔ اس لفظ سے انسانی کردار اور شخصیت کی عظمت اور شرافت نمایاں ہوتی ہے۔
> ایک عظیم ہستی اگر پست زندگی بسر کرے تو یہ بہت بڑی گراوٹ ہوگی جو قفس میں اسیر پرندے کی زندگی سے بھی پست ہے۔'' (387)

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے اس شعر کا ترجمہ دیا ہے اور صرف ایک جملہ میں شرح بیان کر دی ہے کہ ''بلند پروازی کی بالواسطہ تلقین ہے۔'' ان کی شرح ملاحظہ کریں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اصیل نسل کا وہ پرندہ جو زمین پر رہنے میں آرام و سکون محسوس کرتا ہے وہ گھروں میں پالے جانے والے پرندے سے بھی زیادہ گھٹیا اور کمینہ ہے۔ (بلند پروازی کی بالواسطہ تلقین ہے)'' (388)

اگر اقبال کے تصورِ خودی کے حوالے سے اس شعر کی شرح بیان کی جاتی تو مفہوم زیادہ واضح ہو جاتا اور فکرِ اقبال کی بھی حقیقی طور پر ترجمانی ہو جاتی۔ اقبال نے اس نظم کے ذریعے استغنا، خودداری، سخت کوشی، جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم کا درس دیا ہے۔ ایسا انسان جو اپنی خداداد صلاحیتوں کو پہچان کر استحکامِ خودی کے لیے کوشش کرتا ہے وہ عزت اور عظمت پاتا ہے۔ اس کے برعکس ایسا انسان جو اپنی صلاحیتوں کو نہیں پہچانتا، اعلیٰ مقاصد متعین نہیں کرتا اور ان کے حصول کے لیے کوشش نہیں کرتا اس کی حیثیت اس پرندے کی سی ہے جو پنجرے میں ساری زندگی بسر کر دیتا ہے اور زندگی بھر پستیوں کا شکار رہتا ہے۔ فطرتاً ہر انسان بے پناہ خداداد صلاحیتوں سے مالا مال ہوتا ہے یعنی وہ 'نجیب' ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی ذات اور اس کے اوصاف سے آگاہ نہ ہو تو وہ پالتو پرندے کی طرح پست اور محدود زندگی بسر

کرتا ہے۔

صدشعرِ اقبال فارسی:۔شعر نمبر 46(صحبتِ رفتگان... کوہکن)

صدشعرِ اقبال فارسی کا شعر نمبر 46 پیامِ مشرق سے لیا گیا ہے۔ یہ 'صحبتِ رفتگان' میں 'کوہکن' کے تحت درج ہے۔اصل متن اور اس منثور اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ ڈاکٹر الف۔د۔نسیم
ز خاک تا بہ فلک ہرچہ ہست رہ پیاست قدم کشائے کہ رفتارِ کارواں تیز است (389)	(کیا تو دیکھتا نہیں کہ) زمین سے آسمان تک جو شے بھی ہے رستہ چلنے والی یعنی حرکت میں ہے+ تو بھی قدم بڑھا کہ قافلے کی رفتار بڑی تیز ہے (زمانہ تیزی کے ساتھ بدل رہا ہے اور نئے نئے انقلابات کی منزل کی طرف دوڑ رہا ہے تو بھی اس وقت سے فائدہ اٹھا اور انقلاب برپا کرکے سرمایہ دارانہ نظام کو تہ و بالا کردے)۔(390)

اس شعر میں اقبال نے جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم کا درس دیا ہے۔ بلند ہمت انسان ہمہ وقت تبدیلی، اصلاح اور ترقی کا سفر جاری رکھتا ہے جبکہ کاہل، سست، آرام طلب اور عیش پرست انسان بے عملی کے رجحان کی وجہ سے جمود اور تنزلی کا شکار ہو جاتا ہے۔ صوفی صاحب نے تین اشعار کی مدد سے تدریجی تعلیم و تفہیم کے اصول پر عمل کرتے ہوئے آسان انداز سے اس شعر کی شرح بیان کی ہے۔ تین اشعار میں سے ایک شعر اردو کا اور دو اشعار فارسی کے ہیں۔صوفی صاحب نے فارسی اشعار کا مفہوم دے کر شرح آسان اور عام فہم بنا دی ہے۔صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ کائنات کی ہر شے حرکت میں ہے۔ ہر شے ایک کارواں کا حصہ ہے جو تیزی اور تندی سے چل رہا ہے۔ اگر کوئی لمحہ بھر کے لیے بھی غافل ہو جائے تو قافلے سے الگ ہو جاتا ہے اور پیچھے رہ جاتا ہے۔اس اصول کا اطلاق افراد پر بھی ہوتا ہے اور اقوام پر بھی۔اس قافلے کی کوئی منزل نہیں ہر قافلہ یونہی چلتا رہتا ہے اور اگر اس کی کوئی منزل مقصود ہے تو وہ اس کا شوقِ سفر ہے۔گویا زندگی کی کشاکش ہی زندگی ہے اور وہی مقصود بالذات ہے۔

صدشعرِ اقبال فارسی:۔شعر نمبر 52(خُردہ نمبر 1، دوسرا شعر)

صدشعرِ اقبال فارسی میں دیا گیا شعر نمبر 52، پیامِ مشرق کے حصہ 'خردہ' میں سے خُردہ نمبر 1 کا دوسرا شعر ہے۔فارسی شعر اور اس کا منثور اردو ترجمہ ملاحظہ کریں:

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ ڈاکٹر الف۔د۔نسیم
باسکندر خضر در ظلمات گفت مرگ مشکل ، زندگی مشکل تر است (391)	خضر نے بحرِ ظلمات میں (جہاں سکندر خضر کی راہنمائی میں آبِ حیات پی کر ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے گیا تھا) سکندر سے کہا (کہ پانی پینے سے پہلے سوچ لے کہ) موت ضرور مشکل ہے یعنی آدمی مرنا نہیں چاہتا لیکن زندگی اس سے زیادہ مشکل ہے (زندہ رہنے کے لیے سخت محنت کرنی پڑتی ہے ہر قدم پر دشواریوں کا سامنا ہے۔سکون و آرام کہیں نہیں)(392)

صوفی صاحب نے اس شعر کی شرح میں سب سے پہلے تلمیح کا مفہوم واضح کیا ہے۔اس کے بعد سکندر اور خضر کی تلمیحات کا پس منظر بیان کیا ہے۔ان تلمیحات کے حوالے سے غالب کا یہ شعر تحریر کیا ہے ۔

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

اس کے بعد صوفی صاحب نے اقبال کا درج ذیل شعر تحریر کیا ہے ۔

تجھے کیا بتائیں اے ہم نشیں ہمیں موت میں جو مزا ملا
نہ ملا مسیح و خضر کو بھی وہ نشاط عمر دراز میں

صد شعر اقبال فارسی میں کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے مندرجہ بالا شعر کا آخری لفظ 'ہیں' لکھا ہوا ہے۔ درست لفظ 'میں' ہے۔مندرجہ بالا شعر کلیات باقیات شعر اقبال کے صفحہ نمبر 413 پر درج ہے۔

صوفی صاحب نے خردہ نمبر 1 کے دوسرے شعر کی تلمیحات کا پس منظر بیان کرنے کے بعد اس شعر کا ترجمہ اور پھر مفہوم بیان کیا ہے۔صوفی صاحب نے آسان اور واضح انداز سے اس شعر کا مفہوم دیا ہے۔صوفی صاحب لکھتے ہیں:

''اقبال اس واقعے کے ایک نئے پہلو کو ہمارے روبرو لاتا ہے۔سکندر خضر کے ہمراہ اس لیے گیا تھا کہ وہ موت سے خائف تھا اور چاہتا تھا کہ آب حیات پی کر، ہمیشہ رہنے والی زندگی حاصل کرے تا کہ اسے موت سے نجات مل جائے لیکن وہ چیز اسے نصیب نہ ہو سکی خضر اس راز سے واقف تھے اسی لیے اقبال اس نکتے کو خضر کی زبان سے ادا کرتا ہے۔خضر ،سکندر سے کہتے ہیں کہ موت کٹھن شے ہے اور تو اس سے خوف زدہ ہے اور اس سے بچنا چاہتا ہے لیکن یہ بھی سن لے کہ موت سے بچ کر تو جدھر کا رخ کرنا چاہتا ہے وہ راستہ اور بھی دشوار ہے۔یہ زندگی کا راستہ ہے جو تجھے موت کے مقابلے میں آسان نظر آتا ہے۔زندگی تو بڑی کڑی منزل ہے اور پھر زندگی بھی زندگی جاوداں اس کی تو تاب نہیں لا سکے گا۔''(393)

اس کے بعد صوفی صاحب نے اقبال کے دو اشعار کی مدد سے اس شعر کا مفہوم نکتۂ عروج پر پہنچا دیا ہے۔ ان کی شرح کا آخری جملہ نہایت نتیجہ خیز اور فیصلہ کن ہوتا ہے۔یہی طرز اس شعر کی شرح میں نظر آتی ہے۔صوفی صاحب لکھتے ہیں:

''زندگی کی کیا مشکلات ہیں انہیں ذرا اقبال ہی کی زبان سے سنیئے:

می خورد، ہر ذرۂ ما پیچ و تاب
محشرے در ہر دمِ ما مضمر است

یعنی ہمارے وجود کا ہر ذرہ، پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ہمارے ہر سانس میں ایک محشر بپا ہے۔
ایک اور شعر میں کہتا ہے:

مرید ہمت آن رہروم کہ پا نگذاشت
بہ جادۂ کہ درو، کوہ و دشت و صحرا نیست

کہ میں تو اس باہمت رہرو کا مرید ہوں جو ایسے راستے میں قدم نہیں رکھتا جہاں پہاڑ، جنگل، اور بیابان نہ ہوں۔

شاعر اس انداز کی باتوں سے، اپنے سامعین سے زندگی میں جدوجہد، تنومندی اور استقلال پیدا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔(394)

چشتی صاحب نے بھی خردہ نمبر 1 کی شرح اچھے انداز سے کی ہے۔ انہوں نے صوفی صاحب کی طرح سکندر اور خضر کی تلمیحات کا پس منظر بیان نہیں کیا، تاہم انہوں نے یہ واضح کر دیا ہے کہ یہاں سکندر سے طالبِ زندگی اور خضر سے دانائے رموزِ زندگی مراد ہے اور زندگی سے کامیاب زندگی مراد ہے۔ اس کے بعد چشتی صاحب نے بہت خوبصورت طریقے سے اس شعر کا مفہوم تحریر کیا ہے۔ چشتی صاحب لکھتے ہیں:

''سکندر سے طالبِ زندگی اور خضر سے دانائے رموزِ زندگی مراد ہے اور زندگی سے کامیاب زندگی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کے لیے حیوانوں کی سی بے مقصد زندگی بسر کرنی تو آسان ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی زندگی کا کوئی مقصد معین کرتا ہے تو اس مقصد کا حصول بہت دشوار ہے کیونکہ دنیا میں ہر وقت ایسے حالات رُونما ہوتے رہتے ہیں جو حصولِ مقصد کو دشوار بنا دیتے ہیں۔ چوتھے مصرع میں اقبال نے لفظ مشکل دو جگہ استعمال کیا ہے۔ لیکن دونوں جگہ مفہوم مختلف ہے مرگ مشکل است۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی بہت مشکل سے مرنے پر راضی ہو سکتا ہے۔ حتی المقدور موت کو رفع کرتا ہے۔ مرتا تو ہے مگر بڑی مشکل سے۔ یعنی اس وقت مرتا ہے جب زندگی کی کوئی صورت اس کے اختیار میں نہیں رہتی۔

زندگی مشکل تر است۔ یہاں مشکل سے مراد یہ ہے اور اسی میں ان کا بنیادی تصور پوشیدہ ہے کہ دنیا میں کامیابی حاصل کرنا یا کامیاب زندگی بسر کرنا بہت مشکل ہے کامیابی حاصل کرنے کے لیے انسان کو ہر قدم پر دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے چوتھا مصرع اس قطعہ کی جان ہے جس میں وہ یہی بتانا چاہتے ہیں کہ کامیابی بہت مشکل سے حاصل ہوتی ہے اس مصرع کی خوبی اس کے اندازِ بیان میں مضمر ہے۔''(395)

صوفی صاحب نے تلمیحات کا پس منظر بیان کیا ہے اور شرح میں موضوع کی مناسبت سے اقبال کے اشعار بھی دیے ہیں جس سے ان کی شرح زیادہ دلچسپ اور خوبصورت نظر آتی ہے۔ چشتی صاحب نے اس شعر کے کنایات کا مفہوم واضح کیا ہے اور اس کے بعد اچھے انداز سے زندگی و موت کی مشکلات کا موازنہ کر کے اچھے اور آسان انداز سے اس شعر کا مفہوم واضح کر دیا ہے۔ ان کی یہ کوشش اپنی جگہ پر قابلِ تعریف ہے۔

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کی شرح پر مبنی کتاب صد شعر اقبال ریڈیو پاکستان پر ان پروگراموں پر مشتمل ہے جن میں انہوں نے منتخب کلام اقبال (فارسی) کی شرح بیان کی ہے۔ چونکہ یہ پروگرام عام سامعین کے لیے تھے اس لیے صوفی صاحب نے آسان، عام فہم اور دلچسپ انداز سے کلام اقبال کی شرح پیش کی اور ہر ایک شعر کا آسان اردو ترجمہ بیان کرنے کے بعد، اس کی تلمیحات، کنایات کی وضاحت کی اور ضروری حوالہ جات (اشعار، افکار، توضیحات) کی مدد سے ان کا مفہوم واضح کر دیا اور ہر ایک پروگرام کے اختتام پر واضح الفاظ میں حاصل کلام بیان کر دیا۔ ان کی

یہ علمی کوشش نہایت جامع اور قابلِ تحسین ہے۔

نتائج بحث

حتمی نتائج تحریر کرنے سے پہلے راقم الحروف ضروری سمجھتا ہے کہ پیامِ مشرق (حصہ لالۂ طور) کی رباعی نمبر 21 کے حوالہ سے پروفیسر یوسف سلیم چشتی، صوفی غلام مصطفےٰ تبسم، خواجہ حمید یزدانی اور حمید اللہ ہاشمی کے تراجم و شروح کا تقابلی جائزہ لے لیا جائے تاکہ حتمی نتائج کی تفہیم میں آسانی رہے۔

رباعی نمبر 21

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم
شنیدم در عدم پروانہ می گفت دمے از زندگی تاب و تبم بخش	میں نے سنا ہے کہ عدم میں (جب اس نے ابھی وجود اختیار نہیں کیا تھا) پروانہ (خالق ائنات سے) کہہ رہا تھا + کہ ایک لمحہ کے لیے مجھے زندگی کی تب و تاب (تڑپ اور جلن) بخش دے۔
پریشاں کن سحر خاکسترم را ولیکن سوز و ساز یک شبم بخش (396)	صبح کے وقت میری خاکستر (راکھ) کو (بے شک) بکھیر دینا + لیکن ایک رات کا سوز و ساز جلنے اور مزہ لینے کی کیفیت) عطا کر دے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے ایک سازگار رات عطا کر دے وہ رات جو سوز بھری ہو۔ (397)

نوٹ:۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ میں لفظ 'ائنات' غلط لکھا ہے۔ درست لفظ 'کائنات' ہے۔

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کی کتاب صد شعر اقبال (فارسی) کے صفحہ نمبر 179 پر دی گئی شرح میں درج ذیل خصوصیات نظر آتی ہیں:

1- اس رباعی کی شرح میں صوفی صاحب نے سب سے پہلے فارسی متن دیا ہے۔

2- انہوں نے پہلے پیراگراف میں لکھا ہے کہ اقبال کے نزدیک تب و تاب اور سوز و ساز بہت اہمیت رکھتے تھے۔ اس رباعی میں پروانے کی زبان سے سوز و ساز کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

3- دوسرے پیراگراف میں رباعی کا بامحاورہ ترجمہ اور مفہوم دیا ہے۔

4- اس کے بعد انہوں نے محبوب کے قرب اور دیدار میں بسر ہونے والے لمحوں کی جذباتی قدر و قیمت اور اہمیت کا ذکر کیا ہے۔ مفہوم کی وضاحت کے لیے کسی شاعر کے اردو زبان میں کہے گئے شعر اور حافظ کا ایک فارسی زبان کا شعر تحریر کیا ہے۔ انہوں نے آسان اردو زبان میں حافظ کے شعر کا مفہوم بھی دیا ہے۔

5- اس کے بعد صوفی صاحب نے زیادہ واضح انداز سے رباعی کا مفہوم بیان کیا ہے اور پروانے کے استعارے کی وضاحت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اس قطعے میں پروانہ وہ ننھا کیڑا نہیں جو رات کی تاریکیوں میں چمکتا دکھائی دیتا ہے بلکہ ہر وہ انسان ہے جو کسی عظیم الشان نصب العین کے حصول کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے، تسلیم و ایثار کا یہ لمحہ ایک ایسا لمحہ ہوتا ہے جو جان

پر کھیل جانے والے انسان کی ساری زندگی پر بھاری ہوتا ہے۔''((398))

انسانی زندگی کے حوالے سے رباعی کے نفسِ مضمون کی وضاحت کرنے کے بعد صوفی صاحب نے حضرت اسمٰعیلؑ اور امام حسینؑ کے حوالے سے معراجِ زندگی کا واضح تصور پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''حضرت اسمٰعیلؑ نے جب رضائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا تھا اور حضرت امام حسینؑ جب باطل سے ٹکرانے کے لیے میدان شہادت میں سر بکف نکلے تھے تو ان کی زندگی کا وہ لمحہ وہی بھر پور لمحہ تھا جسے اقبال پروانے کا ''سوز وساز یک شب'' قرار دیتا ہے۔

سوز وساز کی یہ ایک رات صدیوں پر بھاری ہوتی ہے اور اسی کو زندگی کی معراج کہتے ہیں۔(399)

صوفی صاحب نے آسان اردو زبان میں اس رباعی کی شرح بیان کی ہے۔ انہوں نے پروانے کے استعارہ کی وضاحت کی، سوز وساز زندگی کی اہمیت بیان کی اور نہایت خوبصورت اشعار اور مثالوں کی مدد سے 'معراجِ زندگی' کا اعلیٰ ترین تصور پیش کیا ہے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی اور صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کی رباعی نمبر 21 کی شروح کا موازنہ کریں تو ان کی شروح کی درج ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں:

-1 پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے صرف ایک جملے میں رباعی کا بنیادی تصور تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''مقصودِ حیات، سوز وساز ہے نہ کہ طولِ حیات''(400)

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے رباعی کا بنیادی تصور قدرے واضح انداز سے دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اقبال کے نزدیک زندگی تب وتاب اور سوز وساز کا نام ہے۔ اگر یہ تڑپ یہ سوز وگداز نہ ہو تو زندگی افسردہ ہو کر رہ جاتی ہے اور انسان کی طبعی استعدادیں بے کار ہو جاتی ہیں۔ اس قطعے میں اقبال اسی اہم نکتے کی وضاحت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تڑپ یہ سوز ایک لمحے ہی کا کیوں نہ ہو، زندگی کا ماحصل ہوتا ہے......''(401)

-2 چشتی صاحب نے 'مطلب' کے عنوان کے تحت رباعی کا مفہوم دیا ہے اور اس کے بعد ایک 'نوٹ' کی صورت میں 'سوز وساز' کا مفہوم دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''سوز وساز'' اقبال کی محبوب اور اسی لیے کثیر الاستعمال تراکیب میں سے ہے۔ اگر چہ انہوں نے اس کو عاشقانہ زندگی کی مختلف کیفیات کے اظہار کے لیے استعمال کیا ہے لیکن ان دو لفظوں کا بنیادی تصور یہ ہے:۔

سوز = در غمِ جاناں سوختن = فراقِ یار میں تڑپتے رہنا۔

ساز = با غمِ جاناں ساختن = تڑپنے میں لذت محسوس کرنا۔

اقبال کی رائے میں عاشق کی زندگی انہی دو باتوں سے عبارت ہے۔ اور یہ زندگی اس قدر رفیع ہے، اس قدر قیمتی ہے کہ وہ اس کے بدلہ میں ''شانِ خداوندی'' بھی لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

متاعِ بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی (402)

صوفی غلام مصطفٰے تبسم نے ترکیب لفظی 'سوز وساز' کا مفہوم واضح نہیں کیا۔

3- چشتی صاحب نے پروانے کے استعارے کی وضاحت نہیں کی جبکہ صوفی غلام مصطفٰے تبسم صاحب نے بہت اچھے انداز سے پروانے کے استعارے کی وضاحت کی ہے اوراس حوالے سے انسانی زندگی میں سوز وساز کی اہمیت بیان کی ہے۔

4- صوفی غلام مصطفٰے تبسم نے رباعی کی شرح کے شروع میں ہی اقبال کے حوالے سے نہایت آسان الفاظ میں سوز وساز کی اہمیت بیان کی ہے۔ چشتی صاحب نے رباعی کے آخر میں اقبال کے حوالے سے سوز وساز کی اہمیت بیان کی ہے، تاہم انہوں نے قدرے مشکل الفاظ استعمال کیے ہیں۔

5- چشتی صاحب نے اپنی شرح کے آخر میں منطق کی زبان میں بات کی ہے۔ انہوں نے نہایت مشکل الفاظ اور مشکل جملوں میں انسانی زندگی کے لیے سوز وگداز کی اہمیت اورضرورت بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''بات یہ ہے کہ یہ کیفیتِ سوز وگداز ہی وہ جوہر ہے جس سے انسان بنایا گیا ہے یعنی انسان سوز وساز ہی کا دوسرا نام ہے۔ اسی میں اس کی ہستی کا راز مضمر ہے۔ اس لیے اگر یہ کیفیت ''دردوسوز'' جواس کی ذاتیات ہے، اس کی ذات سے زائل یامنفک ہو جائے تو فنائے ذات لازم آجائے گی۔ کیونکہ منطق میں یہ بات طے ہوچکی ہے کہ ذاتِ شئے اورذاتیاتِ شئے میں کسی جاعل کا تخلل، ممتنع ہے۔''(403)

اس کے برعکس صوفی غلام مصطفٰے تبسم نے اختتامی عبارت اور جملوں میں نہایت آسان، واضح، عام فہم اورشاندار مثالوں کی مدد سے حاصل مطالعہ تحریر کیا ہے۔ موازنہ و تقابل کے لیے صوفی غلام مصطفٰے تبسم اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شروح کی اختتامی عبارتیں اوراختتامی جملے پیش خدمت ہیں۔

رباعی نمبر 21 کی شرح کی اختتامی عبارت و اختتامی جملہ ازصوفی غلام مصطفٰے تبسم	رباعی نمبر 21 کی شرح کی اختتامی عبارت و اختتامی جملہ از پروفیسر یوسف سلیم چشتی
''حضرت اسمٰعیلؑ نے جب رضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کیا تھا اور حضرت امام حسینؑ جب باطل سے ٹکرانے کے لیے میدان شہادت میں سربکف نکلے تھے تو ان کی زندگی کا وہ لمحہ وہی بھرپور لمحہ تھا جسے اقبال پروانے کا ''سوز و ساز یک شب'' قرار دیتا ہے۔ سوز وساز کی یہ ایک رات صدیوں پر بھاری ہوتی ہے اوراس کوزندگی کی معراج کہتے ہیں۔'' (404)	''بات یہ ہے کہ یہ کیفیتِ سوز وگداز ہی وہ جوہر ہے جس سے انسان بنایا گیا ہے یعنی انسان سوز وساز ہی کا دوسرا نام ہے۔ اسی میں اس کی ہستی کا راز مضمر ہے۔ اس لیے اگر یہ کیفیت ''دردوسوز'' جواس کی ذاتیات ہے، اس کی ذات سے زائل یامنفک ہو جائے تو فنائے ذات لازم آجائے گی۔ کیونکہ منطق میں یہ بات طے ہوچکی ہے کہ ذاتِ شئے اورذاتیاتِ شئے میں کسی جاعل کا تخلل ممتنع ہے۔''(405)

فرق عین واضح ہے۔ صوفی صاحب کی عبارت سلیس، آسان، عام فہم اوراصل متن کی حقیقی ترجمان ہے۔ چشتی صاحب کی عبارت دقیق، عام قاری کے فکر وفہم سے وراا وراصل متن کی تفہیم میں الجھن پیدا کرتی ہے۔

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ چشتی صاحب کی نسبت صوفی غلام مصطفےٰ تبسم صاحب کا انداز شرح آسان، عام فہم اور زیادہ دلچسپ ہے۔ چشتی صاحب دوران شرح بعض مقامات پر کافی زیادہ مشکل الفاظ اور جملے استعمال کرتے ہیں۔

چشتی صاحب کی شرح نویسی کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ وہ کلام اقبال کے مشکل الفاظ، تراکیب، استعارات اور کنایات کی خوب اچھی طرح وضاحت کرتے ہیں مگر شرح کرتے وقت مشکل الفاظ اور جملے استعمال کرتے ہیں جس سے عام سطح کا قاری الجھ کے رہ جاتا ہے۔

رباعی نمبر 21

ترجمہ وشرح ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

میں نے سنا ہے کہ عدم میں (جب اس نے ابھی وجود اختیار نہیں کیا تھا) پروانہ (خالق کائنات سے) کہہ رہا تھا + کہ ایک لمحہ کے لیے مجھے زندگی کی تب وتاب (تڑپ اور جلن) بخش دے۔ صبح کے وقت میری خاکستر (راکھ) کو (بے شک) بکھیر دینا + لیکن ایک رات کا سوز وساز جلنے اور مزہ لینے کی کیفیت) عطا کر دے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے ایک سازگار رات عطا کر دے وہ رات جو سوز بھری ہو۔ (406)

ترجمہ وشرح از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

میں نے سنا ہے کہ پروانہ عدم میں خدا سے کہہ رہا تھا کہ مجھے ایک پل / لمحے کے لیے زندگی کی سوز وتپش عطا فرما (گویا پروانہ ابھی وجود میں نہیں آیا تھا)۔ میری راکھ کو بیشک صبح کے وقت ادھر ادھر بکھیر دے، لیکن مجھے ایک رات کے سوز وساز سے ضرور نواز۔ مطلب یہ کہ میری زندگی بیشک تھوڑی ہو لیکن وہ سوزِ عشق ومحبت سے مالا مال ہو۔ پروانہ شمع پر جل مرتا ہے۔ اس کا یہ عمل گویا شمع پر عاشق ہونے کے باعث ہے۔ (407)

ڈاکٹر (ا۔ د۔ نسیم نے اس رباعی کا عام فہم ترجمہ دیا ہے۔ ترجمہ واضح کرنے کے لیے قوسین میں توضیحی الفاظ اور جملے دیے ہیں۔ اس طرح انہوں نے لفظی ترجمہ کو بامحاورہ ترجمہ کی شکل دے دی ہے اور اس رباعی کا مفہوم (مطلب) بھی تحریر کیا ہے۔ ان کے اس اندازِ تحریر سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ اس رباعی کا لفظی ترجمہ کیا ہے اور قوسین میں دیے گئے توضیحی الفاظ اور جملوں کی مدد سے اس رباعی کا اصل مفہوم (مطلب) بھی واضح ہو گیا ہے۔ انہوں نے اس رباعی کا ترجمہ ومفہوم قریباً چار سطروں میں تحریر کر دیا ہے۔ اسے تشریح ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیوں کہ تشریح میں ضروری امور کی وضاحت کی جاتی ہے اور بات کھول کر بیان کی جاتی ہے تا کہ عام سطح کا قاری بھی نفسِ مضمون سے آگاہ ہو جائے۔ ڈاکٹر (ا۔ د۔ نسیم نے تمام پیامِ مشرق کے ترجمہ میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔ انہوں نے مشکل الفاظ کے معانی کہیں بھی نہیں دیے۔

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے اس رباعی کی شرح پانچ سطروں میں دی ہے۔ انہوں نے ڈاکٹر (ا۔ د۔ نسیم کی شرح کو قدرے واضح اور آسان الفاظ سے بیان کر دیا ہے۔ انہوں نے بھی تمام 'شرح پیام مشرق' میں شرح کا یہی میزان برقرار رکھا ہے۔ انہوں نے قریباً تمام اشعار کی شرح دو تا چار یا پانچ سطریں فی شعر کے کلیہ پر عمل کیا ہے۔ صرف چند ایک اشعار کی تشریح قریباً دس تا پندرہ سطریں فی شعر کے حساب سے دی ہے۔ انہوں نے اشعار کے مشکل الفاظ اور ان کے معانی شرح پیامِ مشرق کے آخر پر (صفحات نمبر 289 تا 368 پر) دیے ہیں۔ اصولاً الفاظ معانی

اصل متن کے ساتھ ہونے چاہئیں تھے۔

پروفیسر حمید اللہ ہاشمی نے اپنی شرح میں اس رباعی کے الفاظ معانی تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید سے نقل کیے ہیں۔ انہوں نے ترجمہ بھی اسی کتاب سے اخذ کیا ہے اور ترجمہ کے ساتھ تین چار سطروں کے اضافہ سے اسے شرح کا رنگ دیا ہے۔ انہوں نے یہ تین چار سطریں بھی پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی اسی رباعی کی شرح (صفحہ نمبر 76) سے نقل کی ہیں۔ پیامِ مشرق کے ترجمہ و شرح پر مبنی پروفیسر حمید اللہ ہاشمی کا بنایا ہوا رنگا رنگ پھولوں پر مبنی یہ گلدستہ اس طرح کی خوشہ چینی کا کمال ہے۔ رباعی نمبر 21 کے الفاظ و معانی اور ترجمہ و شرح کے سلسلہ میں ضروری اقتباسات اور حوالہ جات پیشِ خدمت ہیں۔ دیگر کلام کے حوالہ سے تفصیلات اور حوالہ جات کے لیے اسی مقالہ میں شامل پروفیسر حمید اللہ ہاشمی کے ترجمہ و شرح پیامِ مشرق کے تبصرہ پر مبنی گزارشات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

شرح پیامِ مشرق از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی کے صفحہ نمبر 302 پر رباعی نمبر 21، اس کے معانی اور ترجمہ و تشریح دیے گئے ہیں۔ یہاں پر دیا گیا فارسی متن، اصل متن از پیام مشرق کے عین مطابق درست ہے۔ پیامِ مشرق کے دیگر تراجم اور شروح کے ساتھ موازنہ اور تجزیہ سے درج ذیل حیران کن امور واضح ہوتے ہیں۔

1- اس رباعی کے معانی تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید سے نقل کیے گئے ہیں۔
2- اس کا ترجمہ بھی تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید سے نقل کیا گیا ہے۔
3- ترجمہ و شرح کے آخر پر دیا گیا 'نوٹ' شرح پیامِ مشرق از پروفیسر یوسف سلیم چشتی سے نقل کیا گیا ہے۔

اس رباعی کے معانی اور ترجمہ وتشریح کے سلسلہ میں پروفیسر حمید اللہ ہاشمی کی ذاتی کوشش اس کے علاوہ اور نظر نہیں آتی۔ اس لیے اس کا فکری وفنی جائزہ لینا بے کار ہے۔ جائزہ اور تجزیہ کے لیے رباعی 21، مشکل الفاظ و معانی اور ترجمہ وتشریح کے اصل مآخذ اور پروفیسر حمید اللہ ہاشمی کے منقول معانی، ترجمہ وتشریح درج ذیل ہیں:

شنیدم در عدم پروانہ می گفت
دمے از زندگی تاب و تبم بخش
پریشاں کن سحر خاکسترم را
ولیکن سوز و سازِ یک شبم بخش (408)

الفاظ معانی از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

شنیدم: میں نے سُنا۔ عدم: وجود کی ضد۔ نیستی، می گفت: وہ کہہ رہا تھا۔ دمے: ایک پل، ایک لحہ، ایک سانس۔ تاب وتبم بخش: مجھے تپش اور تڑپ عطا کر۔ تاب: پریشان کن: بکھیر دے۔

ہوا میں اڑا دے۔ خاکسترم: میری راکھ۔ سوز: فراق یار میں تڑپتے رہنا۔ ساز: تڑپنے میں لذت محسوس کرنا۔ (409)

الفاظ معانی از احمد جاوید

• شنیدم: میں نے سُنا (شنیدن = سننا۔ • عدم: وجود کی ضد، نیستی۔ • می گفت: وہ کہہ رہا تھا (گفتن = کہنا)۔ • دمے: ایک پل، ایک لحہ، ایک سانس (دم = + ے = ایک)۔ • تاب و تبم بخش: مجھے تپش اور تڑپ عطا کر (تاب = گرمی، چمک + تب = تڑپ، گرمی + بخش = عطا کر [بخشیدن = عطا کرنا])۔ • پریشان کن: بکھیر دے، ہوا میں اڑا دے۔ • خاکسترم = راکھ + م

=میری)۔•را: کو۔(پریشان کردن: بکھیرنا)(410)

ترجمہ از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

میں نے عدم میں پروانے کو یہ کہتے سنا مجھے زندگی بھر میں سے ایک پل کی تپش اور تڑپ بخش دے یعنی میں دنیا میں عاشقانہ زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔

بے شک سویرے میری راکھ بکھیر دینا لیکن مجھے ایک رات سوز و ساز عطا کردے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجھے ایک سازگار رات عطا کردے وہ رات جو سوز بھری ہو۔(411)

ترجمہ از احمد جاوید

میں نے عدم میں پروانے کو یہ کہتے سُنا مجھے زندگی (بھر) میں سے ایک پل کی تپش اور تڑپ بخش دے سویرے میری راکھ بکھیر دے

لیکن مجھے ایک رات کا سوز وساز عطا فرما دے(412)

شرح از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی

نوٹ:۔''سوز و ساز'' اقبال کی محبوب اور کثیر الاستعمال تراکیب میں سے ہے۔ اقبال کی رائے میں عاشق کی زندگی انہی دو باتوں سوز و ساز سے عبارت ہے یہ اس قدر قیمتی ہے کہ وہ اس کے بدلے میں ''شان خداوندی'' بھی لینے کیلئے تیار نہیں ہے۔

متاعِ بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی
(اقبال)(413)

شرح از پروفیسر یوسف سلیم چشتی

نوٹ:۔''سوز و ساز'' اقبال کی محبوب اور اسی لیے کثیر الاستعمال تراکیب میں سے ہے۔ اگرچہ انہوں نے اس کو عاشقانہ زندگی کی مختلف کیفیات کے اظہار کے لیے استعمال کیا ہے لیکن ان ۲ دو لفظوں کا بنیادی تصور یہ ہے:۔

سوز = درغمِ جاناں سوختن = فراقِ یار میں تڑپتے رہنا۔

ساز = باغمِ جاناں ساختن = تڑپنے میں لذّت محسوس کرنا۔

اقبال کی رائے میں عاشق کی زندگی انہی ۲ دو باتوں سے عبارت ہے ۔ اور یہ زندگی اس قدر رفیع ہے، اُس قدر قیمتی ہے کہ وہ اس کے بدلہ میں ''شانِ خداوندی'' بھی لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

متاعِ بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی
(414)

ہاشمی صاحب نے رباعی کے ترجمہ و شرح میں شامل درج ذیل جملہ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ سے نقل کیا ہے:

''......اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجھے ایک سازگار رات عطا کردے وہ رات جو سوز بھری ہو......''(415)

رباعی نمبر 21 کے ترجمہ وشرح کے حوالہ سے پیامِ مشرق کی تمام اردو شروح کے موازنہ وتقابل کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کی شرح آسان، عام فہم، جامع، مدلل اور فکر اقبال کی بھرپور انداز سے ترجمانی کرتی ہے۔ اس کے بعد پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شرح قابلِ تحسین ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کی شرح نہایت مختصر، مگر عام فہم ہے، تاہم، یہ شرح ڈاکٹرؒ۔ د۔ نسیم کے ترجمہ ومطالب سے فکری مماثلت رکھتی ہے اور بعض مقامات پر جملے بھی کافی حد تک ایک جیسے ہیں۔ حمید اللہ ہاشمی صاحب کا ترجمہ وشرح پیامِ مشرق زیادہ تر مختلف تراجم و شروح کے اقتباسات (نقل) پر مشتمل ہیں۔

چشتی صاحب نے قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور نفس مضمون سے متعلقہ اشعار کی مدد سے، بہت اچھے انداز سے کلامِ اقبال کی شرح بیان کی ہے۔ انہوں نے مدلل انداز سے زیرِ نظر کلام کے بنیادی تصورات، مطالب اور مفاہیم درج کیے ہیں۔ بعض مقامات پر مشکل الفاظ اور جملوں کے استعمال کی وجہ سے شرح سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ انہوں نے شرح میں قرآنی آیات کے حوالہ جات اور تراجم تو دیے ہیں مگر دیگر شعرا کے اشعار کے حوالہ جات زیادہ تر نہیں دیے ہیں۔ مجموعی طور پر ان کی یہ علمی کوشش بہت اچھی ہے۔ اس درجے کی کوئی اور شرح ابھی تک نہیں لکھی[9] جاسکی۔ اگرچہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے پیامِ مشرق کے چند ایک منتخب اشعار کی بہت اچھی شرح کی ہے۔ انہوں نے کافی زیادہ آسان اور عام فہم زبان استعمال کی ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے پیامِ مشرق کے مختصر سے، منتخب کلام کی شرح پیش کی ہے۔ اس لیے اسے پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شرح پیامِ مشرق کا بدل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کی 'شرح پیامِ مشرق' میں پیامِ مشرق کا ترجمہ اور مختصر سا مفہوم دیا گیا ہے۔ انہوں نے قریباً ہر ایک شعر کا ترجمہ ومفہوم قریباً 3/4 سطروں میں تحریر کیا ہے۔ قریباً 3/4 سطروں میں صرف ترجمہ ومفہوم ہی دیا جاسکتا ہے، شرح ہرگز نہیں دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح ان کی شرح میں مشکل الفاظ وتراکیب، تشبیہات، استعارات، تلمیحات وغیرہ کی وضاحت نہیں دی گئی۔ اس میں کلامِ اقبال کے حوالے سے اہم تصورات، نکات، افکار کی وضاحت نہیں دی گئی۔ اس میں ضروری امور کھول کر اور وضاحت سے بیان نہیں کیے گئے۔ اس لیے، اسے شرح یا جامع شرح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

یزدانی صاحب نے آسان الفاظ میں ترجمہ کیا ہے۔ بعض اشعار کے ترجمہ میں قوسین میں توضیحی الفاظ یا جملے تحریر کر کے ترجمہ سلیس اور رواں بنا دیا ہے اور ساتھ ہی مفہوم بھی واضح کر دیا ہے۔ تاہم انہوں نے ڈاکٹر الف ۔د۔ نسیم کی طرح ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار نہیں رکھی۔ پیامِ مشرق کے منثور اردو تراجم کو زمانی ترتیب کے لحاظ سے دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ میاں عبدالرشید کا ترجمہ 1991ء میں احمد جاوید کا ترجمہ 1992ء میں، ڈاکٹر الف ۔ د۔ نسیم کا ترجمہ 1993ء میں، ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ 2004ء میں، حمید اللہ ہاشمی کا ترجمہ 2008ء/2007ء میں اور خرم شفیق ومزملہ شفیق کا آسان نثری ترجمہ 2010ء میں شائع ہوا۔

تمام مترجمین میں سے ڈاکٹر الف ۔ د۔ نسیم واحد مترجم ہیں جنہوں نے لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار رکھتے ہوئے قوسین میں توضیحی الفاظ اور توضیحی جملے دے کر ترجمہ کا مفہوم واضح کیا اور ضروری معلومات مہیا کی ہیں۔ ڈاکٹر الف ۔ د۔ نسیم کے بعد ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے بھی قریباً اسی انداز سے ترجمہ کیا ہے اور قوسین میں توضیحی الفاظ و جملے دیے ہیں۔ یزدانی صاحب نے ڈاکٹر الف ۔ د۔ نسیم کی طرح ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار رکھنے کی کوشش نہیں کی۔

تاہم انہوں نے قوسین کا استعمال ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کی طرح سے کیا ہے بعض مقامات پر ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے تراجم و مفاہیم میں فکری مماثلت نظر آتی ہے۔ یزدانی صاحب نے شرح پیام مشرق میں کہیں بھی اس امر کا اظہار نہیں کیا۔ یزدانی صاحب اور ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے تراجم کے تقابل و جائزہ سے درج ذیل امور واضح ہوئے ہیں:

-1 ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ و مفہوم، ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے ترجمہ و مفہوم سے فکری مماثلت رکھتا ہے۔

-2 دونوں مترجمین کا اسلوب ترجمہ بھی ایک جیسا ہے۔

-3 دونوں مترجمین نے اشعار کے تراجم و مفاہیم تو تحریر کیے ہیں۔ شرح تحریر نہیں کی ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کے اس ترجمہ کو شرح قرار دینا علمی لحاظ سے درست نہیں ہے۔

-4 مجموعی طور پر ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے تراجم و مفاہیم آسان، عام فہم اور سلیس و رواں ہیں۔

-5 ڈاکٹر الف۔د۔نسیم نے ترجمہ کی الگ حیثیت کو برقرار رکھا ہے جبکہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار نہیں رکھی۔ ان کا ترجمہ لفظی نہیں ہے۔ یہ ترجمہ مفہوم کے قریب تر ہے۔

-6 بہت زیادہ اختصار کی وجہ سے خواجہ حمید یزدانی نے اشعار کی کھل کر شرح بیان نہیں کی ہے۔ شرح کے تقاضوں کے پیش نظر اسے شرح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کی شرح پیام مشرق کے تمام حصوں میں مذکورہ بالا اسلوب ترجمہ نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے 'احمد جاوید' کے ترجمہ تسہیل پیام مشرق سے بھی استفادہ کیا ہے۔ مثلاً نظم 'کرم کتابی' کے شعر نمبر 2 کے ترجمہ میں ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے احمد جاوید کی غلطی کو دہرایا اور پھر اس کی تاویل بھی کی۔ 'احمد جاوید' کی یہ غلطی کسی بھی لحاظ قرینِ قیاس نہیں ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کے علاوہ کسی اور مترجم یا شارح نے 'احمد جاوید' کی تائید نہیں کی۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کی 'احمد جاوید' اور اس طرح ڈاکٹر الف۔د۔نسیم سے فکری مماثلت اور بعض مقامات پر لفظی مماثلت اصولِ تحقیق کی رو سے 'سرقہ' شمار ہوتی ہے کیونکہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے ان اصحاب سے استفادہ کا کہیں ذکر یا اعتراف نہیں کیا۔ ڈاکٹر گیان 'تحقیق کا فن' کے صفحہ نمبر 201 پر لکھتے ہیں:

> ''جعل ہی کے خاندان کی دوسری چیز سرقہ ہے۔ اسے انگریزی میں Plagiarism کہتے ہیں۔ Webster's Collegiate Dictionary میں اس کی یہ تعریف دی ہے۔
>
> Passing off as one's own the ideas, words, writings etc. of others.(28)
>
> یعنی دوسروں کے خیالات، الفاظ، تحریروں کو اپنا ظاہر کر کے چلانا ایم ایل اے ہینڈ بک میں Alexander Lindley نے سرقے کی تعریف یوں کی ہے۔
>
> The False assumption of authorship; the wrongful act of taking the prduct of another person's mind, presenting it as one's own(29)

یعنی دوسروں کی ذہنی پیداوار مثلاً دلائل، سوچنے کے خطوط وغیرہ کو اپنا بنا کر پیش کرنا بھی سرقہ ہے، عاریت سے سرقے تک کئی منزلیں ہیں۔خیال کی مماثلت لازماً سرقہ نہیں۔فقروں کی مماثلت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مظروف خیال بعد کے مصنف نے پیشتر کے مصنف سے اڑایا ہے۔اگر الفاظ اور مفہوم دونوں بالکل یا بہت کچھ ملتے ہوں اور ان کا اعتراف نہ کیا گیا ہو تو وہ سرقہ ہے۔سیرس نے سرقے کی تین قسمیں کی ہیں۔

۱۔لفظ بہ لفظ چوری۔۲۔Patch work quilt یعنی ایسا لحاف جس کا ابرہ مختلف کپڑوں کی پیوندوں کو سی کر تیار کیا گیا ہو، مراد ہے جا بجا دوسروں کے جملے لے کر چپکا دینا۔۳۔دوسروں کی دریافتوں کا اپنے الفاظ میں خلاصہ کر دینا۔آخر الذکر میں اگر ماخذ کا اعتراف کرلیا جائے تو سرقہ نہیں۔ماخذ کا اعتراف نہ کرنے کی صورت میں سرقہ ہے۔(۴۰)"(416)

ترجمہ وشرح کا ہر ایک مترجم وشارح کا منفرد انداز ہوتا ہے۔میاں عبدالرشید، احمد جاوید، ڈاکٹر الف۔د۔نسیم اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے آزادی سے ترجمہ کیا ہے۔اس لیے ان کا ترجمہ کسی اور کے ترجمہ سے نہیں ملتا۔حمید اللہ ہاشمی نے لفظ بہ لفظ دیگر تراجم اور شروح سے نقل لگائی ہے۔ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ ومفہوم کافی زیادہ حد تک ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے ترجمہ سے فکری مماثلت رکھتا ہے۔بعض مقامات پر لفظی مماثلت بھی نظر آتی ہے۔

حمید اللہ ہاشمی صاحب نے قریباً تمام شرح پیامِ مشرق میں تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید سے الفاظ معانی اور ترجمہ دیا ہے۔ترجمہ میں قوسین کے اندر دیے گئے توضیحی الفاظ و جملے یا ترجمہ کے ساتھ مفہوم واضح کرنے کے لیے دیے گئے اضافی جملے شرح پیامِ مشرق از یوسف سلیم چشتی اور ترجمہ ومفہوم پیامِ مشرق از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم سے لفظ بہ لفظ نقل کیے گئے ہیں۔ریاضی کی زبان میں حمید اللہ شاہ ہاشمی کا پیامِ مشرق کا ترجمہ وشرح لکھنے کا فارمولا یوں بنتا ہے۔

شرح پیامِ مشرق از حمید اللہ ہاشمی = الفاظ معانی و ترجمہ از احمد جاوید + شرح از یوسف سلیم چشتی و ترجمہ از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم۔آنکھیں بند کر کے حمید اللہ شاہ ہاشمی کی شرح کا کوئی صفحہ بھی کھول لیں، مندرجہ بالا فارمولا درست ثابت ہوگا۔

مندرجہ بالا تمام حقائق کے پیشِ نظر واضح ہوتا ہے کہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شرح پیامِ مشرق، شرح کے قریباً تمام تقاضے پورے کرتی ہے۔مجموعی طور پر ان کی یہ علمی کوشش بہت اچھی ہے۔اس درجے کی کوئی اور شرح ابھی تک نہیں لکھی جا سکی۔اگرچہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے پیامِ مشرق کے چند ایک منتخب اشعار کی بہت اچھی شرح کی ہے۔انہوں نے کافی زیادہ آسان اور عام فہم زبان استعمال کی ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے پیامِ مشرق کے مختصر سے، منتخب کلام کی شرح پیش کی ہے۔اس لیے اسے پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شرح پیامِ مشرق کا بدل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کی شروح میں کلام اقبال کا ترجمہ ومفہوم دیا گیا ہے۔ان کی شروح میں مشکل الفاظ و تراکیب، تشبیہات، استعارات، تلمیحات وغیرہ کی وضاحت نہیں دی گئی۔ان میں کلامِ اقبال کے حوالے سے اہم تصورات، نکات، افکار کی وضاحت نہیں دی گئی۔ان میں ضروری امور کھول کر اور

وضاحت سے بیان نہیں کئے گئے۔اس لیے،انہیں شروح یا جامع شروح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ڈاکٹر حمید اللہ ہاشمی کی شرح میں دیا گیا تقریباً تمام مواد اِدھر اُدھر سے نقل کر کے دیا گیا ہے اس لیے اس کی کوئی علمی وادبی حیثیت متعین نہیں ہو سکتی۔

چشتی صاحب نے اپنی شرح میں پیامِ مشرق کا باضابطہ متن اور ترجمہ نہیں دیا ہے۔صوفی غلام مصطفےٰ تبسم صاحب نے صد شعر اقبال (فارسی) میں نثری ترجمہ دیا ہے، لفظی یا بامحاورہ ترجمہ نہیں دیا۔ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کا ترجمہ بہت اچھا ہے انہوں نے قوسین کے استعمال سے لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار رکھی ہے اور اس کا مفہوم بھی واضح کر دیا ہے۔ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ وشرح ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے ترجمہ کی ہی قدرے بہتر اور ترقی یافتہ شکل نظر آتی ہے۔حمید اللہ شاہ ہاشمی صاحب کے ترجمہ وشرح کے معیار کا تعین نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں دیا گیا قریباً تمام مواد دیگر مترجمین اور شارحین کا ہے۔اس لحاظ سے حتمی نتیجہ یہی اخذ ہوتا ہے کہ پیامِ مشرق کی شروح میں سے چشتی صاحب کی شرح بہترین ہے۔مذکورہ بالا تراجم میں سے ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کا ترجمہ سب سے زیادہ اچھا ہے۔علمی وادبی لحاظ سے چشتی صاحب کی شرح اور ڈاکٹر الف۔د۔نسیم صاحبؒ کا ترجمہ عین درست ہیں اور گراں قدر علمی وادبی سرمایہ ہیں۔انہیں نظر ثانی سے مزید بہتر بنالیا جائے تو ان کی افادیت میں اور زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔

حوالہ جات وحواشی

-1 رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، کتابیات اقبال (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، 1977ء)، ص83
-2 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق (لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، بار اول، س ن)، ص8
-3 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص9
-4 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص240
-5 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص423
-6 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص454
-7 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص533
-8 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص173
-9 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص187
-10 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص445
-11 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص559
-12 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص4
-13 رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، کتابیات اقبال، ص7
-14 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص4
-15 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص6
-16 محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، اقبالیات چندنئی جہات (لاہور: خزینہ علم وادب، ب ن، 2001ء)، ص122
-17 محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، اقبالیات چندنئی جہات، ص132
-18 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص51
-19 محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، اقبالیات چندنئی جہات، ص132
-20 محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، اقبالیات چندنئی جہات، ص132
-21 محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، اقبالیات چندنئی جہات، ص132
-22 محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، اقبالیات چندنئی جہات، ص122
-23 یوسف سلیم چشتی (مرحوم)، پروفیسر، مقالات یوسف سلیم چشتی، مرتب: اختر النساء (بسلسلہ علامہ اقبال) (لاہور: بزم اقبال، 1999ء، بار اول)، ص10
-24 محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، اقبالیات چندنئی جہات، ص122
-25 یوسف سلیم چشتی (مرحوم)، پروفیسر، مقالات یوسف سلیم چشتی، ص4
-26 یوسف سلیم چشتی (مرحوم)، پروفیسر، مقالات یوسف سلیم چشتی، ص10

27- یوسف سلیم چشتی، شرح ضرب کلیم (لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، اردو بازار، س ن، ب ن)، ص 141

28- یوسف سلیم چشتی، شرح ضرب کلیم، ص 141

29- وحید الدین، فقیر سید، روزگارِ فقیر (جلد اول) (لاہور: مکتبہ تعمیرِ انسانیت، ب ن، س ن)، ص 177

30- وحید الدین، فقیر سید، روزگارِ فقیر (جلد اول)، ص 178

31- یوسف سلیم چشتی (مرحوم)، پروفیسر، مقالات یوسف سلیم چشتی، ص 27 تا 30

32- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار ہفد ہم، 1983ء)، ص 87

33- نذیر نیازی، سید، اقبال کے حضور نشستیں اور گفتگوئیں (کراچی: اقبال اکیڈمی، ب ن، 1938ء)، ص 177

34- قیوم حسین شاہ، مقالہ: ضرب کلیم اور ارمغانِ حجاز کی شرحوں کا تحقیقی مطالعہ (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1997ء)، ص 15

35- محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، اقبالیات چندنئی جہات، ص 121

36- رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، خط بنام قیوم حسین، محررہ 12 اکتوبر 1996ء، مشمولہ مقالہ: ضرب کلیم اور ارمغانِ حجاز کی شرحوں کا تحقیقی مطالعہ از قیوم حسین، ص 15

37- خط الف۔ د۔ نسیم بنام قیوم حسین، محررہ 2 جولائی 1996ء، مشمولہ: مقالہ: ضرب کلیم اور ارمغانِ حجاز کی شرحوں کا تحقیقی مطالعہ از قیوم حسین، ص 12

38- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص 19

39- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص 19

40- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص 26

41- اختر النساء، مقالہ: شروحِ کلام اقبال (تحقیقی وتنقیدی جائزہ) (لاہور: پنجاب یونی ورسٹی، اورینٹل کالج، اگست 2002ء)، ص 367 تا 368

42- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص 19

43- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص 22

44- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص 24

45- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص 24

46- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص 24

47- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص 29

48- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص 26

49- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 19

50- عبد الرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق (لاہور: شیخ غلام علی سنز، بار اول، 1991ء)، ص 25

51- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق (اسلام آباد: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، 1992ء)، ص 31

52- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص 31

53- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، س ن)، ص 21

نوٹ:۔ درست لفظ 'کعبتین' ہے جو کہ کعبہ کا تثنیہ ہے۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ میں لفظ 'کعبتین' کی جگہ پر لفظ 'کبتین' لکھا ہے جو کہ غلط ہے۔

54:- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص20
55- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص22
56- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص50
57- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص168
58- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص52
59- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص52
60- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص53
61- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص53
62- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص53
63- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی) (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، 1995ء)، ص180
64- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص181
65- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص78
66- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص179
67- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص79
68- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص79
69- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص32
70- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص30
71- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص80
72- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص82
73- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص34
74- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص32
75- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص91

نوٹ:۔ اصل متن میں قوسین میں دیا ہُوا لفظ (نہ) شامل نہیں ہے۔ یہ لفظ متن کی درستگی کے لیے شاملِ تحریر کیا گیا ہے۔ (راقم الحروف)

76- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص93
77- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص35
78- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص34
79- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص97
80- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، ص99

81- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص102

82- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص36

83- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص35

84- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص104

85- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص105

86- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص111

87- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص42

88- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص67

89- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص127

90- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص130

91- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص53

92- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص52

93- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص171

94- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص253

95- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص257

96- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص259

97- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص268

98- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص260

99- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص265

100- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص270

101- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص270

102- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص299

103- اکبر حسین قریشی، ڈاکٹر، مطالعہ تلمیحات اشاراتِ اقبال (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1986ء)، ص305

104- نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی (لاہور: اظہار سنز، اردو بازار، باراول، س ن)، ص614

105- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص108

106- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص111

107- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص309

108- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص310

109- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص310

110- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص122

111- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص127

112- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص336

113- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص338

114- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص360

115- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص361

116- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص365

117- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص365

118- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص411

119- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص412

120- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص412

121- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص413

122- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص413

123- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص424

124- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص444

125- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص446

126- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص462-63

127- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص474

128- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص475

129- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص451

130- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص487

131- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص449

132- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص482

133- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص518

134- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص519

135- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص167

136- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص177

137- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص167

138 ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص178

139- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص483

140- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص522

141- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص525

142- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص526

143- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص574

144- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص527

145- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص528

146- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص529

147- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص532

148- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص535

149- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص616 تا 617

150- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص558

151- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص198

152- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص210

153- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص562

154- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص540

155- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص552

156- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص554

157- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص558

158- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص588

159- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص591

160- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، زبورِ عجم، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ب ن، 1985ء)، ص26

161- حمید اللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: مکتبہ دانیال، بار اول، 2007ء)، ص521

162- حمید اللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص594

163- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص190

164- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص218

165- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص233

166- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص624

167- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص221

168- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص417

169- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص629

170- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص16

171- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، بار اول، 2004ء)، ص14

172- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص14

173- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص17
174- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص16
175- ا۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص16
176- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص18
177- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص17
178- ا۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص17
179- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص18
180- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص18
181- ا۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص17
182- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص19
183- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص20
184- ا۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص19
185- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص32
186- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص33
187- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص47
188- ا۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص30
189- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص79
190- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص180
191- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص295
192- نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی، ص233
193- نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی، ص233
194- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص36
195- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص37
196- ا۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص34
197- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص52
198- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص53
199- ا۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص51
200- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص67
201- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص67
202- ا۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص124
203- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص83

-204 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص 81
-205 ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص 81
-206 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 83
-207 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص 81
-208 ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص 81
-209 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 83
-210 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص 81
-211 ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص 81
-212 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 83
-213 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص 81
-214 ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص 81
-215 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 83
-216 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص 81
-217 ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص 81
-218 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص 248
-219 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص 249
-220 احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص 290

'فرہنگ' میں خط کشیدہ لفظ فاریابی نہیں دیا گیا۔ یہ لفظ راقم الحروف نے خود دیا ہے کیونکہ اصل متن میں یہ لفظ غلطی کی وجہ سے نہیں لکھا جاسکا۔ اسی طرح درست لفظ 'فلسفی' کے بجائے متن میں غلطی سے 'فسلفی' لکھا گیا ہے۔

-221 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص 119
-222 گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، بارسوم، 2007ء)، ص 201
-223 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 145
-224 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص 179
-225 ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص 154
-226 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 145
-227 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص 180
-228 ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص 154
-229 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 183
-230 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص 245
-231 ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص 195

232- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص343

233- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص 597

234- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص464

235- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص183

236- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق، ص245

237- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص195

238- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص343

239- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص 597

240- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص464

241- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص184

242- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق، ص245

243- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص195

244- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص345

245- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص 598

246- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص464

247- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص184

248- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق، ص245

249- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص195

250- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص345

251- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص 598

252- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص464

253- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص184

254- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق، ص245

255- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص196

256- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص345

257- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص 598

258- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص464

259- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص520

260- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص202

261- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق، ص266

262- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص215

-263 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص203

-264 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص267

-265 ل۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص216

-266 حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص5

-267 حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص5

-268 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص32

-269 حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص302

-270 احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص63

-271 حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص302

-272 احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص63

-273 حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص302

-274 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص79

-275 ل۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص30

-276 گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، ص201

-277 حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص326

-278 احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص135

-279 حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص326

-280 احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص135

-281 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص181

-282 ل۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص55

-283 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص57

-284 حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص347

-285 احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص205

-286 حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص347

-287 احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص205

-288 ل۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص80

-289 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص244

-290 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص103

-291 حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص374

-292 احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص290

-293 حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص374

294- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص290
295- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص299
296- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص104
297- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص374
298- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص291
299- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص374
300- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص291
301- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص106
302- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص104
303- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص374
304- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص292
305- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص374
306- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص292
307- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص106
308- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص140
309- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص416
310- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص436
311- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص416
312- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص436
313- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص399
314- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص418
315- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص403
316- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص418
317- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص411
318- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص143
319- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص419
320- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص441
321- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص419
322- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص441
323- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص184
324- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص464

325- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص599
326- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص464
327- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص599
328- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص519
329- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص520
330- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص466
331- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص521
332- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص187
333- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص466
334- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص601
335- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص466
336- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص601
337- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص217
338- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص493
339- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص697
340- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص493
341- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص697
342- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص494
343- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص624
344- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص218
345- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص494
346- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص699
347- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص494
348- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص699
349- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص222
350- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص497
351- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص713
352- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص497
353- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص713
354- غلام مصطفٰے تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص5
355- غلام مصطفٰے تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص23

356- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص4
357- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص166
358- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص21
359- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص167
360- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص41
361- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص179
362- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص45
363- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص21
364- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص179
365- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص179
366- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص179
367- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص180
368- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص181
369- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص181
370- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص79
371- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص43
372- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص42
373- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص215
374- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص216
375- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص134
376- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق، ص44
377- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص79
378- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص80
379- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص241
380- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص242
381- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص103
382- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص105
383- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص286
384- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص185
385- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص27
386- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، 27

-387 غلام مصطفیٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص28
-388 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق، ص118
-389 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص198
-390 ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص209
-391 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص218
-392 ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص233
-393 غلام مصطفیٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص129
-394 غلام مصطفیٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص129
-395 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص624
-396 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص32
-397 ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص30
-398 غلام مصطفیٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص180
-399 غلام مصطفیٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص181
-400 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص78
-401 غلام مصطفیٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص179
-402 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص79
-403 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص79
-404 غلام مصطفیٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی)، ص181
-405 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص79
-406 ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص30
-407 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق، ص33
-408 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص32
-409 حمید اللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص302
-410 احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص63
-411 حمید اللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص302
-412 احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص63
-413 حمید اللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص302
-414 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص79
-415 ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص30
-416 گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، ص201

باب سوم:

پیام مشرق کے منثور اردو تراجم

سلیس اردو ترجمہ پیامِ مشرق

از

میاں عبدالرشید

سلیس اردو ترجمہ پیام مشرق پہلی بار 1991ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ میاں عبدالرشید نے کیا ہے اور اس کا ناشر شیخ نیاز احمد، پروپرائٹر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ہے۔ پہلے صفحہ پر ٹائٹل اور دوسرے صفحہ پر پرنٹنگ سے متعلقہ معلومات پر مبنی صفحہ (Printing Page) ہے۔ صفحات نمبر 3 تا 5 پر فہرست مضامین ہے۔ یہ فہرست پیامِ مشرق میں دی گئی فہرست کی بعینہ نقل ہے۔ صرف صفحات نمبر تبدیل ہوئے ہیں۔ یہ کتاب $\frac{23\times36}{16}$ کے سائز پر پرنٹ ہوئی ہے۔ ہر صفحہ پر بارڈر دیا گیا ہے۔ بارڈر کے بالائی خط میں سلیس اردو ترجمہ پیام مشرق کا صفحہ نمبر اور زیریں خط میں ایک دائرہ میں اقبال کی تصویر اور صفحہ نمبر دیے گئے ہیں۔ ذیلی خط میں دیے گئے صفحات نمبر سلیس اردو ترجمہ کلیاتِ اقبال میں شامل تمام کلام اور اس کے ترجمہ کی ترتیب کو ظاہر کرنے کے لیے دیے گئے ہیں۔ یہ صفحات نمبر اسی طرح دیے گئے ہیں جس طرح کلیاتِ اقبال فارسی میں بالائی خط پر ہر ایک مجموعہ کلام کے صفحات نمبر الگ سے 1، 2، 3 کی صعودی ترتیب سے دیے گئے ہیں جبکہ زیریں خط پر کلیاتِ اقبال فارسی کے مسلسل صفحات نمبر دیے گئے ہیں۔ اس ترجمہ میں ایک اور خوبصورتی یہ ہے کہ فارسی متن، پیام مشرق میں دیے گئے متن کے مطابق دیا گیا ہے۔ اس میں ہر صفحہ پر متن اسی ترتیب اور انداز سے دیا گیا ہے جس ترتیب سے پیامِ مشرق میں دیا گیا ہے۔ متن کا موازنہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ دی گئی فہرست مضامین اور سلیس اردو ترجمہ میں دیا گیا فارسی متن دراصل پیامِ مشرق کی عکسی نقل (فوٹو کاپی) ہے۔

صفحات نمبر 7 تا 8 پر 'پیش لفظ' دیا گیا ہے۔ پیش لفظ میں میاں عبدالرشید لکھتے ہیں کہ انہوں نے شیخ نیاز احمد کی فرمائش پر یہ ترجمہ تحریر کیا ہے۔ آنکھوں میں تکلیف کے باعث وہ لکھنے پڑھنے کا زیادہ کام نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے دوست خان عزیز الرحمٰن خان نے اس کام میں ان کا ہاتھ بٹایا۔ انہوں نے یہ ترجمہ اس ترتیب سے کیا۔

1- زبور عجم　　2- گلشن راز جدید　　3- پیامِ مشرق　　4- ارمغانِ حجاز
5- مثنوی اسرار و رموز　　6- مثنوی پس چہ باید کرد اور مسافر　　7- جاوید نامہ

'پیش لفظ' کے آخر میں وہ لکھتے ہیں:

''ہم نے ترجمہ آسان اور مطالب قابل فہم بنانے کی پوری کوشش کی ہے.....''(1)

'پیش لفظ' کے بعد صفحات نمبر 9 تا 15 پر پیامِ مشرق کے دیباچہ کی عکسی نقل دی گئی ہے۔ صفحہ نمبر 16 سے ترجمہ شروع ہوتا ہے۔ صفحہ نمبر 16 پر 'پیش کش' کے پانچ اشعار ''اے امیر کامگار..... تا ہدیہ از شاہنشہاں......'' دیے گئے ہیں۔ ان کے بالکل سامنے دوسرے صفحہ پر ان کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ تمام کتاب میں اسی ترتیب سے ترجمہ دیا

گیا ہے۔تمام ترجمہ کا بغور جائزہ لینے سے، اس میں درج ذیل خصوصیات نظر آتی ہیں:

1- فارسی متن کے سامنے آسان، سلیس اور عام فہم ترجمہ دیا گیا ہے۔ ہر فارسی شعر کا ترجمہ اس کے سامنے دیا گیا ہے۔ رباعیات میں ہر مصرع کا ترجمہ اس کے سامنے دیا گیا ہے۔اس طرح فارسی متن کے حوالے سے ترجمہ کو اور ترجمہ کی مدد سے فارسی متن کو سمجھنے میں آسانی محسوس ہوتی ہے۔

2- بعض مقامات پر ترجمہ عام فہم اور آسان بنانے کے لیے قوسین استعمال کی گئی ہیں اور ان قوسین میں ترجمہ کی ضرورت کے مطابق درج ذیل نوعیت کا مواد دیا گیا ہے:

(ا) مشکل لفظ کا مطلب اور مفہوم دیا گیا ہے۔

(ب) نامکمل جملوں کی تکمیل کے لیے کچھ الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔اس طرح متن کے مطابق لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت بھی برقرار رہی اور مفہوم بھی اچھی طرح واضح ہو گیا۔

(ج) کسی تلمیح یا اصطلاح کی وضاحت کردی، اس سے ترجمہ عام فہم ہو گیا۔

3- چند ایک مقامات پر فارسی کلام کی طرح منثور ترجمہ میں بھی قافیہ وردیف کی پابندی کی کوشش کی گئی ہے۔

4- بعض مقامات پر اردو ترجمہ میں لے اور آہنگ نظر آتے ہیں۔

5- بعض مقامات پر قوسین میں یا قوسین کے بغیر منثور اردو ترجمہ کے ساتھ موضوع کی مناسبت سے فارسی، اردو یا پنجابی شعرا کے اشعار اور مصارع بھی دیئے گئے ہیں۔

6- اس منثور اردو ترجمہ میں شامل فارسی متن پیامِ مشرق کی عکسی نقل ہے اس لیے اس میں اغلاط نظر نہیں آتیں، تاہم اردو ترجمہ میں بھی املا اور کتابت کی صرف چند ایک اغلاط ہی دیکھنے میں آئی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط نمبر	درست متن
۳۵	۹	پتوں	پتیوں
۱۵۹	۱	میرا	میری
۱۶۹	۴	نہیں	نے
۲۰۵	۱۵	اگرچہ اللہ تعالیٰ کے اِنسان کی کوئی حیثیت نہیں.....	اگرچہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اِنسان کی کوئی حیثیت نہیں.....
۳۷۵	۲	زَردشت	زَرتشت
۴۰۳	۶	بتانے	بتاتے

مجموعی طور پر پیام مشرق کا منثور اردو ترجمہ سلیس، عام فہم اور آسان ہے، تاہم بعض مقامات پر کچھ کمزوریاں بھی محسوس ہوتی ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:۔

1- فارسی کے مشکل الفاظ وتراکیب کے معانی اور مفاہیم نہیں دیے گئے۔اس سے ترجمہ کی مدد سے فارسی متن نہیں سمجھا جاسکتا۔

2- بعض مقامات پر، ترجمہ میں مشکل الفاظ استعمال ہُوئے ہیں جنہیں سمجھنے کے لیے کسی لغت یا استاد سے استفادہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

3- بعض مقامات پر تلمیحات اور اصطلاحات کا مفہوم واضح نہیں کیا گیا۔
4- بعض مقامات پر ترجمہ میں دیے گئے اضافی الفاظ کو قوسین کی مدد سے اصل ترجمہ سے الگ نہیں کیا گیا۔
5- حواشی اور تعلیقات کی مدد سے یہ ترجمہ زیادہ سے زیادہ طلبہ و قارئین کے لیے مزید قابلِ فہم اور آسان بنایا جا سکتا تھا مگر اس ترجمہ میں حواشی اور تعلیقات نہیں دیے گئے۔
6- چند ایک مقامات پر ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔
7- بعض مقامات پر دیا گیا ترجمہ اصل متن کا مفہوم واضح نہیں کرتا۔ متن کا مفہوم واضح کرنے کے لیے ترجمہ کے ساتھ توضیحی عبارت کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے۔

اس منثور اردو ترجمہ پر نظرِ ثانی سے اور حواشی و تعلیقات کے اضافہ سے اسے مزید آسان اور عام فہم بنایا جا سکتا ہے۔

منثور اردو ترجمہ کے محاسن اور مشکلات کے تفصیلی جائزہ کے لیے چند ایک مثالیں پیشِ خدمت ہے:

1- قوسین میں معانی، مفاہیم، حواشی و تعلیقات

پیش کش اشعار نمبر 1 تا 5

متن از پیامِ مشرق	سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید
اے امیرِ کامگار اے شہریار نوجوان و مثلِ پیراں پختہ کار	اے شہر یار! اے خوش نصیب امیر! عمر میں نوجوان اور پیروں کی مانند پختہ کار!
چشمِ تو از پردگیہا محرم است دل میانِ سینہ ات جامِ جم است	تیری آنکھ چھپے ہُوئے رازوں سے آشنا ہے، تیرا دل جامِ جم کی مانند ہے (اس پر ہر چیز عیاں ہے)
عزمِ تو پایندہ چوں کہسارِ تو حزمِ تو آساں کند دُشوارِ تو	تیرا عزم تیرے (ملک کے) پہاڑوں کی مانند مضبوط ہے، تیرے استقلال کے باعث تجھ پر ہر مشکل آسان ہے
ہمتِ تو چوں خیالِ من بلند ملّتِ صد پارہ را شیرازہ بند	تیری ہمت میری فکر کی مانند بلند ہے، یہ ہمت صد پارہ ملت کو متحد کر سکتی ہے۔
ہدیہ از شاہنشہاں داری بسے لعل و یاقوتِ گراں داری بسے	تیرے پاس بادشاہوں کے (دیے ہوئے) کئی تحفے ہیں، تُو بہت سے قیمتی لعل و یاقوت رکھتا ہے۔
(2)	(3)

1- پہلے شعر کا ترجمہ درست نہیں ہے۔ پہلے مصرعے میں لفظ 'امیرِ کامگار' پہلے آیا ہے اور لفظ 'شہریار' بعد میں۔ ترجمہ میں اس ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا۔ 'شہریار' کا ترجمہ پہلے اور 'امیرِ کامگار' کا ترجمہ بعد میں کیا گیا ہے۔ لفظ 'امیر' کا مطلب 'سردار' اور 'حاکم' ہے۔ فرہنگ اقبال فارسی کے مطابق لفظ 'کامگار' کا مطلب یہ ہے:

''کامگار (ف) صفت: طاقت ور، کامیاب، خودمختار ع

اے امیرِ کامگارِ شہریار پ م، ۱۵'' (4)

فرہنگ کے مطابق لفظ 'امیر کامگار' کا مطلب ہے 'کامیاب، طاقتور اور خودمختار حکمران۔ میاں عبدالرشید نے اس کا ترجمہ 'خوش نصیب امیر' کیا ہے۔ اس طرح میاں صاحب نے 'مثلِ پیراں پختہ کار' کا ترجمہ 'پیروں کی مانند پختہ کار' کیا ہے۔ یہ ترجمہ بھی عام فہم نہیں ہے۔ اگر اس کا ترجمہ 'بوڑھوں کی مانند تجربہ کار' کر دیا جاتا تو ترجمہ زیادہ عام فہم اور آسان ہو جاتا۔

2- دیگر اشعار کا ترجمہ درست ہے، تاہم اس میں فارسی متن کے الفاظ 'جامِ جم' اور 'صد پارہ' استعمال کیے گئے ہیں جس سے ترجمہ آسان اور عام فہم نہیں رہا۔ احمد جاوید نے تسہیل پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 1 پر اور ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے اپنے ترجمہ کے صفحہ نمبر 12 پر 'جامِ جم' کا مفہوم دیا ہے جس سے ان کے تراجم زیادہ واضح، آسان اور عام فہم نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے اپنے ترجمہ میں 'جامِ جم' کا مفہوم اس طرح سے دیا ہے:

> ''تیری آنکھ پردے میں چھپے ہوئے رازوں یا امور سے واقف ہے+ تیرے سینے میں جو دل ہے وہ ایران کے جمشید بادشاہ کا پیالہ ہے۔ مراد ہے، جس طرح جمشید اپنے پیالہ میں ساری دنیا کے حالات دیکھ لیتا تھا۔ تیرا دل بھی کائنات کی حقیقتوں کو جاننے والا ہے۔ مراد ہے دنیا کے تمام واقعات و حالات اور ان کے اسباب و پس منظر سے تو واقف ہے۔''(5)

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کی طرح میاں صاحب بھی اپنے ترجمہ میں 'جامِ جم' کا مفہوم دے کر ترجمہ واضح کر سکتے تھے۔

میاں صاحب نے شعر نمبر 4 کا جو ترجمہ دیا ہے، وہ بھی واضح نہیں ہے۔ اس کے بجائے ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کا ترجمہ زیادہ واضح ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ملّتِ صد پارہ سے مراد قبائل میں بٹی ہوئی افغان قوم ہے۔

3- میاں صاحب نے قوسین میں توضیحی، ربطی الفاظ اور جملے دے کر ترجمہ میں سلاست اور روانی پیدا کرنے اور اس کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی یہ کوشش قابلِ تحسین ہے، تاہم انہوں نے ترجمہ میں ضروری توضیحات نہیں دی ہیں۔

مندرجہ بالا تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ میاں عبدالرشید صاحب نے ترجمہ میں مشکل الفاظ استعمال کیے ہیں اور ضروری توضیحات بھی نہیں دی ہیں جس وجہ سے ان کا ترجمہ عام فہم نہیں ہے۔

رباعی نمبر 11

متن از پیامِ مشرق

نوائے عشق را ساز است آدم
کشاید راز و خود راز است آدم
جہاں او آفرید، ایں خوب تر ساخت
مگر با ایزد انبار است آدم
(6)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

نوائے عشق کے لیے آدم ساز ہے (عشق کے نغمے انسان ہی کے قلب سے پھوٹتے ہیں) یہ (خالق حقیقی کا) راز وا کرتا ہے، مگر خود بھی راز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہان پیدا کیا، یہ اسے خوب تر بناتا ہے، گویا یہ خالق کا شریکِ کار ہے۔(7)

1- رباعی کا ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔

2- پہلے شعر کے دوسرے مصرعے کے ترجمہ میں الفاظ 'راز وا کرتا ہے' کے استعمال سے مفہوم عام فہم نہیں رہا۔ اگر اس کی جگہ پر ترجمہ 'راز کھولتا ہے' کر دیا جاتا تو عام قاری بھی آسانی سے اس مصرع کے مفہوم سے آگاہ ہو جاتا۔

3- ترجمہ میں دوسرے شعر کا مفہوم واضح نہیں کیا گیا۔ ترجمہ کے آخر پر دیا گیا جزوِ جملہ 'گویا یہ خالق کا شریک کار ہے' قاری کے ذہن میں ابہام پیدا کرتا ہے کہ کیا اقبال نے انسان کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیا ہے؟

یہاں پر ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم بھی صحیح ترجمہ نہیں کر پائے۔ ان کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

"اس نے (خدا نے) جہاں کو پیدا کیا اس نے (آدمی نے) اسے زیادہ خوبصورت بنایا + شاید آدمی خدا کے ساتھ (تخلیق کے اعتبار سے) برابر کا شریک ہے۔" (8)

اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہاں اقبال کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ 'انسان خالق کا شریک کار ہے' یا 'شاید آدمی خدا کے ساتھ تخلیق کے اعتبار سے) برابر کا شریک ہے'۔

انہوں نے اس رباعی میں خدا اور انسان کے درمیان پائے جانے والے لطیف روحانی تعلق کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن، رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندے نرم دل اور رحم کرنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور اس نے انسان کو بھی قوتِ تخلیق عطا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے۔ اس نے انسان کو بھی سمع اور بصر کی قوتیں عطا کی ہیں۔ صفاتِ باری تعالیٰ قدیم، ذاتی اور لامحدود ہیں۔ انسان کی صفات حادث (نو پیدا)، عطائی (اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ) اور محدود ہیں۔ انسان جب اطاعتِ الٰہی اور ضبطِ نفس سے نیابت الٰہیہ کے مقام پر فائز ہوتا ہے تو اس کی یہ صفات بھی عروج و کمال پا جاتی ہیں۔ ایسا انسان حقیقی طور پر 'خلیفۃ اللہ فی الارض' بن جاتا ہے۔

میاں عبدالرشید اور ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے اپنے ترجمہ میں فکرِ اقبال کے مذکورہ بالا پہلو کو مدنظر نہیں رکھا۔ اس ضمن میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے فکرِ اقبال کی ترجمانی اچھے طرح سے کی ہے۔ انہوں نے اس رباعی کا مفہوم اچھے انداز سے بیان کیا اور شرح کا حق خوب ادا کیا ہے۔ ان کی اس رباعی کے دوسرے شعر کی شرح اور خصوصاً اختتامی نوٹ ملاحظہ کریں:

"ایزد اور آدم میں یہ رشتہ ہے کہ ایزد نے یہ جہاں پیدا کیا اور آدم نے اس کی دلکشی میں اضافہ کیا۔ اقبال کہتے ہیں۔ کہ آدم کے اس طرزِ عمل کو دیکھ کر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آدم اپنے منصب اور مقام کے لحاظ سے ایزد کا رفیق کار یا معاون و مددگار ہے۔
اسی خیال کو اقبال نے "محاورہ مابین خدا و انسان" میں قدرے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مثلاً

تو شب آفریدی چراغ آفریدم
سفال آفریدی ایاغ آفریدم

نوٹ: اس رباعی کے پڑھتے وقت اس حقیقت کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ کہ اقبال نے لفظ "انباز" کو جس کے معنی شریک یا معاون یا رفیق کار کے ہیں اس کے حقیقی مفہوم پر حمل نہیں کیا ہے کیونکہ حقیقی معنی میں کوئی ہستی خدا کی شریک نہیں ہو سکتی۔ نہ وجود میں، نہ

ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں یہ محض شاعرانہ اندازِ بیان ہے جسے اقبال نے
اس لیے اختیار کیا ہے کہ اس سے مصرع میں بلا کی دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔'' (9)

رباعی نمبر 118

متن از پیامِ مشرق	سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید
مرنج از برہمن اے واعظِ شہر گر از ما سجدۂ پیشِ بتاں خواست خدائے ما کہ خود صورتگری کرد بتے را سجدۂ از قدسیاں خواست (10)	اے واعظِ شہر برہمن سے ناراض نہ ہو، اگر وہ ہمیں بُتوں کے سامنے سجدہ کے لیے کہتا ہے۔ ہمارے خدا نے خود (آدم کی) صورت بنائی، اور پھر فرشتوں کو اس بُت کو سجدہ کرنے کے لیے کہا۔ (وہ بُت نہیں تھا اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونک دی تھی، پھر فرشتوں سے کہا کہ اسے سجدہ کرو) (11)

-1 رباعی نمبر 11 کی طرح رباعی نمبر 118 میں بھی نازک نوعیت کا مضمون بیان ہوا ہے۔ میاں عبدالرشید صاحب نے ترجمہ کے آخر پر قوسین میں اس کی بہت اچھی وضاحت دی ہے اور درست سمت میں غور وفکر کا دروازہ کھول دیا ہے۔

-2 ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے بھی اس شعر کے ترجمہ کے آخر پر سجدہ حقیقی اور سجدہ مجازی کی رمز کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔

> ''(کیا تجھے نہیں معلوم بلکہ تو تو اس سے واقف ہے کہ) ہمارے خدا نے جس نے خود صورتگری کی ہے (آدمی کی صورت میں بت تراشا ہے) + اس بت (آدم) کو سجدہ کرنا فرشتوں سے طلب کیا ہے (اور جس نے نہیں کیا اسے شیطان لعین بنا دیا گیا ہے اس میں سجدہ حقیقی (خدا کو سجدے) اور سجدہ مجازی (آدم کو سجدے) کی رمز کی طرف اشارہ ہے)۔'' (12)

-3 پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب نے اس رباعی کی شرح میں کسی تاویل یا توجیہہ کا سہارا نہیں لیا۔ انہوں نے خوبصورت انداز سے اس رباعی میں بیان کردہ مفہوم سے اختلاف کیا ہے۔ درج ذیل اقتباس میں خط کشیدہ جملوں خصوصی طور پر غور طلب ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اس رباعی کا مضمون اقبال کی شوخیٔ فکر پر دال ہے۔ اس رباعی کا مطلب بالکل واضح ہے اور بات بھی معمولی ہے ساری دلکشی اس کے اسلوب بیان میں پوشیدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ اے واعظ! اگر برہمن ہم سے یہ کہتا ہے کہ بتوں کو سجدہ کرو تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے؟ خدا نے بھی تو مٹی کی ایک مورت بنا کر فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ اسے سجدہ کرو۔
>
> تیسرے مصرع میں صورت گری، کی ترکیب قابل داد ہے کہ مطلب تو اس کا بت گری یا صنم تراشی ہی ہے۔ لیکن یہ الفاظ پایۂ ادب سے گرے ہوئے ہیں۔'' (13)

راقم الحروف کا خیال ہے کہ اگر صرف اس رباعی کو مدنظر رکھ کر اس کا ترجمہ اور مفہوم بیان کیا جائے تو بت پرستی کے جواز کا مفہوم ملتا ہے۔ اگر فکرِ اقبال کو مدنظر رکھا جائے تو اس رباعی کے حوالے سے اقبال نے بالواسطہ طور پر بت پرستی کی نفی کی ہے اور فضیلتِ انسان کے پیش نظر تعلیم دی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اسے فرشتوں نے سجدہ کیا تھا۔ انسان اگر بت بنا کر ان کی پرستش کرتا ہے تو یہ انسانیت کی توہین اور تذلیل ہے۔ میاں عبدالرشید اور ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے اس امرِ حقیقی کی نشاندہی کی ہے۔ مگر کھل کر یہ نکتہ بیان نہیں کیا۔ چشتی صاحب نے رباعی کے اس پہلو پر توجہ ہی نہیں دی اور ظاہری معانی پر ہی رائے دے دی۔

رباعی نمبر 119

متن از پیامِ مشرق	سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید
حکیماں گرچہ صد پیکر شکستند مقیمِ سومناتِ بود و ہستند	فلسفی اگرچہ (تصورات کے) صدہا پیکر توڑ چکے ہیں، لیکن وہ ابھی تک ہست و بود کے سومنات میں پڑے ہیں۔
چساں افرشتہ و یزداں بگیرند ہنوز آدم بفتراکے نہ بستند (14)	وہ فرشتے اور یزداں کو کیسے اپنے فکر کی گرفت میں لا سکتے ہیں، جبکہ انہوں نے ابھی تک آدم کو بھی اپنے فتراک میں نہیں باندھا۔ (وہ آدم کی حقیقت نہیں سمجھ سکے فرشتے اور یزداں کی حقیقت کو کیا سمجھیں گے)(15)

-1 میاں عبدالرشید نے اس رباعی کا درست ترجمہ کیا ہے، تاہم ترجمہ میں مشکل الفاظ (صدہا پیکر، ہست و بود اور فتراک) کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔

-2 اگرچہ ترجمہ میں مشکل الفاظ کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ عام فہم نہیں رہا، تاہم میاں صاحب نے ترجمہ کے آخر پر قوسین میں توضیحی جملہ دیا ہے جس سے اس رباعی کا مفہوم واضح ہو گیا ہے۔

-3 ترجمہ میں اگر الفاظ صدہا (سینکڑوں)، ہست و بود کے سومنات (تھا اور ہے کے سومنات، عارضی دنیا کے سومنات، ظاہری دنیا) اور فتراک (شکار بند، شکار باندھنے کا تسمہ، شکار ڈالنے والا تھیلا) کے قوسین میں معانی دے دیے جاتے یا ان کی جگہ پر آسان الفاظ استعمال کر لیے جاتے تو ترجمہ آسان اور عام فہم ہو جاتا۔

غزل نمبر 11

متن از پیامِ مشرق	سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید
از ما بگو سلامے آں ترکِ تندخو را کآتش زد از نگاہے یک شہر آرزو را	اس ترکِ تندخو (محبوب) کو ہماری طرف سے سلام کہو، جس نے اپنی نگاہ سے ہمارے پورے شہرِ آرزو کو آگ لگا دی۔ (جو ہماری ساری آرزوؤں کا مرکز بن گیا)
ایں نکتہ را شناسد آں دل کہ درد مند است من گرچہ توبہ گفتم، نشکستہ ام سبو را	یہ نکتہ صرف دردمند دل ہی پا سکتا ہے، کہ اگرچہ میں توبہ کر چکا ہوں، مگر میں نے سبو نہیں توڑا۔ (واپسی

اے بلبل از وفائیش صد بار با تو گفتم
تو در کنار گیری، باز ایں رمیدہ بورا
(16)

کی گنجائش رکھی ہوئی ہے)
اے بلبل! میں نے سو بار تجھے پھول کی بے وفائی کی بات بتائی ہے، مگر تُو پھر اس رمیدہ بُو کو سینے سے لگا لیتی ہے۔ (رمیدہ بُو: جس کی خوشبو ختم ہو چکی ہو)(17)

-1 مندرجہ بالا تینوں اشعار کا ترجمہ فارسی متن کے مطابق اور عین درست ہے۔
-2 قوسین میں توضیحی الفاظ اور جملے دے کر ترجمے کا مفہوم واضح کر دیا گیا ہے۔
-3 تیسرے شعر میں تعلیم دی گئی ہے کہ عارضی شے سے دل نہیں لگانا چاہیے۔ اگر ترجمہ کے ساتھ قوسین میں یہ مفہوم دے دیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

غزل نمبر 23، تیسرا شعر

متن از پیامِ مشرق

غزل بزمزمہ خواں پردہ پست تر گرداں
ہنوز نالۂ مُرغاں نوائے زیرِ لبی است
(18)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

غزل راگ سے گا پردہ کو اور پست کر، (تاکہ سُر تیز ہو) کیونکہ ابھی تک پرندوں کے نالے بہت دھیمی آواز میں ہیں۔ (پردہ، موسیقی کی اصطلاح ہے)(19)

-1 مندرجہ بالا شعر کے ترجمہ سے متن کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ غزل (غزل) بزمزمہ (دھیمی لے میں) خواں (گا) سے مراد ہے 'غزل دھیمی لے میں گا'۔ پردہ (سُر، لے) پست تر (زیدہ پست) گرداں (تو کر) سے مراد ہے 'سُر اور نیچے رکھ'۔ ہنوز (ابھی) نالۂ مرغاں (پرندوں کی فریاد) نوائے (نوا، نغمہ) زیرِ لبی (زیرِ لب، ہونٹوں میں دبا ہُوا) است (ہے) سے مراد ہے ابھی پرندوں کی فریاد لبوں تک محدود ہے۔ مراد یہ ہے کہ ابھی ماحول سازگار نہیں ہے کہ کُھل کر اصل بات بیان کی جاسکے۔ بہتر یہی ہے کہ فی الحال اشارے کنائے سے کام لیا جائے۔
-2 میاں صاحب نے ترجمہ میں 'پردہ پست تر گرداں' کا مفہوم دیا ہے 'پردہ کو اور پست کر (تاکہ سُر تیز ہو)'۔ یہ مفہوم درست نہیں۔ جب ساز ہلکی آواز میں بجایا جائے تو سُر تیز نہیں بلکہ مدہم ہوتا ہے۔ میاں صاحب نے قوسین میں تحریر کیا ہے کہ 'پردہ' موسیقی کی اصطلاح ہے' مگر واضح نہیں کیا کہ اس سے کیا مراد ہے۔ فرہنگ اقبال فارسی کے صفحہ نمبر 199 پر پَرْدہ کا یہ مفہوم دیا گیا ہے:

د: گانے کا سُر ع

غزل بہ زمزمہ خواں پردہ پست تر گرداں (پ م، ۱۶۵)(20)

-3 میاں عبدالرشید کی نسبت احمد جاوید نے تسہیل پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 524 پر اور ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے اپنے ترجمہ کے صفحہ نمبر 175 پر زیادہ واضح ترجمہ دیا ہے۔
احمد جاوید نے اس شعر کا ترجمہ یہ کیا ہے:
''غزل دھیمے دھیمے گنگنا، لے اور مدھم رکھ ابھی پرندوں کا نالہ ہونٹوں میں دبا ہوا گیت

ہے‘‘(21)

ڈاکٹر الف۔د۔نسیم نے اس شعر کا ترجمہ یہ کیا ہے:

’’غزل کو راگ میں اور زیادہ دھیمے سروں میں الاپ+ (کیونکہ) ابھی تک پرندوں کی فریاد ایک ایسی صدا میں ہے جو زیرِ لب (یعنی لبوں تک محدود) ہے (مراد ہے جب تک کوئی پختہ نہ ہو اس کے سامنے صاف صاف راز کی بات نہ کر)۔‘‘(22)

حاصل کلام یہ کہ میاں صاحب نے اس شعر کا ترجمہ درست نہیں کیا ہے۔ان کے تمام ترجمہ میں چند ایک مقامات پر اس طرح کی صورتِ حال نظر آتی ہے۔

غزل نمبر 42، پانچواں شعر

متن از پیامِ مشرق	سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید
اے مسلماں دگر اعجازِ سلیمان آموز دیدہ بر خاتم تو اہرمنے نیست کہ نیست (23)	اے مُسلمان دوبارہ سُلیمانؑ کا اعجازِ سیکھ، کیونکہ کوئی ایسا اہرمن نہیں جس کی نظر تیری انگوٹھی پر نہ ہو۔ (مشہور ہے کہ سلیمانؑ کی انگوٹھی شیاطین لے گئے تھے جس کی وجہ سے ان کے ہاتھ سے سلطنت جاتی رہی)(24)

1- مندرجہ بالا شعر کے ترجمہ میں اگر لفظ ’اعجاز‘ کی جگہ پر ’معجزہ‘ اور ’اہرمن‘ کی جگہ پر ’شیطان‘ آجاتے تو ترجمہ آسان اور عام فہم ہو جاتا۔میاں صاحب نے قوسین میں وضاحت تو دی ہے مگر پھر بھی مفہوم واضح نہیں ہو سکا۔

2- ڈاکٹر الف۔د۔نسیم نے اس شعر کا مفہوم خوب واضح کیا ہے۔انہوں نے قوسین میں توضیحی جملے دے کر لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت بھی برقرار رکھی ہے اور مفہوم بھی واضح کر دیا ہے۔ان کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

’’اے مسلماں تو دوبارہ حضرت سلیمانؑ کا معجزہ سیکھ (وہ معجزہ جس کے ذریعے وہ جنات کو قابو میں کیے ہوئے تھے)+ کیونکہ تیری انگوٹھی پر (جو جنات کو قابو میں رکھنے کی طاقت رکھتی ہے) نظر رکھے ہوئے کوئی شیطان نہیں ہے (مراد ہے تیرے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے ہر دشمن اسلام نگاہ لگائے بیٹھا ہے۔ان سے بچنے کی تدبیر چاہیے)۔‘‘(25)

میخانۂ فرنگ، شعر نمبر 2 اور شعر نمبر 3

متن از پیامِ مشرق	سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید
چشمِ مستِ مے فروشش بادہ را پروردگار بادہ خواراں را نگاہِ ساقی اش پیغمبر است	مے فروش کی چشمِ مست شراب کی پروردگار ہے، (شراب میں نشہ پیدا کرتی ہے) اور ساقی کی نگاہ بادہ نوشوں کے لیے پیغام بر ہے۔(مے فروش ان کا رب ہے اور ساقی ان کا پیغمبر)
جلوۂ او بے کلیمؑ و شعلۂ اُو بے خلیلؑ عقلِ ناپروا متاعِ عشق را غارت گراست (26)	مگر (وہاں) کا جلوہ بغیر کلیمؑ کے ہے اور شعلہ بغیر خلیلؑ کے، ان کی لاپروا عقل متاعِ عشق کو برباد کر دیتی ہے۔(27)

1- پہلے شعر کے ترجمہ میں میاں صاحب نے قوسین میں وضاحت دی ہے مگر مفہوم پھر بھی واضح نہیں ہو سکا۔ دوسرے شعر کا ترجمہ اور مفہوم واضح اور عام فہم ہیں۔

2- پہلے شعر میں مغربی تہذیب کی مادہ پرستی اور دوسرے شعر میں عقل پرستی پر تنقید کی گئی ہے۔ پہلے شعر میں بیان ہُوا ہے کہ مغربی تہذیب غارت گرِ ایمان ہے۔ وہاں علمِ ظاہر کی تو قدر ہے مگر علمِ باطن کی قدر نہیں۔ دوسرے شعر میں بیان ہُوا ہے کہ سائنسی ترقی کی بدولت انہیں بعض امورِ زندگی میں طاقت اور اختیار حاصل ہو گئے ہیں مگر یہ کسی ضابطۂ اخلاق کے پابند نہیں۔ ان کی یہ ترقی غارت گرِ انسانیت ہے۔

2- ترجمہ میں لے اور ترنم

میاں عبدالرشید کے ترجمہ میں بعض مقامات پر لے اور ترنم نظر آتے ہیں۔ لے اور ترنم کے ساتھ سلیس اور آسان ترجمہ کرنا کافی مشکل کام ہے۔ اس ضمن میں بعض مقامات پر میاں صاحب کامیاب نظر آتے ہیں اور بعض مقامات پر لے اور ترنم پیدا کرنے کی کوشش میں ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ کریں۔

رباعی نمبر 66

متن از پیامِ مشرق	سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید
مشو اے غنچۂ نو رُستہ دلگیر	اے غنچۂ نو! دل گرفتہ نہ ہو،
ازیں بستاں سرا دیگر چہ خواہی	اس باغ میں تُو اور کیا چاہتا ہے۔
لبِ جو ، بزمِ گل ، مرغِ چمن سیر	ندی کا کنارہ ہے، پھولوں کی بزم ہے، اُڑتے
صبا، شبنم ، نوائے صبحگاہی	ہوئے پرندے ہیں، صبا ہے، شبنم ہے، صبح کے
(28)	گیت ہیں۔(29)

میاں صاحب نے مندرجہ بالا رباعی کا آسان، سلیس اور عام فہم ترجمہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے الفاظ کی موزوں ترتیب اور انتخاب سے لے اور ترنم بھی پیدا کیا ہے۔ ترجمہ میں روانی بہت لطف دیتی ہے۔

سرودِ انجم

متن از پیامِ مشرق	سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید
ہستیِ ما نظامِ ما	ہماری ہستی، ہمارا نظام
مستیِ ما خرامِ ما	ہماری مستی، ہمارا خرام
گردشِ بے مقامِ ما	ہماری گردشِ بے مقام
زندگیِ دوامِ ما	ہماری زندگیِ دوام
دورِ فلک بکامِ ما ، مے نگریم و مے رویم	ہماری خاطر دورِ فلک، (سب کچھ) دیکھتے چلے جارہے ہیں
جلوہ گہ شہود را	جلوہ گہِ شہود (دُنیا) کو
بتکدۂ نمود را	اس بت کدۂ نمود (دُنیا) کو
رزمِ نبود و بود را	رزمِ نبود و بود کو
کشمکشِ وجود را	کش مکشِ وجود کو
عالمِ دیر وزود را، مے نگریم و مے رویم	عالمِ دیروز و دکو، دیکھتے چلے جارہے ہیں

گرمیٔ کار زار ہا
خامیٔ پختہ کار ہا
تاج و سریر و دار ہا
خواریٔ شہر یار ہا
بازیٔ روزگار ہا ، مے نگریم و مے رویم
خواجہ ز سروری گذشت
بندہ ز چاکری گذشت
زاری و قیصری گذشت
دورِ سکندری گذشت
شیوۂ بت گری گذشت،
مے نگریم و مے رویم
خاک خموش و در خروش
ست نہاد و سخت کوش
گاہ بہ بزمِ ناؤ نوش
گاہ جنازۂ بہ دوش
میرِ جہان و سفتہ گوش! مے نگریم و مے رویم
تو بہ طلسمِ چون و چند
عقلِ تو در کشاد و بند
مثلِ غزالہ در کمند
زار و زبون و درد مند
مابہ نشیمن بلند، مے نگریم و مے رویم
پردہ چرا ؟ ظہور چیست؟
اصلِ ظلام و نور چیست؟
چشم و دل و شعور چیست؟
فطرتِ ناصبور چیست؟
ایں ہمہ نزد و دور چیست؟ مے نگریم و مے رویم
بیشِ تو نزدِ ما کمے
سالِ تو پیشِ ما دمے
اے بکنارِ تو یمے
ساختۂ بہ شبنمے
ما بتلاشِ عالمے ، مے نگریم و مے رویم
(30)

کارزار کی گرمیاں
پختہ کاروں کی خامیاں
تاج وتخت و پھانسیاں
شہریاروں کی خواریاں
زمانے کے کھیل،(سب کچھ) دیکھتے چلے جارہے ہیں
خواجہ کی خواجگی گئی
بندے کی چاکری گئی
زاری وقیصری گئی
شانِ سکندری گئی
رسمِ بت گری گئی، (سب کچھ) دیکھتے چلے
جارہے ہیں۔
انسان خاموش بھی اور (جوش و) خروش میں بھی
کمزور بدن مگر سخت محنتی
کبھی عیش وعشرت میں
کبھی کندھوں پر جنازہ اٹھائے
حکمران اور غلام! سب کچھ دیکھتے چلے جارہے ہیں۔
تُو ''کیسے'' اور ''کتنے'' کے جادو میں گرفتار ہے
تیری زار وزبون و دردمند عقل
کمند میں گرفتار ہرن کی مانند
حالات کے بند کھولنے میں لگی رہتی ہے
اپنے ہی نشیمن بلند سے، (سب کچھ) دیکھتے چلے
جارہے ہیں
(حقیقت کا) پردہ ہے کیوں؟ ظہور کیا؟
اصلِ سیاہ و نُور سے کیا؟
چشم و دل و شعور ہے کیا؟
(انسان کی) فطرتِ ناصبور ہے کیا؟
یہ سب نزد و دُور ہے کیا؟ دیکھتے چلے جارہے ہیں
جسے تُو زیادہ مدت سمجھتا ہے، وہ ہمارے ہاں کم ہے
تیرے سال ہمارے لیے ایک لمحہ ہیں
تیرے پہلو میں (دل کا) سمندر موجود ہے
مگر تو شبنم (دُنیا) پر راضی ہو گیا ہے
ہم (ایک اور) عالم کی تلاش میں، (سب کچھ)
دیکھتے چلے جارہے ہیں۔ (31)

1- میاں عبدالرشید نے ترجمہ میں نظم 'سرود انجم' کا مخصوص لے اور ترنم برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ترجمے میں لے، ترنم اور روانی پائی جاتی ہے۔ اس کوشش میں انہوں نے اکثر مقامات پر مشکل الفاظ استعمال کیے ہیں جس سے ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔ اس نظم کے ترجمہ میں درج ذیل مشکل الفاظ کی جگہ پر اگر ان کے قوسین میں دیے گئے متبادل الفاظ استعمال ہو جاتے تو ترجمہ زیادہ سلیس، آسان اور عام فہم ہو جاتا:

خرام (چال)، گردشِ بے مقام (بغیر رُکے سفر)، زندگیِ دوام (ہمیشہ کی زندگی)، دورِ فلک (آسماں کی گردش)، رزمِ نبود و بود (نیستی اور ہستی کا میدانِ جنگ)، عالمِ دیروزود (آئندہ اور موجودہ عالم)، کارزار (جنگیں)، شہریاروں (بادشاہوں)، زاری و قیصری (روس اور ایران کی بادشاہت)، خروش (جوش وخروش)، زاروزبون (بےبس)، فطرتِ ناصبور (نہ صبر کرنے والی فطرت)

2- چوتھے بند میں 'دورِ سکندری گذشت' کا ترجمہ 'شانِ سکندری گئی' کیا گیا ہے جو کہ درست نہیں۔ اس کا ترجمہ ہونا چاہیے 'دورِ سکندری گیا' (یا) 'یونان کے بادشاہ سکندر کا زمانہ بھی نہ رہا'۔

3- پانچویں بند میں 'سست نہاد' کا ترجمہ 'کمزور بدن' کیا گیا ہے جو کہ درست نہیں۔ درست ترجمہ 'سست فطرت' ہے۔

4- تمام نظم کا ترجمہ مصرع وار کیا گیا ہے۔ چھٹے بند میں یہ ترتیب نظر نہیں آتی۔ 'عقلِ تو در کشاد و بند' کا ترجمہ 'تیری زاروزبوں و دردمند عقل' کیا گیا ہے۔ اسی طرح 'زاروزبون و دردمند' کے سامنے لکھا ہوا ہے 'حالات کے بند کھولنے میں لگی رہتی ہے'۔ نظم کے دیگر حصوں کی طرح اس بند کا ترجمہ بھی مصرع وار ترتیب سے ہونا چاہیے تھا۔

مختصر یہ کہ اس نظم کے ترجمہ میں لے اور ترنم پیدا کرنے کے لیے فارسی متن کے اور اردو زبان کے مشکل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جس سے ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ اسی طرح ایک دو مقامات پر درست ترجمہ نہیں کیا گیا۔ چھٹے بند میں ترجمہ فارسی متن کی ترتیب کے مطابق نہیں کیا گیا۔

نسیمِ صبح

متن از پیامِ مشرق	سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید
ز روے بحر و سرِ کوہسار می آیم ولیک می نشناسم کہ از کجا خیزم	میں سمندر اور پہاڑوں کے اُوپر سے آتی ہوں، مگر یہ نہیں جانتی کہ اُٹھتی کہاں سے ہُوں۔
دہم بہ غمزدہ طائر پیامِ فصلِ بہار تہِ نشیمنِ او سیمِ یاسمن ریزم	میں غم زدہ پرندے کو فصلِ بہار کا پیام دیتی ہُوں، میں اس کے نشیمن کے نیچے (باغ میں) چنبیلی کی چادر بچھاتی ہُوں۔
بہ سبزہ غلطم و بر شاخِ لالہ می پیچم کہ رنگ و بو ز مساماتِ او برانگیزم	میں سبزہ پر لوٹ پوٹ ہو جاتی ہوں اور شاخِ لالہ سے لپٹ جاتی ہُوں، میں ہی ان کے مسامات سے رنگ و بُو پیدا کرتی ہُوں۔

خمیدہ تا نشود شاخِ او ز گردشِ من
بہ برگِ لالہ و گُل نرم نرمک آویزم
چو شاعرے ز غمِ عشق در خروش آید
نفس نفس بہ نواہائے او در آمیزم!
(32)

میں لالہ وگل کی پتیوں کو نرمی سے چھُوتی ہُوں، تا کہ میرے چلنے سے ان کی شاخ میں خم نہ آئے۔ جب شاعرِ غمِ عشق سے فریاد کرتا ہے، تو میں اس کی نوا کے ہر سانس میں شامل ہو جاتی ہُوں۔(33)

میاں عبدالرشید صاحب نے 'نسیمِ صبح' کا عین درست، آسان اور عام فہم ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔ یہ ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔

حدی

متن از پیامِ مشرق	سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید
ناقۂ سیارِ من	میری تیز رو سانڈنی
آہوے تاتارِ من	تُو میرے لیے آہوئے تاتار ہے
درہم و دینارِ من	درہم و دینار ہے
اندک و بسیارِ من	میری (متاع) کم و بسیار ہے
دولتِ بیدارِ من	میری دولتِ بیدار ہے
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست	ذرا اور تیز قدم اٹھا ہماری منزل دُور نہیں
دلکش و زیباستی	تُو دلکش اور خوبصورت ہے
شاہد رعناستی	شاہدِ رعنا ہے
روکشِ حوراستی	حُوروں کے لیے باعثِ رشک ہے
غیرتِ لیلاستی	غیرتِ لیلا ہے
دخترِ صحراستی	دخترِ صحرا ہے
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست	ذرا اور تیز قدم اٹھا ہماری منزل دُور نہیں
در تپشِ آفتاب	تُو آفتاب کی تپش میں
غوطہ زنی در سراب	سراب کے اندر غوطہ زن ہوتی ہے
ہم بہ شب ماہتاب	تو رات کی چاندنی میں
تندروی چوں شہاب	
چشمِ تو نادیدہ خواب	نیند سے ناآشنا سفر کرتی ہے
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست	ذرا اور تیز قدم اٹھا ہماری منزل دُور نہیں
لکّۂ ابرِ رواں	تُو ابرِ رواں کا ٹکڑا ہے
کشتیِ بے بادباں	تُو بے بادباں کشتی ہے
مثلِ خضر راہ داں	تُو مثلِ خضر راہ داں ہے
بر تو سبک ہر گراں	تجھ پر ہر مشکل آساں ہے

لختِ دلِ ساربان	تُو لختِ دلِ ساربان ہے
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست	ذرا اور تیز قدم اٹھا ہماری منزل دُور نہیں
سوزِ تو اندر زمام	زمام میں تیرا سوز ہے
سازِ تو اندر خرام	خرام میں تیرا ساز ہے
بے خورش و تشنہ کام	بغیر کھائے پیے
پابہ سفر صبح و شام	صبح و شام سفر میں رہتی ہے
خستہ شوی از مقام	ٹھہرنے سے اُکتا جاتی ہے
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست	ذرا اور تیز قدم اٹھا ہماری منزل دُور نہیں
شامِ تو اندر یمن	شام تیری یمن میں
صبحِ تو اندر قرن	صبح تیری قرن میں
ریگِ درشتِ وطن	وطن کی سخت ریت
پائے ترا یاسمن	تیرے پاؤں کے نیچے یاسمن ہے
اے چو غزالِ ختن	تیری چال غزالِ ختن کی سی ہے
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست	ذرا اور تیز قدم اٹھا ہماری منزل دُور نہیں
مہ ز سفر پا کشید	چاند کا سفر ختم ہُوا
در پسِ تل آرمید	وہ ٹیلے کے پیچھے چھپ گیا
صبح ز مشرق دمید	مشرق سے پَو پھوٹی
جامۂ شب بر درید	رات نے (سیاہ) جامہ پھاڑ دیا
بادِ بیاباں وزید	بادِ صحرا چلی
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست	ذرا اور تیز قدم اٹھا ہماری منزل دُور نہیں
نغمۂ من دلکشاے	نغمہ میرا دلکشا ہے
زیر و بمش جانفزاے	اس کا زیر و بم جانفزا ہے
قافلہ ہا را دراے	یہ قافلہ کے لیے بانگِ درا ہے
فتنہ ربا، فتنہ زاے	یہ فتنہ ربا بھی ہے اور فتنہ زا بھی
اے بہ حرم چہرہ ساے	اے وہ جس کی منزل حرم شریف ہے
تیز ترک گام زن منزلِ ما دور نیست	ذرا اور تیز قدم اٹھا، ہماری منزل دُور نہیں (35)

(34)

1- میاں عبدالرشید صاحب نے 'سرودِ انجم' کی طرح 'حدی' کے ترجمہ میں بھی لے اور ترنم کا خیال رکھا۔ اس کوشش میں ترجمہ آسان اور عام فہم نہیں رہا۔ ترجمہ میں لے اور ترنم پیدا کرنے کے لیے مشکل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اسی طرح مختصر اور نامکمل جملے بھی استعمال ہُوئے ہیں جس وجہ سے ترجمہ کو سمجھنے کے لیے مزید مغز سوزی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اگر ترجمہ میں درج ذیل مشکل الفاظ کے ساتھ

قوسین میں ان کے معانی دے دیے جاتے تو ترجمہ میں لے اور ترنم بھی برقرار رہتا اور اس کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا:

تیز رو (تیز رفتار)، آہوئے تار (ملک تاتار کی ہرن جو خوبصورت اور تیز رفتار ہوتی ہے)، کم و بسیار (تھوڑا یا بہت، کم یا زیادہ)، دولتِ بیدار (معاش اور روزی کا ذریعہ)، غیرتِ لیلیٰ (لیلیٰ سے بھی زیادہ حسین اور اسے غیرت دلانے والی)، دخترِ صحرا (صحرا کی بیٹی)، مثلِ خضر راہ داں (خضر کی طرح راہ جاننے والی)، لختِ دلِ ساربان (ساربان کے دل کا ٹکڑا)، زمام (نکیل)، قرن (علاقے کا نام)، غزالِ ختن (ملکِ ختن کا ہرن)، زیر و بم (اتار چڑھاؤ)، بانگِ درا (کوچ کا پیغام)، فتنہ ربا (فتنہ اچک کر لے جانے والی)، فتنہ زا (فتنہ پیدا کرنے والی)

2- بعض جگہ پر ترجمہ میں تبدیلی یا ترجمہ کے ساتھ وضاحت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں:

اصل متن از پیامِ مشرق	ترجمہ از میاں عبدالرشید	مجوزہ ترجمہ از راقم الحروف
غیرتِ لیلاستی	غیرتِ لیلا ہے	لیلیٰ سے بھی زیادہ حسین اور اسے غیرت دلانے والی ہے۔
غوطہ زنی در سراب	سراب کے اندر غوطہ زن ہوتی ہے	صحرا کو طے کرتی ہے۔
چشمِ تو نادیدہ خواب	نیند سے نا آشنا سفر کرتی ہے	تیری آنکھ نیند سے نا آشنا ہے (تیری آنکھ نے نیند نہیں دیکھی ہے)
سازِ تو اندر خرام	خرام میں تیرا ساز ہے	تیرا ساز (راحت و آرام) سفر کرنے میں ہے یعنی تجھے سفر میں راحت ملتی ہے۔
پائے ترا یاسمن	تیرے پاؤں کے نیچے یاسمن ہے	(وطن کی سخت ریت) تیرے پاؤں کے لیے چنبیلی کے پھول کی طرح ہے۔
اے چو غزالِ ختن	تیری چال غزالِ ختن کی سی ہے	تو ملکِ ختن کے ہرن کی طرح تیز رفتار ہے۔
قافلہ ہا را درائے	یہ قافلے کے لیے بانگِ درا ہے	یہ قافلہ کے لیے کوچ کا پیغام ہے۔
فتنہ ربا، فتنہ زائے	یہ فتنہ ربا بھی ہے اور فتنہ زا بھی	یہ فتنہ اچک کر لے جانے والی بھی ہے اور فتنہ پیدا کرنے والی بھی ہے۔

3- میاں صاحب نے تیسرے بند میں 'تندروی چوں شہاب' کا ترجمہ نہیں دیا۔ اس کا ترجمہ ہے 'تو شہاب (ٹوٹنے والے تارے) کی طرح تیزی سے گزر جاتی ہے'۔

4- نظم 'حدی' کے ترجمہ کے حوالے سے ایک اور غور طلب نکتہ یہ ہے کہ میاں صاحب نے نظم کے شروع میں ہی 'ناقۂ سیارِ من' کا ترجمہ 'میری تیز رو سانڈنی' کیا ہے۔ فرہنگ اقبال فارسی کے مطابق 'ناقہ' سے مراد اونٹ یا اونٹنی ہے۔ فرہنگ اقبال سے اقتباس ملاحظہ کریں:

''ناقہ (ع) اسم: اونٹ، اونٹنی ع
مثلِ گام ناقہ بے غوغا گزشت (اس، ے)'' (36)

اردو لغت جلد نُوزدہم کے صفحہ نمبر 604 پر اس لفظ کا یہی مطلب لکھا ہُوا ہے۔ احمد جاوید نے تسہیل پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 313 پر اور ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے اپنے ترجمہ کے صفحہ نمبر 112 پر 'ناقہ' کا مطلب 'اونٹنی' تحریر کیا ہے۔ ان تمام حوالہ جات کے پیشِ نظر واضح ہے کہ لفظ 'ناقہ' کا مطلب 'سانڈنی' نہیں بلکہ 'اونٹنی' ہے اور میاں صاحب کا ترجمہ درست نہیں ہے۔

ان تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ میاں عبدالرشید صاحب نے اپنے ترجمہ میں بعض مقامات پر لے اور ترنم پیدا کرنے کے لیے مشکل الفاظ استعمال کیے ہیں جس سے ان کا ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس طرح بعض مقامات پر ترجمہ متن کے مطابق نہیں ہے۔

3- موقع محل کی مناسبت سے متعلقہ اشعار کا استعمال

رباعی نمبر 42

متن از پیامِ مشرق

بخود باز آورد رندِ کہن را
مئے برنا کہ من در جام کردم
من ایں مے چوں مغانِ دور پیشین
ز چشمِ مستِ ساقی وام کردم
(37)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

میں نے جام میں جو جوان شراب ڈالی، وہ رند کہن کو دوبارہ ہوش میں لے آئی۔
پہلے دَور کے پیرانِ مغاں کی مانند، مَیں نے بھی یہ شراب ساقیؔ کی چشم مست سے قرض لی ہے۔
نخستیں بادہ کاندر جام کردند
ز چشمِ مست ساقی وام کردند
(عراقی)(38)

رباعی نمبر 48

متن از پیامِ مشرق

ہمائے علم تا افتد بدامت
یقیں کم کن، گرفتارِ شکے باش

عمل خواہی؟ یقیں را پختہ تر کن
یکے جوے و یکے بین و یک باش
(39)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

اگر تُو چاہتا ہے کہ علم کا ہُما تیرے جال میں آ جائے، تو یقین کم کر، ہر بات کو شک کی نظر سے دیکھ (بحثُ مباحثہ کر)
اگر عمل چاہتا ہے، تو اپنا یقین پختہ کر، ایک مقصود کے پیچھے لگ جا، اسی پر نظر رکھ اور وہی ہو جا۔
(رانجھا رانجھا آکھدی میں آپے رانجھا ہُوئی)

رباعی نمبر 53

متن از پیامِ مشرق

ز رازیؔ معنیٔ قرآں چہ پرسی
ضمیرِ ما بآیاتش دلیل است

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

رازیؔ سے قرآن کے معنی کیا پُوچھتا ہے، ہمارا ضمیر ہی اس کی سچائی پر گواہی دے رہا ہے۔
(تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ قرآن گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف)

خرد آتش فروزد ، دل بسوزد
ہمیں تفسیرِ نمرود و خلیل است
(41)

خرد نے آگ جلائی، دِل اس میں کود پڑا، (واقعہ)
نمرود وخلیل کی یہی تفسیر ہے۔(42)

رباعی نمبر93

متن از پیامِ مشرق

نہ من بر مرکبِ ختلی سوارم
نہ از وابستگانِ شہر یارم
مرا اے ہمنشیں دولت ہمیں بس
چو کاوم سینہ را لعلے برآرم
(43)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

نہ مَیں اعلیٰ نسل کے گھوڑے پر سوار ہُوں، نہ بادشاہ کا مصاحب ہُوں۔
اے ہمنشیں! مجھے یہی دولت کافی ہے، کہ جب اپنا سینہ کھودتا ہوں تو لعل نکال لیتا ہوں۔

سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جویا ہوں جواہر کے
جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو
(غالب) (44)

رباعی نمبر152

متن از پیام مشرق

بجانِ من کہ جاں نقشِ تن انگیخت
ہوائے جلوہ ایں گل را دورو کرد

ہزاراں شیوہ دارد جانِ بیتاب
بدن گرد و چو با یک شیوہ خو کرد
(45)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

مجھے اپنی جان کی قسم! کہ رُوح ہی نے تن کو پیدا کیا ہے ، نظارے کے شوق میں اس نے اس پُھول کو دورُو بنا دیا۔ (حواس بدنی ہی کے ذریعہ اس دنیا کو دیکھا جاسکتا ہے۔)
جانِ بے تاب کے ہزاروں رنگ ہیں، مگر جب اس نے ایک رنگ اختیار کرلیا تو بدن بن گیا۔

ارتباطِ حرف و معنی اختلاطِ جان و تن
جس طرح اخگر قبا پوش اپنے خاکستر سے ہے
(46)

میاں عبدالرشید صاحب نے اپنے ترجمہ میں بعض مقامات پر نفسِ مضمون کی مناسبت سے اقبال یا دیگر شعرا کے اشعار دیے ہیں۔اس سلسلہ میں تمام ترجمہ کا جائزہ لینے کے بعد رباعی نمبر42، رباعی نمبر48، رباعی نمبر 53 ، رباعی نمبر 93 اور رباعی نمبر 152 کے تراجم بطور مثال منتخب اور پیش کیے ہیں۔

میاں صاحب نے تفہیم متن کے لیے دیے گئے اکثر اشعار کے ساتھ حوالہ جات نہیں دیے۔ مثلاً مندرجہ بالا پانچ مثالوں میں سے انہوں نے صرف رباعی نمبر42 اور رباعی نمبر93 میں دیے گئے اشعار کے ساتھ متعلقہ شعرا کے نام دیے ہیں۔

4- منثور اردو ترجمہ میں مشکل الفاظ کا استعمال

نوائے وقت

پہلا بند

متن از پیامِ مشرق

خورشید بہ دامانم انجم بہ گریبانم
درمن نگری ہیچم ، در خود نگری جانم

در شہر و بیابانم در کاخ و شبستانم
من در دم و درمانم ، من عیش فراوانم

من تیغِ جہاں سوزم ، من چشمۂ حیوانم
(47)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

سورج میرے دامن میں ہے، ستارے میرے گریبان کے اندر ہیں اگر تُو مجھے دیکھنے کی کوشش کرے تو میں کچھ نہیں (یعنی نظر نہیں آتا) اگر اپنے اندر دیکھے تو میں تیری جان ہُوں۔

میں شہر و بیابان میں ہُوں، میں محل و شبستان میں ہوں، میں درد بھی ہُوں، درمان بھی اور عیش فراوان بھی۔

میں تیغِ جہاں سوز بھی ہوں اور آبِ حیات کا چشمہ بھی۔ (48)

تیسرا بند

متن از پیامِ مشرق

آسودہ و سیّارم ، ایں طرفہ تماشا بیں
در بادۂ امروزم ، کیفیتِ فردا بیں

پنہاں بہ ضمیرِ من ، صد عالمِ رعنا بیں
صد کوکبِ غلطاں بیں، صد گنبدِ خضرا بیں

من کسوتِ انسانم، پیراہنِ یزدانم
(49)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

ساکن بھی اور حرکت میں بھی، یہ طرفہ تماشا دیکھ، میرے آج کی شراب میں آنیوالے کل کا کیف دیکھ۔

میرے ضمیر کے اندر سینکڑوں عالمِ رعنا پنہاں ہیں، کئی ستارے آوارہ ہیں، کئی آسماں گردش میں ہیں۔

سلسلۂ روز و شب تار حریرِ دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

میں انسان کا لباس ہُوں، میں یزداں کا پیراہن ہُوں۔ (50)

چوتھا بند

متن از پیامِ مشرق

تقدیر فسونِ من، تدبیر فسونِ تو
تو عاشقِ لیلائے ، من دشتِ جنونِ تو

چوں روحِ رواں پاکم، از چند و چگونِ تو
تو رازِ درونِ من ، من رازِ درونِ تو

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

تقدیر میرے فسوں سے ظہور میں آتی ہے، تدبیر تیرا طریقہ ہے، تُو لیلائے (جستجو) کا عاشق ہے، میں تیری جولان گاہ ہُوں۔

میں تیرے کم و بیش سے رُوحِ رواں کی طرح پاک ہُوں، تُو میرے اندر کا راز ہے اور میں تیرے اندر کا راز ہُوں۔

از جانِ تو پیدایم، درجانِ تو پنہانم (51)

میں تیری جان (کوششوں) سے ظاہر ہُوا اور تیری جان ہی میں پنہاں ہُوں۔(52)

"کشمیر" آخری شعر

متن از پیامِ مشرق

دختر کے برہمنے، لالہ رخے، سمن برے
چشم بروے او کشا باز بخویشتن نگر
(53)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

لالہ رُخ اور سیمیں بدن دخترک برہمن کے چہرے کی طرف نظر اٹھا پھر اپنے اندر نگاہ ڈال۔(54)

غزل نمبر 1 شعر نمبر 1

متن از پیامِ مشرق

بہار تا بہ گلستان کشید بزم سرود
نوائے بلبلِ شوریدہ چشمِ غنچہ کشود
(55)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

جب بہار نے باغ میں بزمِ سرود سجائی، تو بلبلِ شوریدہ (سرگرم فغاں ہوئی۔ اور اس) کی آواز نے کلی کی آنکھ کھول دی۔ (ہر طرف پھول کھِلنے لگے)(56)

غزل نمبر 2 شعر نمبر 1

متن از پیامِ مشرق

حلقہ بستند سرِ تربتِ من نوحہ گراں
دلبراں ، زہرہ وشاں، گُلبدناں، سیم براں
(57)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

کتنے دلبر، زہرہ وش، گلبدن اور سیم بر، میری قبر کے گرد حلقہ بنا کے نوحہ گری میں لگے ہوئے ہیں۔(58)

غزل نمبر 6 شعر نمبر 4

متن از پیامِ مشرق

"حرفِ نگفتۂ شما، برلبِ کودکاں رسید"
ازمن بے زباں بگو ، خلوتیانِ راز را
(59)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

مجھ بے زبان کی طرف سے خلوتیانِ راز سے کہہ دو، کہ "آپ کی اَن کہی بات بچے بچے کی زبان پر ہے۔"(60)

غزل نمبر 12 آخری شعر

متن از پیامِ مشرق

طرحِ نو افگن کہ ما جدّت پسند افتادہ ایم
ایں چہ حیرت خانۂ امروز و فردا ساختی!
(61)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

نیا انداز پیدا کر کیونکہ ہم جدّت پسند واقع ہوئے ہیں، یہ کیا امروز و فردا کا حیرت خانہ بنا رکھا ہے۔(62)

غزل نمبر 15 شعر نمبر 1

متن از پیامِ مشرق

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
بامن میا کہ مسلکِ شبیرم آرزوست
(63)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

مَیں تیر وسناں اور خنجر وشمشیر کی آرزو رکھتا ہُوں، میرے ساتھ نہ آ کہ میں مسلکِ شبیرؓ (شہادت) کا جویا ہوں۔(64)

غزل نمبر 26 شعر نمبر 6

متن از پیامِ مشرق

صدرہ بفلک برشد، صدرہ بہ زمیں درشد
خاقانی و فغفوری ، جمشیدی و دارائی
(65)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

خاقانی ہو یا فغفوری، جمشیدی ہو یا دارائی، سو راستوں سے آسمان پر چڑھتی ہے اور سو راستوں سے زمین پر گرتی ہے۔ (پادشاہت کا انجام فنا ہے)(66)

سرمایہ دار اور مزدور شعر نمبر 2

متن از پیامِ مشرق

نخلے کہ شہ خراج برو می نہد زمن
باغِ بہشت و سدرہ و طوبا ازانِ تو
(67)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

وہ درخت جس سے پادشاہ خراج وصول کرتا ہے، میرے لیے ہے، اور بہشت کا باغ، سدرہ اور طوبیٰ تیرے لیے ہیں۔(68)

سرمایہ دار اور مزدور شعر نمبر 4

متن از پیامِ مشرق

مرغابی و تدرو و کبوتر ازانِ من
ظلِ ہماؤ شہپرِ عنقا ازانِ تو
(69)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

مرغابی، تدرو اور کبوتر میرے لیے ہیں،
اور ظلِ ہما اور شہپرِ عنقا تیرے لیے۔(70)

خردہ نمبر 13

متن از پیامِ مشرق

مزن و سمہ برریش و ابروے خویش
جوانی ز دز دیدنِ سال نیست
(71)

سلیس اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

اپنی ریش اور ابرو پر وسمہ نہ لگا،
سال چُرا کر جوانی قائم نہیں رکھی جا سکتی۔(72)

میاں صاحب کے ترجمہ میں بعض مقامات پر مشکل الفاظ کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔ گزشتہ اوراق پر اس ضمن میں کافی مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔ ان کے تمام ترجمہ کے مختلف مقامات سے چند مزید مثالیں ملاحظہ کریں۔

نظم 'نوائے وقت' کے پہلے بند کے ترجمہ میں بیابان، شبستان، عیشِ فراوان اور تیغِ جہاں سوز کے الفاظ

فارسی متن سے لیے گئے ہیں۔ یہ الفاظ مشکل ہیں۔ ایک عام قاری ان کے مفہوم سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے ترجمہ آسانی سے نہیں سمجھ سکتا۔

اسی طرح تیسرے بند کے الفاظ طرفہ تماشا، کیف، عالمِ رعنا، پنہاں اور پیراہن اور چوتھے بند کے الفاظ فسوں، جولان گاہ اور روحِ رواں عام فہم نہیں ہیں۔

نظم 'کشمیر' کے آخری شعر، غزل نمبر 1 شعر نمبر 1، غزل نمبر 2 شعر نمبر 1، غزل نمبر 6 شعر نمبر 4، غزل نمبر 12 آخری شعر، غزل نمبر 15 شعر نمبر 1، غزل نمبر 26 شعر نمبر 6، سرمایہ دار اور مزدور شعر نمبر 2 اور شعر نمبر 4، خردہ نمبر 13 کے ترجمہ میں بھی دیے گئے زیادہ تر خط کشیدہ الفاظ فارسی متن سے ہی لیے گئے ہیں۔ یہ الفاظ عام فہم نہیں ہیں۔ ترجمہ میں فارسی زبان کے مشکل الفاظ استعمال کرنے کی وجہ سے ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔ اگر میاں صاحب ان مقامات پر عام قاری کی ذہنی سطح اور علمی تقاضے پیشِ نظر رکھتے تو یقیناً آسان، عام فہم اور سلیس ترجمہ کر پاتے۔

5- حواشی اور تعلیقات کا استعمال نہ کرنا

میاں عبدالرشید نے اردو ترجمہ میں بعض تلمیحات و اصطلاحات کی ضروری وضاحت نہیں کی ہے۔ اگر یہ وضاحت دے دی جاتی تو ترجمہ زیادہ آسان اور عام فہم ہو جاتا۔ ان کے ترجمہ میں حواشی و تعلیقات نہیں دیے گئے۔ حواشی و تعلیقات کی مدد سے اس ترجمہ کو مزید جامع، آسان اور عام فہم بنایا جا سکتا تھا۔

میاں عبدالرشید کے ترجمہ پیامِ مشرق کے مختلف پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد اس میں مندرجہ ذیل خصوصیات نظر آتی ہیں:

1- فارسی متن کے سامنے آسان، سلیس اور عام فہم ترجمہ دیا گیا ہے۔ ہر فارسی شعر کا ترجمہ اس کے سامنے دیا گیا ہے۔ رباعیات میں ہر مصرع کا ترجمہ اس کے سامنے دیا گیا ہے۔ اس طرح فارسی متن کے حوالے سے ترجمہ کو اور ترجمہ کی مدد سے فارسی متن کو سمجھنے میں آسانی محسوس ہوتی ہے۔

2- بعض مقامات پر ترجمہ عام فہم اور آسان بنانے کے لیے قوسین استعمال کی گئی ہیں اور ان قوسین میں ترجمہ کی ضرورت کے مطابق درج ذیل نوعیت کا مواد دیا گیا ہے۔

(ا) مشکل لفظ کا مطلب اور مفہوم دیا گیا ہے۔

(ب) نامکمل جملوں کی تکمیل کے لیے کچھ الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ اس طرح متن کے مطابق لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت بھی برقرار رہی اور مفہوم بھی اچھی طرح واضح ہو گیا۔

(ج) کسی تلمیح یا اصطلاح کی وضاحت کر دی، اس سے ترجمہ عام فہم ہو گیا۔

3- چند ایک مقامات پر فارسی کلام کی طرح منثور ترجمہ میں بھی قافیہ و ردیف کی پابندی کی کوشش کی گئی ہے۔

4- بعض مقامات پر اردو ترجمہ میں لے اور آہنگ نظر آتے ہیں۔

5- بعض مقامات پر قوسین میں یا قوسین کے بغیر منثور اردو ترجمہ کے ساتھ موضوع کی مناسبت سے فارسی، اردو یا پنجابی شعرا کے اشعار اور مصارع بھی دیئے گئے ہیں۔

6- اس منثور اردو ترجمہ میں شامل فارسی متن پیامِ مشرق کی عکسی نقل ہے اس لیے اس میں اغلاط نظر نہیں آتیں، تاہم اردو ترجمہ میں بھی املا اور کتابت کی صرف چند ایک اغلاط ہی دیکھنے میں آئی ہیں

مجموعی طور پر پیام مشرق کا منثور اردو ترجمہ سلیس، عام فہم اور آسان ہے، تاہم بعض مقامات پر کچھ کمزوریاں بھی محسوس ہوتی ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:۔

1- فارسی کے مشکل الفاظ و تراکیب کے معانی اور مفاہیم نہیں دیے گئے۔ اس سے ترجمہ کی مدد سے فارسی متن نہیں سمجھا جا سکتا۔

2- بعض مقامات پر، ترجمہ میں مشکل الفاظ استعمال ہوئے ہیں جنہیں سمجھنے کے لیے کسی لغت یا استاد سے استفادہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

3- بعض مقامات پر تلمیحات اور اصطلاحات کا مفہوم واضح نہیں کیا گیا۔

4- بعض مقامات پر ترجمہ میں دیے گئے اضافی الفاظ کو قوسین کی مدد سے اصل ترجمہ سے الگ نہیں کیا گیا۔

5- حواشی اور تعلیقات کی مدد سے یہ ترجمہ زیادہ سے زیادہ طلبہ و قارئین کے لیے مزید قابلِ فہم اور آسان بنایا جا سکتا تھا مگر اس ترجمہ میں حواشی اور تعلیقات نہیں دیے گئے۔

6- چند ایک مقامات پر ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

7- بعض مقامات پر دیا گیا ترجمہ اصل متن کا مفہوم واضح نہیں کرتا۔ متن کا مفہوم واضح کرنے کے لیے ترجمہ کے ساتھ توضیحی عبارت کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے۔

اس منثور اردو ترجمہ پر نظر ثانی سے اور حواشی و تعلیقات کے اضافہ سے اسے مزید آسان اور عام فہم بنایا جا سکتا ہے۔

تسہیلِ پیامِ مشرق

از

احمد جاوید

تسہیل پیامِ مشرق، علامہ اقبال کی فارسی تصنیف ''پیامِ مشرق'' کا آسان اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ احمد جاوید نے کیا ہے۔ اسے اقبال اکادمی پاکستان، لاہور نے مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد کے اشتراک سے شائع کیا ہے۔ اس کے ناشر پروفیسر محمد منور اور شریک ناشر ڈاکٹر رضا شعبانی ہیں۔ یہ ترجمہ پہلی بار 1992ء میں شائع ہوا۔ سب ٹائٹل اور پرنٹنگ پیج کے بعد پانچ صفحات ('ا' تا 'ہ') پر 'سخنِ مدیر' کے عنوان سے ڈاکٹر رضا شعبانی نے علامہ اقبال کی شخصیت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے اور ان کے فکر و فن کی اہمیت و ضرورت بیان کی ہے۔ یہ تبصرہ فارسی زبان میں دیا گیا ہے۔ اگر اس کا اردو ترجمہ بھی دے دیا جاتا تو عام قارئین بھی اس سے استفادہ کر لیتے۔ 'سخن مدیر' کے بعد (صفحہ 'و' پر) 'تعارف' دیا گیا ہے۔ 'تعارف' میں پروفیسر محمد منور، ناظم اقبال اکادمی نے فارسی زبان اور کلام اقبال فارسی کی اہمیت کا ذکر کیا ہے۔ اس میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ تمام فارسی مجموعوں کا ترجمہ اور تسہیل مکمل ہو چکی ہے۔ تسہیل پیام مشرق سے ان کی طباعت کا آغاز ہو گیا ہے۔ باقی کتابیں بھی انشاءاللہ جلد ہی آ جائیں گی۔

'تعارف' کے بعد چھ صفحات ('ز' تا 'ل') پر پیامِ مشرق میں دیا گیا اقبال کا دیباچہ من و عن دیا گیا ہے۔ اس کے بعد سات صفحات ('م' تا 'ق') پر جامع 'فہرست مطالب' دی گئی ہے جس پر نمبر شمار اور ہر مضمون کا صفحہ نمبر دیا گیا ہے۔ اس فہرست کی مدد سے بآسانی پیامِ مشرق کے مختلف حصوں اور کسی مخصوص شعر کے ترجمہ و فرہنگ تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

'فہرست مطالب' کے بعد صفحات نمبر 1 تا 713 پر مکمل پیامِ مشرق کا ترجمہ اور فرہنگ دیئے گئے ہیں۔ کتاب کے ٹائٹل اور بیک ٹائٹل پر $2\frac{1}{2}$" کے عمودی کالم میں فارسی زبان اور کلام اقبال کے حوالے سے ترجمہ کی اہمیت اور ضرورت بیان کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں ترجمہ کے اسلوب اور طریقہ کار کا یوں ذکر کیا گیا ہے:

> ''...... کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ لفظی ہو مگر شعر کے معنوی اور جمالیاتی بہاؤ سے خارج نہ ہونے پائے۔ اس طرح حل لغات کے تحت ہر اہم لفظ کی ضروری تشریح آ جائے۔ نیز ترجمے کو اس کی ظاہری بناوٹ میں بھی بیشتر جگہ ٹھیٹھ نثری اسلوب سے دانستہ دور رکھا ہے تاکہ شعری لحن سے کچھ نہ کچھ نسبت پیدا ہو جائے۔''(73)

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ مترجم نے ترجمہ کرتے وقت درج ذیل امور کا خیال رکھنے کی کوشش

کی ہے:

1- با معنی اور عام فہم لفظی ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

2- ترجمہ میں لے اور ترنم کا خیال رکھا ہے تاکہ نثر میں کسی حد تک شعری لحن پیدا ہو جائے۔

3- حل لغت کے تحت ہر اہم لفظ کی ضروری تشریح دی ہے۔

مندرجہ بالا اہم نکات کی رو سے 'تسہیل پیامِ مشرق' کا اول تا آخر مطالعہ کریں تو اس میں درج ذیل خصوصیات نظر آتی ہیں:

1- ہر ایک صفحہ پر دائیں جانب بالائی حصہ میں متعلقہ عنوان کے تحت فارسی متن، دائیں جانب زیریں حصہ میں 'ترجمہ' اور بائیں جانب 'فرہنگ' کے عنوان کے تحت فارسی الفاظ وتراکیب کے معانی اور ضروری تلمیحات، استعارات وکنایات اور اصطلاحات کے مفاہیم دیے گئے ہیں۔ شہروں، جگہوں، اشخاص کی تاریخی حیثیت اور اہمیت بھی بیان کی گئی ہے۔ ہر ایک صفحہ پر $\frac{2}{3}$ حصہ فارسی متن اور $\frac{1}{3}$ حصہ فرہنگ کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ تمام ترجمہ میں اس ترتیب کی پابندی کی گئی ہے۔

2- مصرع وار ترجمہ دیا گیا ہے۔ ایک عام قاری بھی فرہنگ اور دیے گئے ترجمہ کی مدد سے ہر ایک مصرع کے ترجمہ سے بخوبی آگاہ ہو سکتا ہے۔

3- ترجمہ میں مخصوص اور روزمرہ استعمال سے ہٹ کر اردو، ہندی، پنجابی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جس سے ترجمہ میں خوبصورتی پیدا ہو گئی ہے۔

مجموعی طور پر 'تسہیل پیامِ مشرق' میں پیش کیا گیا ترجمہ سلیس، عام فہم اور آسان ہے۔ فرہنگ کے لحاظ سے تو یہ بے مثل ہے۔ پیامِ مشرق کے کسی بھی اور ترجمہ میں اس قدر وضاحت سے مشکل الفاظ وتراکیب کے معانی اور تلمیحات واصطلاحات کے مفاہیم نہیں دیئے گئے۔ پیامِ مشرق کے تاحال پیش کئے گئے تراجم میں سے یہ فرہنگ کے لحاظ سے بہترین اور قابلِ تحسین کوشش ہے۔

تسہیل پیامِ مشرق میں بعض مقامات پر کچھ تبدیلی اور اضافہ کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل امور غور طلب ہیں۔

1- ترجمہ میں قوسین کے استعمال سے لفظی ترجمہ کو با محاورہ ترجمہ کی شکل دی جا سکتی تھی اور مفہوم بھی مزید واضح کیا جا سکتا تھا۔

2- 'تسہیل پیامِ مشرق' میں اگر تسہیل کی غرض سے فرہنگ وترجمہ کے ساتھ مختصر الفاظ میں ہر شعر کا اصل مفہوم دے دیا جاتا تو عام قاری فارسی کلام، ترجمہ کے ساتھ متن کے اصل مفہوم سے بھی آگاہ ہو جاتا۔ اس طرح مزید بہتر طور پر تسہیل کا حق بھی ادا ہو جاتا۔

3- حواشی اور تعلیقات کی مدد سے یہ ترجمہ زیادہ سے زیادہ طلب وقارئین کے لیے مزید قابلِ فہم اور آسان بنایا جا سکتا تھا مگر اس ترجمہ میں حواشی اور تعلیقات نہیں دیئے گئے۔

4- بعض مقامات پر، ترجمہ میں مشکل الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان کی جگہ پر آسان الفاظ استعمال کر کے

ترجمہ کو مزید آسان اور عام فہم بنایا جاسکتا ہے۔

5- چند ایک مقامات پر ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

6- بعض مقامات پر تلمیحات اور اصطلاحات کا مفہوم واضح نہیں کیا گیا۔

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ

''تسہیل پیامِ مشرق'' میں دیا گیا ترجمہ سلیس، رواں اور عام فہم ہے۔ یہ ترجمہ مصرع وار ہے۔ ہر ایک مصرع کا الگ ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہ لفظی ترجمہ ہے، تاہم اسے سلیس، رواں اور عام فہم بنانے کے بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ مجموعی طور پر یہ ترجمہ زبان و ادب کے تقاضے پورے کرتا ہے اور تفہیم متن کا حق ادا کرتا ہے۔ صرف چند ایک مقامات پر متن سے ہٹ کر ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس طرح چند ایک مقامات پر ترجمہ میں مشکل الفاظ استعمال کرنے کی وجہ سے تفہیم میں دشواری پیش آتی ہے۔ ترجمہ میں بعض مقامات پر عام استعمال سے ہٹ کر اردو، ہندی، پنجابی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس سے شعری لحن پیدا ہو گیا ہے مگر تفہیم میں دشواری پیش آتی ہے۔ قوسین اور حواشی کی مدد سے اس ترجمہ کو مزید عام فہم اور آسان بنایا جاسکتا تھا۔ اس طرح موقع محل کی مناسبت سے تفہیمِ متن کے لیے متعلقہ اشعار استعمال کرنے سے اس ترجمہ کی خوبصورتی میں اضافہ ہو جاتا۔ اگر ہر رباعی، غزل یا نظم کے بعد حاصل مطالعہ یا مفہوم کے عنوان سے نفسِ مضمون کا حقیقی مفہوم دے دیا جاتا تو تسہیل پیامِ مشرق کے حسن کو چار چاند لگ جاتے۔ ترجمہ کا مقصد تفہیمِ متن ہے۔ اگر تفہیم متن کے لیے عام ذہنی سطح کے قارئین کی آسانی کے لیے حاصل مطالعہ یا مفہوم متن دے دیا جائے تو ترجمہ کا حقیقی حق ادا ہو جائے گا اور اصل مقصد پورا ہو جائے گا۔ کیونکہ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ مقصد شعر و شاعری نہیں بلکہ تربیتِ نفس ہے۔

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست

سوے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را (74)

تسہیل پیامِ مشرق میں دیے گئے منثور اردو ترجمہ کے مذکورہ بالا محاسن اور مشکلات کے تفصیلی جائزہ کے لیے چند ایک مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔

رباعی نمبر 5

رباعی نمبر ۔ ۵

بہ برگِ لالہ رنگ آمیزی عشق

بجانِ ما بلا انگیزی عشق

اگر این خاکداں را واشگافی

درونش بنگری خونریزیِ عشق

ترجمہ

لالے کی پنکھڑیوں میں عشق کی رنگ آمیزی

ہماری جانوں میں عشق کی بلا انگیزی

فرہنگ

•(بہ: میں، پر۔ •برگِ لالہ: گلِ لالہ کی پنکھڑی (برگ: پتی، پنکھڑی + لالہ) ۔•رنگ آمیزی: مختلف رنگوں کو باہم ملانا، نقاشی، •تیرنگ سازی (رنگ آمیختن: کئی رنگوں کو ملا کر ایک کر دینا، حیلہ گری، تیرنگ سازی)۔ •بجانِ ما: ہماری روح میں (بہ: میں + جان + ما: ہماری)۔ •بلا انگیزی: فتنہ کھڑا کرنا، مصیبت برپا کرنا (بلا + انگیختن: کھڑا کرنا، اُبھارنا)۔ •این: اس۔ •خاکداں: دنیا، زمین۔ •را:

اگرتو اس زمین کو چیرے
تو اس کے بھیتر عشق کی خونریزی دیکھ لے گا

کر۔ •واشگافی: تو چاک کرے، تو شق کرے (واشگافتن: چیرنا، شق کرنا، شگاف ڈالنا)۔ •درونش: اس کے بھیتر، اس کے اندر (دروں: اندر، بھیتر + ش: اس کے)۔ •بنگری: تودیکھے گا، تو دیکھے (نگریستن: دیکھنا)۔(75)

تسہیل پیامِ مشرق میں دیا گیا ترجمہ مصرع وار اور لفظی ہے۔اس میں شعری لحن پیدا کرنے کے لیے فارسی رباعی کے الفاظ 'رنگ آمیزی' ، 'بلاانگیزی' اور 'خونریزی' استعمال کئے گئے ہیں۔آخری مصرع میں ہندی لفظ 'بھیتر' بھی استعمال کیا گیا ہے۔ترجمہ میں مشکل الفاظ کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ عام فہم نہیں رہا، تاہم فرہنگ میں دیئے گئے ان مشکل الفاظ کے معانی کی مدد سے ترجمہ کا مفہوم سمجھا جاسکتا ہے۔تسہیل پیامِ مشرق کے فرہنگ میں ترجمہ اور فارسی متن میں استعمال ہونے والے تمام مشکل الفاظ کے بہت اچھے طریقے سے معانی دیئے گئے ہیں۔ فارسی کی عام سمجھ بوجھ رکھنے والا قاری بھی اگر چندروز توجہ سے اس ترجمہ کا مطالعہ کرلے تو وہ فارسی زبان کے بارے میں کافی حدتک سمجھ بوجھ حاصل کرسکتا ہے اور باقی ماندہ فارسی کلام کو قدرے آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔پیامِ مشرق کے دیگر مترجمین (میاں عبدالرشید، ڈاکٹر الف۔د۔نسیم) نے ترجمہ کے ساتھ مشکل الفاظ وتراکیب کے معانی بالکل نہیں دیے۔ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے اپنی شرح پیامِ مشرق کے آخر پر مختصر سے الفاظ معانی دیے ہیں۔انہوں نے صفحہ نمبر 294 پر اس رباعی کے صرف دو الفاظ 'بلاانگیزی' اور 'واشگافی' کے مختصر سے معانی دیے ہیں۔پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے بھی اپنی شرح میں مشکل الفاظ معانی نہیں دیے۔انہوں نے تمام شرح میں اہتمام کے ساتھ لفظی اور بامحاورہ ترجمہ بھی نہیں دیا۔انہوں نے صرف متعلقہ شعر، رباعی، غزل یا نظم کا بنیادی تصور دے کر اس کا مطلب یا شرح دی ہے۔صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے پیامِ مشرق کے منتخب کلام کا لفظی ترجمہ تو نہیں دیا، تاہم آسان نثری ترجمہ یا مفہوم دیا ہے۔انہوں نے بھی مشکل الفاظ وتراکیب کے معانی نہیں دیے۔اس لیے حتمی نتیجہ یہی اخذ ہوتا ہے کہ تسہیل پیامِ مشرق کی طرح کسی بھی ترجمہ اور شرح میں تفصیل سے مشکل الفاظ وتراکیب کے معانی نہیں دیئے گئے۔اس سلسلہ میں مترجم 'احمد جاوید' کی کوشش نہایت قابلِ تحسین اور انفرادیت کی حامل ہے۔

رباعی نمبر 5 کے ترجمہ کے حوالہ سے جائزہ لیں تو ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کا ترجمہ زیادہ واضح اور عام فہم ہے انہوں نے قوسین کے استعمال سے لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت بھی برقرار رکھی ہے اور مشکل الفاظ اور جملوں کا مفہوم دے کر ترجمہ بامحاورہ اور سلیس بھی بنا دیا ہے۔میاں عبدالرشید، ڈاکٹر الف۔د۔نسیم، خواجہ حمید یزدانی اور صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کے تراجم ملاحظہ کریں۔

میاں عبدالرشید کا ترجمہ:

گُل لالہ کے پتوں میں عشق کی رنگ آمیزی ہے، ہماری جان کے اندر عشق کا شور ہے۔اگر تُو اس دنیا کو چیرے، تو تجھے اس کے اندر عشق (ہی) کی خونریزی نظر آئے۔(76)

ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کا ترجمہ

لالہ کے پھول کی (سرخ) پتیوں میں عشق کے رنگ کی آمیزش ہے + میری جان میں جو بلاانگیزی (مصائب کا ظہور) ہے وہ عشق کی وجہ سے ہے۔

اگر تو اس خاکدان (وجودِ آدمی یا وجودِ کائنات) کو پھاڑے+ تو اس کے اندر تجھے عشق کی خونریزی ہی نظر آئے گی۔ مراد ہے عشق تیرے وجود یا کائنات کے ذرے ذرے میں سمایا ہوا اور گردش کر رہا ہے۔(77)

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ

لالہ کے پھول کی پتی میں جو رنگ اور چمک ہے وہ عشق ہی کی بدولت ہے۔ ہماری جان میں جو مصائب سمائے ہوئے ہیں، وہ بھی عشق ہی کی بدولت ہے۔ ہماری جان میں جو مصائب سمائے ہوئے ہیں، وہ بھی عشق ہی کا نتیجہ ہے۔ اگر تو اس کائنات کے وجود کو پھاڑے تو تو اس میں عشق کی خوں ریزی ملاحظہ کرے گا۔(78)

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کا ترجمہ

گل لالہ کی پتیوں میں عشق ہی کا رنگ گھلا ہوا ہے ہم انسانوں کی روح میں محبت ہی نے ہنگامے بپا کئے ہوئے ہیں غرض اس زمین کو چیر کر دیکھیں تو ہمیں اس کے اندر بھی عشق کی خونریزیاں نظر آئیں گی۔(79)

میاں عبدالرشید کا ترجمہ سلیس اور آسان ہے۔ انہوں نے ترجمہ میں 'احمد جاوید' کی نسبت قدرے آسان الفاظ استعمال کئے ہیں۔ 'احمد جاوید' نے 'خاکدان' کا ترجمہ 'زمین' کیا ہے۔ میاں عبدالرشید نے 'خاکدان' کا ترجمہ 'دنیا' کیا ہے۔ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے اس کا ترجمہ 'زمین' کیا ہے۔ خاکدان کا ترجمہ 'وجود آدمی' یا 'وجود کائنات' زیادہ موزوں ہے۔ اس سے رباعی کا مفہوم زیادہ وسیع اور واضح ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے قوسین کے استعمال سے لفظی ترجمہ کو بامحاورہ ترجمہ کا رنگ دے دیا ہے اور مفہوم واضح کر دیا ہے۔ باقی مترجمین کا ترجمہ اس لحاظ سے واضح نہیں ہے کہ اس سے تعین نہیں ہوتا کہ ان کا ترجمہ لفظی ہے یا بامحاورہ، انہوں نے کون سے الفاظ اور جملے وضاحت کے لیے دیے ہیں اور کون سے الفاظ و جملے ترجمہ کا حق ادا کرتے ہیں۔

اگر 'احمد جاوید' بھی ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کی طرح قوسین کے استعمال سے لفظی ترجمہ کی حیثیت برقرار رکھتے ہوئے مشکل الفاظ اور جملوں کی وضاحت کر دیتے تو اصل متن کا مفہوم زیادہ واضح ہو جاتا۔ اسی طرح فرہنگ یا حواشی میں اس رباعی کا مفہوم اس طرح دیا جا سکتا تھا:

> ''اس رباعی میں عشق سے مراد جذبۂ نمائش ہے۔ یہ لفظ ذوقِ حیات کے معنوں میں استعمال ہُوا ہے۔ کائنات کی ہر شے محبت کے نشے سے سرشار ہے اور نمود و نمائش کے لیے بے چین اور بے قرار ہے۔''

رباعی نمبر 27

بہل افسانۂ آں پاچراغے	چھوڑ اس پتنگے کی داستان
حدیثِ سوزِ او آزارِ گوش است	اس کے جلنے کا بیان سماعت پر عذاب ہے
من آں پروانہ را پروانہ دانم	میں تو اس پروانے کو پروانہ سمجھتا ہوں
کہ جانش سخت کوش و شعلہ نوش است	کہ جس کی جان سخت کوش اور شعلہ نوش ہے
(80)	(81)

نوٹ:۔ پیام مشرق کے صفحہ نمبر 34 پر اس رباعی میں 'آزارِ گوش' کی بجائے 'آوازِ گوش' لکھا ہوا ہے۔ پرانے ایڈیشن

میں لفظ 'آزارِ گوش' ہی ہے۔

اس رباعی کا ترجمہ اصل متن کے عین مطابق ہے۔اس میں 'پا چراغے' کا ترجمہ پروانہ کیا گیا ہے۔فرہنگ اقبال فارسی (صفحہ 191) کے مطابق 'پا چراغ' سے مراد شمع کے قدموں میں پڑا رہنے والا یعنی پروانہ ہے۔ یہ لفظ پروانے کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے مگر یہ پروانے کے نثار ہونے اور چراغ کے قدموں میں گر پڑنے کا وصف بیان کرتا ہے۔رباعی کا نفسِ مضمون تقاضا کرتا ہے کہ اس کا ترجمہ پتنگے یا پروانے کی بجائے شمع کے قدموں میں پڑا رہنے والا (پروانہ) ہونا چاہیے۔تسہیل پیامِ مشرق میں اس لفظ کا اصل مفہوم اور صحیح ترجمہ نہیں دیا گیا۔ڈاکٹر الف۔د۔نسیم نے (صفحہ 32 پر) قوسین میں پا چراغ کا مفہوم 'پروانہ بے قرار' لکھا ہے جو کہ اصل مفہوم (کم مائیگی، عاجزی، دریوزہ گری) کو ظاہر نہیں کرتا۔میاں عبدالرشید نے (صفحہ 51 پر) اس کا ترجمہ 'چراغ کے نیچے گرے پڑے پروانے' کیا ہے۔خواجہ حمید یزدانی نے (صفحہ نمبر 34) پر اس کا ترجمہ 'شمع پر جل کر نیچے گرنے والے پروانے' کیا ہے۔دونوں کا ترجمہ عین درست ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے بھی اپنی شرح میں (صفحات نمبر 90 تا 93 پر) یہی مفہوم دیا ہے اور سیر حاصل بحث سے اس رباعی کی شرح بیان کی ہے اور مفہوم واضح کیا ہے۔

تسہیل پیامِ مشرق میں اس رباعی کے ترجمہ میں شعری لحن پیدا کرنے کے لیے فارسی رباعی کے الفاظ 'سخت کوش' اور 'شعلہ نوش' بھی استعمال ہوئے ہیں۔فرہنگ میں ان الفاظ کے معانی دیئے ہوئے ہیں۔اگر شعری لحن کے التزام کی بجائے تسہیل کے پہلو کو مدِ نظر رکھا جاتا تو ترجمہ میں آسان الفاظ استعمال ہونے کی وجہ سے ترجمہ عام فہم ،سلیس اور رواں ہو جاتا۔اس طرح اگر چند ایک الفاظ/جملوں میں اس رباعی کا مفہوم بھی دے دیا جاتا تو ترجمہ و فرہنگ دینے کا اصل مقصد بھی پورا ہو جاتا یعنی شاعر کا حقیقی پیغام عام قاری تک پہنچ جاتا۔اس رباعی کا عام فہم مفہوم درج ذیل انداز سے دیا جا سکتا تھا۔

> ''عمومی مفہوم: انسان کو چاہیے کہ مسلسل کوشش اور سخت محنت سے اپنی دنیا آپ پیدا کرے اور کسی غیر کی محتاجی کی بجائے اپنے وسائل اور صلاحیتوں سے بھرپور کام لے کر خود بھی ترقی کرے اور دوسروں کے بھی کام آئے۔''

نظم: نوائے وقت

منثور اردو ترجمہ از تسہیل پیامِ مشرق	اصل متن پیامِ مشرق
میرے بھیتر چھپے ہوئے سیکڑوں خوشنما عالم دیکھ	پنہاں بہ ضمیرِ من ، صد عالمِ رعنا بیں
سیکڑوں چمکتے ہوئے ستارے سیکڑوں آسمان	صد کوکبِ غلطاں بیں ، صد گنبدِ خضرا بیں
(83)	(82)

مندرجہ بالا شعر نظم 'نوائے وقت' کا ہے۔ترجمہ میں شعری لحن پیدا کرنے کے لیے ہندی زبان کا لفظ 'بھیتر' استعمال ہوا ہے۔اس سے مراد 'باطن' ہے۔فرہنگ میں بہ (میں) ضمیر (دل) من (میرے) کا ترجمہ 'میرے باطن میں' 'میرے دل میں' دیا گیا ہے۔اگر منثور ترجمہ میں بھی لفظ 'بھیتر' کی بجائے لفظ 'باطن' یا 'دل' استعمال ہو جاتا تو ترجمہ عام فہم ہو جاتا۔چوتھے مصرع میں الفاظ 'بین' اور 'خضرا' کا ترجمہ بھی نہیں دیا گیا۔لفظ 'بیں' کا مطلب ہے 'تو دیکھ'۔'خضرا کا مطلب ہے 'سبز'۔آخری مصرع کا ترجمہ 'سیکڑوں چمکتے ہوئے ستارے سیکڑوں آسمان' کی بجائے 'سیکڑوں چمکتے ہوئے ستارے دیکھ، سیکڑوں سبز آسمان دیکھ' ہونا چاہیے۔

نظم :نوائے وقت، چوتھا بند

نظم 'نوائے وقت' کا چوتھا بند اور اس کا ترجمہ بھی غور طلب ہے۔

فارسی متن بمطابق تسہیل پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از تسہیل پیامِ مشرق
تقدیر فسونِ من ، تدبیر فسونِ تو	تقدیر میرا جادو، تدبیر تیرا ٹوٹکا
تو عاشقِ لیلائے ، من دشتِ جنونِ تو	تو لیلی کا عاشق ہے، میں تیرے جنون کا صحرا
چوں روحِ رواں پاکم ، از چند و چگونِ تو	میں زندہ اور آزاد روح کی طرح تیرے کیسے اور کتنے کے بکھیڑوں سے پاک ہوں
تو رازِ درونِ من ، من رازِ درونِ تو	تو میرے باطن کا راز ہے میں تیرے بھیتر کا بھید
از جانِ تو پیدایم ، درجانِ تو پنہانم (84)	میں تیری جان سے ظاہر ہوں اور تیری روح میں پوشیدہ (85)

-1 تسہیل پیامِ مشرق میں نظم 'نوائے وقت' کے مندرجہ بالا بند کے پہلے شعر کا دوسرا مصرع درست نہیں لکھا گیا۔ اس میں کوما (،) لفظ 'من' کے بعد دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ کوما (،) لفظ 'لیلائے' کے بعد آنا چاہیے۔

-2 فرہنگ کے مطابق 'چند و چگوں' کا ترجمہ 'کتنے اور کیسے' ہونا چاہیے نہ کہ 'کیسے اور کتنے'۔

-3 لفظ 'ٹوٹکا' کی جگہ پر لفظ 'جادو' اور ہندی لفظ 'بھیتر' کی جگہ پر لفظ 'باطن' آنا چاہیے تھا۔ لفظ 'لیلی' پر بھی کھڑی زبر آنی چاہیے۔ درست لفظ 'لیلیٰ' ہے۔

-4 ترجمہ میں شعری لحن پیدا کرنے کے لیے الفاظ 'ٹوٹکا'، 'بھیتر' اور 'بکھیڑوں' استعمال کئے گئے ہیں۔ ایسے الفاظ سے لے اور ترنم تو پیدا ہو جاتا ہے مگر عام قاری کو ترجمہ سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ تسہیل پیام مشرق کے ترجمہ میں شعری لحن پیدا کرنے کے لیے اردو، ہندی اور پنجابی کے کئی مشکل الفاظ جیسے کامنی کتھا، جھٹکاتی، سبھا، ٹھٹھا، شانت، چت چور، وغیرہ استعمال کیے گئے ہیں۔ ان الفاظ سے لے اور ترنم تو پیدا ہو جاتا ہے مگر ترجمہ عام فہم نہیں رہتا۔

-5 ترجمہ کے ساتھ عمومی مفہوم بھی نہیں دیا گیا۔ اس کا مفہوم یوں دیا جا سکتا تھا۔

''اس بند میں بتایا گیا ہے کہ تقدیر زمانے کی ایک صفت ہے۔ انسان تدبیر سے کام لیتا ہے مگر تقدیر کے سامنے بے بس ہے۔ انسان زماں کی پابندیوں میں رہ کر اپنے مطلوب، محبوب اور مقصود کے حصول کے لیے کوشش کرتا ہے انسان محض عقل سے زمانِ حقیقی کی اصلیت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اگر وہ اپنی حقیقت (خودی) سے آگاہ ہو جائے تو زمانے کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کی معرفت بھی حاصل کر لیتا ہے۔ ایسے انسان کو حقیقی آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ تقدیر کا پابند نہیں رہتا۔ وہ جیسے چاہتا ہے، ویسے ہی ہو جاتا ہے۔''

-6 اس بند میں لفظ 'لیلیٰ' بطور علامت استعمال ہوا ہے۔ اس علامت سے مراد یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر انسان کسی نہ کسی چیز کو محبوب، مطلوب اور مقصود قرار دے کر اس کی طلب میں کوشش کرتا رہتا ہے۔ یہ سب کوششیں بھی تقدیر کی پابند ہیں۔ انسان اپنی تدبیر سے کام لیتا ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے سرگرمِ عمل رہتا ہے۔ اس کی یہ تمام کوشش اور عمل زماں کے ہی پابند ہوتے ہیں۔ تسہیل پیامِ مشرق کے

'فرہنگ' میں 'لیلائے من' اور 'دشتِ جنوں' کا مفہوم نہیں دیا گیا۔
تسہیل پیامِ مشرق کے اکثر مقامات پر فارسی کلام کی تشبیہات، استعارات، کنایات، علامات، تلمیحات کا مفہوم دیا گیا ہے۔ مثلاً
صفحہ نمبر 95 پر رباعی نمبر 53 میں استعمال ہونے والی تلمیحات، 'رازی'، 'خلیل' اور 'نمرود' کا مفہوم دیا گیا ہے۔
صفحہ نمبر 135 پر 'مرکبِ ختلی' کا مفہوم ان الفاظ میں دیا گیا ہے۔

''مرکبِ ختلی: ختلانی گھوڑا (مرکب: سواری، گھوڑا+ختلی=ختلانی، ختل یا ختلان سے منسوب جو بدخشاں کے نواح میں ایک علاقہ ہے جہاں کے گھوڑے بہت مشہور ہیں)''(86)

رباعی نمبر 141 کے تحت فرہنگ میں صفحہ نمبر 183 پر 'عرفی' کا تعارف یوں کرایا گیا ہے:

''عرفی: عرفی شیرازی مغل عہد کا مشہور جوانامرگ شاعر جس کے اس شعر کا اقبال نے اس قطعے میں حوالہ دیا ہے:

حُدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی
نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی'' (87)

صفحہ نمبر 564 پر الفاظ 'خیبر'، 'اژدر' اور 'حیدری' کی توضیحات اس طرح دی گئی ہیں:

''خیبر: عہدِ رسالت میں یہودیوں کا مشہور قلعہ جو حضرت علی کے ہاتھوں فتح ہُوا.....
اژدر: ایک روایت کے مطابق شیرِ خدا حضرت علی مرتضیٰ نے طفلی کے زمانے میں کہ ابھی پنگھوڑے سے اترنے کی عمر نہ تھی، ایک اژدہے کا کلّہ چیر کر رکھ دیا تھا۔
حیدری: حیدر کا ذاتی وصف، حضرت علی کی قوت اور شجاعت.....''(88)

نظم سرودِ انجم

نظم 'سرودِ انجم' کے چوتھے بند میں (صفحہ 271 پر) 'دورِ سکندری گزشت' کا ترجمہ 'سکندر کا زمانہ لد گیا'، کیا گیا ہے۔ فرہنگ میں لفظ 'گزشت' کا آسان الفاظ میں مفہوم دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے 'گزر گیا'۔ 'لد گیا' کا مطلب بھی 'گزر گیا' ہے۔ ترجمہ میں شعری لحن پیدا کرنے کے لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔
اسی طرح، اس نظم کا پانچواں بند اور اس کا ترجمہ بھی غور طلب ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از تسہیل پیامِ مشرق
خاکِ خموش و در خروش	ساکت مٹی مگر پُرخروش
ست نهاد و سخت کوش	فطرت کا بودا لیکن سخت کوش بھی
گاه به بزمِ نا وَ نوش	کبھی راگ رنگ کی سبھا بیچ
گاه جنازۂ بدوش	کبھی کاندھے پر دھرا ایک جنازہ
میر جهان و سفته گوش، می نگریم و می رویم (89)	دنیا کا سردار مگر غلام، ہم دیکھ رہے ہیں اور چلتے رہتے ہیں۔(90)

مندرجہ بالا رباعی کا ترجمہ فارسی متن کے عین مطابق ہے، تاہم اس میں درج ذیل امور غور طلب ہیں:

1- لفظ 'خروش' کا فرہنگ میں مفہوم نہیں دیا گیا۔

-2 ترجمہ میں لفظ 'پرخروش' استعمال کیا گیا ہے جسے سمجھنے کے لیے لغت یا کسی استاد سے رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

-3 'سست نھاد' کا ترجمہ 'فطرت کا بودا' کیا گیا ہے۔ یہ عام فہم ترجمہ نہیں ہے۔ اس کا ترجمہ سست فطرت، فطرتاً کاہل وسست ہوسکتا ہے۔

-4 تیسرے مصرع کے ترجمہ میں الفاظ 'سبھا بیچ' استعمال ہُوئے ہیں۔ 'سبھا بیچ' سے مراد 'محفل میں' ہے۔ ترجمہ میں 'سبھا' اور 'بیچ' جیسے الفاظ استعمال کرنے سے ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔

-5 آخری مصرع میں 'و' کا ترجمہ 'مگر' کیا گیا ہے۔ اس کا درست ترجمہ 'اور' ہے۔

-6 ترجمہ میں 'شعری لحن' پیدا کرنے کے لیے، اس میں مشکل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جس سے یہ منظوم اردو ترجمہ سے ملتے جلتے ترجمہ کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

'تسہیل پیامِ مشرق' میں اول تا آخر ترجمہ کا یکساں اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ پیام مشرق کے تمام حصوں کے ترجمہ میں ایک جیسی خصوصیات محاسن اور مشکلات نظر آتی ہیں۔ حصہ 'مئے باقی' غزل نمبر 15 کے پہلے دو اشعار اور ان کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

مئے باقی، غزل نمبر 15، پہلے دو اشعار

منثور اردو ترجمہ از تسہیل پیامِ مشرق	اصل متن از پیامِ مشرق
تیر اور برچھی اور خنجر اور تلوار میری آرزو ہے	تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
میرے ساتھ نہ آ کہ میں شبیر کی راہ پر چلنا چاہتا ہوں	بامن میا کہ مسلکِ شبیرم آرزوست
آشیانہ بنانے کے واسطے میرا تنکے جمع کرنا دیکھ پھر	از بہر آشیانہ خس اندوزیم نگر
یہ (بھی) دیکھ کہ میں بھڑکتے ہوئے شعلے کا آرزو مند ہوں(92)	باز ایں نگر کہ شعلۂ درگیرم آرزوست (91)

مندرجہ بالا ترجمہ اور ان اشعار سے متعلقہ فرہنگ کے ضمن میں درج ذیل امور غور طلب ہیں۔

-1 ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے، تاہم دوسرے مصرع کا ترجمہ عین لفظی نہیں۔ مسلکِ شبیرم آرزوست کا ترجمہ 'حضرت امام حسینؓ کا طریقہ میری آرزو ہے' یا 'مجھے حضرت امام حسینؓ کے طریقہ کی آرزو ہے' ہونا چاہیے۔ دیا گیا ترجمہ 'میں شبیر کی راہ پر چلنا چاہتا ہوں' لفظی ترجمہ نہیں ہے، تاہم اس سے اصل متن کا مفہوم ادا ہو جاتا ہے۔

-2 فرہنگ میں مسلکِ شبیرم آرزوست کا واضح لفظی مفہوم دیا گیا ہے اور اس امر کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے کہ 'شبیر' سے مراد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، شہیدِ کربلا ہیں۔

-3 اگر ترجمہ میں قوسین کے اندر ضروری توضیحات دے دی جاتی تو لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت بھی برقرار رہتی اور فارسی کلام کا اصل مفہوم بھی واضح ہو جاتا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کا ترجمہ کرنے کا انداز قابلِ تعریف ہے۔ انہوں نے پہلے شعر کا ترجمہ اس طرح سے کیا ہے:

> ''مجھے تیر، نیزہ، خنجر اور تلوار کی آرزو ہے + میرے ساتھ شامل نہ ہو (تو میرے ساتھ نہیں چل سکے گا۔ کیونکہ تجھے راحت و آسائش پسند ہے اور مجھے حق کے لیے سر کٹانے

کی غرض سے) حضرت حسینؓ کے طریقہ کی آرزو ہے"۔(93)

4- تسہیل پیامِ مشرق میں دوسرے شعر کا دیا گیا ترجمہ عین درست ہے، تاہم اگر اس کے ساتھ مفہوم بھی دے دیا جاتا تو ترجمہ کا مقصد پورا ہو جاتا۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اس شعر کا مفہوم اس طرح تحریر کیا ہے:

"..... اگرچہ میں دنیا میں رہتا ہوں اور جائز طریقوں سے دولت بھی جمع کرتا ہوں، لیکن میں اپنی جان اور اپنا مال دونوں خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔ کیونکہ عاشقِ صادق کا مقصود دنیا نہیں ہوتا"۔(94)

غزل نمبر 15، شعر نمبر 5 اور شعر نمبر 6

غزل نمبر 15 کے شعر نمبر 5 اور شعر نمبر 6 کے ترجمہ میں بھی مندرجہ بالا اشعار کے ترجمہ کی طرح کچھ کمی محسوس ہوتی ہے۔ دونوں اشعار اور ان کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از تسہیل پیامِ مشرق
از روزگارِ خویش ندانم جزایں قدر خوابم زیاد رفتہ و تعبیرم آرزوست	مجھے اپنے دن رات کی بس اتنی سُدھ ہے میرا خواب جی سے بسر گیا ہے اور مجھے تعبیر کا ارمان ہے
کو آں نگاہِ ناز کہ اول دلم ربود عمرت دراز باد ہماں تیرم آرزوست (95)	کدھر ہے وہ چت چورنظر جو پہلی بار میرا دل لے گئی تھی تیری عمر دراز ہو مجھے اُس تیر کی تمنا ہے (96)

مندرجہ بالا ترجمہ درج ذیل امور کے لحاظ سے غور طلب ہے:

1- ترجمہ میں مشکل الفاظ وتراکیب (سدھ، جی سے بسر گیا، ارمان، چت چورنظر) کے استعمال کی وجہ سے اس میں شعری لحن تو پیدا ہو گیا ہے مگر ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔

2- ترجمہ سے فارسی متن کا اصل مفہوم واضح نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر الف۔د۔نسیم نے ان اشعار کا عام فہم ترجمہ کیا ہے۔ پہلے شعر کے ترجمہ میں قوسین میں اضافی الفاظ اور جملے استعمال کر کے انہوں نے ترجمہ کا مفہوم زیادہ واضح کر دیا ہے۔ ان کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

"شعر (5) میں اپنی زندگی کے متعلق سوائے اس قدر اور کچھ نہیں جانتا + کہ یہ ایک خواب تھا جو گزر گیا اور یاد نہ رہا (اور) اب اس خواب کی تعبیر کی آرزو ہے (گزری ہوئی زندگی خواب معلوم ہوتی ہے دیکھنا یہ ہے کہ دنیا کی اس زندگی کا عاقبت میں کیا انجام ہوتا ہے)۔

شعر (6) وہ نگاہ ناز کہاں ہے جس نے سب سے پہلے مجھے لوٹا تھا + تیری عمر دراز ہو مجھے پھر اسی تیر کی آرزو ہے"۔(97)

ڈاکٹر الیف۔ د۔نسیم نے بھی شعر نمبر 6 کا ترجمہ تو دیا ہے مگر مفہوم نہیں دیا اس شعر میں اقبال نے ناز و نیاز یعنی حسن و عشق کا تعلق بیان کیا ہے اور بالواسطہ طور پر استحکامِ خودی کے لیے عشق کی اہمیت اور ضرورت بیان کی ہے۔

غزل نمبر 22، پہلے دو اشعار

مندرجہ بالا اشعار کی طرح تسہیل پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 520 پر غزل نمبر 22 کے پہلے دو اشعار کا ترجمہ بھی مشکل الفاظ کے استعمال کی وجہ سے عام فہم نہیں رہا۔ مذکورہ بالا اشعار اور ان کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از تسہیل پیامِ مشرق
حسرتِ جلوۂ آں ماہ تمامے دارم	اُس ماہ کامل کے دیدار کی حسرت رکھتا ہوں
دست بر سینہ نظر بر لبِ بامے دارم	ہاتھ سینے پر نظر چھت کی منڈیر پر رہتی ہے
حُسن می گفت کہ شامے نہ پذیرد سحرم	حسن کہہ رہا تھا کہ میری بھور کو سانجھ نہیں
عشق می گفت تب و تابِ دوامے دارم	عشق بولا میں اگنی کنڈ ہوں سدا دہڑ دہڑ کرتا
(98)	(99)

مندرجہ بالا ترجمہ میں مشکل الفاظ و تراکیب (منڈیر، بھور، سانجھ، اگنی کنڈ، دہڑ دہڑ) کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔

ڈاکٹر الف۔ د۔نسیم نے اس سے بہتر اور آسان ترجمہ کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

> ''شعر (1) میں اس مکمل چاند (چودھویں کے چاند جیسے محبوب) کے جلوہ کی حسرت رکھتا ہوں (اس حسرت میں) ہاتھ میرے دل پر (سینہ پر) اور نظر میری کوٹھے پر ہے۔
>
> شعر (2) حسن بولا کہ میری صبح کی شام نہیں (مجھ کو زوال نہیں) عشق سے کہا کہ میں ہمیشہ کی تب و تاب (اضطراب پیہم) رکھتا ہوں۔'' (100)

ڈاکٹر الف۔ د۔نسیم کا ترجمہ واضح عام فہم اور آسان ہے، تاہم پہلے شعر کے ترجمہ میں لفظ 'کوٹھے' کی بجائے الفاظ 'چھت کا کنارہ' آنے چاہئیں کیونکہ لبِ بام' کا ترجمہ 'کوٹھا' یا 'چھت' نہیں بلکہ 'چھت کا کنارہ' ہے۔ اس طرح دوسرے شعر کے ترجمہ میں 'عشق سے کہا' کے بجائے 'عشق نے کہا' آنا چاہیے۔

مندرجہ بالا تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ

1- مجموعی طور پر تسہیل پیامِ مشرق میں دیا گیا ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔
2- یہ ترجمہ مصرع وار اور لفظی ہے۔ ترجمہ کی مدد سے اصل متن کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔
3- 'فرہنگ' کے عنوان کے تحت مشکل الفاظ و تراکیب، تلمیحات و اصطلاحات، رموز و علائم کا مفہوم دیا گیا ہے۔ اہم شخصیات، واقعات اور مقامات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ فرہنگ کے لحاظ سے کوئی بھی ترجمہ 'تسہیل پیامِ مشرق' کا ثانی نہیں ہے۔
4- ترجمہ میں قوسین کے استعمال سے ترجمہ مزید آسان اور عام فہم بنایا جا سکتا تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا۔
5- ترجمہ کے ساتھ مفہوم نہیں دیا گیا۔ اگر ترجمہ کے ساتھ مختصر الفاظ میں مفہوم دے دیا جاتا تو ترجمہ مزید قابلِ فہم ہو جاتا اور ترجمہ کرنے کا مقصد بھی پورا ہو جاتا۔
6- ترجمہ کے ساتھ حواشی و تعلیقات کے اضافہ سے اسے مزید بہتر بنایا جا سکتا تھا۔

7- ترجمہ میں شعری لحن پیدا کرنے کے لیے مشکل الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جس سے ترجمہ میں شعری لحن تو پیدا ہو گیا ہے مگر بعض مقامات پر ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔

8- نظر ثانی سے اس ترجمہ کو حقیقی معنوں میں ''تسہیل پیام مشرق'' کی شکل دی جاسکتی ہے۔ تسہیل کے لیے مندرجہ بالا گزارشات کے پیش نظر ترجمہ میں تبدیلی اور اصلاح کی ضرورت ہے۔

پروفیسر نوید کیانی نے اپنے مقالہ 'پیام مشرق کے اردو اور انگریزی تراجم کا تحقیقی اور توضیحی جائزہ' کے صفحہ نمبر 79 پر تسہیل پیامِ مشرق کا 'اغلاط نامہ' دیا ہے، جو کہ درج ذیل ہے۔

اغلاط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹	۲	دہاں	دھارے
ایضاً	ایضاً	ھماں	ھمارے
۹	۳	لم	ھم
۹	۸	لماری	ھماری
ر	۸	لو	ہو
"	۱۲	لوا	ہوا
۱۴۴	۴	مزگان	مژگان
۱۷۶	۸	تمھد	تمہید
۲۰۹	۸	بانے	بہانے
۱۶۱	۱ (متن)	گلش	گلشن
۲۸۳	۴	قظرہ	قطرہ
۲۸۶	۵	واصیل	اصیل
۲۸۸	۲ (متن)	حون	خُون
۲۹۷	۸ (متن)	سِنم	ستم
۳۰۵	۱ "	منبے	مینے
۳۵۷	۲ "	زیریو	زیر
۳۷۹	۵	قیض	قبض
۴۱۹	۱ (متن)	ھراز	ھزار
۴۴۵	۱ (متن)	بجاک	بخاک
۴۴۶	۱ (متن)	نوجہ گراں	نوحہ گراں
۴۵۲	۵	بھوی	بھری
۴۶۵	۱ (متن)	بَرآور	بَرآدرد
۴۸۰	۲ "	سازو	سازد
۵۱۰	۵	ڈور	ڈر

۵۴۵	۸	لوے	ہوے
۵۶۶	۲ (متن)	پسو	پور
۶۵۴	۴	قزوذنی	قزودی
۶۶۳	۲	صجے	صجتے
۶۶۴	۲	قضہٗ	قصہٗ (101)

مذکورہ بالا اغلاط نامہ میں دیے گئے اکثر اندراجات غلط ہیں۔ کہیں صفحہ نمبر درست نہیں تو کہیں سطروں کے نمبر غلط دیے ہیں۔ بعض مقامات پر فارسی رسم الخط میں کمپوزنگ کی وجہ سے فاضل مقالہ نگار (پروفیسر نوید کیانی) الفاظ صحیح طور پر نہیں پڑھ پائے اور انہوں نے درست الفاظ کو بھی اغلاط کی فہرست میں درج کر دیا۔ درست 'اغلاط نامہ' درج ذیل ہے:

اغلاط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۴۴	۴	مزگاں	مژگاں
۱۷۶	۸	تمھد	تمہید
۲۶۱	۱ (متن)	گلش	گلشن
۲۸۳	۴	قظرہ	قطرہ
۲۸۶	۵	واصیل	وہ اصیل
۲۸۸	۲ (متن)	حون	خُون
۲۹۷	۹ (متن)	سِنم	ستم
۳۰۵	۱ "	مبنے	مہینے
۳۵۷	۲ "	زیریوزبر	زیروزبر
۳۷۹	۵	قیض	قبض
۴۱۹	۱ (متن)	ھراز	ھزار
۴۴۵	۱ (متن)	بجاک	بخاک
۴۴۶	۱ (متن)	نوجہ گراں	نوحہ گراں
۴۶۵	۱ (متن)	بَرآور	بَرآورد
۴۸۰	۲ "	سازو	سازد
۵۱۱	۵	ڈور	ڈر
۵۶۶	۲ (متن)	پسو	پور
۶۵۴	۴	فزودنی	فزودی
۶۶۳	۲	صجے	صحبتے
۶۶۴	۲	قضہٗ	قصہٗ (102)

انتخاب کلیاتِ اقبال فارسی
مع فرہنگ، سلیس اردو ترجمہ اور اعراب

از

ایم رمضان گوہر

انتخاب کلیاتِ اقبال فارسی، اقبال کے منتخب فارسی کلام کا سلیس اردو ترجمہ ہے جس میں قارئین کی سہولت کے لیے فرہنگ کا اہتمام بھی کیا گیا ہے اور فارسی زبان سے ناواقف افراد کے تلفظ کی درستگی کے لیے فارسی متن میں اعراب بھی لگائے گئے ہیں۔

یہ کتاب اسرار و رموز (اسرارِ خودی۔ رموزِ بےخودی)، زَبُورِ عَجم، پیامِ مشرق، جاوید نامہ، ارمغانِ حجاز اور پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق مع مسافر کے منتخب کلام کے ترجمہ پر مشتمل ہے۔ ہر ایک فارسی تصنیف کے منتخب کلام کے ترجمہ کے بعد اس تصنیف کا خلاصہ بھی دیا گیا ہے جس سے فکرِ اقبال سے آگاہ ہونے میں کافی مدد ملتی ہے۔

یہ کتاب دو سو بہتر (272) صفحات پر مشتمل ہے اور $\frac{23\times 36}{16}$ سائز میں پرنٹ ہوئی ہے۔ کتاب کے سرورق پر کتاب کا نام دیا گیا ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن دسمبر 2001ء کو شائع ہوا تھا۔

اس کتاب کا دیباچہ ڈاکٹر عاصی کرنالی نے تحریر کیا ہے۔ کتاب کا دیباچۂ ثانی، ڈاکٹر وحید قریشی نے تحریر کیا ہے۔ ڈاکٹر وحید عشرت اور شہزاد احمد نے کتاب کے تعارفی حوالہ جات تحریر کئے ہیں۔

کتاب کے شروع میں 'انتساب' کے بعد صفحہ نمبر 4 پر فہرست عنوانات دی گئی ہے۔ صفحہ نمبر 5 تا صفحہ نمبر 9 پر اظہارِ خیال کے عنوان سے ڈاکٹر عاصی کرنالی کا دیباچہ دیا گیا ہے۔ صفحہ نمبر 10 تا صفحہ نمبر 12 پر 'گذارش مُصَنِّف' کے عنوان کے تحت ایم رمضان گوہر نے اقبال سے اپنی ذہنی و قلبی وابستگی کا ذکر کیا ہے اور اپنی اس تصنیف کی ضرورت و اہمیت بیان کی ہے۔ آخر پر انہوں نے ترجمہ و تصنیف کے کام میں معاونت کرنے والے حضرات کا ذکر کیا ہے اور ان کا شکریہ ادا کیا ہے۔

اس کتاب کے صفحہ نمبر 83 تا صفحہ نمبر 118 پر (قریباً چھتیس صفحات پر) پیامِ مشرق میں سے منتخب کلام کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ صفحہ نمبر 119 تا صفحہ نمبر 122 پر پیام مشرق کا خلاصہ دیا گیا ہے۔

ایم رمضان گوہر کے ترجمہ میں سے پیامِ مشرق کے منتخب کلام کی نشاندہی کے لیے کافی محنت کرنا پڑی کیونکہ مترجم نے اشعار کے حوالہ جات نہیں دیے ہیں۔ انہوں نے پیامِ مشرق کے تمام حصوں میں سے کچھ اشعار منتخب کر کے ان کا ترجمہ دیا ہے۔ مختلف حصوں کے اشعار کی نشاندہی کے لیے راقم الحروف (مقالہ نگار) نے اشعار کے نمبر لگائے ان کے حوالہ جات معلوم کیے، کلیات اقبال فارسی سے فارسی متن کا تقابل کیا اور پھر درج ذیل فہرست ترتیب دی۔

صفحات نمبر	پیام مشرق	اشعار نمبر	تعداد اشعار
83 تا 88	پیشکش	1 تا 19	19
88 تا 97	لالۂ طور	20 تا 57	38
98 تا 105	افکار	58 تا 86	29
106 تا 114	مئے باقی	87 تا 115	29
114 تا 117	نقشِ فرنگ	116 تا 128	13
117 تا 118	خُردہ	129 تا 130	02
کل اشعار			130

بقول ڈاکٹر عاصی کرنالی محمد رمضان گوہر کے تمام ترجمہ کا بغور جائزہ لینے سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

1- انہوں نے پہلے شعر درج کیا ہے۔
2- پھر اس کی فرہنگ لکھی ہے۔فرہنگ میں قریب قریب ہر مشکل لفظ کے معانی لکھے ہیں۔بعض الفاظ کے معانی مترادف صورت میں دیے ہیں۔
3- جہاں کسی لفظ کے لغوی معانی کے علاوہ اس کے مجازی معانی کی ضرورت تھی انہیں بھی لکھ دیا۔
4- بہت سی فارسی افعال اور مشتقات کے اصل مصادر درج کے ہیں۔
5- فرہنگ کے بعد سلیس، عام فہم اور آسان ترجمہ دیا ہے۔
6- ترجمہ میں سلاست اور دل کشی کے ساتھ مناسب اختصار بلکہ اعتدال کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔
7- جہاں کہیں اقبال کے شعر میں کوئی دقیق فکری نکتہ آیا، بطور مفہوم اسے بھی واضح کر دیا۔

حصہ پیشکش

عَزمِ تُو پائندہ چُوں کُہسارِ تو
حَزم تو آساں کُند دُشوارِ تو

فرہنگ: عزم تو۔تیرا عزم+ کہسار تو۔تیرا پہاڑ+حزم تو۔تیری احتیاط۔سوجھ بوجھ+ دشوار تو۔تیری مشکل+
ترجمہ: تیرا ارادہ تیرے پہاڑوں کی طرح مستحکم ہے۔تیری سوجھ بوجھ (احتیاط) تیری مشکل آسان کرتی ہے۔

یک نوائے سینہ تاب آوُردہ ام
عِشق را عہدِ شباب آوُردہ ام

فرہنگ: نوا۔نغمہ+ سینہ تاب۔سینہ روشن کرنے والی+ آوردہ ام۔میں لایا ہوں (آوردن۔لانا) عہد شباب۔جوانی کا دور+
ترجمہ: سینے کو روشن کرنے والا ایک نغمہ لایا ہوں۔(گویا) عشق کا عہد جوانی لایا ہوں۔

آشنائے من زمن بیگانہ رَفت
از خُمستانم تہی پیمانہ رَفت

فرہنگ: آشنائے من۔ میرا واقف+ بیگانہ۔ بے پروا+ خمستانم۔ میرا شراب خانہ+
ترجمہ: میرا واقف مجھ سے بے پروا ہو کر گزر گیا ہے۔ وہ میرے شراب خانے سے خالی پیالے کے ساتھ چلا گیا۔ مراد یہ کہ میری قوم نے میری شاعری سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

کم نظر بی تابیِ جانم نہ دید
آشکارم دید و پنہانم نہ دید

فرہنگ: کم نظر۔ غافل۔ محدود فکر رکھنے والا+ بی تابی جانم۔ میری روح کی تڑپ+ آشکارم۔ میرا ظاہر+ پنہانم ۔میرا باطن+
ترجمہ: محدود فکر رکھنے والے نے میری روح کی تڑپ نہیں دیکھی۔ (اس لیے) اس نے میرا ظاہری پن دیکھا۔ اور باطنی قوت نہ دیکھ سکا۔

از ہُنر سَرمایہ دارم کردہ اند
در دیارِ ہند خوارم کردہ اند

فرہنگ: ہنر۔ کمال+ سرمایہ دار۔ مال دار+ دیار۔ ملک+ خوارم کردہ اند۔ مجھے خوار کر رکھا ہے+
ترجمہ: تقدیر کے کاتبوں نے مجھے فن کے کمال کی دولت سے مالا مال کر رکھا ہے۔ (مگر) ہندوستان میں مجھے خوار کیا ہوا ہے۔(103)

حصہ 'پیشکش' میں دیے گئے پہلے پانچ منتخب اشعار اور دیگر اشعار کے ترجمہ کا جائزہ لینے سے درج ذیل اُمور ظاہر ہوتے ہیں۔

1- سب سے پہلے فارسی شعر دیا گیا ہے۔ شعر میں اعراب دیے گئے ہیں جس سے صحیح تلفظ کے ساتھ شعر پڑھنے میں مدد ملتی ہے۔

2- فرہنگ میں تمام ضروری الفاظ کے معانی دیے گئے ہیں جس سے شعر کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ بعض الفاظ کے ساتھ مترادف معانی بھی دیے گئے ہیں۔ مثلاً شعر نمبر 1 کے فرہنگ میں لکھا ہُوا ہے 'حزم تو ۔ تیری احتیاط، سوجھ بوجھ'۔ شعر نمبر 6 کے فرہنگ میں لکھا ہوا ہے۔ 'لالہ و گل ۔ پھول (مراد قوم کے نوجوان) شعر نمبر 9 کے فرہنگ میں لکھا ہوا ہے، 'لالہ صحرا۔ صحرا کا لالہ۔ ایک سرخ رنگ کا پھول جس کے اندر سیاہ داغ ہوتا ہے۔'

3- بعض فارسی افعال اور مشتقات کے اصل مصادر بھی درج کیے ہیں۔ مثلاً شعر نمبر 2 کے فرہنگ میں لکھا ہے، 'آوردہ ام۔ میں لایا ہوں (آوردن۔ لانا)'۔ شعر نمبر 7 کے فرہنگ میں لکھا ہے۔ دل زدیں برکندۂ ۔جس نے اپنے دل کو دین سے الگ کر لیا ہے۔ برکندۂ۔ اکھاڑا ہو (برکندن۔ کھینچنا۔ اکھاڑنا)'۔ شعر نمبر 1 2 کے فرہنگ میں لکھا ہے، 'ریز۔ تو ڈال (ریختن۔ ڈالنا) برتابد۔ برداشت نہیں کرتا (برتابیدن۔ برداشت کرنا)'۔

4- ترجمہ میں سلاست اور روانی پیدا کرنے کے لیے اور مفہوم واضح کرنے کے لیے قوسین میں توضیحی یا ربطی الفاظ دیے ہیں اور بعض مقامات پر ترجمہ کے آخر پر ایک دو جملوں میں مفہوم بھی دے دیا ہے۔ مثلاً انھوں نے شعر نمبر 3 کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ اس ترجمہ میں خط کشیدہ جملہ میں شعر کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

''میرا واقف مجھ سے بے پرواہ ہو کر گزر گیا۔ وہ میرے شراب خانے سے خالی پیالے کے ساتھ چلا گیا۔ مراد یہ کہ میری قوم نے میری شاعری سے فائدہ نہیں اٹھایا۔''

اسی طرح شعر نمبر 13 کے ترجمہ کے آخر پر قوسین میں دیا گیا توضیحی جملہ ملاحظہ کریں۔ گوہر صاحب لکھتے ہیں:

''ملت کے معاملات علم اور دولت ہی سے چلتے ہیں۔ علم اور دولت ملت کی ساکھ ہیں۔ (مسلمان اجتماعی طور پر ان دونوں چیزوں میں بہت پیچھے ہیں۔)''

محمد رمضان گوہر کے ترجمہ کی مذکورہ بالا خصوصیات ان کے ترجمہ میں شامل پیام مشرق کے دیگر حصوں کے اشعار کے ترجمہ میں بھی نظر آتی ہیں۔ اس لیے ان حصوں سے چند ایک اشعار کی مثالیں پیش کی جا رہی ہیں، جن کے فرہنگ و ترجمہ میں مندرجہ بالا خصوصیات ہی نظر آتی ہیں۔

حصہ لالۂ طور

دِل من روشن از سُوز دِرُون است
جہاں بیں چشمِ من از اشکِ خُون است

فرہنگ: سوز دروں۔ باطن کی حرارت + جہاں بیں۔ دنیا کو دیکھنے والی + اشک خون۔ خون کے آنسو +

ترجمہ: میرا دل۔ باطن کی حرارت سے روشن ہے۔ میری آنکھ خون کے آنسوؤں سے دنیا دیکھتی ہے۔

کُہن را نَو کُن و طرحِ دِگر ریز
دلِ ما بَرنتابد دیر و زُودش

فرہنگ: کہن۔ پرانا + نو کن۔ نیا کر (کردن۔ کرنا) دگر۔ اور طرح کی + ریز۔ تو ڈال (ریختن۔ ڈالنا) برتابد۔ برداشت نہیں کرتا (برتابیدن۔ برداشت کرنا) دیر و زودش۔ اس کی دیر اور جلدی +

ترجمہ: پرانے کو نیا کر اور کسی اور طرح کی بنیاد ڈال ہمارا دل اس کی دیر اور جلدی کو گوارا نہیں کرتا۔ (104)

حصہ افکار

ہَنوز ہم نَفَسے در چَمن نمی بینم
بَہار می رَسد و من گُلِ نخستینم

فرہنگ: ہنوز۔ ابھی + ہم نفسے۔ کوئی ساتھی + گل نخستینم۔ پہلا پھول + می رسد۔ پہنچ رہی ہے (رسیدن۔ کھینچنا) +

ترجمہ: میں اس چمن میں ابھی کوئی ساتھی نہیں دیکھتا۔ بہار آ رہی ہے اور میں پہلا پھول ہوں۔

دِلم بہ دُوش و نِگاہم بہ عبرت اِمروز
شہیدِ جلوۂ فردا و تازہ آئینم

فرہنگ: دِلم بہ دوش۔ میرا دل ماضی میں ہے + بہ عبرت امروز۔ آج سے عبرت لیتا ہوں (عبرت کے معنی ہیں برائی سے نصیحت حاصل کرنا) شہید جلوہ فردا۔ مستقبل کا جلوہ دیکھنے والا ہے + تازہ آئینم۔ نئی روش اور انداز والا ہوں +

ترجمہ: میرا دل ماضی میں ہے۔ اور میری نظر آج سے عبرت لینے میں (مصروف ہے) میں مستقبل کا جلوہ دیکھنے والا اور نئی روش رکھتا ہوں۔ (105)

حصہ مئے باقی

شبے بہ میکدہ خُوش گُفت پیر زندہ دِلے
بہ ہر زَمانہ خلیل است و آتشِ نمرُود

فرہنگ: پیرزندہ دلے۔زندہ دل رکھنے والا بزرگ+

ترجمہ: ایک رات میخانے میں ایک زندہ دل رکھنے والے بزرگ نے خوب کہا کہ ہرزمانے میں خلیل ہےاورنمرود کی آگ ہے۔

زَخاکِ خویش بہ تعمیر آدمے بَر خیز
کہ فُرصَتِ تو بقدرِ تبسّمِ شرراست

فرہنگ: زخاک خویش۔اپنی مٹی سے+ برخیز۔تو اٹھ (برخاستن۔اٹھنا) تبسم شرر۔چنگاری کی چمک+فرصت۔مہلت+

ترجمہ: تو اٹھ اور اپنی مٹی سے ایک (نیا) آدم ڈھال۔(یہ یادرکھ) کہ تجھے چنگاری کی چمک جتنی مہلت ملی ہے۔(106)

حصہ نقشِ فرنگ

اِے خُوش آں عقلِ کہ پہنائے دو عالم با اُوست
نورِ افرِشتہ و سُوزِ دلِ آدم با اُوست

فرہنگ: پہنائے دوعالم۔دونوں جہان کی وسعت+ باأوست۔اس کے ساتھ ہے+

ترجمہ: مبارک ہے وہ عقل کہ دونوں عالم کا پھیلاواس کے جلو میں ہے۔فرشتے کا نوراورآدم کے دل کا سوز (باطنی تڑپ) اس میں سمایا ہوا ہے۔

وقتِ آں است کہ آئینِ دِگر تازہ کُنیم
لوحِ دل پاک بشوئیم وز سرتازہ کُنیم

فرہنگ: تازہ کنیم۔زندہ کریں (تازہ کردن۔تازہ کرنا) لوحِ دل۔دل کی تختی پاک+ بشوئیم۔دھوکر پاک کریں (شستن۔دھونا) زسر۔سرے سے+

ترجمہ: وقت آ گیا ہے کہ ایک اورنظام کوزندہ کریں۔دل کی تختی۔دھوکر صاف کریں اور سارے امور نئے سرے سے شروع کریں۔(107)

حصہ خردہ

دِلم ہنوز تقاضائے جُستجو دارد
قدم بہ جادہ باریک تر زمُو زدہ اَم

فرہنگ: ہنوز۔اب تک+ تقاضائے جستجو دارد۔جستجو کی خواہش رکھتا ہے (داشتن رکھنا) جادہ باریک تر زمو۔بال سے باریک تر راستہ (قدم زدن۔قدم رکھنا)

ترجمہ: میرادل اب تک جستجو کی خواہش رکھتا ہے۔میں نے بال سے باریک تر راستے میں قدم رکھ دیا ہے۔

زاں پیش کہ کس تُرا بہ دستار زند
مُردن بکنارِ شاخسارے خُوشتر

فرہنگ: زاں پیش۔اس سے پہلے+شاخسارے پیڑوں کے جھنڈ میں+مردن۔مرنا+
ترجمہ: اس سے پہلے کہ کوئی تجھے دستار میں اڑس لے۔پیڑوں کی آغوش میں مرجانا اچھا (سمجھنا)۔

(108)

محمد رمضان گوہر کے ترجمہ وپیشکش میں کچھ کمزوریاں بھی نظر آتی ہیں۔

-1 محمد رمضان گوہر نے اپنی کتاب 'انتخاب کلیات اقبال فارسی' کے حصہ پیامِ مشرق میں 'پیامِ مشرق' کے مختلف حصوں سے منتخبہ ایک سوتیس اشعار کا ترجمہ دیا ہے۔انہوں نے سب سے پہلے فارسی شعر لکھا ہے۔ پھر فرہنگ میں مشکل الفاظ کے معانی دیے ہیں۔فرہنگ کے بعد سلیس اردو ترجمہ دیا ہے۔انہوں نے فارسی اشعار دیتے وقت صحتِ متن کا خیال رکھا ہے، تاہم بعض مقامات پر رموزِ واوقاف کی کچھ اغلاط نظر آتی ہیں۔مثلاً شعر نمبر 8 کے پہلا مصرع میں لفظ 'مسلماں' کی جگہ پر 'مسلمان' لکھاہُوا ہے شعر نمبر 24 اس طرح سے لکھاہوا ہے:

بَرآور ہرچہ اندر سینہ داری
سُرودے نالہ آہے فغانے

مندرجہ بالا شعر کے دوسرے مصرع کے چاروں الفاظ کو کوماز (،) سے جدا نہیں کیا گیا۔یہ رباعی نمبر 25 کا دوسرا شعر ہے۔درست شعر اس طرح ہے:

بَر آور ہرچہ اندر سینہ داری
سُرودے ، نالہ ، آہے ، فُغانے (109)

شعر نمبر 35 اس طرح سے لکھاہُوا ہے:

تو اے کُودک منش خُود را ادب کُن
مُسلماں زادۂ ترکِ نسب کُن (110)

مندرجہ بالا شعر رباعی نمبر 81 کا پہلا شعر ہے۔درست شعر اس طرح ہے:

تو اے کُودک منش خُود را ادب کُن
مُسلماں زادۂ؟ ترکِ نسب کُن (111)

-2 گوہر صاحب نے اپنی کتاب میں کلیاتِ اقبال فارسی کے مختلف حصوں سے منتخب اشعار کا ترجمہ دیا ہے۔ انہوں نے ہر شعر کے ساتھ اس کا حوالہ درج نہیں کیا۔اگر وہ اشعار کے حوالہ جات درج کردیتے تو مطالعہ وتحقیق میں آسانی رہتی اور قارئین اپنے ذوق کے مطابق کسی شعر کے حوالے کی مدد سے کلیاتِ اقبال فارسی کے دیگر کلام سے بھی استفادہ کرپاتے۔

-3 گوہر صاحب کا ترجمہ دینے کا انداز درست ہے، تاہم اگر وہ تحت اللفظی ترجمہ دے دیتے تو قارئین کو فارسی متن کو سمجھنے میں مزید آسانی ہوجاتی اور وہ بغیر کسی مدد اور سہارے کے فارسی متن کو سمجھنے کے قابل ہو جاتے۔انہوں نے شعر نمبر 1 کا ترجمہ اس ترتیب سے پیش کیا ہے:

نسیم سلام مشفق

از

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

'نسیم سلام مشفق' کلیاتِ اقبال فارسی کے متن، اردو ترجمہ اور تشریح پر مشتمل کتاب ہے۔ یہ کتاب 36 x 23 سائز پر پرنٹ ہوئی ہے۔ اس کے ٹائٹل کے صفحہ پر سب سے اوپر پہلی اور دوسری قطار میں درج ہے:

متن، اردو ترجمہ، تشریح

کلیاتِ اقبال

ان سے نیچے بائیں ہاتھ پر اقبال کی تصویر دی گئی ہے۔ دائیں طرف ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال میں شامل اقبال کے درج ذیل فارسی مجموعہ ہائے کلام کے نام دیے گئے ہیں:

1- اسرار و رموز
2- زبورِ عجم
3- پیامِ مشرق
4- جاوید نامہ
5- ارمغانِ حجاز
6- مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق مع مثنوی مسافر

ٹائٹل پر کتاب کا نام 'نسیم سلام مشفق'، مترجم کا نام 'ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم' اور ناشر کا نام 'شیخ محمد بشیر اینڈ سنز' درج ہے۔

پرنٹنگ کے صفحہ پر طابع 'محمد ابو بکر صدیق'، ناشر شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور، کمپوزر کا نام اور قیمت درج ہے۔ سال اشاعت اور بار اشاعت کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے فرزند ڈاکٹر سعادت سعید سے فون پر رابطہ ہوا تو انہوں نے بتایا ہے کہ یہ ترجمہ 1993ء میں شائع ہوا تھا۔

صفحہ نمبر 495 تا صفحہ نمبر 498 پر پیامِ مشرق کی مکمل فہرست اور صفحات نمبر دیے گئے ہیں۔ زیر مطالعہ ترجمہ و شرح پیامِ مشرق، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی میں شامل ہے۔ یہ کتاب دو صد اڑتیس (238) صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے بالائی حصہ میں ترجمہ و شرح پیامِ مشرق کے صفحات نمبر (1 تا 238) درج ہیں، جبکہ زیریں حصہ میں ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی کے صفحات نمبر (494 تا 731) درج ہیں۔

''فہرست'' کے بعد 'پیامِ مشرق' میں علامہ محمد اقبال کا تحریر کردہ 'دیباچہ' دیا گیا ہے۔ اس کے بعد 'پیش کش'

کا تعارف دیا گیا ہے اور پھر ترتیب سے فارسی متن اور اس کے نیچے اشعار کے نمبر دے کر ترجمہ دیا گیا ہے۔

تمام کتاب میں اول تا آخر تک ترجمہ کا یکساں اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ لفظی ہے، تاہم قوسین میں مشکل الفاظ کے معانی اور وضاحت طلب امور کا مفہوم دیا گیا ہے جس سے ترجمہ سلیس، رواں اور عام فہم ہو گیا ہے۔ تمام کتاب میں اسی انداز سے ترجمہ اور مفہوم دیا گیا ہے۔ بہت کم اشعار ایسے ہیں جہاں قدرے زیادہ وضاحت اور تشریح دی گئی ہے۔ مجموعی طور پر اس کتاب کو پیام مشرق کا ترجمہ تو قرار دیا جا سکتا ہے مگر اسے شرح کا مقام حاصل نہیں ہے۔

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم سے قبل میاں عبدالرشید اور احمد جاوید کے پیامِ مشرق کے تراجم شائع ہو چکے تھے۔ میاں عبدالرشید کا ترجمہ 1991ء میں اور احمد جاوید کا ترجمہ 1992ء میں شائع ہوا تھا۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ کے بعد 2004ء میں ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ و شرح پیامِ مشرق اور اس کے تین چار سال بعد حمید اللہ شاہ ہاشمی کا ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی شائع ہوئے۔

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کا ترجمہ کرنے کا انداز میاں عبدالرشید اور احمد جاوید کے انداز سے مختلف ہے۔ احمد جاوید نے تسہیل پیام مشرق میں 'فرہنگ' کے عنوان کے تحت تفصیل سے تمام مشکل الفاظ کے معانی دیے ہیں۔ انہوں نے ترجمہ کرتے وقت ہر ایک لفظ کے اصل مفہوم کو مدنظر رکھا ہے۔ ان کا زیادہ تر ترجمہ لفظی ہے اور اصل متن کی حقیقی طور پر نمائندگی کرتا ہے۔ میاں عبدالرشید کا ترجمہ بھی آسان، واضح اور عام فہم ہے مگر انہوں نے مشکل الفاظ کے معانی نہیں دیے اور بعض مقامات پر ترجمہ میں بھی کچھ کمی بیشی محسوس ہوتی ہے۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے بھی تمام کتاب میں کہیں بھی مشکل الفاظ کے معانی نہیں دیے۔ اگر ترجمہ میں کوئی مشکل الفاظ یا جملہ آ گیا تو قوسین میں اس کا مفہوم دے کر ترجمہ عام فہم کر دیا ہے۔ ان کی کوشش اس لحاظ سے مستحسن ہے کہ انہوں نے اپنے پیشرو مترجمین کی نقل نہیں لگائی۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی نے اپنے اپنے ترجمہ و تشریح میں اپنے پیشرو مترجمین کے ترجمہ و شرح سے استفادہ کیا ہے مگر اس کا برملا اعتراف نہیں کیا ہے۔ اس طرح وہ سرقہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی نے تو لفظ بہ لفظ مواد نقل کیا ہے اور جا بجا دوسروں کے جملے لے کر بھی دے دیے ہیں یعنی patch work quilt کے مرتکب ہوئے ہیں۔

رباعی نمبر 21

منثور ترجمہ از ڈاکٹر الف د نسیم	متن از پیامِ مشرق
میں نے سنا ہے کہ عدم میں (جب اس نے ابھی وجود اختیار نہیں کیا تھا) پروانہ (خالق کائنات سے) کہہ رہا تھا + کہ ایک لمحہ کے لیے مجھے زندگی کی تب و تاب (تڑپ اور جلن) بخش دے۔	شنیدم در عدم پروانہ می گفت دمے از زندگی تاب و تبم بخش
صبح کے وقت میری خاکستر (راکھ) کو (بے شک) بکھیر دینا + لیکن ایک رات کا سوز و ساز جلنے اور مزہ لینے کی کیفیت) عطا کر دے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے ایک ساز گار رات عطا کر دے وہ رات جو سوز بھری ہو۔ (113)	پریشان کن سحر خاکسترم را ولیکن سوز و ساز یک شبم بخش (112)

ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کا ترجمہ اصل متن کے عین مطابق ہے۔اگر ترجمہ میں سے قوسین میں دیے گئے الفاظ اور جملے نکال دیے جائیں تو یہ لفظی ترجمہ بن جاتا ہے۔اگر تمام ترجمہ قوسین میں دیے گئے الفاظ اور توضیحی جملوں کے ساتھ پڑھیں تو یہ ترجمہ بامحاورہ شکل اختیار کر جاتا ہے۔اس سے رباعی کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے، تاہم اسے شرح قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس میں وضاحت نہیں کی گئی کہ اس رباعی کا مرکزی خیال کیا ہے؟ فکر اقبال کی رو سے سوز و ساز سے کیا مراد ہے اور اس کی انسان کے لیے ضرورت و اہمیت کیا ہے؟ رباعی میں پروانہ کا استعارہ کس کے لیے استعمال ہُوا ہے؟

اس رباعی کے ترجمہ، مفہوم اور شرح کے حوالے سے تحقیق کے دوران معلوم ہُوا ہے کہ پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی نے اس رباعی کے ترجمہ و شرح میں ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے ترجمہ سے یہ جملہ نقل کیا ہے:

"......اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجھے ایک سازگار رات عطا کر دے وہ رات جو سوز بھری ہو۔....."(114)

ہاشمی صاحب کے تمام ترجمہ و شرح میں یہی رنگ نظر آتا ہے۔اس سلسلہ میں ضروری تفصیلات، مقالہ میں شامل ہاشمی صاحب کے ترجمہ و شرح کے مقالہ پر مبنی مضمون میں دے دی گئی ہیں۔

لالۂ طور (رباعیات)

رباعی نمبر 25، دوسرا شعر

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم	اصل متن از پیامِ مشرق
جو کچھ تو سینے میں رکھتا ہے باہر لے آ + (چاہے) وہ سرود (گانا) ہو نالہ ہو آہ ہو فریاد ہو۔	برآور ہر چہ اندر سینہ داری سُرودے، نالۂ، آہے، فُغانے
(116)	(115)

1- مندرجہ بالا شعر کا ترجمہ عین درست ہے۔

2- ڈاکٹر الف۔د۔نسیم نے پہلے مصرع کا ترجمہ کرنے کے بعد جمع کی علامت (+) دی ہے۔اس کے بعد دوسرے مصرع کا ترجمہ دیا ہے۔جمع کی علامت (+) ظاہر کرتی ہے کہ پہلے مصرعے کا ترجمہ مکمل ہو گیا ہے۔اب دوسرے مصرعے کا ترجمہ شروع ہو رہا ہے۔

3- ڈاکٹر صاحب نے ترجمہ میں روانی برقرار رکھنے کے لیے قوسین میں لفظ (چاہے) تحریر کیا ہے۔انہوں نے لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار رکھی ہے اور قوسین میں اضافی (توضیحی و ربطی) الفاظ و جملے دے کر ترجمہ کا مفہوم بھی واضح کیا ہے۔

4- ڈاکٹر صاحب نے فارسی متن کے ساتھ اردو ترجمہ دیا ہے، تاہم تمام ترجمہ میں کہیں بھی مشکل الفاظ کے معانی نہیں دیے۔ دورانِ ترجمہ جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی، وہاں قوسین میں معانی دے دیے ہیں۔مثلاً مندرجہ بالا رباعی کے دوسرے مصرعے کے ترجمہ میں انہوں نے قوسین میں لفظ 'سرود' کا مطلب 'گانا' تحریر کیا ہے۔

5- ڈاکٹر صاحب کے ترجمہ میں ایک اور کمزوری یہ نظر آتی ہے کہ انہوں نے بعض مقامات پر رموزِ اوقاف

کے درست استعمال کا خیال نہیں رکھا۔ مندرجہ بالا شعر کے دوسرے مصرعے کے ترجمہ میں انہوں نے کوما (،) استعمال نہیں کیا۔

انہوں نے ترجمہ تحریر کیا ہے ’(چاہے) وہ سرود (گانا) ہو نالہ ہو آہ ہو فریاد ہو‘۔ رموزِ اوقاف کے استعمال کے ساتھ درست انداز سے یہ ترجمہ اس طرح لکھا جائے گا:

’’(چاہے) سرُود (گانا) ہو، نالہ ہو، آہ ہو، فریاد ہو۔‘‘

ڈاکٹر الف۔د۔نسیم نے تمام ترجمہ میں مندرجہ بالا اسلوب برقرار رکھا ہے۔ان کے اسلوبِ ترجمہ کا جامع انداز سے جائزہ لینے کے لیے تمام پیامِ مشرق کے مختلف حصوں سے چند ایک مزید مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

رباعی نمبر 27، دوسرا شعر

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم
من آں پروانہ را پروانہ دانم کہ جانش سخت کوش و شُعلہ نوش است (117)	میں اس پروانے کو پروانہ سمجھتا ہوں (جو شمع کی لو کے گرد ایک لمحہ کے لیے چکر لگا کر فنا کی نیند نہ سو جائے) + بلکہ وہ سخت کوش اور شعلہ نوش ہو یعنی نہایت کوشش کرنے والا اور عشق سے لذت حاصل کرنے والا ہو۔(118)

1- مندرجہ بالا ترجمہ عین درست اور متن کے مطابق ہے۔

2- ترجمہ میں خط کشیدہ جملے لفظی ترجمہ کو ظاہر کرتے ہیں جبکہ باقی جملے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے دیے گئے ہیں۔

3- ڈاکٹر الف۔د۔نسیم صاحب نے تمام ترجمہ میں مفہوم واضح کرنے کے لیے قوسین میں توضیحی (الفاظ یا جملے) دیے ہیں یا پھر ربطی الفاظ (مراد یہ ہے، یعنی، اس کا مطلب یہ ہے) استعمال کر کے مفہوم تحریر کر دیا ہے۔ مندرجہ بالا ترجمہ میں بھی یہی طرزِ تحریر نظر آتا ہے۔ انہوں نے پہلے مصرعے میں قوسین کے اندر توضیحی جملہ تحریر کیا ہے جبکہ دوسرے مصرعے میں لفظ 'یعنی' استعمال کر کے مختصر الفاظ میں مفہوم بیان کر دیا ہے۔

4- ڈاکٹر صاحب نے تمام کتاب میں ہر ایک شعر کے ترجمہ کا مفہوم واضح کرنے کے لیے اس کے ترجمہ کے ساتھ ایک دو اضافی جملے ہی تحریر کیے ہیں۔ بعض مقامات پر چار پانچ جملے بھی تحریر کر دیے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی اس کوشش کو ترجمہ تو قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر شرح کا مقام نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس قدر تنگ دائرہ تحریر میں شرح کے تقاضے پورے نہیں کیے جا سکتے۔

رباعی نمبر 30

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم
بروں از ورطۂ بُود و عدم شو فزوں تر زیں جہانِ کیف و کم شو	بود و عدم (ہستی اور نیستی) کے بھنور سے باہر آ + اس کیف و کم (کیسا اور کتنا یا کیفیت اور مقدار) کے جہان سے بلند رہ مراد ہے تجھے یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ تو اور تیرا جہان کبھی نہیں تھا اب

موجود ہے اور پھر نہیں رہے گا تجھے اس پر غور کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ تو یا تیرا جہان کیسا ہے اور کتنا ہے (تجھے فلسفیانہ مسائل اور حالات و اسرار کی بحث میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے)۔

خودی تعمیر کن در پیکرِ خویش چو ابراہیمؑ معمارِ حرم شو (119)	تو اپنے پیکر (جسم) کے اندر خودی (کا کعبہ) تعمیر کر + حضرت ابراہیمؑ کی طرح اس حرم (کعبہ) کا معمار بن۔(120)

-1 مندرجہ بالا ترجمہ متن کے مطابق ہے اور عین درست ہے۔

-2 ڈاکٹر صاحب نے پہلے شعر کا تو مفہوم واضح کر دیا ہے مگر دوسرے شعر کے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔ اگر حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت و کردار کے حوالے سے خودی کا مفہوم واضح کر دیا جاتا تو عام قاری اس ترجمہ سے اچھی طرح سے استفادہ کر پاتا۔

رباعی نمبر 41

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم
نہ پیوستم دریں بستانسرا دل ز بندِ این و آں آزادہ رفتم	میں نے اس دنیا سے جو باغ کی مانند دلکش اور خوبصورت دکھائی دیتی ہے دل نہیں لگایا + میں جب تک جیا میں ''اس اور اس) کے بندھنوں یعنی دنیاوی علائق اور آلائش کی زنجیروں سے آزاد رہا اور آزاد چلا گیا۔
چو بادِ صبح گردیدم دمے چند گلاں را آب و رنگے دادہ رفتم (121)	صبح کی ہوا کی مانند میں کچھ دیر کے لیے گھوما + (اس عرصہ میں) میں نے پھولوں کو رنگ اور زینت عطا کی اور چلا گیا۔ (مراد ہے میں نے اپنی زندگی کو دوسروں کے فائدے کے لیے صرف کیا اور یہی زندگی کا اعلیٰ ترین مصرف ہے اور اپنا کام سرانجام دینے کے بعد جہان سے رخصت ہو گیا)۔(122)

-1 ڈاکٹر صاحب نے مندرجہ بالا رباعی کا عین درست ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ میں ہر ایک لفظ کے مفہوم کا خیال رکھا گیا ہے اور مجموعی مفہوم بھی ادا کر دیا گیا ہے۔

-2 دونوں اشعار کے ترجمہ کے ساتھ مختصر اور جامع انداز میں ان کا مفہوم بھی دے دیا ہے۔

-3 پہلے شعر کے ترجمہ میں مفہوم واضح کرنے کے لیے آخر میں ایک توضیحی جملہ دیا گیا ہے۔ اس شعر کے، ترجمہ میں ڈبل کوما ('') اور قوس ')' کی ضرورت نہیں تھی۔ مزید یہ کہ 'این و آں' کا ترجمہ 'اِس اور اُس' ہے۔

مگر یہ الفاظ اعراب کے بغیر دیے گئے ہیں۔اس لیے ان کا مفہوم واضح نہیں ہے۔اسی طرح توضیحی جملوں میں دنیاوی علائق کے ساتھ لفظ 'آلائش' کی جگہ پر 'آلائشوں' آنا چاہیے۔آخری جملہ اس طرح سے آنا چاہیے:

مجوزہ متن از راقم الحروف	ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کا تحریر کردہ متن
میں جب تک جیا میں اِس اور اُس کے بندھنوں یعنی دنیاوی علائق اور آلائشوں کی زنجیروں سے آزاد رہا اور آزاد چلا گیا۔	میں جب تک جیا میں اس اور اس) کے بندھنوں یعنی دنیاوی علائق اور آلائش کی زنجیروں سے آزاد رہا اور آزاد چلا گیا۔

مندرجہ بالا متون میں ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے ترجمہ میں خط کشیدہ الفاظ اغلاط کو اور مجوزہ ترجمہ میں خط کشیدہ الفاظ ان کے متبادل الفاظ کو ظاہر کرتے ہیں۔

4- دوسرے شعر کا ترجمہ اور مفہوم عین درست ہیں۔اس میں کسی قسم کی اغلاط نہیں پائی جاتیں۔ڈاکٹر صاحب نے قوسین کے استعمال سے لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت کو بھی برقرار رکھا ہے اور ترجمہ کا مفہوم بھی واضح کر دیا ہے۔راقم الحروف نے ترجمہ میں لفظی ترجمہ کی نشاندہی کے لیے ان کے نیچے خط لگا دیا ہے۔خط کشیدہ جملوں کے علاوہ قوسین میں اور قوسین کے بغیر دیے گئے الفاظ و جملے، ترجمہ کا مفہوم واضح کرنے کے لیے دیے گئے ہیں۔

5- مندرجہ بالا رباعی کے ترجمہ و مفہوم کی طرح ڈاکٹر الف۔د۔نسیم نے تمام ترجمہ میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔مجموعی طور پر ان کا تمام ترجمہ عین درست ہے اور انہوں نے مختصر اور جامع انداز سے چند ایک الفاظ اور جملوں کی مدد سے ترجمہ کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ کافی حد تک کامیاب رہے ہیں۔

رباعی نمبر 46، دوسرا شعر

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم	اصل متن از پیامِ مشرق
(کوہ طور پر تجلی کی گدائی کے لیے جانے کی بجائے دنیا میں) کسی آدمی (مرد کامل) کی تلاش میں قدم بڑھا + کیونکہ (جس خدا کی تلاش میں تو طور پر جا رہا ہے وہ تو خود آدمی کی تلاش میں ہے ایسے آدمی کی تلاش میں جو خودی یا خود معرفتی کا حامل ہو اس لیے کہ جو اپنی معرفت رکھتا ہے اپنے خدا کی معرفت بھی وہی رکھتا ہے)۔(124)	قدم در جستجوئے آدمے زن خدا ہم در تلاشِ آدمے ہست (123)

ڈاکٹر صاحب نے مندرجہ بالا رباعی کا درست ترجمہ دیا ہے۔اس رباعی میں خط کشیدہ جملے لفظی ترجمہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے قوسین کی مدد سے ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے مگر ایسا کر نہیں سکے۔انہوں نے توضیحی جملوں کی مدد سے ترجمہ کا مفہوم واضح کر دیا ہے۔

رباعی نمبر 60

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم
میارا بزم بر ساحل کہ آنجا نوائے زندگانی نرم خیز است	ساحل پر بزم آراستہ نہ کر کیونکہ اس جگہ + زندگی کی نوا نرم خیز ہے (ملائم آواز پیدا ہوتی ہے مراد ہے زندگی آسان ہے)۔
بدریا غلط و با موجش در آویز حیاتِ جاوداں اندر تیز است (125)	دریا میں غوطہ لگا (اور) اس کی موجوں سے لپٹ + (کیونکہ ہمیشہ کی زندگی تصادم (جنگ) میں ہے (مشکلات اور رکاوٹوں سے جنگ کرنے میں ہے)۔(126)

1- مندرجہ بالا رباعی کا ترجمہ بھی آسان اور عام فہم ہے، تاہم قوسین کے ناموزوں استعمال کی وجہ سے ترجمہ اور مفہوم کی عبارت آپس میں مل گئی ہے۔ مثلاً شعر نمبر 2 کے پہلے مصرعے کے ترجمہ میں قوسین کے اندر لفظ 'اور' تحریر کیا گیا ہے۔ یہاں قوسین کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ یہ لفظ ترجمہ کا حصہ ہے۔

2- احمد جاوید کے ترجمہ تسہیل پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 102 پر دیے گئے فرہنگ کے مطابق 'نوائے زندگی' سے مراد 'زندگی کا نغمہ' ہے۔ 'نرم خیز' سے مراد آہستگی سے، دھیرے دھیرے اٹھنے والا، دھیمے سُر وں والا' ہے ۔ 'نوائے زندگی نرم خیز است' کا مطلب ہے 'زندگی کا نغمہ دھیمے دھیمے اُٹھان پکڑتا ہے'۔ ڈاکٹر الف۔د۔ نسیم نے اس کا ترجمہ کیا ہے 'زندگی کی نوا نرم خیز ہے'۔ الفاظ 'نوا' اور 'نرم خیز' سے لاعلم قاری اس ترجمہ سے کوئی مفہوم اخذ نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کا اس مصرعے کا ترجمہ مزید وضاحت طلب ہے۔

رباعی نمبر 71، پہلا شعر

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم
تو خورشیدی و من سیارۂ تو سراپا نُورم از نظارۂ تو (127)	تو (اے میرے خالق) سورج ہے تو میں (تیرے گرد گھومنے والا اور تجھ سے روشنی حاصل کرنے والا) سیارہ ہوں + میں جو سرتاپا نور ہوں وہ تیرے دیدار کی وجہ سے ہے (یہ روشنی میری اپنی نہیں تیری عطا کردہ ہے)۔(128)

رباعی نمبر 72، دوسرا شعر

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم
مرا صاحبدلے ایں نکتہ آموخت زمنزل جادۂ پیچیدہ خُوشتر (129)	مجھے ایک دل والے نے (جو دل کی حقیقت سے آشنا تھا) یہ باریک یا رمز کی بات سکھائی + کہ منزل سے پیچدار راستہ زیادہ اچھا ہے (کیونکہ منزل مل جائے تو آرزو ختم ہو جاتی ہے اور آرزو ختم ہو جائے تو دل مر جاتا ہے اس لیے اہل دل کے

نزدیک وصل سے جدائی بہتر ہے۔(130)

رباعی نمبر 81، دوسرا شعر

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم
تلاشِ او کنی ، جز خود نہ بینی تلاشِ خود کنی ، جز او نیابی (131)	(اگر) تو اس کو تلاش کرلے گا تو اپنے آپ کے سوا کچھ نہیں دیکھے گا + (اگر) خود کو تلاش کر لے گا (اپنی معرفت حاصل کرلے گا) تو سوائے اس کے کچھ نہیں پائے گا (یہ بہت ہی نازک باریک اور عارفانہ مسئلہ ہے جس کے مطابق خدا کو پانا خود کو پانا اور خود کو پانا خدا کو پانا ہے)۔(132)

-1 رباعی نمبر 71، رباعی نمبر 72 اور رباعی نمبر 81 کے منتخب اشعار کے تراجم متون کے مطابق عین درست ہے۔ یہ تراجم آسان، سلیس اور عام فہم ہیں۔

-2 قوسین میں دیے گئے الفاظ اور توضیحی جملوں کی وجہ سے ہر رباعی کے ترجمہ کا مفہوم واضح ہو گیا ہے۔

-3 ترجمہ میں دی گئی جمع کی علامت (+) ظاہر کرتی ہے کہ ایک مصرعے کا ترجمہ مکمل اور دوسرے مصرعے کا ترجمہ شروع ہو گیا۔

-4 ڈاکٹر صاحب نے نہایت مختصر مگر جامع انداز سے ترجمہ کا مفہوم واضح کر دیا ہے۔

-5 ڈاکٹر صاحب کی اس کوشش کو ترجمہ و مفہوم تو قرار دیا جا سکتا ہے، مگر شرح کا مقام نہیں دیا جا سکتا کیونکہ شرح میں شعر کے تمام صوری و معنوی محاسن مدنظر رکھتے ہوئے، ہر ضروری پہلو کے لحاظ سے کھل کر وضاحت کی جاتی ہے جبکہ ڈاکٹر صاحب کے ترجمہ میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ ڈاکٹر صاحب نے ترجمہ دیا ہے اور مختصر اور جامع انداز سے ہر شعر کا مفہوم واضح کر دیا ہے۔

تسخیر فطرت: (۳) اغوائے آدم، آخری شعر

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم
تو نہ شناسی ہنوز ، عشق بمیرد ز وصل چیست حیاتِ دوام؟ سوختنِ ناتمام (133)	تو ابھی تک نہیں جانتا کہ وصل سے شوق مر جاتا ہے + ہمیشہ کی زندگی کیا ہے ناتمام جلنا ہے (پورے طور پر نہ جلنا بلکہ سلگتے رہنا ہے) (وصل کی بجائے ہجر میں لذت ہے)۔(134)

-1 مندرجہ بالا شعر کا ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔

-2 ڈاکٹر صاحب نے 'ناتمام جلنا' کا مفہوم واضح کر دیا ہے کہ اس سے مراد 'پورے طور پر نہ جلنا بلکہ سلگتے رہنا' ہے۔

-3 آخری جملے میں انہوں نے اس شعر کا مرکزی خیال بیان کر دیا ہے کہ 'وصل کی بجائے ہجر میں لذت ہے'۔

حکمت و شعر، پہلا شعر

اصل متن از پیامِ مشرق

بُو علی اندر غُبارِ ناقہ گم
دستِ رُومی پردۂ محمل گرفت
(135)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

بو علی سینا اونٹنی کے غبار میں گم رہا + مولانا روم کے ہاتھ نے اونٹنی پر رکھے ہوئے کجاوہ کا پردہ پکڑ لیا (اس میں جلوہ افروز محبوبہ کو دیکھ لیا) مراد ہے عقل یا حکمت حقیقت کا اندازہ کر سکتی ہے اس کا عرفان نہیں کر سکتا۔ اس کا عرفان صرف عشق کو ہوتا ہے اس شعر میں بو علی سینا کو حکمت کے اور رومی کو عشق کے نمائندہ کے طور پر پیش کر کے عقل و عشق کی طاقت اور رسائی کی بات کی گئی ہے۔(136)

حکمت و شعر، تیسرا شعر

اصل متن از پیامِ مشرق

حق اگر سوزے ندارد حکمت است
شعر میگردد چو سوز از دل گرفت
(137)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

حق اگر سوز نہیں رکھتا تو وہ حکمت ہے + جب وہ دل سے سوز حاصل کرتا ہے تو شعر بن جاتا ہے۔ یعنی حقیقت بے سوز فلسفہ اور حقیقت باسوز شعر ہے۔(138)

1- نظم حکمت و شعر کے پہلے اور تیسرے شعر کا ترجمہ متن کے مطابق اور عین درست ہے۔

2- پہلے شعر کے ترجمہ میں لفظ 'کچاوہ' غلط لکھا ہوا ہے۔ اصل لفظ 'کجاوہ' ہے۔ اس طرح درج ذیل جملہ بھی غلط ہے:

"..... عقل یا حکمت حقیقت کا اندازہ کر سکتی ہے اس کا عرفان نہیں کر سکتا"۔

درست جملہ یہ ہے:

"..... عقل یا حکمت حقیقت کا اندازہ کر سکتی ہے اس کا عرفان حاصل نہیں کر سکتی"۔

3- تیسرے شعر کا ترجمہ بھی درست ہے۔ ترجمہ کے آخر پر آسان الفاظ میں شعر کا مفہوم دے دیا گیا ہے کہ 'حقیقت بے سوز فلسفہ اور حقیقت باسوز شعر ہے'۔

شبنم: دوسرا بند، شعر نمبر 1

اصل متن از پیامِ مشرق

من عیشِ ہم آغوشیِ دریا نہ خریدم
آں بادہ کہ از خویش رباید نچشیدم
(139)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

(شبنم بولی) میں دریا سے ہم آغوشی کی عیش نہیں خریدوں گی + وہ شراب جو مجھے اپنے آپ سے لوٹ لے (غافل کر دے) نہیں پیوں گی مراد ہے کہ سمندر کے پانی میں مل کر میری اپنی انفرادیت اور شناخت ختم ہو جائے گی۔(140)

1- مندرجہ بالا شعر کا ترجمہ متن کے عین مطابق اور درست ہے۔
2- ترجمہ کے آخر پر ایک جملہ دے کر، شعر کا مفہوم واضح کر دیا گیا ہے۔
3- ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کی اس کتاب کے ٹائٹل پر درج ہے کہ متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ تشریح بھی دی گئی ہے۔ درحقیقت اس کتاب میں متن اور اردو ترجمہ تو دیے گئے ہیں مگر تشریح نہیں دی گئی۔ بعض پبلشرز کاروباری حربے کے طور پر اصل حقیقت کو چھپا لیتے ہیں اور غلط بیانی سے کام لے کر اپنی مطبوعہ کتب فروخت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کتاب کے ٹائٹل پر بھی لفظ 'شرح' لکھ کر قارئین کو دھوکا دیا گیا ہے۔ اسی طرح شرح پیامِ مشرق از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور شرح پیامِ مشرق از پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی میں بھی صرف ترجمہ اور مفہوم دیے گئے ہیں مگر ان میں کہیں بھی شرح نظر نہیں آتی۔

حور و شاعر: شاعر، شعر نمبر 4

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم
ز شرر ستارہ جویم، ز ستارہ آفتابے سرِ منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے (141)	میں چنگاری سے ستارہ اور ستارہ سے سورج کی تلاش میں نکلتا ہوں + میں کسی خاص منزل کا ارادہ نہیں رکھتا کیونکہ کسی ایک جگہ قرار کرنے سے مر جاؤں گا مراد ہے بطور طالب حسن یا حامل عشق ختم ہو جاؤں گا۔ عشق کی زندگی فراق میں ہے۔(142)

1- مندرجہ بالا شعر کا ترجمہ عین درست اور اصل متن کے مطابق ہے۔
2- مندرجہ بالا ترجمہ میں خط کشیدہ الفاظ لفظی ترجمہ کو ظاہر کرتے ہیں جبکہ آخری دو جملے مفہوم اور مطلب بیان کرتے ہیں۔
3- اس شعر کا مفہوم قدرے واضح انداز سے بھی دیا جا سکتا تھا۔ اقبال نے اس شعر میں تخلیقِ مقاصد، عملِ پیہم اور جہد مسلسل کا درس دیا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ ایک مقصد کی تکمیل ہونے پر کوئی اور اعلیٰ مقصد مقرر کرے اور اس کے حصول کے لیے کوشش اور عمل میں مصروف ہو جائے۔ اس طرح مسلسل حرکت و عمل سے اس کی خودی کی تکمیل ہوتی رہے گی۔

غزل نمبر 17، شعر نمبر 8

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔د۔نسیم
مریدِ ہمت آں رہروم کہ پا نگذاشت بہ جادۂ کہ در و کوہ و دشت و دریا نیست (143)	میں اس مسافر کی ہمت کا مرید ہوں کہ جس نے پاؤں نہیں رکھا + اس راستہ پر جس میں پہاڑ + بیابان اور دریا نہیں ہیں (ایسا وہی مسافر کرے گا جو صاحب عزم و ہمت ہوگا)۔(144)

غزل نمبر 36، آخری شعر (مقطع)

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم
بیا بمجلسِ اقبالؔ و یک دو ساغر کش اگرچہ سر نتراشد ، قلندری داند (145)	اقبال کی محفل میں آ اور ایک دو پیالے پی + وہ (قلندروں کی طرح اگرچہ) سر مونڈھا نہیں (پیروں فقیروں کی وضع نہیں رکھتا) لیکن قلندری جانتا ہے یعنی وہ فقر کے اور قلندری کے طور طریقوں اور رموز و اسرار سے واقف ہے آ تو بھی اس سے فیض یاب ہو (تراشد کے معنی اگر مونڈنا کے سمجھ میں آتے ہیں لیکن یہاں مراد مونڈنا نہیں منڈوانا ہے۔) (146)

خُردہ نمبر 1، دوسرا شعر

اصل متن از پیامِ مشرق	منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم
باسکندرِ خضر در ظلمات گفت مرگ مشکل، زندگی مشکل تراست (147)	خضر نے بحرِ ظلمات میں (جہاں سکندر خضر کی راہنمائی میں آبِ حیات پی کر ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے گیا تھا) سکندر سے کہا (کہ پانی پینے سے پہلے سوچ لے کہ) موت ضرور مشکل ہے یعنی آدمی مرنا نہیں چاہتا لیکن زندگی اس سے زیادہ مشکل ہے (زندہ رہنے کے لیے سخت محنت کرنی پڑتی ہے ہر قدم پر دشواریوں کا سامنا ہے۔ سکون و آرام کہیں نہیں)۔ (148)

1- غزل نمبر 17، شعر نمبر 8، غزل نمبر 36، آخری شعر (مقطع) اور خُردہ نمبر 1 کے، دوسرے شعر کے تراجم میں خط کشیدہ جملے، لفظی ترجمہ کو ظاہر کرتے ہیں جبکہ دیگر الفاظ اور جملے مفہوم واضح کرنے کے لیے دیے گئے ہیں۔

2- مذکورہ بالا اشعار کے تراجم عین درست اور متن کے مطابق ہیں۔

3- توضیحی الفاظ اور جملوں سے ترجمہ میں سلاست اور بلاغت پیدا ہوگئی ہے اور مفہوم بھی واضح ہوگیا ہے۔

4- ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کا ترجمہ کرنے کا انداز دیگر مترجمین سے مختلف ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے اسلوبِ ترجمہ کے محاسن کا حتمی جائزہ لینے کے لیے خردہ نمبر 1 کے دوسرے شعر کے حوالے سے دیگر مترجمین کے تراجم بھی پیشِ خدمت ہیں:

میاں عبدالرشید کا ترجمہ	احمد جاوید کا ترجمہ
ظلمات میں خضرؑ نے سکندر سے کہا، (بیشک) موت مشکل ہے مگر زندگی اس سے مشکل تر ہے (ظلمات وہ جگہ جہاں آبِ حیات ہے) (149)	خضر نے آبِ حیات کے اندھیرے کنارے پر سکندر سے کہا موت دشوار ہے زندگی دشوار تر (150)

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ

خضر نے سکندر سے ظلمات میں کہا کہ موت مشکل ہے
لیکن زندگی اس سے زیادہ مشکل ہے
یعنی یہ کہا کہ آب حیات پینے سے پہلے یہ بات
''موت مشکل ہے..... ''سوچ لے گویا زندہ رہنے
کے لیے سخت محنت کی ضرورت ہے کیونکہ ہر ہر قدم پر
انسان کو مختلف دشواریوں اور مسائل سے سابقہ رہتا
ہے اور سکون و آرام اس کے لیے ممکن نہیں
رہتا۔(151)

پروفیسر حمید اللہ ہاشمی کا ترجمہ

خضر نے آب حیات کے اندھیرے کنارے پر
سکندر سے کہا (بیشک) موت دشوار ہے (مگر)
زندگی اس سے دشوار تر ہے۔(152)

5- مندرجہ بالا تراجم کے باہمی تقابل و جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ

(ا) احمد جاوید صاحب نے شعر کا لفظی ترجمہ دیا ہے۔انہوں نے مفہوم واضح نہیں کیا ہے۔انہوں نے ترجمہ یا فرہنگ میں خضرؑ اور سکندر کی شخصیات کا تعارف نہیں کرایا اور ان تلمیحات کی وضاحت نہیں کی۔

(ب) میاں عبدالرشید صاحب نے بھی لفظی ترجمہ ہی دیا ہے۔انہوں نے بھی خضرؑ اور سکندر کا تعارف نہیں کرایا اور نہ ہی اس شعر کے حوالے سے خضرؑ و سکندر کے باہمی تعلق اور اس مکالمے کا پس منظر بیان کیا ہے۔ انہوں نے ترجمہ میں تسلسل قائم کرنے کے لیے قوسین میں لفظ 'بے شک' دیا ہے اور ترجمہ کے آخر پر مختصراً تحریر کر دیا ہے کہ 'ظلمات وہ جگہ جہاں آبِ حیات ہے'۔

(ج) پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی نے اس شعر کے معانی احمد جاوید کے ترجمہ کے صفحہ نمبر 699 سے نقل کئے ہیں۔اسی طرح احمد جاوید والا ترجمہ بھی نقل کر دیا ہے۔انہوں نے اس ترجمہ میں قوسین کے اندر دو الفاظ 'بیشک' اور 'مگر' کا اضافہ کیا ہے۔ان الفاظ میں سے بھی لفظ 'بیشک' میاں عبدالرشید کے ترجمہ میں سے اخذ کیا ہوا معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہاشمی صاحب کے تمام ترجمہ میں ان کی ذاتی کوشش نظر نہیں آتی۔انہوں نے پیامِ مشرق کا تمام ترجمہ اور الفاظ معانی احمد جاوید کے ترجمہ و فرہنگ از تسہیل پیامِ مشرق سے نقل کیے ہیں۔اگر اس ترجمہ میں کوئی اضافہ لفظی یا جملہ نظر آتا ہے تو تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لفظ، جملہ یا توضیحِ شعر بھی پروفیسر یوسف سلیم چشتی، ڈاکٹر الف۔د۔نسیم یا میاں عبدالرشید کے ترجمہ سے اخذ کیا گیا ہے۔

(د) دیگر تراجم سے موازنہ کریں تو ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کا ترجمہ زیادہ واضح ہے۔انہوں نے میاں عبدالرشید کی نسبت زیادہ بہتر انداز سے بحرِ ظلمات کا تعارف دیا ہے۔ میاں عبدالرشید نے لکھا ہے:
''(ظلمات وہ جگہ جہاں آبِ حیات ہے۔)''
ڈاکٹر الف۔د۔نسیم ترجمہ میں لکھتے ہیں:
''خضر نے بحرِ ظلمات میں (جہاں سکندر خضر کی راہنمائی میں آبِ حیات پی کر ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے گیا تھا) سکندر سے کہا..... ''
دیگر مترجمین کی طرح ڈاکٹر الف۔د۔نسیم نے بھی خضرؑ اور سکندر کی شخصیات کا تعارف نہیں کرایا اور نہ ہی

ان کے اس باہمی مکالمے کا پس منظر بیان کیا ہے، تاہم انہوں نے قوسین کے استعمال سے لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار رکھتے ہوئے شعر کا مفہوم واضح کر دیا ہے۔

(ہ) ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کے تمام ترجمہ کا ڈاکٹر الف ۔د۔نسیم کے ترجمہ سے موازنہ کریں تو ان کے تراجم اور مفاہیم میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔خردہ نمبر 1 کے دوسرے شعر کے ترجمہ ومفہوم میں بھی یہی صورت نظر آتی ہے۔تقابل وجائزہ کے لیے دونوں حضرات کے تراجم ومفاہیم ملاحظہ کریں:

ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کا ترجمہ	ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ ومفہوم
خضر نے بحر ظلمات میں (جہاں سکندر خضر کی راہنمائی میں آب حیات پی کر ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے گیا تھا) سکندر سے کہا (کہ پانی پینے سے پہلے سوچ لے کہ) موت ضرور مشکل ہے یعنی آدمی مرنا نہیں چاہتا لیکن زندگی اس سے زیادہ مشکل ہے (زندہ رہنے کے لیے سخت محنت کرنی پڑتی ہے ہر قدم پر دشواریوں کا سامنا ہے۔سکون وآرام کہیں نہیں)۔(153)	خضر نے سکندر سے ظلمات میں کہا کہ موت مشکل ہے لیکن زندگی اس سے زیادہ مشکل ہے یعنی یہ کہا کہ آب حیات پینے سے پہلے یہ بات ''موت مشکل ہے..... ''سوچ لے گویا زندہ رہنے کے لیے سخت محنت کی ضرورت ہے کیونکہ ہر ہر قدم پر انسان کو مختلف دشواریوں اور مسائل سے سابقہ رہتا ہے اور سکون وآرام اس کے لیے ممکن نہیں رہتا۔(154)

ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے ترجمہ کے کئی سال بعد ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ شائع ہوا ہے۔ڈاکٹر الف ۔د۔نسیم کے ترجمہ میں بعض مقامات پر املا کی غلطیاں نظر آتی ہیں۔یزدانی صاحب کے ترجمہ میں وہ اغلاط نظر نہیں آتیں۔فکری تماثل اور اسلوبِ ترجمہ کی یکسانیت اور بُعدِ زمانی کو مدنظر رکھیں تو واضح ہوتا ہے کہ یزدانی صاحب نے ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کی علمی کوشش (ترجمہ ومفہوم) سے استفادہ کیا ہے،مگر اس کا برملا اعتراف یا اقرار نہیں کیا۔

مندرجہ بالا تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ

1- ڈاکٹر الف ۔د۔ نسیم کا ترجمہ،دیگر مترجمین کے تراجم کی نسبت زیادہ آسان ، عام فہم اور سلیس ہے۔
2- انہوں نے لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار رکھی ہے اور قوسین میں یا ترجمہ کے آخر پر توضیحی الفاظ و جملے دے کر ترجمہ کا مفہوم بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ کافی زیادہ حد تک کامیاب ہُوئے ہیں۔
3- انہوں نے فارسی متن کے ساتھ ترجمہ دیا ہے مگر مشکل الفاظ اور ان کے معانی نہیں دیے۔اسی طرح میاں عبدالرشید نے بھی مشکل الفاظ کے معانی نہیں دیے۔مشکل الفاظ کے معانی کے بغیر ترجمہ کی مدد سے فارسی متن کو نہیں سمجھا جاسکتا۔
4- مجموعی طور پر ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کی یہ علمی کوشش قابلِ تحسین ہے اور مزید بہتری کے امکانات کی نشاندہی کرتی ہے۔

رومئ عصر

انتخاب کلامِ اقبال... اردو ترجمہ وفرہنگ

از

محمد سعید شیدؔا

'رومئ عصر' علامہ اقبال کے منتخب کلام کا منثور اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ محمد سعید شیدؔا نے کیا ہے اور ملک نذیر احمد پروپرائٹر تاج بک ڈپو، اردو بازار، لاہور نے شائع کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار 1955ء میں شائع ہُوا تھا۔

ابتداء میں مختصر سا دیباچہ ہے جس میں اس تالیف کے دورانِ پیشِ نظر رکھی گئی حکمت عملی کا ''نظر بآ ثارِ اقبال'' کے عنوان کے تحت اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

> ''..... مؤلف نے اقبال کی تصنیفات کے مطالعہ کے خیال سے ضروری سمجھا، کہ مختصر طور پر مثنوی اسرارِ و رموز یا دوسرے اشعار جو اہم مطالب اور معانی پر مشتمل ہیں اور اقبال کے بلند افکار کا نمائندہ ہیں۔ محترم مطالعہ کرنے والوں کے لیے اُن کا انتخاب یہاں درج کیا جائے۔ حتیٰ المقدور کوشش کی گئی ہے کہ مثنوی کے انتخاب میں اقبال کے مقاصد اور معانی کا سلسلہ نہ ٹوٹے۔ اصلی اور بنیادی مقصد قائم رہے۔'' (155)

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ

1- مؤلف 'رومی عصر' نے فکرِ اقبال کی ترویج کے لیے منتخب کلامِ اقبال کا ترجمہ پیش کیا ہے۔

2- اس انتخاب میں مؤلف نے کوشش کی ہے کہ کلامِ اقبال کے انتخاب میں اقبالؒ کے مقاصد اور معانی کا سلسلہ نہ ٹوٹے۔ اصل اور بنیادی مقصد قائم رہے۔

کتاب کے شروع میں فہرست عنوانات نہیں دی گئی۔ تمام کتاب کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں اسرار و رموز (صفحہ 4)، پیامِ مشرق (صفحہ 39)، زبورِ عجم (صفحہ 68)، جاوید نامہ (صفحہ 82)، پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق (صفحہ 117)، مثنوی مسافر (صفحہ 142) اور ارمغانِ حجاز (صفحہ 150) میں سے منتخب کلام کا منثور اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ تمام مجموعہ ہائے کلام کے ساتھ دیے گئے صفحات نمبرز سے اس کتاب میں ان کتابوں کے ترجمہ کی ترتیب اور منتخب کلام کی طوالت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس کتاب کے آخر پر 'غزل گوئی اقبال' کے عنوان کے تحت مختصر طور پر اقبال کی غزل گوئی کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور بعد کے صفحات پر پیامِ مشرق، جاوید نامہ اور زبورِ عجم کی منتخب غزلیات میں سے منتخب اشعار کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔

پیامِ مشرق کے ترجمہ کے شروع میں ''پیش کش'' کے درج ذیل اٹھائیس اشعار کا ترجمہ دیا گیا ہے:

اشعار			تعداد اشعار	پیامِ مشرق کا صفحہ نمبر	رومیٔ عصر کا صفحہ نمبر
پیر مغرب شاعرِ	تا	در جوابش گفتہ.....	3	16	40
اوز افرنگی جواناں.....	تا	او چمن زادے.....	2	16	40
آشنائے من زمن.....	تا	او حدیثِ دلبری.....	3	17	41
دیدۂ اے خسرو.....	تا	در مسلماں شانِ.....	8	17 تا 18	41 تا 42
زندگی جہد است و.....	تا	جانِ مار الذتِ.....	7	18 تا 19	43 تا 44
دشنہ زن در پیکر.....			1	19	44
اے بسا آدم کہ ابلیسی.....			1	19	44
درنگرائے خسرو.....	تا	ہر ہلاکِ امتِ پیشِ.....	3	19 تا 20	44 تا 45

'لالۂ طور میں سے صرف پہلی تیس (30) رباعیات (رباعی نمبر 1 تا 30) کا ترجمہ دیا گیا ہے۔''حصہ افکار'' میں سے پیامِ مشرق میں دی گئی ترتیب کے مطابق درج ذیل منتخب نظموں کا منثور اردو ترجمہ دیا گیا ہے:

7- تسخیرِ فطرت 14- محاورہ علم و عشق 17- پند باز بہ بچۂ خویش 18- کرم کتابی 25- قطرۂ آب 52- طیارہ

نظم 'تسخیر فطرت' کے صرف چوتھے شعر ''آرزو بیخبر از خویش..... '' کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ 'طیارہ' میں سے ایک شعر ''چو آں مرغِ زیرک..... '' کا ترجمہ نہیں دیا گیا۔ 'پند باز بہ بچۂ خویش' میں سے صرف درج ذیل نو (9) اشعار کا ترجمہ دیا گیا ہے:

اشعار			تعداد اشعار	پیامِ مشرق کا صفحہ نمبر
تو دانی کہ بازاں.....	تا	میامیز با کبکِ و.....	3	102
نگہ دار خود را.....	تا	نصیبِ جہاں آنچہ.....	3	102
پئے شاہبازاں بساط.....			1	103
تہ چرخ گردندۂ.....			1	103
زدستِ کسے طعمۂ.....			1	103

حصہ غزل میں 'پیامِ مشرق' کی صرف تین غزلیات میں سے ہر ایک غزل کے آخری شعر کا ترجمہ دیا گیا ہے:

اشعار	تعداد اشعار	پیامِ مشرق کا صفحہ نمبر
اگرچہ زادۂ ہندم، فروغِ چشمِ من است		169
تنم گلے زخیابانِ جنتِ کشمیر.....		178
مطرب غزلے بیتے از مرشدِ روم آور.....		161

اس کتاب میں تمام ترجمہ اصل فارسی متن کے بغیر دیا گیا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ اصل متن کے حوالہ جات بھی نہیں دیے گئے۔ نہایت تگ و دو، تردد اور کوشش کے بعد اصل متن کے ساتھ موازنہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ دیا گیا ترجمہ کس شعر کا ہے اور یہ اصل متن کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔

حصہ 'پیش کش' کے ترجمہ کے شروع میں مختصر سی تمہید کے بعد آٹھ (8) اشعار کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ ان کے 1 تا 8 تک نمبر دیے گئے ہیں۔ ان آٹھ اشعار میں سے صرف تین الفاظ 'شاعر المانوی'، 'شکوہ' اور 'کسریٰ' کے معانی دیے گئے ہیں۔ اصل متن میں یہ آٹھ اشعار لگا تار ترتیب سے نہیں ہیں۔ پیام مشرق کے صفحہ نمبر 16 پر پہلے تین اشعار ''پیرِ مغرب شاعر..... '' تا '' در جوابش گفتہ ام..... '' دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد ایک شعر چھوڑ کر اگلے دو اشعار ''او ز افرنگی جواناں..... '' تا '' او چمن زادے..... '' دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد صفحہ نمبر 17 کے آخر پر دیے گئے تین اشعار '' دیدۂ اے خسرو..... '' تا '' مصریاں افتادہ در..... '' کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ عام قاری اتنی سمجھ بوجھ نہیں رکھتا کہ ترجمہ کی مدد سے اصل متن تک پہنچ سکے۔ اس صورت میں تو یہ کام اور بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ منثور اردو ترجمہ کے ساتھ اصل فارسی متن کا حوالہ نہیں دیا گیا اور مترجم نے مختلف مقامات سے اشعار منتخب کر کے ان کا ترجمہ دے دیا ہے۔ تمام کتاب میں یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ چند ایک الفاظ کے معانی دیے گئے ہیں۔ اصل متن یا اصل متن کے حوالہ کے بغیر اس ترجمہ اور دیے گئے الفاظ معانی سے استفادہ کرنا نہایت مشکل کام ہے۔

مجموعی طور پر یہ ترجمہ سلیس، آسان، با محاورہ اور رواں ہے۔ بطور مثال مذکورہ بالا اشعار کا ترجمہ مع اصل متن دیا جا رہا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	سلیس ترجمہ از محمد سعید شیدؔا
پیرِ مغرب شاعرِ المانوی آں قتیلِ شیوہ ہائے پہلوی (156)	سرزمین مغرب کا رہنما وہ جرمنی شاعر، جو فارسی زبان کے اسالیب کا شہید ہے۔ (157)

اس شعر کے ترجمہ میں لفظ 'جرمنی' کی جگہ پر 'جرمن' آنا چاہیے یا پھر جرمنی شاعر کی جگہ پر 'جرمنی کا شاعر' لکھا جانا چاہیے۔ دوسرے مصرع کا ترجمہ بھی غور طلب ہے۔ 'آں قتیلِ شیوہ ہائے پہلوی' کا ترجمہ 'جو فارسی زبان کے اسالیب کا شہید ہے' کیا گیا ہے۔ 'قتیل' کا لفظی مطلب ہے 'مارا ہوا'۔ اس کا ترجمہ 'مقتول' یا 'شہید' بھی کیا جا سکتا ہے۔ لفظ 'شیوہ' کا مطلب ہے 'ادا'، 'طور طریقہ'۔ لفظ شیوہ ہائے اس کی جمع ہے۔ 'پہلوی' سے مراد فارسی، ایرانی ہے 'قتیل شیوہ ہائے پہلوی' سے مراد پہلوی (فارسی، ایرانی) اداؤں کا مارا ہوا ہے۔

ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم اس مصرع کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جو فارسی زبان یا شاعری کی فصاحت و بلاغت یا طرز و اسلوب پر فریفتہ ہے۔'' (158)

احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق میں اس مصرع کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

''وہ پہلوی اداؤں کا مارا ہوا'' (159)

میاں عبدالرشید اس مصرع کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

''وہ جو فارسی شاعری کا فدائی ہے۔'' (160)

محمد سعید شیدؔا کا ترجمہ واضح اور عام فہم نہیں ہے۔ ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم اور میاں عبدالرشید کا ترجمہ زیادہ واضح اور عام فہم ہے۔

سلیس ترجمہ از محمد سعید شیدا	اصل متن از پیام مشرق
اس نے خوبصورت اور طنّاز معشوقوں کے نقش بنائے یعنی شعر لکھے اور اہل مشرق کو اہل مغرب کی طرف سے سلام کہا۔(162)	بست نقشِ شاہدانِ شوخ و شنگ داد مشرق را سلامے از فرنگ (161)

فرہنگ اقبال فارسی میں لفظ ''طنّاز'' کا مطلب یوں درج ہے:

''طنّاز (ع) صفت، شوخ، بیباک ۔

نرگس طنّاز او رچشم تماشائے نداشت (زع،۱۳۶)'' (163)

اگر ترجمہ میں لفظ 'طنّاز' کے بجائے لفظ 'شوخ' آ جاتا تو ترجمہ سلیس اور آسان ہو جاتا۔

سلیس ترجمہ از محمد سعید شیدا	اصل متن از پیام مشرق
میں نے اس کے جواب میں ''پیغامِ مشرق'' نامی کتاب لکھی ہے۔ اور مشرق کی اندھیری راتوں میں ایک چمکدار چاند روشن کیا ہے۔(165)	در جوابش گفتہ ام پیغامِ شرق ماہ تابے ریختم بر شامِ شرق (164)

'ماہ تابے ریختم بر شامِ شرق' کا مطلب ہے 'میں نے مشرق کی شام پر چاند کی روشنی پھیلائی ہے'۔ 'شامِ مشرق' کا مطلب 'مشرق کی شام' ہے۔ 'ماہ تابے' کا مطلب ہے 'چاند کی روشنی'، 'چاندنی'۔ 'ریختم' کا مطلب ہے 'میں نے بکھیری'۔

محمد سعید شیدا کا ترجمہ اس لحاظ سے غلط ہے۔ 'شامِ شرق' کا ترجمہ 'مشرق کی اندھیری راتوں' میں نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح 'ماہ تابے ریختم' کا ترجمہ 'ایک چمکدار چاند روشن کیا' نہیں ہوسکتا۔

سلیس ترجمہ از محمد سعید شیدا	اصل متن از پیامِ مشرق
وہ (گوئٹے) یورپ کے نوجوانوں میں بجلی کی سی خاصیت رکھنے والا ہے۔ اور میرے شعلے سرزمین مشرق کے راہنماؤں کے دم سے ہیں۔ (لیکن میرے اور اُس کے درمیان فرق ہے)(167)	او ز افرنگی جواناں مثلِ برق شعلۂ من از دمِ پیرانِ شرق (166)

سلیس ترجمہ از محمد سعید شیدا	اصل متن از پیامِ مشرق
وہ چمن (یورپ) میں پیدا ہوا اور چمن ہی میں پلا۔ اور میں مردہ زمین (ہندوستان) میں پیدا ہوا ہوں۔(169)	او چمن زادے، چمن پروردۂ من دمیدم از زمینِ مردۂ (168)

سلیس ترجمہ از محمد سعید شیدا	اصل متن از پیامِ مشرق
میرے ہم قوم بیگانوں کی طرح میرے پاس سے گزر گئے۔ اور میرے شراب خانہ سے اپنے پیالے خالی لے گئے۔(171)	آشنائے من ز من بیگانہ رفت از خُمستانم تہی پیمانہ رفت (170)

سلیس ترجمہ از محمد سعید شیدا	اصل متن از پیامِ مشرق
میں اُنہیں بادشاہی شان وشوکت دیتا ہوں۔ اور نوشیرواں کا تاج اُن کے پاؤں میں رکھتا ہوں۔ (173)	من شکوہِ خسروی اور را دہم تختِ کسریٰ زیر پائے او نہم (172)

سلیس ترجمہ از محمد سعید شیدا	اصل متن از پیامِ مشرق
وہ (قوم) مجھ سے عشق و محبت کی باتیں سُننا چاہتی ہے۔	او حدیثِ دلبری خواہد ز من
اور شاعرانہ آب و تاب کی مجھ سے خواہش مند ہے۔(175)	رنگ و آبِ شاعری خواہد ز من (174)

مندرجہ بالا پانچوں اشعار کا ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔ یہ ترجمہ آسان، عام فہم، سلیس اور رواں ہے۔

چند ایک اور مثالیں ملاحظہ کریں جن میں ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں کیا گیا۔ موازنہ کی سہولت کے لیے اصل فارسی متن ساتھ دیا گیا ہے۔

مثال نمبر1

سلیس ترجمہ از محمد سعید شیدا	اصل متن از پیامِ مشرق
ہندوستانی مسلمان پیٹ کا غلام بن گیا۔ جو متکبر اور مذہب سے بیزار ہے۔(177)	مسلمِ ہندی شکم را بندۂ خود فروشے، دل ز دیں برکندۂ (176)

مندرجہ بالا ترجمہ درست نہیں ہے۔ 'خود فروشے' کا ترجمہ 'خود فروش' ہونا چاہیے نہ کہ 'متکبر'۔ اسی طرح 'دل ز دیں برکندۂ' کا ترجمہ 'دین سے دل اکھاڑنے والا' ہونا چاہیے۔ متن کے مطابق ترجمہ یوں ہونا چاہیے:

ہندی مسلمان پیٹ کا غلام ہے۔ وہ خود فروش ہے جس کا دل دین سے اکھڑ گیا ہے۔

مثال نمبر2

سلیس ترجمہ از محمد سعید شیدا	اصل متن از پیامِ مشرق
پاک ذات دانشمند یعنی مولانا روم نے زندگی اور موت کا راز مجھے بتایا۔(179)	مرشدِ رومی حکیمِ پاک زاد سرِّ مرگ و زندگی بر ما کشاد (178)

مندرجہ بالا ترجمہ میں لفظ 'مرگ' کا ترجمہ پہلے آنا چاہیے اور 'زندگی' کا بعد میں۔ اسی طرح 'ما' کا ترجمہ 'ہم' ہونا چاہیے نہ کہ 'مجھے'۔ درست ترجمہ یوں ہے:

مرشدِ رومی، دانشمند اور پاک ذات نے ہم پر موت اور زندگی کا راز ظاہر کر دیا ہے۔

مثال نمبر 3

اصل متن از پیامِ مشرق	سلیس ترجمہ از محمد سعید شیدا
من از ناآگہی گم کردہ راہم تو بیدار آمدی ، بیدار رفتی (180)	میں اچانک راستہ بھول گیا ہوں۔ تو بیدار آیا اور بیدار چلا گیا۔(181)

مندرجہ بالا شعر کے پہلے مصرع کا ترجمہ درست نہیں ہے۔ درست ترجمہ یہ ہے:
میں نے بے خبری کی وجہ سے اپنا راستہ گم کر دیا۔ لیکن تو بیدار (جاگتا ہُوا) آیا اور بیدار چلا گیا۔

مثال نمبر 4

اصل متن از پیامِ مشرق	سلیس ترجمہ از محمد سعید شیدا
تہی از ہائے و ہو میخانہ بودے گِلِ ما از شرر بیگانہ بودے (182)	کاش شراب خانہ شور و غل سے خالی ہوتا۔ ہمارا جسم زندگی کی حرارت سے بیگانہ ہوتا۔(183)

'ہائے وہو' کا ترجمہ شور وغل نہیں ہونا چاہیے۔ فرہنگِ اقبال فارسی (صفحہ 897) کے مطابق 'ہائے و ہو' کا مطلب شور وغل، مستی، وجد کے نعرے اور انقلابی نعرے ہے۔ شعر کے نفسِ مضمون کے مطابق یہاں 'ہائے و ہو' کا ترجمہ مستی اور وجد کے نعرے ہونا چاہیے۔ عشق کی مستی میں وصل وفراق کی کیفیات کے اظہار کے لیے 'ہائے' یا 'ہُو' کے الفاظ بامعنی کیفیت کا حقیقی اظہار کرنے والے الفاظ ہیں۔ 'شور وغل' سے بے معنی اور فضول شور شرابے کا تصور ملتا ہے۔

مثال نمبر 5

اصل متن از پیامِ مشرق	سلیس ترجمہ از محمد سعید شیدا
نہانش دارم از آزر نہاداں کہ ایں سِرّے ز اسرارِ خلیلؑ است (184)	میں آتشیں طبیعت لوگوں کو جانتا ہوں۔ کیونکہ یہ بھی ابراہیم خلیل اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔(185)

پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی تحقیق کے مطابق پیامِ مشرق کے پہلے ایڈیشن (مطبوعہ مئی 1923ء) میں صفحہ 14 پر اس شعر میں لفظ 'آزر' کے بجائے 'آذر' لکھاہُوا ہے۔ دوسرے ایڈیشن (مطبوعہ مارچ 1924ء) میں بھی یہ لفظ اسی طرح لکھاہُوا ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں یہ غلطی صفحہ نمبر 22 کی سطر نمبر 3 پر موجود ہے۔ تیسرے ایڈیشن (مطبوعہ 1929ء) اور چوتھے ایڈیشن (مطبوعہ 1942ء) میں بھی یہ غلطی موجود رہی۔ یہ غلطی 1971ء تک طبع ہونے والے تمام ایڈیشن میں موجود رہی۔ بعد کے کسی ایڈیشن میں یہ لفظ درست کر کے 'آزر' لکھ دیا گیا ہے۔(186)

محمد سعید شیدا کا یہ ترجمہ پہلی بار 1955ء میں شائع ہوا تھا۔ اس لیے انھوں نے لفظ 'آذر' کے مطابق اس شعر کا ترجمہ درست کیا ہے۔ فرہنگ اقبال فارسی میں لفظ 'آذر' کا مفہوم اس طرح سے درج ہے:

''آذر (ف) اسم: آگ ۔

او بہ نہاد است خاک من بہ نژاد آذرم (پ م، ۸۵)" (187)

لفظ 'آزر' کے مطابق اس شعر کا مفہوم تبدیل ہو جائے گا۔ فرہنگ اقبال فارسی میں لفظ 'آزر' کا مفہوم یوں درج ہے۔

آزر (ف) اسم: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں ایک مشہور بت تراش کا نام جو روایات مختلفہ کی رُو سے حضرت ابراہیمؑ کا باپ یا چچا تھا بہر حال کچھ بھی ہو حضرت ابراہیمؑ اس کے بنائے ہوئے بت توڑ دیا کرتے تھے۔

تو ز آزر من ز ابراہیم دور (اس، ۵۹) (188)

لفظ 'آزر' کے مطابق اس شعر کا ترجمہ یوں ہے:

میں اسے آزر کی سرشت رکھنے والوں سے چھپا کر رکھتا ہوں۔ کیونکہ یہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔

مثال نمبر 6

اصل متن از پیامِ مشرق	سلیس ترجمہ از محمد سعید شیداؔ
بہل افسانۂ آں پاچراغے	اُس بے قرار کا قصہ چھوڑ۔ جس کے جلنے کی داستان
حدیثِ سوزِ او آوازِ گوش است	کانوں کے لیے تکلیف کا باعث ہے۔
من آں پروانہ را پروانہ دانم	میں اس کو پروانہ سمجھتا ہوں۔ جس کی جان تکلیف
کہ جانش سخت کوش و شعلہ نوش است (189)	اور شعلے پی جانے والی ہے۔ (190)

مندرجہ بالا اشعار رباعی نمبر 27 کے ہیں۔ پیام مشرق کے پہلے ایڈیشن مطبوعہ 1924ء کے صفحہ نمبر 16 پر اس رباعی کے پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں الفاظ 'آزارِ گوش' استعمال ہوئے ہیں۔ محمد سعید شیداؔ نے اس متن کے مطابق اس کا ترجمہ 'کانوں کے لیے تکلیف' کیا ہے جو کہ عین درست ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اپنی تحقیق تصانیفِ اقبال میں اس لفظی تبدیلی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ کسی وجہ سے یہ تبدیلی ان کے علم میں نہیں آئی۔

میاں عبدالرشید کا پیام مشرق کا ترجمہ پہلی بار 1991ء میں شائع ہوا تھا۔ انہوں نے فارسی متن میں الفاظ "آوازِ گوش' دیے ہیں اور ان کا ترجمہ 'آزارِ گوش' یعنی 'کانوں کے لیے تکلیف' کیا ہے۔ ان کے ترجمہ میں دیا گیا فارسی متن اور ان کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

اصل متن از پیامِ مشرق	سلیس ترجمہ از میاں عبدالرشید
بہل افسانۂ آں پاچراغے	چراغ کے نیچے گرے پڑے پروانے کی کہانی
حدیثِ سوزِ او آوازِ گوش است	چھوڑ، اس کے جلنے کی بات کانوں کے لیے تکلیف دہ ہے۔
من آں پروانہ را پروانہ دانم	میں تو اس پروانے کو پروانہ سمجھتا ہوں، جو اتنا سخت
کہ جانش سخت کوش و شعلہ نوش است	کوش ہو کہ شعلے کو کھا جائے۔ (191)

احمد جاوید نے تسہیل پیام مشرق کے صفحہ نمبر 69 پر یہ فارسی رباعی لکھی ہے۔ انہوں نے اس میں ''آزارِ گوش'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور ان کا ترجمہ 'سماعت پر عذاب' کیا ہے۔ انہوں نے لفظ 'پاچراغ' کا ترجمہ 'پروانہ' کیا ہے، جو کہ اصل متن کی بھرپور نمائندگی نہیں کرتا۔ فرہنگ اقبال فارسی کے مطابق 'پاچراغ' سے مراد شمع کے قدموں میں پڑا رہنے والا (پروانہ) ہے۔ فرہنگ اقبال فارسی میں درج ہے:

''پاچراغ (ف ف) مرکب ناقص، پا + چراغ (رک): شمع کے قدموں میں پڑا رہنے والا (پروانہ)۔

بہل افسانۂ آں پاچراغے (پ م، ۳۴)'' (192)

اقبال نے فارسی اور اردو شاعری میں پروانے اور جگنو کی علامتوں کو دو مختلف ذہنی رویوں کی عکاسی کے لیے استعمال کیا ہے۔ انہوں نے پروانے کی 'جاں نثاری'، 'سیمابیت' اور 'تمنائے روشنی' کے اوصاف کو سراہا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس کے ایک ہی نقطے کے گرد مسلسل اور متواتر گھومتے چلے جانے کے بے معنی عمل کی وجہ سے 'کرمکِ ناداں' کا لقب دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

کرمکِ ناداں طوافِ شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تجلّی زار میں آباد ہو (193)

وہ پروانے کو دریوزہ گرِ آتشِ بیگانہ قرار دیتے ہیں۔ پروانہ، بھکاری ہے کیونکہ وہ آتشِ بیگانہ کی بھیک مانگنے شمع کے پاس جاتا ہے۔

دوسری طرف کرمکِ شب تاب یعنی جگنو روشنی کا متحرک پیکر ہے۔ پروانے کی طرح غیر کا محتاج اور مجبور نہیں بلکہ مختار ہے۔ وہ دریوزہ گر نہیں، غنی ہے۔ وہ منزل کوش نہیں بلکہ منزل نما ہے۔ اقبال نے مندرجہ بالا فارسی رباعی میں بھی یہ تصور پیش کیا ہے۔ وہ پروانے کو 'پاچراغے' کہہ کر، اس کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ یہ جل کر شمع کے قدموں میں گر جاتا ہے۔ روشنی (حسن) کی طلب میں یہ مارا جاتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ میں تو اس پروانے کو پروانہ جانتا ہوں جو 'سخت کوش' بھی ہو اور 'شعلہ نوش' بھی۔

مندرجہ بالا تجزیہ اور رائے کے پیشِ نظر واضح ہوتا ہے کہ محمد سعید شیدا نے 'پاچراغے' کا ترجمہ 'پروانہ' کیا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ میاں عبدالرشید اور خواجہ حمید یزدانی نے لفظ 'پاچراغے' کا درست ترجمہ کیا ہے اور اس کا مفہوم بھی واضح کیا ہے۔

لفظ 'پاچراغے' کے مفہوم کے تعین و تبصرہ کے بعد اب دوبارہ اس رباعی میں استعمال ہونے والے الفاظ ''آوازِ گوش'' یا ''آزارِ گوش'' کے مفہوم کے بارے میں مختلف مترجمین کی کاوشوں کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

خواجہ حمید یزدانی نے بھی زیرِ تبصرہ رباعی کے پہلے شعر کے دوسرے مصرع کا ترجمہ ''آزارِ گوش'' الفاظ سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''شمع پر جل کر نیچے گرنے والے پروانے کی بات چھوڑ، اس لیے کہ اس کے جلنے کی بات سننا گویا کانوں کو اذیت پہچانا ہے۔'' (194)

ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم نے اس شعر کا ترجمہ 'آوازِ گوش' سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس پاچراغ (پروانہ بے قرار) کا افسانہ چھوڑ + اس کے سوز کی حدیث (بات) کی

میرے کانوں میں جھنجھناہٹ موجود ہے۔ (شمع کو پروانہ کے قصہ کو کون نہیں جانتا)۔''(195)

حاصل مطالعہ یہ ہے کہ پیامِ مشرق کے پہلے ایڈیشن میں رباعی نمبر 27 کے پہلے شعر میں الفاظ 'آزارِ گوش' استعمال ہوئے ہیں۔ بعد کے کسی ایڈیشن میں لفظ 'آزار' کو 'آواز' سے بدل دیا گیا۔ اس طرح اس شعر میں الفاظ 'آوازِ گوش' استعمال ہونے کی وجہ سے شعر کا مفہوم تبدیل ہو گیا۔ مترجمین محمد سعید شیدا، احمد جاوید اور ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے اس شعر میں الفاظ 'آزارِ گوش' ہی استعمال کیے ہیں اور ان کا ترجمہ 'کانوں کی تکلیف' کیا ہے۔ میاں عبدالرشید نے فارسی متن میں تو 'آوازِ گوش' کے الفاظ دیے ہیں مگر ترجمہ 'آزارِ گوش' کا کیا ہے۔ صرف ڈاکٹر ل۔ د نسیم نے موجودہ متن کے مطابق درست ترجمہ کیا ہے۔

محمد سعید شیدا کا ترجمہ اگر 'آزارِ گوش' کے متن کے حوالے سے دیکھیں تو درست ہے، انہوں نے اس رباعی کے پہلے شعر کے پہلے مصرع کا ترجمہ نامکمل کیا ہے۔ وہ 'پا چراغ' کا ترجمہ 'بے قرار' کرتے ہیں جو کہ درست نہیں۔ اس طرح دوسرے شعر کے پہلے مصرع کا ترجمہ بھی نامکمل ہے۔ وہ 'من آں پروانہ را پروانہ دانم' کا ترجمہ کرتے ہیں۔ 'میں اس کو پروانہ سمجھتا ہوں۔' اس کا درست ترجمہ یہ ہے کہ 'میں اس پروانے کو پروانہ سمجھتا ہوں۔'

مثال نمبر 7

سلیس ترجمہ از محمد سعید شیدا	اصل متن از پیامِ مشرق
ذرات کا باہمی تعلق اور عناصر کا میل جول مجھ ہی سے ہے۔ میں اگرچہ سوز ہوں۔ لیکن ساز یعنی خوشی دیتا ہوں۔ میں ایسی آگ ہوں۔ جس سے شراب کی صراحی بنتی ہے۔ (197)	رابطۂ سالمات ، ضابطۂ اُمّہات سوزم و سازے دہم ، آتشِ مینا گرم (196)

لفظ 'ضابطہ' کا مطلب دستور اور آئین ہے۔ اس سے مراد ایک کلی حکم ہے جو کسی چیز کے کل جزئیات پر منطبق ہو۔ 'اُمہات' کا یہاں مطلب 'عناصر' ہے۔ اس لیے 'ضابطۂ امہات' سے مراد عناصر میں جاری قانون ہے۔ اس لحاظ سے مندرجہ بالا شعر کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے:

میں ذرات کا باہمی تال میل ہوں، عناصر میں جاری قانون ہوں۔ میں خود جلتا ہوں (لیکن دوسروں کو) بناتا ہوں۔ میں شراب کی صراحی کو ڈھالنے والی آگ ہوں۔

مثال نمبر 8

سلیس ترجمہ از محمد سعید شیدا	اصل متن از پیامِ مشرق
ہم قوت تخلیق کے ساتھی ہیں اور اُسی ایک نغمہ کی اونچی نیچی سُریں ہیں۔ (199)	ز روزِ آفرینش ہمدم استیم ہماں یک نغمہ را زیر و بم استیم (198)

مندرجہ بالا شعر 'محاورہ علم و عشق' کا آخری شعر ہے۔ اس میں 'عشق'، 'علم' سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ 'ز روزِ آفرینش' (کائنات کی تخلیق کے دن سے) 'ہمدم استیم' (ہم ایک دوسرے کے ساتھی ہیں) 'ہماں' (اسی) 'یک' (ایک) 'نغمہ را' (نغمہ کے لیے) 'زیر و بم' (نچلے اور اونچے سر) 'استیم' ہم (ہیں)۔

محمد سعید شیدا نے اس شعر کا لفظ ترجمہ درست کیا ہے۔ اگر وہ قوسین میں توضیحی الفاظ دے دیتے تو شعر کا ترجمہ اور مفہوم واضح ہو جاتا۔ اگر اس شعر کا ترجمہ درج ذیل انداز سے دے دیا جاتا تو یہ ترجمہ زیادہ عام فہم اور آسان ہو جاتا:

ہم دونوں (عشق اور علم) کائنات کے روزِ تخلیق سے ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور اسی ایک نغمہ یعنی تخلیق کے نچلے اور اونچے سر ہیں۔

مثال نمبر 9

اصل متن از پیامِ مشرق	سلیس ترجمہ از محمد سعید شیدا
نداوند بال آدمی زادہ را زمیں گیر کردند ایں سادہ را (200)	انسان کو خدا نے پر نہیں دیے۔ اور اس بے وقوف کو زمین پر چلنے والا بنایا۔ (201)

لفظ 'سادہ' سے مراد ناتجربہ کار، بھولا بھالا اور نادان ہے۔ مندرجہ بالا شعر کے مفہوم کے مطابق اس کا درست ترجمہ 'سادہ منش'، 'ناتجربہ کار' یا 'سادہ لوح' ہوگا نہ کہ 'بے وقوف'۔ لفظ 'بے وقوف' کم عقلی اور جہالت کا مفہوم دیتا ہے۔

'رومیِ عصر' میں بعض مقامات پر متنی اختلاف بھی نظر آتا ہے۔ ایسے الفاظ اور پیامِ مشرق کے اصل متن کے مطابق درست الفاظ کی فہرست درج ذیل ہے۔

صفحہ نمبر	سطر نمبر	اغلاط	درست الفاظ
46	5	تذور	تذرو (چکور)
47	7	دوبین	دوبیں
49	11	یزدان	یزداں
51	6	آذر	آزر
52	6	آزارگوش	آوازگوش
58	1	تذرو	تدرو
63	15	کوژپشت	کوزپشت (کبڑا)

مندرجہ بالا تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ

1- 'رومیِ عصر' علامہ اقبال کے منتخب کلام کا منثور اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ محمد سعید شیدا نے کیا ہے۔

2- یہ ترجمہ پہلی بار 1955ء میں شائع ہوا تھا۔

3- اس میں اقبال کے منتخب فارسی کلام کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

4- کتاب کے شروع میں فہرست عنوانات نہیں دی گئی۔

5- اس کتاب میں تمام ترجمہ اصل فارسی متن کے بغیر دیا گیا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ اصل متن کے حوالہ جات بھی نہیں دیے گئے۔ اس لیے صرف ترجمہ کی مدد سے اصل متن تلاش کرنا اور پھر اس ترجمہ سے استفادہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔

6- مترجم نے مختلف مقامات سے اشعار منتخب کر کے ان کا ترجمہ دیا ہے۔تمام کتاب میں یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

7- تمام کتاب میں صرف چند ایک الفاظ کے معانی دیے ہیں۔

8- چند ایک مقامات پر ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں، تاہم مجموعی طور پر یہ ترجمہ سلیس، آسان، بامحاورہ اور رواں ہے۔

9- یہ ترجمہ 'یادِ رفتہ' کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کتاب میں فہرست عنوانات نہیں دی گئی۔ترجمہ میں فارسی متن اور اس کے حوالہ جات نہیں دیے گئے۔الفاظ معانی بھی نہیں دیے گئے۔اس میں اقبال کے تمام فارسی مجموعہ ہائے کلام کا نہیں بلکہ ان میں سے منتخب کلام کا ترجمہ دیا گیا ہے۔اس لیے علمی و عملی لحاظ سے عصرِ حاضر میں اس ترجمہ کی کوئی افادیت نہیں ہے۔اس سے بہتر تراجم موجود ہیں جن سے زیادہ بہتر طور پر استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

پیام مشرق

(سلسلۂ آسان کتب)

نثری ترجمہ: خرم علی شفیق، مزّملہ شفیق

اقبال اکیڈمی نے سلسلہ آسان کتب کے تحت علامہ اقبال کی اہم تصانیف کو عام قاری کے لیے سلیس، سادہ اور مختصر انداز میں پیش کیا ہے۔ ان تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

نثر:

1- تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ

2- خطبہ الٰہ آباد اور دوسری نثری تحریریں

3- علم الاقتصاد

4- ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقاء

خطوط:

حیات اقبال: خطوط کے آئینے میں

شاعری:

1- اسرار و رموز

2- پیام مشرق

3- بانگِ درا

4- زبورِ عجم

5- جاوید نامہ

6- پس چہ باید کرد مع مسافر

7- بالِ جبریل

8- ضربِ کلیم

9- ارمغان حجاز

زیرِ نظر کتاب مذکورہ بالا 'سلسلۂ آسان کتب' کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب میں 'پیامِ مشرق' کے منتخب کلام کا نثری ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ خرم علی شفیق اور مزملہ شفیق نے کیا ہے۔

یہ کتاب بڑے سائز کی اور مجلد ہے۔ اس کا ٹائٹل چار کلر کے دیدہ زیب ڈیزائن پر مشتمل ہے۔ مذہبی عمارات کے پس منظر میں مشرق سے نکلتا ہوا سورج، پیامِ مشرق کی نوید دے رہا ہے اور اس کی نورانی کرنوں سے اندھیرے چھٹ رہے ہیں۔ ٹائٹل پر پیام مشرق کے عنوان کے نیچے، اقبال کے دستخط کا عکس 'صاحبِ کلام' کی

نشاندہی کر رہا ہے۔ ٹائٹل کے زیریں حصے میں اس تالیف وترجمہ کے کام میں حصہ لینے والوں کے نام درج ہیں:

غزلوں کا منظوم ترجمہ: فیض احمد فیض نثری ترجمہ: خرم علی شفیق، مرّ ملہ شفیق

تسہیل پیامِ مشرق: احمد جاوید تصاویر: نتاشہ سلیم

یہ کتاب چالیس (40) صفحات پر مشتمل ہے۔ سب ٹائٹل پر، ٹائٹل کے تمام مندرجات دیے گئے ہیں۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 2010ء میں اقبال اکیڈمی لاہور کی طرف سے ناظم اکیڈمی محمد سہیل عمر نے شائع کیا ہے۔

سب سے پہلی غور طلب بات یہ ہے کہ اس کتاب کے بیک ٹائٹل پر دی گئی 'سلسلہ آسان کتب' کی فہرست میں خطوط کے حوالے سے متذکرہ کتاب ''حیاتِ اقبال: خطوط کے آئینے میں'' اقبال کی تصنیف نہیں ہے۔ عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کتاب میں خطوط کے حوالے سے 'حیات اقبال' کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اقبالؒ نے اپنی زندگی میں ایسی کوئی کتاب مرتب نہیں تھی۔ اس لیے یہ ان کی تصنیف نہیں ہے اور اس کا تصانیفِ اقبال میں ذکر کرنا ایک بڑی علمی غلطی ہے۔

کتاب (نثری ترجمہ) کے شروع میں 'پیام مشرق کیسے لکھی گئی؟' کے عنوان کے تحت بیان کیا گیا ہے کہ اقبالؒ نے کب اور کن حالات میں فارسی زبان میں کلام لکھنا شروع کیا۔ اس کے بعد پیام مشرق کی تخلیق کا مقصد اور اس کی کتابت وطباعت کے مراحل بیان کیے گئے ہیں۔ آخری عبارت میں لکھا ہوا ہے کہ اقبال پیامِ مشرق کو انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں میں ترجمہ کرانا چاہتے تھے مگر ان کی زندگی میں ایسا نہ ہو سکا۔ اس کتاب کی مغرب میں خاطر خواہ پذیرائی نہ ہوئی، تاہم یہ اقبالؒ کی تمام فارسی کتابوں میں سب سے زیادہ مقبول رہی ہے۔ یہ اقبال کی دوسری کتابوں سے کافی مختلف ہے۔ موجودہ انتخاب اور ترجمے میں بھی اس کی انفرادیت اور جداگانہ حیثیت نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب کے صفحہ نمبر 4 پر پیامِ مشرق کے پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے بارے میں لکھا گیا ہے:

> ''..... مارچ میں مجموعہ کی کتابت شروع ہوئی۔ اپریل تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آخر میں اقبال نے دیباچہ اور پیشکش لکھے۔ ان کی کتابت کے بعد مجموعہ چھپائی کے لیے بھجوا دیا گیا اور اس طرح مئی ۱۹۲۳ء میں ''پیامِ مشرق'' کا پہلا اڈیشن شائع ہو کر بازار میں آ گیا۔ اس میں ۲۱۶ صفحات تھے۔''(202)

مزید لکھا ہے:

> ''..... پیامِ مشرق کی اشاعت کی تاریخ کے تعین کے سلسلہ میں اگلے برس یعنی ۱۹۲۴ء میں دوسرا اڈیشن شائع ہوا جس میں بہت سی تبدیلیاں اور اضافے کیے گئے تھے۔ صفحات کی تعداد بھی ۲۸۰ تھی...... ''(203)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی مختلف حوالہ جات اور اسناد کے بعد حاصلِ تحقیق کے طور پر لکھتے ہیں:

> ''..... گویا کتاب ۵ سے ۹ مئی کے درمیان کسی روز مطبع سے چھپ کر آئی۔''(204)

مزید لکھتے ہیں:

> ''..... پہلا ایڈیشن ''فروری ۱۹۲۴ء تک ختم ہو گیا، اس اثنا میں دوسرا ایڈیشن مرتب ہو

کر کتابت ہو چکا تھا۔ چنانچہ فروری ۱۹۲۴ء ہی میں یہ ایڈیشن طباعت کے لیے پریس
بھیج دیا گیا اور مارچ کے آخری ہفتے میں منظرِ عام پر آیا۔''(205)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی تحقیق سے متعلقہ مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ پیامِ مشرق کا پہلا ایڈیشن 5 سے 9 مئی 1923ء کے درمیان طبع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن مارچ 1924ء کے آخری ہفتے میں طبع ہُوا۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ''کتابیاتِ اقبال'' میں پیامِ مشرق کے پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ 1923ء میں مطبع جامعہ ملّیہ اسلامیہ دہلی سے شائع ہُوا اور صفحات کی تعداد 264 تھی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن شیخ مبارک علی نے لاہور سے 1924ء میں شائع کیا اور تیسرا ایڈیشن 1929ء میں شائع ہوا۔(206)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی پیامِ مشرق کے دوسرے ایڈیشن کے صفحات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اب دوسرے ایڈیشن میں، اقبال نے اڑتالیس صفحات کا اضافہ کیا.....''(207)

مندرجہ بالا اقتباسات کی رو سے پیامِ مشرق کے پہلے ایڈیشن کے صفحات کی تعداد 264 اور دوسرے ایڈیشن کے صفحات کی تعداد 312 تھی۔ جبکہ زیرِ نظر کتاب (نثری ترجمہ از خرم شفیق و مزملہ شفیق) میں پیامِ مشرق کے پہلے ایڈیشن کے صفحات کی تعداد 216 اور دوسرے ایڈیشن کے صفحات کی تعداد 280 لکھی گئی ہے۔ اس طرح اسی کتاب (نثری ترجمہ از خرم شفیق و مزملہ شفیق) میں پیامِ مشرق کے تیسرے ایڈیشن کی اشاعت کے بارے میں لکھا گیا ہے:

''اس کے بعد اقبال کی زندگی میں اس کتاب کا صرف ایک اور اڈیشن غالباً ۱۹۲۹ء میں
شائع ہوا۔ باقی تمام اڈیشن ان کی وفات کے بعد چھپے۔''(208)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی تحقیق کے مطابق پیامِ مشرق کا تیسرا ایڈیشن 1929ء میں ہی شائع ہوا تھا۔ مندرجہ بالا اقتباس میں لفظ غالباً سے اندازہ ہوتا ہے کہ سنِ اشاعت درج کرتے وقت تحقیق سے کام نہیں لیا گیا۔ پیامِ مشرق کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن کے صفحات کی تعداد بھی بغیر کسی حوالے کے درج کی گئی ہے اور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی تحقیق سے موازنہ کریں تو یہ معلومات درست نہیں ہیں۔

اس کتاب کے شروع کے دو صفحات کے جائزہ سے ہی واضح ہوتا ہے کہ مترجمین نے حقِ تحقیق اور حقِ تصنیف ادا نہیں کیا۔ نثری ترجمہ پر مشتمل یہ کتاب صرف چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں کہیں بھی حوالہ جات نہیں دیے گئے۔ صرف تین صفحات پر پانچ عدد حواشی دیے گئے ہیں۔

یہ کتاب کتابت، طباعت، ڈیزائننگ اور پیشکش کے انداز کے لحاظ سے خوبصورت ہے مگر اس ترجمہ کو مستند قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اسے تحقیق کے اصولوں کے مطابق مستند نہیں بنایا گیا۔ اس طرح ضروری توضیحات (حوالے، حواشی اور تعلیقات) بھی نہیں دی گئیں جس وجہ سے اس نثری ترجمہ سے بھرپور استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کتاب "11×"8 سائز کے صفحات پر طبع ہوئی ہے۔ زیادہ تر صفحات کا پرنٹنگ ایریا "8.5×"4.5 ہے۔ بعض صفحات پر یہ ایریا ان حدود سے تجاوز بھی کر گیا ہے۔ مثلاً صفحہ نمبر 34 پر پرنٹنگ ایریا "9×"4.5 ہے۔ یہ بے قاعدگی تو ایک طرف رہی، اگر کتاب میں استعمال ہونے والے صفحہ کے سائز اور پرنٹنگ ایریا کا فرق نکالیں تو ہر صفحہ کے دائیں، بائیں قریباً "3.5 جگہ خالی ہے جہاں پر حواشی درج ہو سکتے تھے اور ہر صفحہ کے نیچے قریباً "1.5 گنجائش ہے جہاں پر حوالہ جات درج کیے جا سکتے تھے۔ کچھ اور محنت سے اس کتاب کو مستند، آسان اور زیادہ سے زیادہ افراد کے لیے قابلِ فہم بنایا جا سکتا تھا۔ اقبال اکیڈمی سرکاری ادارہ ہے۔ اس کا کارِ منصبی اقبال کی شخصیت، فکر و فن پر تحقیق، تصنیف و تالیف

اور تفہیم کے امور بہ طور احسن سرانجام دینا ہے۔ فنڈز کے مسائل بھی نہیں ہیں۔ فکرِ اقبال کی اشاعت کے حوالے سے یہ ادارہ بہت سی گراں مایہ خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ تاہم پیامِ مشرق کے اردو تراجم کے حوالے سے مجھے جن کتب پر تحقیق وتبصرہ کے مواقع ملے ہیں ان کے مطابق یہ تاثر ملتا ہے کہ ادارہ کی مطبوعہ کتب میں کتابت اور املا کی اغلاط کافی نظر آتی ہیں۔ اسی طرح حوالہ جات، حواشی، تعلیقات اور اسناد کا ذکر بھی کم ہی نظر آتا ہے۔

کتاب 'آسان پیام مشرق' کے صفحات نمبر 3 اور 4 پر 'فہرس' کے عنوان سے فہرست دی گئی ہے۔ 'فہرس' عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب فہرست ہے۔ آسان ترجمہ کی کتاب میں اس دقیق لفظ کے بجائے لفظ ''فہرست'' زیادہ سہل اور موزوں رہتا۔ فہرست میں نمبر شمار نہیں دیے گئے۔ لالۂ طور کے عنوان کے تحت ان 19 عدد منتخب رباعیات کی فہرست یا نمبرز نہیں دیے گئے جن کا ترجمہ اس کتاب میں دیا گیا ہے۔ حصہ 'افکار' میں سے منتخب نظموں کے اردو میں نام دیے گئے ہیں۔ اگر ان کے فارسی نام اور پیامِ مشرق سے اصل متن کے صفحات نمبر ساتھ دے دیے جاتے تو قارئین اپنے ذوق کے مطابق بآسانی اصل متن تک رسائی حاصل کر کے، استفادہ کر سکتے۔ 'مئے باقی' میں صرف پانچ غزلیات کا منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ فیض احمد فیض نے کیا ہے۔ حصہ ''نقشِ فرنگ'' اور 'خردہ' سے بھی منتخب کلام کا نثری ترجمہ دیا گیا ہے۔

سلسلہ آسان کتب سے تعلق رکھنے والی یہ کتاب پیامِ مشرق کے نثری ترجمہ پر مشتمل ہے۔ اس میں غزلیات کے منظوم ترجمہ کے بجائے منثور ترجمہ دیا جانا چاہیے تھا۔ صرف حصہ غزلیات میں ہی منظوم اردو ترجمہ دینے کی وجہ ناقابلِ فہم ہے۔ اگر منظوم ترجمہ دینا ہی تھا تو باقی حصوں میں بھی فیض احمد فیض، حضور احمد سلیم، عبدالرحمٰن طارق یا کسی اور شاعر کا موزوں اور خوبصورت ترجمہ منتخب کر کے دیا جا سکتا تھا۔ اکثر صفحات (مثلاً صفحات نمبر 28 اور 29) پر اب بھی اتنی گنجائش ہے کہ تین کالموں کی صورت اصل فارسی کلام، اس کا نثری ترجمہ اور منظوم ترجمہ دیا جا سکتا تھا۔

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ فہرست کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ اس میں نمبر شمار دیے جائیں۔ پیامِ مشرق میں دی گئی اصل متن کی فہرست کے مطابق فارسی زبان میں عنوانات اور ان کے صفحات نمبر دیے جائیں۔ ساتھ ہی آسان پیامِ مشرق کی فہرست کے مطابق ان کے اردو میں عنوانات اور صفحات نمبر دیے جائیں۔ اس طرح تفہیم متن اور تحقیق کے معاملات آسان ہو جائیں گے۔ تحقیق کے مطابق مجوزہ فہرست نیچے دی جا رہی ہے۔ اس فہرست سے ہمیں آسان پیامِ مشرق میں سے دیے گئے منتخب کلام کے بارے میں ضروری تفصیلات بھی معلوم ہو جائیں گی جس سے اس کتاب پر تحقیق وتنقید اور تبصرہ کے امور سمجھنا آسان ہو جائیں گے۔

مجوزہ فہرست

نمبر شمار	عنوان (بمطابق پیام مشرق)	صفحہ نمبر (بمطابق پیام مشرق)	عنوان (بمطابق آسان ترجمہ پیام مشرق)	صفحہ نمبر (بمطابق آسان ترجمہ پیام مشرق)
۱	دیباچہ	۷	دیباچہ	۷
۲	پیش کش	۱۵	پیشکش	۸
	لالۂ طور	۲۳	لالۂ طور	۱۱
۳	رباعیات		(۱۹ منتخب رباعیات)	

	افکار	٨١	افکار	
٤	گلِ نخستیں	٨٣	پہلا پھول	١٦
٧	تسخیرِ فطرت	٨٥	تسخیر فطرت	١٦
	١۔ میلادِ آدم	٨٥	آدم کی پیدائش	١٦
	٢۔ انکارِ ابلیس	٨٥	ابلیس کا انکار	١٦
	٣۔ اغوائے آدم	٨٦	آدم کو بہکانا	١٧
	٤۔ آدم از بہشت بیروں آمدہ می گوید	٨٧	آدم جنت سے باہر آ کر کہتے ہیں	١٧
	٥۔ صبحِ قیامت	٨٨	صبح قیامت	١٨
٨	بوئے گل	٨٩	گلاب کی خوشبو	١٨
٩	نوائے وقت	٨٩	وقت کی آواز	١٨
١١	حیاتِ جاوید	٩٤	ہمیشہ کی زندگی	١٩
١٣	زندگی	٩٦	زندگی	٢٠
١٨	کرمِ کتابی	١٠٣	کتابی کیڑا	٢٠
٢٠	لالہ	١٠٥	لالہ	٢٢
٢٦	محاورہ مابین خدا و انسان	١١٤	خدا اور انسان کا مکالمہ	٢٣
٢٧	ساقی نامہ	١١٥	ساقی نامہ	٢٣
٣٠	تنہائی	١١٨	تنہائی	٢٥
٤٠	جوئے آب	١٢٩	جوئے آب	٢٥
٤١	نامۂ عالمگیرؒ	١٣١	اورنگزیب کا خط	٢٦
٤٤	عشق	١٣٣	عشق	٢٦
٥٠	غنی کشمیری	١٣٧	غنی کشمیری	٢٧
	مئے باقی (غزلیات)	١٤١	مئے باقی (٥) غزلیات	
١٠	ہوائے فرودیں در گلستان میخانہ می سازد	١٥٢	بہاروں کی ہوا سے گلستاں میخانہ بنتا ہے	٢٨
١٢	آشنا ہر خار را از قصہ ما ساختی	١٥٤	اس طرح قصہ مرا ہر خار پر وا کر دیا	٢٨
٢٤	فرقے نہ نہد عاشق در کعبہ و بتخانہ	١٦٥	عاشق کے لیے یکساں کعبہ ہو کہ بتخانہ	٢٨
٢٦	ایں گنبدِ مینائی، ایں پستی و بالائی	١٦٧	یہ گنبدِ مینائی، یہ پستی و بالائی	٢٩

۳۳	نہ تو اندر حرم گنجی، نہ در بت خانہ می آئی	۱۷۳	نہ بستے ہو حرم میں نے سُوئے بتخانہ آتے ہو	۲۹
	نقشِ فرنگ	۱۸۵	یورپ کی تصویریں	
۵۶	پیام	۱۸۷	پیام	۳۰
۵۷	جمعیت الاقوام	۱۹۳	جمعیت الاقوام	۳۱
۵۸	شوپن ہار و نیٹشا	۱۹۴	شوپنہار اور نیٹشے	۳۲
۶۰	صحبتِ رفتگاں	۱۹۶	گزرے ہوئے لوگ	۳۳
۶۷	محاورہ مابین حکیم فرنسوی اگسٹس کومٹ و مرد مزدور	۲۰۴	اگسٹس کومٹ اور مزدور	۴
۶۹	جلال و گوئٹے	۲۰۶	جلال اور گوئٹے	۳۵
۷۰	پیغام برگساں	۲۰۷	برگساں کا پیغام	۳۶
۷۳	حکما	۲۱۱	فلاسفہ	۳۶
۷۴	شعرا	۲۱۲	شعراء	۳۶
۷۶	خطاب بہ انگلستان	۲۱۴	انگلستان کے نام	۳۷
۷۷	قسمت نامہ سرمایہ دار و مزدور	۲۱۵	مالک اور مزدور	۳۷
۷۸	نوائے مزدور	۲۱۶	مزدور کی آواز	۳۹
۸۰	خردہ	۲۱۸	مختصر باتیں	۴۰

آسان پیام مشرق میں 'فہرس' کے بعد دیباچہ کی تلخیص دی گئی ہے۔ دیباچہ بہت مختصر اور جامع ہے۔ پیامِ مشرق میں دیا گیا دیباچہ قریباً چھ (6) صفحات پر مشتمل ہے۔ آسان 'پیام مشرق' میں اصل دیباچہ کا مفہوم نہایت مختصر اور جامع انداز سے صرف ایک صفحہ پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ کوشش قابلِ تعریف ہے۔

'دیباچہ' کے بعد 'پیشکش' کے تمام اشعار کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔ یہ لفظی ترجمہ نہیں ہے بلکہ بامحاورہ یا نثری ترجمہ دیا گیا ہے۔ نثری ترجمہ کو رواں اور عام فہم بنانے کے لیے بعض اشعار کے ترجمہ میں کچھ الفاظ کم و بیش بھی کیے گئے ہیں۔ مگر اصل متن کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔ پہلے چھ اشعار اور ان کا نثری ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ اس کتاب میں اصل متن نہیں دیا گیا۔ صرف تقابل و موازنہ کے لیے اصل متن، احمد جاوید کا لفظی ترجمہ اور اس کے بعد نثری ترجمہ دیا جا رہا ہے۔

اصل متن از پیام مشرق	ترجمہ از تسہیل پیام مشرق
اے امیرِ کامگار اے شہریار	اے بلند اقبال سردار، اے بادشاہ
نوجوان و مثلِ پیراں پختہ کار	نوجوان مگر بوڑھوں کی طرح جہاں دیدہ
چشمِ تو از پردگیہا محرم است	تیری آنکھ چھپی ہوئی چیزوں کی راز داں ہے
دل میانِ سینہ ات جامِ جم است	تیرے سینے میں دل گویا جمشید کا پیالہ ہے
عزمِ تو پایندہ چوں کہسارِ تو	تیرا عزم تیرے پہاڑوں کی طرح اٹل

حزمِ تو آساں کند دُشوارِ تو
ہمتِ تو چوں خیالِ من بلند
ملتِ صد پارہ را شیرازہ بند
ہدیہ از شہنشاہاں داری بسے
لعل و یا قوتِ گراں داری بسے
اے امیر ، ابنِ امیر، ابنِ امیر
ہدیہَ از بے نوائے ھم پذیر!
(209)

تیری سوجھ بوجھ تیری مشکل آسان کرتی ہے
تیری ہمت میرے تخیل کی طرح بلند
تتر بتر ملت کو اکٹھا کرنے والی
بڑے بڑے بادشاہوں نے تجھے نذریں گزاری ہیں
تو بہت سے انمول ہیرے موتی رکھتا ہے
اے جدی پشتی سلطان
ایک فقیر کی ناچیز نذر بھی قبول کر
(210)

نثری ترجمہ از آسان پیامِ مشرق

''اے بادشاہ، اے بامراد سردار! اے بوڑھوں کی طرح تجربہ کار نوجوان، آپ کی آنکھ چھپی ہوئی چیزوں سے واقف ہے اور آپ کے سینے میں دل جمشید کا پیالہ ہے۔ آپ کا عزم آپ کے پہاڑوں کی طرح مضبوط، آپ کی احتیاط مشکلیں آسان کرنے والی، آپ کی ہمت میرے تخیل کی طرح بلند اور بکھری ہوئی قوم کو اکٹھا کرنے والی ہے۔ اے خاندانی سردار! آپ کے پاس بڑے بڑے بادشاہوں کے تحفے اور انمول ہیرے موتی ہیں، اب ایک فقیر کا ناچیز نذرانہ بھی قبول کیجئے!'' (211)

اصل متن اور اس کے لفظی ترجمہ سے واضح ہوتا ہے کہ نثری ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔ ترجمہ سلیس، رواں اور عام فہم بنانے کے لیے اور عبارت میں ربط اور تسلسل قائم کرنے کے لیے کچھ الفاظ یا جملے آگے پیچھے کئے گئے ہیں۔ مثلاً پہلے دو اشعار کا لفظی ترجمہ ہے''اے بلند اقبال سردار، اے بادشاہ۔ نوجوان مگر بوڑھوں کی طرح جہاں دیدہ۔ تیری آنکھ چھپی ہوئی چیزوں کی رازداں ہے۔ تیرے سینے میں دل گویا جمشید کا پیالہ ہے۔''نثری ترجمہ میں الفاظ 'تیری'، 'میرے' کے بجائے لفظ 'آپ' استعمال کر کے شائستگی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ لفظ 'بادشاہ' پہلے اور لفظ 'سردار' بعد میں استعمال ہُوا ہے۔ آخری مصرعے کے لفظی ترجمہ سے لفظ 'گویا' حذف کر کے ترجمہ میں روانی پیدا کی گئی ہے۔ اس طرح نثری ترجمہ آسان، سلیس اور رواں بن گیا ہے۔ ترجمہ کی یہ خوبصورتی تمام کتاب میں نظر آتی ہے۔

ترجمہ میں بعض مقامات پر مشکل الفاظ کے استعمال کی وجہ سے نفسِ مضمون عام فہم نہیں رہا۔ مثلاً پیشکش کے شعر نمبر 10 میں اقبال کہتے ہیں کہ یورپ کے پیشوا جرمن شاعر نے مغرب سے مشرق کو سلام بھیجا ہے۔ شعر نمبر 11 میں اقبال کہتے ہیں کہ میں نے اس کے جواب میں مشرق کا پیغام کہا ہے۔ شعر نمبر 11، اس کا تسہیل پیامِ مشرق سے احمد جاوید کا ترجمہ اور آسان پیامِ مشرق از خرم شفیق و مزملہ شفیق کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

اصل متن از پیامِ مشرق

در جوابش گفتہ ام پیغامِ شرق
ماہ تابے ریختم بر شامِ شرق
(212)

ترجمہ از تسہیل پیامِ مشرق

میں نے اُس کے جواب میں مشرق کا پیغام کہا ہے
پورب کے جھٹپٹے پر چاندنی چھٹکا دی
(213)

ترجمہ از خرم شفیق و مزملہ شفیق

''میں نے اُس کے جواب میں مشرق کا پیغام کہہ کر یورپ کی شام پر چاندی چٹکائی ہے۔''(214)

احمد جاوید نے دوسرے مصرعے کے ترجمہ میں 'مشرق' کا ترجمہ 'پُورب' کیا ہے۔ پُورب ہندی زبان کا لفظ ہے۔ اس سے مراد 'مشرق' ہے۔ اس طرح لفظ 'شام' کا ترجمہ 'جھٹپٹے' کیا گیا ہے۔ 'شامِ مشرق' کا ترجمہ 'پورب کے جھٹپٹے' سے کیا گیا ہے اور 'ماہ تابے ریختم' کا ترجمہ 'چاندی چھٹکادی' کیا ہے۔ ترجمہ کو سمجھنے کے لیے مزید ترجمہ اور توضیح کی ضرورت ہے۔ کتاب 'آسان پیام مشرق' کا نثری ترجمہ احمد جاوید کے ترجمہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس لیے اصل متن کے ساتھ احمد جاوید کا ترجمہ اور نثری ترجمہ بھی پیش کر کے موازنہ کیا جا رہا ہے۔ آسان پیام مشرق کے مترجمین نے احمد جاوید کے ترجمہ کی مشکل آسان کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس ترجمہ کو ذرا سا بدل کر لکھ دیا 'میں نے اُس کے جواب میں مشرق کا پیغام کہہ کر یورپ کی شام پر چاندی چٹکائی ہے۔' مترجمین نے لفظ 'پُورب' کو 'یورپ' بنا دیا اور 'چاندی چھٹکادی' کی جگہ پر 'چاندی چٹکائی' لکھ دیا۔ اصل محاورہ 'چاندنی چھٹکنا' یا 'چاندنی چٹکنا' ہے نہ کہ 'چاندی چھٹکانا' یا 'چاندی چٹکانا'۔

لغت میں اصل محاورہ یوں درج ہے:

> 'چاندنی چھٹکنا' یا 'چاندنی چٹکنا' اردو محاورہ ہے۔ لغت کے مطابق اس کا مطلب 'چاند کی روشنی پھیلنا' ہے۔(215)

لغت کے مطابق لفظ 'چاندی' کا مفہوم درج ذیل ہے:

> ''چاندی: (ہ۔ امث) (۱) ایک سفید دھات۔ نقرہ۔ سیم۔ رُوپا۔ جس کے درمیانی سکے اور غریب لوگوں کے زیورات بنائے جاتے ہیں (۲) دولت مال (۳) نفع۔ فائدہ۔ کامیابی (۴) آدمی کے سر کے اوپر کا حصہ۔''(216)

مندرجہ بالا حوالوں کے مطابق اصل محاورہ 'چاندنی چھٹکنا' یا 'چاندنی چٹکنا' ہے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ احمد جاوید نے اپنے ترجمہ میں 'ماہ تابے ریختم' کا ترجمہ 'چاندی چھٹکادی' لکھ دیا۔ ان کی اپنی غلطی سے یا ٹائپسٹ (کمپوزر) کی غلطی سے لفظ چاندنی کے بجائے 'چاندی' لکھا گیا۔ نثری ترجمہ کے فاضل مترجمین نے اس ترجمہ کی اندھا دھند پیروی کرتے ہوئے یہ ترجمہ 'چاندی چٹکائی' بنا دیا۔

تسہیل پیام مشرق 1992ء میں شائع ہوئی تھی۔ احمد جاوید کا یہی ترجمہ مارچ 2000ء کو شفیق ناز الحمرا پبلشنگ، اسلام آباد کی طرف سے شائع کیا گیا۔ پہلے ترجمہ سے موازنہ کریں تو اس میں بعض مقامات پر کچھ تبدیلی نظر آتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نظر ثانی شدہ ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ میں احمد جاوید نے مذکورہ بالا شعر کا ترجمہ یوں دیا ہے:

''میں نے اس کے جواب میں مشرق کا پیغام کہا ہے مشرق کے جھٹپٹے پر چاندی چھٹکا دی''
(217)

ان کے پہلے ترجمہ میں لفظ 'پورب' استعمال ہوا تھا جسے 'مشرق' سے تبدیل کر دیا گیا۔ یہاں بھی 'چاندی چھٹکادی' کا غلط محاورہ استعمال ہُوا ہے۔ یہی غلط محاورہ نثری ترجمہ پیام مشرق میں مترجمین (خرم شفیق اور مزملہ شفیق

) نے استعمال کیا ہے۔ یہ غلطی اس امر حقیقی کا ثبوت ہے کہ خرم شفیق اور مزملہ شفیق نے یہ ترجمہ احمد جاوید کے ترجمہ سے اخذ کیا ہے اور اخذ و قبول کے سلسلہ میں احتیاط کا دامن تھامے نہیں رکھا۔ دیگر مترجمین نے اس شعر کا ترجمہ درست کیا ہے۔

میاں عبدالرشید لکھتے ہیں:

''میں نے اس کے جواب میں ''پیغام مشرق'' لکھا ہے (اور اس سے) گویا مشرق کی شامِ زوال پر چاندنی بکھیر دی ہے۔'' (218)

خواجہ حمید یزدانی لکھتے ہیں:

''..... اس کتاب سے میں نے مشرق کی شام پر چاند کی روشنی پھیلائی ہے۔ گویا اس طرح اہل یورپ پر واضح کیا ہے کہ مشرق بھی علم و ہنر کی روشنی سے منور ہے، اسے جہالت کی دنیا نہ سمجھو۔.....'' (219)

ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم لکھتے ہیں:

''..... (میں نے یہ کام سرانجام دے کر) مشرق کی شام پر روشن چاند کی کرنیں بکھیری ہیں۔ مراد یہ ہے میں نے یورپ والوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ جس مشرق کو تم جہالت کا جہان سمجھتے ہو علم و ہنر کی وہاں بھی روشنی ہے.....'' (220)

حمید اللہ ہاشمی لکھتے ہیں:

''میں نے اس کے جواب میں مشرق کا پیغام (پیام مشرق) کہا (لکھا) ہے۔ (گویا) یورپ (مشرق) کے جھٹپٹے (زوال) پر چاندنی بکھیر دی ہے۔ (میں نے یہ کام کر کے مشرق کی شام پر روشن چاند کی کرنیں بکھیری ہیں یعنی یورپ کو باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ جس مشرق کو تم جہالت کا جہان سمجھتے ہو علم و ہنر کی وہاں بھی روشنی ہے)۔.....'' (221)

ان تمام تراجم کا جائزہ لیں اور اس نثری ترجمہ سے موازنہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ تمام مترجمین نے اس شعر کا واضح ترجمہ کیا ہے اور ساتھ ہی مختصر الفاظ میں اس شعر کا مفہوم بھی بیان کر دیا ہے۔ خرم شفیق اور مزملہ شفیق کا اس شعر کے حوالے سے نہ تو نثری ترجمہ درست ہے اور نہ ہی انہوں نے اس شعر کا مفہوم واضح کیا ہے۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مترجمین آسان پیامِ مشرق نے بعض مقامات پر واضح ترجمہ نہیں دیا ہے۔ ترجمہ اصل متن کا مفہوم واضح نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مترجمین نے بغیر کسی احتیاط کے احمد جاوید کے ترجمہ سے استفادہ کیا ہے۔ شعر نمبر 11 کے دیے گئے تراجم کے موازنہ سے ایک اور بات سامنے آتی ہے کہ حمید اللہ ہاشمی نے ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم کے ہی الفاظ میں اس شعر کا مفہوم بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم کا ترجمہ پہلے شائع ہوا تھا اور حمید اللہ ہاشمی کا بعد میں۔ گویا حمید اللہ ہاشمی نے ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم کی عبارت بغیر کسی حوالے کے بعینہٖ نقل کر دی ہے۔ خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں۔

'پیشکش' میں صفحہ نمبر 9 کے شروع میں دیا گیا شعر نمبر 29 کا ترجمہ بھی قابلِ غور ہے۔ اس ترجمہ سے گستاخی کا عنصر ظاہر ہوتا ہے۔ دیگر مترجمین میں سے کسی نے بھی یہ انداز اختیار نہیں کیا ہے۔ اصل متن اور اس کے

تراجم ملاحظہ فرمائیں۔

از ہنر سرمایہ دارم کردہ اند در دیارِ ہند خوارم کردہ اند (222)

خرم شفیق، مزملہ شفیق کا ترجمہ:

''..... قدرت نے مجھے ہنر کی دولت سے مالا مال کر کے ہندوستان میں خوار کیا ہوا ہے..... ''(223)

احمد جاوید کا ترجمہ:

''مشیت نے مجھے ھنر کی دولت سے مالا مال کر رکھا ہے۔ مگر ھندوستان میں مجھے خوار کیا ہوا ہے۔ ''(224)

میاں عبدالرشید کا ترجمہ:

''مجھے ہُنر (سخن) کا سرمایہ عطا کر کے سرزمینِ ہند میں خوار کیا گیا ہے۔''(225)

ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم کا ترجمہ:

''مجھے ہُنر سے مالا مال کیا ہے+ (لیکن) میں ہندوستان کے شہروں میں خوار ہو رہا ہوں (میرے ہنر کی قدر کرنے والا کوئی نہیں میری شاعری سے استفادہ کرنے والا کوئی نہیں)۔ ''(226)

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ:

''قدرت نے مجھے ہنر کی دولت سے مالا مال کر رکھا ہے (لیکن اس کے باوجود) ہندوستان میں خواری کا شکار ہوں۔ مطلب یہ کہ میری اس جذبۂ صادق کی حامل شاعری کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جا رہا''۔(227)

حمید اللہ ہاشمی کا ترجمہ:

''مشیت نے مجھے ہنر (سخن) کی دولت سے مالا مال کر رکھا ہے۔ مگر سرزمین ہندوستان میں مجھے خوار کیا گیا ہے۔ یعنی میرے ہنر کی قدر کرنے والا کوئی نہیں میری شاعری سے استفادہ کرنے والا کوئی نہیں..... ''(228)

مندرجہ بالا تراجم کے موازنہ سے واضح ہوتا ہے کہ

1- آسان پیام مشرق کا ترجمہ احمد جاوید کے ترجمہ سے ماخوذ اور منقول ہے۔ دونوں تراجم میں بے باکانہ طرزِ سخن استعمال ہُوا ہے۔ اس ترجمہ سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ شاعر سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل وخوار کر دیا ہے جبکہ وہ عزت کے قابل تھا۔ میاں عبدالرشید نے قدرے بہتر انداز اختیار کیا ہے اور بالواسطہ انداز میں ذو معنی بات کر دی ہے جس سے ہر کوئی اپنے حُسنِ خیال اور رفعتِ فکر کے مطابق مفہوم اخذ کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم اور ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی دونوں نے ہنر عطا کرنے کی نسبت ذاتِ باری تعالیٰ سے قائم کی ہے۔ جبکہ ذلت وخواری کا ذکر فعل معروف میں کر کے حسنِ ترجمہ کا حق ادا کر دیا۔ حمید اللہ ہاشمی نے بھی ہنر عطا کرنے کی نسبت ذاتِ باری تعالیٰ سے قائم کی ہے۔ جبکہ دوسرے مصرع کا ترجمہ فعل مجہول میں کر دیا ہے۔ یہ ترجمہ بھی خوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو خوبیاں، ہنر اور نعمتیں

عطا کی ہیں وہ سب اس کے فضل وکرم سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو عزازیل (ابلیس) کو بھی ذلیل خوار نہیں کیا بلکہ وہ تکبر کی وجہ سے ذلیل وخوار ہُوا۔ اقبال کیسے کہہ سکتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہندوستان میں ذلیل خوار کر دیا ہے۔ احمد جاوید اور پھر ان کے مقتدی خرم شفیق ومزملہ شفیق متن کا حقیقی مفہوم سمجھ نہیں پائے ۔فکر اقبال کی ترویج کے لیے ان امور کا دھیان رکھنا ضروری ہے۔

2- ان تراجم کے موازنہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حمید اللہ ہاشمی نے یہ ترجمہ احمد جاوید اور ڈاکٹر ل۔د۔نسیم کے ترجمہ سے نقل کیا ہے۔ ان تراجم کے خط کشیدہ جملے اس امر کا بین ثبوت ہیں۔

نثری ترجمہ میں شعر نمبر 48 کا ترجمہ بھی اصل مفہوم ادا نہیں کرتا۔ اصل فارسی متن اور خرم شفیق کا نثری ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

زندگی جہد است و استحقاق نیست جز بعلمِ انفس و آفاق نیست (229)	زندگی آنفس و آفاق کے علم کے سوا کچھ اور نہیں یہ حقوق پر نہیں بلکہ جدوجہد پر مبنی ہے۔ (230)

لفظ 'استحقاق' کا ترجمہ 'حقوق' سے نہیں ہونا چاہیے۔ حقوق کا فرائض سے تعلق ہوتا ہے۔ عام قاری سوچ سکتا ہے یہاں شاید حقوق کی نفی کی جارہی ہے۔ حقوق سے مراد کوشش یا جدوجہد سے کسی چیز کا حق دار ہونا ہے۔ باہمی تعلقات حقوق وفرائض کے رشتہ سے قائم ہیں۔ حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ فرہنگ فارسی اقبال کے مطابق اِستحقاق عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مطلب بغیر سعی وطلب یا جدوجہد کے کسی چیز کا حقدار یا سزاوار ہونے کی صورت حال ہے۔

فرہنگ اقبال فارسی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

> ''اِستحقاق (ع) اسم: بغیر سعی وطلب یا جدوجہد کے کسی چیز کا حقدار یا سزاوار ہونے کی صورت حال۔
>
> زندگی جہداست و استحقاق نیست (پ م،۱۸)'' (231)

اس لیے 'استحقاق' کا ترجمہ 'حقوق' سے نہیں ہوسکتا۔ یہاں اس امر کا جائزہ لیا جانا ضروری ہے کہ دیگر مترجمین نے لفظ 'استحقاق' کا ترجمہ کیسے کیا ہے۔

احمد جاوید کا ترجمہ:

> ''زندگی جان توڑ محنت ہے، استحقاق نہیں۔ (یہ تو بس) انسان اور کائنات کا علم ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔'' (232)

احمد جاوید اپنے نظر ثانی شدہ ترجمہ میں لکھتے ہیں:

> ''زندگی جان توڑ محنت ہے، حق داری نہیں۔ (یہ تو بس) انسان اور کائنات کا علم ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔'' (233)

میاں عبدالرشید کا ترجمہ:

> ''زندگی جدوجہد ہے اس پر کسی کا کوئی استحقاق نہیں، زندگی صرف النفس اور آفاق کے علم پر مشتمل ہے۔'' (234)

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی لکھتے ہیں:

''زندگی جہد و عمل کا نام ہے۔ (اس (جہد) کے بغیر کسی حق کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔
زندگی کائنات کی حقیقتیں جاننے کے علم کے سوا اور کچھ نہیں ہے.....'' (235)

ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم لکھتے ہیں:

''زندگی کوشش کا نام ہے کسی کا استحقاق (اس کا حق ہونا) نہیں ہے + زندگی انفس اور آفاق کے علم کے سوا کچھ نہیں (علم النفس سے مراد فلسفہ وغیرہ کا اور علم آفاق سے مراد سائنس وغیرہ کا علم ہے)۔ (236)

حمید اللہ شاہ ہاشمی لکھتے ہیں:

''..... زندگی جدوجہد کا نام ہے، اس پر کسی کا کوئی استحقاق نہیں۔ یہ تو بس انسان اور کائنات کا علم ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔'' (237)

احمد جاوید نے لفظ 'استحقاق' کا ترجمہ 'حق داری' کیا ہے۔ اس سے بھی مفہوم واضح نہیں ہوتا ہے۔ پہلے مصرع کا سب سے زیادہ واضح اور عام فہم ترجمہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ زندگی جہد و عمل کا نام ہے اس (جہد) کے بغیر کسی حق کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔'' مراد یہ ہے کہ زندگی جدوجہد، کوشش اور عملِ پیہم (مسلسل عمل) کا نام ہے۔ بلند ہمت لوگ زندگی بھر جدوجہد اور کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ اپنی اور دوسروں کی بہتری کے لیے مسلسل جدوجہد میں مصروف رہتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔''وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (النجم 53:39)'' ''انسان کے لیے اس کے سوا کچھ بھی نہیں جس کے لیے اس نے کوشش کی۔'' یعنی انسان کو وہی ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔ ایسے بلند ہمت لوگ اپنی تقدیر خود بناتے ہیں۔ وہ تقدیر کے پابند نہیں ہوتے۔ وہ جدوجہد اور کوشش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں ان کی محنت کا پھل عطا فرماتا ہے۔ وہ 'First deserve, then desire' کے مقولہ پر عمل کرتے ہیں۔ وہ اپنی محنت اور کوشش سے قلبِ سلیم پیدا کرتے ہیں اور قدرت انہیں اوجِ ثریا پر مقیم کر دیتی ہے۔ ایسے لوگ ایام کے مرکب نہیں بلکہ راکب ہوتے ہیں۔ جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم سے خودی مستحکم ہوتی ہے۔ استحکامِ خودی سے انسان نیابتِ الٰہیہ کے مرتبہ و مقام پر فائز ہوتا ہے۔ وہ حقیقی طور پر اشرف المخلوقات کے مقام و مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ جینا ایسے لوگوں کا ہی جینا ہے۔ یہ لوگ زندہ دل ہوتے ہیں۔ یہ فعال اور کارساز ہوتے ہیں۔ اقبال نے اس شعر میں جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم پر مشتمل فلسفہ حیات پیش کیا ہے۔ مترجمین میں سے صرف ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے اس شعر کے پہلے مصرع کا واضح ترجمہ و مفہوم بیان کیا ہے۔ باقی حضرات نے لفظی ترجمہ پر ہی اکتفا کیا ہے۔ تاہم انھوں نے دوسرے مصرع یعنی 'جز بعلم انفس و آفاق نیست' کا ترجمہ و مفہوم نہیں دیا۔ اس مصرع کا درست ترجمہ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ'' زندگی انفس اور آفاق کے علم کے سوا کچھ نہیں۔ ساتھ ہی قوسین میں وضاحت دے دی ہے کہ علم النفس سے مراد فلسفہ وغیرہ کا اور علم آفاق سے مراد سائنس وغیرہ کا علم ہے۔

حاصل کلام یہ کہ پیشکش کے شعر نمبر 48 کے اصل متن کے لحاظ سے خرم شفیق اور مزملہ شفیق کا دیا گیا نثری ترجمہ اصل مفہوم کو واضح نہیں کرتا۔ یہ محض ترجمہ برائے ترجمہ ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے پہلے مصرع کا نسبتہً واضح ترجمہ کیا ہے۔ تاہم دوسرے مصرع کا ان کا ترجمہ تشنگی لیے ہوئے ہے۔

ڈاکٹر الف ۔ د۔ نسیم نے دوسرے مصرع کا واضح ترجمہ دیا ہے۔ انہوں نے علم النفس اور علم آفاق کا مطلب بھی تحریر کردیا ہے۔ تمام تراجم کا جائزہ لیں تو واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی مترجم نے اس شعر کا واضح مفہوم و ترجمہ نہیں دیا ہے۔ میری رائے میں اس کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے:

زندگی جہد است و استحقاق نیست	زندگی جدوجہد اور کوشش کا نام ہے۔ اس (جدوجہد اور کوشش) کے بغیر کسی حق کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔
جز بعلمِ انفس و آفاق نیست	زندگی علم النفس (فلسفہ وغیرہ کا علم) اور علم آفاق (سائنس وغیرہ) کے علم کے سوا کچھ نہیں۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ علمِ النفس سے مراد ہر وہ علم ہے جس سے نفسِ انسانی کے تزکیہ میں مدد ملے اور انسانی شخصیت عروج و بقا پائے۔ اس طرح علم آفاق سے مراد ہر وہ علم ہے جس سے ہمیں کائنات اور اس میں موجود اشیاء و مظاہر کے بارے میں علم حاصل ہو اور تسخیر کائنات کے لیے قوت و صلاحیت حاصل ہو۔ علم النفس سے انسان اپنے آپ کو پہچانتا ہے یعنی عرفانِ نفس حاصل کرتا ہے۔ علم آفاق سے کائنات کی حقیقت منکشف ہوتی ہے۔ عرفانِ نفس سے اور عرفانِ کائنات سے انسان کو ذات باری تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے انسان کی خودی مستحکم ہوتی ہے اور اسے عروج حاصل ہوتا ہے۔ اس شعر میں اقبال نے علم و عمل کا باہمی تعلق بیان کیا ہے اور عظمتِ انسانی کے حصول کے لیے اس راہ میں جہدِ مسلسل اور عمل پیہم کی اہمیت اور ضرورت بیان کی ہے۔

'پیشکش' میں چند ایک دیگر مقامات پر بھی نثری ترجمہ میں مشکل الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ذرا سی توجہ سے ان کمزوریوں پر قابو پایا جاسکتا تھا۔ ایسے چند ایک مقامات کا اجمالاً تذکرہ پیشِ خدمت ہے۔

شعر نمبر 58 میں لعلِ ناب کا ترجمہ نہیں دیا گیا۔ اس کا مفہوم سمجھنے کے لیے لغت سے استفادہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ نثری ترجمہ عام قارئین کے لیے تحریر کیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ آسان کتب کی ایک کڑی ہے۔ اس کے ترجمہ میں اصل متن کے مشکل الفاظ دوبارہ دے دینا یا کوئی اور مشکل الفاظ استعمال کرنا بعید از فہم ہے۔ اصل شعر اور اس کا نثری ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اصل متن از پیامِ مشرق	نثری ترجمہ از خرم شفیق و مزملہ شفیق
لعلِ ناب اندر بدخشانِ تو ہست	آپ کے بدخشاں میں لعلِ ناب اور آپ کے
برقِ سینا در قہستانِ تو ہست	پہاڑوں میں برقِ سینا ہے۔(239)
(238)	

فرہنگ اقبال فارسی میں 'لعلِ ناب' کا مفہوم یوں درج کیا گیا ہے:

لعلِ ناب: خالص لال، مراد زر و جواہر و دولت

خواجہ از خون رگِ مزدور سازد لعلِ ناب (زع،۹۴) (240)

اس لیے 'لعلِ ناب' کا ترجمہ خالص لال، کھرا یاقوت، قیمتی لال کردیا جاتا تو مفہوم واضح ہو جاتا۔

شعر نمبر 60 کا ترجمہ بھی واضح نہیں ہے۔ اصل شعر اور اس کا نثری ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

نثری ترجمہ از خرم شفیق و مزملہ شفیق	اصل متن از پیامِ مشرق
..... کتنے ہی ایسے ہیں کہ ابلیسی میں مصروف ہیں، کتنے ہی ابلیسوں نے ادریسؑ کا بھیس بنا رکھا ہے۔(242)	اے بسا آدم کہ ابلیسی کند اے بسا شیطان کے ادریسی کند (241)

مذکورہ بالا شعر کا ترجمہ بھی 'احمد جاوید' کے ترجمہ سے ماخوذ ہے۔ احمد جاوید کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"کتنے ہی آدمی ھیں جو (اندر اندر) ابلیسی میں مصروف ہیں۔ کتنے ہی ابلیس ہیں کہ ادریس کا سوانگ رچا رکھا ہے۔"(243)

الحمرا پبلشنگ سے شائع ہونے والے 'احمد جاوید' کے ترجمہ میں کچھ تبدیلی نظر آتی ہے۔ 'احمد جاوید' لکھتے ہیں:

"کتنے ہی آدمی ہیں جو (اندر اندر) ابلیسی میں مصروف ہیں۔ کتنے ہی ابلیس ہیں کہ جو ادریسؑ کے بھیس میں ہیں۔"(244)

'ابلیسی کند' کا ترجمہ 'ابلیسی میں مصروف ہیں' کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ عام فہم نہیں ہے۔ اس کی جگہ پر ترجمہ ہوسکتا ہے، 'در پردہ شیطانی عمل کرتے ہیں'، 'ابلیس کا کام کرتے ہیں'، 'شیطانی کام کرتے ہیں'۔

اس شعر کے دوسرے مصرع میں 'ادریسی کند' کا ترجمہ 'ادریسؑ کا بھیس بنا رکھا ہے' کیا گیا ہے۔ 'احمد جاوید' کی دونوں کتابوں میں یہی ترجمہ ہے۔ خرم شفیق نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ حمید اللہ ہاشمی نے بھی 'احمد جاوید' کا ترجمہ نقل کیا ہے۔ ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"بہت سے آدمی جو (اندر اندر ابلیس کا کام کرتے ہیں (ابلیسی میں مصروف ہیں۔ اور بہت سے شیطان (ابلیس) ہیں جو ادریسؑ کے لباس میں نظر آتے ہیں۔"(245)

میاں عبدالرشید 'ادریسی کند' کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"..... جو ادریسی کے لباس میں نظر آتے ہیں۔"(246)

انہوں نے 'ادریس' کے بجائے 'ادریسی' لکھ دیا۔ میاں عبدالرشید کا ترجمہ 1991ء میں شائع ہوا تھا۔ احمد جاوید کا ترجمہ 1992ء میں شائع ہوا۔ ان کا نظر ثانی شدہ ترجمہ الحمرا پبلشنگ سے 2000ء میں شائع ہوا تھا۔ حمید اللہ ہاشمی کے ترجمہ پر اس کا سن اشاعت درج نہیں ہے۔ ان سے موبائل فون پر رابطہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ ترجمہ آج سے قریباً 4/5 سال قبل 2007ء یا 2008ء میں شائع ہوا۔ ان مترجمین نے اسی ترتیب سے اپنی کاوشیں پیش کیں۔

دیگر مترجمین نے 'ادریسی کند' کا ترجمہ یہ نہیں کیا۔ ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم اس مصرع کا ترجمہ کرتے ہیں:

"(اور) بہت سے شیطان لوگ ایسے ہیں جو حضرت ادریس پیغمبر کی طرح نیکی کرنے والے دکھائی دیتے ہیں....."(247)

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے اس مصرع کا لفظی ترجمہ دینے کے بجائے اس کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اس مصرع کا ترجمہ و مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

"..... جبکہ کئی ایک آدمی جو بظاہر شیطان یعنی برے نظر آتے ہیں، درحقیقت وہ حضرت ادریسؑ کی سی صفات کے مالک ہوتے ہیں۔ ....."(248)

ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم اور ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے 'ادریسی کند' کا صحیح اور واضح ترجمہ کیا ہے۔ 'ادریسی کند' سے مراد حضرت ادریسؑ کی طرح نیک کام کرنا ہے۔ میاں عبدالرشید نے 'ادریسی کند' کا ترجمہ 'ادریس کے لباس میں نظر آتے ہیں'، کیا ہے۔ احمد جاوید نے اس کا ترجمہ 'ادریسؑ کا بھیس بنا رکھا ہے'، 'ادریس کا سوانگ رچا رکھا ہے'، کیا ہے۔ یہ لفظی ترجمہ نہیں ہے اور اس سے اصل متن کا بالواسطہ مفہوم ملتا ہے۔ اس لیے یہ ترجمہ ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم اور ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کے ترجمہ کی طرح متن کا واضح مفہوم ادا نہیں کرتا۔ حمید اللہ ہاشمی، خرم شفیق اور مزملہ شفیق نے بغیر سوچے سمجھے میاں عبدالرشید اور احمد جاوید کی اندھا دھند پیروی کرتے ہوئے ان کا کیا ہُوا ترجمہ دے دیا ہے۔

حمید اللہ ہاشمی نے اس شعر کے معانی بھی 'احمد جاوید' کی تسہیل پیام مشرق سے لفظ بہ لفظ نقل کئے ہیں۔ تقاضائے تحقیق کے پیشِ نظر 'احمد جاوید' کے معانی اور حمید اللہ ہاشمی کے معانی پر غور کرنے سے استفادے بلکہ نقل کا احساس ہوتا ہے۔ نقل کرتے ہوئے حمید اللہ ہاشمی سے ایک غلطی بھی ہوگئی ہے۔ جس سے یقینی طور پر ان کی یہ کوشش 'سرقہ' ثابت ہوتی ہے۔ دائیں کالم میں 'احمد جاوید' کی تسہیل پیام مشرق سے پیشکش کے دو اشعار ''کشورِ محکم اساسے..... ادریسی کند'' کے درج شدہ معانی اور بائیں کالم میں پروفیسر حمید اللہ ہاشمی کی لکھی قابلِ تنقید سعی برائے ملاحظہ پیشِ خدمت ہے۔

الفاظ معانی از احمد جاوید

کشورِ محکم اساسے: مضبوط بنیادوں پر اُستوار ایک سلطنت (کشور = ملک، سلطنت + محکم = مضبوط + اساس = بنیاد + ے = ایک، عظیم)۔ بایدت: تجھے چاہیے۔ (باید = چاہیے۔ [بایستن = چاہنا، درکار ہونا] + ت = تجھے)۔ دیدۂ مردم شناسے: آدمی کو پہچاننے والی آنکھ (دیدہ = آنکھ + مردم = آنکھ [یہاں ''دیدہ'' کے حوالے سے ایک رعایت یہ بھی ہے کہ مردم آنکھ کی پتلی کو بھی کہتے ہیں] + شناس = پہچاننے والی [شناختن = پہچانا] + ے = یائے تاکید)۔

اے بسا: بے شمار، کتنے ہی۔ <u>(اے = ''بس'' یا ''بسا'' سے پہلے آئے تو مفہوم میں وسعت اور شدت پیدا کرتا ہے</u> + بسا = بہت)۔ آدم: آدمی۔ ابلیسی: ابلیس کی سی حرکت۔ کند: وہ کرتا ہے (کردن = کرنا)۔ ادریسی: حضرت ادریس علیہ السلام کی صفت یعنی تعلیم و تدریس، حضرت ادریس علیہ السلام ایسا کام۔ رنگِ او: اُس کا رنگ (249)

الفاظ معانی از حمید اللہ ہاشمی

کشورِ محکم اساسے: مضبوط بنیادوں پر استوار ایک سلطنت۔ بایدت: تجھے چاہیے۔ باید: چاہیے۔ بایستن: چاہنا، درکار ہونا۔ دیدہ مردم شناسے: آدمی کو پہچاننے والی آنکھ۔ اے بسا: بے شمار، کتنے ہی۔ <u>تو مفہوم میں وسعت اور شدت پیدا کرتا ہے۔</u> آدم: آدمی۔ ابلیسی: ابلیس کی سی حرکت۔ کند: وہ کرتا ہے۔ ادریسی: حضرت ادریس علیہ السلام کی صفت یعنی تعلیم و تدریس، حضرت ادریس علیہ السلام ایسا کام۔ (250)

مندرجہ بالا تمام الفاظ اور ان کے معانی کا تقابل کریں تو حیرت انگیز مشابہتوں یا نقل کا اندازہ ہوتا ہے۔

احمد جاوید 'اے' اور 'بسا' کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(اے="بس" یا "بسا" سے پہلے آئے تو مفہوم میں وسعت اور شدت پیدا کرتا ہے+ بسا= بہت)

حمید اللہ ہاشمی اس عبارت سے "(اے="بس" یا 'بسا' سے پہلے آئے" نہیں لکھ پائے اور ان کی عبارت غیر واضح اور بے ربط ہوگئی ہے۔ پہلے پیش کئے جا چکے اقتباس کے درج ذیل الفاظ قابل غور ہیں۔ ملاحظہ کریں، حمید اللہ ہاشمی لکھتے ہیں:

"اے بسا: بے شمار، کتنے ہی۔ تو مفہوم میں وسعت اور شدت پیدا کرتا ہے۔"

یہاں حمید اللہ ہاشمی، احمد جاوید کی یہ عبارت نقل نہیں کر پائے:

"(اے="بس" یا "بسا" سے پہلے آئے"

نثری ترجمہ ..... "لالۂ طور"

نثری ترجمہ "پیام مشرق" کے حصہ "لالۂ طور" کے شروع میں یہ عبارت درج ہے:

"پیامِ مشرق" کا پہلا حصہ لالۂ طور ہے۔ اس میں ۱۶۱ رباعیات شامل ہیں۔ ذیل میں منتخب رباعیات کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔"(251)

مندرجہ بالا اقتباس میں رباعیات کی تعداد غلط بیان کی گئی ہے۔ لالۂ طور میں ۱۶۳ رباعیات ہیں۔

نثری ترجمہ 'پیام مشرق' میں درج ذیل انیس(19) عدد رباعیات کا ترجمہ دیا گیا ہے:

1، 2، 3، 6، 14، 20، 21، 60، 106، 107، 112، 121، 130، 132، 148، 153، 160، 162، 163

زیادہ تر رباعیات کا ترجمہ آسان، عام فہم، سلیس اور رواں ہے۔ ترجمہ کی عبارت میں ربط و تسلسل ہے۔

پہلی رباعی اور اس کا نثری ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اصل متن از پیامِ مشرق	نثری ترجمہ از خرم شفیق و مزملہ شفیق
شہید نازِ او بزمِ وجود است نیاز اندر نہادِ ہست و بود است نمی بینی کہ از مہرِ فلک تاب بسیمائے سحر داغِ سجود است (252)	کائنات اُس کی محبت میں محو ہے اور ہر شے کی فطرت میں اس کے سامنے جھکنے کی لذت رکھی گئی ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ آسمان کی پیشانی پر بھی سورج کی صورت میں سجدے کا داغ ہے! (253)

حُسن ناز ہے اور عشق نیاز ہے۔ جو انسان حسن پر نثار ہو جائے، اپنی ہستی اور وجود مٹا ڈالے اور محبوب کے حُسن میں گُم ہو جائے اسے شہیدِ ناز کہتے ہیں۔ بزمِ وجود سے مراد ہر وہ جو چیز ہے جسے خالق نے وجود بخشا۔ ہست و بود سے بھی مراد تمام موجودات ہیں۔ ہر شے کی فطرت میں حسنِ حقیقی کے لیے نیاز مندی پائی جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں اس امرِ حقیقی کی طرف یوں اشارہ ہُوا ہے:

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ ج	آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس کی تسبیح بیان کرتا ہے۔(254)

اس رباعی کے دوسرے شعر میں اقبال اس سلسلۂ حسن وعشق اور ناز و نیاز کی شاندار مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ آسمان پر چمکنے والے سورج کی وجہ سے صبح کی پیشانی پر سجدے کا داغ ہے۔ یہ ایک واضح مثال ہے۔ ہر کوئی طلوع آفتاب کا منظر دیکھ سکتا ہے۔ سورج طلوع ہو تو دن ہوتا ہے۔ سورج کا طلوع اور غروب ہونا رکوع وسجود اور قیام کا ایک سلسلہ ہے۔ یہ سلسلہ تخلیق کائنات کے روز سے جاری ہے۔ سورج کی طرح ہر شے عبادت میں مصروف ہے۔

مندرجہ بالا توضیح کے پیش نظر نثری ترجمہ کا جائزہ لیں تو یہ کافی زیادہ حد تک اصل متن کا مفہوم ادا کرتا ہے۔

اس رباعی کے ترجمہ اور مفہوم کی وضاحت کے ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حمید اللہ ہاشمی نے اس رباعی کے معانی بھی احمد جاوید کے ترجمہ (تسہیل پیام مشرق صفحہ نمبر 23) سے اخذ/نقل کئے ہیں۔ مفہوم کے لیے انہوں نے ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم کے ترجمہ وشرح کے صفحات 23 اور 24 سے استفادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم لکھتے ہیں:

> ''..... اس سے مراد یہ ہے کہ صبح کی روشنی سورج کی مرہونِ منت ہے اگر سورج نہ ہوتا تو صبح کی روشنی بھی نہ ہوتی ..... (اس میں وحدۃ الوجود کا مضمون پنہاں ہے)۔(255)

حمید اللہ ہاشمی انہیں الفاظ میں لکھتے ہیں:

> ''..... اس سے یہ مراد ہے کہ صبح کی روشنی سورج کی مرہون منت ہے۔ اگر سورج نہ ہوتا تو صبح کی روشنی بھی نہ ہوتی اور اگر خدا نہ ہوتا تو آفتاب بھی نہ ہوتا۔ یعنی ساری کائنات اپنے وجود اور بقاء میں خدا کی محتاج ہے۔ اس میں وحدۃ الوجود کا مضمون پنہاں ہے..... ''(256)

جیسا کہ پہلے حصہ 'پیشکش' کے نثری ترجمہ پر تبصرہ کے دوران وضاحت ہو چکی ہے کہ خرم شفیق اور مزملہ شفیق نے لالہ طور کے نثری ترجمہ میں بھی 'احمد جاوید' کے ترجمہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

رباعی نمبر 112 کے ترجمہ میں 'احمد جاوید' صفحہ نمبر 152 پر لفظ 'سیکڑوں' استعمال کرتے ہیں۔ خرم شفیق نثری ترجمہ کے صفحہ نمبر 13 پر اسی رباعی کے ترجمہ میں یہی لفظ 'سیکڑوں' استعمال کرتے ہیں۔ لفظ 'سیکڑوں' بظاہر غلط نظر آتا ہے مگر تحقیق کی رو سے عین درست ہے۔ اس سلسلہ میں اردو لغت جلد 12 کے درج ذیل اقتباسات ملاحظہ کریں:

> ''سیکڑا: (ی لین، سک ک)۔ (الف) سینکڑا، سیکڑہ
> ایک سو، دس ضرب دس کا حاصل، ننانوے کے بعد کا عدد۔ جانتا ہوں کہ وہ سیکڑا پورا کرنے کی فکر میں ہوں گے۔ (۱۸۵۳، خطوط غالب، ۱۳۴).....''
> ''سیکڑوں (ی لین، سک ک، وضح) صف: سینکڑوں
> سیکڑا (رک) کی جمع یا صیغہ حالت اظہار کثرت کے لیے مستعمل بہت زیادہ (تراکیب میں مستعمل)
>
> اَحِبّا کو نہ آیا رحم میری ناتوانی پر   کہ مٹی دے کے ناحق بوجھ ڈالا سیکڑوں من کا
> (۱۸۷۰، دیوان اسیر، ۳: ۱۹)..... ''(257)

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ

لفظ سیکڑا اسم اور مذکر ہے۔ اسے سینکڑا، سینکڑہ یا سیکڑہ بھی لکھا جاتا ہے۔ اس سے اسمِ صفت سیکڑوں یا سینکڑوں بنتا ہے۔

احمد جاوید صفحہ نمبر 52 پر رباعی نمبر 20 کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

ترجمہ از تسہیل پیامِ مشرق	اصل متن از پیامِ مشرق
کلی جب شاخ کو پھاڑتی ہے	شگافد شاخ را چون غنچۂ گل
وجود کی مستی میں مسکراہٹ چھٹکاتی ہے	تبسم ریز از ذوقِ وجود است
(259)	(258)

خرم شفیق نے یہی ترجمہ بلاکم وکاست تحریر کر دیا ہے۔ مسکراہٹ چھٹکانا سے مراد مسکراہٹ بکھیرنا ہے۔ اگر وہ یہ ترجمہ اس طرح کر دیتے تو مفہوم زیادہ واضح اور عام فہم ہو جاتا:

''کلی شاخ کو پھاڑ کر سامنے آتی ہے تو وجود کی مستی میں مسکراہٹ بکھیرتی ہے۔''

''کلی شاخ کو پھاڑ کر سامنے آتی ہے تو وجود میں آنے کی لذت سے مسکرا رہی ہوتی ہے۔''

حمید اللہ ہاشمی نے اس رباعی کے الفاظ معانی بھی احمد جاوید کی تسہیل پیامِ مشرق صفحہ 62 سے لیے ہیں۔ الفاظ معانی قریباً ایک جیسے ہو سکتے ہیں مگر بالکل ایک جیسے نہیں۔ ہاشمی صاحب معانی تحریر کرنے میں اصل مترجم کے الفاظ تک بھی اخذ کر لیتے ہیں۔ انہوں نے اسی طرح ترجمہ میں ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم کا اتباع کیا ہے۔ ل۔ د۔ نسیم لکھتے ہیں:

''جب پھول کی کلی (پودے کی) شاخ کو چیرتی ہے (وجود میں آتی ہے) تو وہ وجود میں آنے کی لذت یا ذوق سے مسکرا رہی ہوتی ہے۔''(260)

حمید اللہ ہاشمی یہی ترجمہ یوں بیان کرتے ہیں:

''..... کلی جب شاخ کو پھاڑتی چیرتی ہے تو وہ وجود میں آنے کی لذت یا ذوق سے مسکرا رہی ہوتی ہے۔''(261)

رباعی نمبر 162 میں بھی مشکل لفظ 'جھکڑ' کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔ اصل رباعی اور اس کا نثری ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

نثری ترجمہ از خرم شفیق و مزملہ شفیق	اصل متن از پیامِ مشرق
شعر کہنے نے میرے جگر کو خون کر دیا ہے۔ میں جو راستے کی دھول تھا اس نے مجھے چنگاریوں کا جھکڑ بنا دیا ہے۔ محبت کو بیان کرنے کے لیے میں نے اپنے لب کھولے مگر کہنے سے یہ راز اور بھی چھپ گیا۔(263)	مرا ذوقِ سخن خوں در جگر کرد غبارِ راہ را مشتِ شرر کرد بگفتارِ محبت لب کشودم میاں ایں راز را پوشیدہ تر کرد (262)

احمد جاوید نے اپنے ترجمہ میں صفحہ 202 پر لفظ 'جھکڑ' استعمال کیا ہے۔ احمد جاوید کے الحمرا پبلشنگ سے شائع ہونے والے نظرِ ثانی شدہ ترجمہ کے صفحہ نمبر 131 پر بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ میاں عبدالرشید نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 141 پر 'غبارِ راہ را مشتِ شرر کرد' کا ترجمہ 'میں جو غبارِ راہ تھا اس نے میری خاک کو شرر بنا دیا ہے' کیا

ہے۔ ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم نے اس مصرع کا ترجمہ بھی درست کیا ہے اور ساتھ ہی قوسین میں اس کا مفہوم بھی دے دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس نے مجھ غبارِ راہ کو شرر کی مٹھی بنا دیا ہے (میرے جسم خاکی میں سوز اور تڑپ پیدا کر دی ہے)۔'' (264)

شاعر نے عاجزی کی وجہ سے خود کو غبارِ راہ یعنی راستے کی خاک کہا ہے۔ مشتِ غبار سے مراد مٹھی بھر خاک یعنی انسان ہے۔ شاعر نے یہی لفظ 'مشت' لفظ 'شرر' کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ مشتِ شرر سے مراد چنگاریوں کی مٹھی یعنی وہ انسان ہے جو عشق میں فنا ہو کر سراپا عشق بن جائے۔ اس لیے نثری ترجمہ میں 'چنگاریوں کا جھکڑ' کے بجائے چنگاریوں کی مٹھی کے الفاظ استعمال کرنے سے مفہوم زیادہ واضح ہو جاتا۔

اس جائزے کا مقصد پیامِ مشرق کی اردو شروح اور تراجم پر تحقیقی نظر ڈالنا ہے۔ اس لیے دورانِ تحقیق میں اگر کوئی اہم بات سامنے آتی ہے تو زیرِ بحث موضوع کے تحت اس کا ذکر کر دینا موزوں ہوگا۔ پیامِ مشرق کے اردو تراجم کا موازنہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ میاں عبدالرشید، احمد جاوید اور ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم نے یہ تراجم خود سے کیے ہیں۔ ابھی تک کوئی ایسے شواہد نہیں ملے کہ انہوں نے کہیں سے غیر اصولی طور پر استفادہ کیا ہو یا نقل لگائی ہو۔ تاہم یہ امر تعجب کا باعث ہے کہ نثری ترجمہ 'پیامِ مشرق' کے مترجمین خرم شفیق اور مزملہ شفیق ہیں۔ کتاب کے ٹائٹل، سب ٹائٹل اور بیک ٹائٹل پر اس امر کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مترجمین نے 'احمد جاوید' کے ترجمہ سے دل کھول کر استفادہ کیا ہے مگر کتاب میں کہیں بھی اس امر کی وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ ترجمہ احمد جاوید کے 'تسہیل پیامِ مشرق' کے ترجمہ سے اخذ شدہ ہے۔ صرف ٹائٹل اور سب ٹائٹل پر لکھ دیا گیا ہے کہ 'تسہیل پیامِ مشرق': احمد جاوید۔ اس سے صراحتاً و وضاحتاً پتہ نہیں چلتا کہ اس نثری ترجمہ میں احمد جاوید کا کیا کردار ہے۔

مزید یہ کہ تصنیفی دیانت کا تقاضا تھا کہ واضح طور پر تحریر کیا جاتا کہ ترجمہ کرنے والے جناب خرم شفیق اور مزملہ شفیق میں سے کس نے کتنا ترجمہ کیا ہے اور وہ کتاب کے کس صفحہ سے شروع ہو کر کس صفحے تک چلتا ہے۔ اگر دونوں نے مل کر باہمی افہام و تفہیم سے مشترکہ ترجمہ کیا ہے تو اس کی وضاحت بھی ضروری تھی۔ جبکہ موجودہ صورتِ حال میں اس حوالے سے کسی قسم کی معلومات سامنے نہیں آتی۔

اس رباعی نمبر 162 کے حوالے سے مزید غور طلب بات یہ ہے کہ حمید اللہ ہاشمی نے اپنے ترجمہ میں احمد جاوید کے تحریر کردہ الفاظ معانی نقل کیے ہیں اور اکثر مقامات پر معمولی رد و بدل سے اور قوسین میں وضاحتی الفاظ کے استعمال سے احمد جاوید کا ترجمہ ہی نقل کر دیا ہے۔ کیا یہ سرقہ نہیں ہے؟ اس رباعی کے الفاظ معانی اور تراجم موازنہ کے لیے پیشِ خدمت ہیں:

الفاظ معانی از احمد جاوید	الفاظ معانی از حمید اللہ ہاشمی
ذوقِ سخن: سخن کی مستی۔ (ذوق = لطف، لذت، مستی + سخن = گفتگو، شعر)۔ خوں در جگر: جگر میں خون رکھنے والا، عشق سے بھرا ہوا دل رکھنے والا، عاشق (خوں + در = میں + جگر = دل، جگر)۔ کرد: اس نے کیا (کردن = کرنا)۔ بگفتار	ذوقِ سخن: سخن کی مستی۔ شعر۔ خوں در جگر: جگر میں خون رکھنے والا، عشق سے بھرا ہوا دل رکھنے والا، عاشق۔ کرد: اس نے کیا۔ کردن: کرنا۔ بگفتار محبت: محبت کے بیان میں۔ لب کشودم: میں نے لب کھولے۔ زبان کھولی۔ (266)

محبت: محبت کے بیان میں (ب = میں + گفتار = گفتگو، بیان+محبت)۔لب کشودم: میں نے لب کھولے، زبان کھولی،(لب کشودن=لب کھولنا)۔(265)

مندرجہ بالا اقتباس میں خط کشیدہ الفاظ اور جملے حمید اللہ ہاشمی کا سرقہ ثابت کرتے ہیں۔حمید اللہ ہاشمی کے اقتباس میں لفظ 'شعر' نہیں آنا چاہیے تھا۔احمد جاوید نے قوسین میں لکھا ہے:

''(ذوق=لطف،لذت،مستی+سخن=گفتگو،شعر)''۔حمید اللہ ہاشمی اس اقتباس سے صرف لفظ ''شعر'' لکھ پائے۔جن سے ان کے دیئے گئے الفاظ معانی میں تسلسل قائم نہ ہوسکا اور یہ لفظ 'شعر' ان کے 'سرقہ' کا واضح ثبوت بن گیا۔

ترجمہ از احمد جاوید

سخن کی مستی نے میرے دل میں لہودوڑا دیا
راستے کی دھول کو چنگاریوں کا جھکڑ بنا دیا
میں نے محبت پر گفتگو کرنے کے لیے لب کھولے
اظہار نے اِس راز کو اور پوشیدہ کر دیا۔ (267)

ترجمہ از حمید اللہ ہاشمی

سخن (شاعری) کی مستی (ذوق) نے میرے دل میں لہودوڑادیا ہے (جگر کو خون کردیا) راستے کی دھول کو چنگاریوں کا جھکڑ بنادیا (جسم خاکی میں سوز اور تڑپ پیدا کردی ہے)۔میں نے محبت پر گفتگو کرنے کے لیے لب کھولے اظہار و بیان نے اس راز کو اور پوشیدہ کردیا (جذبہ عشق و محبت کو الفاظ کی قید میں نہیں لایا جاسکتا راز محبت لفظوں سے ادا نہیں ہوسکتا)۔(268)

حمید اللہ ہاشمی کے ترجمہ کے آخر پر قوسین میں دیے گئے الفاظ ڈاکٹر لـ۔د۔نسیم کے ترجمہ سے اخذ کردہ ہیں۔ڈاکٹر لـ۔د۔نسیم اس رباعی کے ترجمہ کے آخر پر قوسین میں لکھتے ہیں:

''.....(مراد ہے جذبہ عشق ومحبت کو الفاظ کی قید میں نہیں لایا جاسکتا)۔ (269)

حمید اللہ ہاشمی نے لـ۔د۔نسیم کا قوسین میں درج وضاحتی جملہ درج کرنے کے بعد اضافہ کردیا ''راز محبت لفظوں سے ادا نہیں ہوسکتا)۔

رباعی نمبر 163 کا دیا گیا نثری ترجمہ بھی قابلِ غور ہے۔اصل رباعی اور اس کا نثری ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

اصل متن از پیامِ مشرق

گریز آخر ز عقل ذو فنوں کرد
دلِ خود کام را از عشق خوں کرد
ز اقبالؔ فلک پیما چہ پرسی
حکیم نکتہ دانِ ما جنوں کرد
(270)

نثری ترجمہ از خرم شفیق ومزملہ شفیق

آخر اقبالؔ نے چال باز عقل سے علیحدگی اختیار کرکے اپنے ضدی دل کو عشق سے خون کرلیا۔آسمانوں کی خبر رکھنے والے اقبالؔ کی کیا پوچھتے ہو، ہمارا سمجھدار فلسفی دیوانہ ہوگیا ہے۔
(271)

'فلک پیما' کا مطلب ہے 'آسمانوں تک پہنچنے والا' اعلیٰ تخیل تک رسائی پانے والا۔' مسلسل غور وفکر، توجہ اور یکسوئی کی بدولت راہِ حق کے متلاشی کا وجدان کھل جاتا ہے۔اس وجدان کے ذریعے اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت

حاصل ہو جاتی ہے۔اس کریم، اعلیٰ، برتر ذات کی معرفت سے اور اس ذاتِ حقیقی کے جمال وجلال کے معمولی سے ادراک سے اس کے دل میں عشقِ حقیقی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اقبال اس رباعی میں بالواسطہ طور پر بیان کرتے ہیں کہ اگر انسان حق نما علم حاصل کرے، اس پر عمل کرے تو اس کے نورِ عقل میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر وہ خلوص نیت سے راہِ حق پر گامزن رہے تو ذاتِ باری تعالیٰ کے فضل وکرم کی بدولت غور وفکر کے مقامات طے کر کے عشق کی وادی میں جا پہنچتا ہے۔اس عشق کی بدولت اُسے محبوب حقیقی سے وصل حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے عقل وعلم کی بدولت معرفت حاصل کر لی ہے۔ عقل وعلم اپنا کام کر چکے۔اب ان کا کام ختم ہوا اور عشق کا کام شروع ہو گیا ہے۔ اس لیے اب حکیم نکتہ دان عشق میں وارفتہ ہو گیا ہے اور ہر گھڑی وصال وفراق کے مزے لُوٹ رہا ہے۔

اگر مندرجہ بالا نثری ترجمہ میں ایک دو جملوں میں رباعی کا اصل مفہوم بھی بیان ہو جاتا کہ اقبال نے اس رباعی میں عقل کی نفی نہیں کی ہے بلکہ عقل وعشق کی یگانگت سے حاصل ہونے والے مقامِ معرفت کی طرف اشارہ کیا ہے تو قارئین فکرِ اقبال سے صحیح طور پر آگاہ ہو جاتے۔

ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم نے رباعی نمبر 163 کے آخری مصرع کے ترجمہ میں ایک اور پہلو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''..... میرے نکتہ دان حکیم نے (اس صاحب حکمت جو زندگی کی رمز کو سمجھتا تھا مجھے زندگی کی رمز سے واقف کر کے میرا عقل سے پیچھا چھڑا دیا اور) مجھے جنون (صاحب جنوں) بنا دیا۔ (یہ حکیم نکتہ داں خدا، رومی یا کوئی اور صاحب عشق ہو سکتا ہے جس نے اقبال میں یہ تبدیلی پیدا کی۔ قرآن حکیم کو بھی اس سلسلے میں زیرِ غور رکھا جا سکتا ہے حالات وکلام اقبال پڑھنے سے معلوم ہو گا کہ اقبال صحیح معنوں میں اقبال اسی وقت بنا جب اس نے فلسفہ پر اعتماد کرنے کے بجائے عشق کو ندیم بنایا۔)''(272)

ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم کا یہ نکتہ غور طلب ہے۔ اقبال صاحب نظر رہنما کی اہمیت وضرورت سے آگاہ تھے۔ انہوں نے فرمایا ہے۔

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی   برہمن زادہ رمز آشنائے روم وتبریز است

(273)

پیر رومی خاک را اکسیر کرد   از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

(274)

اس لیے اگر ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم کی توضیح کے مطابق 'حکیم نکتہ داں' سے مراد 'پیرِ رومی' لے لیں تو پھر مفہوم اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے اور فکرِ اقبال کی صحیح ترجمانی بھی ہو جاتی ہے۔ نثری ترجمہ میں ان امور کا خیال نہیں رکھا گیا اور اشارۃً، کنایتاً یا توضیحاً اس رباعی کے حقیقی مفہوم کو زیادہ واضح کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

نثری ترجمہ میں شامل پیامِ مشرق کے حصہ 'پیشکش' اور 'لالۂ طور' کے ترجمہ کے معیار، اسلوب، محاسن اور قابلِ اصلاح پہلوؤں پر تبصرہ کے بعد اب مزید ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ اس کتاب کے باقی حصہ میں شامل نثری ترجمہ پر تبصرہ کیا جائے۔ تمام کتاب میں ترجمہ کا اسلوب اور معیار یکساں ہے۔

☆ ☆ ☆

خرم شفیق اور مزملہ شفیق کے نثری ترجمہ کے حصہ 'افکار' میں مختلف آہنگوں پر مشتمل چھوٹی بڑی منظومات شامل ہیں۔ یہ نظمیں اقبال کے فکر و فن کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ اس حصہ میں صرف درج ذیل پندرہ (15) نظموں کا ترجمہ دیا گیا ہے:

1- پہلا پھول 2- تسخیرِ فطرت 3- گلاب کی خوشبو 4- وقت کی آواز 5- ہمیشہ کی زندگی 6- زندگی 7- کتابی کیڑا 8- لالہ 9- خدا اور انسان کا مکالمہ 10- ساقی نامہ 11- تنہائی 12- جوئے آب 13- اورنگزیب کا خط 14- عشق 15- غنی کشمیری

'افکار' کے نثری ترجمہ میں بھی وہی کمزوریاں نظر آتی ہیں جن کا ہم 'پیشکش' اور 'لالہ طور' کے ترجمہ میں جائزہ لے چکے ہیں۔ یہ نثری ترجمہ 'سلسلۂ آسان کتب' کی ایک کڑی ہے۔ یہ ترجمہ عام قارئین کے لیے لکھا گیا ہے۔ اس میں اگر ہر نظم، غزل، یا رباعی کے نثری ترجمہ کے بعد حاصل مطالعہ، حاصل کلام یا نتیجہ اخذ کر کے تحریر کر دیا جاتا تو مطالعہ کرنے والے کو اصل متن اور نثری ترجمہ سمجھنے میں زیادہ آسانی رہتی۔ اگر کوئی اصل متن یا نثری ترجمہ نہ بھی سمجھ پاتا تو کم از کم واضح الفاظ میں اسے کوئی نصیحت، مشورہ، رہنمائی مل جاتی اور مطالعہ کا کوئی فائدہ بھی ہوتا۔ مثال کے طور پر 'نوائے وقت' کا مضمون عام فہم نہیں ہے۔ اس کے آخر پر حاصل مطالعہ یوں تحریر کیا جا سکتا ہے:

حاصل مطالعہ: اس نظم میں اقبالؒ نے وقت، انسان اور اللہ تعالیٰ کا تعلق بیان کیا ہے۔ وقت سے ذات باری تعالیٰ کی صفات ظاہر ہوتی ہیں۔ وقت انسان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتا ہے اور ان صلاحیتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ انسان اپنے دل کا مقام پہچان لے تو وقت کے اسرار و رموز بھی اس پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ سلسلہ روز و شب ذات باری تعالیٰ کی قدرت اور انسان کی عظمت کے اظہار کے لیے شروع کیا گیا۔ وقت (زمان) انسان کا لباس اور خدا کا پیراہن ہے۔

سلسلۂ روز و شب تارِ حریر دو رنگ　　جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
(275)

وقت انسان کی پہچان ہے۔ انسان خود کو پہچان لے تو وقت کو بھی پہچان لیتا ہے۔

نظم 'حیات جاوید' کا ترجمہ 'ہمیشہ کی زندگی' کے عنوان سے دیا گیا ہے۔ اس کے تیسرے شعر کا ترجمہ درست نہیں دیا گیا۔ اصل شعر اور اس کا نثر ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اصل متن از پیامِ مشرق	نثری ترجمہ از خرم شفیق و مزملہ شفیق
اگر ز رمز حیات آگہی ، مجوی و مگیر دلے کہ از خلش خارِ آرزو پاک است	''اگر زندگی کا راز جانتے ہو تو ایسا دل تلاش کرو نہ قبول کرو جس میں خواہش کا کانٹا نہ ہو۔''
(276)	(277)

درست ترجمہ یوں ہونا چاہیے:

اگر زندگی کا راز جانتے ہو تو پھر نہ تو ایسا دل تلاش کرو اور نہ ہی قبول کرو جو آرزو کے کانٹے کی چبھن سے خالی ہو۔

اگر ہر نظم کے ساتھ حاصل مطالعہ لکھ دیا جاتا تو اس نثری ترجمہ کی افادیت اور اہمیت بھی بڑھ جاتی۔ نثری ترجمہ کے صفحہ نمبر 26 پر نامۂ عالمگیر (اورنگزیب کا خط) کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہ نثری ترجمہ سلیس اور

رواں ہے۔ نظم کے عنوان کے نیچے درج ہے:

"اپنے ایک بیٹے کے نام جو باپ کے مرنے کی دعا مانگتا تھا" (278)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کا کون سا بیٹا اس کے مرنے کی دعا کرتا تھا اور کیوں کرتا تھا۔ اس طرح نثری ترجمہ سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر اپنے بیٹے کو حضرت امام حسینؓ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت ایوبؑ کی مثالیں دے کر کہتا ہے کہ

اصل متن از پیامِ مشرق	نثری ترجمہ از خرم شفیق و مزملہ شفیق
مپندار آں کہنہ نخچیر گیر بدامِ دعاے تو گردد اسیر (279)	مت سمجھو کہ وہ پرانا شکاری تمہاری دعا کے جال میں پھنس جائے گا۔ (280)

ذاتِ باری تعالیٰ کو شکاری کیوں کہا گیا ہے؟ دعا کے جال سے کیا مراد ہے؟ ذات باری تعالیٰ کے جبر و قہر کا ذکر ہوا ہے یا مشیت باری تعالیٰ کا ذکر کیا گیا ہے؟ بظاہر یہ ترجمہ پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اقبالؒ نے اللہ تعالیٰ کی سخت گیری کا ذکر کیا ہے۔ درحقیقت اقبالؒ نے مشیت باری تعالیٰ کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہے۔ اگر امام حسینؓ کو واقعۂ کربلا پیش آیا، حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا اور حضرت ایوبؑ کو بہت زیادہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تو اس سے مقصود ان کی عظمت ظاہر کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور مدد سے سب عظیم لوگ ان کٹھن آزمائشوں میں سرخرو ہوئے۔ یہ سب عظیم لوگ مصیبت زدہ نہیں تھے بلکہ بفضل باری تعالیٰ مقاماتِ عظمت طے کر رہے تھے۔ ان حضرات کو یہ مشکلات کسی کی دعاؤں یا بددعاؤں کی وجہ سے پیش نہیں آئی تھیں۔ اس لیے اورنگ زیب اپنے بیٹے سے کہتا ہے کہ جب تک مشیت الٰہی ہے میں زندہ رہوں گا۔ احمق لوگوں کی دعاؤں سے ذات باری تعالیٰ اپنی مشیت نہیں بدلتی۔

حاصل گفتگو یہ کہ اگر نثری ترجمہ کے ساتھ اورنگ زیب کے اس بیٹے کا مختصر سا تعارف کرا دیا جاتا اور ترجمہ کے آخر پر حاصل مطالعہ دے دیا جاتا تو تفہیم متن میں آسانی رہتی اور زیادہ سے زیادہ قارئین اس ترجمہ سے استفادہ کر پاتے۔

☆ ☆ ☆

حصہ 'مئے باقی' میں اقبالؒ کی پانچ منتخب غزلیات کا ترجمہ منظوم انتخاب پیامِ مشرق از فیض احمد فیضؔ سے دیا گیا ہے۔ وہ پانچ غزلیات درج ذیل ہیں:

غزل نمبر	اصل متن پیامِ مشرق	صفحہ نمبر	منظوم ترجمہ فیض احمد فیض	منثور ترجمہ	انتخاب پیامِ مشرق
10	ہواے فرودیں در گلستانِ میخانہ می سازد	152	بہاروں کی ہوا سے گلستاں میخانہ بنتا ہے	28	149
12	آشنا ہر خار را از قصۂ ما ساختی	154	اس طرح قصہ مرا ہر خار پروا کر دیا	28	155

24	فرقے نہ نہد عاشق در کعبہ و بتخانہ	165	عاشق کے لیے یکساں کعبہ ہو کہ بتخانہ	28	162
26	ایں گنبدِ مینائی، ایں پستی و بالائی	167	یہ گنبدِ مینائی، یہ پستی و بالائی	29	166
33	نہ تواندر حرم گنجی، نہ در بت خانہ می آئی	173	نہ بستے ہو حرم میں نے سُوئے بتخانہ آئے ہو	29	180

نثری ترجمہ کی کتاب میں صرف حصہ 'مئے باقی' کی منتخب غزلیات کا منظوم ترجمہ دینا موزوں نہیں لگتا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غزلیات کا منثور ترجمہ کیوں نہیں دیا گیا۔ اگر منظوم ترجمہ دینا ہی تھا تو ساتھ منثور ترجمہ بھی دیا جاسکتا تھا۔ یہ منظوم ترجمہ دو صفحات پر دیا گیا ہے۔ ان صفحات کے دائیں بائیں حواشی میں کافی گنجائش ہے۔ منظوم ترجمہ کے ساتھ منثور ترجمہ بھی دیا جاسکتا تھا۔

ان غزلیات کے حواشی میں دی گئی دوسری غزل کے آخری تین اشعار کا لفظی ترجمہ اور مفہوم دیا گیا ہے۔ گویا کہ منظوم اردو ترجمہ کی وضاحت کے لیے لفظی ترجمہ کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اس لیے ان اشعار کا لفظی ترجمہ دیا گیا۔ اگر یہ اہتمام دیگر غزلیات کے لیے بھی ہوجاتا تو زیادہ سے زیادہ قارئین نفسِ مضمون سے آگاہ ہوجاتے۔

فیض احمد فیض کا دیا گیا منظوم اردو ترجمہ سلیس، رواں اور مترنم ہے۔ یہ کافی زیادہ حد تک اصل متن کا مفہوم بیان کرتا ہے۔ فارسی غزل نمبر 10 اور اس کا منظوم ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

اصل متن از پیامِ مشرق

ہوائے فرودیں در گلستاں میخانہ می سازد
سبو از غنچہ می ریزد، زگل پیمانہ می سازد
محبت چوں تمام افتد، رقابت از میاں خیزد
بہ طوفِ شعلۂ پروانہ با پروانہ می سازد
تنش از سایۂ بالِ تدر ے لرزہ می گیرد
چوشاہیں زادۂ اندر قفس بادانہ می سازد
بگو اقبال را اے باغباں رخت از چمن بندد
کہ ایں جادونوا مار از گل بیگانہ می سازد
(281)

منظوم ترجمہ از فیض احمد فیض

بہاروں کی ہوا سے گلستاں میخانہ بنتا ہے
کلی سے مے ٹپکتی ہے تو گل پیمانہ بنتا ہے
رقابت ختم ہو جاتی ہے تکمیلِ محبت پر
طوافِ شمع میں ہمدم ہر اِک پروانہ بنتا ہے
لرز جاتا ہے تن اس کا کسی طائر کے سائے سے
قفس میں جب کوئی شاہیں گدائے دانہ بنتا ہے
کہو اقبال سے اے باغباں، جائے گلستاں سے
نوا پر اُس کی ہر اک پھول سے بیگانہ بنتا ہے
(282)

فارسی غزل پانچ اشعار پر مشتمل ہے۔ فیض احمد فیض نے اس غزل کے درج ذیل تیسرے شعر کا ترجمہ نہیں کیا ہے:

بہ سازِ زندگی سوزے، بہ سوز زندگی سازے چہ بیدردانہ می سوزد، چہ بیتابانہ می سازد!
(283)

غالباً فیض احمد فیض سے اس کا ترجمہ نہ بن پایا۔ تاہم حضور احمد سلیم نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

ہوا سے زندگی، سامانِ سوزو سازِ ہستی ہے مٹاتی ہے حریفانہ بناتی ہے حریصانہ
(284)

فیض احمد فیض نے دیگر چار اشعار کا ترجمہ بہت خوب کیا ہے۔ پہلے شعر میں اقبال بیان کرتے ہیں کہ ''بہار کی ہوا گلستاں میں میخانہ بنا رہی ہے۔ وہ غنچے سے صراحی بنا رہی ہے اور گلاب کے پھول سے پیمانہ بنا رہی ہے۔'' اقبال نے گلستاں کو میخانہ، غنچہ کو صراحی اور گل کو پیمانہ قرار دے کر گلستاں کا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے۔ فیض احمد فیض ترجمہ میں غنچہ وصراحی کا ذکر نہیں کر پائے۔ تاہم 'کلی سے مے ٹپکتی ہے' کہہ کر کلی کا کردار نمایاں کر دیا ہے۔ اس سے اصل شعر کی سی خوبصورتی پیدا نہیں ہوئی۔ تاہم اصل کے قریب تر منظوم ترجمہ ہو گیا ہے۔ منظوم ترجمہ میں بحر کا التزام رکھتے ہوئے بہ امر مجبوری اس طرح کا فرق آ جاتا ہے۔

اس طرح فیض احمد فیض نے تیسرے شعر میں 'تدرو' کا ترجمہ 'چکور' کے بجائے 'طائر' کیا ہے۔ طائر سے مراد کوئی بھی پرندہ ہو سکتا ہے۔ تدرُو چکور سے مشابہ پرندہ ہے۔ فرہنگِ اقبال فارسی میں اس کا مفہوم یوں درج ہے:

''تدَرُو (ف) اسم: چکور سے مشابہ ایک جنگلی پرندہ جو نہایت خوش رنگ اور خوش رفتار ہوتا ہے اور استر آباد کے جنگلوں میں بکثرت پایا جاتا ہے.....'' (285)

میاں عبدالرشید نے 'تدرو' کا ترجمہ 'چڑیا' کیا ہے۔ حضور احمد سلیم نے اپنے منظوم ترجمہ میں (صفحہ نمبر 31 پر) اس کا ترجمہ 'کبوتر' کیا ہے اور فیض احمد فیض نے (صفحہ 149 پر) اس کے لیے لفظ 'طائر' استعمال کیا ہے۔ 'تدرو' کا قریب ترین ترجمہ 'چکور' ہی بنتا ہے۔ اسے 'قرقال' بھی کہتے ہیں اور انگریزی میں اسے 'pheasant' یا 'partridge' کہتے ہیں۔ اقبالؒ نے اس پرندے کی خوبصورتی اور خوش رفتاری کی وجہ سے مخصوص تاثر قائم کرنے کے لیے اس کا نام شعر میں استعمال کیا ہے۔ چڑیا، کبوتر یا طائر کے الفاظ ویسا تاثر قائم نہیں کرتے۔ تاہم یہ الفاظ اصل مفہوم ادا کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ اس لیے منظوم ترجمہ میں 'تدرو' کا ترجمہ کبوتر یا طائر کیا گیا ہے۔ جسے قابلِ قبول تو قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر عین درست نہیں۔

فیض احمد فیض نے آخری شعر کا بھی خوب ترجمہ کیا ہے۔ تاہم یہاں بھی لفظ 'نوا' سے وہ پُر زور تاثر قائم نہیں ہوتا جو کہ 'جادو نوا' سے قائم ہوتا ہے۔

غزل نمبر 12 کے منظوم ترجمہ میں بھی یہی شعری محاسن اور اندازِ بیان ہے۔ زیادہ تر ترجمہ متن کے مطابق ہے اور اصل کی نمائندگی کرتا ہے۔ ایک دو مقامات پر مفہوم واضح نہیں ہے۔ بلکہ اصل سے ہٹ کر نظر آتا ہے۔ غزل نمبر 12 اور اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم ترجمہ فیض احمد فیض
آشنا ہر خار را از قصۂ ما ساختی	اِس طرح قصہ مرا ہر خار پر وا کر دیا
در بیابانِ جنوں بردی و رسوا ساختی	بھیج کر دشتِ جنوں میں مجھ کو رُسوا کر دیا
جرمِ ما از دانۂ ، تقصیر او از سجدۂ	ایک دانہ جُرم میرا اُس کی اِک سجدہ خطا
نے بآں بیچارہ می سازی، نہ با ما ساختی	اُس کو اپنایا نہ مجھ کو ، خوار اِک سا کر دیا
صد جہاں می روید از کشتِ خیالِ ما چوگل	سو جہاں میرے خیالوں نے کھلائے مثلِ گل
یک جہان وآں ہم از خونِ تمنا ساختی	تُو نے اِک تخلیق سے خونِ تمنا کر دیا
پرِ توِ حسنِ تو می افتد بروں مانندِ رنگ	رنگ کی صورت جھلک چھلکی جو تیرے حسن کی
صورتِ مے پردہ از دیوارِ مینا ساختی	مے کی صورت شیشۂ مینا کا پردا کردیا

طرحِ نوافگن کہ ما جدّت پسند افتادہ ایم
ایں چہ حیرت خانۂ امروز و فردا ساختی!
(286)

مجھ کو جدّت کی لگن ہے ڈال طرحِ نو کوئی
کیوں مجھے سرگشتۂ امروز و فردا کر دیا
(287)

یہ غزل پانچ اشعار پر مشتمل ہے۔ پہلے، چوتھے اور پانچویں اشعار کا منظوم ترجمہ اصل متن کے عین مطابق ہے۔ شعری ترنم، سلاست اور روانی بھی نظر آتے ہیں۔ مثلاً پہلے شعر کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

تو نے ہر کانٹے کو ہماری داستان (قصۂ عشق) سے آشنا (آگاہ) کر دیا ہے۔ تو ہمیں دیوانگی کے بیابان (جنگل) میں لے گیا ہے اور تو نے ہمیں رُسوا کر دیا ہے۔

فیض احمد فیض کا ترجمہ ہر لحاظ سے اصل متن کی نمائندگی کرتا ہے۔ تاہم دوسرے شعر کا ترجمہ اصل مفہوم سے کچھ ہٹا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ دوسرے شعر کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

ہمارا جرم گندم کا ایک دانہ (بہشت میں منع کیا گیا دانۂ گندم) کھانے کا ہے۔ اس (شیطان) کا قصور (ہمیں) سجدہ نہ کرنے کا ہے۔ تو نے اس بے چارے سے موافقت پیدا نہ کی اور نہ ہم سے راضی ہوا۔

فیض احمد فیض کا پہلے مصرع کا ترجمہ تو خوب ہے۔ 'جُرم ما' کا ترجمہ 'جرم میرا' اور 'تقصیرِ او' کا ترجمہ 'اس کی اک سجدہ خطا' عین موزوں ہے۔ دوسرے مصرع میں لفظ 'خوار' ثقیل محسوس ہوتا ہے۔ علامہ کے شعر میں سے تو عدم موافقت یا عدم رضامندی کا تاثر ملتا ہے۔ فکرِ اقبال کے مطابق نزولِ آدم کا واقعہ عظمتِ انسانی کی دلیل ہے۔ آدمؑ کو زمین پر بھیج کر خوار یا رُسوا نہیں کیا گیا۔ ابلیس اپنی نافرمانی، تکبر اور سرکشی کی وجہ سے خوار ہوا۔ ابلیس خوار ہوا تھا، اسے خوار نہیں کیا گیا تھا۔ اقبال نظریہ جبر کے قائل نہیں تھے۔ اس ترجمہ سے جبر کا مفہوم ملتا ہے۔ وہ فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق جبر و قدر دونوں کے قائل تھے۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے۔

چنیں فرمودۂ سلطانِ بدر است
کہ ایماں درمیانِ جبر و قدر است
(288)

فیض احمد فیضؔ کا ترجمہ ہے، ''اس کو اپنایا نہ مجھ کو، خوار اک سا کر دیا''

انسان اور ابلیس کو یکساں خوار نہیں کیا گیا۔ انسان کو عظمت پر فائز کرنے کے لیے زمین پر اتارا گیا جبکہ ابلیس کی مخالفت عظمتِ انسانی کے ظہور کا سبب قرار پائی۔ اس لیے 'خوار اک سا کر دیا' لکھنا ناموزوں محسوس ہوتا ہے۔

حضور احمد سلیم نے اس شعر کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے:

مجرم یک دانہ تھا میں ، منکر یک سجدہ وہ
بے نیازی نے تری دونوں کو یکجا کر دیا
(289)

حضور احمد سلیمؔ نے دوسرے مصرع کا ترجمہ کرتے ہوئے 'بے باکی' کا مظاہرہ نہیں کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی 'بے نیازی' کا آسرا لیا اور 'یکجا کر دیا' کے الفاظ سے نزولِ آدمؑ کے واقعہ سے آدمؑ کی آزمائش اور ابلیس کی سزا کا ذکر کر دیا۔ بعض اوقات 'آزمائش' اور 'سزا' ایک سے نظر آتے ہیں۔ مگر عروج اور عظمت عطا کرنے کے لیے 'آزمائش' میں مبتلا کیا جاتا ہے اور آزمائش وجۂ جزا بن جاتی ہے۔ جبکہ 'سزا' کسی خطا یا غلطی کا ثمر ہوتی ہے اور عتاب کی ایک صورت ہوتی ہے۔ اس لیے یہاں لفظ 'یکجا' کا استعمال بھی توضیح طلب ہے۔ تاہم علامہ کے طرزِ بیان کہ 'نے با آں بیچارہ می سازی، نہ با ما ساختی'، کی نمائندگی کرتا ہے۔

تیسرے شعر کا ترجمہ بھی قابلِ غور ہے۔ اس شعر کا لفظی ترجمہ یہ ہے:
ہمارے خیال کی کھیتی سے پھولوں کی طرح سینکڑوں جہاں اُگتے ہیں۔ تو نے ایک جہان پیدا کیا اور وہ بھی ہمارے خونِ تمنا سے۔

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی لکھتے ہیں کہ 'خونِ تمنا' سے مراد انسان کی تمناؤں / آرزوؤں کا خون ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "..... تمنا کا خون اس لیے کہا کہ انسان کو جنت سے نکالا گیا۔ مطلب یہ کہ انسان کی تمناؤں آرزوؤں کا خون ہوتا رہتا ہے لیکن پھر بھی وہ جدو جہد اور کوشش میں لگا رہتا ہے کہ شاید اس کی کوئی آرزو پوری ہو جائے۔"(290)

ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم لکھتے ہیں:

> "...... (تمنا کا خون اس لیے کہ ہمیں جنت سے نکال کر زمین کو آباد کیا گیا)....."(291)

مزید لکھتے ہیں:

> "..... یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ دنیا میں آدمی کی آرزوؤں کا ہر لحہ خون ہوتا رہتا ہے۔ اس کے باوجود وہ آرزو پوری ہونے کی امید میں کوشش کرتا رہتا ہے۔"(292)

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم، دونوں ہی اس شعر کا یکساں مفہوم بیان کرتے ہیں دونوں کے نزدیک 'خون تمنا' سے مراد انسان کا جنت سے نکالا جانا اور زمین پر آباد ہونا ہے جہاں عاشقوں کی تمناؤں کا خون ہوتا رہتا ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی بھی اس شعر کا قریباً یہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> "..... اے خدا تو نے صرف ایک ہی دنیا بنائی، اور وہ بھی ایسی ہے کہ اس میں ہر روز بلکہ ہر لحہ لاکھوں عاشقوں کی تمناؤں کا خون ہوتا ہے۔ یعنی تیری یہ دنیا تلخیوں سے معمور ہے لیکن ہم، تیرے عاجز بندے، ہر روز ایک نئی دنیا پیدا کرتے رہتے ہیں جو ہمارے تصور کی کشت سے پھول کی طرح اُگتی رہتی ہے....."(293)

فیض احمد فیض کے منظوم اردو ترجمہ سے اس شعر کے دوسرے مصرع کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ یہ ترجمہ صوری و معنوی لحاظ سے فکرِ اقبال کی ترجمانی نہیں کرتا۔ اقبال کے شعر میں 'از خونِ تمنا ساختی' سے مراد ہے کہ 'تو نے خونِ تمنا سے بنایا'۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کی تمنا کا خون کر کے یہ جہان بنایا۔ فیض کے ترجمہ 'تو نے اک تخلیق سے خونِ تمنا کر دیا' سے یہ مفہوم ملتا ہے کہ تخلیق جہان سے انسان کی تمنا کا خون ہو گیا۔ اس سے یہ مفہوم نہیں ملتا کہ انسان کی تمنا کا خون کر کے یہ جہان بنایا گیا۔ منظوم ترجمہ سے اصل مفہوم کا کنایۃً ذکر ملتا ہے، صراحتاً نہیں۔ اس شعر کا حضور احمد سلیم کا ترجمہ زیادہ واضح ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

مثلِ گل میں نے بنائے سو جہاں اور تو نے ایک   اور وہ بھی کب کہ جب خونِ تمنا کر دیا
(294)

اس شعر کے سلسلہ میں پیامِ مشرق کے تمام منظوم اُردو تراجم کا جائزہ لینے سے، محمد سرور رجا کا ترجمہ زیادہ ناطق اور قریب از متن دکھائی دیتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

سو جہاں اگتے ہیں میرے فکر سے گل کی طرح   تو نے پیدا اک جہاں خونِ تمنا سے کیا
(295)

نثری ترجمہ میں دیے گئے فیض احمد فیض کے اس غزل کے منظوم ترجمہ کے آخری تین اشعار کی وضاحت کے لیے حواشی میں ان اشعار کا لفظی ترجمہ اور لفظی مفہوم بھی دیے گئے ہیں جس سے اس امرِ حقیقی کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اس ترجمہ کو سمجھنے کے لیے مزید وضاحت کی ضرورت ہے۔

تاہم بحیثیت مجموعی مئے باقی کی منتخب غزلیات کا دیا گیا فیض احمد فیض کا منظوم ترجمہ اصل متن کے قریب تر، شعری محاسن سے مزین اور قابلِ تعریف ہے۔

☆ ☆ ☆

''نقشِ فرنگ'' کا نثری ترجمہ ''یورپ کی تصویریں'' کے عنوان سے دیا گیا ہے۔ اس میں درج ذیل عنوانات کے تحت دی گئی نظموں اور اشعار کا ترجمہ دیا گیا ہے:

1- پیام 2- جمعیت الاقوام 3- شوپنہار اور نیٹشے 4- گزرے ہوئے لوگ (صحبتِ رفتگاں) 5- اگسٹس کومٹ اور مزدور (محاورہ مابین حکیم فرنسوی اگسٹس کومٹ و مرد مزدور) 6- جلال اور گوئٹے 7- برگساں کا پیغام (پیغامِ برگساں) 8- فلاسفہ (حکما) 9- شعراء 10- انگلستان کے نام (خطاب بہ انگلستان) 11- مالک اور مزدور (قسمت نامہ سرمایہ دار و مزدور) 12- مزدور کی آواز (نوائے مزدور)

نقشِ فرنگ کی درج ذیل عنوانات کے تحت دی گئی نظموں اور اشعار کا ترجمہ نہیں دیا گیا:

1- فلسفہ و سیاست 2- نیٹشا 3- حکیم آئن سٹائن 4- بائرن 5- نیٹشا 6- جلال و ہیگل 7- پٹوفی 8- ہیگل 9- میخانہ فرنگ 10- موسیولینن و قیصر ولیم 11- خراباتِ فرنگ 12- آزادیٔ بحر

پیامِ مشرق کے آخری حصے کا نام ''خردہ'' ہے جس میں متفرق اشعار ہیں۔ نثری ترجمہ پیامِ مشرق میں ''مختصر باتیں'' کے عنوان سے ان میں سے چند ایک اشعار کا ترجمہ دیا گیا ہے۔

''نقشِ فرنگ'' اور ''خردہ'' کا نثری ترجمہ بھی دیگر حصوں کی طرح کافی زیادہ حصہ تک آسان، سلیس اور رواں ہے۔ تاہم بعض مقامات پر مشکل الفاظ استعمال ہوئے ہیں جنہیں سمجھنے کے لیے مزید دماغ سوزی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً ''ہیگل'' کا اصل متن اور ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اصل متن از پیامِ مشرق

جلوہ دہد باغ و راغ معنی مستور را عین حقیقت نگر حنظل و انگور را
فطرتِ اضداد خیز لذتِ پیکار داد خواجہ و مزدور را آمر و مامور را
(296)

نثری ترجمہ از خرم شفیق و مزملہ شفیق

''باغ اور بَن چھپی ہوئی حقیقت کے درشن کرواتے ہیں۔ حنظل اور انگور کو اصل میں ایک سمجھو۔ ایک دوسرے کی مخالف چیزوں کو ابھارنے والی فطرت نے سرمایہ دار اور مزدور، حاکم اور محکوم کو تصادم کی لذت بخشی ہے۔'' (297)

فرہنگ اقبال اردو میں 'راغ' کا مطلب یوں لکھا ہوا ہے:

راغ (ف) اسم: وادی، سبزہ زار، جنگل ۔

خیز کہ در باغ و راغ قافلۂ گل رسید (پ م،۹۱) (298)

فرہنگ اقبال فارسی میں 'حنظل' کا مفہوم یوں درج ہے:

حَنظَل (ع) مذکر: اندرائن کا پھل جو نہایت تلخ ہوتا ہے۔

کچے حنظل کی طرح یہ بھی خیالِ خام ہے۔ (دین و دنیا، ب ۱۰۴) (299)

خرم شفیق نثری ترجمہ میں اگر 'بن' کی جگہ پر 'وادی' یا 'سبزہ زار'، 'درشن کرواتے ہیں' کے بجائے 'دکھاتے ہیں'، 'ظاہر کرتے ہیں'، کے الفاظ استعمال کرتے تو مفہوم زیادہ واضح اور آسان ہو جاتا۔ حواشی یا قوسین میں حنظل کا تعارف بھی کرانا چاہیے تھا۔

ان اشعار کا ترجمہ اس طرح کر دیا جائے تو مفہوم مزید واضح ہو جائے گا:

باغ اور سبزہ زار ایک ہی چھپی ہوئی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اندرائن (ایک کڑوا پھل) اور انگور کو اصل میں ایک سمجھ (یہ جان لو کہ وہ حقیقت میں ایک ہی ہیں)۔

ضدوں کو پیدا کرنے والی فطرت نے سرمایہ دار (آقا) اور مزدور اور حاکم و محکوم کو (ایک دوسرے کے اُلٹ اور مخالف بنا کر ان میں لڑائی اور تصادم کے مواقع پیدا کر دیے۔ اس تصادم میں انہیں لذت اور سرور حاصل ہوتے ہیں۔ اس طرح فطرت نے انہیں) جنگ کی لذت عطا کی ہے۔

مراد یہ ہے کہ امیر غریب، حاکم محکوم سب ایک دوسرے کی ضرورت ہیں۔ ان کے بغیر معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا۔ بحیثیت انسان سب برابر ہیں۔ اپنی قابلیت، وسائل اور عمل کی بدولت ان میں فرق پایا جاتا ہے۔ یہ فرق مٹایا نہیں جا سکتا۔

یہاں تحقیق کے دوران سامنے آنے والی ایک اور ضروری بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ ان اشعار کے منثور تراجم کے تقابلی مطالعہ اور جائزہ کے دوران واضح ہوتا ہے کہ خواجہ حمید یزدانی نے ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم کے ترجمہ و شرح سے استفادہ کیا ہے۔ تحقیق کی رو سے اخذ و قبول کے وقت اصل مآخذ کا حوالہ دینا ضروری ہوتا ہے۔ بغیر سند و حوالہ کے کسی کی علمی کاوش کو اختیار کر لینا معیوب تصور کیا جاتا ہے۔ بعض مترجمین، شارحین اور مصنفین تو اس قدر بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ لفظ بہ لفظ متن اٹھا کر دے دیتے ہیں اور اس کا حوالہ دینا ضروری نہیں سمجھتے۔ ہمارے ملک کے ایک مایہ ناز محقق جنہیں حکومت پاکستان اعلیٰ کارکردگی پر اعزازات سے بھی نواز چکی ہے اس روش پر قائم ہیں۔ موصوف نے جدید تحقیق پر کئی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ان کی یہ کتابیں ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر 'تحقیق' کے نصاب کے طور پر پڑھائی جا رہی ہیں۔ انہوں نے کئی کتابوں سے مواد لے کر اپنی تحقیق کی کتاب میں دے دیا ہے اور اصل ماخذ کے حوالہ جات دینے ضروری نہیں سمجھے۔ ایسے حضرات پر غالباً یونیورسٹی آف کراچی سے مقالہ بھی تحریر کیا جا چکا ہے۔ جس کا عنوان ہے "چہ دلاور است"۔ پیامِ مشرق کے اردو تراجم کے مطالعہ و موازنہ اور تحقیق سے واضح ہوا ہے کہ ان تراجم میں بھی 'بیک ڈور پالیسی' پر عمل کیا گیا ہے۔ حمید اللہ ہاشمی کی قلمی کاوشوں کا ذکر ہو چکا۔ چند مقامات پر ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی بھی ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم سے استفادہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ بہر حال یہ لفظ بہ لفظ اتباع کے بجائے اصل متن کی نوک پلک سنوار کر دیتے ہیں۔ مثلاً ہیگل سے متعلقہ مندرجہ بالا اشعار کا ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم اور خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ موازنہ کی سہولت کے لیے یہ تراجم دو کالمی صورت میں پیش خدمت کیے جا رہے ہیں۔

ترجمہ وتشریح از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

باغ اور سبزہ زار ایک ہی چھپے ہوئے معنی یا جلوہ کی تجلی لیے ہوئے ہیں+ انگور اور اندرائن (ایک کڑوی چیز) کو حقیقت کا عین سچ یعنی یہ جان کہ وہ ایک ہی حقیقت کا ظہور ہیں (مراد ہے سرمایہ داری و مزدوری ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں ایک دوسرے کے خلاف آواز کیوں اٹھا رہے ہو)۔

ضدوں کو پیدا کرنے والی فطرت نے آپس میں جنگ کی لذت عطا کی ہے+ (کس کو) آقا اور مزدور کو اور حاکم و محکوم کو (چونکہ یہ ضدیں عین فطرت کا تقاضا ہیں اس لیے ان کو مٹانا نہیں چاہیے۔ معاشرہ کے لیے دونوں ضروری ہیں)۔ (300)

ترجمہ وتشریح از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

باغ اور سبزہ زار ایک ہی چھپی ہوئی حقیقت یا جلوہ کی تجلی کے حامل ہیں، تو حنظل اور انگور کو حقیقت کا عین سمجھ، یعنی یہ سمجھ لے کہ دونوں ایک ہی حقیقت کا ظہور ہیں۔ گویا سرمایہ داری اور مزدوری دونوں ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں، پھر ایک دوسرے کے خلاف آواز کیوں اٹھائی جائے، مت اٹھاؤ۔

ضدوں کی تخلیق کرنے والی فطرت نے باہمی جنگ و جدل کی لذت عطا کی ہے؛ آقا کو اور مزدور کو اور حاکم و محکوم کو یہ لذت عطا کی ہے۔ گویا چونکہ یہ ضدیں فطرت کا تقاضا ہیں، اس لیے ان کو ختم کرنا ٹھیک نہیں کہ کسی بھی معاشرے کے لیے یہ بنیادی ضرورت ہیں۔ (301)

اگر ترجمہ وتشریح کرتے وقت ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم کے ترجمہ وتشریح کو سامنے نہ رکھا جاتا تو جملوں کی بناوٹ، الفاظ کی ترتیب اور اندازِ بیان میں اس قدر موافقت، مشابہت اور یکسانیت نہ ہوتی۔ ہر ایک جملے میں معمولی ردوبدل سے صورتِ حال اتنی سنگین نہیں رہی ہے۔ حمید یزدانی کے ترجمہ وتشریح کے خط کشیدہ الفاظ و جملے اور ان کی بناوٹ و ترتیب کا ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم کے ترجمہ وتشریح سے موازنہ کر کے دیکھیں تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

☆ ☆ ☆

خرم شفیق اور ملزملہ شفیق کے نثری ترجمہ میں فکر اقبال کی تفہیم کے لیے صفحات نمبر 12، 15، 20، 21، 22، 24، 27، 32، 35، 38 اور 39 پر نو (9) عدد تصاویر دی گئی ہیں۔ یہ تصاویر نتاشہ سلیم نے بنائی ہیں۔

صفحہ نمبر 12 پر دی گئی تصویر رباعی نمبر 60 کے مفہوم کی عکاس کرتی ہے۔ اس رباعی کا نثری ترجمہ یوں دیا گیا ہے:

> ''ساحل پر محفل مت سجاؤ کہ وہاں زندگی کا گیت مدہم ہے۔ دریا میں اترو اور اس کی موجوں سے زور آزمائی کرو کہ ہمیشہ کی زندگی اس میں پوشیدہ ہے۔'' (302)

تصویر میں ایک آدمی کو دریا کی موجوں سے نبرد آزما دکھایا گیا ہے۔ نیلگوں، کالی اور پیلی موجوں سے بنا ہوا بھنور ہے جس سے ایک آدمی نبرد آزما ہے۔ نیلگوں اور کالی موجیں تو قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہیں۔ پیلے رنگ کے بجائے اگر مٹیالا رنگ استعمال ہو جاتا تو یہ تصویر امرِ حقیقی کے قریب تر ہو جاتی ہے۔

صفحہ نمبر 15 پر دی گئی تصویر رباعی نمبر 148 کے مفہوم کی عکاسی کرتی ہے۔ اس میں آج اور آنے والے کل میں فرق واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

صفحات نمبر 20 اور 21 پر 'کرم کتابی' میں دیے گئے نفسِ مضمون کی عکاسی کی گئی ہے۔ تصویر میں کتاب، شمع، کرمِ کتابی اور پروانہ دکھائے گئے ہیں۔ یہ تصویر 'کرم کتابی' کے مضمون کے مطابق ہے اور اصل مفہوم کی

خوبصورتی سے عکاسی کرتی ہے۔

دیگر تصاویر بھی دیکھنے کے قابل ہیں اور صاحبِ ذوق کو نظارہ دید دیتی ہیں۔

اقبالؒ فکر وفن وفلسفہ اور مصوری کے سلسلہ میں بھی اس اصول کے قائل ہیں کہ اگر اس سے نمودِ خودی یا نشوونمائے خودی ہوتو جائز ہے ورنہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

معلوم ہیں اے مردِ ہنر تیرے کمالات صنعت تجھے آتی ہے پرانی بھی نئی بھی
فطرت کو دکھایا بھی ہے، دیکھا بھی ہے تُو نے آئینۂ فطرت میں دکھا اپنی خودی بھی!

(303)

اقبالؒ کے نزدیک فن کار فطرت کا غلام نہیں ہوتا۔ اس کا فرض ہے کہ وہ فطرت کا مقابلہ کر کے اسے تسخیر کرے۔

فطرت کی غلامی سے کر آزاد ہنر کو صیاد ہیں مردانِ ہنرمند کہ نخچیر!

(304)

اقبال 'فن برائے فن' کے نہیں بلکہ 'فن برائے زندگی' کے قائل تھے۔ ایک مصور ضرار احمد کاظمی حالیؔ مرحوم کی صد سالہ یادگار کی تقریب پر اقبالؒ کی خدمت میں پانی پت حاضر ہوا اور انہیں 'شکوہ' اور 'جواب شکوہ' کے متعلق اپنی تیار کردہ تصاویر دکھلائیں۔ اقبالؒ نے انہیں نہایت ہی پسند کیا۔ انہوں نے اپنے مکتوب محررہ 18 اپریل 1938ء میں ضرار احمد کاظمی کو ''مصورِ اقبال'' کا لقب دیا اور ان الفاظ میں 'جاوید نامہ' پر خامہ فرسائی کی دعوت دی۔ علامہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

> ''..... آپ محض فنِ مصوّری میں اضافہ نہیں کر رہے بلکہ دنیائے اسلام میں بحیثیت ''مصور اقبال'' ایک زبردست خدمت انجام دے رہے ہیں جو کہ شاید قدرت آپ ہی سے لینا چاہتی ہے۔ پوری مہارتِ فن کے بعد اگر آپ نے 'جاوید نامہ' پر خامہ فرسائی کی تو ہمیشہ زندہ رہو گے۔(305)

مندرجہ بالا مکتوب تحریر کرنے سے قریباً تین سال قبل اقبال نے ضرار احمد کاظمی کو 25 جون 1935ء کو محررہ ایک مکتوب میں 'جاوید نامہ' پر مصوری کی ضرورت اور اس کی اہمیت کے سلسلہ میں لکھا تھا:

> ''میری رائے میں میری کتابوں میں سے صرف 'جاوید نامہ' ایک ایسی کتاب ہے جس پر مصور طبع آزمائی کرے تو دنیا میں نام پیدا کر سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے پوری مہارتِ فن کے علاوہ الہامِ الٰہی اور صرفِ کثیر کی ضرورت ہے۔.....''(306)

بے شک 'جاوید نامہ' اقبالؒ کی نادر تخلیق ہے۔ یہ ان کی کسرِ نفسی ہے کہ اپنی دیگر تخلیقات کا نمایاں ذکر نہیں کیا اور ان پر مصوری کی ضرورت کا ذکر نہیں کیا۔ تاہم فکر وفن اور فلسفہ کے لحاظ سے پیامِ مشرق بھی گراں قدر تخلیق ہے۔ اس میں متذکرہ افکار اقبال کی تصاویر سے عکاسی ایک قابل تعریف کام ہے۔ اس لحاظ سے نتاشہ سلیم اور اقبال اکادمی کی یہ علمی کوشش منفرد اور گراں قدر ہے۔

خرم شفیق اور مزملہ شفیق کے نثری ترجمہ پیام مشرق کا مطالعہ کرنے سے اس میں درج ذیل توجہ طلب امور سامنے آتے ہیں:

-1 کتاب کے شروع کے ہی دو صفحات (صفحہ نمبر 3 اور 4) پر پیامِ مشرق کی اشاعت کے بارے میں دی گئی معلومات درست نہیں ہیں، پہلے اور دوسرے ایڈیشن کے صفحات کی تحریر کی گئی تعداد درست نہیں ہے۔

-2 فہرست واضح اور مکمل نہیں ہے۔ فہرست کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ اس میں نمبر شمار دیئے جائیں۔ پیامِ مشرق میں دی گئی اصل متن کی فہرست کے مطابق فارسی زبان میں عنوانات اور اس کے صفحات نمبر دیے جائیں۔ ساتھ ہی آسان پیامِ مشرق کی فہرست کے مطابق ان کے اردو میں عنوانات اور صفحات نمبر دیے جائیں۔ اس طرح تفہیمِ متن اور تحقیق کے معاملات آسان ہو جائیں گے۔

-3 بعض مقامات پر دیا گیا نثری ترجمہ فکرِ اقبال سے ہٹا ہوا نظر آتا ہے۔ اصل متن کا مفہوم کچھ اور ہے اور نثری ترجمہ سے بات کچھ سے کچھ ہو گئی ہے۔

-4 اس کتاب کی تصنیف و تالیف و ترجمہ کا مقصد یا غرض و غایت بیان نہیں کیے گئے۔

-5 نثری ترجمہ 'پیامِ مشرق' کے مترجمین خرم شفیق اور مزملہ شفیق ہیں۔ کتاب کے ٹائٹل، سب ٹائٹل اور بیک ٹائٹل پر اس امر کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مترجمین نے 'احمد جاوید' کے ترجمہ سے دل کھول کر استفادہ کیا ہے مگر کتاب میں کہیں بھی اس امر کی وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ ترجمہ احمد جاوید کی 'تسہیل پیامِ مشرق' کے ترجمہ سے اخذ شدہ ہے۔ صرف ٹائٹل اور سب ٹائٹل پر لکھ دیا گیا ہے کہ 'تسہیل پیامِ مشرق': احمد جاوید۔ اس سے صراحتاً و وضاحتاً پتہ نہیں چلتا کہ اس نثری ترجمہ میں احمد جاوید کا کیا کردار ہے۔

-6 نثری ترجمہ کے ساتھ کلامِ اقبال کا اصلِ فارسی متن اور حوالہ جات نہیں دیے گئے۔ اگر اصل فارسی متن اور حوالہ جات دے دیے جاتے تو اس سے تفہیمِ متن اور تحقیق و تنقید کے امور آسان ہو جاتے۔

-7 حواشی و تعلیقات کے اہتمام سے قارئین کے لیے تفہیمِ متن میں آسانی پیدا کی جا سکتی تھی۔ صرف تین صفحات پر مختصر سے حواشی دیے گئے ہیں جو کفایت نہیں کرتے ہیں۔

-8 'مئے باقی' کی منتخب غزلیات کا دیا گیا فیض احمد فیض کا ترجمہ اصل متن کے قریب تر، شعری محاسن سے مزّین اور قابلِ تعریف ہے، تاہم چند ایک مقامات پر یہ ترجمہ فکرِ اقبال سے ہم آہنگ دکھائی نہیں دیتا۔

-9 پیامِ مشرق کے تمام حصوں کا منثور ترجمہ دیا گیا ہے۔ مگر 'مئے باقی' کا منظوم ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہ فرق کیوں روا رکھا گیا۔ آسان ترجمہ کے ساتھ بھی منظوم ترجمہ دیا جا سکتا تھا۔

-10 ترجمہ کے ساتھ حاصل کلام یا حقیقی مفہوم واضح الفاظ میں دے دیا جاتا تو افادیت بڑھ جاتی۔ مثلاً 'حصہ افکار' میں 'پہلا پھول' کے عنوان سے ترجمہ تو دے دیا گیا ہے مگر مفہوم نہیں دیا گیا۔ ہر قاری کسی کلام کے نثری ترجمہ سے اصل مفہوم اخذ نہیں کر سکتا۔ سلسلۂ آسان کتب میں عام قارئین کے لیے آسانی بھی نظر آنی چاہیے۔

-11 بعض مقامات پر مشکل الفاظ اور اغلاط نظر آتی ہیں۔ نثری ترجمہ میں مشکل الفاظ کے استعمال سے یہ کتاب آسان نہیں رہی۔ اسے کسی لغت کے بغیر اور ایک اچھے اقبال شناس کی رہنمائی کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔

-12 بعض مقامات پر دیا گیا نثری ترجمہ واضح نہیں ہے۔ ترجمہ اصل متن کا مفہوم واضح نہیں کرتا۔ اس نثری

ترجمہ پر 'نظرثانی' کر کے اسے بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ کلامِ الٰہی کی حقانیت اور کمال مسلّم ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض آیات منسوخ فرما کر نئے احکامات پر مشتمل آیاتِ کریمہ نازل فرما دیں۔ اقبالؒ بھی اپنے کلام اور تصانیف پر نظرثانی کرتے رہتے تھے۔ مثلاً پیامِ مشرق میں ترامیم کے حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی بیان کرتے ہیں:

> ''..... اصل منصوبے کے مطابق پہلے ایڈیشن میں کئی مزید منظومات بھی شامل ہونی تھیں، مگر شیخ نور محمد کے اصرار پر، کتاب، اضافوں کے بغیر ہی، جلد شائع کرنی پڑی۔
> اب دوسرے ایڈیشن میں، اقبال نے اڑتالیس صفحات کا اضافہ کیا۔ متعدد اشعار اور حواشی حذف کر دیے اور پہلے ایڈیشن پر تبصروں اور بعض احباب کے مشوروں کی روشنی میں کئی اشعار میں ترامیم بھی کیں.....''(307)

اقبال نظرثانی، تبدیلی اور اصلاح کے سنہری اصول پر عمل کرتے تھے اور خوب سے خوب تر کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

اپنی ہی تصنیف، تالیف و ترجمہ پر بار بار نظرثانی کرنا اور اسے بہتر بنانا ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔ اس کے لیے اپنی تصنیف و تخلیق سے شدید محبت اور لگن کی ضرورت ہے۔ اکثر تخلیقات اسی لیے ادھوری نظر آتی ہیں کہ انہیں پورا سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

-13 حمید اللہ ہاشمی نے کلیات اقبال فارسی کی شرح لکھی ہے۔ اس شرح میں پیامِ مشرق کی شرح بھی شامل ہے۔ انہوں نے شرح پیامِ مشرق میں زیادہ تر الفاظ، معانی احمد جاوید کی تسہیل 'پیامِ مشرق' سے نقل کیے ہیں۔ اس طرح شرح کے اکثر جملے اور عبارتیں ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم کی شرح سے نقل کی گئی ہیں۔ اس امر پر تحقیق کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کیا شرح کلیاتِ اقبال فارسی میں شامل دیگر کلامِ اقبال کی شرح میں بھی انہوں نے دیگر مترجمین اور شارحین کی تخلیقات سے استفادہ کیا ہے یا نہیں۔

-14 ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے بھی بعض مقامات پر ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم کے ترجمہ و شرح سے جملے اور عبارتیں دی ہیں۔ تاہم ایسے مقامات پر انہوں نے چند الفاظ کے ردّ و بدل اور تقدیم و تاخیر سے کچھ تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ جس سے صورتِ حال سنگین نہیں رہی۔

حاصل کلام یہ کہ نثری ترجمہ 'پیامِ مشرق' اقبال اکادمی پاکستان کی طرف سے شائع کردہ سلسلۂ آسان کتب کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہ کتابت، طباعت، ڈیزائننگ، جلد سازی، پیشکش اور کاغذ و جلد کے معیار کے لحاظ سے بہت خوبصورت تخلیق ہے۔ تاہم معنوی نقطۂ نظر سے اس میں ترامیم و تصحیحات کی گنجائش بہر حال موجود ہے۔

علامہ اقبال کی چند فارسی نظموں کا اردو رُوپ

از

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

'علامہ اقبال کی چند فارسی نظموں کا اردو رُوپ' ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کا تحریر کردہ ایک مضمون ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے اردو و فارسی زبان و ادب کے حوالے سے غالب اور اقبال کے منفرد مقام کا ذکر کرنے کے بعد نہایت مختصر مگر جامع انداز سے علامہ اقبال کے فارسی کلام اور اس کے ترجمہ کی ضرورت و اہمیت بیان کی ہے۔

اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب فارسی کلام کے منظوم اردو ترجمہ اور منثور اردو ترجمہ کی افادیت میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "..... منظوم ترجمہ کتنا بھی اچھا ہو، اس سے اصل کلام کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بحور و اوزان سے مترجم پر ایسی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں کہ اسے ردوبدل پر مجبور ہونا پڑتا ہے البتہ نثری ترجمہ اچھا ہو تو بہت حد تک صحیح تفہیم میں معاون ہو سکتا ہے۔....." (308)

ڈاکٹر صاحب کی رائے نہایت واضح اور مدلل ہے۔ فارسی کلامِ اقبال کے کئی منظوم اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ نہایت اعلیٰ پائے کے شعرا نے یہ تراجم کیے ہیں۔ شعری پابندیوں کی وجہ سے کوئی مترجم بھی فارسی کلامِ اقبال کے صوری و معنوی تقاضے پورے نہ کر سکا۔

نثری ترجمہ کے بارے میں بھی ڈاکٹر صاحب کی رائے عین درست ہے۔ میاں عبدالرشید نے مکمل فارسی کلام کا اردو نثر میں ترجمہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس ترجمہ کے بارے میں رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "..... میرے رائے میں میاں عبدالرشید کا ترجمہ بہت کچھ نظرِ ثانی کا محتاج ہے اس لیے فارسی کلام اقبال کو میرے جیسے مبتدی اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔" (309)

میاں عبدالرشید کے ترجمہ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی رائے عین درست ہے۔ اس ترجمہ میں بعض مقامات پر کچھ کمزوریاں نظر آتی ہیں۔ نظرِ ثانی سے اس ترجمہ کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نہایت اعلیٰ پائے کے محقق، نقاد اور علم دوست انسان ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کلامِ اقبال کے تراجم اور شروح کے مقام و مرتبہ کے بارے میں کئی مضامین تحریر کر چکے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ کلامِ اقبال کے موجودہ تراجم و شروح پر نظرِ ثانی کر کے انہیں بہتر بنایا جائے یا پھر نئے تراجم کیے جائیں اور شروح لکھی جائیں۔ اس کام کے لیے اقبال اکیڈمی، بزمِ اقبال یا کسی اور منظم ادارہ کو کلامِ اقبال کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ماہرین کی خدمات حاصل کرنی چاہئیں اور اچھی طرح تحقیق و جائزہ کے بعد یہ تراجم اور شروح شائع کرنے چاہئیں۔

ڈاکٹر صاحب اس سلسلہ میں صرف تحریری وعظ و تلقین پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ گاہے بگاہے منتخب کلامِ

اقبال کا ترجمہ پیش کر کے اہلِ علم کو تحریک دلاتے ہیں۔ اس مضمون میں بھی انہوں نے پیامِ مشرق کی چار نظموں کا فارسی متن کے ساتھ ترجمہ پیش کیا ہے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> ''اس سلسلے میں ''پیامِ مشرق'' کی چار ایسی نظموں کو منتخب کیا گیا ہے جو مختصر اور سہل مگر فن کے اعتبار سے خوبصورت ہیں۔ اردو نثری ترجمے کے ساتھ اصل فارسی متن بھی دیا گیا ہے تاکہ تقابلی مطالعے میں سہولت ہو۔ فارسی جاننے والے محاکمہ کر سکیں اور فارسی سے ناواقف قارئین تقابلی جائزے سے فارسی زبان کے قریب ہو سکیں۔'' (310)

اس مضمون کے آخری تین صفحات پر پیامِ مشرق کی درج ذیل چار نظمیں اور ان کے نثری اردو ترجمے دیے گئے ہیں:

(1) گلِ نخستیں (پہلا پھول) (2) حیاتِ جاوید (3) زندگی

(4) قسمت نامۂ سرمایہ دار و مزدور (سرمایہ دار اور مزدور میں تقسیمِ وراثت کی دستاویز)

<u>گلِ نخستیں</u>

اصل متن از پیامِ مشرق	اردو ترجمہ از خواجہ محمد زکریا
ہنوز ہم نفسے در چمن نمی بینم	ابھی مجھے باغ میں اپنا کوئی ساتھی نظر نہیں آتا
بہار می رسد و من گلِ نخستینم	بہار آ پہنچی ہے اور میں پہلا پھول ہوں
بہ آبجو نگرم، خویش را نظارہ کنم	ندی میں جھانکتا ہوں اور اپنی شکل دیکھتا ہوں
بایں بہانہ مگر روے دیگرے بینم	شاید اسی بہانے کسی دوسرے کا چہرہ دیکھ لوں
بخامۂ کہ خطِ زندگی رقم زدہ است	جس قلم نے میری حد زندگی تحریر کی ہے
نوشتہ اند پیامے بہ برگِ رنگینم	(قدرت نے) اس کا پیغام میری رنگین پتیوں پر لکھ دیا ہے
دلم بہ دوش و نگاہم بہ عبرتِ امروز	میرا دل ماضی میں ہے اور میری نگاہ حال کی عبرت کی جانب میں
شہیدِ جلوۂ فردا و تازہ آئینم	مستقبل کے جلووں کا گواہ ہوں اور نیا طرز رکھتا ہوں
ز تیرہ خاک دمیدم، قبائے گل بستم	میں نے تاریک مٹی سے ابھر کر پھول کا لباس پہن لیا ہے
وگرنہ اخترِ واماندۂ ز پروینم	ورنہ میں پروین (کے جھرمٹ) سے بچھڑا ہوا ایک ستارہ ہوں
(311)	(312)

(پروین یا ثریا متعدد ستاروں کا ایک جھرمٹ ہے۔ یہ ستارے زمین سے بہت دور ہیں)

-1 نظم 'گلِ نخستیں' پانچ اشعار پر مشتمل ہے۔

-2 ڈاکٹر صاحب کا اردو ترجمہ آسان، عام فہم اور سلیس ہے۔ اس نظم کے دیگر تراجم (میاں عبدالرشید، احمد جاوید اور ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے تراجم) سے موازنہ کریں تو ڈاکٹر صاحب کا ترجمہ کا اسلوب ان سے الگ نظر آتا ہے۔ اس نظم کے دوسرے، تیسرے اور چوتھے شعر کے ترجمہ میں یہ انفرادی رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔

3- ڈاکٹر صاحب نے دوسرے شعر کا یہ ترجمہ کیا ہے:

''ندی میں جھانکتا ہوں اور اپنی شکل دیکھتا ہوں
شاید اسی بہانے کسی دوسرے کا چہرہ دیکھ لوں''

میاں عبدالرشید نے اس شعر کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''ندی کے پانی میں اپنا نظارہ کرتا ہوں ، مگر اس بہانے سے دُوسرے کا چہرہ دیکھتا ہوں''۔ (313)

اصل متن میں 'بہ آبجونگرم' کے بعد کوما دیا گیا ہے۔ میاں صاحب نے ترجمہ میں اس کا لحاظ نہیں رکھا۔ اگر وہ اس کا لحاظ رکھتے تو ترجمہ یوں ہوتا:

''ندی کے پانی میں جھانکتا (دیکھتا) ہوں، اپنا ہی نظارہ کرتا ہوں۔''

میاں صاحب کا دوسرے مصرع کا ترجمہ درست نہیں ہے۔ فرہنگ اقبال فارسی کے صفحہ نمبر 773 پر لفظ 'مگر' کا مطلب 'شاید' دیا گیا ہے۔ اگر اس کا ترجمہ 'شاید' کیا جائے تو پھر اس مصرع کا احمد جاوید اور ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کا ترجمہ درست ہے۔

احمد جاوید نے اس شعر کا ترجمہ یہ کیا ہے:

''ندی میں جھانکتا ہوں، اپنا ہی نظارہ کرتا ہوں
شاید اسی بہانے کسی اور کی صورت دیکھ لوں'' (314)

احمد جاوید کے ترجمہ میں دیا گیا لفظ 'مین' درست نہیں ہے۔ اس میں نکتہ فالتو ہے۔ درست لفظ 'میں' ہے۔ احمد جاوید نے فرہنگ میں 'آبجو' کا مطلب ندی یا نہر لکھا ہے۔ اسی طرح فارسی شعر کے لفظ 'آبجو' کا ترجمہ 'ندی' کیا ہے۔ ڈاکٹر خواجہ زکریا نے بھی اس لفظ کا ترجمہ 'ندی' کیا ہے۔ میاں عبدالرشید نے 'آبجو' کا ترجمہ 'ندی کا پانی' کیا ہے جو کہ شعر کے متن اور فرہنگ اقبال فارسی کے مطابق عین درست ہے۔ فارسی زبان میں 'آبجو' کا یہی مطلب لکھا ہوا ہے۔ ملاحظہ کریں۔

''آبجو (ف ف) مرکب ناقص ، آب (= پانی + جو (= ندی، چشمہ وغیرہ): ندی وغیرہ کا پانی اور اس کی سطح ع
بہ آبجونگرم خویش رانظارہ کنم (پ م،۸۳)'' (315)

میاں عبدالرشید کی طرح ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے بھی لفظ 'مگر' کا ترجمہ 'شاید' نہیں کیا۔ انہوں نے اس کا ترجمہ 'گویا' کیا ہے اور اس مصرع کا وہی مفہوم بیان کیا ہے جو کہ میاں عبدالرشید نے بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم لکھتے ہیں:

''میں نہر کے پانی میں (جو آئینہ کی مانند ہے) دیکھتا ہوں اور اپنا آپ نظارہ کر رہا ہوں
+ (اور) اس بہانے گویا میں کسی اور کا چہرہ دیکھ رہا ہوں (اور دل کو تسلی دے رہا ہوں کہ میرے ساتھ کوئی اور بھی ہے)۔'' (316)

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کا پہلے مصرع کا ترجمہ عین درست ہے۔ انہوں نے قوسین میں توضیحی الفاظ دے کر ترجمہ مزید واضح کر دیا ہے۔ انہوں نے دوسرے مصرع میں فارسی لفظ 'مگر' کا ترجمہ 'گویا' کیا ہے جس سے مصرع کا مفہوم بدل گیا ہے۔

نظم 'گل نخستیں' کے دوسرے شعر کے مختلف تراجم کا ڈاکٹر خواجہ زکریا کے ترجمہ کے ساتھ تقابل وموازنہ سے واضح ہوتا ہے کہ ڈاکٹر خواجہ زکریا نے پہلے مصرع میں 'آبجو' کا ترجمہ 'ندی' کیا ہے اور 'خویش رانظارہ کنم' کا ترجمہ 'اپنی شکل دیکھتا ہوں' کیا ہے، جو کہ درست نہیں ہے۔ 'آبجو' کا مطلب 'ندی کا پانی' اور 'خویش رانظارہ کنم' کا مطلب اپنا نظارہ (آپ) کرتا ہوں، ہے۔ انہوں نے دوسرے مصرع میں لفظ 'مگر' کا ترجمہ 'شاید' کیا ہے جو کہ فرہنگ اقبال فارسی کے مطابق عین درست ہے۔ اس لحاظ سے ان کا دوسرے مصرع کا ترجمہ عین درست ہے۔ ان کے اس ترجمہ کی تائید 'احمد جاوید' کے ترجمہ سے بھی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر خواجہ زکریا نے تیسرے شعر کا یہ ترجمہ تحریر کیا ہے:

''جس قلم نے میری حدِ زندگی تحریر کی ہے
(قدرت نے) اس کا پیغام میری رنگین پتیوں پر لکھ دیا ہے۔''

اس ترجمہ سے مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ دوسرے مصرع میں 'اُس کا' سے اگر 'قلم' مراد لیا جائے تو مفہوم یہ بنتا ہے کہ قدرت نے جس قلم سے میری حدِ زندگی تحریر کی ہے، اس قلم کا پیغام میری رنگین پتیوں پر لکھ دیا ہے۔ اس سے مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ 'احمد جاوید' نے اس شعر کا واضح ترجمہ کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

''جس سے زندگی کا فرمان رقم ہُوا ہے اُسی قلم سے
میری رنگین پنکھڑیوں پر ایک پیغام تحریر کیا گیا ہے۔''(317)

میاں عبدالرشید کا ترجمہ بھی واضح ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''(قدرت نے) اس قلم سے جس نے زندگی کے حالات رقم کیے ہیں، میرے
برگِ رنگیں پر (نیا) پیام لکھا ہے۔''(318)

میاں صاحب نے ترجمہ کرتے وقت اس نظم کے چوتھے شعر کو بھی مدنظر رکھا ہے۔ اقبال نے فکر وفن اور فلسفہ میں مروجہ خیالات وتصورات سے ہٹ کر فرد اور معاشرہ کو نئے انداز سے پیغامِ حیات دیا تھا۔ میاں عبدالرشید نے اپنے ترجمہ میں یہی مفہوم دیا ہے جو کہ فکر اقبال کے عین مطابق ہے۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے بھی قدرِ واضح انداز سے ترجمہ ومفہوم دیا ہے مگر انہوں نے یہ مفہوم موسمِ بہار کے حوالے سے ہی دیا ہے۔

انہوں نے اس شعر کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''(خالق کائنات نے) اپنے اس قلم سے جس سے اس نے زندگی کا خط لکھا ہے
یعنی ہر شے کو زندگی عطا کرنے والے نے + میری رنگین پتی (کے صفحہ) پر بھی
ایک پیام لکھ دیا ہے (اور وہ پیام یہ ہے کہ بہار آگئی ہے)۔''(319)

ان تمام تراجم کے تقابل وجائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کا کیا ہُوا تیسرے شعر کا ترجمہ واضح اور عام فہم نہیں ہے۔ دیگر مترجمین کا ترجمہ واضح ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا چوتھے شعر کا ترجمہ سلیس، آسان اور عام فہم ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس شعر کے دوسرے مصرع کے الفاظ 'شہیدِ جلوۂ فردا' کا ترجمہ 'مستقبل کے جلووں کا گواہ' کیا ہے۔ فرہنگ اقبال فارسی کے صفحہ نمبر 551 کے مطابق لفظ 'شہید' کا مطلب فریفتہ اور عاشق ہے۔ یہ لفظ 'متاثر' کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اردو لُغت بورڈ (ترقی اردو بورڈ) کراچی کی شائع کردہ اُردو لُغت کی جلد دوازدہم کے صفحہ نمبر 775 پر اس کا ایک مطلب گواہ،

گواہی دینے والا بھی درج ہے۔اقتباس ملاحظہ کریں۔

''۷۔گواہ، گواہی دینے والا۔اپنے نفس کے بارے میں اونہوں نے فرمایا کہ وہ شہید یعنی گواہ ہے۔(۱۸۸۷،فصوص الحکم (ترجمہ)،۱۲۸)۔شہید: گواہ وامین۔ (۱۹۲۵،فن تاریخ گوئی اوراس کی روایت،۱۱۶)۔''(320)

لغت کے مطابق ڈاکٹر صاحب نے اس شعر کا ترجمہ درست کیا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے دیگر مترجمین سے ہٹ کراس لفظ کا ترجمہ کیا ہے۔ان کا اور دیگر مترجمین کے تراجم ملاحظہ کریں۔

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صاحب لکھتے ہیں:

''میرا دل ماضی میں ہے اور میری نگاہ حال کی عبرت کی جانب
میں مستقبل کے جلووں کا گواہ ہوں اور نیا طرز رکھتا ہوں'' (321)

میاں عبدالرشید نے اس شعر کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''میرا دل (اسلام کے) ماضی میں اٹکا ہوا ہے اور میری نگاہ دورِ حاضر کے عبرت آموز حالات دیکھ رہی ہے، آنے والے دورِ اسلام پر مرتا ہوں اور نیا آئین (تصورات) پیش کرتا ہوں۔''(322)

احمد جاوید نے اس شعر کا ترجمہ یہ کیا ہے:

''میرا دل ماضی میں اور میری نظر آج سے عبرت لینے میں مصروف
میں مستقبل کو دیکھنے والا اور نئی روش رکھتا ہوں۔''(323)

ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کا ترجمہ یہ ہے:

''میرا دل میرے گزرے ہوئے کل میں لگا ہوا ہے اور میری نگاہ آج یعنی زمانہ حال کی عبرت پر جمی ہوئی ہے مراد ہے جب میں پہلے کھلا تھا اور اپنی رنگینی، لطافت، حسن اور خوشبو پر اترایا تھا اس وقت بھی میرا انجام میری پژمردگی تھا اس صورت حال سے میں آج عبرت پکڑ رہا ہوں + اور زمانہ مستقبل کا مقتول یا شدید طور پر طلبگار ہوں اور اس دور کے نئے طور طریقوں اور اصولوں کا منتظر ہوں (کہ شاید کوئی بہتر دور آئے)۔'' (324)

میاں عبدالرشید اور احمد جاوید کے تراجم زیادہ واضح ہیں۔ڈاکٹر الف۔د۔نسیم نے مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی مگر فکرِ اقبال کے حوالے سے وہ مفہوم واضح نہیں کر سکے۔

لغت کے لحاظ سے ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کا ترجمہ درست ہے۔مگر اس کی تفہیم کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ 'مستقبل کے جلووں کا گواہ' سے کیا مراد ہے؟

<u>حیاتِ جاوید</u>

اصل متن از پیامِ مشرق	اردو ترجمہ از خواجہ محمد زکریا
گماں مبر کہ بپایاں رسید کارِ مغاں ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است	یہ قیاس نہ کر کہ ''مغاں'' کا کام مکمل ہو چکا ہے ابھی انگوروں کی بیلوں میں لاتعداد شرابیں موجود ہیں جو صرف نہیں ہوئیں

چمن خوش است و لیکن چو غنچہ نتواں زیست قبائے زندگیش از دمِ صبا چاک است	باغ تو اچھا ہے لیکن غنچے کی طرح نہیں جیا جاسکتا اس کی زندگی کا لباس صبا کے جھونکے سے پھٹ جاتا ہے
اگر ز رمزِ حیات آگہی، مجوسے ومگیر دے کہ از خلشِ خارِ آرزو پاک است	اگر تو زندگی کی رمز سے آگاہ ہے تو ایسا دل تلاش اور حاصل نہ کر جو آرزو کے کانٹے کی خلش سے خالی ہو
بخود خزیدہ و محکم چو کوہساراں زی چوخس مزی کہ ہوا تیز و شعلہ بیباک است (325)	اپنی ذات کو مجتمع اور مضبوط کر کے پہاڑوں جیسی زندگی بسر کر تنکے کی طرح مت جی کہ ہوا تیز ہے اور شعلہ بے باک ہے(326)

نظم 'حیاتِ جاوید' چار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس نظم کا ترجمہ آسان، سلیس اور عام فہم ہے، تاہم اس ترجمہ میں درج ذیل چند ایک امور غور طلب ہیں:

1- پہلے شعر کے ترجمہ میں لفظ ''مغاں'' استعمال ہوا ہے۔ 'مغاں' سے مراد 'شراب کشید کرنے والا' ہے۔ اگر ترجمہ میں اس لفظ کی جگہ پر اس کا مفہوم آ جاتا تو ترجمہ زیادہ عام فہم ہو جاتا۔ ترجمہ میں لفظ ''مغاں'' کے مفہوم کی طرف توجہ دلانے کے لیے اسے واوین میں لکھا گیا ہے۔ اگر قوسین میں اس لفظ کا مفہوم دے دیا جاتا تو ترجمہ زیادہ واضح ہو جاتا۔

اسی طرح 'رگِ تاک' کا مطلب 'انگور کی بیل' ہے۔ 'تاک' اسم واحد ہے اس کا ترجمہ اسمِ جمع کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی طرح، احمد جاوید نے بھی اس کا ترجمہ اسمِ جمع میں یعنی 'انگوروں کی رگوں' کیا ہے۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے اس کا ترجمہ اسم واحد کی شکل میں ہی کیا ہے۔ میاں عبدالرشید نے بھی واحد جمع کے اس فرق کو مدنظر رکھا ہے اور ترجمہ میں خوبصورت گریز اختیار کیا ہے۔ انہوں نے 'رگِ تاک' کا مفہوم بالواسطہ انداز سے ادا کر دیا ہے۔ میاں عبدالرشید کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

> ''یہ گمان نہ کر کہ پیر مغاں کا کام ختم ہو گیا، ابھی تک انگور کے اندر بہت سی ایسی شراب ہے جسے کسی نے نہیں چکھا۔''

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے اس شعر کے ترجمہ کے ساتھ مفہوم بھی دیا ہے جس سے ترجمہ زیادہ واضح اور عام فہم ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم لکھتے ہیں:

> ''یہ خیال نہ کر کہ شراب کشید کرنے کا کام ختم ہو چکا ہے + ابھی تک ہزاروں قسم کی شراب انگور کی بیل میں ایسی ہے جو نہیں پی گئی مراد ہے خالق کائنات کے کام سے فارغ ہو کر نہیں بیٹھ گیا ابھی اور بہت کچھ تخلیق کرنا باقی ہے۔''(327)

2- ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صاحب کا دوسرے شعر کا ترجمہ عین درست، عام فہم اور آسان ہے۔

3- ڈاکٹر صاحب نے ترجمہ مصرع وار کیا ہے اس لحاظ سے تیسرے شعر کے ترجمہ میں کچھ فرق آ گیا ہے۔ تیسرے شعر کے دوسرے مصرع میں لفظ 'دلے' استعمال ہُوا ہے۔ اس کا ترجمہ بھی دوسرے مصرع کے

ساتھ آنا چاہیے تھا۔

ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا	مجوزہ ترجمہ از مقالہ نگار
اگر تو زندگی کی رمز سے آگاہ ہے تو ایسا دل تلاش اور حاصل نہ کر	اگر تو زندگی کی رمز سے آگاہ ہے تو تلاش اور حاصل نہ کر
جو آرزو کے کانٹے کی خلش سے خالی ہو۔	ایسا دل جو آرزو کے کانٹے کی خلش سے خالی ہو۔

4- چوتھے شعر کا ترجمہ بھی عین درست، عام فہم اور آسان ہے۔

زندگی

اصل متن از پیامِ مشرق	اردو ترجمہ از خواجہ محمد زکریا
شبے زار نالید ابرِ بہار	ایک رات ابر بہار زار زار رویا (اور کہنے لگا)
کہ ایں زندگی گریۂ پیہم است	کہ یہ زندگی ایک گریۂ مسلسل ہے
درخشید برقِ سبک سیر و گفت	بجلی تیز رفتاری سے چمکی اور بولی
خطا کردۂ ، خندۂ یکدم است	تو نے غلط کہا یہ تو ایک لمحے کی ہنسی ہے
ندانم بہ گلشن کہ بُرد ایں خبر	مجھے معلوم نہیں کہ گلشن میں یہ خبر کون لے گیا
سخنہا میانِ گل و شبنم است	پھول اور شبنم کے درمیان یہ تبادلۂ خیال جاری ہے
(328)	(329)

(پھول کی زندگی ایک لمحے کی ہنسی ہے اور شبنم کی زندگی گریہ ہے)

1- نظم 'زندگی' تین اشعار پر مشتمل ہے۔

2- تمام نظم کا ترجمہ سلیس، آسان اور عام فہم ہے۔

3- دوسرے شعر کے پہلے مصرع (درخشید برقِ سبک سیر وگفت) کا ترجمہ 'بجلی تیز رفتاری سے چمکی اور بولی' کیا گیا ہے۔ برق سبک سیر کا مطلب 'تیز رفتار بجلی' ہے۔ اگر اس کا ترجمہ 'تیز رفتار بجلی چمکی اور بولی' ہوتا تو متن کے زیادہ قریب ہو جاتا۔ دیگر مترجمین نے اس امر کا خیال رکھا ہے۔

میاں عبدالرشید، ص نمبر 171 پر لکھتے ہیں:

''تیز بجلی چمکی اور اس نے کہا تو غلط کہتا ہے کہ یہ تو ایک لمحہ کی ہنسی ہے۔'' (330)

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم، ص 97 پر لکھتے ہیں:

''(یہ سن کر بادلوں میں سے) تیزی سے نکلنے والی بجلی چمکی اور کہنے لگی + (اے بادل) تو نے غلط کہا ہے زندگی ایک لمحہ کی ہنسی ہے (خوشی تو ہے لیکن لمحاتی یا عارضی)۔'' (331)

میاں احمد جاوید، ص 260 پر لکھتے ہیں:

''تیز رفتار بجلی چمکی اور بولی

تو نے غلط سمجھا یہ تو پل بھر کی ہنسی ہے۔'' (332)

4- اس نظم کے ترجمہ کے آخر پر ڈاکٹر صاحب نے قوسین میں آخری شعر کا مفہوم بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے:

’’(پھول کی زندگی ایک لمحے کی ہنسی ہے اور شبنم کی زندگی گریہ ہے۔)‘‘

اسی طرح کا نوٹ میاں عبدالرشید صاحب کے ترجمہ کے آخر پر بھی دیا گیا ہے۔ میاں عبدالرشید نے لکھا ہے:

’’(پھول کہتا ہے زندگی ہنسی ہے، شبنم کہتی ہے نہیں یہ رونا ہے)‘‘(333)

قوسین میں مفہوم دینے سے آخری شعر کا ترجمہ زیادہ واضح ہو گیا ہے اور ترجمہ کی الگ حیثیت بھی برقرار رہی ہے۔

قسمت نامۂ سرمایہ دار اور مزدور

اصل متن از پیامِ مشرق	اردو ترجمہ از خواجہ محمد زکریا
غوغائے کارخانۂ آہنگری زمن	لوہے کے کارخانے کا شور میرے لیے
گلبانگِ ارغنونِ کلیسا ازانِ تو	کلیسا کے ارغنوں کی موسیقی تیرے لیے
نخلے کہ شہ خراج بروی نہد زمن	جن درختوں پر بادشاہ خراج وصول کرتا ہے میرے لیے
باغِ بہشت و سدرہ و طوبا ازانِ تو	باغِ بہشت، سدرہ اور طوبیٰ تیرے لیے
تلخابۂ کہ دردِ سر آرد ازانِ من	وہ کڑوا پانی جس سے دردِ سر ہوتا ہے میرے لیے
صہبائے پاکِ آدم و حوا ازانِ تو	آدم و حوا جو پاکیزہ شراب پیتے تھے، تیرے لیے
مرغابی و تدرو و کبوتر ازانِ من	
ظلِ ہماؤ شہپرِ عنقا ازانِ تو	
ایں خاک و آنچہ در شکمِ او ازانِ من	یہ خاک (زمین) اور اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے میرے لیے
وز خاک تا بہ عرشِ معلاّ ازانِ تو (334)	اور زمین سے عرشِ معلیٰ تک (جو کچھ ہے) تیرے لیے (335)

1- یہ نظم پانچ اشعار پر مشتمل ہے۔

2- ڈاکٹر صاحب نے ’قسمت نامۂ سرمایہ دار و مزدور‘ کا ترجمہ ’سرمایہ دار اور مزدور میں تقسیمِ وراثت کی دستاویز‘ کیا ہے۔ فرہنگ اقبال فارسی میں اس کا مفہوم یہ دیا گیا ہے:

’’قسمت نامہ سرمایہ دار و مزدور یہ پیامِ مشرق میں علامہ کی ایک طنزیہ نظم کا عنوان ہے جس کے معنی ہیں سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان مال کی تقسیم یا بٹوارا (پہلا مصرع سرمایہ دار کی زبان سے ہے)‘‘ (336)

میاں عبدالرشید نے اس نظم کے عنوان کا ترجمہ ’سرمایہ دار اور مزدور میں تقسیمِ جائداد‘ کیا ہے جو کہ فرہنگ اقبال فارسی کے مطابق عین درست ہے۔

فرہنگ اقبال فارسی کے صفحہ نمبر 641 کے مطابق لفظ ’قسمت‘ سے مراد تقسیم، بانٹنے کی صورتِ حال، تقسیم کے وقت ملنے والا حصہ، نصیب اور مقدر ہے۔

اس طرح فرہنگ اقبال فارسی کے صفحہ نمبر 823 پر 'نامہ' کا مطلب خط یا فرمان دیا گیا ہے۔ اگر دونوں الفاظ (قسمت + نامہ) کے مفہوم کو پیش نظر رکھا جائے تو ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صاحب کا ترجمہ عین درست ہے۔انہوں نے تمام الفاظ کو مدنظر رکھتے ہوئے نظم کے عنوان کا ترجمہ کیا ہے۔

3- ڈاکٹر صاحب نے تمام اشعار کا آسان، عام فہم اور سلیس ترجمہ کیا ہے۔نظم کے چوتھے شعر کا ترجمہ غالباً کمپوزنگ میں غلطی کی وجہ سے پرنٹ نہیں ہُوا۔

4- پہلے شعر میں 'ارغنونِ کلیسا' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔فرہنگ اقبال فارسی کے صفحہ نمبر 11 کے مطابق اس کا مطلب پیانو کی قسم کا ایک باجا ہے۔دوسرے شعر میں لفظ 'نخلے' استعمال ہوا ہے جس کا مطلب 'وہ درخت' ہے۔اس طرح تیسرے شعر میں 'تلخابہ' سے مراد تلخ یا کڑوی شراب ہے۔ڈاکٹر صاحب نے ترجمہ میں لفظ 'ارغن' واحد کی بجائے جمع استعمال کیا ہے۔لفظ 'نخلے' بھی واحد کی بجائے جمع استعمال کیا ہے۔"تلخابہ" کا مطلب "کڑوا پانی" تحریر کیا ہے۔اگر ان الفاظ کے زیادہ بہتر اور درست معانی دے دیے جاتے تو ترجمہ مزید بہتر ہو جاتا۔ڈاکٹر صاحب نے ترجمہ کے ساتھ مجوزہ ترجمہ دیا جا رہا ہے تا کہ تقابل و موازنہ سے مندرجہ بالا تجاویز کا جائزہ لینا ممکن ہو۔ڈاکٹر صاحب کے ترجمہ کے غور طلب الفاظ کے نیچے خط لکھا دیا گیا ہے۔

ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا	مجوزہ ترجمہ از مقالہ نگار
لوہے کے کارخانے کا شور میرے لیے	لوہا ڈھالنے والے کارخانے کا شور میرے لیے
کلیسا کے ارغنوں کی موسیقی تیرے لیے	کلیسا کے ارغن (پیانو کی قسم کا ایک باجا) کی موسیقی تیرے لیے
جن درختوں پر بادشاہ خراج وصول کرتا ہے میرے لیے	جس درخت پر بادشاہ خراج وصول کرتا ہے میرے لیے
باغ بہشت، سدرہ اور طوبیٰ تیرے لیے	باغ بہشت، سدرۃ المنتہیٰ اور طوبیٰ تیرے لیے
وہ کڑوا پانی جس سے دردسر ہوتا ہے میرے لیے	وہ تلخ (کڑوی) شراب جس سے دردسر ہوتا ہے میرے لیے
آدم وحوا جو پاکیزہ شراب پیتے تھے، تیرے لیے	آدم وحوا جو پاکیزہ شراب پیتے تھے، تیرے لیے
- - - - - - - - - - - - -	مرغابی اور چکور اور کبوتر میرے لیے
- - - - - - - - - - - - -	ھما کا سایہ اور عنقا کا پنکھ تیرے لیے
یہ خاک (زمین) اور اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے میرے لیے	یہ خاک (زمین) اور اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے میرے لیے
اور زمین سے عرشِ معلیٰ تک (جو کچھ ہے) تیرے لیے	اور زمین سے عرشِ معلیٰ تک (جو کچھ ہے) تیرے لیے

مندرجہ بالا تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے پیامِ مشرق کی چار منتخب نظموں کا آسان، سلیس اور عام فہم ترجمہ کیا ہے۔مجموعی طور پر تمام ترجمہ عین درست ہے اور متن کی بھرپور انداز سے ترجمانی کرتا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے ترجمہ میں قوسین کے اندر توضیحی الفاظ اور جملے استعمال کر کے ترجمہ عام فہم بنا دیا ہے۔انہوں نے ترجمہ مصرع وار کیا ہے۔انہوں نے کوشش

کی ہے کہ ترجمہ لفظی، بامحاورہ، سلیس اور آسان ہو۔ وہ اس کوشش میں کافی زیادہ حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ چند ایک مقامات پر انہوں نے دیگر مترجمین سے ہٹ کر ترجمہ دیا ہے اور مفاہیم و معانی کے نئے در کھولے ہیں۔ ان کی یہ کوشش فنِ ترجمہ اور خصوصاً کلام اقبال کے ترجمہ کے سلسلہ میں جاری اور رواں طریقہ میں تبدیلی اور اصلاح کے لیے اٹھائے جانے والے نہایت مستحسن اور قابلِ احترام قدم کی حیثیت رکھتی ہے۔

نتائج بحث

پیامِ مشرق کے تمام اردو تراجم کے موازنہ و تقابل کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ

-01 میاں عبدالرشید کا ترجمہ آسان، سلیس اور عام فہم ہے۔ انہوں نے ہر فارسی شعر کا ترجمہ اس کے سامنے دیا ہے۔ یہ ترجمہ مصرع وار ہے۔ اس طرح فارسی متن کے حوالے سے ترجمہ کو اور ترجمہ کی مدد سے فارسی متن کو سمجھنے میں آسانی محسوس ہوتی ہے۔ بعض مقامات پر ترجمہ عام فہم اور آسان بنانے کے لیے قوسین استعمال کی گئی ہیں اور ان قوسین میں ترجمہ کی ضرورت کے مطابق مشکل لفظ کا مطلب اور مفہوم دیا گیا ہے۔ نامکمل جملوں کی تکمیل کے لیے کچھ الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے یا کسی تلمیح یا اصطلاح کی وضاحت کر دی ہے۔ اس طرح متن کے مطابق لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت بھی برقرار رہی اور مفہوم بھی اچھی طرح واضح ہو گیا۔ چند ایک مقامات پر فارسی کلام کی طرح منثور ترجمہ میں بھی قافیہ و ردیف کی پابندی کی کوشش کی گئی ہے۔ بعض مقامات پر اردو ترجمہ میں لے اور آہنگ نظر آتے ہیں۔ بعض مقامات پر قوسین میں یا قوسین کے بغیر منثور اردو ترجمہ کے ساتھ موضوع کی مناسبت سے فارسی، اردو یا پنجابی شعرا کے اشعار اور مصارع بھی دیئے گئے ہیں۔ مجموعی طور پر ان کا پیام مشرق کا منثور اردو ترجمہ سلیس، عام فہم اور آسان ہے، تاہم بعض مقامات پر کچھ کمزوریاں بھی محسوس ہوتی ہیں۔ مثلاً، فارسی کے مشکل الفاظ و تراکیب کے معانی اور مفاہیم نہیں دیے گئے۔ بعض مقامات پر ترجمہ میں مشکل الفاظ استعمال ہوئے ہیں جنہیں سمجھنے کے لیے کسی لغت یا استاد سے استفادہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ بعض مقامات پر تلمیحات اور اصطلاحات کا مفہوم واضح نہیں کیا گیا۔ بعض مقامات پر ترجمہ میں دیے گئے اضافی الفاظ کو قوسین کی مدد سے اصل ترجمہ سے الگ نہیں کیا گیا۔ چند ایک مقامات پر ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ بعض مقامات پر دیا گیا ترجمہ اصل متن کا مفہوم واضح نہیں کرتا۔ متن کا مفہوم واضح کرنے کے لیے ترجمہ کے ساتھ توضیحی عبارت کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے۔ حواشی اور تعلیقات کی مدد سے یہ ترجمہ زیادہ سے زیادہ طلبہ و قارئین کے لیے مزید قابلِ فہم اور آسان بنایا جا سکتا تھا مگر اس ترجمہ میں حواشی اور تعلیقات نہیں دیے گئے۔ نظر ثانی سے اور حواشی و تعلیقات کے اضافہ سے اس منثور اردو ترجمہ کو مزید آسان اور عام فہم بنایا جا سکتا ہے۔

-02 مجموعی طور پر تسہیل پیام مشرق میں دیا گیا احمد جاوید کا ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔ یہ ترجمہ مصرع وار اور لفظی ہے۔ ترجمہ کی مدد سے اصل متن کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ 'فرہنگ' کے عنوان کے تحت مشکل الفاظ و تراکیب، تلمیحات و اصطلاحات، رموز و علائم کا مفہوم دیا گیا ہے۔ اہم شخصیات، واقعات اور مقامات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ فرہنگ کے لحاظ سے اور اصل متن کے لفظی ترجمہ ہونے کی

حیثیت سے کوئی بھی ترجمہ 'تسہیل پیام مشرق' کا ثانی نہیں ہے۔ احمد جاوید نے ہر ایک لفظ کا مفہوم جس طرح سے واضح کیا ہے اس کی مثال نظر نہیں آتی۔ اسی طرح انہوں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ ان کا ترجمہ اصل متن سے معمولی سا بھی مختلف نہ ہو۔ ترجمہ کے معاملہ میں کوئی اور مترجم ان کی طرح محتاط نظر نہیں آیا۔ ترجمہ میں قوسین کے استعمال سے ترجمہ مزید آسان اور عام فہم بنایا جاسکتا تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ ترجمہ کے ساتھ مفہوم نہیں دیا گیا۔ اگر ترجمہ کے ساتھ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کی طرز پر مختصر الفاظ میں مفہوم دے دیا جاتا تو ان کا ترجمہ بہترین شکل اختیار کر جاتا۔ قوسین کے اندر توضیحی الفاظ یا جملے دینے سے ترجمہ مزید قابلِ فہم ہو جاتا اور ترجمہ کرنے کا مقصد بھی پورا ہو جاتا۔ ترجمہ کے ساتھ حواشی و تعلیقات کے اضافہ سے اسے مزید بہتر بنایا جاسکتا تھا۔ ترجمہ میں شعری لحن پیدا کرنے کے لیے مشکل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جس سے ترجمہ میں شعری لحن تو پیدا ہو گیا ہے مگر بعض مقامات پر ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔ نظر ثانی سے اس ترجمہ کو حقیقی معنوں میں ''تسہیل پیام مشرق'' کی شکل دی جاسکتی ہے۔ تسہیل کے لیے مندرجہ بالا گزارشات کے پیش نظر ترجمہ میں تبدیلی اور اصلاح کی ضرورت ہے۔

-03 ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کا ترجمہ، دیگر مترجمین کے تراجم کی نسبت زیادہ آسان، عام فہم اور سلیس ہے۔ انہوں نے لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار رکھی ہے اور قوسین میں یا ترجمہ کے آخر پر توضیحی الفاظ و جملے دے کر ترجمہ کا مفہوم بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ کافی زیادہ حد تک کامیاب ہُوئے ہیں۔ انہوں نے فارسی متن کے ساتھ ترجمہ دیا ہے مگر مشکل الفاظ اور ان کے معانی نہیں دیے۔ اسی طرح میاں عبدالرشید نے بھی مشکل الفاظ کے معانی نہیں دیے۔ مشکل الفاظ کے معانی کے بغیر ترجمہ کی مدد سے فارسی متن کو نہیں سمجھا جاسکتا۔

-04 ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے بعد ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے بھی قریباً اسی انداز سے ترجمہ کیا ہے۔ یزدانی صاحب اور ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے تراجم کے تقابلی جائزہ سے درج ذیل امور واضح ہوئے ہیں:

ا۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ و مفہوم، ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ و مفہوم سے فکری مماثلت رکھتا ہے۔

ب۔ دونوں مترجمین کا اسلوب ترجمہ بھی ایک جیسا ہے۔

ج۔ دونوں مترجمین نے اشعار کے تراجم و مفاہیم تو تحریر کیے ہیں۔ شرح تحریر نہیں کی ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کے اس ترجمہ کو شرح قرار دینا علمی لحاظ سے درست نہیں ہے۔

د۔ مجموعی طور پر ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے تراجم و مفاہیم آسان، عام فہم اور سلیس و رواں ہیں۔

ہ۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے ترجمہ کی الگ حیثیت کو برقرار رکھا ہے جبکہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار نہیں رکھی۔ ان کا ترجمہ لفظی نہیں ہے۔ یہ ترجمہ مفہوم کے قریب تر ہے۔

و۔ بہت زیادہ اختصار کی وجہ سے ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم اور خواجہ حمید یزدانی نے اشعار کی کھل کر شرح بیان نہیں کی ہے۔ شرح کے تقاضوں کے پیش نظر ان کی تخلیقات کو شرح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

-05 پیامِ مشرق کے منثور اردو تراجم کو زمانی ترتیب کے لحاظ سے دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ میاں

عبدالرشید کا ترجمہ 1991ء میں احمد جاوید کا ترجمہ 1992ء میں، ڈاکٹر الف۔ د۔نسیم کا ترجمہ 1993ء میں، ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ 2004ء میں، حمید اللہ ہاشمی کا ترجمہ 2008-2007ء میں اور خرم شفیق و مزملہ شفیق کا آسان نثری ترجمہ 2010ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ احمد جاوید اور ڈاکٹر الف۔ د۔نسیم کے بعد شائع ہوا تھا۔ اس لیے پیامِ مشرق کے ترجمہ و مفہوم کے سلسلہ میں ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کی احمد جاوید اور اس طرح ڈاکٹر الف۔ د۔نسیم سے فکری مماثلث اور بعض مقامات پر لفظی مماثلث اصولِ تحقیق کی رو سے 'سرقہ' شمار ہوتی ہے کیونکہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے ان اصحاب سے استفادہ کا کہیں ذکر یا اعتراف نہیں کیا۔

06- ترجمہ و شرح کا ہر ایک مترجم و شارح کا منفرد انداز ہوتا ہے۔ میاں عبدالرشید، احمد جاوید، ڈاکٹر الف۔ د۔نسیم اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے آزادی سے ترجمہ کیا ہے۔ اس لیے ان کا ترجمہ کسی اور کے ترجمہ سے نہیں ملتا۔ حمید اللہ ہاشمی نے لفظ بہ لفظ دیگر تراجم اور شروح سے نقل لگائی ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ و مفہوم کافی زیادہ حد تک ڈاکٹر الف۔ د۔نسیم کے ترجمہ سے فکری مماثلت رکھتا ہے۔ بعض مقامات پر لفظی مماثلت بھی نظر آتی ہے۔

07- حمید اللہ ہاشمی صاحب نے قریباً تمام شرح پیامِ مشرق میں تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید سے الفاظ معانی اور ترجمہ دیا ہے۔ ترجمہ میں قوسین کے اندر دیے گئے توضیحی الفاظ و جملے یا ترجمہ کے ساتھ مفہوم واضح کرنے کے لیے دیے گئے اضافی جملے شرح پیامِ مشرق از یوسف سلیم چشتی اور ترجمہ و مفہوم پیامِ مشرق از ڈاکٹر الف۔ د۔نسیم سے لفظ بہ لفظ نقل کیے گئے ہیں۔ ریاضی کی زبان میں حمید اللہ شاہ ہاشمی کا پیامِ مشرق کا ترجمہ و شرح لکھنے کا فارمولا یوں بنتا ہے:

شرح پیامِ مشرق از حمید اللہ ہاشمی = الفاظ معانی و ترجمہ از احمد جاوید + شرح از یوسف سلیم چشتی و ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔نسیم

آنکھیں بند کر کے حمید اللہ شاہ ہاشمی کی شرح کا کوئی صفحہ بھی کھول لیں تو قریباً ہر جگہ پر مندرجہ بالا فارمولا درست ثابت ہوگا۔

08- محمد رمضان گوہر نے اپنی کتاب 'انتخاب کلیات اقبال فارسی' کے حصہ پیامِ مشرق میں 'پیامِ مشرق' کے مختلف حصوں سے منتخبہ ایک سوتیس اشعار کا ترجمہ دیا ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے فارسی شعر لکھا ہے۔ پھر فرہنگ میں مشکل الفاظ کے معانی دیے ہیں۔ فرہنگ کے بعد سلیس اردو ترجمہ دیا ہے۔ انہوں نے فارسی اشعار دیتے وقت صحتِ متن کا خیال رکھا ہے، تاہم بعض مقامات پر رموزِ اوقاف کی کچھ اغلاط نظر آتی ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں کلیاتِ اقبال فارسی کے مختلف حصوں سے منتخب اشعار کا ترجمہ دیا ہے، مگر ہر شعر کے ساتھ اس کا حوالہ درج نہیں کیا۔ اگر وہ اشعار کے حوالہ جات درج کر دیتے تو مطالعہ و تحقیق میں آسانی رہتی اور قارئین اپنے ذوق کے مطابق کسی شعر کے حوالے کی مدد سے کلیاتِ اقبال فارسی کے دیگر کلام سے بھی استفادہ کر پاتے۔ گوہر صاحب کا ترجمہ دینے کا انداز درست ہے؛ تاہم اگر وہ تحت اللفظی ترجمہ دے دیتے تو قارئین کو فارسی متن کو سمجھنے میں مزید آسانی ہو جاتی اور پھر وہ خود بھی بغیر کسی مدد اور سہارے کے فارسی متن کو سمجھنے کے قابل ہو جاتے۔ مجموعی طور پر محمد رمضان گوہر کی یہ کوشش

بہت اچھی ہے۔ اگر پروفیسر یوسف سلیم چشتی اپنی شرح میں اس طریقہ سے اصل متن، فرہنگ اور ترجمہ شامل کردیتے تو ان کی شروح کی افادیت میں بہت اضافہ ہو جاتا۔ میاں عبدالرشید اور ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے پیامِ مشرق کے اپنے تراجم میں فارسی متن اور ترجمہ تو دیا ہے مگر فرہنگ شامل نہیں کیا۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے ہر فارسی شعر کے ساتھ فرہنگ نہیں دیا۔ انہوں نے تمام پیامِ مشرق کا فرہنگ اپنی کتاب کے آخر پر دیا ہے جس سے فرہنگ کی افادیت نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ محمد رمضان گوہر سے قبل 'احمد جاوید' نے تسہیل پیامِ مشرق میں فارسی متن کے ساتھ فرہنگ دیا ہے اور ہر فارسی شعر کے نیچے مصرع وار ترجمہ دیا ہے۔ 'احمد جاوید' کی کوشش، محمد رمضان گوہر کی کوشش سے زیادہ بہتر ہے۔ انہوں نے یہی کام زیادہ وضاحت اور بہتر ترتیب سے کیا ہے۔ انہوں نے مکمل پیامِ مشرق کا ترجمہ دیا ہے۔ ان کے ترجمہ سے عام قاری سے لے کر کسی محقق اور سکالر تک یعنی ہر ذہنی و علمی سطح کا قاری استفادہ کرسکتا ہے۔ جبکہ گوہر صاحب کا ترجمہ محققین اور سکالرز کے لیے تو نہیں، عام قارئین کے استفادہ کے لیے بہت اچھا ہے۔ اس لحاظ سے ان کی یہ کوشش قابلِ تحسین ہے۔

-09 'رومئی عصر' علامہ اقبال کے منتخب کلام کا منثور اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ محمد سعید شیدا نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار 1955ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں اقبال کے منتخب فارسی کلام کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کے شروع میں فہرست عنوانات نہیں دی گئی۔ اس کتاب میں تمام ترجمہ اصل فارسی متن کے بغیر دیا گیا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ اصل متن کے حوالہ جات بھی نہیں دیے گئے۔ اس لیے صرف ترجمہ کی مدد سے اصل متن تلاش کرنا اور پھر اس ترجمہ سے استفادہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ مترجم نے مختلف مقامات سے اشعار منتخب کر کے ان کا ترجمہ دیا ہے۔ تمام کتاب میں یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ تمام کتاب میں صرف چند ایک الفاظ کے معانی دیے ہیں۔ چند ایک مقامات پر ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں، تاہم مجموعی طور پر یہ ترجمہ سلیس، آسان، بامحاورہ اور رواں ہے۔ یہ ترجمہ 'یادِ رفتہ' کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کتاب میں فہرست عنوانات نہیں دی گئی۔ ترجمہ میں فارسی متن اور اس کے حوالہ جات نہیں دیے گئے۔ الفاظ معانی بھی نہیں دیے گئے۔ اس میں اقبال کے تمام فارسی مجموعہ ہائے کلام کا نہیں بلکہ ان میں سے منتخب کلام کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ اس لیے علمی و عملی لحاظ سے عصرِ حاضر میں 'رومئی عصر' (منتخب کلامِ اقبال کا منثور اردو ترجمہ) کی کوئی افادیت نہیں ہے۔ اس سے بہتر تراجم موجود ہیں جن سے زیادہ بہتر طور پر استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

-10 خرم شفیق اور مزملہ شفیق کے نثری ترجمہ غیر واضح اور نامکمل فہرست دی گئی ہے۔ بعض مقامات پر دیا گیا نثری ترجمہ فکرِ اقبال سے ہٹا ہوا نظر آتا ہے۔ اصل متن کا مفہوم کچھ اور ہے اور نثری ترجمہ سے بات کچھ سے کچھ ہوگئی ہے۔ یہ نثری ترجمہ دراصل احمد جاوید کی 'تسہیل پیامِ مشرق' کے ترجمہ سے اخذ شدہ ہے۔ خرم شفیق اور مزملہ شفیق نے احمد جاوید کے ترجمہ کو ہی قدرے آسان اور سلیس بنا کر مترجمین اور مصنفین بننے کا اعزاز حاصل کرلیا ہے۔ اس نثری ترجمہ کے ساتھ کلامِ اقبال کا اصل فارسی متن اور حوالہ جات نہیں دیے گئے۔ اگر اصل فارسی متن اور حوالہ جات دے دیے جاتے تو اس سے تفہیمِ متن اور تحقیق و تنقید کے امور آسان ہو جاتے۔ حواشی و تعلیقات کے اہتمام سے قارئین کے لیے تفہیمِ متن میں

آسانی پیدا کی جاسکتی تھی۔صرف تین صفحات پر مختصر سے حواشی دیے گئے ہیں جو کفایت نہیں کرتے ہیں۔ اس کتاب میں شامل 'مئے باقی' کی منتخب غزلیات کا دیا گیا فیض احمد فیض کا ترجمہ اصل متن کے قریب تر، شعری محاسن سے مزّین اور قابلِ تعریف ہے، تاہم چند ایک مقامات پر یہ ترجمہ فکرِ اقبال سے ہم آہنگ دکھائی نہیں دیتا۔مزید یہ کہ اس کتاب میں پیامِ مشرق کے تمام حصوں کا منثور ترجمہ دیا گیا ہے۔مگر 'مئے باقی' کا منثور ترجمہ نہیں دیا گیا بلکہ منظوم ترجمہ دیا گیا ہے۔وجہ سمجھ نہیں آتی کہ یہ فرق کیوں روا رکھا گیا۔مئے باقی کے نثری ترجمہ کے ساتھ بھی منظوم ترجمہ دیا جاسکتا تھا۔ترجمہ کے ساتھ حاصل کلام یا حقیقی مفہوم واضح الفاظ میں دے دیا جاتا تو افادیت بڑھ جاتی۔مثلاً حصہ 'افکار' میں 'پہلا پھول' کے عنوان سے ترجمہ تو دے دیا گیا ہے مگر مفہوم نہیں دیا گیا۔ہر قاری کسی کلام کے نثری ترجمہ سے اصل مفہوم اخذ نہیں کرسکتا۔سلسلۂ آسان کتب میں عام قارئین کے لیے آسانی بھی نظر آنی چاہیے۔بعض مقامات پر مشکل الفاظ اور اغلاط نظر آتی ہیں۔نثری ترجمہ میں مشکل الفاظ کے استعمال سے یہ کتاب آسان نہیں رہی۔اسے کسی لغت کے بغیر اور ایک اچھے اقبال شناس کی رہنمائی کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا۔بعض مقامات پر دیا گیا نثری ترجمہ واضح نہیں ہے۔ترجمہ اصل متن کا مفہوم واضح نہیں کرتا۔حاصل کلام یہ کہ نثری ترجمہ 'پیامِ مشرق' اقبال اکادمی پاکستان کی طرف سے شائع کردہ سلسلۂ آسان کتب کی ایک اہم کڑی ہے۔یہ کتابت، طباعت، ڈیزائننگ، جلد سازی، پیشکش اور کاغذ و جلد کے معیار کے لحاظ سے بہت خوبصورت تخلیق ہے۔تاہم معنوی نقطۂ نظر سے اس میں ترامیم و تصحیحات کی گنجائش بہر حال موجود ہے۔اس نثری ترجمہ پر 'نظرِ ثانی' کرکے اسے بہتر بنایا جاسکتا ہے۔کلام الٰہی کی حقانیت اور کمال مسلّم ہے۔مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض آیات منسوخ فرما کر نئے احکامات پر مشتمل آیاتِ کریمہ نازل فرمادی گئیں۔اقبال بھی نظرِ ثانی، تبدیلی اور اصلاح کے سنہری اصول پر عمل کرتے تھے اور خوب سے خوب تر کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔اپنی ہی تصنیف، تالیف و ترجمہ پر بار بار نظرِ ثانی کرنا اور اسے بہتر بنانا ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔اس کے لیے اپنی تصنیف و تخلیق سے شدید محبت اور لگن کی ضرورت ہے۔اکثر تخلیقات اسی لیے ادھوری نظر آتی ہیں کہ انہیں پورا سمجھ کر ادھورا چھوڑ دیا جاتا ہے۔

-11 ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے پیامِ مشرق کی چار منتخب نظموں کا آسان، سلیس اور عام فہم ترجمہ کیا ہے۔ مجموعی طور پر تمام ترجمہ عین درست ہے اور متن کی بھرپور انداز سے ترجمانی کرتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ترجمہ میں قوسین کے اندر توضیحی الفاظ اور جملے استعمال کرکے ترجمہ عام فہم بنا دیا ہے۔ انہوں نے ترجمہ مصرع وار کیا ہے۔انہوں نے کوشش کی ہے کہ ترجمہ لفظی، بامحاورہ، سلیس اور آسان ہو۔وہ اس کوشش میں کافی زیادہ حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔چند ایک مقامات پر انہوں نے دیگر مترجمین سے ہٹ کر ترجمہ دیا ہے اور مفاہیم و معانی کے نئے در کھولے ہیں۔ان کی یہ کوشش فنِ ترجمہ اور خصوصاً کلام اقبال کے ترجمہ کے سلسلہ میں جاری اور رواں طریقہ میں تبدیلی اور اصلاح کے لیے اٹھائے جانے والے نہایت مستحسن اور قابلِ احترام قدم کی حیثیت رکھتی ہے۔

مندرجہ بالا گزارشات کے پیشِ نظر راقم الحروف کے نزدیک مندرجہ ذیل امور میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے:

-01 حمید اللہ ہاشمی نے کلیات اقبال فارسی کی شرح لکھی ہے۔ اس شرح میں پیامِ مشرق کی شرح بھی شامل ہے۔ انہوں نے شرح پیامِ مشرق میں زیادہ تر الفاظ، معانی احمد جاوید کی تسہیل 'پیامِ مشرق' سے نقل کیے ہیں۔ اس طرح شرح کے اکثر جملے اور عبارتیں ڈاکٹر (ل۔ د۔ نسیم کی شرح سے نقل کی گئی ہیں۔ اس امر پر تحقیق کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کیا شرح کلیاتِ اقبال فارسی میں شامل دیگر کلامِ اقبال کی شرح میں اور دیگر تراجم وشروح اور تصانیف میں انہوں نے دیگر مصنفین، مترجمین اور شارحین کی تخلیقات سے استفادہ کیا ہے یا نہیں؟

-02 ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے بھی بعض مقامات پر ڈاکٹر (ل۔ د۔ نسیم کے ترجمہ وشرح سے جملے اور عبارتیں دی ہیں۔ تاہم ایسے مقامات پر انہوں نے چند الفاظ کے ردّ و بدل اور تقدیم وتاخیر سے کچھ تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ اسی طرح انہوں نے احمد جاوید کے ترجمہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ان کی احمد جاوید اور اس طرح ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم سے فکری مماثلت اور بعض مقامات پر لفظی مماثلت اصولِ تحقیق کی رو سے 'سرقہ' شمار ہوتی ہے کیونکہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے ان اصحاب سے استفادہ کا کہیں ذکر یا اعتراف نہیں کیا۔ اس امر پر تحقیق کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کیا ان کی دیگر تخلیقات میں بھی اس طرح کے استفادہ کا ثبوت ملتا ہے یا کہ نہیں؟

تمام تراجم اور شروح کے جائزہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ پیامِ مشرق اور ان کے دیگر فارسی کلام کے نئے تراجم وشروح میں احمد جاوید کی طرز پر فرہنگ ولفظی ترجمہ، ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کی طرز پر با محاورہ ترجمہ ومفہوم اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی طرز پر مشکل الفاظ وتراکیب، تلمیحات اور کنایات وغیرہ کی وضاحت اور صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کی طرز پر آسان اور دلچسپ انداز سے لکھی ہوئی عام فہم شرح تخلیق کر دی جائے جس میں محمد رمضان گوہر کی طرز پر فارسی متن کے ساتھ اعراب بھی دے دیے جائیں تو یہ نہایت عام فہم اور جامع تخلیق ہوگی جس سے ہر سطح کا قاری استفادہ کر سکے گا۔ اسی طرح ہر شرح کے ترجمہ، مفہوم اور شرح کے ساتھ اگر منظوم اردو تراجم سے موزوں ترین ترجمہ منتخب کر کے دے دیا جائے تو سونے پر سہاگہ کے مترادف ہوگا۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی طرز پر ترجمہ وشرح کے دوران فارسی متن کے ایسے پہلو بھی تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جن کی طرف دیگر مترجمین اور شارحین کی نظر نہیں گئی۔ اس طرح تبدیلی واصلاح کا جاں فزا عمل شروع ہو جائے گا اور تازہ بہ تازہ اور نو بنو تخلیقات منظرِ عام پر آئیں گی۔

حوالہ جات وحواشی

-1 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق (لاہور: شیخ غلام علی سنز، باراول، 1991ء)،ص8
-2 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ہفد ہم، 1983ء)،ص15
-3 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص17
-4 نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی (لاہور: اظہار سنز، اردو بازار، باراول، س ن)، ص 655
-5 الف۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، س ن)، ص12
-6 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص28
-7 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص39
-8 الف۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی،ص27
-9 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق (لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، باراول، س ن)،ص70
-10 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص64
-11 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص111
-12 الف۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی،ص63
-13 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق،ص207
-14 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص64
-15 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص111
-16 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص153
-17 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص283
-18 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص165
-19 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص307
-20 نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی،ص199
-21 احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باراول، 1992ء)،ص524
-22 الف۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی،ص175
-23 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص181
-24 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص339
-25 الف۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی،ص193
-26 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص208
-27 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص391

-28 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص47
-29 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص77
-30 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص98
-31 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص175
-32 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص101
-33 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص181
-34 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص109
-35 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص197
-36 نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی، ص820
-37 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص39
-38 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص61
-39 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص41
-40 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص65
-41 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص42
-42 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص339
-43 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص56
-44 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص95
-45 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص75
-46 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص133
-47 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص89
-48 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص157
-49 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص90
-50 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص159
-51 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص90
-52 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص159
-53 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص133
-54 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص245
-55 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص143
-56 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص263
-57 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص144
-58 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص265

59- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص149
60- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص275
61- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص155
62- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص287
63- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص156
64- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص289
65- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص168
66- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص313
67- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص215
68- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص405
69- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص215
70- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص405
71- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص221
72- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص417
73- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ٹائٹل و بیک ٹائٹل
74- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، زبورِ عجم، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ب ن، 1985ء)، ص55
75- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص 47
رباعی نمبر 5 کا فارسی متن، ترجمہ اور فرہنگ تسہیل پیامِ مشرق میں دیے گئے فونٹ، فونٹ ساز اور لے آؤٹ کے مطابق کمپوز کیے گئے ہیں تاکہ اس میں فارسی متن، ترجمہ اور فرہنگ کی ترتیب اور پیشکش کا انداز زیرِ بحث لایا جاسکے۔
76- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص35
77- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص25
78- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، بار اول، 2004ء)، ص28
79- غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی) (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، 1995ء)، ص222
80- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص34
81- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص69
82- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص90
83- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص242
84- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص90

85- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص244
86- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص135
87- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص183
88- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص564
89- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص100
90- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص272
91- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص156
92- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص494
93- ا۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص166
94- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص455
95- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص157
96- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص496
97- ا۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص167
98- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص164
99- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص520
100- ا۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص174
101- نوید کیانی، پروفیسر، پیامِ مشرق کے اردو اور انگریزی تراجم کا تحقیقی وتوضیحی جائزہ (جہلم: بک کارنر پبلشرز، فروری1999ء)، ص79
102- صفحہ نمبر566 پر موجود متنی غلطی نہایت سنجیدہ نوعیت کی ہے۔ اسے فوراً درست کیا جانا چاہیے۔
103- ایم رمضان گوہر، انتخاب کلیات اقبال فارسی (مع فرہنگ، سلیس اردو ترجمہ اور اعراب) (لاہور: وحدت کالونی، باراول، دسمبر2001ء)، ص83
104- ایم رمضان گوہر، انتخاب کلیات اقبال فارسی (مع فرہنگ، سلیس اردو ترجمہ اور اعراب)، ص88
105- ایم رمضان گوہر، انتخاب کلیات اقبال فارسی (مع فرہنگ، سلیس اردو ترجمہ اور اعراب)، ص98
106- ایم رمضان گوہر، انتخاب کلیات اقبال فارسی (مع فرہنگ، سلیس اردو ترجمہ اور اعراب)، ص106
107- ایم رمضان گوہر، انتخاب کلیات اقبال فارسی (مع فرہنگ، سلیس اردو ترجمہ اور اعراب)، ص114
108- ایم رمضان گوہر، انتخاب کلیات اقبال فارسی (مع فرہنگ، سلیس اردو ترجمہ اور اعراب)، ص117
109- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص33
110- ایم رمضان گوہر، انتخاب کلیات اقبال فارسی (مع فرہنگ، سلیس اردو ترجمہ اور اعراب)، ص92
111- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص52
112- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص32
113- ا۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص30

114- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: مکتبہ دانیال، باراول، 2007ء)، ص302
115- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص33
116- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص32
117- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص34
118- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص32
119- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص35
120- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص33
121- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص38
122- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص37
123- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص40
124- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص39
125- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص45
126- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص43
127- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص48
128- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص47
129- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص49
130- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص47
131- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص52
132- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص51
133- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص87
134- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص86
135- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص106
136- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص109
137- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص106
138- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص109
139- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص119
140- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص124
141- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص127
142- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص134
143- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص159
144- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص169

-145 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص176
-146 ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص188
-147 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص218
-148 ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص233
-149 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص411
-150 احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص 699
-151 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص284
-152 حمید اللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص494
-153 ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص233
-154 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص284
-155 محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی) (لاہور: تاج بک ڈپو، باراول، 1955ء)، ص3
-156 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص16
-157 محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص40
-158 ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص13
-159 احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص 5
-160 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص19
-161 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص16
-162 محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص40
-163 نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی، ص577
-164 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص16
-165 محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص40
-166 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص16
-167 محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص40
-168 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص16
-169 محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص40
-170 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص17
-171 محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص41
-172 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص17
-173 محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص41
-174 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص17
-175 محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص41

176- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص18
177- محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص42
178- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص20
179- محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص44
180- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص30
181- محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص50
182- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص31
183- محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص50
184- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص32
185- محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص51
186- رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باراول، 9 نومبر 1982ء)، ص129 تا 146
187- نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی، ص65
188- نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی، ص68
189- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص34
190- محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص52
191- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص51 ,50
192- نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی، ص191
193- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، بانگ درا، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو (شیخ غلام علی اینڈ سنز، بارپنجم، 1982ء)، ص263
194- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق، ص34
195- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص32
196- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص86
197- محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص55
198- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص98
199- محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص62
200- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص139
201- محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی)، ص67
202- خرم علی شفیق، مزملہ شفیق، ننتاشہ سلیم، فیض احمد فیض، آسان نثری ترجمہ 'پیام مشرق' (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باراول، 2010ء)، ص4
203- خرم علی شفیق و دیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص4
204- رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص131

205- رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، تصانیفِ اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ، ص133

206- رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، کتابیاتِ اقبال (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باراول، 1977ء)، ص7

207- رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، تصانیفِ اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ، ص134

208- خرم علی شفیق ودیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص4

209- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص15

210- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص 1 تا3

211- خرم علی شفیق ودیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص8

212- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص16

213- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص 6

214- خرم علی شفیق ودیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص8

215- وارث سرہندی، علمی اردو لغت (لاہور: علمی کتب خانہ، باراول، 1996ء)، ص580

216- وارث سرہندی، علمی اردو لغت، ص580

217- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق (اسلام آباد: الحمرا پبلشنگ، باراول، مارچ 2000ء)، ص33

218- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص19

219- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص13

220- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص13

221- حمید اللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص283

222- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص17

223- خرم علی شفیق ودیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص9

224- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص15

احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص37

225- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص21

226- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص16

227- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص16

228- حمید اللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص286

229- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص18

230- خرم علی شفیق ودیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص9

231- نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی، ص24

232- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص24

233- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص41

234- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص23

235- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص20
236- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص19
237- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص289
238- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص18
239- خرم علی شفیق ودیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص9
240- نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی، ص725
241- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص19
242- خرم علی شفیق ودیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص10
243- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص30
244- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص43
245- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص291
246- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص25
247- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص20
248- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص22
249- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص30
250- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص291
251- خرم علی شفیق ودیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص11
252- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص25
253- خرم علی شفیق ودیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص11
254- قرآن حکیم، الجمعہ (62:1)، التغابن (64:1)
255- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص23، 24
256- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص296
257- عملۂ ادارت، اُردو لغت جلد 12 (کراچی: اُردو لغت بورڈ، جنوری 1991ء)، ص339
258- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص31
259- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص62
260- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص30
261- حمیداللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص302
262- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص79
263- خرم علی شفیق ودیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص14
264- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص80
265- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص204

-266 حمید اللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیات اقبال فارسی، ص346
-267 احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص204
-268 حمید اللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیات اقبال فارسی، ص346
-269 الف۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص80
-270 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص79
-271 خرم علی شفیق و دیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص14
-272 الف۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص80
-273 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، زبورِ عجم، ص405/13
-274 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، اسرارِ خودی، تمہید، مشمولہ: کلیات اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1985ء)، ص9
-275 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، بالِ جبریل، مشمولہ: کلیات اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، دسمبر 1982ء)، ص93
-276 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص94
-277 خرم علی شفیق و دیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص19
-278 خرم علی شفیق و دیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص26
-279 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص131
280 خرم علی شفیق و دیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص26
-281 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص152
282 فیض احمد فیض، منظوم اردو ترجمہ، مشمولہ: آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، 2010ء)، ص28
-283 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص152
-284 حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باراول، 1977ء)، ص 131
-285 نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی، ص237
-286 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص154
-287 خرم علی شفیق و دیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص28
-288 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، گلشن رازِ جدید: جواب(6) (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز)، ص556/164
-289 حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص135
-290 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص197
-291 الف۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص164
-292 الف۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص164

293- یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص449

294- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص135

295- محمد سرور رجا، منتِ ساقی (منظوم اردو ترجمۂ مئے باقی' از پیامِ مشرق) (برطانیہ: اوٹی انٹر پرائز لمیٹڈ، بار اول، 2007ء)، ص67

296- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص197

297- خرم علی شفیق و دیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص33

298- نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی، ص423

299- نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی، ص296

300- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص207

301- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق، ص259

302- خرم علی شفیق و دیگران، آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق، ص13

303- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، ضربِ کلیم، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، 1982ء)، ص124

304- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، ضربِ کلیم: اہرام مصر، ص116

305- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، اقبال نامہ (مجموعہ مکاتیبِ اقبال)، مرتبہ: شیخ عطاء اللہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بارنو، 2005ء)، ص236

306- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، اقبال نامہ، ص235

307- رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، تصانیفِ اقبال... ص134

308- محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، مضمون: علامہ اقبال کی چند فارسی نظموں کا اردو روپ، مشمولہ: ادب دوست (م) (لاہور: جلد 12 شمارہ 4، اپریل 2006ء)، ص8

309- محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، علامہ اقبال کی چند فارسی نظموں کا اردو روپ، ص8

310- محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، علامہ اقبال کی چند فارسی نظموں کا اردو روپ، ص8

311- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص83

312- محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، علامہ اقبال کی چند فارسی نظموں کا اردو روپ، ص9

313- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص145

314- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص209

315- نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی، ص58

316- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص81

317- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص210

318- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص145

319- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص81

320- اردو لغت (جلد دوازدہم)، ص775
321- محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، ادب دوست (م)، ص9
322- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص145
323- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص210
324- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص81
325- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص94
326- محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، ادب دوست (م)، ص10
327- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص95
328- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص96
329- محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، ادب دوست (م)، ص10
330- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص171
331- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص97
332- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق، ص260
333- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص171
334- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص215
335- محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، ادب دوست (م)، ص11
336- نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی، ص641

باب چہارم:

پیام مشرق کے منظوم اردو تراجم

انتخاب پیامِ مشرق

منظوم اردو ترجمہ

از

فیض احمد فیضؔ

'انتخاب پیامِ مشرق'، 'پیامِ مشرق' میں سے منتخب کلام کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ فیض احمد فیضؔ نے کیا ہے اور اسے اقبال اکادمی پاکستان کی طرف سے صد سالہ تقریبات ولادت علامہ محمد اقبال کے سلسلہ میں 1977ء کو پہلی بار شائع کیا گیا تھا۔ یہ منظوم ترجمہ دو سو گیارہ (211) صفحات پر مشتمل کتاب ہے۔ اس میں فہرست اس طرح دی گئی ہے:

عنوان	صفحہ
۱۔ لالہ طور	۲۔۵۷
۲۔ افکار	۶۰۔۱۳۹
۳۔ مئے باقی (غزلیات)	۱۴۲۔۲۱۱

مندرجہ بالا فہرست نامکمل اور اس میں کافی زیادہ تبدیلی کی ضرورت ہے۔ کتاب کے صفحات ۱۴۲ تا ۱۹۹ پر 'مئے باقی' کی منتخب غزلیات اور ان کا منظوم ترجمہ دیا گیا ہے۔ صفحات ۲۰۰ تا ۲۱۱ پر پیامِ مشرق کے حصہ ''نقشِ فرنگ' کی درج ذیل 4 نظمیں اور ان کا منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے:

1- پٹوفی
2- خراباتِ فرنگ
3- خطاب بہ انگلستان
4- نوائے مزدور

اس کتاب میں 'پیامِ مشرق' کے حصہ 'خردہ' کا منظوم اردو ترجمہ پیش نہیں کیا گیا ہے۔ کتاب میں پیش کی گئی فہرست نامکمل ہے۔ اگر یہ فہرست درج ذیل تفصیلات کے ساتھ پیش کی جاتی تو عام قارئین کو منتخب کلام اور اس کے منظوم ترجمہ تک رسائی میں آسانی رہتی۔

مجوزہ فہرست

انتخابِ پیامِ مشرق

حصہ لالۂ طور......(رباعیات...56 عدد)

(صفحات 2 تا 57)

رباعی نمبر	'انتخاب پیامِ مشرق' صفحہ نمبر	'پیامِ مشرق' صفحہ نمبر	رباعی نمبر	'انتخاب پیامِ مشرق' صفحہ نمبر	'پیامِ مشرق' صفحہ نمبر
3،2	3،2	26،25	76،75	31،30	50
7،5	5،4	27،26	85،83	33،32	53،52
11،9	7،6	28	96،86	35،34	57،53
16،13	9،8	30،29	100،97	37،36	58،57
18،17	11،10	31،30	103،102	39،38	59
25،21	13،12	33،32	116،112	41،40	63،62
28،26	15،14	34،33	119،118	43،42	64
41،32	17،16	38،35	127،121	45،44	67،65
53،46	19،18	42،40	129،128	47،46	68،67
55،54	21،20	43	133،130	49،48	69،68
60،57	23،22	45،44	135،134	51،50	70،69
65،62	25،24	46،45	141،138	53،52	72،71
69،66	27،26	48،47	149،143	55،54	74،72
73،71	29،28	49،48	162،152	57،56	79،75

حصہ افکار.......(نظمیں...21عدد)

(صفحات 60 تا 139)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر 'انتخاب پیامِ مشرق' فارسی متن	منظوم اردو ترجمہ	صفحہ نمبر 'پیامِ مشرق'
-1	گل نخستیں	60	61	83
-2	دعا	62	63	84
-3	ہلال عید	64	65	84
-4	تسخیر فطرت	66	67	85
	میلاد آدم	66	67	85
	آدم از بہشت بیروں آمدہ می گوید	68	69	87
-5	نوائے وقت	70	71	89
-6	حیاتِ جاوید	76	77	94
-7	زندگی	78	79	96
-8	سرودِ انجم	80	81	98
-9	نسیمِ صبح	88	89	101
-10	کرمِ کتابی	90	91	103
-11	قطرۂ آب	92	93	112
-12	محاورہ مابین خدا و انسان	98	99	114
-13	تنہائی	102	103	118
-14	شبنم	106	107	119
-15	حور و شاعر	116	117	126
-16	عشق	122	123	133
-17	غلامی	124	125	134
-18	جہانِ عمل	126	127	124
-19	غنی کشمیری	128	129	137
-20	طیارہ	132	133	139
-21	عشق	138	139	140

☆ ترتیب کے لحاظ سے نظم 'جہانِ عمل' کا ترجمہ نظم 'شبنم' کے فوراً بعد آنا چاہیے تھا۔

حصہ 'مئے باقی'......(غزلیات...21عدد)

(صفحات142تا199)

نمبر شمار	اشعار	'انتخاب پیامِ مشرق' صفحات نمبر: فارسی متن	'انتخاب پیامِ مشرق' صفحات نمبر: منظوم اردو ترجمہ	'پیامِ مشرق' صفحات نمبر: غزل نمبر	'پیامِ مشرق' صفحات نمبر: صفحہ نمبر	جن اشعار کا ترجمہ نہیں ہوا
1-	حلقہ بستند سر تربتِ من نوحہ گراں	142	143	2	144	
2-	خیز و نقاب برکشا، پردگیانِ ساز را	144	145	6	149	آخری شعر
3-	ہوائے فرودیں درگلستان میخانہ می سازد	148	149	10	152	تیسرا شعر
4-	از ما بگو سلامے آں ترکِ تندخو را	150	151	11	153	چوتھا شعر
5-	آشنا ہر خار را از قصہ ما ساختی	154	155	12	154	
6-	حسرت جلوہٴ آں ماہِ تمامے دارم	156	157	22	163	
7-	بشاخِ زندگی مانمی ز تشنہ لبی است	158	159	23	164	چھٹا شعر
8-	فرقے نہ نہد عاشق درکعبہ و بتخانہ	162	163	24	165	دوسرا شعر
9-	ایں گنبدِ مینائی، ایں پستی و بالائی	166	167	26	167	آخری شعر
10-	ہوسِ منزلِ لیلیٰ نہ تو داری و نہ من	170	171	27	168	تیسرا شعر
11-	دلیلِ منزلِ شوقم بدامنم آویز	172	173	28	169	
12-	در جہانِ دلِ ما دورِ قمر پیدا نیست	174	175	29	170	
13-	سوزِ سخن ز نالہٴ مستانہٴ دل است	176	177	31	171	
14-	نہ تو اندر حرم گنجی نہ در بتخانہ می آئی	180	181	33	173	
15-	مثلِ آئینہ مشو محوِ جمالِ دگراں	182	183	35	174	چوتھا شعر
16-	جہانِ عشق نہ میری نہ سروری داند	184	185	36	175	آخری دو شعر
17-	خاکیم و تند سیر مثالِ ستارہ ایم	188	189	39	178	
18-	عرب از سرشکِ خونم ہمہ لالہ زار بادا	190	191	40	179	آخری دو شعر
19-	نظرِ تو ہمہ تقصیر و خرد کوتاہی	192	193	41	180	
20-	سرخوش از بادہٴ تو خم شکنے نیست کہ نیست	194	195	42	181	آخری شعر
21-	اگرچہ زیبِ سرش افسر و کلاہے نیست	196	197	43	181	

حصہ 'نقشِ فرنگ'......(نظمیں...4عدد)

(صفحات200 تا211)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر 'انتخاب پیامِ مشرق' فارسی متن	صفحہ نمبر 'انتخاب پیامِ مشرق' منظوم اردو ترجمہ	صفحہ نمبر 'پیامِ مشرق'
-1	پٹوفی	200	201	203
-2	خراباتِ فرنگ	202	203	213
-3	خطاب بہ انگلستان	206	207	214
-4	نوائے مزدور	208	209	216

انتخاب پیامِ مشرق میں اصل متن اوراس کا منظوم اردوہ ترجمہ آمنے سامنے دیے گئے ہیں۔اس میں کل پچیس(25) نظموں، اکیس(21) غزلوں اور چھپن(56) رباعیات کا ترجمہ دیا گیا ہے۔

کلامِ اقبال کے تراجم کا توضیحی اشاریہ (تحقیقی مقالہ ایم اے اردو) کے صفحہ نمبر 13 تا15 پر مقالہ نگار شازیہ ظہیر خواجہ نے 'انتخاب پیامِ مشرق' کا توضیحی اشاریہ دیا ہے۔اس کے صفحہ نمبر 14 پر مقالہ نگار نے منتخب رباعیات کی درست تعداد درج نہیں کی ہے۔فیض احمد فیضؔ نے کل چھپن(56) منتخب رباعیات کا ترجمہ کیا تھا جبکہ اس مقالہ میں تحریر کیا گیا ہے کہ فیض احمد فیضؔ نے باون(52) رباعیات کا ترجمہ کیا ہے۔اصل اقتباس ملاحظہ کریں:

> ''..... کل پچیس نظموں ، اکیس غزلوں اور باون رباعیات کا ترجمہ کیا گیا ہے.....''(1)

اس مقالہ میں، رباعیات کی دی گئی فہرست درست ہے اوراس فہرست میں چھپن(56) منتخب رباعیات کے نمبر دیے گئے ہیں۔اسی طرح فہرست میں اکیس غزلیات کی بجائے بیس غزلیات کے صفحات نمبر اور ہر ایک غزل کے پہلے مصرع کے چند ایک الفاظ بطور حوالہ دیے گئے ہیں۔اس فہرست میں صفحہ نمبر 196 پر دی گئی پیامِ مشرق کی غزل نمبر 43 اوراس کے منظوم ترجمہ کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔مقالہ میں غزلیات کے مذکورہ صفحات نمبرز بھی درست نہیں ہیں۔

اسی طرح میرے فاضل پیش رو (مقالہ نگار) پروفیسر نوید کیانی نے اپنے مقالہ 'پیامِ مشرق کے اردو اور انگریزی تراجم کا تحقیقی اور توضیحی جائزہ' میں، صفحہ نمبر 126 پر انتخاب پیامِ مشرق' از' فیض احمد فیضؔ' کے حوالہ سے چھپن(56) رباعیات کے نمبر دیے ہیں۔ان میں دیے گئے نمبر 12، 49، اور 82 درست نہیں ہیں۔ان کی جگہ پر علی الترتیب رباعی نمبر 13، 46 اور 83 آئیں گے۔پروفیسر نوید کیانی کتاب 'انتخاب پیامِ مشرق' کے ٹائٹل پر دیئے گئے مونوگرام کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''انتخاب پیامِ مشرق'' بیچ میں ایک چوکھٹہ ہے،جس کے اندر منظوم اردو ترجمہ مترجم

فیض احمد فیض لکھا گیا ہے۔ اس کے نیچے ایک مونوگرام کی شکل ہے ۔ دائرہ کی شکل میں نیچے صد سالہ تقریباتِ ولادت اور اوپر دونوں جانب ۱۹۷۷ء لکھا ہے۔ دائرہ کے بیچ میں سیاہ مستطیل میں علامہ اقبال اور نیچے دانائے راز لکھا ہے۔ اس مونوگرام کے نیچے نیشنل کمیٹی برائے صد سالہ تقریبات ولادت علامہ محمد اقبال اور پھر اس کے نیچے اقبال اکادمی پاکستان اور پھر اس کے نیچے ۹۰۔بی۔۲ گلبرگ۔۳ لاہور لکھا ہے۔...... ''(2)

مندرجہ بالا خط کشیدہ عبارت درست نہیں ہے ۔ دراصل اس مونوگرام میں دائیں طرف ۱۸۷۷ء اور بائیں طرف ۱۹۷۷ء لکھا ہوا ہے۔ دونوں جانب ۱۹۷۷ء نہیں لکھا ہوا ہے۔

'انتخاب پیامِ مشرق' کے شروع میں 'پیش لفظ' کے عنوان سے مختصر اور جامع دیباچہ دیا گیا ہے۔ جس کے شروع میں فیض احمد فیض لکھتے ہیں:

''آج سے چند ماہ پیشتر جب مجھ سے پیامِ مشرق کا منظوم ترجمہ کرنے کی فرمائش کی گئی تھی تو کافی پس و پیش کے بعد میں نے اس کی تعمیل اس لیے قبول کر لی کہ اول تو اس بہانے سے کافی زمانے کے بعد پیامِ مشرق جیسے مجموعہ حسن و خوبی کے بالاستیعاب مطالعہ کی سعادت حاصل ہوگی اور دوم ترجمہ اچھا برا جیسا بھی ہو اُن پرستاران اقبال کی جو فارسی زبان سے نا آشنا ہیں، اس کتاب کے افکار و معانی تک کچھ نہ کچھ رسائی ضرور ہو سکے گی۔''(3)

مندرجہ بالا اقتباس سے درج ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں:

1- فیض احمد فیض کلامِ اقبال فارسی کا منظوم اردو ترجمہ کرنے کے نازک اور نہایت مشکل کام کے تقاضوں سے آگاہ تھے۔ اس لیے انہوں نے کافی پس و پیش کے بعد یہ ذمہ داری قبول کی ۔

2- انہیں علم تھا کہ یہ ترجمہ مکمل طور پر فکرِ اقبال کی ترجمانی نہ کر پائے گا، تاہم اس کی مدد سے فارسی زبان سے ناواقف، پرستارانِ اقبال، فکرِ اقبال تک کچھ نہ کچھ رسائی ضرور حاصل کر سکیں گے۔ اس کے علاوہ اس ترجمہ کے دوران انہیں پیامِ مشرق کا بغور مطالعہ کرنے کا موقع بھی ملے گا۔ ان دونوں وجوہات کے پیشِ نظر انہوں نے ترجمہ کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی۔

3- فیض احمد فیض نے چند ماہ میں پیامِ مشرق کے منتخب کلام کا منظوم اردو ترجمہ کیا۔ اتنے مختصر عرصہ میں اتنا بڑا کام سرانجام دینا، فارسی زبان و ادب پر اور فنِ شاعری پر ان کی قدرت کو ثابت کرتا ہے۔ دوسری طرف اس بات کا امکان بھی نظر آتا ہے کہ مختصر عرصہ میں اتنا مشکل سرانجام دینے کی پابندی کی وجہ سے وہ کماحقہٗ ترجمہ کے تقاضے پورے نہ کر پائے ہوں۔

فیض احمد فیض نے مکمل پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ اس کے منتخب کلام کا ترجمہ کیا ہے۔ انہوں نے (خصوصاً حصہ مئے باقی کی منتخب غزلیات میں سے) بعض اشعار کا ترجمہ نہیں کیا ہے۔ وہ اس کی وجوہات یوں تحریر کرتے ہیں:

''اُردو اور فارسی میں قربت کے باوجود اظہار و آہنگ کے پیرائے کافی مختلف ہیں۔

فارسی زبان کو تراکیب اور مشتقات کی وجہ سے اجمال و اختصار کی جو سہولتیں حاصل ہیں وہ اُردو میں موجود نہیں اس لیے اگر ترجمہ میں مفہوم اور معانی کے علاوہ اوزان و قوافی اور اصوات و آہنگ میں بھی اصل سے تطابق کی سعی کی جائے تو کافی دقتیں پیش آتی ہیں۔ اس لیے میں نے اس انتخاب میں انہیں منظومات پر اکتفاء کی ہے جن میں یہ التزام کسی حد تک ممکن تھا بلکہ ان میں بھی جو اشعار میری گرفت میں نہیں آسکے میں نے حذف کر دیے ہیں۔ اس کے باوجود مجھے بہت سے تراجم سے تشفی نہیں ہے۔"(4)

مندرجہ بالا اقتباس میں فیض احمد فیض نے فارسی زبان سے اردو زبان میں منظوم ترجمہ کرنے کے سلسلہ میں درپیش مسائل کی طرف توجہ دلائی ہے اور اپنے اس منظوم اردو ترجمہ کے بارے میں رائے دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ

1- اردو زبان کی نسبت فارسی زبان بہت وسیع اور جامع ہے۔ فارسی زبان کی تراکیب اور مشتقات کی وجہ سے، اس زبان میں مختصر اور جامع انداز سے افکار کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔

2- فارسی زبان سے اردو زبان میں منظوم ترجمہ کرتے ہوئے اگر مفہوم اور معانی کے علاوہ اوزان و قوافی اور اصوات و آہنگ میں بھی اصل سے مطابقت قائم کرنے کی کوشش کی جائے تو کافی دقتیں پیش آتی ہیں۔

3- ترجمہ کی متذکرہ بالا دشواریوں کے پیش نظر انہوں نے منتخب کلام کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔

4- منظوم اردو ترجمہ کرتے وقت انہوں نے ممکن حد تک اصل مفہوم بیان کرنے اور اصل کلام کے اوزان و قوافی اور اصوات و آہنگ کی پابندی کی کوشش کی ہے۔ اس قدر کوشش کے باوجود بہت سے تراجم سے ان کی تشفی نہیں ہے۔

اس کے بعد فیض احمد فیض نے نہایت خوبصورت مگر مختصر جملہ کی شکل میں علامہ اقبالؒ سے اپنی عقیدت اور کسرِ نفسی کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"..... ان صفحات میں اگر کوئی خوبی ہے تو وہ علامہ کی دین ہے اور جو نقائص وہ میرا عجز کلام۔....."(5)

کوئی بھی تخلیق ہو، اس میں اصلاح کی بہر حال گنجائش ہوتی ہے۔ فیض احمد فیض نے چند ماہ کے قلیل عرصہ میں پیام مشرق کے منتخب کلام کا یہ منظوم اردو ترجمہ پیش کیا تھا۔ وہ اپنی تخلیق سے مطمئن نہیں تھے۔ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ اس میں اصلاح و اضافہ کی گنجائش ہے۔ اس لیے 'پیش لفظ' کے آخر میں اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں:

"..... اس تالیف کو میں نے اشاعت کے لیے پیش کرنے کی جسارت اس امید میں کی ہے کہ شاید آنے والے دنوں میں مجھ سے بہتر سخنور اس میں اصلاح و اضافہ کر سکیں۔

گماں مبر کہ بپایاں رسید کارِ مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است "(6)

فیض احمد فیض نے 'پیش لفظ' کے آخر پر اس شعر کے ذریعے اقبال سے اپنی عقیدت اور بہتری کے امکانات کا ذکر کیا ہے۔

'پیش لفظ' کے آخر میں فیض احمد فیض نے اپنے استادِ محترم صوفی تبسم کی ہدایت و راہنمائی کے لیے اور اپنے رفقاء شیر محمد حمید اور اعجاز حسین بٹالوی کی امداد و اعانت کے لیے ممنونیت کا اظہار کیا ہے۔

حصہ لالۂ طور...... (رباعیات...56 عدد)

رباعی نمبر 7

اصل متن از پیامِ مشرق

دریں گلشن پریشاں مثلِ بویم
نمی دانم چہ می خواھم ، چہ جویم
برآید آرزو یا برنیاید
شہیدِ سوز و ساز آرزویم

(7)

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

میں گلشن میں پریشاں مثلِ بو ہوں
نہ جانے کیوں ؟ پہ محوِ جستجو ہوں
بر آئے آرزو یا بر نہ آئے
شہیدِ سوز و سازِ آرزو ہوں

(8)

دریں	گلشن	پریشاں	مثلِ	بویم
میں اس	باغ	پریشان	کی طرح	بُو ہوں

نمی	دانم	چہ	می خواھم	چہ جویم
میں نہیں	جانتا ہوں	کیا	میں چاہتا ہوں	کیا میں ڈھونڈ تا ہوں

لفظی ترجمہ:۔ میں اس باغ (دنیا) میں پھول کی خوشبو کی مانند پریشان (بکھرا ہُوا) ہوں۔ میں نہیں جانتا ہوں کہ میں کیا چاہتا ہوں اور کیا ڈھونڈ تا ہوں۔

مندرجہ بالا رباعی اور اس کے لفظی ترجمہ و مفہوم کے مطابق جائزہ لیں تو فیض احمد فیض کا ترجمہ عین درست ہے۔ یہ اصل رباعی کا مفہوم بیان کرتا ہے۔ ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔ پہلے شعر کے دوسرا مصرع کا ترجمہ کرتے ہوئے 'نمی دانم چہ می خواھم' (میں نہیں جانتا کہ میں کیا چاہتا ہوں) کا ترجمہ 'نہ جانے کیوں؟' عین موزوں ہے۔ فیض احمد فیض نے استفہامیہ انداز اختیار کر کے اور سوالیہ علامت استعمال کر کے پر زور تاثر قائم کر دیا ہے۔ اور فطرتِ انسانی میں اپنی اصل حقیقت کی تلاش اور طلبِ وصل کے جذبات کی نشاندہی کر دی ہے۔

رباعی نمبر 18

اصل متن از پیامِ مشرق

تہی از ہائے و ہو میخانہ بودے
گلِ ما از شرر بیگانہ بودے
نبودے عشق و ایں ہنگامۂ عشق
اگر دل چوں خرد فرزانہ بودے

(9)

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

تہی از ھا و ھو میخانہ ہوتا
تپش سے تن مرا بیگانہ ہوتا
نہ ہوتا عشق اور ہنگامۂ عشق
جو دل مثلِ خرد فرزانہ ہوتا

(10)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

یہ میخانہ (دُنیا) (ہنگامہ) ہاؤ ہُو سے خالی ہوتا،

ہماری خاک (بھی) شرر سے خالی رہتی۔
نہ یہاں عشق ہوتا، نہ اس کے ہنگامے،
اگر دل بھی عقل کی مانند مصلحت اندیش ہوتا۔(11)

رباعی نمبر 18 کا اس کے لفظی اور منظوم ترجمہ سے موازنہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ منظوم اردو ترجمہ فارسی رباعی کا مفہوم بیان کرتا ہے، تاہم اوزان وقوافی اور اصوات و آہنگ میں اصل سے تطابق کی وجہ سے منظوم ترجمہ سہل اور عام فہم نہ رہا۔ منظوم اردو ترجمہ میں خط کشیدہ الفاظ فارسی رباعی سے لیے گئے ہیں۔ پہلے شعر کے پہلے مصرع میں صرف آخری لفظ تبدیل کیا گیا ہے۔ اس طرح دوسرے شعر کے آخری مصرع میں بھی تین الفاظ تبدیل کئے گئے ہیں۔ اس طرح سے فارسی شعر کو منظوم اردو شکل میں ڈھالنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی غور طلب ہے کہ منظوم اردو ترجمہ میں فارسی زبان کے مشکل الفاظ استعمال کرنے کی وجہ سے ترجمہ کا پورا حق ادا نہیں ہوتا۔

حضور احمد سلیم نے بھی اس رباعی کا ترجمہ کیا ہے۔ ان کا پہلے مصرع کا ترجمہ زیادہ واضح اور آسان ہے۔ ان کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

تہی رونق سے یہ میخانہ ہوتا
تپش سے آدمی بیگانہ ہوتا
نہ ہوتا عشق یوں ہنگامہ آرا
اگر دل جوں خرد فرزانہ ہوتا (12)

رباعی نمبر 57

اصل متن از پیامِ مشرق

تو اے شیخِ حرم شاید ندانی
جہانِ عشق راہم محشرے ہست
گناہ و نامہ و میزاں ندارد
نہ او را مسلمے نے کافرے ہست
(13)

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

تو اے شیخِ حرم مانے نہ مانے
جہانِ عشق کا اپنا ہے محشر
یہاں اعمال نامہ ہے نہ میزاں
یہاں کوئی مسلماں ہے نہ کافر
(14)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

اے شیخ حرم! تُو شاید نہیں جانتا،
جہانِ عشق کا بھی ایک محشر ہے۔
مگر یہاں نہ گناہ ہے، نہ اعمال نامہ اور نہ میزانِ عمل،
نہ یہاں کوئی مسلم ہے نہ کافر۔(15)

رباعی نمبر 57 کا مرکزی خیال یہ ہے کہ بروزِ قیامت عاشقانِ الٰہی کا نامہ اعمال کے مطابق گناہ و ثواب کے میزان پر فیصلہ نہیں ہوگا۔ ان کے مقام و مرتبہ کا فیصلہ عشق کے میزان پر ہوگا۔ عاشقانِ الٰہی کا ایمان، ان کے عشق کی وجہ سے محتاجِ دلیل نہیں۔ ان کی توجہ صرف محبوبِ حقیقی کی طرف ہوتی ہے۔ وہ ذات پات اور فرقہ و مذہب کی

پابندیوں سے آزاد ہوتے ہیں۔ان کے تمام اعمال کا محور و مرکز، ذاتِ الٰہی ہوتی ہے نہ کہ گناہ و ثواب یا جہنم و جنت۔ لہٰذا ان سے کوئی باز پرس ہوگی اور نہ حساب کتاب ہوگا۔

فیض احمد فیضؔ نے منظوم اردو ترجمہ میں نہایت اچھے انداز سے اصل متن کا مفہوم بیان کیا ہے۔انہوں نے آسان الفاظ استعمال کیے ہیں۔ان کا یہ ترجمہ سلیس، رواں اور مترنم ہے۔

رباعی نمبر 60

اصل متن از پیام مشرق

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش درآویز
حیاتِ جاوداں اندر ستیز است
(16)

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیضؔ

نہ کر ساحل پہ تو منزل کہ اس جا
نوائے زندگانی نرم تر ہے
لپٹ جا موج سے دریا میں جا کر
حیاتِ جاوداں اندر خطر ہے
(17)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

ساحل پر بزم آراستہ نہ کر،
یہاں زندگی کی نوا مدھم ہے۔
دریا میں کود اور اس کی موجوں سے زور آزمائی کر،
حیاتِ جاوداں کشمکش میں ہے۔(18)

رباعی نمبر 60 کے لفظی مفہوم اور مرکزی خیال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے۔اس کے منظوم اردو ترجمہ کا جائزہ لیں تو یہ عین موزوں نظر آتا ہے۔اس ترجمہ میں بے ساختگی بھی نظر آتی ہے۔رباعی کے دوسرے شعر کے پہلے مصرع کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ 'دریا میں کُود اور اس کی موجوں سے زور آزمائی کر۔اس میں ناصحانہ انداز سے تاکید کی گئی ہے کہ خطرات مول لے کر ہی اعلیٰ مقام تک رسائی ممکن ہے اس لیے دریا میں کود جاؤ اور اس کی موج کا مقابلہ کرو۔فیض احمد فیضؔ نے بھی ترجمہ میں یہی انداز اختیار کیا ہے اور اصل شعر کے حُسن کو ترجمہ میں برقرار رکھا ہے۔

فیض احمد فیضؔ کا زیادہ تر منظوم اردو ترجمہ کلام اقبال کے اصل مفہوم کی نمائندگی کرتا ہے اور یہ کافی زیادہ حد تک اصل کے قریب تر ہے، تاہم بعض مقامات پر ترجمہ میں کچھ کمی محسوس ہوتی ہے جس کا فیض احمد فیضؔ نے خود بھی پیش لفظ میں اعتراف کیا ہے اور اس کی معقول وجہ بتائی ہے کہ اردو زبان میں اجمال و اختصار کی وہ سہولتیں حاصل نہیں جو کہ فارسی زبان کو تراکیب اور مشتقات کی وجہ سے حاصل ہیں۔ترجمہ میں مفہوم اور معانی کے علاوہ اوزان و قوافی اور اصوات و آہنگ میں بھی اصل سے تطابق کی کوشش کی جائے تو کافی مشکلیں پیش آتی ہیں۔بعض صورتوں میں کوشش کے باوجود بھی تسلی بخش ترجمہ نہیں ہو پاتا۔

رباعی نمبر 69

اصل متن از پیامِ مشرق

بمرغانِ چمن ہمداستانم
زبانِ غنچہ ہائے بے زبانم

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیضؔ

چمن میں ہمزبانِ طائراں ہوں
زبانِ غنچہ ہائے بے زباں ہوں

صبا میں میری مٹی کو ملا دو	چو میرم با صبا خاکم بیامیز
کہ میں سرگشتۂ طوفِ گُلاں ہوں	کہ جز طوفِ گُلاں کارے ندانم
(20)	(19)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

میں باغ کے پرندوں کی داستان بیان کرتا ہوں،
میں بے زبان کلیوں کی زبان ہُوں۔
جب میں مرجاؤں تو میری خاک کو بادِ صبح میں ملا دینا،
کیونکہ مجھے پھولوں کے طواف کے سوائے اور کوئی کام نہیں۔(21)

رباعی نمبر 18 کی طرح رباعی نمبر 69 میں بھی فارسی شعر کے الفاظ کے استعمال کی وجہ سے اصل مفہوم واضح نہیں ہوسکا۔ اس منظوم ترجمہ کو بھی سمجھنے کے لیے عام قاری کو لغت یا استاد کا سہارا لینا پڑے گا۔

میاں عبدالرشید نے پہلے مصرع کا ترجمہ درست نہیں کیا۔ پہلے مصرع کا مطلب ہے کہ 'میں باغ کے پرندوں کا ہم داستان (ہم زبان) ہوں'۔ میاں عبدالرشید نے اس کا ترجمہ کیا ہے 'میں باغ کے پرندوں کی داستان بیان کرتا ہوں'، جو کہ ہرگز درست نہیں۔ ہم داستان ہونا اور بات ہے اور کسی کی داستان بیان کرنا سے مراد کچھ اور ہے۔

فیض احمد فیض نے منظوم اردو ترجمہ میں فارسی رباعی کے الفاظ 'غنچہ ھائے بے زباں' اور 'طوفِ گُلاں' استعمال کئے ہیں جن سے منظوم اردو ترجمہ کا مفہوم عام فہم نہیں رہا۔ 'طوف' سے مراد 'طواف' اور 'طوفِ گلاں' سے مراد 'پھولوں کا طواف' ہے۔ فرہنگِ اقبال فارسی میں 'سرگشتۂ' کا مفہوم اس طرح درج ہے:

''سَرگشتہ: دیوانوں کی طرح پریشان۔
اندراں سرگشتہ و حیراں دُو مرد (ج ن،۹۴) (22)

اس لحاظ سے 'سرگشتۂ طوفِ گُلاں' سے مراد پھولوں کے طواف میں دیوانوں کی طرح پریشان انسان' ہے۔

فیض احمد فیض کے منظوم اردو ترجمہ کے دوسرے شعر کا نثر میں مفہوم یہ ہے:

''اے صبا میری مٹی کو ملا دو کیونکہ میں پھولوں کے طواف میں دیوانوں کی طرح پریشان انسان ہوں۔''

اقبال کی اس رباعی کے دوسرے شعر کا ترجمہ (جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے) یہ ہے:

''جب میں مرجاؤں تو میری خاک کو بادِ صبح میں ملا دینا، کیونکہ مجھے پھولوں کے طواف کے سوائے اور کوئی کام نہیں۔'' (میاں عبدالرشید)

فیض احمد فیض نے 'چو میرم' (جب میں مرجاؤں) کا منظوم اردو ترجمہ نہیں کیا ہے۔ فیض احمد فیض کی نسبت حضور احمد سلیم کا اس رباعی کا ترجمہ زیادہ آسان اور عام فہم ہے۔ ان کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

میں مرغِ باغ کا ہم داستاں ہوں
زبانِ غنچہ ہائے بے زباں ہوں
اڑانا میری مٹی کو پسِ مرگ
طوافِ گل ہی سے میں شادماں ہوں (23)

حضور احمد سلیم کے منظوم اردو ترجمہ میں بھی کچھ کمی محسوس ہوتی ہے۔ پہلا مصرع میں 'مرغانِ چمن' کا ترجمہ 'مرغِ باغ' کیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ 'مرغانِ چمن' ہونا چاہیے تھا۔ اس رباعی کے آخری مصرع کا منظوم اردو ترجمہ بھی فارسی رباعی کے لفظی ترجمہ کے مطابق نہیں ہے۔ لفظی ترجمہ یہ بنتا ہے کہ میں پھولوں کے طواف کے علاوہ کوئی کام نہیں جانتا ہوں۔ منظوم اردو ترجمہ میں بیان ہوا ہے کہ 'طوافِ گل ہی سے میں شادماں ہوں' یعنی گلاب کے پھول کا طواف کرنے کی وجہ سے میں خوش ہوں۔ 'طوفِ گلاں' کا 'طوافِ گل' سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ جو کہ درست نہیں۔ اسی طرح منظوم اردو ترجمہ میں 'کارے نہ دانم' کا مفہوم بھی واضح نہیں کیا گیا۔ ترجمہ کے اس فرق کے باوجود حضور احمد سلیم کا ترجمہ فیض احمد فیض کے ترجمہ کی نسبت آسان ہے، تاہم اسے مکمل طور پر درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔

فیض احمد فیض کے منظوم اردو ترجمہ میں بعض مقامات پر فارسی الفاظ و تراکیب کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔ چند ایک رباعیات اور ان کے منظوم اردو ترجمہ میں خط کشیدہ مقامات ملاحظہ کریں۔

رباعی نمبر 18

اصل متن از پیامِ مشرق

تہی از ہائے و ہو میخانہ بودے
گلِ ما از شرر بیگانہ بودے
نبودے عشق وایں ہنگامۂ عشق
اگر دل چوں خرد فرزانہ بودے
(24)

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

تہی از ہا و ہو میخانہ ہوتا
تپش سے تن مرا بیگانہ ہوتا
نہ ہوتا عشق اور ہنگامہ عشق
جو دل مثلِ خرد فرزانہ ہوتا
(25)

رباعی نمبر 128

اصل متن از پیامِ مشرق

زمن گو صوفیانِ باصفا را
خدا جویانِ معنی آشنا را
غلامِ ہمتِ آں خود پرستم
کہ با نورِ خودی بیند خدا را
(26)

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

یہ کہہ دو صوفیانِ باصفا کو
خدا جویانِ معنی آشنا کو
میں اُس خودآشنا کو دل سے مانو
جو اپنے نور سے دیکھے خدا کو
(27)

رباعی نمبر 129

اصل متن از پیامِ مشرق

چو نرگس ایں چمن نادیدہ مگذر
چو بو در غنچۂ پیچیدہ مگذر
ترا حق دیدۂ روشن ترے داد
خرد بیدار و دل خوابیدہ مگذر
(28)

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

باغ سے صورتِ نرگس نہ گزر نادیدہ
نہ گزر غنچے میں خوشبو کی طرح پیچیدہ
حق نے بخشا ہے تجھے نورِ نظر، یوں نہ گزر
عقلِ بیدار لیے اور دلِ خوابیدہ
(29)

ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کا مقصد تفہیمِ متن میں آسانی پیدا کرنا ہے۔ اگر ترجمہ میں اصل زبان کے مشکل الفاظ استعمال ہوں گے تو عام قاری ترجمہ سے استفادہ نہیں کر پائے گا۔ مذکورہ بالا مثالوں کی طرح بعض مقامات پر فیض احمد فیضؔ نے منظوم اردو ترجمہ میں فارسی شعر کے مشکل الفاظ یا مکمل فارسی مصرع ہی ترجمہ میں دے دیا ہے جس وجہ سے ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔

حاصل مطالعہ یہ ہے کہ فیض احمد فیضؔ کا حصہ 'لالۂ طور' کا ترجمہ مجموعی طور پر اصل متن کے قریب تر، سلیس اور رواں ہے۔ اس ترجمہ میں اصل کلام کے شعری محاسن بھی نظر آتے ہیں۔ بعض مقامات پر ترجمہ اصل متن سے کچھ مختلف ہے۔ اس طرح بعض مقامات پر فارسی الفاظ و تراکیب کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ عام فہم اور آسان نہیں رہا۔

(نظمیں...21 عدد)

منظوم اردو ترجمہ..... افکار

حصہ افکار میں 21 نظموں کا منظوم اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ اس حصہ میں نظم 'نوائے وقت' کے منظوم اردو ترجمہ کا تفصیلاً جائزہ لیا جائے گا۔ اس کے بعد نظم 'سرود انجم' نظم 'قطرۂ آب' اور دیگر نظموں کے منظوم اردو ترجمہ کا اجمالی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

نظم: نوائے وقت

1

اصل متن از پیامِ مشرق

خورشید بہ دامانم ، انجم بہ گریبانم
در من نگری ہیچم ، در خود نگری جانم
در شہر و بیابانم در کاخ و شبستانم
من دردم و درمانم، من عیشِ فراوانم
من تیغِ جہاں سوزم ، من چشمۂ حیوانم
(30)

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

خورشید بہ داماں ہوں ، انجم بہ گریباں ہوں
میں ہیچ ہوں گر دیکھو ، دیکھو تو تری جاں ہوں
ہوں شہر و بیاباں میں ، در بزم و شبستاں ہوں
میں درد بھی درماں بھی ، میں عیشِ فراواں ہوں
میں تیغِ جہاں سوزاں ، میں چشمۂ حیواں ہوں
(31)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

سورج میرے دامن میں ہے، ستارے میرے گریبان کے اندر ہیں،
اگر تُو مجھے دیکھنے کی کوشش کرے تو میں کچھ نہیں (یعنی نظر نہیں آتا) اگر اپنے اندر دیکھے تو میں تیری جان ہُوں۔
میں شہر و بیابان میں ہُوں، میں محل و شبستان میں ہُوں،
میں درد بھی ہُوں، درمان بھی اور عیشِ فراوان بھی۔
میں تیغ جہاں سوز بھی ہوں اور آبِ حیات کا چشمہ بھی۔(32)

اس طرح کا ترجمہ اہل ادب کو تو ذوق دے سکتا ہے مگر عام قاری کے کام نہیں آسکتا۔ پہلے شعر کے دوسرے مصرع کا مفہوم یہ ہے 'کہ اگر تو مجھے دیکھے تو میں کچھ نہیں ہوں مگر اپنے اندر دیکھے تو میں تیری جان ہوں'۔ فیض احمد فیض اس کا ترجمہ کرتے ہیں ع

میں ہیچ ہوں گر دیکھو، دیکھو تو تری جاں ہوں

منظوم ترجمہ میں واضح طور پر بیان نہیں ہوا کہ دیکھو سے کیا مراد ہے؟ کسے دیکھا جائے؟ جبکہ فارسی متن میں واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ اگر میری (زمانے کی) حقیقت پر غور کرو گے تو کچھ سمجھ نہیں آئے گا اگر اپنی حقیقت پر غور کرے گا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ میں تمہاری زندگی ہوں۔ اقبال نے اسرارِ خودی میں زماں اور زندگی کے

درمیان اس تعلق کو ان الفاظ میں یوں تحریر کیا ہے ۔

زندگی دہر است و دہر از زندگی است
لَا تَسُبُّوا الدَّھر فرمانِ نبی است (33)

دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں دو الفاظ 'کاخ' اور 'شبستان' استعمال ہوئے ہیں۔ فرہنگ اقبال فارسی کے مطابق ان الفاظ کا مفہوم درج ذیل ہے:

''شَبِستَان (ف ف) اسم، شب+ستان (لاحقہ ظرفیت)
امرا کا رات کو سونے کا محل ۔
در شبستان حرا خلوت گزید (اس،۱۹)'' (34)
''کاخ (ف) اسم: محل، قصر، ایوان ۔
در شہر و بیابانم در کاخ و شبستانم (پ م،۸۹)'' (35)

فیض احمد فیض نے منظوم اردو ترجمہ میں 'کاخ' کا مطلب 'بزم' کیا ہے جو کہ غلط ہے۔ لفظ 'شبستان' کا مفہوم بیان کرنے کے بجائے منظوم اردو ترجمہ میں یہی لفظ استعمال کر لیا ہے۔

میاں عبدالرشید نے بھی الفاظ 'کاخ و شبستان' کا ترجمہ 'محل و شبستان' دیا ہے۔ 'کاخ' کا ترجمہ تو درست ہے مگر لفظ 'شبستان' کا مفہوم نہیں دیا گیا۔ 'شبستان' سے مراد بادشاہوں یا امرا کی آرام گاہ ہے جہاں وہ رات کو آرام کرتے ہیں ۔ احمد جاوید کے نزدیک اس کا ایک اور مفہوم 'رات کی عبادت کا حجرہ' ہے۔

میاں عبدالرشید کے منثور ترجمہ میں ایک اور غلطی ہے کہ انہوں نے ''در من نگری'' کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ 'اگر تو مجھے دیکھنے کی کوشش کرے'۔ یہ ترجمہ غلط ہے۔ درست ترجمہ یہ ہے کہ 'اگر تو مجھے دیکھے'۔

2

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض	اصل متن از پیامِ مشرق
چنگیزی و تیموری ہے مشتِ غبار اپنا	چنگیزی و تیموری ، مشتے ز غبارِ من
ہنگامۂ افرنگی اک جستہ شرار اپنا	ہنگامۂ افرنگی ، یک جستہ شرارِ من
انساں کا جہاں سارا ، ہے نقش و نگار اپنا	انسان و جہانِ او ، از نقش و نگارِ من
خونِ جگرِ مرداں، سامانِ بہار اپنا	خونِ جگر مرداں ، سامانِ بہارِ من
میں آتشِ سوزاں ہوں ، میں روضۂ رضواں ہوں	من آتشِ سوزانم ، من روضۂ رضوانم

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

چنگیزی ہو یا تیموری میرا غبارِ راہ ہیں،
افرنگیوں کا ہنگامہ میرے اندر سے اُٹھا ہوا ایک شرر ہے۔
انسان اور اس کا جہان سب میرے نقش و نگار ہیں،
بہادروں کا خونِ جگر میری بہار کا سامان ہے۔
میں جلا دینے والی آگ ہوں، میں بہشت کا باغ ہوں۔

پہلے بند کی طرح دوسرے بند کے منظوم اردو ترجمہ میں بھی فارسی زبان کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔
اس رباعی کے لفظی ترجمہ کے مطابق یہ منظوم اردو ترجمہ عین درست ہے، تاہم فارسی زبان و تراکیب کے استعمال کی وجہ سے یہ ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔

3

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیضؔ	اصل متن از پیامِ مشرق
ساکن بھی ہوں گرداں بھی کیا طرفہ تماشا ہے	آسودہ و سیّارم، ایں طرفہ تماشا بیں
امروز کے شیشے میں کیفیتِ فردا ہے	در بادۂ امروزم ، کیفیتِ فردا بیں
پنہاں مرے سینے میں سو عالمِ رعنا ہے	پنہاں بہ ضمیرِ من ، صد عالمِ رعنا بیں
سو کوکبِ غلطاں ہیں ، سو گنبدِ خضرا ہے	صد کوکبِ غلطاں بیں، صد گنبدِ خضرا بیں
میں کسوتِ انساں ہوں ، پیراھنِ یزداں ہوں	من کسوتِ انسانم ، پیراہنِ یزدانم

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

ساکن بھی اور حرکت میں بھی، یہ طرفہ تماشا دیکھ،
میرے آج کی شراب میں آنیوالے کل کا کیف دیکھ۔
میرے ضمیر کے اندر سینکڑوں عالمِ رعنا پنہاں ہیں،
کئی ستارے آوارہ ہیں، کئی آسماں گردش میں ہیں،

سلسلۂ روز و شب تار حریر دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

میں انسان کا لباس ہُوں، میں یزداں کا پیراہن ہُوں۔

تیسرے بند کے میاں عبدالرشید کے منثور ترجمہ میں مشکل الفاظ 'طرفہ تماشا'، 'کیف'، 'عالمِ رعنا'، 'پنہاں' اور 'پیراہن' استعمال ہوئے ہیں۔ 'طرفہ تماشا' سے مراد انوکھا، عجیب اور نیا تماشا ہے۔ لفظ 'کیف' کا مطلب 'کیفیت' اور 'سرور' ہے۔ 'عالمِ رعنا' سے مراد 'خوشنما عالم' یا 'خوشنما دنیا' ہے۔ 'پنہاں' کا مطلب 'پوشیدہ' یا 'چھپا ہُوا' ہے۔ 'پیراہن' کا مطلب 'لباس' ہے۔

اگر میاں عبدالرشید اپنے ترجمہ میں ان الفاظ کے معانی اور آسان الفاظ استعمال کر لیتے تو ترجمہ سلیس اور آسان ہو جاتا۔

میاں عبدالرشید کی طرح فیض احمد فیضؔ نے بھی منظوم ترجمہ میں مشکل الفاظ گرداں، طرفہ تماشا، امروز، کیفیتِ فردا، پنہاں، عالمِ رعنا، کوکب غلطاں، کسوتِ انسان اور پیراہنِ یزداں استعمال کیے ہیں۔ ان مشکل الفاظ کی وجہ سے مفہوم عام فہم نہیں رہا۔ فیض احمد فیضؔ منظوم اردو ترجمہ میں اصل رباعی کے قوافی لے آئے ہیں مگر ردیف 'بیں' یعنی 'دیکھ' کی جگہ پر 'ہے' استعمال کیا ہے۔ ردیف 'بیں' کے ساتھ تو یہ 'قوافی' درست مفہوم دیتے ہیں مگر ردیف 'ہے' کے ساتھ ان کا استعمال موزوں نظر نہیں آتا۔ پہلے دو مصرعوں میں قوافی 'تماشا' اور 'فردا' کے ساتھ 'ہے' کا استعمال درست ہے۔ مگر فارسی رباعی میں لفظ 'بیں' دعوتِ فکر اور دعوتِ مشاہدہ دیتا ہے جبکہ منظوم اردو ترجمہ میں یہ مفہوم ادا نہیں ہُوا۔

تیسرے مصرع میں الفاظ سو عالمِ رعنا کے ساتھ 'ہے' کی بجائے 'ہیں' آنا چاہیے تھا۔ جمع اسم کے ساتھ واحد فعل نہیں آ سکتا۔ اسی طرح چوتھے مصرع میں 'سو گنبدِ خضرا' کے ساتھ 'ہے' کے بجائے 'ہیں' آنا چاہیے۔

4

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیضؔ
تقدیر فسونِ من ، تدبیر فسونِ تو	تقدیر فسوں میرا ، تدبیر فسوں تیرا
تو عاشقِ لیلائے، من دشتِ جنونِ تو	تو عاشقِ لیلیٰ ہے ، میں دشتِ جنوں تیرا
چوں روحِ رواں پاکم، از چند و چگونِ تو	میرے لیے لاحاصل ، یہ چند و چگوں تیرا
تو رازِ درونِ من ، من رازِ درونِ تو	تو رازِ دروں میرا ، میں رازِ دروں تیرا
از جانِ تو پیدایم ، درجانِ تو پنہانم	پیدا ہوں تری جاں سے ، جاں میں تری پنہاں ہوں

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

تقدیر میرے فسوں سے ظہور میں آتی ہے، تدبیر تیرا طریقہ ہے،
تُو لیلائے (جستجو) کا عاشق ہے، میں تیری جولان گاہ ہُوں
میں تیرے کم وبیش سے رُوحِ رواں کی طرح پاک ہُوں،
تُو میرے اندر کا راز ہے اور میں تیرے اندر کا راز ہُوں۔
میں تیری جان (کوششوں) سے ظاہر ہُوں اور تیری جان ہی میں پنہاں ہُوں۔

چوتھے بند کا میاں عبدالرشید کا دیا ہُوا منثور اردو ترجمہ آسان اور سلیس نہیں۔ اس میں الفاظ 'عاشقِ لیلائے'، 'دشتِ جنون' اور 'چند و چگوں' کے معانی اور مفاہیم درست اور واضح انداز سے نہیں دیئے گئے۔ راقم الحروف کے نزدیک اس بند کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے:

"تقدیر میرا جادو ہے اور تدبیر تیرا جادو ہے۔ تو عاشقِ لیلیٰ ہے، میں تیرے جنوں کا صحرا ہوں۔ میں جاری و ساری روح کی طرح تیرے کتنے اور کیسے کے بکھیڑوں سے آزاد ہوں۔ تو میرے اندر کا راز ہے، میں تیرے اندر کا راز ہوں۔ میں تیری جان سے ظاہر ہوں، تیری جان میں چھپا ہُوا ہوں۔"

چوتھے بند کا منظوم اردو ترجمہ کافی حد تک فارسی کلام کے متن کا مفہوم بیان کرتا ہے۔ اس میں بھی نظم کے دیگر حصوں کے منظوم اردو ترجمہ کی طرح فارسی الفاظ و تراکیب کے استعمال کی وجہ سے مفہوم عام فہم نہیں رہا۔ اس بند کے تیسرے مصرع کے مطابق زمانہ، انسان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ میں تیری روحِ رواں (جاری و ساری روح) کی طرح کتنے اور کیسے کے بکھیڑوں سے آزاد ہوں۔ مراد یہ ہے کہ روح، امرِ ربی ہے۔ روح کتنے اور کیسے (چند و چگوں) کی حد سے بالاتر ہے۔ جس نے روح کی حقیقت جان لی، اس نے گویا خود کو پہچان لیا۔ جس نے خود کو پہچان لیا گویا اس نے زمانے کو پہچان لیا، اس نے خدا کو پہچان لیا۔ خودی کا زماں اور خدا سے گہرا تعلق ہے۔ اس بند کے بعد والے مصرعے، متذکرہ بالا مفہوم کی تائید کرتے ہیں۔ فیض احمد فیضؔ نے اپنے منظوم اردو ترجمہ میں 'چوں روحِ رواں پاکم' کا مفہوم نہیں دیا۔ زماں تو یہ کہہ رہا ہے کہ میں تیرے (انسان کے) چند و چگوں سے آزاد ہوں۔ یعنی

میں اس عالمِ خلق اور عالمِ اسباب کی حدود سے بالاتر ہوں۔ فیض احمد فیض نے اس مصرع کا جو منظوم اردو ترجمہ تحریر کیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ زماں کہتا ہے کہ انسانوں کا یہ چندو چگوں اس کے لیے لاحاصل یعنی بے فائدہ اور بے کار ہے۔ یہ ترجمہ زماں کی خاصیت یعنی چندو چگوں سے مبرا ہونا بیان نہیں کرتا۔

5

اصل متن از پیامِ مشرق

من رہرو و تو منزل، من مزرع و تو حاصل
تو سازِ صد آہنگے ، تو گرمئ ایں محفل
آوارۂ آب و گلِ ! دریاب مقامِ دل
گنجیدہ بہ جامے بیں، ایں قلزمِ بے ساحل
از موجِ بلندِ تو سربرزدہ طوفانم
(30)

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

من رھرو ہوں تو منزل، میں کھیت ہوں تو حاصل
تُو ساز ہے سو سُر کا ، گرماتا ہے ہر محفل
آوارۂ آب و گِل ، آ دیکھ مقامِ دل
اک جام میں سمٹا ہے ، یہ قلزمِ بے ساحل
تو موجِ بلند اس کی ، میں ورطۂ طوفاں ہوں
(31)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

میں مسافر ہُوں، تُو منزلِ مقصود، میں کھیتی ہُوں تُو میرا حاصل،
تُو ایسا ساز ہے جس سے سینکڑوں ساز نکلتے ہیں، تُو اس محفل کا ہنگامہ ہے۔
تُو اس دُنیا میں سرگرداں ہونے کی بجائے اپنے دل کا مقام پہچان،
دیکھ اس جام (دل) میں ایک بحرِ بے پایاں سمایا ہُوا ہے۔
میں (بھی) تیری موجِ بلند سے اٹھا ہُوا ایک طوفان ہُوں۔(32)

آخری بند میں اقبال نے مختلف استعاروں کی مدد سے انسان کی عظمت اور اہمیت بیان کی ہے۔ اس بند کے ضمن میں دیا گیا میاں عبدالرشید کا ترجمہ کافی حد تک درست ہے، تاہم ایک دو مقامات پر تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ میاں عبدالرشید نے 'تو سازِ صد آہنگے' کا ترجمہ کیا ہے 'تو ایسا ساز ہے جس سے سینکڑوں ساز نکلتے ہیں'۔ 'صد آہنگے' کا ترجمہ 'سینکڑوں ساز' نہیں ہے۔ اس کا ترجمہ 'سینکڑوں سروں (نغموں) والا ساز' ہے۔ اس طرح انہوں نے تیسرے مصرع کا ترجمہ درست نہیں دیا۔ انہوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے 'تُو اس دنیا میں سرگرداں ہونے کی بجائے اپنے دِل کا مقام پہچان'۔ راقم الحروف کی رائے میں اس کا ترجمہ بنتا ہے 'اے پانی اور مٹی میں بھٹکنے والے (مادی دنیا میں گم) انسان اپنے دل کا مقام پہچان'۔

آخری بند کے فارسی متن اور اس کے لفظی ترجمہ کے پیش نظر منظوم ترجمہ کا جائزہ لیں تو واضح ہوتا ہے کہ یہ مکمل طور پر اصل متن کی نمائندگی نہیں کرتا۔ دوسرے مصرع میں فیض احمد فیض نے 'گرمئ ایں محفل' کا ترجمہ کیا ہے 'گرماتا ہے ہر محفل'۔ 'ایں محفل' سے مراد کائنات کی یہ محفل ہے۔ اس کا ترجمہ 'ہر محفل' نہیں ہوسکتا۔ تیسرا مصرع میں 'آوارۂ آب وگل' کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ اس سے مراد 'مادیت کا شکار انسان' ہے۔ اس طرح چوتھے مصرع میں اقبال انسان کو تاکید کرتے ہیں کہ تو دل کے جام میں سمایا ہُوا بے کنار سمندر دیکھ۔ فیض احمد فیض اس مصرع میں اس امرِ حقیقی کا تاکیداً ذکر نہیں کرتے۔ فارسی مصرع کے الفاظ 'قلزم' اور 'بے ساحل' منظوم اردو ترجمہ میں استعمال کئے گئے ہیں جس سے اس کا مفہوم عام فہم نہیں رہا۔ اس طرح آخری مصرع میں انسان کی عظمت، قدر و قیمت اور اہمیت اور خودی

اور زماں کے باہمی تعلق کی بات ہوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمان انسان کی موجِ بلند سے اٹھا ہوا ایک طوفان ہے۔ انسان خودی کی تکمیل کر کے زماں پر تصرف حاصل کر سکتا ہے۔ فیض احمد فیض کا اس مصرع کا منظوم اردو ترجمہ اصل مفہوم ادا نہیں کرتا۔ فارسی مصرع میں انسان کو 'موجِ بلند' قرار دیا گیا ہے اور زماں اس موجِ بلند سے اٹھا ہوا ایک طوفان ہے۔ فیض احمد فیض اس کا ترجمہ کرتے ہیں ۔

تو موجِ بلند اس کی، میں ورطۂ طوفاں ہوں

وہ انسان کو دل کی موجِ بلند اور زماں کو ورطۂ طوفاں قرار دیتے ہیں۔ ان کے اس ترجمہ سے انسان کی خودی اور زمان کا باہمی تعلق ظاہر نہیں ہوتا۔

مجموعی طور پر تمام نظم کے منظوم اردو ترجمہ کا جائزہ لیں تو درج ذیل امور سامنے آتے ہیں:

1- فیض احمد فیض نے منظوم اردو ترجمہ میں فارسی نظم کے کافی زیادہ الفاظ وتراکیب اور قوافی استعمال کئے اور اصوات وآہنگ میں بھی اصل سے تطابق کی سعی کی ہے جس سے ترجمہ آسان اور عام فہم نہیں رہا۔

2- ان کا زیادہ تر ترجمہ اصل مفہوم کی نمائندگی کرتا ہے، تاہم ترجمہ میں ادبی رنگ غالب ہے۔ اس سے اہلِ ادب تو لطف اندوز ہو سکتے ہیں مگر عام قارئین کماحقہٗ استفادہ نہیں کر سکتے۔

3- چند ایک مقامات پر اوزان وقوافی کی پابندی کی وجہ سے ترجمہ اصل مفہوم سے مختلف ہے۔ ان مقامات کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

4- مجموعی طور پر ترجمہ درست اور جامع ہے، تاہم اگر یہ سلیس اور عام فہم ہوتا تو زیادہ سے زیادہ قارئین اس کی مدد سے فکرِ اقبال تک رسائی حاصل کر پاتے۔

اگر فیض احمد فیض علامہ اقبال کی طرز پر اُن کے کلام کا آزادانہ ترجمہ کرتے تو زیادہ موزوں ہوتا۔ فیض احمد فیض نے کوشش کی ہے کہ فارسی کلامِ اقبال کے الفاظ وتراکیب اور قوافی واوزان استعمال کریں۔ اس کوشش میں کافی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شعری حسن اور کلام اقبال سے مطابقت قائم کرنے کی کوشش میں اگر اصل کلام کا حقیقی مفہوم واضح نہ ہو تو ترجمہ کرنے کا کیا فائدہ؟ اقبال اصل کلام کا مرکزی خیال لے کر اسے اپنے انداز سے بیان کر دیتے تھے۔ اس آزادی سے انہیں یہ فائدہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے مخصوص اسلوب میں مرکزی خیال واضح طور پر بیان کر دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں انہیں شاندار کامیابی بھی حاصل ہوتی تھی۔ اقبال کے مخصوص اسلوبِ ترجمہ کے بارے میں مختلف مثالوں اور حوالوں پر سیر حاصل تبصرہ و بحث کے بعد ڈاکٹر افضال احمد انور یوں رائے دیتے ہیں:

> ''.....اقبال نے انگریزی شعرا سے معنوی وفنی دونوں طرح اکتساب کیا ہے لیکن وہ نظم کے سیدھے سادھے اور لفظی ترجمہ کے بجائے مرکزی خیال وتاثر کو اس خوبی سے اپنے انداز سے، اردو میں ڈھالتے ہیں کہ ماخوذ نظم، اصل کو شرمانے لگتی ہے۔ اقبال کی ان نظموں نے اردو شعری روایت میں اخذ وترجمہ کا منفرد معیار قائم کیا ہے۔'' (36)

فیض احمد فیض کو بھی چاہیے تھا کہ وہ

1- اقبال سے معنوی وفنی دونوں طرح سے اکتساب کرتے۔

2- نظم کے سیدھے سادھے اور لفظی ترجمہ کے بجائے مرکزی خیال وتاثر کو اپنے انداز سے اردو میں ڈھالتے اور اس طرح اخذ وترجمہ کا اپنا ایک معیار قائم کرتے۔

سرودِ انجم

اصل متن از پیامِ مشرق		منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
	①	
ہستیِ ما نظامِ ما		ہستی مری ، مرا نظام
مستیِ ما خرامِ ما		مستی مری ، مرا خرام
گردشِ بے مقامِ ما		ہے اسی دورِ بے مقام
زندگیِ دوامِ ما		سے مری ہستی دوام
دورِ فلک بکامِ ما ، مے نگریم و مے رویم		دورِ فلک سے شاد کام میں دیکھتا چلا گیا
	②	
جلوہ گہِ شہود را		جلوہ گہِ شہود کو
بتکدۂ نمود را		بت کدۂ نمود کو
رزمِ نبود و بود را		رزمِ نبود و بود کو
کشمکشِ وجود را		کشمکشِ وجود کو
عالمِ دیر و زود را، مے نگریم و مے رویم		عالمِ دیر و زود کو میں دیکھتا چلا گیا
	③	
گرمیِ کارزار ہا		گرمیِ کارزار بھی
خامیِ پختہ کار ہا		خامیِ پختہ کار بھی
تاج و سریر و دار ہا		تاج و سریر و دار بھی
خواریِ شہریار ہا		خواریِ شہریار بھی
بازیِ روزگار ہا ، مے نگریم و مے رویم		بازیِ روزگار بھی میں دیکھتا چلا گیا
	④	
خواجہ ز سروری گذشت		آقا کی سروری گئی
بندہ ز چاکری گذشت		بندے کی چاکری گئی
زاری و قیصری گذشت		زاری و قیصری گئی
دورِ سکندری گذشت		شانِ سکندری گئی
شیوۂ بت گری گذشت، مے نگریم و مے رویم		رسمِ صنم گری گئی میں دیکھتا چلا گیا
	⑤	
خاک خموش و درخروش		خاکِ خموش کا خروش
ست نہاد و سخت کوش		ست نہاد و سخت کوش
گاہ بہ بزمِ ناؤ نوش		ہے کبھی بزمِ ناؤ نوش
گاہ جنازۂ بہ دوش		اور کبھی میتیں بدوش
میرِ جہان و سفتہ گوش! مے نگریم و مے رویم		شاہ و غلام سفتہ گوش ، میں دیکھتا چلا گیا

⑥

توبہ طلسمِ چون و چند — تیری خرد کے چون و چند
عقلِ تو درکشاد و بند — کشمکشِ کشاد و بند
مثلِ غزالہ در کمند — مثلِ غزالاں در کمند
زار و زبون و درد مند — زار و زبون و دردمند
مابہ نشیمن بلند ، مے نگریم و مے رویم — میں بہ نشیمنِ بلند ، میں دیکھتا چلا گیا

⑦

پردہ چرا؟ ظہور چیست؟ — پردہ ہے کیا ظہور کیا
اصلِ ظلام و نور چیست؟ — تیرگی کیا ہے نور کیا
چشم و دل و شعور چیست؟ — چشم و دل و شعور کیا
فطرتِ ناصبور چیست؟ — فطرت ناصبور کیا
ایں ہمہ نزد و دور چیست؟ مے نگریم و مے رویم — یہ سبھی نزد و دور کیا ، میں دیکھتا چلا گیا

⑧

بیشِ تو نزدِ ما کمے — تیرا ہے بیش میرا کم
سالِ تو پیشِ ما دمے — سال ترا ، مرا ہے دم
اے بکنارِ تو یمے — شبنم کو سمجھا جامِ جم
ساختۂ بہ شبنمے — رکتے نہیں مرے قدم
ما بتلاش عالمے ، مے نگریم و مے رویم — پاؤں کوئی جہاں نیا ، میں دیکھتا چلا گیا

(37) (38)

نظم 'سرودِ انجم' میں اقبال نے ستاروں کی زبان سے اہلِ دنیا پر تبصرہ کیا ہے۔ بقول پروفیسر یوسف سلیم چشتی اس نظم میں شاعری اور فلسفہ کے علاوہ موسیقیت بھی پائی جاتی ہے۔ یہ نظم آٹھ بندوں پر مشتمل ہے۔ تمام نظم، اس کے لفظی ترجمہ اور منظوم اردو ترجمہ کا موازنہ کریں تو فیض احمد فیض کے منظوم اردو ترجمہ میں درج ذیل نمایاں اور غور طلب امور سامنے آتے ہیں:

1- تمام نظم کے منظوم اردو ترجمہ میں فیض احمد فیض نے فارسی نظم کے الفاظ وتراکیب کثرت سے استعمال کی ہیں۔ خط کشیدہ الفاظ اس امر کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

2- بعض مقامات پر واحد کا جمع میں یا جمع کا واحد میں ترجمہ کیا ہے۔ پہلے بند میں 'ما' کا ترجمہ 'مری' یا 'مرا' کیا ہے۔ تیسرے بند میں 'کارزارھا'، 'پختہ کارھا'، 'دارھا' اور 'شہریارھا' کا ترجمہ 'کارزار'، 'پختہ کار'، 'دار' اور 'شہریار' کیا ہے۔ اس طرح 'بازیِ روزگارھا' کا ترجمہ 'بازیِ روزگار' کیا ہے۔ پانچویں بند میں 'گاہ جنازۂ بہ دوش' کا ترجمہ 'اور کبھی میتیں بدوش' کیا ہے۔ چھٹے بند میں 'مثلِ غزالہ' کا ترجمہ 'مثلِ غزالاں' کیا ہے۔ آٹھویں بند میں 'ما' کا ترجمہ 'میرا' اور 'مرا' کیا ہے۔

3- چند ایک مقامات پر منظوم اردو ترجمہ، اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ مثلاً پہلے بند کا آخری مصرع، اس کا

لفظی ترجمہ اور منظوم ترجمہ ملاحظہ کریں۔

پہلا بند آخری مصرع (اصل متن از پیامِ مشرق)	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیضؔ
دورِ فلک بکامِ ما مے نگریم و مے رویم	دور فلک سے شاد کام میں دیکھتا چلا گیا

اس مصرع کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

آسماں کی گردش ہماری آرزو کے مطابق ہے۔ ہم دیکھتے ہیں اور چلتے رہتے ہیں (ہم دیکھ رہے ہیں اور چل رہے ہیں)

لفظ 'شاد کام' فارسی زبان کا اسم صفت ہے۔ اس کا مطلب ہے بامراد، کامیاب، خوشحال۔

اگر فیض احمد فیضؔ کے منظوم اردو ترجمہ کو نثر میں تبدیل کریں تو اس کا یہ مطلب بنتا ہے:

میں آسمان کی گردش سے بامراد (کامیاب، خوشحال) ہو کر دیکھتا چلا گیا۔

یہ ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ اس طرح 'مے نگریم و مے رویم' کا ترجمہ 'ہم دیکھتے ہیں اور چلتے رہتے ہیں یا چلتے جاتے ہیں'، ہونا چاہیے۔ تمام منظوم اردو ترجمہ میں 'مے نگریم و مے رویم' کا ترجمہ 'میں دیکھتا چلا گیا' کیا گیا ہے جو کہ درست نہیں۔

پانچویں بند کے آخری مصرع کا ترجمہ بھی درست نہیں۔ اس بند کا یہ مصرع، اس کا لفظی ترجمہ اور منظوم اردو ترجمہ ملاحظہ کریں۔

پانچواں بند آخری مصرع (اصل متن از پیامِ مشرق)	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیضؔ
میرِ جہان و سفتہ گوش! مے نگریم و مے رویم	شاہ و غلام سفتہ گوش، میں دیکھتا چلا گیا

اس مصرع کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

حکمران اور غلام! ہم دیکھتے ہیں اور چلتے رہتے ہیں۔

فیض احمد فیضؔ نے منظوم اردو ترجمہ میں وزن برقرار رکھنے کے لیے غلام و سفتہ گوش، دونوں الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس سے وزن تو قائم ہو گیا مگر ترجمہ درست نہ رہا۔ سفتہ گوش سے مراد چھدے ہوئے کان والا یعنی غلام ہے۔

آٹھویں بند کے دوسرے شعر اور آخری مصرع کا ترجمہ بھی متن کے مطابق نہیں ہے۔ فارسی شعر، اس کا منظوم اردو ترجمہ اور لفظی ترجمہ ملاحظہ کریں۔

آٹھواں بند آخری مصرع (اصل متن از پیامِ مشرق)	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیضؔ
ے بکنار تو ہے	شبنم کا سمجھا جامِ جم
ساختۂ بہ شبنمے	رکتے نہیں مرے قدم
تلاش عالمے، مے نگریم و مے رویم	پاؤں کوئی جہاں نیا، میں دیکھتا چلا گیا

اس شعر کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

اے کہ تیرے پہلو میں (دل کا) سمندر موجود ہے، مگر تو شبنم (دنیا) پر راضی ہو گیا ہے۔

ہم ایک نئی دنیا کی تلاش میں، دیکھ رہے ہیں اور چل رہے ہیں

ملاحظہ کریں۔ لفظی ترجمہ اور منظوم اردو ترجمہ کے مفہوم میں کتنا زیادہ فرق ہے۔

4- وہ مشکل الفاظ جو کہ فارسی کلام کی تفہیم میں رکاوٹ ہیں، فیض احمد فیض نے وہی الفاظ منظوم اردو ترجمہ میں استعمال کیے ہیں۔ تمام نظم میں ترجمہ کا یہی انداز نظر آتا ہے۔ دوسرے بند میں 'را' کو 'کو' سے بدل کر تمام بند کا اردو میں منظوم اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ تیسرے بند کے دونوں اشعار اور آخری مصرع میں صیغہ جمع میں استعمال ہونے والے الفاظ کے 'ھا' کو اردو میں 'بھی' سے بدل کر انہیں منظوم اردو ترجمہ کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ پانچویں بند کا پہلا شعر، اسی طرح منظوم اردو ترجمہ میں دے دیا گیا ہے۔ چھٹے بند کے دوسرے شعر میں صرف 'مثلِ غزالہ' کو 'مثلِ غزالاں' میں تبدیل کر کے منظوم اردو ترجمہ کی شکل دے دی گئی ہے۔

5- فیض احمد فیض نے اس نظم (سرود انجم) کے منظوم اردو ترجمہ میں فارسی نظم کے درج ذیل الفاظ و تراکیب استعمال کئے ہیں۔ عام قاری تو ایک طرف رہا، بی اے کی سطح کا عام سٹوڈنٹ بھی ان کے معانی اور مفاہیم نہیں بتا سکتا۔

خرام، جلوہ گہ شہود، بت کدۂ نمود، رزمِ نبود و بود، کشمکشِ وجود، دیروزود، خامئی پختہ کار، سریر، خروش، ست نہاد، بزمِ ناؤنوش، سفتہ گوش، چوں وچند، کشادوبند، زار و زبون، فطرتِ ناصبور، بیش وغیرہ۔

6- فارسی نظم 'سرودِ انجم' کے مندرجہ بالا مشکل الفاظ و تراکیب کے علاوہ فیض احمد فیض نے کچھ اور مشکل الفاظ بھی منظوم اردو ترجمہ میں استعمال کئے ہیں۔ انہوں نے پہلے بند میں لفظ 'شادکام'، ساتویں بند میں لفظ 'تیرگی' اور آٹھویں بند میں 'جامِ جم' استعمال کئے ہیں۔

7- یہاں ضمناً اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ میاں عبدالرشید نے بھی 'سرود انجم' کے اردو ترجمہ میں فارسی نظم کے بہت سے مشکل الفاظ اور تراکیب استعمال کی ہیں، جس وجہ سے ان کا ترجمہ بھی سلیس نہیں رہا۔ ان کے ترجمہ میں خط کشیدہ الفاظ، فارسی نظم سے لیے گئے ہیں۔ ترجمہ میں مشکل الفاظ اس طرح دینے سے ترجمہ کا حق ادا نہیں ہوا۔

حاصل کلام یہ کہ وزن، قوافی، روانی اور ترنم کے لحاظ سے یہ ترجمہ نہایت خوبصورت ہے مگر فارسی نظم کے الفاظ و تراکیب استعمال کرنے کی وجہ سے یہ ترجمہ مشکل اور عام فہم نہیں رہا۔

فیض احمد فیض نے بعض نظموں کے آسان، عام فہم اور سلیس ترجمے کئے ہیں۔ مثلاً نظم 'کرم کتابی' کا ترجمہ بہت اچھا ہے۔ یہ پانچ اشعار پر مشتمل مختصر سی نظم ہے۔ فارسی نظم کرمِ کتابی، اس کا منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض اور منثور ترجمہ از میاں عبدالرشید ملاحظہ فرمائیں:

کرم کتابی

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض	1	اصل متن از پیامِ مشرق
کتابوں کے کمرے میں میں نے سنا ہے		شنیدم شبے در کتب خانۂ من
یہ کہتا تھا اک رات کرمِ کتابی		بہ پروانہ می گفتِ کرمِ کتابی

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

میں نے سنا ایک رات میرے کتب خانہ میں،

کتابی کیڑا پروانے سے کہہ رہا تھا۔

اصل متن از پیام مشرق ❷ منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

باوراق سینا نشیمن گرفتم　　بہت میں نے چھانے ہیں اوراقِ سینا
بسے دیدم از نسخۂ فاریابی　　ہیں ازبر کئی نسخۂ فاریابی

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

میں بوعلی سینا کے (لکھے ہوئے) اوراق میں بھی رہا،
فاریابی کے کئی نسخے بھی دیکھے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❸ منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

نفہمیدہ ام حکمتِ زندگی را　　نہ سمجھا مگر حکمتِ زندگی کو
ہماں تیرہ روزم ز بے آفتابی　　ہیں تیرہ مرے دن ز بے آفتابی

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

(مگر) میں زندگی کی حکمت نہیں سمجھ سکا،
اور ابھی تک میرے دن آفتاب کے بغیر تاریک ہیں۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❹ منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

نکو گفت پروانۂ نیم سوزے　　کہا اس سے پروانۂ نیم جاں نے
کہ ایں نکتہ را در کتابے نیابی　　سنو مجھ سے نکتہ نہیں یہ کتابی

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

پروانۂ نیم سوز نے اسے کیا خوب جواب دیا،
یہ نکتہ تجھے کتابوں میں نہیں ملے گا۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❺ منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

تپش می کند زندہ تر زندگی را　　تپش نے کیا زندہ تر زندگی کو
تپش می دہد بال و پر زندگی را (39)　　تپش نے دیے بال و پر زندگی کو (40)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

تپش، زندگی کو اور زندہ تر کرتی ہے،
(اور) تپش ہی زندگی کو بال و پر عطا کرتی ہے۔ (41)

اس کے پہلے اور تیسرے شعر کے علاوہ باقی تین اشعار کا ترجمہ اصل متن کے عین مطابق، سلیس، آسان، مترنم اور رواں ہے۔ پہلے شعر میں پروانے اور کرم کتابی کے درمیان مکالمے کا ذکر ہے مگر منظوم اردو ترجمہ میں پروانے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ چوتھے شعر میں جا کر معلوم ہوتا ہے کہ کرمِ کتابی، پروانے سے مخاطب تھا، یہ کرمِ کتابی اور پروانے کے درمیان ایک مکالمہ ہے۔ اس طرح تیسرے شعر کے دوسرے مصرع میں فارسی شعر کے الفاظ 'تیرہ' اور 'بے آفتابی'

استعمال ہوئے ہیں جس سے ترجمہ مشکل اختیار کر گیا ہے۔

قطرۂ آب

نظم قطرۂ آب، اس کا منظوم اردو ترجمہ اور منثور ترجمہ از میاں عبدالرشید ملاحظہ کریں۔

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض	①	اصل متن از پیامِ مشرق
میرا مقصود ہے ایک مضموں نیا		مرا معنیٰ تازۂ مدعاست
گرچہ دُھرا رہا ہوں کسی کا کہا		اگر گفتہ را باز گویم رواست

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

مجھے نئی بات کہنا ہے،
اس لیے اگر میں کہی ہوئی کہانی دوبارہ بیان کروں، تو نامناسب نہیں۔

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض	②	اصل متن از پیامِ مشرق
ابر سے ایک بارش کا قطرہ گرا		''یکے قطرہ باراں ز ابرے چکید
آ کے دیکھا جو دریا ، ہراساں ہوا		خجل شد چو پہنائے دریا بدید

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

''بارش کا ایک قطرہ بادل سے ٹپکا،
اس نے دریا کی وسعت دیکھی، تو (اپنی کم مائگی پر) شرمسار ہُوا۔

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض	③	اصل متن از پیامِ مشرق
یہ ہے دریا تو کیا چیز ہوں میں بھلا		کہ جائے کہ دریاست من کیستم
اس کے آگے مری ننھی ھستی ہے کیا		گر او ہست حقا کہ من نیستم''

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

(کہنے لگا:) جہاں دریا موجود ہے،
وہاں میری کیا ہستی ہے؟ اگر وہ ہے تو پھر یقیناً میں کچھ نہیں۔'' (سعدیؒ)

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض	④	اصل متن از پیامِ مشرق
آئی دریا سے آواز اے بے خبر		و لیکن ز دریا برآمد خروش
اس تنگ مایگی پر نہ کر تو نظر		ز شرمِ تنک مایگی روپوش

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

مگر دریا سے شور اٹھا،
اپنی کم مائگی پر چہرہ نہ چھپا (شرمسار نہ ہو)

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض	⑤	اصل متن از پیامِ مشرق
تو نے دیکھا تماشائے شام و سحر		تماشائے شام و سحر دیدۂ
تو نے دیکھے چمن ، دشت اور بحر و بر		چمن دیدۂ، دشت و در دیدۂ

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

تُو نے شام وسحر کا تماشا دیکھا ہے،
چمن دیکھا ہے، دشت و در دیکھے ہیں۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑥ منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

اصل متن	منظوم اردو ترجمہ
بہ برگِ گیاہے ، بدوشِ سحاب	بہ برگِ گیاہ آور بدوشِ سحاب
درخشیدی از پرتوِ آفتاب	تجھ کو چمکا گیا پرتوِ آفتاب

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

تُو آفتاب کے پرتو سے، کبھی گھاس کی پتی پر چمکا ہے، کبھی بادل کے کندھوں پر۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑦ منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

اصل متن	منظوم اردو ترجمہ
گہے ہمدمِ تشنہ کامانِ راغ	کبھی ھمدمِ تشنہ کامانِ راغ
گہے محرمِ سینہ چاکانِ باغ	کبھی محرمِ سینہ چاکانِ باغ

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

کبھی تُو گلشن کے پیاسوں (پودوں) کا ساتھی بنا،
کبھی باغ کے سینۂ چاکان (پرندوں) کا ہمراز ہُوا۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑧ منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

اصل متن	منظوم اردو ترجمہ
گہے خفتہ در تاک و طاقت گداز	کبھی تاک میں تو ہے طاقت گداز
گہے خفتہ در خاک و بے سوز و ساز	کبھی خاک میں خفتہ بے سوز و ساز

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

کبھی تُو انگور میں سوکر، طاقت گداز بنا،
اور کبھی خاک میں مل کر بے سوز و ساز ہو گیا۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑨ منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

اصل متن	منظوم اردو ترجمہ
ز موجِ سبک سیرِ من زادۂ	میری موجِ سبک سیر سے تو اٹھا
ز من زادۂ در من افتادۂ	میرے سینے سے اُٹھ کر وھیں آ گرا

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

تُو میری تیز موج (ہی) سے پیدا ہُوا ہے،
تُو مجھ ہی سے اُٹھا، پھر مجھ ہی میں آ گرا۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑩ منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

اصل متن	منظوم اردو ترجمہ
بیاسائے در خلوتِ سینہ ام	پھر سے آرام کر تو مرے سینے میں
چو جوہر درخش اندر آئینہ ام	مثلِ جوہر چمک میرے آئینے میں

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

آ، میرے سینے کی خلوت میں آرام کر،
میرے آئینہ کے اندر جوہر کی طرح چمک۔

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض		اصل متن از پیامِ مشرق
گہر بن کے آغوشِ قُلزم میں جی	〇	گہر شو در آغوشِ قلزم بزی
ماہ و انجم سے روشن ہو ھستی تری		فروزاں تر از ماہ و انجم بزی
(43)		(42)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

موتی بن، اور چاند ستاروں سے زیادہ تابدار ہو کر،
میرے آغوش میں زندگی بسر کر۔

(اگر چہ اللہ تعالیٰ کے انسان کی کوئی حیثیت نہیں، مگر وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کر کے اپنی خودی کو موتی بنا سکتا ہے۔ موتی دریا میں رہتے ہوئے بھی دریا سے الگ ہوتا ہے)(44)

نظم 'قطرۂ آب' گیارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ مجموعی طور پر اس کا ترجمہ سلیس، رواں اور عام فہم ہے۔ شعر نمبر 6 کے منظوم اردو ترجمہ میں فارسی شعر کا پہلا مصرع ہی معمولی سے ردوبدل سے دے دیا گیا ہے۔ دوسرے مصرع میں بھی فارسی شعر کا لفظ 'پرتوِ آفتاب' استعمال کیا گیا ہے، تاہم ترجمہ میں 'از' یعنی 'سے' کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ فارسی شعر کا ترجمہ یہ ہے:

''گھاس کے پتے پر، بادل کے کاندھے پر، تو سورج کی دھوپ کی وجہ سے چمکا ہے۔''

فیض احمد فیض کے منظوم اردو ترجمہ کو نثر میں تبدیل کریں تو مفہوم یہ بنتا ہے:

گھاس کے پتے پر آ، تو بادل کے کاندھے پر۔ تجھ کو چمکا گئی (اے) سورج کی دھوپ۔

شعری ضرورت کے تحت منظوم اردو ترجمہ میں لفظ 'آ' اور' کے استعمال کی وجہ سے پہلے مصرعے کا مفہوم، اصل متن سے قدرے مختلف ہو گیا ہے۔

شعر نمبر 7 میں لفظ 'گہے' کو 'کبھی' سے تبدیل کر کے اسے منظوم اردو ترجمہ کی شکل دے دی گئی ہے اور مشکل الفاظ کی تفہیم کا کام عام قاری کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔

اس منظوم ترجمہ میں اگر مشکل الفاظ 'تنک مایگی، تشنہ کامانِ راغ، محرم سینہ چاکانِ باغ، تاک، خفتہ، سبک سیر' کے بجائے آسان اور عام فہم الفاظ استعمال ہوتے تو تمام نظم کا منظوم اردو ترجمہ اپنی مثال آپ بن جاتا۔

حصہ نظم میں مضمون کا تسلسل قائم رکھنے کے لیے تمام اشعار کا ترجمہ کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے جن اشعار کا ترجمہ نہ ہو سکا، فیض احمد فیض نے، فارسی کلام میں ہی معمولی سا ردّوبدل کر کے ان کا ترجمہ کر دیا۔ رباعیات اور غزلیات کے ترجمہ میں انتخابِ کلام کی سہولت تھی۔ اس لیے انہوں نے منتخب رباعیات اور غزلیات کا ترجمہ کر دیا اور غزلیات میں سے بھی جو اشعار فیض احمد فیض کی گرفت میں نہیں آسکے انہوں نے حذف کر دیے۔ حصہ نظم میں سے بھی انہوں نے منتخب نظموں کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے، تاہم ان نظموں میں سے بھی جو اشعار ان کی گرفت میں نہیں

آئے، ان کا ترجمہ کرنا ضروری تھا۔ اس لیے انہوں نے جیسے تیسے یہ ترجمہ کر دیا۔ یہ ان کی فنی و ادبی مجبوری تھی۔ اس کا وہ 'پیش لفظ' میں بھی ذکر کر چکے ہیں۔

منظوم اردو ترجمہ مئے باقی (غزلیات)

حصہ غزلیات کا منظوم اردو ترجمہ بحیثیتِ مجموعی نہایت خوبصورت، مترنم اور رواں ہے۔ یہ ترجمہ کافی زیادہ حد تک اصل متن کی نمائندگی کرتا ہے۔ بعض مقامات پر جہاں فیض احمد فیض نے فارسی شعر کا کوئی مصرع یا فارسی الفاظ و تراکیب استعمال کی ہیں، وہاں تبدیلی و اصلاح اور حواشی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ پیامِ مشرق کی غزل نمبر 2، اس کا منظوم اردو ترجمہ اور منثور اردو ترجمہ ملاحظہ کریں:

<u>غزل نمبر 2</u>

اصل متن از پیامِ مشرق		منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
	①	
حلقہ بستند سرِ تربتِ من نوحہ گراں		آئے تربت پہ مری، حلقہ کیے نوحہ گراں
دلبراں، زہرہ وشاں، گلبدناں، سیم براں		دلبراں، زہرہ وشاں، گلبدناں، سیم براں

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

کتنے دلبر، زہرہ وش، گلبدن اور سیم بر،
میری قبر کے گرد حلقہ بنا کے نوحہ گری میں لگے ہوئے ہیں۔

اصل متن از پیامِ مشرق		منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
	②	
درچمن قافلۂ لالہ و گل رخت کشود		باغ میں قافلۂ لالہ و گل اُترا ہے
ازکجا آمدہ اند ایں ہمہ خونیں جگراں؟		کون سے دیس سے آئے ھیں یہ خونیں جگراں؟

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

باغ میں لالہ و گل کے قافلوں نے ڈیرے ڈال دیے ہیں،
یہ اتنے سارے خونیں جگر کہاں سے آ گئے۔

اصل متن از پیامِ مشرق		منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
	③	
اے کہ در مدرسہ جوئی ادب و دانش و ذوق		مدرسے میں ہے تجھے ذوق و حقیقت کی تلاش
نخرد بادہ کس از کار گہِ شیشہ گراں!		مے پلاتا ہے کسے طائفۂ شیشہ گراں

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

اے کہ تو مدرسہ میں ادب، دانش اور خوش ذوقی تلاش کرتا ہے،
بھلا شیشہ گروں کی دکان سے بھی کوئی شراب طلب کرتا ہے؟

اصل متن از پیامِ مشرق		منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
	④	
خرد افزود مرا درسِ حکیمانِ فرنگ		عقل صیقل ہوئی از درسِ حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں!		سینہ روشن ھوا از صحبتِ صاحب نظراں

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

فرنگ کے اساتذہ نے میری عقل افزوں کی،
اور صاحب نظر حضرات کی صحبت نے میرا سینہ چمکا دیا۔

⑤

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
بر کش آں نغمہ کہ سرمایۂ آب گلِ تست	لا کوئی نغمہ جسے تیری زمیں پہچانے
اے ز خود رفتہ، تہی شو ز نوائے دگراں	بے خبر چھوڑ بھی دے نقل نوائے دگراں

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

وہ نغمہ پیدا کر جو تیری سرشت کا سرمایہ ہے،
اے اپنے آپ کو بھولے ہوئے! دوسروں کا راگ الاپنا چھوڑ دے۔

⑥

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
کس ندانست کہ من نیز بہائے دارم	کس نے جانا ہے کہ میری بھی کوئی قیمت تھی
آں متاعم کہ شود دست زدِ بے بصراں	ہوں وہ دولت جسے گاھک ھی ملے بے بصراں
(45)	(46)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

کوئی نہیں سمجھتا کہ میں بھی قیمت رکھتا ہوں،
میں وہ متاع ہوں جو اندھوں کے ہاتھ پڑ گئی۔(47)

مکمل غزل، اس کا منظوم اردو ترجمہ اور منثور اردو ترجمہ اکٹھا دیا گیا ہے تاکہ ان کے تقابلی مطالعہ اور جائزہ سے منظوم اردو ترجمہ کا اسلوب اور معیار واضح ہو جائے۔ اب ہر ایک شعر کے متن اور منظوم اردو ترجمہ کے حوالہ سے تبصرہ پیشِ خدمت ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
حلقہ بستند سرِ تربتِ من نوحہ گراں	آئے تربت پہ مری ، حلقہ کیے نوحہ گراں
دلبراں، زہرہ وشاں، گلبدناں، سیم براں	دلبراں ، زہرہ وشاں ، گلبدناں سیم براں

پہلے شعر کا منظوم ترجمہ اصل متن کے عین مطابق ہے۔ فارسی شعر کا دوسرا مصرع، اسی طرح منظوم اردو ترجمہ میں دے دیا گیا ہے۔ اس طرح میاں عبدالرشید نے بھی منثور اور اردو ترجمہ میں فارسی شعر کے یہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ احمد جاوید نے بھی اپنے ترجمہ میں یہی طرز اختیار کی ہے۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم اور ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے اس شعر کا عام فہم ترجمہ دیا ہے دونوں نے مشکل الفاظ کے عام فہم معانی دیے ہیں۔ تاہم ان کے تراجم میں مماثلت بھی قابلِ غور ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے اپنے ترجمہ میں بعض مقامات پر ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ سے استفادہ کیا ہے، تاہم انہوں نے الفاظ کے تغیر و تبدل اور تقدیم و تاخیر سے بطریق احسن اخذ و قبول کیا ہے۔ اگر وہ کھلم کھلا اعتراف کر لیتے کہ انہوں نے ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے ترجمہ اور مفہوم سے استفادہ کیا ہے تو یہ ان کی اخلاقی جرأت اور علمی دیانت کا واضح ثبوت ہوتا۔ دونوں حضرات کا دیا گیا ترجمہ اور مفہوم ملاحظہ کریں۔

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

(میرے مرنے کے بعد) میرا ماتم کرنے والوں نے میری قبر کے گرد حلقہ باندھا اور نوحہ گری کی + (ان میں) دل لوٹ کرلے جانے والے، زہرہ ستارہ جیسے، گلاب کے پھول کے جسموں والے اور چاندی کی طرح کے سفید پہلو والے سبھی قسم کے حسین تھے (آخر انہیں مجھ جیسا عاشق اب کب ملے گا)۔ (48)

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

(میری موت کے بعد) میرا ماتم کرنے والوں نے میری قبر کے گرد حلقہ باندھا اور نوحہ گری کی۔ ان میں کچھ دلبر تھے، کچھ زہرہ ستارہ کے سے حسین چہرے والے، کچھ گلاب کے سے سرخ بدن والے اور کچھ چاندی کے سے پہلو والے تھے۔ مطلب یہ کہ ہر طرح کے حسین وہاں جمع ہو گئے، اس لیے کہ انہیں مجھ جیسا سچا عاشق اب کہاں ملے گا؟ (49)

اصل متن از پیام مشرق

درچمن قافلۂ لالہ و گُل رخت کشود
ازکجا آمدہ اند ایں ہمہ خونیں جگراں؟

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض

باغ میں قافلۂ لالہ و گل اُترا ہے
کون سے دیس سے آئے ہیں یہ خونیں جگراں؟

دوسرے شعر میں لالہ وگل سے مرادگلِ لالہ اور گلاب کا پھول ہیں۔ دونوں پھول سُرخ ہوتے ہیں۔ اس نسبت سے شاعرانہیں 'خونیں جگراں' کے نام سے منسوب کرتا ہے۔ دیدۂ بیدار رکھنے والے عاشقانِ صادق کے لیے ہر جگہ جلوۂ قدرت انہیں دعوتِ نظارہ دیتا ہے اور ان کے اعلیٰ ذوق کی تسکین کرتا ہے۔ اقبال اپنے شعر میں 'از کجا آمدہ اند' سے اس جلوۂ قدرت کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور اس امرِ حقیقی کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ؎

شہیدِ نازِ او بزمِ وجود است
ناز اندر نہاد ہست و بود است (50)

شارحینِ پیامِ مشرق میں سے ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم اور ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی عمومی طور پر صرف فارسی شعر کا مفہوم بیان کرتے ہیں جسے شرح قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے بعض مقامات پر بہت زیادہ تفصیل سے شرح دی ہُوئی ہے اور بعض مقامات پر بہت اختصار سے کام لیا ہے۔ مثلاً انہوں نے اس شعر کی مختصر طور پر شرح تحریر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ بھی آسان شعر ہے۔ کہتے ہیں کہ فیض بہار تو دیکھ! چمن میں چاروں طرف گلاب اور لالہ کے پھول کھلے ہوئے ہیں (یہ دونوں سُرخ رنگ کے پھول ہیں، اس لیے ان کو خونیں جگر سے تعبیر کیا ہے) (51)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اس شعر میں بیان کردہ فلسفہ کی وضاحت نہیں کی ہے۔ اقبال شعر برائے شعر نہیں کہتے تھے۔ وہ ہر ایک شعر میں اشارۃً، کنایتاً، بالواسطہ یا بلاواسطہ انداز سے کسی نہ کسی غور طلب امر یا پہلو کی طرف توجہ دلاتے تھے اور فکری اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ انہوں نے خود فرمایا ہے ؎

نغمہ کجا و من کجا سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقہ بے زمام را (52)

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
اے کہ در مدرسہ جوئی ادب و دانش و ذوق	مدرسے میں ہے تجھے ذوق و حقیقت کی تلاش
نخرد بادہ کس از کارگہِ شیشہ گراں!	مے پلاتا ہے کسے طائفۂ شیشہ گراں

تیسرے شعر کا ترجمہ، فارسی شعر کے لفظی ترجمہ کے عین مطابق نہیں ہے، تاہم یہ اصل شعر کے مفہوم کے قریب تر ہے۔ یہ منظوم اردو ترجمہ رواں، مترنم اور قابلِ فہم ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ جس طرح شراب، شراب خانے سے ہی ملتی ہے، اسی طرح ادب، دانش اور مستی مدرسہ سے نہیں بلکہ کسی صاحبِ دل اور صاحبِ نظر سے ملتے ہیں۔ فیض احمد فیض نے فارسی شعر کے الفاظ 'ادب و دانش و ذوق' کا مفہوم 'ذوق و حقیقت' سے ادا کیا ہے۔ فکرِ اقبال کے مطابق علم وعرفان اور عشق مقصودِ حقیقی تک رسائی کے ذرائع ہیں۔ مدرسے سے یہ دونوں ہی حاصل نہیں ہو سکتے۔ مقصودِ حقیقی تک رسائی کے لیے علم وعرفان اور عشق کے علاوہ کسی صاحب نظر کی ہمنشینی بھی ضروری ہے۔ اقبال اس شعر میں ادب و دانش کے حوالے سے علم وعرفان اور ذوق کے حوالے سے عشق کی ضرورت و اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جس طرح شیشہ گر، شیشہ بناتے ہیں۔ مے پینا اور پلانا ان کا کام نہیں۔ اسی طرح مدرسہ عالم، فاضل، مقرر اور خطیب تو پیدا کرتا ہے مگر علم وعرفان اور ذوق ووجدان کے حامل صاحبانِ نظر نہیں پیدا کرتا ہے۔ طالبِ حق کو حق تک رسائی کے لیے عاشقانِ باصفا اور عارفانِ حقیقی کا راستہ اختیار کرنا چاہیے اور ان عظیم لوگوں کی سرپرستی و رہنمائی اور فیضانِ نگاہ سے مقصدِ حیات پورا کرنا چاہیے۔ فیض احمد فیض نے 'ادب و دانش' کی جگہ پر لفظ 'حقیقت' کے استعمال سے یہ مضمون خوبصورت انداز میں بیان کر دیا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
خرد افزود مرا درسِ حکیمانِ فرنگ	عقل صیقل ہوئی از درسِ حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں!	سینہ روشن ہوا از صحبتِ صاحب نظراں

چوتھے شعر میں اقبال بیان کرتے ہیں کہ یورپی فلسفیوں کے درس سے میری عقل میں اضافہ ہُوا۔ لیکن میرا سینہ اہلِ نظر افراد کی صحبت سے روشن ہُوا۔

اس شعر میں اقبال نے مادی و روحانی علوم کی ضرورت و اہمیت بیان کی ہے اور اہلِ نظر کی ہمنشینی سے باطنی صدق وصفا کے حصول کی ترغیب دی ہے۔ دین اسلام انسان کو معتدل اور متوازن زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ انسان کو دینی، دنیاوی، مادی، اخلاقی اور روحانی؛ غرضیکہ ہر لحاظ سے ترقی کرنی چاہیے۔ اس کی تمام کوششوں کا محور ومرکز خودی کی تکمیل اور حق تک رسائی ہونا چاہئیں۔ ایسا علم، عمل، عقل اور عشق جن سے انسان کو قرب و رضائے حق نصیب ہو، عین محمود اور مقصود ہیں جبکہ ایسا علم، عمل، عقل اور عشق جن کی بدولت انسان راہِ حق سے بھٹک جائے مردود اور مغضوب ہیں۔

فیض احمد فیض نے اس شعر کا خوب ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ اصل متن کے عین مطابق اور شعری محاسن کا حامل ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
برکش آں نغمہ کہ سرمایۂ آب گلِ تست	لا کوئی نغمہ جسے تیری زمیں پہچانے
اے ز خود رفتہ، تہی شو ز نوائے دگراں	بے خبر چھوڑ بھی دے نقل نوائے دگراں

پانچویں شعر میں اقبال تلقین کرتے ہیں کہ دوسرے کی تقلید نہ کرو۔ 'خودرفتہ' سے مراد ایسا انسان ہے جو اپنی صلاحیتوں سے کام نہیں لیتا اور اپنی خودی مستحکم نہیں کرتا۔ بے جا تقلید سے خودی مستحکم نہیں بلکہ کمزور ہوتی ہے۔ اقبال اس شعر میں درس دیتے ہیں کہ زندگی کے کسی شعبہ میں بھی غیروں کے محتاج نہ بنو۔ اپنی دنیا آپ پیدا کرو۔ تقلیدِ غیر سے بچو اور اپنی خود مستحکم کر کے دوسرے کا رہنما بنو۔

پہلے مصرع کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ 'تو وہ نغمہ بلند کر جو تیری مٹی (وجود) کا سرمایہ ہے۔ فیض احمد فیض نے اس کا ترجمہ کیا ہے 'لا کوئی نغمہ جسے تیری زمیں پہچانے'۔ یہ ترجمہ عام فہم نہیں ہے اگر ہم اصل متن اور اس کے لفظی ترجمہ کے بغیر اس شعر کے منظوم اردو ترجمہ کو سمجھنے کی کوشش کریں تو آسانی سے یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ اس مصرع میں 'زمین' سے کیا مراد ہے۔ دوسرے مصرع کا ترجمہ درست ہے، تاہم اسے سمجھنے کے لیے اس میں استعمال کیے گئے فارسی الفاظ 'نوائے دگراں' کا مطلب جاننا ہوگا۔

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض	اصل متن از پیامِ مشرق
کس نے جانا ہے کہ میری بھی کوئی قیمت تھی	کس ندانست کہ من نیز بہائے دارم
ہوں وہ دولت جسے گاہک ھی ملے بے بصراں	آں متاعم کہ شود دست زدِ بے بصراں

چھٹے شعر کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے نہ جانا کہ میں بھی کوئی قیمت رکھتا ہوں۔ میں ایسی دولت ہوں جو اندھوں (بے قدروں) کے ہاتھ لگ جائے۔ مراد یہ ہے کہ میری قوم نے میری قدر نہیں کی اور حکمت پر مبنی میرے پیغام کو نہ سمجھا۔

فیض احمد فیض نے پہلے مصرع کا فعل ماضی میں ترجمہ کیا ہے جبکہ اصل متن فعل حال کا ہے۔ فیض احمد فیض کے منظوم اردو ترجمہ سے یہ مفہوم ملتا ہے کہ شاعر ذکر کرتا ہے کبھی میری بھی کوئی قیمت تھی مگر یہ بات کسی نے معلوم نہیں کی۔ منظوم ترجمہ کے دوسرے مصرع کا مفہوم یہ ملتا ہے کہ میں وہ دولت ہوں جسے بے بصر (اندھے) گاہک ملے۔ اقبال کے شعر میں کسی 'گاہک' کا ذکر نہیں۔ بے قدر لوگوں کے ہاتھ لگنے کا ذکر ہے۔ مراد یہ ہے کہ میرے ہم وطن، میری قوم کے افراد کو میری قدر و قیمت کا اندازہ نہیں۔ یہ اس قدر شعور نہیں رکھتے کہ میرے پیغام کی قدر و قیمت اور اہمیت کا ادراک کر سکیں۔ غرضیکہ آخری شعر کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کی صحیح طور پر ترجمانی نہیں کرتا۔

حصہ 'لالہ طور' اور حصہ 'افکار' کی طرح مئے باقی کے منظوم ترجمہ میں بھی فیض احمد فیض نے بعض اشعار کے ترجمہ میں فارسی شعر کا ہی پہلا یا دوسرا مصرع اسی طرح دے دیا ہے۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ کریں۔ منظوم ترجمہ میں خط کشیدہ الفاظ اور مصرع فارسی متن کی نشاندہی کرتے ہیں:

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض	فارسی متن از پیامِ مشرق
یہ <u>گنبدِ مینائی</u> ، یہ <u>پستی و بالائی</u>	ایں گنبد مینائی ، ایں پستی و بالائی
مستی دلِ عاشق میں ہر ایک کی پہنائی	درشد بدلِ عاشق، باایں ہمہ پہنائی
کیوں رازِ دل ڈھونڈیں، یکجا ہیں تری جاں میں	اسرارِ ازل جوئی؟ برخود نظرے واکن
<u>یکتائی و بسیاری، پنہانی و پیدائی</u>	یکتائی و بسیاری، پنہانی و پیدائی
(54)	(53)

صد رہ بفلک برشد ، صد رہ بہ زمیں در شد
خاقانی و فغفوری، جمشیدی و دارائی
(55)

بالائے فلک اکثر اور زیرزمیں اکثر
خاقانی و فغفوری، جمشیدی و دارائی
(56)

مثلِ آئینہ مشو محوِ جمالِ دگراں
از دل و دیدہ فرو شوے خیالِ دگراں
(57)

مثل آئینہ نہ ہو محو جمالِ دگراں
اب دل و دیدہ سے دھو ڈال خیالِ دگراں
(58)

غزل نمبر 36 نو (9) عدد اشعار پر مشتمل ہے۔ انتخاب پیام مشرق از فیض احمد فیضؔ کے صفحہ نمبر 185 اور صفحہ نمبر 186 پر اس غزل کے پہلے سات اشعار دیے گئے ہیں۔ آخری دو اشعار نہیں دیے گئے ہیں۔ انتخاب پیامِ مشرق از فیض احمد فیضؔ کے صفحہ نمبر 186 پر دی گئی غزل کے اشعار (نمبر 6، 7) اور ان کا منظوم اردو ترجمہ ملاحظہ کریں۔

فارسی اشعار منقولہ انتخاب پیامِ مشرق

فرنگ شیشہ گری کرد ، جام و مینا ریخت
بحیرتم کہ ہمیں شیشہ را پری داند!
چہ گویمت ز مسلمانِ نامسلمانے
جزایں کہ پورِ خلیلؑ است و آذری داند

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیضؔ

میں کیا بتاؤں مسلمانِ نامسلماں کی
کہ یہ خلیل کا فرزند آذری جانے
کبھی تو مجلسِ اقبال میں بھی آکر پی
اگرچہ سر نہ تراشے قلندری جانے
(59)

مندرجہ بالا اشعار اور ان کے ترجمہ کے سلسلہ میں درج ذیل امور غور طلب ہیں:

1- شعر نمبر 7 میں لفظ 'آذری' لکھا ہوا ہے جبکہ پیامِ مشرق کے مطابق صحیح لفظ 'آزری' ہے۔
2- فیض احمد فیضؔ نے منظوم اردو ترجمہ میں بھی لفظ 'آذری' استعمال کیا ہے جبکہ یہاں لفظ آزری آنا چاہیے۔
3- شعر نمبر 6 کے سامنے شعر نمبر 7 کا ترجمہ دیا گیا ہے۔
4- شعر نمبر 7 کے سامنے شعر نمبر 9 کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ شعر نمبر 9 درج ذیل ہے:

بیا بمجلس اقبال و یک دو ساغر کش
اگرچہ سرنتراشد، قلندری داند (60)

5- شعر نمبر 7 کے دیے گئے منظوم ترجمہ کا پہلا مصرع بھی اصل متن کا مکمل مفہوم ادا نہیں کرتا۔ اقبال نے اپنے شعر میں یک دو ساغر کش' کی دعوت دی ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں پینے کی دعوت تو دی گئی ہے مگر 'یک دو ساغر' کا ترجمہ نہیں دیا گیا۔
6- انتخاب پیامِ مشرق کے مذکورہ بالا صفحہ نمبر 186 پر شعر نمبر 6 تو دیا گیا ہے مگر اس کا ترجمہ نہیں دیا گیا۔ اس بے ترتیبی کا ذمہ دار کسے قرار دیا جائے؟ ناشر کو یا مترجم کو؟

حصہ نقشِ فرنگ..... (نظمیں...4 عدد)

حصہ 'نقشِ فرنگ' میں صرف چار نظموں کا منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ پیامِ مشرق کے حصہ لالۂ طور، افکار اور مئے باقی کی طرح حصہ 'نقشِ فرنگ' میں دیا گیا منظوم اردو ترجمہ خوبصورت، رواں اور مترنم ہے، تاہم یہاں بھی بعض اشعار میں فارسی کلام کے الفاظ وتراکیب کے استعمال کی وجہ سے تفہیمِ متن میں دشواری پیش آتی ہے۔ چند ایک مثالیں، ملاحظہ کریں۔ خط کشیدہ الفاظ فارسی متن کے الفاظ وتراکیب اور دیگر ایسے مشکل الفاظ کی نشاندہی کرتے ہیں جن کی وجہ سے ترجمہ کی مدد سے اصل متن کا مفہوم سمجھنا مشکل محسوس ہوتا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
گفت ایں نیست کلیسا کہ بیابی درِ وے صحبتِ دخترکِ زہرہ وش و نائے و سرود (61)	یہ کلیسا تو نہیں ہے کہ جہاں تجھ کو ملے دخترِ زہرہ وش و زمزمۂ ارغن و عود (62)
دعوئے صدق و صفا پردۂ ناموسِ ریاست پیرِ ما گفت مس از سیم بباید اندود (63)	دعویٰ صدق و صفا پردۂ ناموس و ریا قولِ مُرشد کا ہے "مِس سیم سے کرلو اندود" (64)
ز خوئے فشانیِ من لعلِ خاتمِ والی ز اشکِ کودکِ من گوہرِ ستامِ امیر (65)	میرا پسینہ بنا لعلِ خاتمِ والی جڑے ہیں اشک مرے طفل کے بہ تاجِ امیر (66)
خرابہ رشکِ گلستاں ز گریۂ سحرم شباب لالہ و گل از طراوتِ جگرم (67)	خرابہ رشکِ چمن گریۂ سحر سے مرے شبابِ لالہ و گل کاوشِ جگر سے مرے (68)
بیا کہ تازہ نوا می تراود از رگِ ساز مئے کہ شیشہ گداز بہ ساغر اندازیم (69)	سُنو کہ تازہ نوا آرہی ہے از رگِ ساز پیئو کہ آتشِ مے سے گداز جام کریں (70)

نظم: پٹوفی

نظم 'پٹوفی' تین اشعار پر مشتمل ہے۔ اس نظم میں اقبال نے ہنگری کے نوجوان شاعر الیگزنڈر پٹوفی کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے جو جنگ کے دوران اپنے وطن کی حمایت کرتا ہُوا مارا گیا تھا۔ اس کی لاش بھی نہ مل سکی کہ جس سے اس کی یادگار مٹی کی قبر بنائی جاسکتی۔ اس نظم کا پہلا شعر، اس کا منظوم اردو ترجمہ اور منثور اردو ترجمہ ملاحظہ کریں:

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
نفسے دریں گلستاں ز عروسِ گل سرودی بہ دلے غمے فزودی، ز دلے غمے ربودی	یوں چمن میں حسنِ گل کا کوئی گیت تو نے گایا کس دل کو درد بخشا، کسی دل سے غم بھلایا

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

اس نے اس گلستان (دنیا) میں ایک لحہ کے لیے عروسِ گُل کا گیت گایا، (اور اس سے) دل کے غم میں اضافہ بھی کیا اور دل سے غم کو دور بھی کیا۔

فارسی شعر میں لفظ 'نفسے' استعمال ہُوا ہے۔ اس سے مراد ہے 'ایک پل'۔ پٹوفی جوانی کے عالم میں اپنے وطن کی خاطر لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔ اس لیے اقبال نے لفظ 'نفسے' سے اس کی کم عمری، نوجوانی کی موت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فیض احمد فیض نے اپنے منظوم اردو ترجمہ میں اس شعر کے اِس اہم پہلو کا کنایتاً یا صراحتاً ذکر نہیں کیا ہے۔ اس وجہ سے منظوم اردو ترجمہ میں اصل متن کا مفہوم کلی طور پر بیان نہیں ہوا، تاہم باقی تمام مفہوم خوبصورتی سے ادا ہُوا ہے اور قابلِ تحسین ہے۔

دوسرا شعر، اس کا منظوم اردو ترجمہ اور منثور اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض	اصل متن از پیامِ مشرق
کیا تو نے خونِ دل سے کفِ لالہ کو حنائی	تو بخونِ خویش بستی کفِ لالہ را نگارے
تری آہِ صبحدم سے دلِ غنچہ لہلہایا	تو بآہِ صبحگاہے دلِ غنچہ را کشودی

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

(ایک طرف) تو نے اپنے خون سے کفِ لالہ پر نقش و نگار بنائے، (دوسری طرف) تُو نے اپنی آہِ صبحگاہ سے غنچے کا (بند) دل کھلا دیا۔

مندرجہ بالا شعر کا منظوم اردو ترجمہ کلی طور پر اصل شعر کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ یہ صوری و معنوی لحاظ سے اصل کلام کی ترجمانی کرتا ہے۔ یہ ترجمہ رواں اور مترنم ہے اور قابلِ تحسین ہے۔

تیسرا شعر، اس کا منظوم اردو ترجمہ اور منثور اردو ترجمہ ملاحظہ کریں:

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض	اصل متن از پیامِ مشرق
تو سخن میں اپنے گم ہے، ہے یہی مزار تیرا	بنوائے خود گم استی سخنِ تو، مرقدِ تو
نہ سما سکا زمیں میں کہ تو خاک سے نہیں تھا	بہ زمیں نہ باز رفتی کہ تو از زمین نہ بودی!
(72)	(71)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

تیرا سخن اور تیرا مرقد دونوں اپنی نوا میں گم ہیں، تو زمین میں دوبارہ نہ گیا، کیونکہ تیرا تعلق زمین سے نہ تھا۔

میاں عبدالرشید نے 'بنوائے خود گم استی' میں 'خود' کی نسبت شاعر کے سخن اور مرقد سے قائم کی ہے اور پہلے مصرع کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ تیرا سخن اور تیرا مرقد دونوں اپنی نوا میں گم ہیں۔(73)

احمد جاوید نے تسہیل پیام مشرق کے صفحہ نمبر 655 پر اس مصرع کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''تو اپنی نوا میں گم ہے، تیرا کلام تیرا مرقد''

احمد جاوید کے ترجمہ کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ تو، تیرا کلام اور تیرا مرقد، اپنی نوا میں گم ہیں

ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم نے ترجمہ قدرے وضاحت سے دیا ہے۔ انہوں نے اس مصرع کا ترجمہ کیا ہے کہ 'تو اپنی شاعری میں گم ہے..... تیری شاعری ہی تیری قبر ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی، ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم کے ترجمہ و شرح سے ہٹ کر بات نہیں کرتے۔ ان تراجم میں صرف الفاظ کا فرق نظر آتا ہے، افکار کا نہیں۔

منثور اردو ترجمہ و شرح از ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم

(چونکہ پٹوفی کو قبر نصیب نہیں ہوئی تھی اس پس منظر میں کہا گیا ہے کہ) تو اپنی شاعری میں گم ہے (لوگ تجھے قبر میں نہیں تیری شاعری میں پوشیدہ دیکھتے ہیں) تیری شاعری ہی تیری قبر ہے + چونکہ تو اس زمین کی مٹی سے نہیں تھا (بلکہ کسی اور جہان کی مخلوق تھا اس لیے) تو واپس زمین میں نہیں گیا یعنی تیری قبر نہیں بن سکی (اس جہان کی مخلوق ہونے سے یہ مراد نہیں کہ وہ نسل آدم میں سے نہ تھا بلکہ یہ مراد ہے کہ اس نسل کے عام آدمیوں کی طرح نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے قدرت نے اسے خصوصی طور پر تخلیق کیا تھا اور خصوصی مقامات سے نوازا تھا۔(74)

منثور اردو ترجمہ و شرح از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

تو اپنی نوا/ شاعری میں گم ہے اور تیری شاعری ہی تیری قبر ہے، تو زمین میں واپس نہیں گیا، اس لیے کہ تیرا تعلق زمین سے نہ تھا۔ گویا اس کے جذبوں اور اس کی قبر نہ ہونے کے حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ تو اگرچہ نسل انسانی سے تعلق رکھتا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے تجھے اس کام کی خاطر خصوصی جذبوں اور صفات کے ساتھ عام انسانوں سے ہٹ کر تخلیق کیا ہے۔(75)

میاں عبدالرشید اور احمد جاوید کی نسبت ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم کا ترجمہ زیادہ موزوں اور واضح ہے۔ فیض احمد فیض نے بھی اپنے منظوم اردو ترجمہ میں وہی مفہوم دیا ہے جو کہ ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم نے تحریر کیا ہے۔ اس لحاظ سے فیض احمد فیض کا اس شعر کا ترجمہ فکری اور فنی لحاظ سے بہت خوبصورت ہے اور اصل متن کی خوبصورت انداز سے نمائندگی کرتا ہے۔

فیض احمد فیض نے پیامِ مشرق کے حصہ 'خردہ' کا منظوم اردو ترجمہ نہیں کیا ہے۔

مندرجہ بالا تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ

1- فیض احمد فیض کے تمام منظوم اردو کلام کا بغور جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ قریباً پینسٹھ فی صد (65%) ترجمہ کافی زیادہ حد تک اصل متن کی نمائندگی کرتا ہے یہ ترجمہ نہایت خوبصورت ہے اور شاعر کی قادر الکلامی کو ظاہر کرتا ہے۔

2- قریباً پندرہ فی صد (15%) ترجمہ اصل متن کے مفہوم کی کلی طور پر نمائندگی نہیں کرتا۔ اصل متن سے موازنہ نہ کریں تو منظوم اردو ترجمہ میں دیا گیا مفہوم ادھورا نظر آتا ہے۔

3- منظوم اردو ترجمہ میں فارسی کلام کے مشکل الفاظ و تراکیب استعمال کرنے کی وجہ سے قریباً بیس فی صد (20%) ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ یہ ترجمہ عام فہم نہیں رہا اور اسے سمجھنے کے لیے کسی اچھی لغت اور فارسی زبان جاننے والے اہلِ علم کی مدد اور رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

4- اس منظوم ترجمہ پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔اس امر کا ذکر فیض احمد فیض نے بھی پیش لفظ میں کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

"..... مجھے بہت سے تراجم سے تشفی نہیں ہے۔"(76)

5- دراصل فارسی زبان سے اردو زبان میں منظوم اردو ترجمہ کرتے ہوئے اگر مفہوم اور معانی کے علاوہ اوزان وقوافی اور اصوات و آہنگ میں بھی اصل سے تطابق کی سعی کی جائے تو اصل مفہوم واضح طور پر بیان نہیں ہو پاتا۔فیض احمد فیض نے اپنے ترجمہ میں اصل کلام سے فکری وفنی مطابقت قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔وہ اس کوشش میں کافی زیادہ حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔بعض مقامات پر وہ فکری وفنی توازن قائم نہ کر پائے جس سے ترجمہ ادھوری یا مشکل شکل اختیار کر گیا۔

انتخاب پیامِ مشرق

منظوم اردو ترجمہ

از

حضور احمد سلیم

انتخاب پیامِ مشرق، پیامِ مشرق کے منتخب کلام کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار 1977ء کو صد سالہ تقریبات ولادت علامہ محمد اقبالؒ کے موقع پر اقبال اکادمی پاکستان نے شائع کیا تھا۔ یہ ترجمہ حضور احمد سلیم صدر شعبہ فارسی سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد نے وزارتِ تعلیم حکومتِ پاکستان کی فرمائش پر کیا تھا۔ یہ ترجمہ نہایت قلیل مدت (اواخر جون 1976ء تا 27 نومبر 1976ء) کے عرصہ میں کیا گیا۔ حضور احمد سلیم علامہ اقبالؒ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ پیامِ مشرق کی اہمیت کے پیشِ نظر انہوں نے نہایت قلیل مدت میں یہ فریضہ سرانجام دیا۔ وہ اس کام پر نظرِ ثانی کرنا چاہتے تھے مگر تنگیٔ وقت کی وجہ سے ایسا نہ کر پائے۔ انہوں نے 'عرضِ مترجم' میں اس تشنگی کا اظہار اس طرح سے کیا ہے:

> ''راقمِ مترجم کو ترجمۂ منظومِ زیرِ نظر پر نظرِ ثانی کی فرصت مل جاتی تو مزید اطمینان کا باعث ہوتا''۔(77)

یہ کتاب $\frac{23\times 36}{16}$ سائز پر پرنٹ ہوئی ہے۔ اس کے صفحہ نمبر 3 پر تفصیلی فہرست عنوانات دی گئی ہے۔ فہرست کے مطابق اس میں پیامِ مشرق کے مختلف حصوں (لالۂ طور، افکار، مئے باقی اور نقشِ فرنگ) سے منتخب کلام کا منظوم اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں لالۂ طور کی درج ذیل نوے (90) رباعیات، افکار کی تیس (30) نظموں، مئے باقی کی سات (7) غزلیات اور نقشِ فرنگ کی دس (10) نظموں کا ان کے فارسی متن کے ساتھ منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔

لالۂ طور

رباعیات (90)-------------۱۲---۷۱

1، 2، 3، 5، 6، 7، 8، 9، 11، 13، 15، 16، 18، 21، 23، 24، 25، 28، 29، 30، 31، 33، 35، 36، 37، 40، 45، 46، 53، 54، 55، 56، 57، 58، 59، 61، 62، 63، 64، 65، 66، 67، 68، 69، 70، 71، 72، 75، 76، 78، 79، 80، 81، 82، 83، 84، 85، 86، 87، 90، 91، 97، 99، 100، 104، 105، 106، 107، 108، 109، 110، 112، 113، 116، 119، 122، 123، 125، 126، 128، 131، 135، 140، 148، 149، 150، 153، 157، 159، 161،

افکار

منظومات(30)-------------۷۳---۱۲۵

۱۔	گلِ نخستیں	پہلا پھول	۷۴۔۷۵
۲۔	دعا	دعا	۷۶۔۷۷
۳۔	ہلالِ عید	ہلالِ عید	۷۶۔۷۷
۴۔	بوئے گل	بوئے گل	۷۸۔۷۹
۵۔	نوائے وقت	نوائے وقت	۷۸۔۸۱
۶۔	حیاتِ جاوید	حیاتِ جاوید	۸۲۔۸۳
۷۔	افکارِ انجم	افکارِ انجم	۸۴۔۸۵
۸۔	محاورۂ علم وعشق	مکالمۂ علم وعشق	۸۶۔۸۷
۹۔	زندگی	زندگی	۸۸۔۸۹
۱۰۔	کرمِ کتابی	کرمِ کتابی	۸۸۔۸۹
۱۱۔	کبرو ناز	کبرو ناز	۹۰۔۹۱
۱۲۔	حکمت وشعر	حکمت وشعر	۹۲۔۹۳
۱۳۔	حقیقت	حقیقت	۹۲۔۹۳
۱۴۔	حدی نغمۂ ساربانِ حجاز	نغمۂ ساربانِ حجاز	۹۴۔۹۹
۱۵۔	قطرۂ آب	قطرۂ آب	۱۰۰۔۱۰۲
۱۶۔	محاورہ مابینِ خدا وانسان	خدا اور انسان کے درمیان مکالمہ	۱۰۲۔۱۰۴
۱۷۔	شاہین وماہی	شاہین وماہی	۱۰۴۔۱۰۷
۱۸۔	کرمکِ شب تاب	جگنو	۱۰۶۔۱۰۷
۱۹۔	اگر خواہی حیات اندر خطر زی	جو گزرے بے خطر وہ زندگی کیا	۱۰۸۔۱۰۹
۲۰۔	زندگی	زندگی	۱۱۰۔۱۱۱
۲۱۔	زندگی وعمل	زندگی وعمل	۱۱۲۔۱۱۳
۲۲۔	الملک للہ	الملک للہ	۱۱۲۔۱۱۳
۲۳۔	بہشت	بہشت	۱۱۴۔۱۱۵
۲۴۔	بندگی	بندگی	۱۱۶۔۱۱۷
۲۵۔	غلامی	غلامی	۱۱۶۔۱۱۷
۲۶۔	چیستانِ شمشیر	تلوار کی پہیلی	۱۱۸۔۱۱۹
۲۷۔	جمہوریت	جمہوریت	۱۱۸۔۱۱۹
۲۸۔	غنی کشمیری	غنی کشمیری	۱۲۰۔۱۲۱

۲۹۔ خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا	خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا	۱۲۲۔۱۲۳
۳۰۔ تہذیب	تہذیب	۱۲۴۔۱۲۵

مئے باقی

غزلیات (7) عدد ------------ ۱۲۷ تا ۱۴۱

نمبر شمار	صفحہ نمبر	غزل نمبر	مطلع
-1	151	8	بیا کہ ساقیِ گل چہرہ دست بر چنگ است
-2	152	10	ہوائے فرودیں در گلستاں میخانہ می سازد
-3	153	11	از ما بگو سلامے آں ترکِ تندخُو را
-4	154	12	آشنا ہر خار را از قصۂ ما ساختی
-5	168	27	ہوسِ منزلِ لیلیٰ نہ تو داری و نہ من
-6	176	37	خواجہ نیست کہ چوں بندہ پرستارش نیست
-7	177	38	بیا کہ بلبلِ شوریدہ نغمہ پرداز است

نقشِ فرنگ

منظومات (10) ------------ ۱۴۴ تا ۱۵۹

۳۲۔ جمعیت الاقوام	جمعیت الاقوام	۱۴۴۔۱۴۵
۳۳۔ فلسفہ و سیاست	فلسفہ و سیاست	۱۴۴۔۱۴۵
۳۴۔ حکیم آئن سٹائن	حکیم آئن سٹائن	۱۴۶۔۱۴۷
۳۵۔ پیغامِ برگساں	پیغامِ برگساں	۱۴۸۔۱۴۹
۳۶۔ میخانۂ فرنگ	میخانۂ فرنگ	۱۴۸۔۱۴۹
۳۷۔ شعرا	شعرا	۱۵۰۔۱۵۱
۳۸۔ خطاب بہ انگلستان	خطاب بہ انگلستان	۱۵۲۔۱۵۳
۳۹۔ آزادیِ بحر	آزادیِ بحر	۱۵۲۔۱۵۳
۴۰۔ قسمت نامہ سرمایہ دار و مزدور		۱۵۴۔۱۵۵
۴۱۔ نوائے مزدور	نوائے مزدور	۱۵۶۔۱۵۹

یہ کتاب ایک صد انسٹھ (159) صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ نمبر 7 تا 10 پر 'عرضِ مترجم' کے عنوان سے حضور احمد سلیم کا تحریر کردہ دیباچہ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد صفحہ نمبر 11 تا 159 پر منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔

حصہ لالۂ طور......(رباعیات.... 90 عدد)

رباعی نمبر 8

اصل متن از پیامِ مشرق

جہاں مشتِ گل و دل حاصلِ اوست
ہمیں یک قطرۂ خوں مشکلِ اوست
نگاہِ ما دوبیں افتاد، ورنہ
جہانِ ہر کسے اندر دلِ اوست
(78)

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

یہ دنیا خاک ہے، دل اُس کا حاصل
یہی اک قطرہ خوں ہے اُس کی مشکل
دوبیں اپنی ہی نظریں ہیں وگرنہ
جہانِ آب و گِل کیا ہے بجز دل
(79)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

دنیا مٹھی بھر مٹی ہے اور دل اس کا حاصل،
یہی ایک بوند لہو اس کی مشکل ہے
ہماری نظر ایک کا دو دیکھنے والی ہو گئی ورنہ،
ہر آدمی کی دُنیا اُس کے دل میں ہے (80)

-1 حضور احمد سلیم نے نہایت خوبصورتی اور مہارت سے رباعی نمبر 8 کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔ منثور اردو ترجمہ سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔

-2 اس رباعی کے آخری مصرعے 'جہانِ ہر کسے اندر دلِ اوست' کا مطلب ہے 'ہر آدمی کی دُنیا اُس کے دل میں ہے۔' اس کا منظوم اردو ترجمہ ہے 'جہانِ آب و گِل کیا ہے بجز دل' یعنی یہ دل ہی جہانِ آب و گل (دنیا) ہے۔ یہ منظوم اردو ترجمہ کافی حد تک اصل متن کا مفہوم ادا کرتا ہے۔

رباعی نمبر 13

اصل متن از پیامِ مشرق

دلا نارائی پروانہ تا کے
نگیری شیوۂ مردانہ تا کے
یکے خود را بسوزِ خویشتن سوز
طوافِ آتشِ بیگانہ تا کے
(81)

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

رہے گا صورتِ پروانہ کب تک
خلافِ شیوۂ مردانہ کب تک
کبھی اے دل خود اپنی آگ میں جل
طوافِ آتشِ بیگانہ کب تک
(82)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

اے دل! پروانے کی سی نادانی کب تک؟
تو کب تک مردوں کا چلن اختیار نہیں کرے گا؟
کبھی خود کو اپنی آگ میں جلا

دوسروں کے شعلے کا طواف کب تک؟(83)

-1 رباعی نمبر 13، اس کے منثور ترجمہ اور منظوم اردو ترجمہ کا موازنہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ حضور احمد سلیم نے نہایت خوبصورتی سے فارسی رباعی کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔ یہ منظوم اردو ترجمہ کافی حد تک اصل متن کا مفہوم ادا کرتا ہے۔

-2 منظوم اردو ترجمہ میں فارسی رباعی کے الفاظ 'پروانہ'، 'شیوۂ مردانہ' اور 'طوافِ آتشِ بیگانہ' استعمال کیے گئے ہیں۔ الفاظ 'پروانہ' اور 'شیوۂ مردانہ' تو عام فہم الفاظ ہیں 'طوافِ آتشِ بیگانہ' قدرے مشکل ترکیب ہے۔ عام قاری آسانی سے اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا۔

-3 پہلے مصرعے کا ترجمہ اصل متن سے قدرے مختلف ہے۔ پہلے مصرعے کا مفہوم ہے کہ 'اے دل! پروانے کی سی نادانی کب تک؟' اس کا منظوم اردو ترجمہ کیا گیا ہے 'رہے گا صورتِ پروانہ کب تک'۔ ترجمہ میں پروانے کے کردار کے کمزور پہلو 'نادانی' کا ذکر نہیں ہوا۔ اگلے مصرعے کے ترجمے سے مفہوم واضح ہو جاتا ہے، تاہم پہلے شعر کے منظوم اردو ترجمہ سے اصل شعر کا سا تاثر قائم نہیں ہوتا۔

-4 دوسرے شعر کا منظوم اردو ترجمہ عین درست ہے، تاہم الفاظ 'طوافِ آتشِ بیگانہ' کے استعمال کی وجہ سے یہ ترجمہ قدرے مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔

<u>رباعی نمبر 18</u>

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
تہی رونق سے یہ میخانہ ہوتا	تہی از ہائے و ہو میخانہ بودے
تپش سے آدمی بیگانہ ہوتا	گِلِ ما از شرر بیگانہ بودے
نہ ہوتا عشق یوں ہنگامہ آرا	نبودے عشق و ایں ہنگامۂ عشق
اگر دل جوں خرد فرزانہ ہوتا	اگر دل جوں خرد فرزانہ بودے
(85)	(84)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

میخانہ ہاہو سے خالی ہوتا،
ہماری مٹی چنگاری (کی چمک) سے بیگانہ رہتی
عشق ہوتا اور نہ عشق کا یہ ہنگامہ،
اگر دل، عقل کی طرح سمجھ بُوجھ والا ہوتا (86)

-1 رباعی نمبر <u>18</u> کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن اور منثور اردو ترجمہ کے عین مطابق ہے۔

-2 حضور احمد سلیم نے نہایت خوبصورتی اور مہارت سے فارسی رباعی کو منظوم اردو ترجمہ کی شکل دے دی ہے۔

-3 ان کا ترجمہ سلیس رواں اور عام فہم ہے۔

-4 ترجمہ میں فارسی رباعی کے الفاظ 'تہی'، 'خرد' اور 'فرزانہ' استعمال ہوئے ہیں۔ اگر حاشیہ میں ان کے معانی دے دیے جاتے تو عام قاری آسانی سے منظوم اردو ترجمہ کو سمجھ پاتا۔

رباعی نمبر 30

اصل متن از پیامِ مشرق

بروں از ورطۂ بود و عدم شو
فزوں تر زیں جہانِ کیف و کم شو
خودی تعمیر کن در پیکرِ خویش
چو ابراہیمؑ معمارِ حرم شو
(87)

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

نکل گرداب سے بُود و عدم کے
نہ پابندِ جہانِ کیف و کم ہو
خودی تعمیر کر پیکر میں اپنے
چوں ابراہیمؑ معمارِ حرم ہو
(88)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

ہونے اور نہ ہونے کے بھنور سے نکل جا،
کیسے اور کتنے کی (اس) دنیا سے بلند ہو جا
اپنے تن میں خودی تعمیر کر،
ابراہیم کی طرح کعبے کا معمار بن جا(89)

1- رباعی نمبر 30 کا منظوم اردو ترجمہ فارسی متن اور منثور اردو ترجمہ کے عین مطابق ہے

2- ترجمہ میں اصل رباعی کے الفاظ 'بود و عدم'، 'جہانِ کیف و کم'، 'خودی'، 'تعمیر'، 'پیکر' اور 'چوں ابراہیمؑ معمارِ حرم' استعمال ہوئے ہیں۔

3- منظوم اردو ترجمہ کو سمجھنے کے لیے عام قاری کو الفاظ 'بود و عدم'، 'جہانِ کیف و کم' اور 'چوں ابراہیمؑ معمارِ حرم' کے معانی اور مفاہیم جاننا اور سمجھنا ہوں گے۔ ایسا ترجمہ جسے سمجھنے کے لیے مزید مغز سوزی کی ضرورت ہو عام قاری کو ہرگز فائدہ نہیں دے سکتا۔

4- اوزان و قوافی اور مضمون کی بندش کی وجہ سے حضور احمد سلیم نے فارسی رباعی کے الفاظ و تراکیب پر انحصار کیا ہے۔ انہوں نے فارسی رباعی کے آخری مصرعے کو صرف ایک لفظ کی تبدیلی سے اردو ترجمہ کی شکل دے دی ہے۔ جس وجہ سے ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔

رباعی نمبر 36

اصل متن از پیامِ مشرق

دمادم نقشہائے تازہ ریزد
بیک صورت قرارِ زندگی نیست
اگر امروزِ تو تصویرِ دوش است
بخاکِ تو شرارِ زندگی نیست
(90)

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

بناتی ہے ہر لحظہ نئے نقش
نہیں دائم قرارِ زندگانی
ہے تیرا ''آج'' اگر تصویرِ ''کل'' کی
نہیں تجھ میں شرارِ زندگانی
(91)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

ہر پل نئی نئی صورتیں ڈھالتی ہے،

(کسی) ایک صورت پر زندگی کا ٹھراؤ نہیں
تیرا آج اگر (فقط) کل کی تصویر ہے،
(تو) تیری مٹی میں زندگی کی چنگاری نہیں ہے (92)

1- مندرجہ بالا رباعی کا منظوم اردو ترجمہ فارسی متن اور منثور اردو ترجمہ کے عین مطابق ہے۔
2- فارسی رباعی کو سامنے رکھے بغیر بھی اگر یہ منظوم اردو ترجمہ پڑھیں تو رباعی کا مفہوم سمجھ آتا ہے۔
3- ترجمہ سلیس اور رواں ہے اور مترجم کی فنی مہارت کو ظاہر کرتا ہے۔

رباعی نمبر 37

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم
چو ذوقِ نغمہ ام در جلوت آرد	اگر جلوت میں لائے ذوقِ نغمہ
قیامت افگنم در محفلِ خویش	بپا محفل میں کر دوں شورِ محشر
چو می خواہم دمے خلوت بگیرم	جو پل بھر کو میسر آئے خلوت
جہاں را گم کنم اندر دلِ خویش	دو عالم کو سما لوں دل کے اندر
(93)	(94)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

نغمہ سرائی کا ذوق جب مجھے مجلس میں لے آتا ہے،
میں اپنی محفل میں قیامت اُٹھا دیتا ہوں
جس گھڑی چاہتا ہوں کہ پل بھر کو تنہائی پکڑوں،
تو میں دنیا کو اپنے دل میں گم کر لیتا ہوں (95)

1- فارسی رباعی میں نفسِ مضمون 'فعل حال' میں بیان ہوا ہے۔ اس میں شاعر نے اپنے صلاحیتوں کا ذکر کیا ہے کہ جب نغمہ سرائی کا ذوق مجھے مجلس میں لے آتا ہے تو میں محفل میں انقلاب برپا کر دیتا ہوں۔ جب میں خلوت (تنہائی) میں ہوتا ہوں تو اپنے من میں ڈوب کر ذاتی اصلاح کی کوشش کرتا ہوں۔ رباعی میں عادت اور معمول کا ذکر ہے مگر منظوم اردو ترجمہ میں اسے شرطیہ طرز پر بیان کیا گیا ہے کہ اگر مجھے جلوت (محفل) نصیب ہوئی تو میں انقلاب برپا کر دوں گا اور اگر خلوت نصیب ہوئی تو دنیا کو اپنے دل میں گم کر لوں گا یعنی خارجی دنیا کو بھول کر من میں ڈوب جاؤں گا اور اپنا سراغ پاؤں گا۔ طرزِ بیان کی تبدیلی کی وجہ سے فارسی رباعی میں بیان کی گئی ایسی صلاحیت جس کا اکثر اظہار ہوتا ہے وہ کبھی کبھار، مشروط طور پر ظاہر ہونے والی صلاحیت میں تبدیل ہوگئی ہے۔ اس طرح ترجمہ میں اصل متن کا حقیقی مفہوم ادا نہیں ہو سکا۔
2- منظوم اردو ترجمہ کے شروع میں لفظ 'اگر' کے بجائے 'جب' استعمال کرنے سے ترجمہ اصل متن کے قریب تر ہو سکتا تھا۔

رباعی نمبر 56

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم
ز خوب و زشتِ تو ناآشنایم	خبر کیا مجھ کو تیرے نیک و بد کی

عیارش کردۂ سود و زیاں را
دریں محفل ز من تنہا ترے نیست
بچشمِ دیگرے بینم جہاں را
(96)

کہ تُو سمجھا ہے دولت کو کسوٹی
میں اِس محفل میں ہوں تنہا کہ میں نے
ہے دنیا اَور ہی نظروں سے دیکھی
(97)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

میں تیرے بُرے بھلے سے انجان ہوں،
تو نے فائدے اور نقصان کو کسوٹی بنا رکھا ہے
اس جمگھٹ میں مجھ سے بڑھ کے اکیلا کوئی نہیں،
میں دنیا کو دوسرے کی آنکھ سے دیکھتا ہوں (98)

1- رباعی نمبر 56 کا ترجمہ سلیس، آسان، رواں اور عام فہم ہے۔
2- ترجمہ میں رباعی کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جبکہ اصل رباعی کے الفاظ اور تراکیب استعمال نہیں کی گئیں اس لیے یہ ترجمہ عام فہم ہے۔
3- دوسرے شعر کے پہلے مصرعے کا مطلب ہے کہ 'محفل میں مجھ سے زیادہ تنہا کوئی نہیں ہے' ۔اس کا ترجمہ کیا گیا ہے 'میں اس محفل میں ہوں تنہا کہ میں نے' ۔یہ منظوم اردو ترجمہ اگرچہ اصل متن کے عین مطابق نہیں ،تاہم اس سے شعر کا مفہوم کافی حد تک ادا ہو گیا ہے۔
4- مجموعی طور پر اس رباعی کا ترجمہ بہت آسان، عام فہم اور خوبصورت ہے۔

رباعی نمبر 63

اصل متن از پیامِ مشرق

اگر کردی نگہ بر پارۂ سنگ
ز فیضِ آرزوے تو گہر شد
بزر خود را مسنج اے بندۂ زر
کہ زر از گوشۂ چشمِ تو زر شد
(99)

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

جو پتھر پر نظر پڑ جائے تیری
ترے فیضِ تمنّا سے ہو گوہر
نہ رکھ زر کے مقابل خود کو ناداں
ہے زر تیری نظر کے فیض سے زر
(100)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

اگر تو پتھر کے ٹکڑے پر نظر کرتا،
تیری آرزو کے فیض سے ہیرا بن جاتا
او دولت کے بندے خود کو سونے سے مت تول،
کہ سونا تو تیرے التفات سے زر ہو گیا (101)

1- حضور احمد سلیم نے رباعی نمبر 63 کا بھی آزاد ترجمہ کیا ہے۔انہوں نے نہایت خوبصورتی سے اصل رباعی کا مفہوم ادا کر دیا ہے۔

2- ان کا ترجمہ اصل متن اور منثور اردو ترجمہ کے عین مطابق ہے۔

3- ترجمہ آسان، سلیس اور رواں ہے۔ ترجمہ میں کافی حد تک آسان الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس لیے ترجمہ عام فہم ہے۔

4- ترجمہ آزادانہ حیثیت کا حامل ہے۔ اگر اسے فارسی رباعی اور اس رباعی کے منثور اردو ترجمہ کے بغیر بھی پڑھا جائے تو اس کا مفہوم سمجھ آ جاتا ہے۔

5- مجموعی طور پر یہ ترجمہ آسان اور عام فہم ہے۔ یہ قابلِ تحسین کوشش ہے۔

رباعی نمبر 64

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
بہ ظاہر دل وفا نا آشنا تھا	وفا نا آشنا بیگانہ خو بود
طلسم اک اس کی آنکھوں میں چھپا تھا	نگاہش بے قرار جستجو بود
ہوا رخصت وہ اس کو دیکھ کر یوں	چو دید او را پرید از سینۂ من
اسی کے ہاتھ کا جیسے پلا تھا	ندانستم کہ دست آموزِ او بود
(103)	(102)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

وفا سے انجان، سب سے الگ تھلگ رہنے والا تھا،
اس کی نظر (کسی کی) تلاش میں بے چین رہتی تھی۔
اُسے دیکھتے ہی میرے سینے سے اُڑ گیا،
میں نہیں جانتا تھا کہ (دل) اس کا سدھایا ہوا تھا (104)

1- رباعی نمبر 64 کے دوسرے مصرعے کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ پہلے شعر میں بیان ہُوا ہے کہ (میرا دل) وفا سے انجان اور سب سے الگ تھلگ رہنے کی عادت والا تھا۔ اس کی نظر کسی کی تلاش کی وجہ سے بے قرار تھی۔ مراد یہ ہے کہ میرا دل محبوب کی جستجو میں رہتا تھا۔ وہ سب سے لاتعلق رہتا تھا اور اس کی نگاہ محبوب کو تلاش کرتی رہتی تھی۔

پہلے شعر کے منظوم اردو ترجمہ سے اصل متن کا مفہوم نہیں ملتا۔ دوسرے مصرعے میں بیان ہُوا ہے 'نگاہش (اس کی نگاہ) بے قرار (بے چین) جستجو (تلاش) بود (تھی) یعنی اس (دل) کی نگاہ کسی کی تلاش کی وجہ سے بے قرار تھی'۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ کیا گیا ہے 'طلسم اک اس کی آنکھوں میں چھپا تھا' یعنی اس (محبوب) کی آنکھوں میں جادو تھا'۔ فارسی مصرعے اور اس کے منظوم اردو ترجمہ میں بہت فرق ہے۔

2- دوسرے شعر کا ترجمہ کافی حد تک اصل متن کا مفہوم ادا کرتا ہے، تاہم فارسی شعر میں جس خوبصورتی سے دل کا سینے سے اُڑ کر محبوب کے پاس جانے کا ذکر ہُوا ہے اور لفظ 'دست آموز' کے استعمال سے محب اور محبوب کے باہمی، فطرتی تعلق کو بیان کیا گیا ہے، وہ خوبصورتی ترجمہ میں نظر نہیں آتی۔

3- مجموعی طور پر منظوم اردو ترجمہ صوری و معنوی لحاظ سے اصل متن کی ترجمانی نہیں کرتا۔

رباعی نمبر 66

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم
مشو اے غنچۂ نورستہ دلگیر	اُداس اے غنچے! تُو کس بات پر ہے
ازیں بستاں سرا دیگر چہ خواہی	سرود و شبنم و بادِ سحر ہے
لبِ جو ، بزمِ گُل، مرغِ چمن سیر	طیورِ باغ ، بزمِ گل ، لبِ جُو
صبا ، شبنم ، نوائے صبحگاہی	بتا کیا اور مقصودِ نظر ہے؟
(105)	(106)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

اے تازہ تازہ اُگے ہوئے غنچے اُداس مت ہو،
تو اس باغ سے اور کیا چاہتا ہے
نہر کا کنارہ، پھولوں کا جھرمٹ، چمن میں اُڑتے پھرتے پرندے،
پروائی، شبنم، صبحدم کی چہکار (107)

1- رباعی نمبر 66 میں تازہ کھلنے والی کلی کی دلجوئی کی جارہی ہے اور اسے باغ کی رنگینی اور خوبصورت نظارے سے دل بہلانے کو کہا جارہا ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں طرزِ بیان تبدیل ہوگیا ہے۔ اس میں براہ راست کلی کی دلجوئی نہیں کی جارہی۔ استفہامیہ انداز سے پوچھا جارہا ہے کہ جب اس باغ میں دل لگی کا تمام سامان موجود ہے تو پھر اداسی کس بات کی ہے؟ طرزِ بیان بدلنے سے منظوم اردو ترجمہ میں فارسی رباعی کا سا تاثر قائم نہیں ہوسکا۔ حضور احمد سلیم نے فارسی رباعی کے پہلے شعر کا مفہوم صرف ایک مصرع میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے، جس میں وہ کامیاب نظر نہیں آتے۔

2- انہوں نے پہلے شعر کے دوسرے مصرعے اور دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں نہایت خوبصورتی سے باغ کا نقشہ کھینچا ہے۔

3- انہوں نے دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں فارسی رباعی کے پہلے شعر کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

4- دوسرے شعر کے ترجمہ کو پہلے شعر سے الگ کرکے پڑھیں تو مفہوم واضح کرنے کے لیے اس کے پہلے مصرع کے آخر پر لفظ 'ہے' کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

5- حضور احمد سلیم نے اس رباعی کا آزاد ترجمہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنے الفاظ میں رباعی کا اصل مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ صوری و معنوی لحاظ سے ترجمہ میں اصل رباعی کا سا حُسن نظر نہیں آتا، تاہم مفہوم قریباً وہی ہے۔

رباعی نمبر 79

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم
نفس آشفتہ موجے از یمِ اوست	نفس اک موجِ مضطر اُس کے یم سے

منظوم اردو ترجمہ	اصل متن
نے و نغمہ ہے میرا اُس کے دم سے	نئے ما، نغمۂ ما از دمِ اوست
لبِ جوئے ابد ہوں مثلِ سبزہ	لبِ جوئے ابد چوں سبزہ رُستیم
رگ و ریشہ ہے میرا اُس کے نم سے	رگِ ما ، ریشۂ ما از نمِ اوست
(109)	(108)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

(ہماری) سانس اُس کے سمندر کی ایک بے قرار موج ہے،
ہماری بانسری ہمارا نغمہ اُسی کے دم سے ہے
ہم ابد کی لہر کے کنارے سبزے کی طرح اُگے،
ہماری نشوونما اُسی کی سینچ سے ہے (110)

1- حضور احمد سلیم نے رباعی نمبر 79 کا درست ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ کا نفسِ مضمون اصل رباعی کے نفسِ مضمون کے عین مطابق ہے۔

2- فارسی رباعی میں لفظ 'ما' استعمال ہُوا ہے جس کا مطلب ہے 'ہمارا'۔ حضور احمد سلیم نے شعری ضرورت کے تحت منظوم اردو ترجمہ میں 'ما' کے ترجمہ 'ہمارا' کی جگہ پر لفظ 'میرا' استعمال کیا ہے۔

3- وزن اور قافیہ کی پابندی کی وجہ سے انہوں نے منظوم اردو ترجمہ میں رباعی کے الفاظ 'نفس'، 'ہم'، 'نے' اور 'نم' استعمال کیے ہیں۔ جس وجہ سے مفہوم عام فہم نہیں رہا۔ اگر وہ حاشیہ میں ان الفاظ کے معانی دے دیتے تو عام قاری کے لیے تفہیمِ متن میں آسانی رہتی۔

رباعی نمبر 107

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
خبر کس کو ہے آغازِ خودی کی	ز آغازِ خودی کس را خبر نیست
وہ روز و شب کے حلقے سے ہے باہر	خودی در حلقۂ شام و سحر نیست
بتایا خضر نے مجھ کو یہ نکتہ	ز خضر ایں نکتۂ نادر شنیدم
نہیں بحر اپنی موجوں سے کہن تر	کہ بحر از موجِ خود دیرینہ تر نیست
(112)	(111)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

خودی کی ابتداء کے بارے میں کسی کو خبر نہیں،
خودی صبح و شام کے گھیرے میں نہیں ہے
میں نے خضر سے یہ عجیب بات سُنی،
کہ سمندر اپنی موج سے زیادہ پرانا نہیں (113)

1- رباعی نمبر 107 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

2- ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔

-3 دوسرے شعر کے ترجمہ میں مشکل لفظ 'کہن تر' استعمال ہوا ہے جسے عام قاری نہیں سمجھ سکتا۔ اگر حاشیہ میں اس لفظ کا مطلب دے دیا جاتا تو ترجمہ کی تفہیم میں آسانی پیدا ہو جاتی۔

رباعی نمبر 157

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
نہ صہبا سے بھرا ہے میرا ساغر	بساطم خالی از مُرغ کباب است
نہ دسترخوان پر ہے مرغِ بریاں	نہ در جامم مے آئینہ تاب است
غذا ہے گو مرے آہو کی سبزہ	غزالِ من خورد برگِ گیاہے
ہے اس کے خونِ دل میں مشک پنہاں	ولے خونِ دل او مشکناب است
(115)	(114)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

میرا دسترخوان مرغ مسلم سے خالی ہے،
نہ میرے پیالے میں شیشہ جگمگانے والی شراب ہے
میرا ہرن گھاس کی پتیاں کھاتا ہے،
لیکن اس کا خونِ دل مشکِ ناب ہے (116)

-1 رباعی نمبر 157 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے عین مطابق ہے۔

-2 پہلے شعر میں 'مُرغ کباب' کا ترجمہ 'مرغِ بریاں' سے کیا گیا ہے۔ مُرغِ بریاں سے مراد 'بھنا ہوا، تلا ہُوا مرغ' ہے۔ اس طرح 'مے آئینہ تاب' کا ترجمہ 'صہبا' کیا گیا ہے۔ 'مے آئینہ تاب' کا مطلب شیشہ جگمگانے والی شراب' ہے۔ 'صہبا' سے مراد 'لال شراب' ہے۔ یہ لفظ سفید انگوروں کی شراب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ 'غزال' کا ترجمہ 'آہو' کیا گیا ہے جس سے مراد 'ہرن' ہے۔ 'مشکناب' سے مراد خالص مشک (کستوری) ہے۔ اس کا ترجمہ 'مشک' کیا گیا ہے۔ اس طرح ترجمہ میں لفظ 'پنہاں' استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے چُھپا ہوا۔ فارسی رباعی اور منثور اردو ترجمہ کو مدنظر رکھ کر جائزہ لیں تو واضح ہوتا ہے کہ حضور احمد سلیم نے ترجمہ میں موزوں الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یہ الفاظ کافی زیادہ حد تک اصل متن کی ترجمانی کرتے ہیں، تاہم یہ الفاظ قدرے مشکل ہیں اگر حاشیہ میں ان کے معانی دے دیے جاتے تو عام قاری منظوم اردو ترجمہ سے خاطر خواہ استفادہ کر پاتا۔

فیض احمد فیض لکھتے ہیں:

> ''اُردو اور فارسی میں قربت کے باوجود اظہار و آہنگ کے پیرائے کافی مختلف ہیں فارسی زبان کو تراکیب اور مشتقات کی وجہ سے اجمال و اختصار کی جو سہولتیں حاصل ہیں وہ اردو میں موجود نہیں اس لیے اگر ترجمہ میں مفہوم اور معانی کے علاوہ اوزان وقوانی اور اصوات و آہنگ میں بھی اصل سے تطابق کی سعی کی جائے تو کافی دقتیں پیش آتی ہیں.....'' (117)

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ

1- فارسی بہت فصیح اور بلیغ زبان ہے۔ اس میں جو مضمون چند الفاظ میں بیان ہو سکتا ہے، وہی مضمون اردو میں بیان کرنے کے لیے زیادہ الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

2- ترجمہ میں اگر کوشش کی جائے کہ فارسی کلام کے اوزان وقوافی اور اصوات و آہنگ میں یا اس سے ملتے جلتے انداز میں فارسی کلام کا درست اور مکمل مفہوم ادا کیا جائے تو ایسا کرنا بہت مشکل ہے۔ ایسا کرنے کی کوشش میں منظوم اردو ترجمہ میں فارسی کلام کے مشکل الفاظ اور تراکیب استعمال کرنا پڑتی ہیں جس سے ترجمہ مشکل شکل اختیار کر جاتا ہے اور عام فہم نہیں رہتا۔

فیض احمد فیض، حضور احمد سلیم اور دیگر شعرا کے منظوم اردو تراجم میں قریباً ایک سا رنگ نظر آتا ہے۔ جہاں کہیں مترجم نے اوزان وقوافی اور اصوات و آہنگ میں اصل سے تطابق کی کوشش کی ہے، ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ بعض صورتوں میں ترجمہ اصل متن کی ترجمانی بھی نہ کر پایا۔ ایسے اشعار جن کے اوزان وقوافی اور اصوات و آہنگ میں اصل سے مطابقت قائم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ فارسی کلام کا اصل مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، وہ ترجمہ قدرے آسان، سلیس، رواں اور عام فہم ہے۔

حضور احمد سلیم کے منظوم اردو ترجمہ میں بھی دونوں صورتیں نظر آتی ہیں۔ جہاں کہیں انہوں نے منظوم اردو ترجمہ میں فارسی کلام کے الفاظ وتراکیب استعمال کی ہیں وہاں ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس سلسلہ میں رباعیات نمبر 3، 5، 6، 7، 16، 30، 106، 128، 159 ان کے منظوم اردو تراجم اور منثور اردو تراجم پیشِ خدمت ہیں۔ منظوم اردو تراجم کے مشکل الفاظ کے نیچے خط لگا دیا گیا ہے۔

<u>رباعی نمبر 3</u>

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
گلستاں میں ہے <u>بادِ فرودیں</u> عشق	بباغاں بادِ فرودیں دہد عشق
<u>بیاباں</u> میں ہے <u>غنچہ آفریں</u> عشق	براغاں غنچہ چوں پرویں دہد عشق
<u>شعاعِ مہر</u> ہے <u>دِریا</u> میں گویا	شعاعِ مہرِ او قلزم شگاف است
کہ <u>ماہی</u> کو ہے <u>چشم راہ بیں</u> عشق	بماہی دیدۂ رہ بیں دہد عشق
(119)	(118)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

عشق باغوں کو بہار کی ہوا دیتا ہے،
عشق جنگلوں کو ستاروں کے گچھے ایسی کلیاں بخشتا ہے
اُس کے سورج کی کرن سمندر چیرنے والی ہے،
عشق مچھلی کو راستہ دیکھنے والی آنکھ عطا کرتا ہے (120)

<u>رباعی نمبر 5</u>

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
ہے <u>برگِ گل</u> میں <u>رنگ آمیزیٔ عشق</u>	بہ برگِ لالہ رنگ آمیزیٔ عشق
مری جاں میں <u>بلا انگیزیٔ عشق</u>	بجانِ ما بلا انگیزیٔ عشق

اگر ایں خاکداں را واشگافی	کوئی اس خاکداں کے دل کو چیرے
درونش بنگری خونریزیٔ عشق	تو پائے گا وہاں خونریزیٔ عشق
(121)	(122)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

لالے کی پنکھڑیوں میں عشق کی رنگ آمیزی،
ہماری جانوں میں عشق کی بلا انگیزی
اگر تو اس زمین کو چیرے،
تو اس کے بھیتر عشق کی خونریزی دیکھ لے گا (123)

رباعی نمبر 6

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم
نہ ہر کس از محبت مایہ دار است	محبت سے ہر اک کب بہرہ ور ہے
نہ با ہر کس محبت سازگار است	محبت راس ہی سب کو کدھر ہے
بروید لالہ با داغِ جگر تاب	اگر ہے لالہ با داغِ جگر تاب
دلِ لعلِ بدخشاں بے شرار است	دلِ لعلِ بدخشاں بے شرر ہے
(124)	(125)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

ہر آدمی محبت کی دولت نہیں رکھتا،
نہ محبت ہر کسی کو موافق آتی ہے
لالہ جگر چمکانے والا داغ لیے اُگتا ہے،
لعلِ بدخشاں کے دل میں کوئی شرارہ نہیں ہے (126)

رباعی نمبر 7

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم
دریں گلشن پریشاں مثلِ بویم	پریشاں اس چمن میں، مثلِ بُو ہوں
نمی دانم چہ می خواہم، چہ جویم	طلب میں کس کی گرمِ جستجو ہوں
برآید آرزو یا بر نیاید	بر آئے آرزو یا بر نہ آئے
شہیدِ سوز و ساز آرزویم	شہیدِ سوز و سازِ آرزو ہوں
(127)	(128)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

میں اس گلشن میں خوشبو کی طرح سرگرداں ہوں،
نہیں جانتا کیا چاہتا ہوں کیا ڈھونڈتا ہوں
آرزو بر آئے یا نہ آئے،
میں تو بس آرزو کے سوز و ساز کا مارا ہوا ہوں (129)

رباعی نمبر 16

اصل متن از پیامِ مشرق

بہ یزداں روزِ محشر برہمن گفت
فروغِ زندگی تابِ شرر بود
ولیکن گر نرنجی با تو گویم
صنم از آدمی پایندہ تر بود
(130)

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

برہمن حشر میں یزداں سے بولا
فروغِ زندگی رقصِ شرر تھا
نہ مانے گر بُرا تو یہ کہوں میں
کہ انساں سے صنم پایندہ تر تھا
(131)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

قیامت کے دن برہمن خدا سے بولا،
زندگی کی چھوٹ (گویا) چنگاری کی چمک تھی
لیکن اگر ناراض نہ ہو تو تجھ سے کہہ دوں،
(دُنیا میں) بُت آدمی سے زیادہ پائندہ تھا (132)

رباعی نمبر 30

اصل متن از پیامِ مشرق

بروں از ورطۂ بود و عدم شو
فزوں تر زیں جہانِ کیف و کم شو
خودی تعمیر کن در پیکرِ خویش
چو ابراہیمؑ معمارِ حرم شو
(133)

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

نکل گرداب سے بُود و عدم کے
نہ پابندِ جہانِ کیف و کم پر ہو
خودی تعمیر کر پیکر میں اپنے
چوں ابراہیمؑ معمارِ حرم ہو
(134)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

ہونے اور نہ ہونے کے بھنور سے نکل جا،
کیسے اور کتنے کی (اس) دُنیا سے بلند ہو جا
اپنے تن میں خودی تعمیر کر،
ابراہیمؑ کی طرح کعبے کا معمار بن جا (135)

رباعی نمبر 106

اصل متن از پیامِ مشرق

میانِ آب و گل خلوت گزیدم
ز افلاطون و فارابی بریدم
نہ کردم از کسے دریوزۂ چشم
جہاں را جز بچشمِ خود ندیدم
(136)

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

رہا دنیائے آب و گِل میں تنہا
کہ افلاطون و فارابی کو چھوڑا
نگاہوں کی نہ دریوزہ گری کی
جہاں کو اپنی ہی آنکھوں سے دیکھا
(137)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

پانی اور مٹی کے بیچ میں نے تنہائی اختیار کی،
افلاطون اور فارابی سے کنارہ کیا
میں نے کسی سے بھیک میں نگاہ نہیں مانگی،
دُنیا کو بس اپنی آنکھوں سے دیکھا (138)

رباعی نمبر 128

اصل متن از پیامِ مشرق

ز من گو صوفیانِ باصفا را
خدا جویانِ معنی آشنا را
غلامِ ہمّتِ آں خود پرستم
کہ با نورِ خودی بیند خدا را
(139)

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

یہ کہنا صوفیانِ با صفا کو
خدا جویانِ معنی آشنا کو
کہ میں بندہ ہوں اُس حق آشنا کا
جو اپنے نور سے دیکھے خدا
(140)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

میری طرف سے پاک باطن صوفیوں سے کہنا،
(یعنی) خدا کو ڈھونڈنے والے گیانیوں سے
میں (تو) اُس خود پرست کی ہمت کا بندہ ہوں،
جو خدا کو خودی کے نور سے دیکھتا ہے (141)

رباعی نمبر 159

اصل متن از پیامِ مشرق

بحرف اندر نگیری لامکاں را
درونِ خود نگر، ایں نکتہ پیداست
بہ تن جاں آنچناں دارد نشیمن
کہ نتواں گفت اینجا نیست آنجاست
(142)

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

بیاں میں آئے کب جو لامکاں ہے
تو خود میں دیکھ، یہ نکتہ عیاں ہے
ہے تن میں جان، مشکل ہے یہ کہنا
نہیں ہے کس جگہ وہ یا کہاں ہے
(143)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

تو لامکاں کو لفظوں میں نہیں سمو سکتا،
اپنے بھیتر جھانک (جہاں) یہ بھید ظاہر ہے
روح بدن میں اس طرح سمائی ہوئی ہے،
کہ (یہ) نہیں کہا جا سکتا وہاں ہے، یہاں نہیں (144)

1- رباعی نمبر 3 کے منظوم اردو ترجمہ میں مشکل الفاظ 'بادِفرودیں'، 'بیاباں'، 'غنچہ آفریں'، 'شعاعِ مہر'، 'ماہی' اور

'چشم راہ بیں' استعمال ہوئے ہیں۔

2- اس رباعی کے منظوم اردو ترجمہ میں لفظ 'فرودیں' غلط لکھا ہوا ہے۔ فارسی رباعی میں دیا گیا درست لفظ 'فَروَرْدِیں' ہے۔ جس کا مطلب ہے 'بہار کا پہلا مہینہ'۔ 'بادِ فروردیں' سے مراد 'موسمِ بہار کی ہوا' ہے۔

3- رباعی نمبر 5 کے منظوم اردو ترجمہ میں فارسی رباعی کے مشکل الفاظ 'رنگ آمیزیٔ عشق'، 'بلا انگیزیٔ عشق'، 'خاکداں' اور 'خونریزیٔ عشق' استعمال ہوئے ہیں۔ ترجمہ سے اصل رباعی کا مفہوم ادا ہوتا ہے، تاہم ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔

4- رباعی نمبر 6 کے پہلے شعر کا منظوم اردو ترجمہ آسان، عام فہم، سلیس اور رواں ہے۔ دوسرے شعر میں دو الفاظ 'اگر' اور 'ہے' کے علاوہ تمام الفاظ وتراکیب فارسی شعر کی ہیں۔ اسے سمجھنے کے لیے مزید ترجمہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

5- رباعی نمبر 7 کا منظوم اردو ترجمہ سلیس، آسان اور عام فہم ہے۔ یہ ترجمہ اصل متن کے قریب تر ہے۔ آخری مصرعے میں صرف ایک لفظ تبدیل کر کے اسے اردو ترجمہ کی شکل دے دی گئی ہے۔

6- اصل متن کے مفہوم کی ادائیگی کے لحاظ سے رباعی نمبر 16 کا منظوم اردو ترجمہ عین درست ہے۔ اس ترجمہ میں فارسی رباعی کے الفاظ 'یزداں'، 'فروغِ زندگی' اور 'پائندہ تر' استعمال ہوئے ہیں جس سے منظوم اردو ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ اسے منثور اردو ترجمہ کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ مزید یہ کہ شرح کے بغیر اس منظوم اردو ترجمہ کا مفہوم نہیں سمجھا جا سکتا۔

7- رباعی نمبر 128 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔ دوسرے شعر کا ترجمہ قدرے زیادہ سلیس، آسان اور عام فہم ہے۔ پہلے شعر میں فارسی شعر کے الفاظ 'صوفیانِ باصفا'، اور 'خدا جویانِ معنی آشنا' استعمال ہوئے ہیں جس سے ترجمہ مشکل اختیار کر گیا ہے۔ فارسی رباعی کے پہلے شعر کا دوسرا مصرع صرف ایک لفظ کی تبدیلی کے ساتھ دے دیا گیا ہے۔ اس شعر کے پہلے مصرعے میں تین الفاظ تبدیل کر کے اسے اردو شکل دے دی گئی ہے۔ اس طرح کا ترجمہ عموماً مشکل ہوتا ہے۔ یہی صورتِ حال اس ترجمہ میں نظر آ رہی ہے۔

8- رباعی نمبر 159 کا ترجمہ بہت خوبصورت، سلیس، رواں اور اصل متن کے عین مطابق ہے۔ ترجمہ میں بے ساختگی نظر آتی ہے۔ فارسی رباعی اور منثور اردو ترجمہ کے مطابق یہ ترجمہ اصل متن کے عین درست ہے۔

مندرجہ بالا تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ حصۂ لالہ طور کی منتخب رباعیات کا زیادہ تر منظوم ترجمہ اصل متن کے عین مطابق اور درست ہے۔ صرف چند ایک مقامات پر ترجمہ اصل متن سے ہٹ کر ہے۔ ترجمہ میں بعض مقامات پر اصل کلام کے مشکل الفاظ وتراکیب کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے، تاہم مشکل الفاظ پر مبنی یہ ترجمہ بھی اصل متن کے قریب تر ہے۔ حضور احمد سلیم نے بعض مقامات پر اصل کلام کے اوزان وقوافی کی پابندی کے بجائے اپنے انداز سے اور اپنی مرضی کے اوزان و قوافی کی مدد سے فارسی کلام کا اصل مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا یہ ترجمہ زیادہ سلیس، آسان، رواں اور عام فہم ہے۔

منظوم اردو ترجمہ..... افکار (30 نظمیں)

نوائے وقت

(1)

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
خورشید بداماں ہوں ، انجم بگریباں ہوں	خورشید بہ دامانم ، انجم بہ گریبانم
ظاہر میں نہیں کچھ بھی، باطن میں مگر جاں ہوں	در من نگری ہیچم ، در خود نگری جانم
میں شہر و بیاباں ہوں، ایوان و شبستاں ہوں	در شہر و بیابانم در کاخ و شبستانم
میں درد ہوں ، درماں ہوں، میں عیش فراواں ہوں	من دردم و درمانم، من عیشِ فراوانم
میں تیغ برہنہ ہوں، میں چشمۂ حیواں ہوں	من تیغِ جہاں سوزم ، من چشمۂ حیوانم

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

میرے دامن میں سورج، میرے گریبان میں ستارے
تو مجھے دیکھے تو میں کچھ بھی نہیں، تو اپنے آپ میں جھانکے تو میں تیری جان ہوں
شہر اور بیابان میں ہوں، میں حجرے اور ایوان میں ہوں میں،
میں دکھ ہوں اور سکھ کا دارو، میں سکھ کا انبار
میں دنیا پھونکنے والی تلوار ہوں، میں زندگی کا سوتا

1- نظم 'نوائے وقت' کے پہلے بند کا ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔

2- منظوم اردو ترجمہ میں فارسی متن کے الفاظ 'خورشید بداماں'، 'انجم بگریباں'، 'بیابان'، 'شبستان'، 'درد'، 'درماں'، 'عیشِ فراواں' اور 'چشمۂ حیواں' استعمال ہُوئے ہیں۔ یہ الفاظ اتنے مشکل نہیں اور ان کے بغیر مفہوم کی ادائیگی بھی ممکن نہ تھا۔ اس لیے ترجمہ میں یہ الفاظ استعمال کرنا پڑے۔

3- مجموعی طور پر تمام بند کا ترجمہ درست ہے۔ دوسرے مصرعے کا ترجمہ درست نہیں ہے۔ دوسرا مصرع ہے 'در من نگری ہیچم، در خود نگری جانم'۔ اس کا مطلب ہے 'تو مجھے دیکھے تو میں کچھ بھی نہیں، تو اپنے آپ میں جھانکے تو میں تیری جان ہوں'۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ کیا گیا ہے 'ظاہر میں نہیں کچھ بھی، باطن میں مگر جاں ہوں'۔ یہ ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

(2)

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
ہے ایک غبار اپنا چنگیزی و تیموری	چنگیزی و تیموری ، مشتے ز غبارِ من
ہے ایک شرارِ اپنا ہنگامۂ افرنگی	ہنگامۂ افرنگی ، یک جستہ شرارِ من
دنیا ہو کہ انساں ہوں، سب نقش ہیں میرے ہی	انسان و جہانِ او ، از نقش و نگارِ من
سامانِ بہاراں ہے جاں بازوں کی خوں ریزی	خونِ جگر مرداں ، سامانِ بہارِ من
میں آتشِ سوزاں ہوں، میں روضۂ رضواں ہوں	من آتشِ سوزانم ، من روضۂ رضوانم

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

چنگیز کی آندھی اور تیمور کا جھکڑ میرے اڑائے ہوئے غبار کی ایک مٹھی،
فرنگیوں کا ہنگامہ میرے الاؤ سے چھوٹی ہوئی ایک چنگاری
انسان اور اس کا عالم میرے بنائے ہوئے بیل بوٹے،
جواں مردوں کا خونِ جگر میری بہار کا سامان
میں بھڑکی ہوئی آگ ہوں میں رضوان کا باغ

1- مجموعی طور پر دوسرے بند کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

2- منظوم اردو ترجمہ میں فارسی متن کے الفاظ 'چنگیزی و تیموری'، 'ہنگامہ' افرنگی'، 'نقش'، 'آتشِ سوزاں اور 'روضۂ رضواں' استعمال ہوئے ہیں۔ اس بند کا مفہوم سمجھنے کے لیے ان الفاظ کے معانی سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ منظوم اردو ترجمہ کے ساتھ فرہنگ اور حواشی کا اہتمام ہونا چاہیے اور منثور اردو ترجمہ بھی دیا جانا چاہیے تا کہ ہر کوئی اپنی ذہنی و علمی سطح کے مطابق اس ترجمہ سے استفادہ کر سکے۔

(3)

اصل متن از پیامِ مشرق

آسودہ و سیّارم، ایں طرفہ تماشا بیں
در بادۂ امروزم ، کیفیتِ فردا بیں
پنہاں بہ ضمیرِ من ، صد عالمِ رعنا بیں
صد کوکبِ غلطاں بیں، صد گنبدِ خضرا بیں
من کسوتِ انسانم ، پیراہنِ یزدانم

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

سیّار بھی ساکن بھی، یہ طُرفہ تماشا دیکھ
امروز کی صہبا میں کیفیتِ فردا دیکھ
پوشیدہ مرے دل میں صد عالمِ رعنا دیکھ
صد کوکبِ غلطاں دیکھ، صد گنبدِ خضرا دیکھ
میں جامۂ انساں ہوں ، پیراہنِ یزداں ہوں

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

میں ساکن بھی ہوں اور گردش میں بھی، یہ انوکھا تماشا دیکھ،
میری آج کی شراب میں آنے والے کل کی مستی دیکھ
میرے بھیتر چھپے ہوئے سیکڑوں خوشنما عالم دیکھ،
سیکڑوں چمکتے ہوئے ستارے سیکڑوں آسمان
میں انسان کی پوشاک ہوں، میں خدا کا لباس

1- مجموعی طور تیسرے بند کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

2- منظوم اردو ترجمہ میں فارسی متن کے الفاظ 'طرفہ تماشا'، 'کیفیتِ فردا'، 'صد عالمِ رعنا'، 'صد کوکبِ غلطاں'، 'صد گنبدِ خضرا' اور 'پیراہنِ یزداں' استعمال ہوئے ہیں جن کے 'فرہنگ' یا 'حاشیہ' میں معانی دے کر ترجمہ عام فہم بنایا جاسکتا ہے۔

(4)

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
تقدیر فسوں میرا ، تدبیر فسوں تیرا	تقدیر فسونِ من ، تدبیر فسونِ تو
تُو عاشق لیلیٰ ہے ، میں دشت جنوں تیرا	تو عاشقِ لیلاے، من دشت جنونِ تو
میں پاک و منزہ ہوں ، کیا عذر سنوں تیرا	چوں روحِ رواں پاکم، از چند و چگونِ تو
تُو رازِ دروں میرا ، میں رازِ دروں تیرا	تو رازِ درونِ من ، من رازِ درونِ تو
میں تجھ ہی سے ظاہر ہوں میں تجھ ہی میں پنہاں ہوں	از جانِ تو پیدایم ، درجانِ تو پنہانم

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

تقدیر میرا جادو، تدبیر تیرا ٹوٹکا،
تو لیلیٰ کا عاشق ہے، میں تیرے جنون کا صحرا
میں زندہ اور آزاد روح کی طرح تیرے کیسے اور کتنے کے بکھیڑوں سے پاک ہوں،
تو میرے باطن کا راز ہے میں تیرے بھیتر کا بھید
میں تیری جان سے ظاہر ہوں اور تیری روح میں پوشیدہ

1- منظوم اردو ترجمہ میں فارسی متن کے الفاظ 'تقدیر'، 'فسوں'، 'تدبیر'، 'عاشقِ لیلیٰ'، 'دشتِ جنوں'، 'رازِ دوروں' اور 'پنہاں' استعمال ہوئے ہیں جس سے ترجمہ قدرے مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ گو یہ الفاظ بہت مشکل نہیں مگر لازمی نہیں کہ ہر قاری ان کے معانی سے آگاہ ہو۔

2- تیسرے مصرعے کا ترجمہ متن کے مطابق نہیں ہے۔ تیسرا مصرع ہے 'چوں روحِ رواں پاکم' از چند و چگونِ تو'۔ اس کا منثور اردو ترجمہ ہے 'میں زندہ اور آزاد روح کی طرح تیرے کیسے اور کتنے کے بکھیڑوں سے پاک ہو'۔ اس کا منظوم ترجمہ کیا گیا ہے 'میں پاک و منزہ ہوں، کیا عذر سنوں تیرا'۔ یہ ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

(5)

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
رہرو ہوں میں تُو منزل ، میں کشت ہوں تُو حاصل	من رہرو و تو منزل، من مزرع و تو حاصل
تُو سازِ طرب افزا ، تُو گرمیِ ہر محفل	تو سازِ صد آہنگے ، تو گرمئ ایں محفل
اے خاک بسر انساں ، پہچان مقامِ دل	آوارۂ آب و گِل ! دریاب مقامِ دل
کوزے میں سمایا ہے اِک قلزمِ بے ساحل	گنجیدہ بہ جامے بیں، ایں قلزمِ بے ساحل
میں تیری ہی موجوں سے اُٹھتا ہوا طوفاں ہوں	از موجِ بلندِ تو سربرزدہ طوفانم
(146)	(145)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

میں مسافر ہوں اور تو منزل، میں کھیتی ہوں اور تو فصل تو بے شمار نغموں سے بھرا ہوا ساز ہے،
اس محفل کی رنگارنگی اور رونق تیرے ہی دم سے ہے
اے مٹی اور پانی کے بیچ بھٹکنے والے! دل کا ٹھکانا بوجھ،
ایک پیالے میں سمایا ہوا یہ بے کنار سمندر دیکھ
میں تیری ہی اونچی لہر سے برپا ہونے والا طوفان ہوں (147)

1- مندرجہ بالا بند کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور عین درست ہے۔

2- منظوم اردو ترجمہ میں مشکل الفاظ 'سازِ طرب افزا' اور 'قلزم بے ساحل' استعمال ہوئے ہیں جن کی تسہیل کی ضرورت ہے۔

مجموعی طور پر نظم 'نوائے وقت' کا ترجمہ متن کے مطابق اور عین درست ہے۔ فارسی کلام میں بیان کیے گئے نفسِ مضمون، وزن اور قافیہ، ردیف کی پابندی کی وجہ سے منظوم اردو ترجمہ میں مشکل الفاظ استعمال کرنا پڑتے ہیں۔ منثور اردو ترجمہ کی طرح منظوم اردو ترجمہ میں آسان اور عام فہم الفاظ استعمال کرنے کی آزادی حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے عموماً منظوم اردو ترجمہ مشکل ہوتا ہے۔ اگر فارسی متن کے ساتھ منظوم اردو ترجمہ دیا جائے اور عام قارئین کی سہولت کے لیے فارسی متن کا منثور اردو ترجمہ اور منظوم اردو ترجمہ کے مشکل الفاظ کے معانی بھی دے دیے جائیں تو پھر عام قاری منظوم تراجم سے کماحقہٗ استفادہ کرسکتا ہے۔

کرمِ کتابی

1

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم
شنیدم شبے در کتب خانۂ من	سنا میں نے اپنے کتب خانے میں شب
بہ پروانہ می گفت کرمِ کتابی	پتنگے سے کہتا تھا کرمِ کتابی

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

میں نے ایک رات اپنے کتب خانے میں سنا،
دیمک پروانے سے کہہ رہی تھی

2

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم
باوراق سینا نشیمن گرفتم	ورق ابنِ سینا کے سب چاٹ ڈالے
بسے دیدم از نسخۂ فاریابی	نہ چھوڑا کوئی نسخۂ فاریابی

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

میں نے بوعلی سینا کی پوتھیوں میں بسیرا کیا،
فاریابی کی بہتیری کتابیں دیکھ ڈالیں

3

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
سمجھ میں نہ کچھ حکمتِ زیست آئی	نفہمیدہ ام حکمتِ زندگی را
وہی تیرہ روزی ہے با صد خرابی	ھماں تیرہ روزم ز بے آفتابی

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

میں زندگی کی حکمت سے اب تک انجان ہوں،
سورج کے نہ ہونے سے میرے دن اسیطرح تاریک ہیں

4

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
سڑے سوزِ دل سے پتنگا یہ بولا	نکو گفت پروانۂ نیم سوزے
یہ نکتہ نہیں ہے میری جاں کتابی	کہ ایں نکتہ را در کتابے نیابی

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

ایک ادھ جلے پتنگے نے خوب کہا،
کہ تو اس بھید کو کسی کتاب میں نہیں پائے گی

5

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
تپش کرتی ہے زندہ تر زندگی کو	تپش می کند زندہ تر زندگی را
تپش دیتی ہے بال و پَر زندگی کو	تپش می دہد بال و پر زندگی را
(149)	(148)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

تپش زندگی کو زندہ تر کرتی ہے،
تپش زندگی کو بال و پر دیتی ہے (150)

1- مجموعی طور پر نظم 'کرم کتابی' کا منظوم اردو ترجمہ، اصل متن اور منثور اردو ترجمہ کے عین مطابق ہے۔
2- ترجمہ سلیس، آسان، عام فہم اور رواں ہے۔
3- تمام نظم میں سوائے ایک دو الفاظ کے، آسان اور عام فہم الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔
4- یہ ترجمہ صوری و معنوی لحاظ سے اصل متن کی نمائندگی کرتا ہے اور شاعر کی قادرالکلامی کا ثبوت ہے۔

نظم قطرۂ آب، اس کا منظوم اردو ترجمہ اور منثور ترجمہ از ملاحظہ کریں۔

قطرۂ آب

①

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
ہے معنیٔ تازہ مرا مدعا	مرا معنیٔ تازۂ مدعا ست
کہی بات دہراؤں تو ہے بجا	اگر گفتہ را باز گویم رواست

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

مجھے ایک نئے معنی سے مطلب ہے،
اگر کہے ہوئے کو دہراؤں تو بھی جائز ہے

②

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم
”یکے قطرہ باراں ز ابرے چکید	گرا قطرہ بارش کا اِک ابر سے
خجل شد چو پہنائے دریا بدید	جو دریا کو دیکھا تو ہوش اُڑ گئے

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

بارش کا ایک قطرہ بادل سے ٹپکا،
دریا کی وسعت دیکھ کر شرما گیا

③

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم
کہ جاے کہ دریاست من کیستم	کہ دریا کے آگے میں کیا چیز ہوں
گر او ہست حقا کہ من نیستم“	جہاں وہ ہے ، واللہ میں ناچیز ہوں

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

کہ جہاں دریا ہو وہاں میں کیا ہوں،
اگر وہ ہے تو خدا کی قسم میں نہیں ہوں

④

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم
و لیکن ز دریا برآمد خروش	اسی وقت دریا سے آئی صدا
ز شرمِ تنک مایگی روپوش	کہ تُو اپنی کم مایگی پر نہ جا

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

لیکن دریا سے آواز آئی،
بے سروسامانی کی شرم سے منہ مت چھپا

⑤

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم
تماشاے شام و سحر دیدۂ	بہت تُو نے دیکھے ہیں شام و سحر
چمن دیدۂ، دشت و در دیدۂ	خیابان و گلزار و صحرا و در

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

تو نے شام وسحر کا تماشا دیکھ ہوا ہے،

باغ دیکھا ہے جنگل اور گھاٹی دیکھ رکھے ہیں

⑥

اصل متن از پیامِ مشرق — منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

به برگِ گیاهے ، بدوشِ سحاب — تری جلوه گا ہیں گیاه و سحاب
درخشیدی از پرتوِ آفتاب — ملی تجھ کو خورشید سے آب و تاب

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

گھاس کی پتی پر بادل کے دوش پر،
تو سورج کی کرن سے جگمگایا

⑦

اصل متن از پیامِ مشرق — منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

گہے ہمدمِ تشنہ کامانِ راغ — بجھائی کبھی تُو نے صحرا کی پیاس
گہے محرمِ سینہ چاکانِ باغ — بندھائی کبھی اہلِ گلشن کی آس

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

کبھی صحرا میں پیاس کے ماروں کا ہمدم،
کبھی چمن کے سینہ چاکوں کا رازدار

⑧

اصل متن از پیامِ مشرق — منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

گہے خفتہ در تاک و طاقت گداز — کبھی بن کے طاقت رگِ تاک میں
گہے خفتہ در خاک و بے سوز و ساز — کبھی محوِ آسودگی خاک میں

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

کبھی انگور کی بیل میں سویا ہوا اور دم خم توڑ دینے والا،
کبھی مٹی میں خابیدہ اور سوز و ساز سے خالی

⑨

اصل متن از پیامِ مشرق — منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

ز موجِ سبک سیرِ من زادۂ — مری موج نے تجھ کو پیدا کیا
ز من زادۂ در من افتادۂ — مجھی سے بالآخر تُو پھر آ ملا

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

تو میری تیز رفتار موج سے پیدا ہوا،
مجھ سے جنم لیا اور مجھی میں آن گرا

⑩

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
اب آسودگی میرے سینے میں پا	بیا سائے در خلوتِ سینہ ام
اس آئینے میں اپنے جوہر دکھا	چو جوہر درخش اندر آئینہ ام

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

میرے چھاتی کی خلوت میں آرام کر،
میرے آئینے میں جوہر کی طرح چمک

⑪

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
گہر بن کے آغوشِ قلزم میں جی	گہر شو در آغوشِ قلزم بزی
درخشندہ رہ چاند تاروں سے بھی	فروزاں تر از ماہ و انجم بزی
(152)	(151)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

موتی بن کر دریا کے آغوش میں رہ،
چاند اور ستاروں سے زیادہ چمکتے دمکتے ہوئے زندگی گزار (153)

-1 مجموعی طور پر نظم 'قطرۂ آب' کا منظوم اردو ترجمہ، اصل متن اور منثور اردو ترجمہ کے عین مطابق ہے۔
-2 ترجمہ سلیس، آسان، عام فہم اور رواں ہے۔
-3 تمام نظم میں سوائے ایک دو الفاظ کے، آسان اور عام فہم الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔
-4 یہ ترجمہ صوری و معنوی لحاظ سے اصل متن کی نمائندگی کرتا ہے اور شاعر کی قادرالکلامی کا ثبوت ہے۔

مئے باقی..... غزلیات (7 عدد)

غزل نمبر 11

①

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
میرا سلام کہنا اُس یارِ تُندخو کو	از ما بگو سلامے آں ترکِ تند خو را
پھونکا نظر سے جس نے اک شہر آرزو کو	کآتش زد از نگاہے یک شہر آرزو را

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

ہماری طرف سے اُس آگ کے بنے تُرک سے کہنا،
کہ تو نے ایک نگاہ سے تمنا کا پورا شہر پھونک ڈالا

②

اصل متن از پیامِ مشرق

این نکتہ را شناسد آں دل کہ درد مند است
من گرچہ توبہ گفتم، نشکستہ ام سبو را

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

اس نکتے سے ہے واقف بس دردمند دل ہی
توبہ تو کی ہے میں نے، توڑا نہیں سبو کو

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

وہ دل اِس بھید کو بوجھ لے گا جو درد مند ہے،
میں نے اگرچہ توبہ کا اعلان کیا مگر پیالہ توڑا نہیں

③

اصل متن از پیامِ مشرق

اے بلبل از وفایش صدبار با تو گفتم
تو درکنار گیری، باز ایں رمیدہ بو را

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

میں کہہ چکا ہوں بلبل! گل باوفا ہے جیسا
آغوش میں لیے ہے پھر اُس رمیدہ بو کو

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

اے بلبل میں نے سو بار تجھے اس کی وفا کا حال سنایا،
تو پھر اس بے اعتبارے کو سینے سے لگا لیتی ہے

④

اصل متن از پیامِ مشرق

رمزِ حیات جوئی؟ جز در تپش نیابی
در قلزم آرمیدن ننگ است آبجو را

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

ہے سوزِ جستجو میں رمزِ حیات پنہاں
عیشِ پناہ قلزم ہے ننگ آبِ جُو کو

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

تو زندگی کی کنہ کھوجتا ہے، بے کلی اور تڑپ میں ملے گی اور کہیں نہیں،
ندی کے لیے سمندر میں شانت ہو جانا باعث شرم ہے۔

⑤

اصل متن از پیامِ مشرق

شادم کہ عاشقاں را سوزِ دوام دادی
درماں نیافریدی آزارِ جستجو را

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

خوش ہوں کہ عاشقوں کو سوزِ دوام بخشا
ہے لاعلاج رکھا آزارِ جستجو کو

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

میں خوش ہوں کہ تو نے عاشقوں کو ہمیشہ رہنے والی جی کی جلن بخشی،
(اور) طلب کے روگ کا دارو نہیں پیدا کیا

⑥

اصل متن از پیامِ مشرق

گفتی مجو وصالم، بالاتر از خیالم
عذرِ نو آفریدی اشکِ بہانہ جو را

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم

مشکل ہے وصل میرا، یہ کہہ کے تو نے ظالم
کیا عذرِ نو تراشا اشکِ بہانہ جو کو

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

تو نے کہا میرے وصال کی طلب مت کر میں خیال سے بھی بلند ہوں،
(پھوٹ بہنے کا) بہانہ ڈھونڈنے والے آنسوؤں کو تو نے راہ سجھا دی

⑦

اصل متن از پیامِ مشرق

از نالہ برگلستاں آشوب محشر آور
تادم بہ سینہ پیچد مگذار ہائے و ہو را
(154)

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیمؔ

طوفانِ حشر اُٹھادے نالوں سے گلستاں میں
جب تک نفس ہے باقی، مت چھوڑ ہا و ہُو کو
(155)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

دکھ بھرے دل کی پکار سے باغ پر قیامت لے آ،
جب تک چھاتی میں دم ہے نالہ وفریاد مت چھوڑ (156)

1- سات اشعار پر مشتمل مندرجہ بالا غزل کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن اور اس کے منثور اردو ترجمہ کے عین مطابق اور درست ہے۔

2- شعر نمبر 4 اور شعر نمبر 6 کا ترجمہ قدرے زیادہ مشکل ہے۔ شعر نمبر 4 کا منثور اردو ترجمہ بھی عام فہم نہیں ہے۔ منثور اردو ترجمہ میں الفاظ 'کنہ'، 'بے کلی' اور 'شانت' استعمال ہونے کی وجہ سے ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے اس شعر کا آسان اور عام فہم ترجمہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''تو زندگی کی رمز تلاش کرتا ہے یہ تڑپ یا عشق کے بغیر ہاتھ نہیں آئے گی + سمندر میں آرام سے رہنا نہر کے لیے باعث شرم ہے مراد یہ ہے کہ زندگی مسلسل اضطراب کا نام ہے۔'' (157)

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے منثور اردو ترجمہ کے مطابق حضور احمد سلیمؔ کے منظوم اردو ترجمہ کا جائزہ لیں تو واضح ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ کافی زیادہ مشکل ہے۔ جس طرح فارسی زبان سے ناواقف قاری کے لیے فارسی شعر کا مفہوم سمجھنا مشکل ہے، اسی طرح وہ اچھی لغت اور کسی استاد کی رہنمائی کے بغیر اس شعر کے منظوم اردو ترجمہ کو نہیں سمجھ سکتا۔

3- شعر نمبر 6 کا منظوم اردو ترجمہ بھی عام فہم نہیں ہے۔ احمد جاوید کا منثور ترجمہ بھی عام فہم نہیں ہے۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کا اس شعر کا ترجمہ زیادہ آسان اور عام فہم ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''تو نے کہا میرا وصال مت ڈھونڈ کیونکہ میں تیرے خیال سے بلند یا ماورا ہوں + تو نے یہ میرے بہانہ تلاش کرنے والے آنسوؤں کے لیے ایک نیا عذر پیدا کر دیا ہے (وہ پہلے تیرے وصال کی امید میں تھمے ہُوئے تھے اب پھر سے جاری ہو گئے ہیں)۔'' (158)

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے منثور اردو ترجمہ کے مطابق اس شعر کے منظوم اردو ترجمہ کا جائزہ لیں تو پہلے

مصرعے کا مفہوم تو واضح ہے مگر دوسرے مصرعے کا مفہوم اگرچہ متن کے مطابق اور درست ہے مگر عام فہم نہیں ہے۔

4- غزل کے دیگر اشعار کا منظوم اردو ترجمہ قدرے زیادہ آسان اور عام فہم ہے۔

5- اس غزل کے منظوم اردو ترجمہ میں مشکل الفاظ 'تند خو'، 'سبو'، 'رمیدہ بو'، 'پنہاں'، 'عیشِ پناہِ قلزم'، 'تنگ آب جو'، 'سوزِ دوام'، 'آزارِ جستجو'، 'عذرِ نو' اور 'اشکِ بہانہ جو' استعمال ہوئے ہیں۔ ان الفاظ کے معانی سے آگاہ ہوئے بغیر منظوم اردو ترجمہ کے مفہوم سے آگاہ ہونا ممکن نہیں ہے۔

6- مجموعی طور پر منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے، تاہم فرہنگ میں یا حاشیہ میں منظوم اردو ترجمہ کے مذکورہ بالا مشکل "الفاظ" کے معانی دے کر اسے عام فہم بنایا جاسکتا ہے۔

نقشِ فرنگ..... منظومات (10 عدد)

نوائے مزدور

①

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
ہوا ہے اجرتِ مزدورِ فاقہ کش کے طفیل	ز مُزدِ بندۂ کرپاس پوش و محنت کش
نصیب خواجۂ ناکارہ کو لباسِ حریر	نصیبِ خواجۂ ناکردہ کار، رختِ حریر

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

کھادی پہننے اور سختی کھینچنے والے مزدور کی مزدوری سے،
نکھٹو سرمایہ دار کو ریشم کا لباس ملا

②

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
عرق ہیں میری جبیں کا زر و جواہرِ شاہ	ز خوے فشانیِ من لعلِ خاتمِ والی
ہیں اشک میرے پسر کے نگینِ سازِ امیر	ز اشکِ کودکِ من گوہرِ ستامِ امیر

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

میرا پسینہ حاکم کی انگشتری میں یاقوت،
میرے بچے کا آنسو سردار کے گھوڑے کے چار جامے کا موتی

③

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
مرے لہو سے کلیسا کے تن میں تاب و تواں	ز خونِ من چو زلو فربہی کلیسا را
ہے میری قوتِ بازو سے سلطنت ہمہ گیر	بزورِ بازوے من دستِ سلطنت ہمہ گیر

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

کلیسا میرے خون سے جونک کی طرح پھولا ہوا،

میرے زورِ بازو سے سلطنت کا ہاتھ سارے پر قابض

④

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم
خرابہ رشکِ گلستاں زگریۂ سحرم	کھنڈر ہیں رشکِ ارم گریۂ سحر سے مرے
شبابِ لالہ و گل از طراوتِ جگرم	شبابِ لالہ و گل ہے نم جگر سے مرے

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

ویرانہ میرے گریۂ سحر سے رشکِ گلستاں،
میرے جگر کے لہو سے لالہ وگل کی بہار

⑤

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم
بیا کہ تازہ نوا می تراود از رگِ ساز	رگِ رباب سے نکلے ہیں تازہ تر نغمے
مئے کہ شیشہ گدازد بہ ساغر اندازیم	شرابِ تلخ سے بھر، آؤ پُر کریں ساغر

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

اک ساز کے تاروں سے تازہ نغمہ ٹپک رہا ہے،
وہ شراب جو شیشہ پگھلا دے،ہم پیالے میں ڈالیں

⑥

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم
مغان و دیرِ مغاں را نظامِ تازہ دہیم	نظامِ تازہ سے دیرِ مغاں بدل ڈالیں
بنائے میکدہ ہائے کہن براندازیم	بنائے کہنہ کریں میکدے کی زیر و زبر

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

ساقی اور میخانے کو نیا نظام دیں،
پرانے میکدوں کی بنیاد ڈھا دیں

⑦

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم
ز رہزنانِ چمن انتقامِ لالہ کشیم	چمن کے راہ زنوں سے گلوں کا بدلہ لیں
بہ بزمِ غنچہ و گل طرحِ دیگر اندازیم	سجائیں بزمِ چمن کو نئے اصولوں پر

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

چمن کے لیٹروں سے گلِ لالہ کا انتقام لیں،
کلیوں اور پھولوں کی سبھا کی نئی بنا ڈالیں

⑧

منظوم اردو ترجمہ از حضور احمد سلیم	اصل متن از پیامِ مشرق
جہاں میں صورتِ پروانہ زندگی کب تک	بطوفِ شمع چو پروانہ زیستن تا کے
یہ اپنی ذات سے بیگانہ کب تک	زخویش ایں ہمہ بیگانہ زیستن تا کے
(160)	(159)

منثور اردو ترجمہ از احمد جاوید

پروانے کی طرح شمع کے طواف میں زیست کرنا کب تک،

اپنے آپ سے اس قدر انجان (ہو کر) جینا کب تک (161)

-1 مجموعی طور پر نظم 'نوائے مزدور' کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔

-2 فارسی نظم کے نفسِ مضمون اور اس میں استعمال ہونے والے الفاظ و تراکیب کی وجہ سے ترجمہ میں بھی کئی مشکل الفاظ استعمال کرنا پڑے ہیں۔ منظوم اردو ترجمہ میں منثور اردو ترجمہ کی طرح آسان الفاظ میں ترجمہ کرنے اور مفہوم بیان کرنے کی سہولت نہیں ہوتی کیونکہ وزن اور قافیہ وردیف نیز نفسِ مضمون کی پابندی کی وجہ سے موزوں مگر آسان الفاظ کا انتخاب بہت مشکل ہے۔ اعلیٰ پائے کے شعرا کو بھی منظوم ترجمہ کرتے وقت اس طرح کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ان پابندیوں کے باوجود سلیس، آسان اور عام فہم ترجمہ کریں۔ اس طرح کی کوشش حضور احمد سلیم نے بھی کی ہے۔ وہ اس کوشش میں کافی زیادہ حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ انہوں نے کامیابی سے اصل نظم کا اصل مفہوم بیان کیا ہے۔

-3 اس نظم کے پہلے، ساتویں اور آٹھویں شعر کے تراجم آسان، عام فہم اور سلیس ہیں۔ ان میں استعمال ہونے والے الفاظ بھی آسان اور عام فہم ہیں۔

-4 دوسرے شعر کے علاوہ، دیگر اشعار کے تراجم بھی متن کے قریب تر ہیں اور قابلِ فہم ہیں۔

-5 شعر نمبر 2 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ دوسرے شعر میں بیان ہوا ہے کہ

ز (سے) خوے فشانِی من (میرے پسینہ چھڑکنے سے) لعل (یاقوت) خاتم والی (حاکم کی انگوٹھی کا)

ز (سے) اشکِ کودکِ من (میرے بچے کے آنسو سے) گوہر (موتی) ستامِ امیر (حاکم کے گھوڑے کے چار جامے کا)

میرے پسینے کے چھڑکنے کی وجہ سے حاکم کی انگوٹھی میں یاقوت ہے میرے بچے کے آنسو کی وجہ سے حاکم کے گھوڑے کے چار جامے کا موتی ہے۔

مراد یہ ہے کہ مزدور آدمی سخت محنت اور کوشش سے کماتا ہے مگر سرمایہ دار اسے برائے نام اُجرت دیتا ہے جس سے مزدور ضروریاتِ زندگی بھی پوری نہیں کر پاتا اور وہ غربت، تنگدستی اور بے کسی و بے بسی کا شکار رہتا ہے جبکہ امیر آدمی، مزدور کی کمائی سے عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا ہے اور اپنی جمع کردہ دولت بے جا نمود و نمائش کے لیے استعمال کرتا ہے۔

اس شعر کا منظوم اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔

عرق ہیں میری جبیں کا زر و جواہر شاہ
ہیں اشک میرے پسر کے نگینِ سازِ امیر

منظوم اردو ترجمہ کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ 'بادشاہ کے زر و جواہر میرے ماتھا کا پسینہ ہیں۔ امیر کے ساز میں جڑا ہوا نگینہ میرے بیٹے کا آنسو ہے۔'

شعر نمبر 2 کا منظوم اردو ترجمہ، اصل متن کی نمائندگی نہیں کرتا۔ اس کا مفہوم فارسی شعر کے مفہوم سے بہت مختلف ہے۔

-6 مجموعی طور پر نظم 'نوائے مزدور' کا ترجمہ متن کے قریب تر ہے۔ صرف شعر نمبر 2 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

مندرجہ بالا تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ انتخاب پیامِ مشرق از حضور احمد سلیمؔ میں پیش کردہ منتخب کلام از پیامِ مشرق کا زیادہ تر منظوم ترجمہ اصل متن کے عین مطابق اور درست ہے۔ صرف چند ایک مقامات پر ترجمہ اصل متن سے ہٹ کر ہے۔ ترجمہ میں بعض مقامات پر اصل کلام کے مشکل الفاظ و تراکیب کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے، تاہم مشکل الفاظ پر مبنی یہ ترجمہ بھی اصل متن کے قریب تر ہے۔ حضور احمد سلیم نے بعض مقامات پر اصل کلام کے اوزان و قوافی کی پابندی کے بجائے اپنے انداز سے اور اپنی مرضی کے اوزان و قوافی کی مدد سے فارسی کلام کا اصل مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجموعی طور پر ان کا یہ ترجمہ زیادہ سلیس، آسان، رواں اور عام فہم ہے۔ شماریاتی زبان میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ

-1 قریباً پچھتر فی صد (75%) ترجمہ کافی زیادہ حد تک اصل متن کی نمائندگی کرتا ہے یہ ترجمہ نہایت خوبصورت ہے اور شاعر کی قادر الکلامی کو ظاہر کرتا ہے۔

-2 قریباً دس فی صد (10%) ترجمہ اصل متن کے مفہوم کی کلی طور پر نمائندگی نہیں کرتا۔ اصل متن سے موازنہ کریں تو منظوم اردو ترجمہ میں دیا گیا مفہوم ادھورا نظر آتا ہے۔

-3 منظوم اردو ترجمہ میں فارسی کلام کے مشکل الفاظ و تراکیب استعمال کرنے کی وجہ سے قریباً پندرہ فی صد (15%) ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ یہ ترجمہ عام فہم نہیں رہا اور اسے سمجھنے کے لیے کسی اچھی لغت اور فارسی زبان جاننے والے اہلِ علم کی مدد اور رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

نوائے شرق

منظوم اردو ترجمہ

از عبدالعلیم صدیقی

'نوائے شرق' علامہ اقبال کی فارسی تصنیف 'پیامِ مشرق' کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ عبدالعلیم صدیقی نے کیا ہے اور اسے 2003ء میں مقبول اکیڈمی، لاہور کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔

دو صد چھپن (256) صفحات پر مشتمل یہ کتاب $\frac{23\times 36}{16}$ سائز پر پرنٹ ہوئی ہے۔ کتاب کے سب ٹائٹل اور پرنٹنگ کے صفحہ کے بعد فہرست عنوانات دی گئی ہے۔ اس کے بعد 'پیامِ مشرق' کا دیباچہ محررہ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال دیا گیا ہے۔ صفحہ نمبر 19 تا صفحہ 256 پر مکمل پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ بغیر فارسی متن کے دیا گیا ہے۔

پروفیسر عبدالعلیم صدیقی 7 مارچ 1953ء تا 1985ء آزاد کشمیر میں ادبی و علمی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ وہ 1973ء میں ڈگری کالج راولاکوٹ کے پرنسپل مقرر ہوئے اور وہیں سے 1985ء میں ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے پلندری میں مستقل رہائش اختیار کر لی اور اقبال کے فارسی کلام کا منظوم اردو ترجمہ شروع کر دیا۔ انہوں نے اقبال کی فکری رفعت اور فنی حسن کو ترجمہ میں برقرار رکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اس سلسلہ میں کافی زیادہ حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ ان کے فارسی کلام اقبال کے درج ذیل منظوم تراجم شائع ہو چکے ہیں:

نمبر شمار	کتاب کا ٹائٹل	نفسِ مضمون
1-	عرفانِ بے خودی	منظوم اردو ترجمہ رموزِ بے خودی
2-	سیر افلاک	منظوم اردو ترجمہ جاوید نامہ
3-	نوائے شرق	منظوم اردو ترجمہ پیام مشرق
4-	نغمہ سروش	منظوم اردو ترجمہ زبورِ عجم
5-	کیا رنگ ہو تدبیر کا	منظوم اردو ترجمہ پس چہ باید کرد
6-	جہانِ خودی	منظوم اردو ترجمہ اسرارِ خودی
7-	ارمغانِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ فارسی رباعیات

پروفیسر عبدالعلیم صدیقی کے تمام منظوم اردو تراجم کلیات اقبال فارسی کے منظوم ترجمہ کی شکل میں مقبول اکیڈمی سے اکٹھے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

پیشکش

اصل متن از پیامِ مشرق ❶ منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

اے امیرِ کامگار اے شہریار | اے امیرِ کامگار اے شہر یارِ ذی وقار
نوجوان و مثلِ پیراں پختہ کار | نوجواں و مثلِ پیراں ہوشیار و پختہ کار

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

اے اپنے مقاصد میں کامیاب امیر، اے بزرگ اور عادل بادشاہ۔
اے نوجوان لیکن بوڑھوں کی طرح پختہ کار (تجربہ کار)۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❷ منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

چشمِ تو از پردگیہا محرم است | دیدۂ بینا چھپے رازوں کا ہے محرم ترا
دل میانِ سینہ ات جامِ جم است | سینے کے اندر ہے دل مانندِ جامِ جم ترا

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

تیری آنکھ پردے میں چھپے ہوئے رازوں یا امور سے واقف ہے+
تیرے سینے میں جو دل ہے وہ ایران کے جمشید بادشاہ کا پیالہ ہے۔ مراد ہے، جس طرح جمشید اپنے پیالہ میں ساری دنیا کے حالات دیکھ لیتا تھا۔ تیرا دل بھی کائنات کی حقیقتوں کو جاننے والا ہے۔ مراد ہے دنیا کے تمام واقعات و حالات اور ان کے اسباب و پس منظر سے تو واقف ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❸ منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

عزمِ تو پایندہ چوں کہسارِ تو | عزم محکم ہے ترا جیسے ترا کہسار ہے
حزمِ تو آساں کند دُشوارِ تو | تیرے استقلال سے آسان ہر دشوار ہے

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

تیرے ارادے میں تیرے ملک کے پہاڑی سلسلہ کی طرح کا استحکام اور مضبوطی ہے+
تیری احتیاط تیری دانائی اور دوراندیشی تیری مشکل کو آسان کر دیتی ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❹ منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

ہمتِ تو چوں خیالِ من بلند | حوصلہ تیرا ہے میری فکر کی صورت بلند
ملتِ صد پارہ را شیرازہ بند | تیری ہمت ملتِ صد پارہ کی شیرازہ بند

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

تیری ہمت میرے خیال کی طرح بلند ہے+
تو نے اپنی ہمت کو کام میں لے کر قبائل، عقائد و نظریات اور زبان و نسب میں بٹی ہوئی افغان قوم کو (جو صد ہا ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی) متحد و جمع مجتمع کر دیا۔

منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی	5	اصل متن از پیامِ مشرق
بادشاہوں کی طرح ہدیہ بہت رکھتا ہے تو		ہدیہ از شاہنشہاں داری بسے
لعل و یاقوتِ گراں مایہ بہت رکھتا ہے تو		لعل و یاقوتِ گراں داری بسے

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

تو دنیا کے شہنشاہوں کے دیے ہوئے بہت سے تحفے رکھتا ہے +
تیرے خزانے میں یا تیرے پاس بہت سے قیمتی یاقوت اور لعل ہیں۔

منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی	6	اصل متن از پیامِ مشرق
ایک ہدیہ لایا ہے تیرے لیے اب یہ فقیر		اے امیر، ابنِ امیر، ابنِ امیر
تو قبول اس کو بھی کر لے اے امیر ابنِ امیر		ہدیۂ از بے نواے ھم پذیر!
(163)		(162)

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

اے امیر، امیر کے بیٹے، امیر کے بیٹے +
ایک بے سروسامان سے بھی ایک تحفہ قبول کر لے۔(164)

1- 'پیشکش' کے مندرجہ بالا چھ (6) اشعار کا ترجمہ سلیس، رواں اور متن کے قریب تر ہے۔

2- پہلے شعر کے منظوم اردو ترجمہ میں اضافی الفاظ 'ذی وقار' اور 'ہوشیار' استعمال کر کے، وزن قائم رکھتے ہوئے فارسی شعر کا مفہوم ادا کر دیا گیا ہے۔

3- اشعار نمبر دو تا چار کا منظوم اردو ترجمہ متن کے مطابق، سلیس، رواں اور عام فہم ہے۔

4- پانچویں شعر کے پہلے مصرعے کا ترجمہ اصل متن کی طرح واضح نہیں ہے۔ پہلے مصرعے 'ہدیہ از شاہنشہاں داری بسے' کا لفظی ترجمہ ہے 'تو دنیا کے شہنشاہوں کے دیے ہوئے بہت سے تحفے رکھتا ہے'۔ فارسی شعر میں لفظ 'بسے' استعمال ہُوا ہے۔ اس مصرعے کا منظوم اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔ 'بادشاہوں کی طرح ہدیہ بہت رکھتا ہے تو'۔ منظوم اردو ترجمہ میں لفظ 'ہدیہ' استعمال ہوا ہے جو کہ اسمِ واحد ہے۔ اس میں لفظ 'بسے' یعنی 'بہت' کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ اگر منظوم اردو میں لفظ 'ہدیہ' کے بجائے 'ہدیئے' آ جاتا تو 'ہدیہ... بسے' یعنی بہت سے تحفے' کا مفہوم ادا ہو جاتا۔ شعری بندش کی وجہ سے مترجم نے منظوم اردو ترجمہ میں لفظ 'ہدیہ' استعمال کیا ہے مگر اس سے مفہوم صحیح طور پر بیان نہیں ہو سکا۔ منظوم اردو ترجمہ میں اس طرح کی دقتیں پیش آتی ہیں جن کی وجہ سے بعض اوقات ترجمہ میں کچھ کمی بیشی پیدا ہو جاتی ہے۔

5- چھٹے شعر میں 'اے امیر، ابنِ امیر، ابنِ امیر' سے مراد ہے 'اے امیر، امیر کے بیٹے، امیر کے بیٹے'۔ مراد یہ ہے کہ اے امیر افغانستان، آپ کے والد بھی امیر تھے اور دادا بھی امیر تھے۔ منظوم اردو ترجمہ میں 'امیر ابنِ امیر' کا ذکر ہے۔ اس میں 'امیر ابنِ امیر ابنِ امیر' کے الفاظ استعمال ہونے چاہئیں تھے مگر شعری وزن کی پابندی کی وجہ سے اصل متن کے مطابق ترجمہ نہیں ہو سکا۔

مجموعی طور پر پیشکش کے شعر نمبر 1 تا 4 کا منظوم اردو ترجمہ متن کے عین مطابق اور درست ہے۔ آخری دو اشعار (شعر نمبر 5 اور شعر نمبر 6 کا منظوم اردو ترجمہ متن کے عین مطابق نہیں، تاہم متن کے قریب تر ہے۔

حصہ 'لالۂ طور'......(رباعیات. ز.. عدد)

'لالۂ طور' کی تمام رباعیات کے منظوم اردو ترجمہ کا بغور جائزہ لینے سے درج ذیل امور سامنے آئے ہیں:

1- زیادہ تر رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔ اوزان وقوافی کی پابندی کی وجہ سے ترجمہ میں مشکل الفاظ وتراکیب کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس سلسلہ میں رباعیات نمبر 5، 75 اور 79 کے منظوم اردو تراجم دیکھے جاسکتے ہیں جو کہ متن کے مطابق ہیں مگر عام اور آسان فہم نہیں ہیں۔

2- بعض رباعیات کے تراجم اصل متن کے مطابق، آسان اور عام فہم ہیں۔ مثلاً رباعی نمبر 80، رباعی نمبر 123 اور رباعی نمبر 136 کے تراجم قدرے آسان ہیں۔

3- چند ایک رباعیات کے منظوم اردو تراجم کلی یا جزوی طور پر اصل متن کے مطابق نہیں ہیں۔ مثلاً رباعی نمبر 155 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ رباعیات نمبر 1، 2، 71، 135 اور 154 کے منظوم اردو تراجم اصل متن سے کچھ مختلف ہیں۔

رباعیات کے منظوم اردو ترجمہ کی مذکورہ درجہ بندی کے مطابق چند رباعیات کے منظوم اردو ترجمہ پر جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

رباعی نمبر 1

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی
شہیدِ ناز او بزمِ وجود است	روزِ اول سے شہیدِ ناز ہے بزمِ وجود
نیاز اندر نہادِ ہست و بُود است	ہے نیازِ عشق کا مظہر نہادِ ہست و بود
نمی بینی کہ از مہرِ فلک تاب	تو نے کیا دیکھا نہیں خود اپنی آنکھوں سے کہ ہے
بسیمائے سحر داغِ سجود است	مہرِ درخشاں سے جبینِ صبح پر داغِ سجود
(165)	(166)

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

بزم وجود (ہستی کی محفل/ساری کائنات) اس کے یعنی اپنے خالق (یا محبوب حقیقی) کے ناز کی شہید ہے+

جو کچھ بھی موجود ہے یعنی کائنات اور اس کی ساری اشیا اپنی سرشت میں نیاز رکھتی ہیں۔

مراد ہے خالق کائنات معشوق ہے اور کائنات اس کی عاشق۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں میں نے یہ کائنات پیدا کر دی اسے صوفیائے وجودی یوں بیان کرتے ہیں کہ کائنات عشق (نیاز) ہے اور خالق کائنات حسن (ناز)۔

(اپنی بات کی مزید پشت پناہی کے لیے کہا گیا ہے) کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ آسمان پر چمکنے والے سورج کی وجہ سے سحر (صبح) کی پیشانی پر سجدے کا داغ ہے۔

مراد ہے سورج گویا کائنات کے سجدہ ریز ہونے کی وجہ سے اس کے ماتھے پر بہ طور داغ کے دلیل ہے وہ داغ جو سجدہ کرنے والوں کے ماتھے پر ہوتا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ صبح کی روشنی سورج کی مرہونِ منت ہے اگر سورج نہ ہوتا تو صبح کی روشنی بھی نہ ہوتی۔ اسی طرح اگر خالقِ کائنات (خدا) کی صفات اور ان کی جلوہ گری نہ ہوتی تو کائنات اور اس کی اشیا بھی نہ ہوتیں (اس میں وحدۃ الوجود کا مضمون پنہاں ہے)۔(167)

-1 رباعی نمبر 1 میں مشکل الفاظ وتراکیب 'شہیدِ ناز'، 'بزمِ وجود'، 'نہادِ ہست و بود'، 'مہر درخشاں' اور 'داغِ سجود' کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ قریباً فارسی کلام کی ہی شکل اختیار کر گیا ہے۔

-2 اس طرح کے ترجمہ کو محض 'ترجمہ برائے ترجمہ' ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

<u>رباعی نمبر 2</u>

منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی	اصل متن از پیامِ مشرق
دل کو دیتا ہے مرے تابندگی، <u>سوزِ دروں</u>	دلِ من روشن از سوزِ درون است
میری آنکھوں کو بناتا ہے <u>جہاں بیں</u>، <u>اشکِ خوں</u>	جہاں بیں چشمِ من از اشکِ خون است
زندگی کے <u>رمز</u> سے وہ کیوں نہ ہو <u>بیگانہ تر</u>	ز رمزِ زندگی بیگانہ تر باد
عشق کو جو بندۂ ناداں سمجھتا ہے <u>جنوں</u>	کسے کو عشق را گوید جنون است
(169)	(168)

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

میرا دل میرے اندر کے سوز (عشق کی وجہ سے روشن ہے+
میری آنکھ میرے خون کے رنگ کے آنسوؤں (عشق میں رونے) کی وجہ سے جہان کو یعنی رموز و اسرار جہان کو دیکھنے والی ہے۔
(خدا کرے) وہ شخص زندگی کی رمز سے زیادہ بیگانہ ہو جائے+
جو یہ کہتا ہے کہ عشق جنون (پاگل پن) ہے۔(170)

-1 رباعی نمبر 2 کے منظوم اردو ترجمہ میں مشکل الفاظ وتراکیب 'سوزِ دروں'، 'اشکِ خوں'، 'رمز'، 'بیگانہ تر' اور 'جنوں' کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔

-2 فارسی رباعی کے دوسرے شعر میں ایسے شخص کو بددعا دی گئی ہے جو عشق کو جنون قرار دیتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ (خدا کرے) وہ شخص زندگی کی رمز سے زیادہ بیگانہ ہو جائے۔ منظوم اردو ترجمہ میں دعائیہ انداز اختیار نہیں بلکہ استفہامیہ و بیانیہ انداز اختیار کیا گیا ہے جس سے اس شعر کا مفہوم صحیح رنگ سے بیان نہیں ہوسکا۔

<u>رباعی نمبر 5</u>

منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی	اصل متن از پیامِ مشرق
برگ میں لالہ کے <u>رنگ آمیزیاں</u> ہیں عشق کی	بہ برگِ لالہ رنگ آمیزی عشق
میری جاں پر یہ <u>بلا انگیزیاں</u> ہیں عشق کی	بجانِ ما بلا انگیزیٔ عشق

اگر ایں خاکداں را واشگافی	تو اگر اس خاکداں کو کر کے دیکھے **واشگاف**
درونش بنگری خونریزیٔ عشق	اس کے اندر کس قدر **خونریزیاں** ہیں عشق کی
(171)	(172)

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

لالہ کے پھول کی (سرخ) پتیوں میں عشق کے رنگ کی آمیزش ہے+
میری جان میں بلا انگیزی (مصائب کا ظہور) ہے وہ عشق کی وجہ سے ہے۔
اگر تو اس خاکدان (وجود آدمی یا وجود کائنات) کو پھاڑے+
تو اس کے اندر تجھے عشق کی خونریزی ہی نظر آئے گی۔ مراد ہے عشق تیرے وجود یا کائنات کے ذرے ذرے میں سمایا ہوا اور گردش کر رہا ہے۔ (173)

1- رباعی نمبر 5 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے قریب تر ہے۔

2- ترجمہ میں مشکل الفاظ 'رنگ آمیزیاں'، 'بلا انگیزیاں'، 'واشگاف' اور 'خونریزیاں' استعمال ہوئے ہیں جس وجہ سے ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔

3- 'بجانِ ما' کا مطلب ہے 'ہماری جان' مگر اس کا منظوم اردو ترجمہ 'میری جان' کیا گیا ہے۔ اس طرح فارسی رباعی میں الفاظ 'رنگ آمیزی'، 'بلا انگیزی' اور 'خونریزی' بطور اسمِ واحد مگر منظوم اردو ترجمہ میں یہی الفاظ بطور جمع استعمال ہوئے ہیں۔ اوزان وقوافی اور نفسِ مضمون کی بندش کی وجہ سے شاعر کو مجبوراً اس طرح کی تبدیلیاں کرنا پڑتی ہیں۔ چونکہ منظوم اردو ترجمہ کافی حد تک اصل متن کے قریب تر ہے اس لیے اس طرح کی تبدیلیاں جائز قرار دی جاسکتی ہیں۔

4- مجموعی طور پر رباعی نمبر 5 کا ترجمہ اصل متن کے قریب تر، رواں مگر مشکل ہے۔

رباعی نمبر 71

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی
تو خورشیدی و من سیّارۂ تو	تو ہے خورشیدِ درخشاں میں ہوں سیارہ ترا
سراپا نورم از نظارۂ تو	مجھ کو نورانی بنا دیتا ہے نظارہ ترا
ز آغوشِ تو دُورم، ناتمام	دور ہوں آغوش سے تیری تو میں ہوں ناتمام
تو قرآنی و من سیپارۂ تو	تو ہے قرآنِ مقدس میں ہوں سیپارہ ترا
(174)	(175)

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

تو (اے میرے خالق) سورج ہے تو میں (تیرے گرد گھومنے والا اور تجھ سے روشنی حاصل کرنے والا) سیارہ ہوں+
میں جو سرتاپا نور ہوں وہ تیرے دیدار کی وجہ سے ہے (یہ روشنی میری اپنی نہیں تیری عطا کردہ ہے)۔

(جب تک) میں تیرے پہلو سے دور ہوں نامکمل ہوں+
تو قرآن ہے اور میں تیرا سیپارہ ہوں (سیپارہ اگرچہ قرآن نہیں لیکن قرآن سے جدا بھی نہیں)۔اس رباعی میں یہ صوفیانہ بات بیان کی گئی ہے کہ آدمی اس وقت تک ناقص ہے جب تک وہ اپنے خالق سے دور ہے۔اگر یہ دوری ہٹ جائے تو وہ اس کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے)۔(176)

1- رباعی نمبر 71 کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعے کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ دوسرے مصرعے 'سراپا نورم از نظارۂ تو' کا مطلب ہے 'میں تیرے دیدار کی وجہ سے سراپا نور ہوں' یعنی یہ روشنی میری اپنی نہیں بلکہ تیری عطا کردہ ہے۔اس میں امر واقعہ کا ذکر ہے۔ترجمہ میں بیان ہوا ہے 'مجھ کو نورانی بنا دیتا ہے نظارہ تیرا'۔اصل متن میں تو ذکر ہے کہ میں سراپا نور بن گیا ہوں مگر منظوم اردو ترجمہ میں ذکر ہوا ہے کہ 'تیرا نظارہ مجھے نورانی بنا دیتا ہے۔' یعنی جب نظارہ ہوا تو وجود نورانی ہو گیا۔جب نظارہ ہٹا تو پھر ویسے کا ویسا ہو گیا۔اصل متن میں ایک مستقل حالت کا ذکر ہے جبکہ منظوم اردو ترجمہ میں عارضی حالت کا ذکر ہُوا ہے۔

2- اس رباعی کے باقی حصوں کا ترجمہ سلیس، رواں اور عام فہم ہے۔

رباعی نمبر 75

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی
ز انجم تا بہ انجم صد جہاں بود	گرچہ انجم تا بہ انجم صد جہاں موجود تھا
خرد ہر جا کہ پرزد آسماں بود	جس جگہ بھی عقل پہنچی آسماں موجود تھا
و لیکن چوں بخود نگریستم من	میں نے لیکن جس دم اپنے آپ پر ڈالی نظر
کرانِ بیکراں در من نہاں بود	میرے اندر اک کرانِ بے کراں موجود تھا
(177)	(178)

منثور اردو ترجمہ از الف۔د۔نسیم

ایک ستارے سے دوسرے ستارے تک سینکڑوں جہان موجودہ تھے+
عقل جس جگہ تک بھی اڑی وہاں آسمان ہی تھا (کائنات کی وسعت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا)۔
لیکن جب میں نے اپنے آپ کو دیکھا (یا پالیا یا اپنی معرفت حاصل کر لی+
تو معلوم ہوا) کہ اس بے کنارہ کائنات کا کنارہ میرے اندر چھپا ہوا تھا۔(179)

1- رباعی نمبر 75 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

2- پہلے شعر کے ترجمہ میں فارسی شعر کے الفاظ 'انجم تا بہ انجم صد جہاں' استعمال ہوئے ہیں۔فارسی رباعی کے اس مصرعے سے دو الفاظ 'ز' اور 'بود' ختم کر کے ان کے ساتھ تین الفاظ 'گرچہ'، 'موجود' اور 'تھا' کا اضافہ کر کے اسے منظوم اردو ترجمہ کی شکل دے دی گئی ہے۔

3- اس رباعی کے منظوم اردو ترجمہ کے آخری مصرعے میں فارسی رباعی کے الفاظ 'کرانِ بے کراں' استعمال

کیئے گئے ہیں جس سے ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔

4- مجموعی طور پر یہ ترجمہ اصل متن کے مطابق مگر عام فہم نہیں ہے۔

5- اسی طرح رباعیات نمبر 79 اور 136 کے منظوم اردو تراجم درست مگر مشکل ہیں۔

رباعی نمبر 79

منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی	اصل متن از پیامِ مشرق
نقش میرا موجِ آشفتہ اسی کے یم سے ہے	نفس آشفتہ موجے از یمِ اوست
میری نے اور میرا نغمہ بھی اسی کے دم سے ہے	نئے ما، نغمۂ ما از دمِ اوست
صورتِ سبزہ اگا ہوں میں لبِ جوئے ابد	لبِ جوئے ابد چوں سبزہ رُستیم
میری رگ اور میرا ریشہ بھی اسی کے نم سے ہے	رگِ ما ، ریشۂ ما از نمِ اوست
(181)	(180)

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

(آدمی کا) دم (جو کبھی آتا ہے کبھی جاتا ہے) اس کے سمندر کی ایک پریشان لہر ہے+
ہماری بانسری اور ہمارا نغمہ اس کے دم (اس کی ہستی کے سبب) سے ہے (بانسری جسم ہے اور نغمہ اس کا دم اور یہ دونوں وجود خالق کے سبب سے ہیں)۔
ہم ابد (وہ زمانہ جس کی انتہا نہیں) کی نہر کے کنارے سبزہ کی مانند اگے ہیں+
ہماری شاخیں اور ہمارے ریشے اس کے نم (پانی) کی وجہ سے ہیں (اس میں بھی وہی بات ہے کہ میرا اور ساری کائنات کا موجود ہونا خالق کائنات کے وجود کی تجلیات یا صفات کے پر تو کی بنا پر ہے)۔(182)

1- رباعی نمبر 79 کے نفسِ مضمون کا مفہوم ادا کرنے کے لیے اس میں فارسی رباعی کے الفاظ 'موجِ آشفتہ'، 'یم'، 'نے'، 'نغمہ'، 'دم'، 'سبزہ'، 'لبِ جوئے ابد'، 'رگ'، 'ریشہ' اور 'نم' استعمال کرنا پڑے ہیں۔ ان میں کچھ الفاظ تو عام فہم ہیں مگر کچھ الفاظ مشکل ہیں۔ اگر 'فرہنگ' میں یا حاشیہ میں مشکل الفاظ کے معانی دے دیے جاتے تو مفہوم واضح ہو جاتا۔

2- منظوم اردو ترجمہ کے شروع میں دیے گئے لفظ 'نقش' کی جگہ پر لفظ 'نفس' آنا چاہیے کیونکہ فارسی رباعی میں 'نفس' کا ذکر ہوا ہے نہ کہ 'نقش' کا۔

3- عبدالعلیم صدیقی نے 'پیامِ مشرق' کے منظوم اردو ترجمہ 'نوائے شرق' میں فارسی متن کے بغیر منظوم اردو ترجمہ دیا ہے جس سے ہر کس و ناکس اس ترجمہ سے استفادہ نہیں کر سکتا۔

4- فارسی متن کے ساتھ منثور اردو ترجمہ بھی دیا جانا چاہیے تاکہ قارئین منثور اردو ترجمہ کی مدد سے فارسی متن اور منظوم اردو ترجمہ سمجھ سکیں۔ اس طرح منظوم اردو ترجمہ کے مشکل الفاظ کے معانی بھی دیے جانے چاہئیں۔ کسی بھی تصنیف، ترجمہ و تالیف میں جس قدر زیادہ عام قارئین کی سہولت کا خیال رکھا جائے گا اس قدر ہی اس کی افادیت میں اضافہ ہو جائے گا۔

رباعی نمبر 80

اصل متن از پیامِ مشرق

ترا دردِ یکی در سینہ پیچید
جہانِ رنگ و بو را آفریدی
دگر از عشق بیباکم چہ رنجی
کہ خود ایں ہاے و ہو را آفریدی
(183)

منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

دردِ پنہاں نے ترے سینے میں جب انگڑائی لی
تو نے یہ سارا جہانِ رنگ و بو پیدا کیا
عشق اگر بیباک ہے میرا تو کیوں ناخوش ہے تو
خود ہی تو نے سوز و ساز و ہا و ہو پیدا کیا
(184)

منثور اردو ترجمہ از الف۔د۔نسیم

(اے خالق کائنات ایک وقت تھا کہ تو خود تو تھا لیکن اور کچھ نہ تھا) تجھے خیال آیا کہ میری پہچان کرنے والا بھی کوئی ہو تو نے اپنا غیر یعنی کائنات اور اس کی ہر شے پیدا کر دی اس کو شاعر نے اس کے سینہ میں درد کے اٹھنے کے اسلوب میں بیان کیا ہے کہ)

تیرے سینہ میں تنہائی کا یا اکیلے ہونے کا درد اٹھا تو

تو نے یہ رنگ و بود کا یعنی دلکش مگر فانی جہان پیدا کر دیا (اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا (میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں میں نے یہ کائنات پیدا کر دی)۔

پھر تو میرے نڈر عشق کی وجہ سے مجھ سے رنجیدہ کیوں ہوتا ہے+

تو نے خود ہی تو میرے اندر یہ ہائے وہو (آہ وفغاں) پیدا کی ہے

مراد ہے تو نے اپنے ظہور کے لیے کائنات کو یا کائنات کے خلاصہ انسان کو پیدا کیا اور پیدا کر کے خود پوشیدہ رہا تو اس کے اندر تیری تلاش اور تیرے دیدار کے جذبے کا موجزن ہو جانا اور اس جذبہ کی وجہ سے اس کا بیتاب رہنا اور آہ وفغاں کرنا ایک قدرتی امر ہے۔(185)

رباعی نمبر 123

اصل متن از پیامِ مشرق

درونم جلوۂ افکار ایں چیست!
برونِ من ہمہ اسرار ایں چیست!
بفرما اے حکیم نکتہ پرداز
بدن آسودۂ جاں سیّار ایں چیست!
(186)

منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

میرے اندر جلوۂ افکار ہے ، ایسا ہے کیوں؟
عالمِ بیروں ہمہ اسرار ہے ، ایسا ہے کیوں؟
اے حکیم نکتہ پرداز، اتنا بتلا دے مجھے
جسم آسودہ ہے، جاں سیار ہے، ایسا ہے کیوں؟
(187)

منثور اردو ترجمہ از الف۔د۔نسیم

میرے اندر افکار کا جلوہ ہے یہ (سب) کیا ہے+

میرے باہر سب اسرار ہیں یہ (سب) کیا ہے۔ مراد ہے کائنات ساری راز ہی راز ہے اور میرا ذہن ان رازوں پر غور میں مصروف ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں راز کو نہیں پا سکا۔

(اے کائنات اور اس کی اشیاء پر غور کرنے والے فلسفی) اے نکتہ پرداز (رموز کی باریک

باتیں جاننے والے) حکیم بتا (یہ راز کیا ہے کہ)+
آدمی کا بدن تو ساکن ہے اور اس کی روح متحرک ہے (ان دونوں میں ربط کے راز کی بات فلسفی کو معلوم نہیں)۔(188)

1- رباعی نمبر 80 اور رباعی نمبر 123 کے منظوم اردو تراجم اصل متن کے مطابق ہیں۔
2- یہ تراجم قدرے عام فہم اور رواں ہیں۔
3- صوری و معنوی محاسن کی بدولت یہ تراجم خوبصورت ہیں اور مترجم کی فنی مہارت کا عملی ثبوت ہیں۔

رباعی نمبر 135

منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی	اصل متن از پیامِ مشرق
اب سکندر ہے نہ تخت و تاج کا ساماں رہا	سکندر رفت و شمشیر و علم رفت
نے خراج شہر و گنج و قریہ و ایواں رہا	خراجِ شہر و گنجِ کان و یم رفت
بادشاہوں سے ہیں قومیں محکم و پایندہ تر	اُمم را از شہاں پایندہ تر داں
تو نے کیا دیکھا نہیں دارا گیا ایراں رہا	نمی بینی کہ ایراں ماند و جم رفت؟
(190)	(189)

منثور اردو ترجمہ از الف۔د۔نسیم

یونان کا مشہور فاتح سکندر (جہان سے) چلا گیا (اس کے ساتھ) اس کی تلوار یعنی طاقت اور اس کا جھنڈا یعنی شان وشوکت بھی چلی گئی+
وہ جو شہروں سے خراج وصول کرتا تھا اور سمندر سے اور معدنیات کی کانوں سے دولت حاصل کرتا تھا وہ بھی چلی گئی۔
قوموں کو بادشاہوں سے زیادہ دیرپا سمجھ+
کیا تو نہیں دیکھتا کہ ایران تو باقی ہے لیکن اس کا بادشاہ جمشید چلا گیا یعنی نہ رہا۔(191)

1- رباعی نمبر 135 کا منظوم اردو ترجمہ اصل رباعی کا مفہوم ادا کرتا ہے، تاہم اگر لفظی ترجمہ کے لحاظ سے جائزہ لیں تو دوسرے مصرعے کا منظوم ترجمہ درست نہیں ہے۔ دوسرے مصرعے 'خراجِ شہر و گنجِ کان و یم رفت' کا مطلب ہے 'سلطنت کا خراج اور زمین اور سمندر کا خزانہ گیا'۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ ہے 'نے خراجِ شہر و گنج و قریہ و ایواں رہا'۔ یعنی شہر سے وصول ہونے والا خراج اور خزانہ اور گاؤں اور محل نہ رہا'۔ اصل متن میں گنج و قریہ کا ذکر نہیں ہے۔ صرف منظوم اردو ترجمہ میں وزن قائم کرنے کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔
2- دوسرے مصرعے کے علاوہ رباعی کے باقی مصرعوں کا منظوم اردو ترجمہ عین درست، سلیس اور رواں ہے۔

رباعی نمبر 136

منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی	اصل متن از پیامِ مشرق
تو نے دل کو چھین کر ویراں کیا سینہ میرا	ربودی دل ز چاکِ سینۂ من
ساعتوں میں کر دیا تاراج گنجینہ مرا	بغارت بردہ گنجینۂ من

متاعِ آرزویم باکہ دادی؟	مجھ سے لے کر کس کو دی میری متاعِ آرزو؟
چہ کردی باغمِ دیرینۂ من؟	کیا کیا آخر وہ سوزِ عشقِ دیرینہ مرا؟
(192)	(193)

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

تو نے میرے دل کو میرے پھٹے ہوئے سینے سے اچک لیا+
تو نے میرے خزانہ کو لوٹ لیا۔
تو نے میری آرزو کی دولت کس کو دے دی+
تو نے میرے پرانے غم کے ساتھ کیا کیا۔(194)

1- رباعی نمبر 136 کا ترجمہ متن کے مطابق اور عین درست ہے۔

2- ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔ عبدالعلیم صدیقی نے نہایت خوبصورتی سے منظوم اردو ترجمہ سے، فارسی رباعی کا مفہوم بیان کر دیا ہے۔ ترجمہ کے صوری و معنوی محاسن ان کی فنی مہارت کا ثبوت ہیں۔

رباعی نمبر 154

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی
مشو نومید ازیں مشتِ غبارے	اپنی مشتِ خاک سے ہرگز نہ تو نومید ہو
پریشاں جلوۂ ناپایدارے	دیکھنا آئینہ ایام میں مشکل نہیں
چو فطرت می تراشد پیکرے را	پیکرِ نو کی بنا رکھتی ہے فطرت تو اسے
تمامش میکند در روزگارے	منزلِ تکمیل تک پہنچانے سے غافل نہیں
(195)	(196)

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

اس مٹی کی مٹھی (بظاہر ناچیز آدم خاکی) سے ناامید نہ ہو+
(وہ آدمی خاکی جو) ناپائدار اور پریشان جلوہ ہے (پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے یا جس کا جلوہ زندگی عارضی ہے یعنی جو مضبوط نہیں بلکہ فانی ہے)۔
(اصول یہ ہے کہ) جب فطرت کوئی جسم تراشتی ہے
تو اس کے زمانے (زندگی) ہی میں اسے مکمل کر دیتی ہے (اس لیے یہ ضروری ہے کہ آدمی بھی جو ابھی ارتقا کی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے ایک دن (دنیا کے خاتمے سے پہلے ہی) تکمیل پالے گا۔ اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ ارتقا کے لیے ایک طویل مدت (صدیوں پر محیط زمانہ) درکار ہوتی ہے۔ انسان کو بھی اپنی تکمیل کے لیے لمبا زمانہ درکار ہوگا۔(197)

1- رباعی نمبر 154 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

2- پہلے شعر میں بیان ہوا ہے کہ ’خاکی انسان جو ناپائدار اور پریشان جلوہ ہے، سے ناامید نہ ہو۔ اس کے منظوم اردو ترجمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اے خاکی انسان تو اپنے آپ سے بالکل مایوس نہ ہو۔ آئینہ ایام میں دیکھنا مشکل نہیں ہے۔‘ فارسی شعر اور منظوم اردو ترجمہ کے مفہوم میں واضح فرق ہے۔ اصل متن کچھ اور

ہے جبکہ منظوم اردو ترجمہ میں کچھ اور کہا جا رہا ہے جس کا کوئی مفہوم بھی واضح نہیں ہے۔

3- دوسرے شعر کا مفہوم یہ ہے کہ جب فطرت کوئی پیکر تراشتی ہے تو اس کے زمانے (زندگی) میں ہی اسے مکمل کر دیتی ہے۔ منظوم اردو ترجمہ کا مفہوم یہ ہے کہ جب فطرت کوئی نیا پیکر تراشتی ہے تو اس کو مکمل کرنے میں غافل نہیں رہتی۔ اصل متن اور منظوم اردو ترجمہ کے مفہوم میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ اصل متن میں اندازِ بیان واضح ہے اور نتیجہ حتمی شکل میں بیان ہوا ہے۔ منظوم اردو ترجمہ یہی بات غیر موثر اور غیر واضح انداز سے بیان کی گئی ہے۔

رباعی نمبر 155

اصل متن از پیامِ مشرق

جہانِ رنگ و بو فہمیدنی ہست
دریں وادی بسے گُل چیدنی ہست
ولے چشم از درونِ خود نہ بندی
کہ در جانِ تو چیزے دیدنی ہست
(198)

منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

دیکھنے کی چیز ہے بے شک جہانِ رنگ و بو
چار سو بکھرے پڑے ہیں حسن کے منظر بھی دیکھ
گر خدائے عز و جل توفیق ارزانی کرے
تیری جاں میں جو نہاں ہے عالمِ دیگر بھی دیکھ
(199)

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

رنگ و بو کا جہان (رنگ و بو کی طرح دلکش مگر فانی جہان) اس قابل ہے کہ اس کو سمجھا جائے (اس کا مطالعہ و مشاہدہ کیا جائے)+

(کیونکہ) اس وادی میں بہت سے ایسے پھول ہیں جو چُنے جانے کے قابل ہیں مراد ہے جہان۔ آدمی کے لیے توجہ طلب ہے اور آدمی کو اپنی زندگی میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔

(لیکن شرط یہ ہے کہ تو جہان کا تماشا کرتے ہوئے) اپنے اندر کا تماشا کرنے سے آنکھ کو بند نہ کر لے+

کیونکہ تیری جان میں بھی ایک قابل دید چیز ہے (اصل جہان تو تیرا باطنی جہان ہے یہ خارجی جہان تو اس کا پرتو ہے یا تیرے اندر ہی موجود ہے یہ قابلِ دید چیز دل یا روح بھی ہوسکتی ہے۔(200)

1- رباعی نمبر 155 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

2- اس رباعی کے پہلے شعر کا منثور اردو ترجمہ ہے 'رنگ و بو کا جہان اس قابل ہے کہ اس کو سمجھا جائے + (کیونکہ) اس وادی میں بہت سے ایسے پھول ہیں جو چُنے جانے کے قابل ہیں'۔ مراد یہ ہے کہ یہ دنیا انسان کے لیے بنائی گئی ہے کہ وہ اسے سمجھے اور اس میں موجود اشیاء سے فائدہ اٹھائے۔ منظوم اردو ترجمہ میں 'فہمیدنی' (سمجھنے کے قابل) کا ترجمہ 'دیکھنے کی چیز' کیا گیا ہے۔ اور 'بسے گُل چیدنی' ''بہت سے پھول ہیں جو چُنے جانے کے قابل ہیں' کا مفہوم ان الفاظ میں دیا گیا ہے کہ 'چار سو بکھرے پڑے ہیں حُسن کے

منظر بھی دیکھ۔ اصل شعر میں اس دنیا میں غور وفکر کرنے اور ممکن وضروری حد تک اس سے فائدہ اٹھانے کی دعوت دی گئی ہے مگر منظوم اردو ترجمہ میں دنیا کے حسین نظاروں کو صرف دیکھنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس طرح دوسرے مصرعے میں لکھا گیا ہے 'حسن کے منظر بھی دیکھ'۔ لفظ 'کے' کے استعمال کی وجہ سے شعر میں 'منظر' کی جگہ پر 'مناظر' آنا چاہیے تھا مگر شعری بندش کی وجہ سے یہاں لفظ 'منظر' دیا گیا ہے۔

-3 دوسرے شعر میں باطنی نگاہ سے باطنی جہان (قلب وروح) کے مشاہدہ کی ضرورت واہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں 'چشم باطن' کا ذکر نہیں ہوا اور محض یہ کہہ دیا گیا ہے کہ اگر توفیق ہو تو باطنی جہاں بھی دیکھ لینا۔ اس طرح مضمون کی نامکمل ادائیگی اور طرزِ بیان کی تبدیلی کی وجہ سے ترجمہ اصل متن کی صحیح ترجمانی نہیں کر پایا اور بات کیا سے کیا ہوگئی۔ ترجمہ کی اس طرح کی کمزوریاں رباعی نمبر 1، 2، 71، 135 اور 154 کے تراجم میں بھی نظر آتی ہیں۔ دائرہ تحقیق وسیع ہونے اور وقت کی تنگی کی وجہ سے راقم الحروف ان تمام رباعیات کے تراجم کا تفصیلی جائزہ پیش کرنے سے قاصر ہے، تاہم چند ایک منتخب رباعیات، ان کے منظوم اردو تراجم اور منثور اردو تراجم پیشِ خدمت کردیے ہیں۔ منظوم اردو تراجم کے غور طلب حصوں کو خط کشیدہ کردیا گیا ہے اور ساتھ ہی غور طلب امور کی اجمالاً نشاندہی کردی گئی ہے۔

حصہ افکار

سرودِ انجم (ستاروں کا گیت)

اصل متن از پیامِ مشرق	①	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
ہستیِ ما نظامِ ما		اپنا وجود اور نظام
مستیِ ما خرامِ ما		اپنا سرور اور خرام
گردشِ بے مقامِ ما		اپنی روانی بے مقام
زندگیِ دوامِ ما		اپنی حیات کا دوام
دورِ فلک بکامِ ما، مے نگریم و مے رویم		گردشِ چرخِ نیلی فام، دیکھتے جا رہے ہیں ہم

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

① ہماری ہستی، ہمارا نظام۔
② ہماری مستی،، ہماری رفتار۔
③ ہماری بے منزل گردش۔
④ ہماری ہمیشہ کی زندگی۔
مصرع: آسمان کی گردش کو اپنے موافق، ہم دیکھ رہے ہیں اور چلے جا رہے ہیں۔

-1 مترجم نے پہلے بند کے الفاظ 'نظام'، 'خرام'، 'بے مقام' اور 'دوام' استعمال کر کے اسے منظوم اردو ترجمہ کا روپ دے دیا ہے۔

-2 آخری مصرع میں 'دورِ فلک بکامِ ما، مے نگریم و مے رویم' کا مطلب ہے 'آسمان کی گردش کو اپنے موافق، ہم دیکھ رہے ہیں اور چلے جا رہے ہیں'۔ مترجم نے 'دورِ فلک بکامِ ما' کا ترجمہ 'گردشِ چرخِ نیلی فام' کیا

ہے۔انہوں نے 'بکام ما' یعنی 'اپنے موافق' کا ترجمہ نہیں کیا ہے۔

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض	②	اصل متن از پیامِ مشرق
جلوہ گہ شہود کو		جلوہ گہ شہود را
بتکدۂ نمود کو		بتکدۂ نمود را
رزم نبود و بود کو		رزم نبود و بود را
کشمکشِ وجود کو		کشمکشِ وجود را
عالمِ دیر و زود کو، دیکھے جا رہے ہیں ہم		عالمِ دیر و زود را، مے نگریم و مے رویم

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

① شہود کی جلوہ گاہ کو یعنی اس کائنات کو جو خالق کائنات کی جلوہ گری کا مقام ہے۔

② نمود کے بت کدہ کو یعنی اس جہان کو جہاں نئی نئی اشیا وجود اختیار کر رہی ہیں۔

③ اس جہان کو جو ہستی اور نیستی کا میدان جنگ ہے جہاں اشیا پیدا ہو رہی ہیں اور فنا ہو رہی ہیں۔

④ یہ جہان، جہاں ہر شے اپنے وجود کی بقا کے لیے تگ و دو کر رہی ہے۔

مصرع: اس جہاں کو جو دیر اور جلدی یعنی زمان و مکان کی قیود میں گرفتار ہے ہم دیکھ رہے ہیں اور چلے جا رہے ہیں۔

-1 دوسرے بند میں لفظ 'را' کو اردو لفظ 'کو' میں تبدیل کر کے اسے منظوم اردو ترجمہ کی شکل دے دی گئی ہے۔ خط کشیدہ الفاظ فارسی متن کو ظاہر کرتے ہیں۔

-2 فارسی متن کی ترجمہ میں بھرمار کی وجہ سے ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔

منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض	③	اصل متن از پیامِ مشرق
گرمئ کارزار بھی		گرمئ کارزار ہا
خامئ پختہ کار بھی		خامئ پختہ کار ہا
تاج و سریر و دار بھی		تاج و سریر و دار ہا
خوارئ شہریار بھی		خوارئ شہریار ہا
بازئ روزگار بھی، دیکھتے جا رہے ہیں ہم		بازئ روزگار ہا، مے نگریم و مے رویم

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

① دنیا میں جو جنگیں ہوتی ہیں ان کی گرمی یعنی شور و غوغا اور مار دھاڑ

② وہ جہان، جہاں عقل مندوں اور تجربہ کاروں میں بھی کوئی خامی رہ جاتی ہے۔

③ بادشاہوں کے تاج و تخت اور مجرموں کو دینے والی ان کی پھانسیاں۔

④ بزرگ اور عادل بادشاہوں کا ذلیل و خوار ہونا۔

مصرع: مختلف زمانوں کے رنگا رنگ تماشوں کو دیکھتے رہے ہیں اور چلتے رہتے ہیں۔

-1 دوسرے بند کی طرح تیسرے بند کو بھی صرف ایک لفظ کی تبدیلی سے منظوم اردو ترجمہ کی شکل دے دی گئی ہے۔

2- ترجمہ مشکل ہے اور عام قاری کے لیے قابل فہم نہیں ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	④	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیضؔ
خواجہ ز سروری گذشت		خواجہ سے سروری گئی
بندہ ز چاکری گذشت		بندہ سے چاکری گئی
زاری و قیصری گذشت		زاری و قیصری گئی
دورِ سکندری گذشت		شانِ سکندری گئی
شیوۂ بت گری گذشت، مے نگریم و مے رویم		رسمِ صنم گری گئی، دیکھتے جا رہے ہیں ہم

منثور اردو ترجمہ از الف۔د۔نسیم

① خواجہ سروری سے گزر گیا یعنی جو کل بادشاہ تھا آج اس کی بادشاہی نہ رہی آج وہ بے تخت و تاج ہے جو کل آقا تھا آج غلام ہے۔ بادشاہ کی بادشاہی نہ رہی۔

② غلام، آقا کی نوکری سے گزر گیا۔ وہ بھی باقی نہ رہا۔

③ زار کے لقب والا روس کا یا قیصر کے لقب والا جرمنی کا بادشاہ بھی ختم ہو گیا۔

④ یونان کے سکندر بادشاہ کا زمانہ بھی نہ رہا۔

مصرع: بت گری کی روش ختم ہو گئی یعنی لوگ جو پہلے اپنے آقاؤں کے غلام بن کر ان کی پرستش کرتے تھے اب ان کو ہوش آ گیا ہے اور انہوں نے خواجگی اور آقائی کے بتوں کو توڑ دیا ہے۔ ہم یہ دیکھ رہے ہیں اور چلے جا رہے ہیں۔

1- چوتھے بند میں فارسی متن کے الفاظ 'سروری'، 'چاکری'، 'زاری و قیصری'، 'سکندری' استعمال کر کے، معمولی ردوبدل سے اسے منظوم اردو ترجمہ کی شکل دے دی گئی ہے۔

2- ترجمہ متن کے مطابق، قابل فہم اور آسان ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	⑤	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیضؔ
خاک خموش و درخروش		خاکِ خموش اور خروش
ست نہاد و سخت کوش		ست نہاد و سخت کوش
گاہ بہ بزمِ ناؤ نوش		گاہ بہ بزمِ ناو نوش
گاہ جنازۂ بہ دوش		گاہ جنازۂ بدوش
میرِ جہان و سفتہ گوش! مے نگریم و مے رویم		میرِ جہاں و سُفتہ گوش، دیکھتے جا رہے ہیں ہم

منثور اردو ترجمہ از الف۔د۔نسیم

① خاموش مٹی شور مچا رہی ہے یعنی آدمی اگرچہ مٹی کا بنا ہوا ہے لیکن ہر وقت ہنگاموں اور شور و شر میں لگا رہتا ہے۔

② سرشت یا فطرت اس کی ست ہے لیکن وہ بڑی محنت کرنے والا ہے۔ خاکی ہوتا ہوا اپنے گرد و پیش کی تسخیر میں لگا ہوا ہے۔

③ کبھی وہ محفل میں بیٹھا شراب نوشی کر رہا ہے یعنی زندگی سے لطف اٹھا رہا ہے۔

④ کبھی کندھوں پر جنازہ لیے ہوئے یعنی غم زدہ زندگی گزار رہا ہے۔

مصرع: کبھی آدمی جہان کا امیر یا بادشاہ ہے اور کبھی کانوں میں چھید والا یعنی غلامی اختیار کرنے والا ہے ہم یہ دیکھ رہے ہیں اور چلے جا رہے ہیں۔

-1 پانچواں بند قریباً اسی شکل میں منظوم اردو ترجمہ میں دیدیا گیا ہے۔ صرف ایک جگہ لفظ 'و' کا ترجمہ 'اور' کیا گیا ہے اور آخری مصرع میں 'مے نگریم و مے رویم' کا ترجمہ دیا گیا ہے۔

-2 ترجمہ قریباً اصل فارسی متن میں ہی ہے اسی لیے اسے فارسی زبان سے ناواقف قاری نہیں سمجھ سکتا۔

اصل متن از پیامِ مشرق	⑥	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
تو بہ طلسمِ چون و چند		تو ہے رہینِ چوں و چند
عقلِ تو درکشاد و بند		کارِ خرد کشاد و بند
مثلِ غزالہ در کمند		جیسے ہرن تہِ کمند
زار و زبون و درد مند		زار و زبون و درد مند
مابہ نشیمن بلند ، مے نگریم و مے رویم		اپنا ہے آشیاں بلند، دیکھتے جا رہے ہیں ہم

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

① تو چون و چند یعنی زمان و مکاں کے جادو میں گرفتار ہے۔

② تیری عقل کبھی معمے کھولتی ہے اور کبھی کھلے ہوئے معموں کو الجھاتی ہے۔

③ ہرن کی مانند تیری عقل کمند میں ہے یعنی تقدیر و حالات کے سامنے مجبور ہے۔

④ (اور عقل) تقدیر کے سامنے رسوا و ذلیل اور تکلیف میں ہے۔

مصرع: (ہم تیرے مقابلہ میں اے انسان) بلند نشیمن یا جگہ پر ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں اور چلے جا رہے ہیں۔

-1 فارسی متن کو معمولی سی تبدیلی سے منظوم اردو ترجمہ کی شکل دے دی گئی ہے۔

-2 منثور اردو تراجم سے مدد لیے بغیر عام قاری منظوم اردو ترجمہ کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا۔

اصل متن از پیامِ مشرق	⑦	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
پردہ چرا؟ ظہور چیست؟		پردہ ہے کیا ، ظہور کیا؟
اصلِ ظلام و نور چیست؟		اصلِ ظلام و نور کیا؟
چشم و دل و شعور چیست؟		چشم و دل و شعور کیا؟
فطرتِ ناصبور چیست؟		فطرتِ ناصبور کیا؟
ایں ہمہ نزد و دور چیست؟ مے نگریم و مے رویم		یہ ہمہ نزد و دور کیا؟ دیکھتے جا رہے ہیں ہم

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

① پردہ یا غیب کیا ہے اور ظہور یا جو کچھ ظاہر ہے وہ کیا ہے۔

② ظلمت اور نور کی اصل کیا ہے۔
③ آنکھ، دل اور شعور کیا ہے۔
④ نہ صرف کرنے والی فطرت انسانی کیا ہے۔
مصرع: یہ سب کچھ جو نزدیک یا دور ہے کیا ہے (ہم انسانوں کو اس قسم کے سوالات حالات اور معاملات میں الجھا ہوا) دیکھ رہے ہیں اور چلے جا رہے ہیں۔

1- فارسی متن سے لفظ 'چیست' کا ترجمہ 'کیا' کر کے اسے منظوم اردو ترجمہ کی شکل دے دی گئی ہے
2- ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے، مگر ترجمہ میں فارسی متن کے ہی مشکل الفاظ استعمال ہونے کی وجہ سے عام قاری اسے نہیں سمجھ سکتا۔

⑧

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از فیض احمد فیض
بیشِ تو نزدِ ما کے	بیش ترا یہاں ہے کم
سالِ تو پیشِ ما دمے	تیرا برس ہمارا دم
اے بکنارِ تو یمے	پہلو میں رکھتا ہے تو یم
ساختۂ بہ شبنمے	اوس سے مانگتا ہے نم
ما بتلاشِ عالمے ، مے نگریم و مے رویم	ڈھونڈتے اک جہاں ہیں ہم، دیکھتے جا رہے ہیں ہم
(201)	(202)

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

① جو تیرے نزدیک زیادہ ہے وہ ہمارے نزدیک کم ہے۔
② جو تیرے لیے سال ہے وہ ہمارے لیے ایک لمحہ ہے۔
③ اے وہ کہ جس کے پہلو میں سمندر ہے یعنی تیرے جسم خاکی کے اندر خالق کائنات نے بہت سی صلاحیتیں رکھی ہیں۔
④ تو نے شبنم کے ساتھ دوستی کر لی ہے یا یہ کہ تو نے شبنم پر قناعت کر لی ہے مراد ہے کہ تو تو خود سمندر صفات ہے اور تو نے اس جہان کو جو تیرے لیے قطرہ شبنم سے زیادہ نہیں اپنا یار بنا رکھا ہے۔ یا تو نے اسی پر قناعت کر لی ہے۔
مصرع: ہم تو کسی عالم کی تلاش میں رہتے ہیں (لیکن تو جو خود ایک عالم ہے اور جس میں خارجی عالم گم ہے جستجوئے عالم باطن نہیں کر رہا)۔ ہم یہ دیکھ رہے ہیں اور چلے جا رہے ہیں۔(203)

1- اس بند کا ترجمہ مترجم نے اپنے الفاظ میں کیا ہے۔
2- ترجمہ متن کے مطابق اور درست ہے۔
3- ترجمہ میں فارسی متن کے صرف دو الفاظ 'کم' اور 'یم' استعمال ہوئے ہیں۔

مئے باقی

غزل نمبر 9

اصلِ متن از پیامِ مشرق ❶ منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

صورت نہ پرستم من ، بتخانہ شکستم من | صورت کو نہیں پوجا ، بتخانہ کو ڈھایا ہے
آں سیلِ سبک سیرم، ہر بند گسستم من | وہ سیلِ سبک رو ہوں ہر بند کو توڑا ہے

منثور اردو ترجمہ از الف۔د۔نسیم

میں صورت کو نہیں پوجتا، میں نے بت خانہ توڑ دیا ہے+
میں وہ تیز رفتار طوفان یا سیلاب ہوں کہ میں نے راستے کا ہر بند توڑ دیا ہے (میں موحد ہوں اور اللہ تعالیٰ کے سوا میں نے ہر چیز کی نفی کر رکھی ہے)۔

اصلِ متن از پیامِ مشرق ❷ منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

در بود و نبودِ من اندیشہ گمانہا داشت | ہے عقل کو سو الجھن ، میں ہوں کہ نہیں ہوں میں
از عشق ہویدا شد، ایں نکتہ کہ ہستم من | یہ نکتہ کہ ہوں موجود اک عشق نے جانا ہے

منثور اردو ترجمہ از الف۔د۔نسیم

میرے ہونے اور نہ ہونے میں میری فکر (عقل) بہت سے گمان رکھتی تھی+
عشق سے یہ راز کی بات ظاہر ہوئی کہ میں ہوں۔ (مجھے اپنی ہستی کا یقین آ گیا)

اصلِ متن از پیامِ مشرق ❸ منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

در دیر نیازِ من ، در کعبہ نمازِ من | زنار ہے کندھے پر ، تسبیح ہے ہاتھوں میں
زنار بدوشم من ، تسبیح بدستم من | کعبہ میں نمازیں ہیں، مندر سے بھی ناتا ہے

منثور اردو ترجمہ از الف۔د۔نسیم

مندر میں میری (بتوں کے آگے) نیاز مندی (ہے) اور کعبہ میں (خدا کے آگے) نماز (ہے)+
ایک طرف میں اپنی بغل میں جنیو (زنار) لپیٹے ہوئے ہوں (یعنی برہمن ہوں) اور دوسری طرف میں ہاتھ میں تسبیح لیے ہوئے ہوں (مسلمان ہوں) اس شعر میں توحید وجودی کا ذکر ہے کہ جب کسی پر وحدۃ الوجود کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو سارے امتیازات اور تفریقات مٹ جاتے ہیں اور سب جگہ ایک ہی ذات کے نور کی جلوہ گری نظر آتی ہے دوسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں عقائد و عبادات میں ریا کار ہوں۔

اصلِ متن از پیامِ مشرق ❹ منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

سرمایۂ دردِ تو ، غارت نتواں کردن | سرمایہ محبت کا غارت نہیں کر سکتا
اشکے کہ ز دل خیزد، در دیدہ شکستم من | اٹھتا ہے جو دل سے اشک آنکھوں میں سمویا ہے

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

(اے محبوب) تیرے درد کے سرمایہ کو غارت نہیں کیا جا سکتا۔
جو آنسو کہ دل سے اٹھتا ہے میں اسے آنکھوں میں جذب کر لیتا ہوں (زمین پر نہیں گرنے دیتا)۔

5

اصل متن از پیامِ مشرق

فرزانہ بگفتارم، دیوانہ بہ کردارم
از بادۂ شوقِ تو ہشیارم و مستم من
(204)

منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

ہشیاری و مستی سے عاشق ترا مایہ وار
کردار میں دیوانہ گفتار میں دانا ہے
(205)

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

بات چیت میں، میں عقل مند ہوں اور کردار میں دیوانہ ہوں+
تیرے عشق کی شراب میں ہوشیار ہوں اور مست بھی ہوں۔ (کردار میں دیوانہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب بات میری سمجھ میں آ جاتی ہے تو اس کو عمل میں لانے کے لیے ہر مصلحت سے بالاتر ہو کر اقدام کرتا ہوں)۔ (206)

1- غزل نمبر 9 کے منثور اردو ترجمہ اور منظوم اردو ترجمہ کے تقابل و جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ قریباً تمام غزل کا منظوم اردو ترجمہ آسان، عام فہم، سلیس اور رواں ہے۔ ترجمہ نہایت خوبصورت ہے اور اسے پڑھ کر لطف آتا ہے۔ آخری دو اشعار کا ترجمہ کچھ غور طلب ہے۔

2- شعر نمبر 4 کا منثور اردو ترجمہ ہے '(اے محبوب) تیرے درد کے سرمایہ کو غارت نہیں کیا جا سکتا۔ جو آنسو کہ دل سے اٹھتا ہے میں اسے آنکھوں میں جذب کر لیتا ہوں (زمین پر نہیں گرنے دیتا)'۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ ہے ۔

سرمایہ محبت کا غارت نہیں کر سکتا
اٹھتا ہے جو دل سے اشک آنکھوں میں سمویا ہے

فارسی متن اور منثور اردو ترجمہ کے مطابق 'کر سکتا' کی جگہ پر 'کرتا ہوں' اور 'سمویا ہے' کی جگہ پر 'سموتا ہوں' آنا چاہیے۔ مترجم نے شعری وزن قائم رکھنے کے لیے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں جس وجہ سے مفہوم کچھ تبدیل ہو گیا ہے۔

3- شعر نمبر 5 کا دوسرا مصرع ہے 'از بادۂ شوقِ تو ہشیارم و مستم من'۔ اس کا مطلب ہے 'تیرے عشق کی شراب سے میں ہوشیار ہوں اور مست بھی ہوں۔' مراد یہ ہے کہ جذبۂ عشق کی بدولت مجھے مستی عطا ہوئی ہے مگر یہ ایسی مستی ہے جس میں ہوشمندی بھی شامل ہے۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ ہے 'ہشیاری و مستی سے عاشق ترا مایہ وار' مراد یہ ہے کہ تیرے عاشق کو ہشیاری و مستی کی دولت حاصل ہے۔' یہ مفہوم اصل متن کے مفہوم سے بالکل مختلف ہے۔ اصل متن میں تو بیک وقت ہوشیاری و مستی کے حاصل ہونے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ یہ دونوں کیفیات عشق کی بدولت حاصل ہوئی ہیں۔ منظوم اردو ترجمہ میں دونوں کیفیات حاصل ہونے کا تو ذکر کیا گیا ہے مگر ان کے حاصل ہونے کی وجہ بیان نہیں کی گئی۔

4- حاصل کلام یہ کہ مجموعی طور پر غزل نمبر 9 کا منظوم اردو ترجمہ آسان، سلیس، رواں اور اصل متن کے قریب تر ہے۔

نقشِ فرنگ

قسمت نامۂ سرمایہ دار و مزدور

اصل متن از پیامِ مشرق ❶ منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

غوغاے کارخانۂ آہنگری ز من غوغائے کارخانہ آہن گری مرا
گلبانگِ ارغنونِ کلیسا ازانِ تو گلبانگ ارغنونِ کلیسا ترے لیے

منثور اردو ترجمہ از الف۔د۔نسیم

(سرمایہ دار مزدور کو طرح طرح کے فریب دے کر اس کی محنت سے جو فائدہ اٹھاتا ہے جملہ اشعار میں طنزیہ طور پر اسی کی طرف اشارہ ہے۔ سرمایہ دار اس شعر میں کہتا ہے کہ) اے مزدور لوہا ڈھالنے والے کارخانے کا شور تو میری وجہ سے ہے۔ یعنی میں نے یہ کارخانہ لگایا ہے+

گرجا کے باجے کا گیت تیرے لیے ہے۔ مراد ہے میں دولت کے مزے لوٹتا رہوں گا اور تو مذہب کی افیون کھا کر مست رہ۔ (اور آنے والی زندگی یعنی موت کے بعد کی زندگی میں ملنے والی ان راحتوں کے لطف لے جس کا پادریوں نے تجھ سے وعدہ کیا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❷ منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

نخلے کہ شہ خراج بروی نہد زمن جس پر خراج شاہ لے وہ نخل ہے میرا
باغِ بہشت و سدرہ و طوبا ازانِ تو باغِ بہشت و سدرہ و طوبا ترے لیے

منثور اردو ترجمہ از الف۔د۔نسیم

دنیا کے درخت یعنی کھیت اور باغات وغیرہ جن سے بادشاہ محصولات حاصل کرتا ہے وہ تو میری ملکیت ہیں+ اور موت کے بعد ملنے والی جنت کے باغ، سدرہ کا مقام اعلیٰ اور طوبیٰ کا درخت یہ سب تیرے ہیں۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❸ منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

تلخابۂ کہ دردِ سر آرد ازانِ من تلخابہ میرے واسطے جو لائے سر کا درد
صہباے پاکِ آدم و حوا ازانِ تو صہبائے پاک آدم و حوا ترے لیے

منثور اردو ترجمہ از الف۔د۔نسیم

دنیا کی وہ تیز شراب جو دردسر پیدا کرتی ہے میرے پینے کے لیے ہے+
اور آدم اور حوا کی پینے والی شراب طہور جو جنت میں ہے وہ تیرے لیے ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❹ منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

مرغابی و تدرو و کبوتر ازانِ من مرغابی و تدرو و کبوتر مرے لیے
ظلِ ہماؤ شہپرِ عنقا ازانِ تو ظِلِ ہما و شہپرِ عنقا ترے لیے

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

مرغابیوں، تیتروں اور کبوتروں کا گوشت میرے لیے+

اور ہما کا سایہ اور عنقا کا بازو تیرے لیے ہے مراد ہے عنقا اور ہما جیسے خیالی پرندوں کا گوشت جو کبھی ہاتھ نہیں آنے کا تیرے لیے ہے۔

منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی	5	اصل متن از پیامِ مشرق
یہ خاک اور جو اس کے ہے اندر میرے لیے		ایں خاک و آنچہ در شکمِ او ازانِ من
اور جو ہے تا بہ عرش معلا ترے لیے		و ز خاک تا بہ عرشِ معلا ازانِ تو
(208)		(207)

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

یہ زمین اور اس کے اندر جو کچھ ہے میرے لیے ہے+

اور اس زمین سے لے کر آسمان تک جو کچھ ہے وہ تیرے لیے ہے۔(209)

1- نظم 'قسمت نامہ سرمایہ دار و مزدور' کے منثور و منظوم اردو تراجم کے تقابل و جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔

2- تمام نظم کے ترجمہ میں فارسی متن کے مشکل الفاظ و تراکیب استعمال کی گئی ہیں جس وجہ سے ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں خط کشیدہ الفاظ، اصل متن سے لیے گئے ہیں۔

3- مترجم نے فارسی شعر نمبر 1 اور شعر نمبر 4 کو معمولی تبدیلی سے منظوم اردو ترجمہ کی شکل دے دی ہے۔ مضمون وہی ہے، الفاظ قریباً وہی ہیں۔ شعر نمبر 1 کے فارسی لفظ 'من' کا ترجمہ 'مرا' اور 'ازانِ تو' کا ترجمہ 'ترے لیے' کر کے فارسی شعر کو منظوم اردو ترجمہ کی شکل دے دی گئی ہے۔ اسی طرح شعر نمبر 4 کے آخری الفاظ 'من' اور 'تو' کا ترجمہ دے کر اسے منظوم اردو ترجمہ کی شکل دے دی گئی ہے۔

4- شعر نمبر 2 اور شعر نمبر 3 میں اسی طرح کی کچھ تبدیلیوں سے انہیں منظوم اردو ترجمہ کا رُوپ دے دیا گیا ہے۔

5- آخری شعر کے ترجمہ میں مترجم نے کچھ زیادہ محنت کی ہے۔ انہوں نے پہلے مصرعے کا ترجمہ اپنے الفاظ میں ہی کیا ہے۔ دوسرے مصرعے میں فارسی متن کے الفاظ 'تا بہ عرشِ معلا' استعمال کر کے اس نظم کے ترجمہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ہے اور فارسی متن کی طرح، منظوم اردو ترجمہ کی تفہیم کا سارا بوجھ پڑھنے والوں پر ڈال دیا ہے کہ جس میں ہمت ہے خود ہی سمجھ لے کہ علامہ نے کیا فرمایا ہے اور منظوم اردو ترجمہ کا مفہوم کیا ہے۔

مُردہ

منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی	(13)	اصل متن از پیامِ مشرق
رابطہ کم ہمتوں سے عشق رکھتا ہی نہیں		ندارد کار با دوں ہمتاں عشق
مردہ تیتر پر کبھی شاہین جھپٹتا ہی نہیں		تدروِ مُردہ را شاہیں نگیرد

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

پست ہمت والوں سے عشق کوئی سروکار نہیں رکھتا+

مردہ چکور کو شاہین نہیں پکڑتا۔

اصل متن از پیامِ مشرق (15) منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

نقدِ شاعر در خورِ بازار نیست	در خورِ بازار اک شاعر کی پونجی ہے کہاں
ناں بسیمِ نسترن نتواں خرید	نان سیمِ نسترن کو دے کے ملتی ہے کہاں

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

شاعر کی نقدی بازار کے لائق نہیں +
نسترن (چنبیلی کے سفید پھول) کی چاندی سے روٹی نہیں خریدی جاسکتی مراد ہے زندگی کے کٹھن، حقیقی مسائل محض شاعرانہ افکار سے حل نہیں ہوتے۔ اس کے لیے عمل کی ضرورت ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق (16) منظوم اردو ترجمہ از عبدالعلیم صدیقی

چہ خوش بودے اگر مرد نکو پے	یہ خوشتر تھا کہ مردان نکو خو
ز بندِ پاستاں آزاد رفتے	سلف کے بندھنوں سے بھی نکلتے
اگر تقلید بودے شیوۂ خوب	اگر تقلید ہوتی شیوۂ خوب
پیمبر ﷺ ہم رہِ اجداد رفتے	پیمبر بھی رہِ آبا پہ چلتے
(210)	(211)

منثور اردو ترجمہ از الف۔ د۔ نسیم

کتنا اچھا ہوتا اگر نیک راہ چلنے والا یا نیکی کی چال والا مرد +
(اپنے) اسلاف یعنی گزرے ہوئے بزرگوں کے راستہ سے آزاد رہ کر چلتا۔
اگر دوسروں کی تقلید (پیروی کرنا) اچھا طریقہ ہوتا تو پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے باپ دادا کے راستہ پر چلتے (اور ان کے بتوں کو برا نہ کہتے) مراد یہ ہے کہ اپنے اسلاف کی ان روایات کو اپنانا اور ان کے چلے ہوئے ان راستوں پر چلنا تو درست ہے جو انسانیت اور مسلمانی کی منزل تک لے جاتے ہیں لیکن اپنے اسلاف کی ان باتوں پر اندھا دھند اعتقاد کر کے عمل کرنا جن سے مسلمانی اور انسانی قدروں کو ٹھیس پہنچتی ہو درست نہیں ہے۔(212)

1- ٹکڑہ نمبر 13 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔ ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔
2- ٹکڑہ نمبر 15 کے ترجمہ میں فارسی متن کے الفاظ 'درخورِ بازار' اور 'نان سیمِ نسترن' استعمال ہوئے ہیں جس وجہ سے ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ یہ ترجمہ اگرچہ متن کے مطابق ہے مگر عام فہم نہیں۔
3- ٹکڑہ نمبر 16 کے منظوم اردو ترجمہ میں مشکل الفاظ 'خوشتر'، 'مردانِ نکو'، 'سلف' اور 'شیوۂ خوب' کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ پہلے شعر کی نسبت دوسرے شعر کا ترجمہ قدرے آسان ہے۔

پیامِ مشرق کے منظوم اردو ترجمہ 'نوائے شرق' کے تفصیلی جائزہ سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

1- قریباً تمام ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔
2- بعض مقامات پر ترجمہ اصل متن کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا۔
3- صرف چند ایک مقامات پر دیا گیا منظوم اردو ترجمہ اصل متن سے بالکل مختلف ہے۔

4- جہاں کہیں مترجم نے اپنے الفاظ میں فارسی متن کا مفہوم بیان کیا ہے، وہاں ترجمہ سلیس، عام فہم اور رواں ہے۔

5- علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کے فکر کی گہرائیوں کو پا کر اُسی طرح کی فنی مہارت سے منظوم اردو ترجمہ کرنا نہایت ہی مشکل کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی شاعر بھی اپنے اعلیٰ فکری اور فنی مہارت کے باوجود اپنے منظوم اردو ترجمہ میں کلی طور پر علامہ کے فارسی کلام کی طرح صوری و معنوی حسن نہیں پیدا کر سکا۔ علامہ نے اپنے فکر و فلسفہ کے اظہار کے لیے جو الفاظ و تراکیب استعمال کی ہیں، اکثر ترجمہ کرتے وقت ان سے بہتر الفاظ و تراکیب ڈھونڈنے سے نہیں ملتیں اس لیے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آتا کہ منظوم اردو ترجمہ میں علامہ کے فارسی کلام کے الفاظ و تراکیب ہی استعمال کی جائیں۔ بعض مقامات پر تو مترجم اتنا بے بس ہو جاتا ہے کہ اسے علامہ کے کلام سے مکمل مصرع یا شعر اٹھا کر ہی اپنے منظوم اردو ترجمہ کی زینت بنانا پڑتا ہے۔ اس طرح کی بے بسی کی کیفیت پیامِ مشرق کے تمام منظوم اردو تراجم میں نظر آتی ہے۔ فیض احمد فیضؔ، حضور احمد سلیمؔ، عبدالعلیم صدیقیؔ، سرو سہار نپوری، ڈاکٹر عصمت جاوید، رؤف خیری، سید احمد ایثارؔ، صابر ابوہریؔ، مضطرؔ مجاز سب کے تراجم میں کسی نہ کسی مقام پر اس طرح کا ترجمہ نظر آتا ہے۔

6- ایسا ترجمہ جس میں فارسی الفاظ و تراکیب کی بھرمار ہو ہرگز آسان اور عام فہم نہیں ہوتا۔ اس طرح کے ترجمے کو منظوم اردو ترجمہ نہیں بلکہ 'منظوم فارسی اردو ترجمہ' قرار دیا جاسکتا ہے۔ عبدالعلیم صدیقیؔ کی تصنیف میں بھی اس طرح کا ترجمہ نظر آتا ہے۔ مجموعی طور پر ان کا 50% ترجمہ آسان اور عام فہم ہے۔ باقی 35% ترجمہ اگرچہ متن کے قریب تر ہے مگر مشکل اور عام فہم نہیں ہے۔ ان کا قریباً 15% منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

7- فارسی کلام کے منظوم اردو ترجمہ میں اگر عام قارئین کی خاطر تسہیل کے لیے اس کلام کے منثور اردو ترجمہ کے ساتھ فرہنگ یا حواشی میں منظوم اردو ترجمہ کے مشکل الفاظ و تراکیب کے معانی دے دیئے جائیں تو اس کی افادیت میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

روحِ مشرق

منظوم اردو ترجمہ

از

عبدالرحمٰن طارق بی اے

'روحِ مشرق' پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ عبدالرحمٰن طارق نے کیا ہے۔ پیشِ نظر کتاب 'روحِ مشرق' کا دوسرا ایڈیشن ہے جو جولائی 1965ء کو ملک دین محمد اینڈ سنز کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب $\frac{20\times30}{8}$ سائز پر طبع ہوئی ہے۔ کتاب کے سب ٹائٹل، پرنٹنگ پیج اور 'انتساب' کے بعد تفصیلی فہرست عنوانات دی گئی ہے۔ صفحات 'ا' تا 'ذ' پر 'پیش لفظ' اور 'ہ' تا 'ع' پر دیباچہ تحریر کیا گیا ہے۔ صفحہ نمبر 11 تا صفحہ نمبر 264 پر مکمل پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ 'پیش لفظ' عبدالحکیم نشتر جالندھری نے تحریر کیا ہے جس میں انہوں نے ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کی مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں کہ کسی تقریر یا تحریر کا ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا بظاہر جس قدر آسان معلوم ہوتا ہے حقیقتاً اس قدر مشکل ہے۔ کوئی مضمون یا کتاب لکھنے کے لیے خاص قابلیت درکار ہوتی ہے۔ لیکن کسی مضمون یا کتاب کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کے لیے ایک مابہ الامتیاز اور منفرد دسترس کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ راستہ بہت پُر پیچ، بہت پُر خار اور بہت سنگلاخ ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

> ''ترجمہ کرنے کا ایک طریق تو یہ ہے کہ الفاظ کی پروا کیے بغیر اصل عبارت کے صحیح مفہوم اور سچی رُوح کی ہو بہو تصویر اپنے الفاظ کے موقلم سے کھینچ دی جائے۔ دوسرا اسلوب یہ ہے کہ ایک زبان کے الفاظ اور محاورات کو کلیۃً محفوظ رکھتے ہوئے انہیں کے مترادف الفاظ اور محاورات میں منتقل کر دیا جائے اور اصلی روح بھی قائم رکھی جائے۔ میرے خیال میں مؤخر الذکر انداز بہتر اور مشکل تر ہے.....'' (213)

مندرجہ بالا اقتباس کے مطابق ترجمہ کی دو صورتیں ہیں:

1- پہلی صورت یہ ہے کہ اصل عبارت کا حقیقی مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔ اسے 'آزاد ترجمہ' کہتے ہیں۔

2- دوسری صورت یہ ہے کہ اصل عبارت کا لفظی و صوری حُسن برقرار رکھتے ہوئے اس کا حقیقی مفہوم بیان کیا جائے۔ اگرچہ یہ انداز بہتر ہے مگر زیادہ مشکل ہے۔

عبدالحکیم نشتر جالندھری مزید لکھتے ہیں:

"..... کسی ایک زبان کی منثور یا منظوم کتاب کا دوسری زبان میں منظوم ترجمہ کرنا میرے نزدیک مستحسن نہیں۔ کیونکہ نثر ہی میں ترجمے کا صحیح حق ادا کرنا نہایت مشکل ہے۔ چہ جائیکہ اسے نظم کیا جائے۔ نظم کرتے وقت لازماً بحروزمین کی پابندی کے باعث زائد الفاظ تحریر کرنے اور اصلی الفاظ چھوڑنے پڑتے ہیں....."(214)

عبدالحکیم نشتر جالندھری کا نکتہ نظر عین واضح اور درست ہے۔ نثر میں ترجمے کا صحیح حق ادا کرنا نہایت مشکل ہے۔ منظوم ترجمہ کی صورت میں اوزان وقوافی کی بندش کی وجہ سے اصل کلام کے صوری ومعنوی محاسن قائم رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ کسی مختصر سے کلام کے منظوم ترجمہ کی صورت میں تو شاید اصل کلام کے صوری معنوی محاسن کو قائم رکھا جاسکے مگر 'پیامِ مشرق' جیسی تصنیف میں شامل تمام کلام کے منظوم اردو ترجمہ میں اصل کلام کے فکری وفنی اور صوری و معنوی محاسن قائم رکھنا نہایت ہی مشکل کام ہے۔ منظوم اردو ترجمہ کی انہی دشواریوں کی وجہ سے فیض احمد فیض، حضور احمد سلیم، عبدالعلیم صدیقی اور دیگر شعرا کے پیامِ مشرق کے منظوم اردو تراجم میں بعض مقامات پر اصل متن کا جو حصہ دسترس میں نہ آسکا، اس کا ترجمہ ادھورا ہوا یا ترجمہ ہو ہی نہ سکا۔

عبدالرحمٰن طارق کو ان دشواریوں کا احساس تھا۔ اس لیے انہوں نے آزاد ترجمہ کی راہ اپنائی۔ وہ لکھتے ہیں:

"قارئین اس ترجمے کو ایک "تحت اللفظ" ترجمہ ہرگز تصور نہ فرمائیں۔ یہاں مکھی پر مکھی مار کر مطالب ومعانی کو محض طلسمِ الفاظ پر قربان نہیں کیا گیا۔ یہ ایک آزاد ترجمہ ہے جس میں شاعر کے اصل مفہوم ومدّعا کو زیادہ سے زیادہ واضح اور بسیط صورت میں پیش کیا گیا ہے!"(215)

'روحِ مشرق' کے 'دیباچہ' میں عبدالرحمٰن طارق نے ترجمہ کے چند بنیادی اصول تحریر کیے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:۔

"ا۔ ترجمے میں مصنف کا حقیقی مفہوم ومقصد بالکل فوت نہ ہو!

۲۔ ترجمے کے الفاظ میں ایسی افراط وتفریط نہ ہو جس سے اصل مفہوم کہیں مسخ ہوتا ہوا دکھائی دے۔

۳۔ ترجمے میں اصل تصنیف کا زور واثر پایا جائے، اور وہ کہیں بھی غیر فصیح، پھُسپھُسا اور بے جان معلوم نہ ہو!

۴۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ترجمہ اپنی چُستیِ بندش، موزونیِ الفاظ، حُسنِ ترتیب اور نغمۂ صوتی کی بنا پر "ترجمہ" نہیں، بلکہ ایک اصل تخلیق معلوم ہو!"(216)

ترجمہ کرتے وقت عبدالرحمٰن طارق نے ترجمے کی مذکورہ بالا شرائط کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ اپنی اس کوشش کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

"..... اب کہ بفضلہٖ تعالیٰ ترجمہ ہر جہت سے مکمل ہو چکا ہے، میں ہر خوش فہمی اور شک وشبہ سے بالاتر رہ کر سو فی صدی مطمئن ہوں کہ میں نے ترجمے کی مقتضیات کو 'کماحقہٗ' ادا کر دیا ہے"۔(217)

'پیش لفظ' میں عبدالحکیم نشتر جالندھری نے عبدالرحمٰن طارق کی اس کوشش کو سراہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''..... میں نے بہت زیادہ محنت وعرق ریزی اور بہت زیادہ وقت صرف کر کے ''رُوحِ مشرق'' پر نظر ثانی کی تو اس نتیجے پر پہنچا کہ جناب طارق کی محنت اور ہمت واقعی سزاوارِ ستائش ہے.....''(218)

عبدالرحمٰن طارق کے منظوم اردو ترجمہ کے بغور مطالعہ اور پیامِ مشرق کے دیگر منظوم اردو تراجم سے اس کے تقابل وموازنہ اور جائزہ کے بعد راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ انہوں نے کامیابی سے آزاد ترجمہ کی پالیسی پر عمل کیا ہے اور ترجمہ کے اصولوں کی پاسداری کی ہے۔ دیگر تراجم کی نسبت ان کا ترجمہ زیادہ واضح اور اصل متن کے قریب تر نظر آتا ہے۔ ان کے ترجمہ میں فارسی کلام کے الفاظ وتراکیب کی بھرمار نہیں ہے۔ انہوں نے جہاں کہیں کوئی مشکل لفظ یا ترکیب استعمال کی ہے، حاشیہ میں اس کا مفہوم بھی درج کر دیا ہے۔ ان کی اس کوشش کی وجہ سے منظوم اردو ترجمہ میں استعمال ہونے والے ایسے مشکل الفاظ وتراکیب گراں بار محسوس نہیں ہوتیں۔ ان کے منظوم اردو ترجمہ سے چند ایک مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔

لالۂ طور (رباعیات)

رباعی نمبر 4

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق	اصل متن از پیام مشرق
عشق سمجھا ہے عقابوں کو حقیر و کم بہا	عقاباں را بہائے کم نہد عشق
عشق ہی کنجشک کو شاہیں سے دیتا ہے لڑا	تذرواں را بہ بازاں سر دہد عشق
گرچہ دل کرتا ہے ہر دم عشق کی زد سے گریز	نگہ دارد دلِ ما خویشتن را
عشق ہوتا ہے مگر خود اس کی تہہ سے رونما	ولیکن از کمینش بر جہد عشق
(220)	(219)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

عشق، عقابوں کو کوئی وقعت واہمیت نہیں دیتا۔

(اس کے برعکس) وہ چکوروں کو بازوں پر چھوڑ دیتا یعنی حملہ آور کرا دیتا ہے۔

مراد یہ کہ دنیاوی شان وشوکت کے باعث مغرور ومتکبر انسانوں کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں جبکہ جذبہ عشق سے سرشار عام یا کمزور انسانوں میں وہ ایسی قوت عطا کرتا ہے کہ وہ بڑی سے بڑی قوت سے بھی ٹکرا جاتے ہیں۔

ہمارا دل اپنے آپ کی حفاظت کرتا ہے

لیکن عشق اس کی گھات سے باہر اچھل پڑتا ہے یعنی نکل آتا ہے۔

گویا جذبۂ عشق دل کی فطرت میں رکھا گیا ہے، اگر دل اس سے دور رہنا بھی چاہے تو وہ کسی نہ کسی صورت میں، اس میں سما جاتا ہے۔(221)

-1 پہلے شعر کے منظوم اردو ترجمہ میں 'تذرواں' کا ترجمہ 'کنجشک' کیا گیا ہے۔ 'تذرو' سے مراد 'چکور' ہے جبکہ

'کنجشک' سے مراد 'چڑیا' ہے۔ اس طرح منظوم اردو ترجمہ کا پہلا مصرع ہے 'عشق سمجھا ہے عقابوں کو حقیر و کم بہا'۔ اس ترجمہ میں 'سمجھا ہے' کی جگہ پر 'سمجھتا ہے' آنا چاہیے تاکہ مفہوم اصل متن کے مطابق ہو جائے۔ بحر کی پابندی کی وجہ سے پہلے شعر کے منظوم اردو ترجمہ میں موزوں الفاظ استعمال نہیں ہوئے جس وجہ سے یہ ترجمہ اصل متن کی صحیح ترجمانی نہیں کرسکا۔

2- شعر نمبر 2 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

رباعی نمبر 6

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق	اصل متن از پیامِ مشرق
ہر کس و ناکس محبت سے ہُوا کب مایہ دار	نہ ہر کس از محبت مایہ دار است
کب ہے ممکن ہر کسی کو ہو محبت سازگار	نہ با ہر کس محبت سازگار است
عشق کے شعلے سے ہے لالے کا سینہ داغ داغ	بروید لالہ با داغِ جگر تاب
دِل مگر لعلِ بدخشاں کا ہے بے سوز و شرار	دلِ لعلِ بدخشاں بے شرار است
(223)	(222)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

ہر کوئی محبت/عشق کی دولت سے مالا مال نہیں ہے
اور نہ محبت ہر کسی کے موافق حال ہی ہے۔
اس کی مثال یوں ہے کہ لالہ کا پھول تو جگر تاب داغ کے ساتھ، جو عشق و محبت کی علامت ہے، اگتا ہے
جبکہ بدخشاں کے لعل کے دل میں کوئی چنگاری ہی نہیں ہے۔
بدخشاں کا لعل، جو ایک قیمتی پتھر ہے، مشہور ہے۔ گویا لالہ میں تو سوز و تپش ہے جو محبت سے مالا مال ہونے کی علامت ہے، لیکن بدخشاں کا لعل اس سے محروم ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ جذبہ، جسے خدا چاہے دے۔ (224)

1- رباعی نمبر 6 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے عین مطابق اور درست ہے۔

2- ترجمہ سلیس، رواں اور عام فہم ہے۔ یہ ترجمہ الگ تخلیقی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اسے اصل متن کے بغیر بھی پڑھیں تو اس کا مفہوم سمجھ آجاتا ہے۔

رباعی نمبر 10

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق	اصل متن از پیامِ مشرق
یہ جہانِ پیر جس کی بود ہے گویا نبود	جہانِ ما کہ نابود است بودش
حاملِ نقص و زیاں ہے اس کا ہر اندازِ سود	زیاں توام ہمی زاید بسودش
توڑ کر کہنہ سرا تعمیر کر اک قصرِ نو	کہن را نو کن و طرحِ دگر ریز
دل نہیں برداشت کرتا اس کا بارِ دیر و زود	دلِ ما بر نتابد دیر و زودش
(226)	(225)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

ہماری یہ دنیا جس کا وجود (ہستی) ایک طرح سے نہیں ہے (عدم یا نیستی ہے)۔
اس میں اس کا نقصان، نفع کے ساتھ جڑواں پیدا ہوتا ہے۔
یعنی یہ دونوں باتیں اس میں موجود ہیں، اس صورت میں کہ کسی کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو وہ دوسرے کے لیے نفع یا فائدہ بنتا ہے۔ اسی طرح ایک کے فائدے یا نفعے میں دوسرے کا نقصان ممکن ہے۔
تو اے مخاطب! پرانی ڈگر کو نیا بنا اور ایک نئی بنیاد ڈال۔
ہمارا دل اس کے دیر اور زود (جلدی) کو برداشت نہیں کرتا۔
مراد یہی ہوسکتی ہے کہ اس نفع و نقصان کے چکر سے نکل اور ایسے کارنامے انجام دے جو دنیا کی تقدیر بدل دیں۔(227)

1- عبدالرحمٰن طارق نے رباعی کا اصل مفہوم مدنظر رکھتے ہوئے اپنے الفاظ میں اسے منظوم اردو ترجمہ کی شکل میں بیان کر دیا ہے۔
2- ان کا یہ ترجمہ اصل متن کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔
3- انہوں نے حاشیہ میں منظوم اردو ترجمہ کے درج ذیل الفاظ و معانی دے کر اس کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱ بود: وجود ۲ نبود: عدم ۳ سود: فائدہ

رباعی نمبر 22

اصل متن از پیامِ مشرق

مسلماناں! مرا حرفے است در دل
کہ روشن تر ز جانِ جبرئیل است
نہانش دارم از آزر نہاداں
کہ ایں سِرّے ز اسرارِ خلیلؑ است
(228)

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

اے مسلماں! میرے دل میں ہے وُہ اک حرفِ جلیل
جس کی تابانی سے شرمندہ ہے جانِ جبرئیلؑ
آزرانِ عہد سے میں اُس کو رکھتا ہوں نہاں
کیونکہ ہے بُت خانۂ عالم میں وہ رازِ خلیلؑ
(229)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

اے مسلمانو! میرے دل میں ایک ایسی بات ہے
جو جبرئیلؑ کی جان سے بھی زیادہ روشن ہے۔
میں یہ بات بت پرستانہ فطرت رکھنے والوں سے چھپا کر رکھ رہا ہوں،
کیوں یہ حضرت ابراہیم خلیلؑ اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔
حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کے بت توڑ ڈالے تھے اور وہ خدائے واحد کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ یہ دنیا بھی گویا ایک بت خانہ ہے، جس میں قسم قسم کے بت ہیں، مثلاً حرص و ہوس، غرور

تکبر، خود کو خدا کے برابر سمجھنا جو باطن قوتوں کا انداز ہے۔ اس لیے ان بتوں کو توڑ کر صرف اس خدائے واحد کو حاکم مطلق ماننا ضروری ہے۔(230)

1- عبدالرحمٰن طارق نے رباعی نمبر 22 کا اصل مفہوم مدنظر رکھتے ہوئے اپنے الفاظ میں اسے منظوم اردو ترجمہ کی شکل میں بیان کر دیا ہے۔

2- ان کا یہ ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے اور تفہیم متن میں مدد دیتا ہے۔

3- منظوم اردو ترجمے کے دوسرے مصرعے 'جس کی تابانی سے شرمندہ ہے جانِ جبرئیلؑ'، میں لفظ 'شرمندہ' کا استعمال ناموزوں اور ناگوار محسوس ہوتا ہے۔

4- حاشیہ میں الفاظ 'آزرانِ عہد' کا مفہوم دیا گیا ہے 'وقت کے کافر و سرکش لوگ'۔ یہ مفہوم درست ہے اور تفہیم متن میں مدد دیتا ہے۔

رباعی نمبر 30

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق
بروں از ورطۂ بود و عدم شو	بحر بن جا چھوڑ دے یہ ورطۂ بود و عدم
فزوں تر زیں جہانِ کیف و کم شو	پست ہو تیری بلندی سے جہانِ کیف و کم
خودی تعمیر کن در پیکرِ خویش	کر خودی تعمیر دل میں، نفس کے بُت کو گرا
چو ابراہیمؑ معمارِ حرم شو	ہو تو ابراہیمؑ کی مانند معمارِ حرم
(231)	(232)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

تو (مخاطب) ہستی اور نیستی کے بھنور سے باہر نکل
اور اس کیف و کم کی دنیا سے آگے نکل جا۔
مراد یہ کہ خود کو دنیاوی علائق اور فلسفیانہ بحثوں سے بچا کر رکھ اور بلند مرتبہ زندگی اور بقا کے حصول میں سرگرم ہو جا۔
اپنے بدن یعنی دل میں خودی تعمیر کر،
اس طرح حضرت ابراہیمؑ کی مانند کعبہ کا معمار بن۔
اپنی مخفی قوتوں اور صلاحیتوں سے کام لے اور دنیا کی باطل قوتوں کے آگے جھکنے کی بجائے اس حاکم و خالق مطلق سے لو لگا۔(233)

1- رباعی نمبر 30 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

2- مترجم نے لفظی ترجمہ کے بجائے آزاد ترجمہ کی حکمتِ عملی پر عمل کرتے ہوئے منظوم اردو ترجمہ کی مدد سے اصل متن کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ کافی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

3- انہوں نے حاشیہ میں منظوم اردو ترجمہ کے درج ذیل مشکل الفاظ و معانی دے کر عام قاری کے لیے تسہیل کا فریضہ بھی سرانجام دیا ہے

۱؎ ورطۂ بود و عدم: وجود اور عدم کا بھنور۔ مراد یہ محدود عالم جس میں پابندی مکان لگی ہوئی ہے۔
۲؎ جہانِ کیف وکم: وہ جہان جس کا مدار کیسا اور کتنا پر ہو۔ محدود دنیا۔

4- مترجم کا منظوم اردو ترجمہ خوبصورت اور لائقِ تحسین ہے۔

رباعی نمبر 56

اصل متن از پیامِ مشرق

ز خوب و زشتِ تو ناآشنایم
عیارش کردۂ سود و زیاں را
دریں محفل ز من تنہا ترے نیست
بچشمِ دیگرے بینم جہاں را
(234)

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

تیرے خوب و زشت کا معیار ہے سُود و زیاں
اس لیے میں تیری قدروں کا نہیں ہوں رازداں
اِس بھری محفل میں کوئی مجھ سے تنہا تر نہیں
اور ہی نظروں سے میں تو دیکھتا ہوں یہ جہاں
(235)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

میں تیرے بھلے برے کے معیار سے ناواقف ہوں، متفق نہیں ہوں۔
تو نے اس (بھلے برے) کا معیار اپنے نفع / فائدہ اور نقصان کے مطابق رکھا ہے۔
اس محفل میں مجھ سے زیادہ کوئی تنہا نہیں ہے۔
میں تو کسی اور ہی نگاہ سے اس دنیا کو دیکھتا ہوں۔
مطلب یہ کہ عام آدمی اپنے نفع نقصان کے مطابق کسی چیز کو اچھا یا برا سمجھتا ہے۔ علامہ نے خود کو اس دنیا میں تنہا اس بنا پر کہا ہے کہ وہ اس دنیا کے ظاہر پر توجہ دینے کی بجائے حقیقت اور فطرت پر توجہ رکھتے ہیں۔ (236)

1- عبدالرحمٰن طارق نے رباعی نمبر 56 کے پہلے شعر کا مفہوم ایک ہی مصرعے میں بیان کر دیا ہے۔ منظوم اردو ترجمے کے دوسرے مصرعے میں اصل متن کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

2- دوسرے شعر کا منظوم اردو ترجمہ بھی اصل متن کے عین مطابق اور درست ہے۔

3- مترجم نے حاشیہ میں منظوم اردو ترجمہ کے درج ذیل الفاظ کے معانی دے کر ترجمہ کا مفہوم واضح کر دیا ہے:

۱؎ خوب و زشت: خوبصورت اور بدصورت ۲؎ سود و زیاں: فائدہ اور نقصان

رباعی نمبر 76

اصل متن از پیامِ مشرق

بپائے خود مزن زنجیرِ تقدیر
تہ ایں گنبد گرداں رہے ہست
اگر باور نداری، خیز و دریاب
کہ چوں پا وا کنی جولانگہے ہست
(237)

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

مت ہو اے ناداں تُو زنجیرِ قسمت کا اسیر
زیرِ گردوں راہ کافی ہیں اگر ہوں راہ گیر
جب قدم تیرا اُٹھے، دُنیائے نُو ہو منکشف
گامزن ہمت سے ہو اور بحروبر کا سینہ چیر!
(238)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

تو اپنے پاؤں میں تقدیر کی زنجیر نہ ڈال۔
اس گردش کرنے والے آسمان کے نیچے یعنی زمین پر ایک راستہ ہے۔
اگر تجھے میری اس بات پر یقین نہیں آتا تو اٹھ اور جان لے (تجھے معلوم ہو جائے گا)
کہ جب تو پاؤں کھولے گا، چلنے لگے گا تو ایک میدان موجود پائے گا۔
انسان کی تقدیر اس کی اپنی جدوجہد اور پیہم عمل سے بنتی ہے۔ اس کے بغیر تقدیر پر بھروسا کرنا انتہائی کاہلی کی علامت ہے۔ خود قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہوا ہے کہ جتنا کچھ کرو گے اتنا ہی تمہیں ملے گا۔ علامہ نے اردو میں یوں کہا ہے:

عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

اور ایک پنجابی صوفی شاعر کے بقول:

مالی دا کم پانی پانا بھر بھر مشکاں پاوے
مولا دا کم پھل پھل لانڑا لاوے یا نہ لاوے (239)

1- رباعی نمبر 76 کا منظوم اردو ترجمہ سلیس، آسان اور اصل متن کے عین مطابق ہے۔
2- اگر اس منظوم اردو ترجمہ کو فارسی متن سے الگ بھی پڑھا جائے تو اس کا مفہوم واضح ہے۔

رباعی نمبر 79

اصل متن از پیامِ مشرق

نفس آشفتہ موجے از یمِ اوست
نئے ما، نغمۂ ما از دمِ اوست
لبِ جوئے ابد چوں سبزہ رُستیم
رگِ ما ، ریشۂ ما از نمِ اوست
(240)

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

سانس میری موجِ آشفتہ اُسی کے یم سے ہے
بانسری میری، مرا نغمہ اُسی کے دم سے ہے
ساحلِ جوئے ابد پر مثلِ سبزہ میں اُگا
ہر رگ و پے میں مرے قوت اُسی کے نم سے ہے
(241)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

انسانی سانس/ دم اس (ذات اقدس) کے سمندر کی ایک پریشان لہر ہے (سانس کبھی آتا اور کبھی جاتا ہے) ہماری بانسری اور ہمارا نغمہ اسی ذات کے دم سے ہے۔ ہم ابد کی ندی کے کنارے سبزے کی طرح اگے۔ ہمارا رگ و ریشہ اس کی نمی سے ہے۔ بانسری گویا انسانی جسم اور نغمہ سانس ہے۔ وہی بات جو رباعی ۷۸ میں کہی ہے، نئے استعاروں میں بیان کی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ ساری کائنات اسی کے وجود کا پرتو ہے۔ (242)

1- رباعی نمبر 79 کا منظوم اردو ترجمہ سلیس، آسان اور اصل متن کے عین مطابق ہے۔
2- ترجمہ الگ تخلیقی حیثیت کا حامل ہے۔ اگر اسے اصل متن کے بغیر بھی پڑھا جائے تو اس کا مفہوم واضح ہے۔

3- یہ ترجمہ صوری و معنوی حُسن سے مالا مال اور لائقِ تحسین کوشش ہے۔

رباعی نمبر 112

اصل متن از پیامِ مشرق

دلِ من راز دانِ جسم و جان است
نہ پنداری اجل بر من گران است
چہ غم گر یک جہاں گم شد ز چشمم
ہنوز اندر ضمیرم صد جہان است
(243)

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

میرا دل تو ہو چکا ہے جسم و جاں کارازداں
مت سمجھ، ہیں موت کی جانکاہیاں مجھ پر گراں
ایک دنیا آنکھ سے اوجھل ہوئی تو غم ہے کیا
اب بھی میری وسعتِ دل میں نہاں ہیں سَو جہاں
(244)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

میرا دل جسم اور جان کے راز سے آگاہ ہے۔ کہیں تو یہ نہ سمجھ لینا کہ موت مجھ پر گراں ہے۔ یعنی جسم اور جان کا جو باہمی ربط و تعلق ہے اس سے میرا دل باخبر ہے اور میں موت سے قطعاً نہیں ڈرتا، اس لیے کہ اگر میری آنکھوں سے ایک جہان (یہ دنیا) گم ہو گیا ہے تو کوئی غم نہیں، کیونکہ میرے ضمیر میں ابھی سینکڑوں جہان اور ہیں۔ گویا یہ زندگی جسم کے خاتمے کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ابھی اسے کئی مرحلوں اور جہانوں سے گزرنا ہے۔(245)

1- رباعی نمبر 112 کا ترجمہ آسان، سلیس، رواں اور اصل متن کے مطابق ہے۔
2- ترجمہ آزادانہ تخلیقی حیثیت کا حامل ہے۔ اس کا مفہوم واضح ہے اور اسے پڑھ کر ادبی ذوق کی تسکین ہوتی ہے۔
3- حاشیہ میں اگر الفاظ 'جانکاہیاں'، 'گراں' اور 'نہاں' کے معانی بھی دے دیے جاتے تو عام قاری کو تفہیمِ متن آسانی رہتی۔

رباعی نمبر 153

اصل متن از پیامِ مشرق

بگوشم آمد از خاکِ مزارے
کہ در زیرِ زمیں ہم می تواں زیست
نفس دارد و لیکن جاں ندارد
کسے کو بر مرادِ دیگراں زیست
(246)

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

کان میں میرے صدا مرقد سے آئی ایک رات
خاک کے نیچے بھی پاسکتے ہو تم عیشِ حیات
سانس رکھتا ہے مگر وہ جاں سے ہے یکسر تہی
غیر ہی کے رحم پر ہے جس کی ہستی اور ممات
(247)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

ایک مزار کی مٹی سے میرے کانوں میں یہ آواز آئی کہ زیرِ زمین بھی جیا جا سکتا ہے یعنی عظیم اعمال اور جذبوں کی بدولت انسان کو بقا حاصل ہو جاتی ہے اور جسمانی موت کے باوجود وہ گویا زندہ رہتا ہے۔
ایسا شخص جو دوسروں کی آرزو کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے، یعنی دوسروں کا محتاج رہتا ہے۔

وہ بظاہر سانس تو رکھتا ہے لیکن جان سے محروم رہتا ہے۔ گویا ایسا انسان ایک چلتی پھرتی لاش کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس رباعی میں بالواسطہ یہ درس دیا گیا ہے کہ اپنی زندگی کو خود جہد و عمل سے سنوارو اور اپنی بقاء کا سامان کر کے دوسروں کی محتاجی سے بچ جاؤ۔(248)

1- رباعی نمبر 153 کا ترجمہ آسان، سلیس، رواں اور اصل متن کے مطابق ہے۔
2- منظوم اردو ترجمہ کا مفہوم واضح ہے۔
3- یہ ترجمہ صوری و معنوی محاسن سے مرصع اور الگ تخلیقی حیثیت کا حامل ہے۔

رباعی نمبر 163

اصل متن از پیامِ مشرق

گریز آخر ز عقلِ ذوفنوں کرد
دلِ خود کام را از عشق خوں کرد
ز اقبالِ فلک پیما چہ پرسی
حکیمِ نکتہ دانِ ما جنوں کرد

(249)

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

چھوڑ بھاگا جوش میں آخر وہ عقلِ ذوفنوں
کر دیا اُس نے دلِ خود کام کو اُلفت سے خوں
پوچھتا ہے کیا تُو اقبالؒ فلک پیما کی بات
وہ حکیمِ نکتہ داں کہتا رہا حرفِ جُنوں!

(250)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

اس (علامہ) نے آخر اس ذوفنون عقل سے گریز کیا
اور اپنے خود کام دل کو عشق سے خون کر لیا۔
یعنی ایک مدت تک فلسفہ و حکمت سے وابستہ رہا، لیکن عشق میں محو ہونے کے باعث عقل یا فلسفہ و حکمت سے دوری اختیار کر لی۔
تو فلک پیا اقبال کے بارے میں کیا پوچھتا ہے۔
اس حکیم نکتہ داں کو تو جنون ہو گیا ہے
یہاں علامہ نے خود کو تیسرا شخص قرار دے کر اپنی زندگی میں آنے والے عظیم انقلاب کی بات کی ہے۔ جنون سے مراد وہی جذبہ عشق سے ان کی سرشاری ہے۔ علامہ جب اس عشق سے سرشار نہیں ہوئے تھے اور ابھی شاعری کا آغاز تھا تو انہوں نے اپنے بارے میں یہ شعر کہا تھا:

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا غازی بن تو گیا کردار کا غازی بن نہ سکا (251)

1- رباعی نمبر 163 کے منظوم اردو ترجمہ میں مترجم نے اصل متن کے مشکل الفاظ 'عقلِ ذوفنوں'، 'دلِ خود کام' اور 'فلک پیا' استعمال کئے ہیں۔ انہوں نے حاشیہ میں ان الفاظ کے معانی دے کر عام قاری کے لیے ترجمہ قابل فہم بنا دیا ہے۔
2- ان کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

مجموعی طور پر لالۂ طور (رباعیات) کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔ زیادہ تر ترجمہ آسان، سلیس اور عام فہم ہے۔ اگر کہیں منظوم اردو ترجمہ میں مشکل الفاظ استعمال ہوئے ہیں تو

مترجم نے حاشیہ میں ان کے معانی دے کر عام قاری کے لیے تفہیم متن میں آسانی پیدا کر دی ہے۔ مترجم نے فارسی کلام کی اصل بحر کی پابندی کے بجائے اپنے الفاظ میں اور کسی موزوں بحر میں حقیقی مفہوم اور نفسِ مضمون بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ اس کوشش میں بہت زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں۔ ایسے مترجمین جنہوں نے فارسی کلام کی اصل بحر میں ہی ترجمہ کی کوشش کی اور ترجمہ میں فارسی کلام کے ہی الفاظ و تراکیب استعمال کر کے اصل کلام سے مطابقت یا تماثل کی کوشش کی وہ تمام فارسی کلام کا مکمل صحت و تندرستی سے ترجمہ نہ کر پائے۔ اب تک کے جائزہ کے مطابق ان کی درست ترجمہ کرنے کی شرح 50% تا 70% ہے۔ جبکہ عبدالرحمٰن طارق کے کامیاب ترجمہ کی شرح قریباً 90% ہے۔ انہوں نے فارسی کے حقیقی مفہوم کو اپنے الفاظ اور انداز سے بیان کرنے کی کوشش کی جس وجہ سے وہ اوزان و قوافی کی سخت پابندیوں سے قدرے آزاد ہو گئے اور اپنی مرضی کے اوزان و قوافی میں ترجمہ کرنے کی وجہ سے زیادہ بہتر ترجمہ کر پائے۔ ان کی یہ کوشش نہایت قابلِ تحسین ہے۔

افکار (منظومات)

فصلِ بہار

❶

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق	اصل متن از پیامِ مشرق
اُٹھو، ہے کوہ و دشت میں ابرِ بہاری خیمہ زن	خیز کہ در کوہ و دشت، خیمہ زد ابرِ بہار
اب مست نغمہ ہے ہزار	مستِ ترنّم ھزار
اور طوطی و درّاج و سار	طوطی و درّاج و سار
رقصاں کنار جوئبار	برطرف جویبار
صحرا کے گُل اور لالہ زار	کشتِ گل و لالہ زار
سب ہو گئے رنگیں عذار	چشمِ تماشا بیار
ہاں، دیکھ لو فیضِ بہار!	خیز کہ در کوہ و دشت، خیمہ زد ابرِ بہار
اُٹھو، ہے کوہ و دشت میں ابرِ بہاری خیمہ زن	

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

اٹھ کہ پہاڑوں اور صحراؤں میں موسم بہار کا بادل چھا گیا ہے،
بلبلیں نغمے الاپنے یعنی چہچہانے میں مست ہیں،
ان کے علاوہ طوطی، تیتر اور سارس بھی خوب چہچہار ہے ہیں
ندی کے کنارے پھولوں گلاب اور لالہ کی کھیتی ہے، یعنی کثرت سے پھول کھلے ہوئے ہیں۔
تو اس نظارے کو صحیح معنوں میں دیکھنے والی آنکھ پیدا کر۔ یعنی مناظر فطرت پر غور کر اسی سے تجھے خدا کے وجود کا پتا چلے گا۔ بقول سعدی

برگِ درختانِ سبز پیش خداوند ہوش
ورقے دفتر یست معرفت کردگار

(صاحبان بصیرت کے لیے سبز درختوں کا ایک ایک پتا اس خالق کائنات کی معرفت کی ایک بڑی

کتاب ہے)

اٹھ کہ پہاڑوں اور صحراؤں میں موسم بہار کا بادل چھا گیا ہے۔

1- نظم فصلِ بہار کے پہلے بند کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

2- مترجم نے منظوم اردو ترجمہ میں فارسی متن کے کافی الفاظ استعمال کیے ہیں مگر حاشیہ میں ان کے معانی دے کر تفہیمِ متن میں مدد بھی دی ہے۔

3- حاشیہ میں درج ذیل الفاظ و معانی دیے گئے ہیں:

ا ہزار: بلبل ٢ درّاج: تیتر ٣ عذار: رخسار

اصل متن از پیامِ مشرق	❷	منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق
خیز کہ در باغ و راغ ، قافلۂ گُل رسید		جاگو کہ باغ وراغ میں آیا ہے گُل کا قافلہ
بادِ بہاراں وزید		آئی بہاروں کی ہَوا
مرغ نوا آفرید		مرغِ چمن مستِ نوا
لالہ گریباں درید		اب چاک لالے نے کیا
حسن گُلِ تازہ چید		ہر بند اپنے جامے کا
عشق غمِ نَو خرید		لو، حُسن لایا گُل نیا
خیز کہ در باغ و راغ ، قافلۂ گُل رسید		ہے عشق میں غم کی ادا
		جاگو کہ باغ وراغ میں آیا ہے گُل کا قافلہ

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

اٹھ کہ باغ اور سبزہ زار میں پھولوں کا قافلہ آ پہنچا ہے (بہار میں کثرت سے پھول کھلنے لگے ہیں)۔

موسم بہار کی ہوا چلنے لگی ہے،

پرندے چہچہانے لگے ہیں۔

گل لالہ نے اپنا گریبان پھاڑ لیا ہے یعنی کھل اٹھا ہے۔ حسن نے ایک نیا پھول چنا ہے (موسم بہار میں حسن میں بے حد شگفتگی اور دلکشی آ گئی ہے)۔ عشق نے ایک نیا غم خرید لیا ہے۔ یعنی موسم بہار میں عاشق پر کڑی گزرتی ہے۔ اٹھ کہ.....

1- پہلے بند کی نسبت دوسرے بند کا ترجمہ زیادہ آسان ہے۔

2- یہ ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	❸	منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق
بلبلگاں در صفیر، صلصلگاں در خروش		نغمہ سرا ہیں بلبلیں ، رنگیں نوا ہیں قمریاں
خونِ چمن گرم جوش		خُونِ چمن ہے گرم جوش
اے کہ نشینی خموش		بیٹھے ہو پھر کیوں تم خموش

درشکن آئینِ ہوش	ہاں ، توڑ دو آئینِ ہوش
بادۂ معنی بنوش	ہو جاؤ گرم نائے و نوش
نغمہ سرا ، گل پوش	برپا ہو نغموں کا خروش
بلبلگاں در صفیر، صلصلگاں در خروش	بن جاؤ یکسر لالہ پوش!

نغمہ سرا ہیں بلبلیں ، رنگیں نوا ہیں قمریاں

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

بلبلیں نغمے الاپ رہی ہیں، یعنی چہچہا رہی ہیں اور اسی طرح فاختاؤں نے شور مچا رکھا ہے (خوب چہچہا رہی ہیں)

چمن کا خون گرم جوش ہے (چمن میں ہر جگہ کثرت سے سرخ رنگ کے پھول کھل اٹھے ہیں)۔

اے مخاطب تو جو خاموش بیٹھا ہے،

ہوش کا آئین توڑ ڈال اور معرفت در حقیقت کی شراب پی۔

یعنی قدرت کے ان مناظر سے لطف اندوز ہو، ان پر غور کر اور یوں خالق کائنات کی حقیقت یا وجود کی معرفت حاصل کر (سعدی والا شعر، مذکورہ شعر در اصل ایک قرآنی آیت کا منظوم ترجمہ ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ یونس، آیہ ٦۔ ''بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے، ان سب میں ان لوگوں کے واسطے [توحید کے دلائل ہیں] جو خدا کا ڈر مانتے ہیں۔'')

-1 عبدالرحمٰن طارق نے شعری ترنم برقرار رکھتے ہوئے بہت اچھے انداز سے تیسرے بند کو منظوم اردو ترجمہ کا رُوپ دیا ہے۔

-2 ترجمہ سلیس، آسان اور قابلِ فہم ہے۔

-3 ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے اور اگر اسے اصل متن کے بغیر بھی پڑھا جائے تو اس کی سلاست و روانی سے گمان ہوتا ہے کہ یہ آزاد تخلیق ہے نہ کہ فارسی کلام کا منظوم اردو ترجمہ۔

4

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق
حجرہ نشینی گذار ، گوشۂ صحرا گزیں	حجرا نشینی چھوڑ دو، صحرا میں جھنڈے گاڑلو!
برلبِ جوئے نشیں	بزمِ گل و مُل میں رہو
آبِ رواں را بہ بیں	آبِ رواں کا لُطف لو
نرگسِ ناز آفریں	نرگس کے دیکھو ناز کو
لختِ دل فرودیں	ماتھے پہ اُس کے بوسہ دو
بوسہ زنش برجبیں	شاداں رہو ، رقصاں رہو
حجرہ نشینی گذار ، گوشۂ صحرا گزیں	جب تک ہو ، فرحت سے جیو!
	حجرا نشینی چھوڑ دو، صحرا میں جھنڈے گاڑلو!

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

تو حجرہ نشینی چھوڑ اور ذرا صحرا کے گوشے میں جا۔
ندی کے کنارے جا بیٹھ، بہتے ہوئے پانی کو دیکھ،
وہاں ناز آفریں نرگس (گل نرگس) کو دیکھ
جو موسم بہار کے دل کا ٹکڑا ہے،
اس کی پیشانی کا بوسہ لے یعنی اس کی دل کشی سے متاثر ہو کر اسے چوم لے۔
حجرہ نشینی چھوڑ اور ذرا صحرا کے گوشے میں جا۔

1- چوتھے بند میں 'لخت دل فرودیں' (موسم بہار کے دل کا ٹکڑا) کا منظوم اردو ترجمہ نہیں کیا گیا۔

2- 'برلبِ جُوئے نشیں' (ندی کے کنارے جا بیٹھ) کا بھی ترجمہ نہیں کیا گیا۔ اس کے سامنے منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے 'بزمِ گُل و مُل میں رہو'۔ حاشیہ میں دیے گئے مفہوم کے مطابق لفظ مُل کا مطلب 'شراب' ہے۔ اس طرح 'بزمِ گُل و مُل میں رہو' کا مطلب پھولوں اور شراب کی محفل میں رہو۔

3- ترجمہ میں دی گئی دو سطریں 'شاداں رہو، رقصاں رہو' اور 'جب تک ہو، فرحت سے جیو!' کا بھی اصل متن سے تعلق نہیں ہے۔ یہ صرف موضوع کی مناسبت سے نفسِ مضمون کی وضاحت اور حاشیہ آرائی کے لیے دی گئی ہیں۔

4- اصل متن کے لحاظ سے دیکھیں تو یہ ترجمہ مکمل طور پر اصل متن کے مطابق نہیں ہے، تاہم نفسِ مضمون کے لحاظ سے جائزہ لیں اور آزاد ترجمہ میں حاصل ہونے والی سہولتوں کو مدنظر رکھیں تو یہ ترجمہ درست ہے اور اصل متن میں بیان کردہ مرکزی خیال کے مطابق ہے۔ خود علامہ اقبال نے بھی اس طرح کے آزاد تراجم کیے ہیں اور اپنی طرف سے اضافہ و ترمیم سے اصل موضوع کو بہتر طور پر بیان کیا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	5	منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق
دیدۂ معنی کشا، اے ز عیاں بیخبر		تو ہے عیاں سے بے خبر، چشمِ دروں سے کر نظر
لالہ کمر در کمر		پُر گُل سے ہیں کوہ و کمر
نیمۂ آتش بہ بر		اور لالہ ہے آتش بہ بر
می چکدش بر جگر		تر کرتی ہے اُس کا جگر
شبنمِ اشکِ سحر		جب شبنمِ اشکِ سحر
در شفق انجم نگر		گویا شفق کے طشت پر
دیدۂ معنی کشا، اے ز عیاں بیخبر		انجم کے ہیں رخشاں گہر
		تُو ہے عیاں سے بے خبر، چشمِ دروں سے کر نظر

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

اپنی باطن کی آنکھ کھول، تو جو ظاہر سے بے خبر ہے۔
یعنی ان قدرتی اور دل کش مناظر کو غور سے دیکھ اور ان کے حوالے سے اس خالق کائنات کے وجود سے آگاہ ہو جا، جس سے تو اب تک بے خبر ہے۔

(دیکھ کہ) لالہ کے پھول کس کثرت سے اُگے ہوئے ہیں۔
انہوں نے گویا آگ کی صدری پہن رکھی ہے سرخ رنگ کا پھول ہونے کی بناء پر نیمہ آتش کہا ہے۔
لالہ کے جگر پر صبح کے آنسوؤں کی شبنم ٹپک رہی ہے۔ شبنم چونکہ صبح سویرے پڑتی ہے اس لیے اشک سحر سے اسے تشبیہ دی ہے۔ اس کے قطرے پھول کے اندر پھول کے اندر گرتے ہیں۔
شفق میں ستاروں کو دیکھ۔
اپنی باطن کی آنکھ کھول، تو جو ظاہر سے بے خبر ہے۔
یہ سب دل کش قدرتی مناظر ہیں جو صاحب عقل وخرد اور صاحب بصیرت کی توجہ اس خالق کائنات کی طرف دلاتے ہیں۔

1- بند نمبر 5 کا ترجمہ بھی اصل متن کے مطابق ہے۔
2- حاشیہ میں مشکل الفاظ 'کمر' اور 'بر' کے اندریں الفاظ معانی دیے گئے ہیں:
۱ کمر: وادیٔ کوہ ۲ بر: آغوش، یعنی بہار میں لالہ نے بھی آغوش میں آتش بپا کر رکھی ہے۔
3- مجموعی طور پر ترجمہ متن کے مطابق ہے اور متن کی تفہیم میں مدد دیتا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❻ منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

اصل متن	منظوم اردو ترجمہ
خاکِ چمن وا نمود، رازِ دلِ کائنات	خاکِ چمن سے ہے عیاں گنجِ درونِ کائنات
بودِ و نبودِ صفات	یہ عقدۂ ذات و صفات
جلوہ گریہائے ذات	انسانِ بے کس کی برات
آنچہ تو دانی حیات	تم جس کو سمجھے ہو حیات
آنچہ تو خوانی ممات	اور جس کو کہتے ہو ممات
ہیچ ندارد ثبات	یعنی طلسمِ شش جہات
خاکِ چمن وا نمود، رازِ دلِ کائنات	ہے عارضی اور بے ثبات
	خاکِ چمن سے ہے عیاں گنجِ درونِ کائنات
(252)	(253)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

چمن کی مٹی نے کائنات کے دل کا راز فاش کر دیا (زمین سے پودے وغیرہ اگنے لگے ہیں)۔
اللہ تعالیٰ کی صفتوں کا بود و نبود،
اس ذاتِ اقدس کی جلوہ گریاں (یہ سب سامنے آ رہی ہیں)۔
تو جسے زندگی کہتا ہے، اور جسے تو موت کہتا ہے،
ان کو کوئی ثبات نہیں ہے۔ (یہ آنی جانی ہیں، ثبات صرف خالق کائنات کی

ذاتِ اقدس کو ہے)۔
چمن کی مٹی نے کائنات کے دل کا راز فاش کر دیا۔(254)

1- بند نمبر 6 کا ترجمہ نہایت خوبصورت ہے۔ یہ ترجمہ اصل متن کے عین مطابق ہے۔
2- ترجمہ متن کی تفہیم میں مدد دیتا ہے۔ مترجم نے آسان الفاظ میں اصل متن کے مفہوم کو منظوم اردو ترجمہ کا روپ دے دیا ہے۔
3- مجموعی طور پر نظم 'فصلِ بہار' کا ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔ ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔ مترجم نے کوشش کی ہے کہ اصل متن کا مفہوم بھی واضح ہو جائے اور ترجمہ میں شعری محاسن بھی برقرار رہیں۔ مترجم اس کوشش میں کافی زیادہ حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

مئے باقی (غزلیات)

غزل نمبر 6

اصل متن از پیامِ مشرق	①	منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق
خیز و نقاب برکشا، پردگیانِ ساز را		اُٹھ ذرا بے نقاب کر پردگیانِ ساز کو
نغمۂ تازہ یاد دہ ، مرغِ نوا طراز را		نغمۂ نَو کا دے جنوں مُرغِ نوا طراز کو

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

تو اُٹھ اور ساز کے پردے میں چھپے ہوئے نغموں پر سے پردہ اٹھا دے
اور نغمے الاپنے/چہچہانے والے پرندے کو ایک نیا نغمہ سکھا دے
یعنی مسلمانوں کو دین و مذہب اور عرفان کے مخفی رازوں سے آگاہ کر دے، ان میں صحیح اسلامی جذبے پیدا کر دے جن کی بدولت وہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت حاصل کر لیں۔

اصل متن از پیامِ مشرق	②	منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق
جادہ ز خونِ رهرواں، تختۂ لالہ در بہار		جادہ بھی خُونِ عشق سے تختۂ لالہ بن گیا
نازِ کہ راہ می زند قافلۂ نیاز را؟		لُوٹ کے کون لے گیا قافلۂ نیاز کو؟

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

راستہ مسافروں کے خون سے کچھ ایسی صورت اختیار کر گیا ہے جیسے بہار میں لالہ کے سرخ پھولوں کی کیاری ہو۔
یہ کون ہے جو اپنے ناز و ادا سے عاشقوں کے قافلے کی راہ ماری کر رہا ہے یعنی لوٹ رہا ہے۔
محبوب کے انتہائی دل کش ناز و ادا کو اس استعارے میں بیان کیا ہے۔ عرفی نے محبوب کے اس شیوہ (ناز و انداز) کی تصویر یوں کھینچی ہے:

ازاں بہ دردِ دگر ہر زماں گرفتارم
کہ شیوہ ہائے ترا باہم آشنائی نیست

(میں اس لیے ہر لحہ ایک نئے درد میں مبتلا ہو جاتا ہوں کہ تیرے ناز و ادا باہم آشنا نہیں ہیں یعنی نت نئے ناز و ادا دکھاتا ہے)

اصل متن از پیامِ مشرق ③ منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

دیدۂ خوابناکِ او گر بہ چمن کشودۂ
رخصتِ یک نظر بدہ ، نرگسِ نیم باز را

تُو نے چمن میں کھول دی اُس کی جو چشمِ خوابناک
رُخصتِ یک نظر بھی دے نرگسِ نیم باز کو

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

اگر تو نے اس کی نیند میں ڈوبی ہوئی آنکھ کو چمن میں کھولا ہی ہے
تو اس نیم باز نرگس کو ایک نظر کی تو اجازت دے دے۔

نرگس کا پھول آنکھ کی طرح ہوتا ہے، اس لیے دیدۂ خوابناک اور نظر کی بات کی ہے۔اس استعارے میں خالق حقیقی سے خطاب ہے کہ اگر تو نے انسان کو اپنی محبت کے ذوق سے نوازا ہے تو اسے اپنی معرفت سے بھی نواز کہ اسی کی بدولت وہ تیرا صحیح نائب و خلیفہ بن سکتا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ④ منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

"حرفِ نگفتۂ شما، برلبِ کودکاں رسید"
از من بے زباں بگو، خلوتیانِ راز را

بات تمہارے راز کی بچوں کے لب پہ آ گئی
میرا پیام جا کے دو خلوتیانِ راز کو

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

مجھ بے زبان کی طرف سے راز کے خلوتیوں سے یہ کہہ دے کہ تمہاری ان کہی باتیں بچوں تک پہنچ گئی ہیں۔

علامہ نے اپنی شاعری کے حوالے سے بات کی ہے۔اہل معرفت و عرفان نے جو خلوت گزیں ہیں جو باتیں ظاہر نہیں کی تھیں اور جو راز چھپا رکھے تھے، وہ گویا علامہ کی شاعری کے ذریعے عام لوگوں تک پہنچ گئے ہیں۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑤ منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

سجدۂ تو برآورد، از دلِ کافراں خروش
اے کہ درازتر کنی، پیشِ کساں نماز را

کفر بھی تیرے سجدوں پر کہتا ہے حرفِ الاماں
اے کہ دراز کرتا ہے پیشِ بشر نماز کو

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

تو جو دوسروں کے سامنے اپنی نماز خوب لمبی کئے جا رہا ہے تو تیرے سجدے کے اس انداز نے کافروں کے دل میں شور برپا کر رکھا ہے۔

دکھاوے کی اور ریاکارانہ عبادت کرنے والوں پر طنز ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑥ منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

گرچہ متاعِ عشق را ، عقل بہائے کم نہد
من ندھم بہ تختِ جم ، آہِ جگر گداز را

گو ہے نگاہِ عقل میں عشق حقیر و کم بہا
لے کے نہ تختِ جم بھی دوں آہِ جگر گداز کو

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

اگرچہ عقل، عشق کی متاع کی قیمت کم لگاتی ہے،
پھر بھی میں اپنی جگر پگھلا دینے والی آہ تختِ جمشید کے عوض بھی دینے کو تیار نہیں ہوں۔
گویا عقل کے نزدیک عشق ایک بیکار مشغلہ ہے لیکن ایک سچا عاشق ہی اس کی وقعت واہمیت سے آگاہ ہے۔ بقول سعدی:

حدیث عشق نداند کسے کہ در ہمہ عمر
بسر نکوفتہ باشد در سرایے را

اصل متن از پیامِ مشرق ⑦ منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

برہمنے بہ غزنوی گفت کرامتم نگر
تو کہ صنم شکستۂ، بندہ شدی ایاز را
(255)

کہتا ہے غزنوی سے یہ ایک برہمن جری
توڑے صنم، نہ کر سکا زیر مگر ایاز کو!
(256)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

کسی/ایک برہمن نے محمود غزنوی سے کہا کہ تو میری کرامت دیکھ کہ
تو نے (سومنات) کے بت توڑے ہیں لیکن خود تو ایاز کا غلام بن گیا ہے۔
یہ بات پہلے بھی ایک شعر میں آ چکی ہے۔ محمود نے سومنات کا بت توڑا اور خود ایاز کے عشق میں محو ہو کر اس کا پجاری بن گیا۔(257)

1- غزل نمبر 6 سات (7) اشعار پر مشتمل ہے۔ اصل متن، منثور اردو ترجمہ اور منظوم اردو ترجمہ کے تقابل و جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر اس غزل کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

2- شعر نمبر 1 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔ اس میں اصل متن کے الفاظ 'پردگیان ساز' اور 'مرغ نوا طراز' استعمال ہوئے ہیں جس سے ترجمہ قدرے مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ مترجم نے حاشیہ میں لفظ 'پردگیانِ ساز' کا مطلب تحریر کیا ہے۔ اس سے مراد ہے 'ساز میں چھپے ہوئے نغمے'۔ اسی طرح اگر 'مرغ نوا طراز' کا مطلب بھی دے دیا جاتا تو تفہیم متن میں آسانی رہتی۔

3- شعر نمبر 2 کے ترجمہ میں 'خونِ رہرواں' (مسافروں کا خون) اور 'لالہ در بہار' (بہار میں لالہ) کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس طرح دوسرے مصرعے میں لفظ 'ناز' کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ ان کمزوریوں کی وجہ سے منظوم اردو ترجمہ میں اصل متن کی حقیقی خوبصورتی نظر نہیں آتی۔

4- شعر نمبر 3 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔ ترجمہ آسان، سلیس اور رواں ہے اور اس سے فارسی متن کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ اگر اصل متن کے بغیر بھی منظوم اردو ترجمہ پڑھا جائے تو اس کا مفہوم بھی سمجھ آتا ہے اور اس سے ادبی ذوق بھی حاصل ہوتا ہے۔

5- شعر نمبر 4 کے دوسرے مصرعے میں 'از من بے زباں بگو' کا مطلب ہے 'مجھ بے زبان کی طرف سے کہہ دیں'۔ منظوم اردو ترجمہ میں 'بے زبان' کا مفہوم نہیں دیا گیا اور صرف یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ 'میرا پیام جا کے

دۓ۔اس لحاظ سے منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

-6 شعر نمبر 5 کا ترجمہ بہت خوبصورت ہے۔اصل متن میں جو بات کنائے سے کہی گئی ہے،مترجم نے منظوم اردو ترجمہ میں وہی بات کھول کر،مختصر مگر جامع انداز سے بیان کردی ہے۔

-7 شعر نمبر 5 کی طرح شعر نمبر 6 کا ترجمہ بھی اصل متن کے مطابق اور عین درست ہے۔ترجمہ بالکل واضح ہے اور اصل متن کی تفہیم میں بھی مدد دیتا ہے۔

-8 شعر نمبر 7 کا ترجمہ اصل متن کے لفظی ترجمہ کے مطابق نہیں ہے،تاہم اس ترجمہ میں اصل متن کا حقیقی مفہوم بیان کردیا گیا ہے۔یہ آزاد ترجمہ کی ایک صورت ہے۔

-9 مجموعی طور پر غزل نمبر 6 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔یہ ترجمہ صوری ومعنوی محاسن سے آراستہ ہے اور اصل متن کی تفہیم میں مدد دیتا ہے۔

نقشِ فرنگ (منظومات)

شوپن ہار ونیٹشا

اصل متن از پیامِ مشرق ① منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

مرغے ز آشیانہ بسیرِ چمن پرید — سَیر کو اِک مُرغ اپنے آشیانے سے اُڑا
خارے ز شاخِ گل بہ تنِ نازکش خلید — شاخِ گُل کا خار اس کے جسمِ نازک میں چُبھا

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

ایک پرندہ اپنے آشیانے سے چمن کی سیر کی خاطر اڑا۔
وہاں (چمن میں) اس کے نازک جسم میں پھول کی شاخ کا کانٹا چبھ گیا۔

اصل متن از پیامِ مشرق ② منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

بدگفت فطرت چمن روزگار را — اُس نے بھیجیں باغِ عالم پر ہزاروں لعنتیں
از دردِ خویش وہم ز غمِ دیگراں تپید — اپنے اور غیروں کے صدموں پر وہ نوحہ گر ہوا

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

اس نے زمانے کے چمن کی فطرت کو برا کہا،اسے کوسا (کہ یہ فطرت دکھ دینے والی ہے)
وہ اپنے دکھ/تکلیف سے اور اسی طرح دوسروں کے غم میں بھی تڑپا۔

اصل متن از پیامِ مشرق ③ منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

داغے ز خونِ بیگنہے لالہ را شمرد — لالے کو اُس نے بتایا داغِ خونِ بے گناہ
اندر طلسمِ غنچہ فریبِ بہار دید — غنچے کو اُس نے کہا نقشِ بہارِ فتنہ زا

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

اس نے لالہ کے پھول کے اندر جو داغ ہے،اسے کسی بے گناہ کا خون قرار دیا
اور غنچہ کے طلسم میں بہار کا فریب دیکھا۔

اصل متن از پیامِ مشرق ④ منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

گفت اندریں سرا کہ بنایش فتادہ کج	بولا "اِس کہنہ سرا میں جس کی ہے بنیاد کج
صبحے کجا کہ چرخ درو شامہانہ چید	کون سی ہے صبح جو پرتو نہیں ہے شام کا"

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

وہ پرندہ کہنے لگا: اس دنیا میں جس کی بنیاد ہی ٹیڑھی رکھی گئی ہے، ایسی صبح کہاں ہے جس میں آسمان نے شامیں نہ رکھی ہوں (ایسی کوئی صبح نہیں) گویا یہ دنیا رہنے کا مقام نہیں ہے کہ اس کی ہر خوشی میں غم چھپا ہوا ہے۔ بقول شاعر:

کچھ دین کٹے ہیں غم میں تو کچھ دن خوشی کے ساتھ
ہوتا رہا مذاق مری زندگی کے ساتھ

نوٹ:۔ پہلے مصرے میں لفظ 'دین' کے بجائے 'دن' آنا چاہیے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑤ منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

نالید تا بحوصلۂ آں نوا طراز	رنج ہستی میں یہاں تک رویا وہ نغمہ طراز
خوں گشت نغمہ و زد و چشمش فرو چکید	اس کی دو آنکھوں سے نغمہ خون ہو کر بہ گیا

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

وہ نغمہ الاپنے والا پرندہ اپنے حوصلے کے مطابق خوب رویا،
یہاں تک کہ اس کا نغمہ خون بن کر اس کی دونوں آنکھوں سے ٹپک پڑا۔
یہ پرندہ گویا شوپن ہار کی نمائندگی کر رہا ہے جس نے زندگی کو سراپا غم و درد کہا ہے اور اس کے مطابق یہ دنیا سراسر رنج والم کی دنیا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑥ منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

سوزِ فغانِ او بہ دلِ ہدہدے گرفت	قلبِ ہُدہُد میں ہُوا پیوست اُس کا سوزِ آہ
با نوکِ خویش خار زاندام او کشید	چونچ سے اپنی نکالا خار اُس کے جسم کا

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

اس کی اس آہ و فغاں کا سوز/تپش ایک ہدہد کے دل پر اثر کر گیا۔
اس نے اپنی چونچ سے اس پرندے کے جسم سے وہ کانٹا نکال دیا۔
یوں اس کے دکھ درد کو سکھ میں بدل دیا۔ ہدہد، نیٹشا کی نمائندگی کر رہا ہے۔ گویا زندگی میں اگرچہ درد و غم ہیں لیکن راحتیں بھی تو ہیں، محض تکلیفوں کی بنا پر زندگی سے کنارہ کشی درست نہیں۔ تکلیفوں کو راحتوں میں بدل کر زندگی کا صحیح لطف اٹھایا جا سکتا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑦ منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

گفتش کہ سود خویش ز جیبِ زیاں برآر	اس سے بولا "فائدہ اپنا ضرر میں کر تلاش
گل از شگاف سینہ زرِ ناب آفرید	چیر کر سینہ مثالِ گُل زرِ خالص دِکھا

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

ہدہد نے اس غم کے مارے پرندے سے کہا کہ تو نقصان کی جیب سے اپنا فائدہ نکال؛
کیا تجھے علم نہیں کہ گلاب کے پھول نے اپنے پھٹے ہوئے سینے سے سونا پیدا کر لیا ہے۔
اس استعارے سے مقصود یہ ہے کہ تکلیفیں اس لیے ہوتی ہیں کہ ان سے راحت کا احساس اور سامان ہوتا ہے۔ بقول غالب:

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑی اتنی کہ آساں ہو گئیں

اصل متن از پیامِ مشرق ⑧ منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

درماں ز درد ساز اگر خستہ تن شوی
خوگر بہ خار شو کہ سراپا چمن شوی
(258)

درد کو درماں بنا لے، ہو اگر تُو خستہ تن
خار کا خُوگر ہو، تا گلشن بنے تیرا بدن
(259)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

اگر تیرا جسم تکلیف زدہ ہو گیا ہے تو فکر نہ کر، اس دکھ ہی سے اس کا علاج کر،
کانٹوں کا عادی بن جا کہ تو سراپا باغ بن جائے
یعنی زندگی کے دکھوں تکلیفوں سے خوف زدہ ہونے اور گھبرانے کی بجائے ہمت و حوصلہ سے ان کا سامنا کر کہ اسی سے تیری زندگی ایک کامیاب و خوشحال زندگی بن جائے گی۔(260)

1- مجموعی طور پر نظم 'شوپن ہارونیٹشا' کا ترجمہ نہایت خوبصورت ہے۔ عبدالرحمٰن طارق نے اس نظم کے فکری و فنی محاسن مدنظر رکھتے ہوئے اسے نہایت خوبصورت انداز سے منظوم اردو ترجمہ کی شکل دی ہے۔ اس ترجمہ میں انہوں نے اصل متن کے لفظی و معنوی مفہوم کو مدنظر رکھا ہے اور اپنے الفاظ میں اسے اردو زبان میں شعری روپ دیا ہے۔ ان کا منظوم اردو ترجمہ صوری و معنوی اور فکری و فنی محاسن سے آراستہ ہے۔

2- منظوم اردو ترجمہ سے فارسی متن کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اسے اگر الگ سے بھی پڑھا جائے تو یہ ترجمہ اپنا مفہوم آپ ادا کرتا ہے۔ عبدالرحمٰن طارق کی یہ کوشش نہایت قابلِ تحسین ہے۔

خُردہ (متفرق موضوعات)

خُردہ نمبر 1 تا 3

اصل متن از پیامِ مشرق ❶ منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق

می خورد ہر ذرۂ ما پیچ و تاب
محشرے در ہر دمِ ما مضمر است
با سکندر خضر در ظلمات گفت
مرگ مشکل، زندگی مشکل تر است

جسم کا ہر ذرہ گویا کھا رہا ہے پیچ و تاب
میرے ہر دم میں نہاں ہے محشرِ درد و اثر
ایک دن ظلمات میں بولا سکندر سے خضرؑ
مرگ ہے دشوار ، لیکن زندگی دُشوار تر

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

ہمارا ہر ذرہ پیچ و تاب کھا رہا ہے۔
ہمارے ہر سانس میں ایک قیامت پوشیدہ ہے۔
گویا انسان کی حقیقی زندگی مخالف حالات کے خلاف مسلسل جہد و عمل ہی سے بنتی ہے۔
خضر نے سکندر سے ظلمات میں کہا کہ
موت مشکل ہے لیکن زندگی اس سے زیادہ مشکل ہے
یعنی یہ کہا کہ آب حیات پینے سے پہلے یہ بات ''موت مشکل ہے..... '' سوچ لے۔ گویا زندہ رہنے کے لیے سخت محنت کی ضرورت ہے کیونکہ ہر ہر قدم پر انسان کو مختلف دشواریوں اور مسائل سے سابقہ رہتا ہے اور سکون و آرام اس کے لیے ممکن نہیں رہتا۔

اصل متن از پیامِ مشرق	❷	منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق
دُردانہ ادا شناسِ دریا ست		دُردانہ بحر کا ہے ازل سے ادا شناس
از گردشِ آسیا چہ داند		چکّی کی گردشوں کا اُسے عِلم ہی کہاں

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

موتی دریا/سمندر کی ادا کی شناخت رکھتا ہے،
اسے چکی کے چلنے کی کیا خبر۔
اگرچہ موتی گندم کے دانے کی طرح ہے لیکن اسے چکی میں نہیں ڈالا جاتا۔ مطلب یہ کہ ہر انسان اپنے ماحول ہی کی اچھائی برائی سے آگاہ ہوتا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	❸	منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق
کلک را نالہ از تہی مغزی است		ہے تہی مغزی سے، خامے میں ہے جتنی بھی نفیر
قلمِ سرمہ را صریرے نیست		جو قلم سرمے کا ہے، اُس میں نہیں کوئی حریر
(261)		(262)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

قلم کے نالے اس کے تہی مغزی کی وجہ سے ہیں۔
سرمے کے قلم کی کوئی آواز نہیں ہے۔
قلم/کلک اندر سے خالی ہوتا ہے، اس لیے وہ لکھتے وقت آواز پیدا کرتا ہے جسے نالے سے تشبیہ دی گئی ہے، جبکہ پنسل سرمے/ سکے سے بھرے ہونے کے سبب آواز پیدا نہیں کرتی۔
مطلب یہ کہ جن پر حقیقت کا انکشاف ہو جائے وہ خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔(263)

1- خردہ نمبر 1 تا 3 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے عین مطابق اور درست ہے۔
2- ترجمہ آسان اور عام فہم ہے۔
3- منظوم اردو ترجمہ کا مفہوم واضح ہے اور اس سے اصل متن کی تفہیم میں مدد ملتی ہے۔

پیامِ مشرق کے مختلف حصوں سے منتخب کلام اقبال کے منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق کے بغور جائزہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ

ا۔ عبدالرحمٰن طارق نے الفاظ کی پروا کیے بغیر اصل عبارت کے صحیح مفہوم اور سچی روح کی ہو بہو تصویر اپنے الفاظ کے موقلم سے کھینچ دی ہے۔ انہوں نے منظوم اردو ترجمہ میں اصل متن کی تفہیم اور ترسیل پر زور دیا ہے۔ اس ضمن میں وہ خاطر خواہ کامیاب ہوئے ہیں۔

ب۔ عبدالرحمٰن طارق صاحب نے آزاد ترجمہ کرنے میں قابلِ قدر کوشش سے کام لیا ہے۔ ان کی یہ کوشش نہایت قابلِ تحسین ہے۔

ج۔ ترجمے کے الفاظ میں کہیں بھی ایسی افراط و تفریط نظر نہیں آتی جس سے اصل مفہوم مسخ ہو گیا ہو۔

د۔ ترجمے میں اصل تصنیف کا زور و اثر پایا جاتا ہے۔ اس میں فنی محاسن بھی بدرجۂ اتم نظر آتے ہیں۔

ہ۔ بعض مقامات پر ترجمہ اپنی چستیِ بندش، موزونیِ الفاظ، حسنِ ترتیب اور نغمۂ صوتی کی بناء پر ترجمہ نہیں بلکہ اصل تخلیق معلوم ہوتا ہے۔

و۔ مترجم نے اپنے اس آزاد منظوم اردو ترجمہ میں اصل متن کے مفہوم کو زیادہ سے زیادہ واضح اور بسیط صورت میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے فارسی زبان سے ناواقف حضرات کے لیے 'پیامِ مشرق' کو اردو کا حسین لباس پہنا کر بہت اعلیٰ علمی و ادبی خدمت سرانجام دی ہے۔ ان کی یہ کوشش نہایت قابلِ تحسین ہے۔

4- اب تک کی تحقیق کے مطابق پیامِ مشرق کے دیگر منظوم اردو تراجم میں تفہیمِ متن اور موزونیِ الفاظ کے لحاظ سے قریباً 50% تا 60% ترجمہ ہی درست نظر آیا ہے۔ عبدالرحمٰن طارق کے ہاں درست منظوم اردو ترجمہ کی شرح 90% کے قریب ہے۔

اقبال کا منتخب فارسی کلام

منظوم اردو ترجمہ

از

انجم رومانی

یہ 33 صفحات پر مشتمل ایک مختصر سا بروشر ہے جسے اقبال اکادمی پاکستان نے 1999ء میں شائع کیا۔اس میں انجم رومانی نے پیامِ مشرق اور زبورِ عجم میں سے منتخب کلام اقبال فارسی کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔صفحات نمبر 5 تا 16 پر پیامِ مشرق اور صفحات 19 تا 32 پر زبورِ عجم میں سے منتخب کلام کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

بروشر کے حصہ پیامِ مشرق کے شروع میں لالۂ طور کی درج ذیل 25 رباعیات کا منظوم ترجمہ دیا گیا ہے:

2،5،7،8،16،17،18،28،30،46،47،54،56،71،75،79،80،82،84،97،100، 112،116،123،128

بروشر کے دوسرے حصہ میں مئے باقی کی غزلیات نمبر 11، 39 اور 27 کے منظوم تراجم دیے گئے ہیں۔

پیامِ مشرق کے منتخب کلام کا یہ منظوم ترجمہ اصل متن کی تفہیم کا حق بخوبی ادا کرتا ہے۔اگر اسے اصل متن کے ساتھ پڑھیں تو متن کا مکمل مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔اگر یہ ترجمہ متن کے بغیر بھی پڑھا جائے تو سلیس، رواں، عام فہم اور مترنم نظر آتا ہے۔مثلاً پہلی تین رباعیات (رباعیات نمبر 2، 5، 7) اور ان کا منظوم ترجمہ ملاحظہ کریں:

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از انجم رومانی
دلِ من روشن از سوزِ درون است جہاں بیں چشمِ من از اشکِ خون است ز رمزِ زندگی بیگانہ تر باد کسے کو عشق را گوید جنون است (264)	ہے دِل روشن مرا سوزِ دروں سے جہاں بیں آنکھ میری اشکِ خوں سے وہ کیا سمجھے گا رمزِ زندگی ، جو مِلائے عشق کے رشتے جنوں سے (265)

اس رباعی کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

میرا دل سوز دروں سے روشن ہے۔میری آنکھ خون کے آنسوؤں کی وجہ سے جہاں بیں ہے۔خدا کرے زندگی کے راز سے اور بھی بے خبر رہے ایسا شخص جو عشق کو پاگل پن کہتا ہے۔

پہلے شعر کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کا مفہوم بیان کرتا ہے۔دوسرے شعر میں دعائیہ انداز سے بات کی گئی ہے اور بیان ہوا ہے کہ عشق کو جنون قرار دینے والا انسان رمزِ زندگی سے بے خبر ہوتا ہے اور اپنی اس کج فہمی کی وجہ سے وہ رازِ زندگی سے آگاہ نہیں ہو پاتا۔خدا کرے وہ زندگی کے راز سے اور بھی بے خبر رہے۔منظوم اردو ترجمہ میں یہی بات بیانیہ شکل میں بیان ہُوئی۔اس لحاظ سے دوسرے شعر کا پہلا مصرع اصل متن کی صحیح اور پرزور انداز سے ترجمانی نہیں کرتا۔

منظوم اردو ترجمہ از انجم رومانی	اصل متن از پیامِ مشرق
گل و لالہ میں رنگ آمیزیِ عشق	بہ برگِ لالہ رنگ آمیزیِ عشق
مری جاں میں بلا انگیزیِ عشق	بجانِ ما بلا انگیزیِ عشق
کرے گر چاک تُو اس خاکداں کو	اگر ایں خاکداں را واشگافی
تو اس میں پائے گا خونریزیِ عشق	درونش بنگری خونریزیِ عشق
(267)	(266)

اس رباعی کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

لالہ کے پھول کی پتیوں میں عشق کے رنگ کی آمیزش ہے۔ ہماری جان میں مصیبتوں کا ظہور عشق کی وجہ سے ہے۔ اگر تو اس خاکدان (آدمی یا کائنات) کو چیرے گا تو تجھے اس کے اندر عشق کی خونریزی نظر آئے گی۔

'برگ لالہ' کا ترجمہ 'گل و لالہ' سے کردیا گیا۔ 'ما' کا مطلب 'ہم' ہے۔ اس کا ترجمہ 'مری' کردیا گیا۔ منظوم ترجمہ میں وزن کی پابندی کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تبدیلی کرنا پڑتی ہے۔ ایسی لفظی تبدیلی جس سے اصل مفہوم تبدیل نہ ہو، جائز ہے۔ اس لحاظ سے اس رباعی کے پہلے شعر کے ترجمہ میں کی گئی یہ تبدیلیاں روا اور مستحسن ہیں۔

منظوم اردو ترجمہ از انجم رومانی	اصل متن از پیامِ مشرق
پریشاں اس چمن میں مثلِ بُو ہوں	دریں گلشن پریشاں مثلِ بویم
نہ جانے کیوں میں محوِ جُستجو ہوں	نمی دانم چہ می خواہم ، چہ جویم
برآئے آرزو یا بر نہ آئے	برآید آرزو یا بر نیاید
شہیدِ سوز و سازِ آرزو ہوں	شہیدِ سوز و ساز آرزویم
(269)	(268)

اس رباعی کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

میں اس باغ (دنیا) میں پھول کی خوشبو کی مانند آوارہ ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میں کیا چاہتا ہوں اور کیا تلاش کرتا ہوں۔ میری آرزو پوری ہو یا نہ ہو میں تو آرزو کے سوز و ساز میں فنا ہوگیا ہوں۔

اس رباعی کا منظوم اردو ترجمہ سلیس، رواں اور مترنم ہے۔ فارسی شعر کے دوسرے مصرع کا ترجمہ ہے 'میں نہیں جانتا کہ میں کیا چاہتا ہوں اور کیا تلاش کرتا ہوں' جبکہ اس کا منظوم ترجمہ 'نہ جانے کیوں میں محوِ جستجو ہوں' کیا گیا ہے۔ اصل متن میں یہ بیان ہُوا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میں کیا چاہتا ہوں اور کس کی جستجو میں ہوں۔ اک انجانی چاہت اور طلب ہے۔ کوئی انجانی، محبوب ہستی ہے جس کی جستجو میری فطرت میں رکھی گئی ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں بھی قریباً یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے، اقبال نے 'چہ می خواہم' اور 'چہ جویم' کہہ کر طلب اور جستجو کا جس انداز سے رشتہ بیان کیا ہے، منظوم اردو ترجمہ میں یہ رنگ نظر نہیں آتا۔

بعض جگہ پر انجم رومانی نے فارسی اشعار کے الفاظ و تراکیب سے وہی وزن قائم رکھتے ہوئے ترجمہ کا حق ادا کردیا ہے اور ترجمہ پر اصل کا گُماں ہوتا ہے۔ رباعی نمبر 82 اور اس کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

منظوم اردو ترجمہ از انجم رومانی	اصل متن از پیامِ مشرق
تو اے کودک مِنش اپنا ادب کر	تو اے کودک منش خود را ادب کن
مسلماں زادہ ہے ترکِ نسب کر	مسلماں زادۂ؟ ترکِ نسب کن

برنگِ احمر و خون و رگ و پوست	بہ رنگِ احمر و خون و رگ و پوست
عرب نازد اگر، ترکِ عرب کن	عرب اِترائے ، تُو ترکِ عرب کو
(270)	(271)

پہلے مصرع میں 'خوررا' اور 'کن' کو 'کر' سے بدل دیا ہے۔ دوسرے مصرع میں سوالیہ علامت حذف کر دی ہے اور 'کن' کو 'کر' سے بدل دیا ہے۔ تیسرا مصرع وہی ہے۔ چوتھے مصرع میں 'نازد اگر' کو 'اِترائے ،تو' سے بدل دیا ہے۔ اس طرح فارسی رباعی اردو رنگ میں رنگی گئی ہے۔ خط کشیدہ الفاظ فارسی رباعی سے لیے گئے ہیں۔ اس طرح کی ترکیب لفظی رباعی نمبر 128 کے ترجمہ میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از انجم رومانی
زمن گو صوفیانِ باصفا را	کہو اِن صوفیانِ باصفا کو
خدا جویانِ معنی آشنا را	خدا جویانِ معنی آشنا کو
غلامِ ہمتِ آں خود پرستم	غلام اُس خود نِگر انسان کا ہُوں ، جو
کہ با نورِ خودی بیند خدا را	خودی کے نور سے دیکھے خُدا کو
(272)	(273)

مندرجہ بالا رباعی میں 'خود پرستم' کا ترجمہ 'خودنِگر' کیا گیا ہے۔ 'خود پرستم' سے مراد اپنی پرستش کرنے والا ہے۔ فکرِ اقبال کے مطابق اس سے مراد ایسا انسان ہے جو اپنے آپ کو پہچانے اور اپنی خودی کی پرورش کرے۔ اس کا ترجمہ 'خودنگر' عین درست اور مستحسن ہے۔

فرہنگ اقبال اردو کے صفحہ 329 پر 'خودنگر' کا مفہوم یوں دیا گیا ہے:

> خودنگر (۔ف) صفت، خود+نگر، مصدر نگریستن (= دیکھنا) سے فعل امر: اپنی ذات کی معرفت حاصل کرنے والی جس میں ماحول و گرد و پیش کا عرفان بھی شامل ہے ۔
>
> ہوا گر خودنگر و خودگر و خودگیر خودی (حیاتِ ابدی، ض ک، ۳۱) (274)

فرہنگ اقبال فارسی کے صفحہ 357 پر 'خودنگر' کا مفہوم یوں بیان ہوا ہے:

> خودنِگر (ف ف) مرکب ناقص، خود+ نگر، مصدر نگریستن (= یہ دیکھنا) سے فعلِ امر، ترکیبات میں مستعمل ہے اور اسمِ سابق سے مل کر صفتِ فاعلی کے معنی دیتا ہے: اپنے نفس کی معرفت حاصل کرنے والا اور اس زینے سے خدا کی معرفت تک رسا ہونے والا۔
>
> خودگرے، خودشکنے، خودنگرے پیدا شد (پ م، ۵۵) (275)

مندرجہ بالا اقتباسات کی رو سے 'خودنگر' سے مراد ایسا انسان ہے جو اپنی ذات اور کائنات کے حوالے سے معرفت خدا حاصل کرے۔ انجم رومانی نے نہایت موزوں لفظ استعمال کرتے ہوئے اس رباعی کا اردو میں واضح مفہوم بیان کیا ہے۔

'لالۂ طور' کے منظوم ترجمہ کی طرح 'مئے باقی' کے منظوم ترجمہ میں بھی سلاست، روانی اور ترنم نظر آتے ہیں۔ اس حصہ میں صرف تین غزلیات کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ غزل نمبر 11 اور اس کا منظوم ترجمہ ملاحظہ کریں۔

اصل متن از پیامِ مشرق

از ما بگو سلامے آں تُرکِ تندخو را
کآتش زد از نگاہے یک شہر آرزو را
ایں نکتہ را شناسد آں دل کہ دردمند است
من گرچہ توبہ گفتم ، نشکستہ ام سبو را
اے بلبل از وفایش صد بار با تو گفتم
تو درکنار گیری ، باز ایں رمیدہ بو را
رمزِ حیات جوئی ؟ جز درتپش نیابی
درقلزم آرمیدن ننگ است آبجو را
شادم کہ عاشقاں را سوزِ دوام دادی
درماں نیافریدی آزارِ جستجو را
گفتی مجو وصالم ، بالاتر از خیالم
عذرِ نو آفریدی اشکِ بہانہ جو را
از نالہ بر گلستاں آشوب محشر آور
تادم بہ سینہ پیچد مگذار ہاے و ہو را
(276)

منظوم اردو ترجمہ از انجم رومانی

میرا سلام کہنا اس تُرک تند خو کو
پھونکا نگہ جس نے اِک شہرِ آرزو کو
یہ نکتہ جانتا ہے اِک درد مند دِل ہی
کی ہے اگرچہ توبہ توڑا نہیں سبُو کو
اُس کی وفا پہ تکیہ اے عندلیب ! کب تک
لیتی ہے تو بغل میں پھر اُس رمد ......
رمزِ حیات کیا ہے؟ اک پیچ و تابِ پیہم
آسودگی قلزم ہے ننگِ آبجو کو
خوش ہوں کہ عاشقوں کو سوزِ دوام بخشا
اور لادوا بنایا آزارِ جستجو ......
برتر وصال سے ہوں، بالا خیال سے ہوں
کیا عذرِ نو دیا ہے اشک بہانہ جُو کو
نالے سے گلستان پر آشوبِ محشر آئے
جب تک کہ دم میں دم ہے مت ......
(277)

یہ غزل سات (7) اشعار پر مشتمل ہے۔ اشعار نمبر 1، 2، 4 اور 6 کا ترجمہ مکمل طور پر واضح اور قابلِ فہم ہے، اشعار نمبر 3، 5 اور 7 بغیر ردیف کے ہیں۔ شعر نمبر 3 کا ردیف مہمل ہے۔ شعر نمبر 5 کا ردیف 'کو' آنا چاہیے۔ شعر نمبر 7 کا قافیہ ردیف نہیں دیا گیا۔ اقبال اکادمی کے زیرِ ادارت شائع ہونے والے اس مختصر سے بروشر میں اس طرح کی اغلاط کا نظر آنا باعثِ حیرت ہے۔ دیگر اشعار کے منظوم اردو ترجمہ کا جائزہ لیں تو واضح ہوتا ہے کہ اشعار نمبر 3، 5 اور 7 کو اس طرح سے مکمل کیا جاسکتا ہے:

نامکمل اشعار از منظوم ترجمہ انجم رومانی

اُس کی وفا پہ تکیہ اے عندلیب ! کب تک
لیتی ہے تو بغل میں پھر اُس رمد ......
خوش ہوں کہ عاشقوں کو سوزِ دوام بخشا
اور لادوا بنایا آزارِ جستجو ......
نالے سے گلستان پر آشوبِ محشر آئے
جب تک کہ دم میں دم ہے مت ......

مجوزہ مکمل اشعار از روئے جائزہ

اُس کی وفا پہ تکیہ اے عندلیب ! کب تک
لیتی ہے تو بغل میں پھر اُس رمیدہ بو کو
خوش ہوں کہ عاشقوں کو سوزِ دوام بخشا
اور لادوا بنایا آزارِ جستجو کو
نالے سے گلستان پر آشوبِ محشر آئے
جب تک کہ دم میں دم ہے مت روک ہاے وہو کو

حاصلِ مطالعہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر یہ منظوم ترجمہ نہایت خوبصورت، واضح، سلیس، رواں اور مترنم ہے اور تفہیمِ متن کا فریضہ احسن طور پر سرانجام دے رہا ہے۔

خسرواور اقبال

منظوم اردو ترجمہ پیامِ مشرق (’مئے باقی‘ و’لالۂ طور‘)

از

ڈاکٹر خالد حمید شیدؔا

’’خسرواور اقبال‘‘ ڈاکٹر خالد حمید شیدؔا کی تصنیف ہے۔ اس میں خسرو کی سو غزلوں اور کلامِ اقبال (فارسی) کا منظوم ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ کلامِ اقبال میں سے زبورِ عجم کی منتخب غزلیات، پیامِ مشرق کے حصۂ باقی کی غزلیات اور لالۂ طور کی منتخب رباعیات کا منظوم ترجمہ دیا گیا ہے۔

یہ کتاب کل 854 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کا ٹائٹل خوبصورت ہے۔ یہ $\frac{23\times36}{16}$ کے سائز میں پرنٹ ہوئی ہے۔ سب ٹائٹل پر کتاب، مصنف اور پبلشر کے نام دیے گئے ہیں۔ اس کا اکتوبر 2008ء کا ایڈیشن پیشِ نظر ہے۔ کتاب کے شروع میں ’اہلِ نظر کی آراء‘ کے عنوان کے تحت محسن بھوپالی، ڈاکٹر محمد علی صدیقی، ڈاکٹر رشید امجد، ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ اور ڈاکٹر تنظیم الفردوس کی ’’خسرواور اقبال‘‘ کے بارے میں آراء دی گئی ہیں۔

اس کے بعد ’’عرضِ شیدائی‘‘ کے عنوان سے خالد حمید شیدؔا نے مختصر طور پر اپنا خاندانی، علمی اور سماجی پس منظر بیان کیا ہے۔ انھوں نے فارسی وار دو ادب سے اپنے طبعی شغف اور علمی کم مائیگی کا ذکر کیا ہے اور بڑھاپے میں فکرِ روزگار اور خوشگوار مصروفیت کے محرکات کو منظوم ترجمہ کے کاموں میں مشغول ہونے کے اسباب قرار دیا ہے۔ یہ 8 اکتوبر 2008ء کی تحریر ہے۔ آخر پر انھوں نے امریکہ میں اپنا رہائشی پتہ تحریر کیا ہے۔ اگلے دو صفحات پر انھوں نے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی تصاویر دی ہیں۔ اس کے بعد ان کی چھوٹی ہمشیرہ بشریٰ انیس الرحمٰن نے ’’میرے بھائی‘‘ کے عنوان سے اور بہنوئی ڈاکٹر انیس الرحمٰن (پی ایچ ڈی) نے ’آتشِ عشق‘ کے عنوان سے ان کی شخصیت اور علمی کاوشوں کے بارے میں آرا اور تبصرے دیے ہیں۔ ڈاکٹر رشید امجد (پی ایچ ڈی) نے ’’خالد حمید شیدؔا کے تراجم کا ایک اجمالی جائزہ‘‘ کے عنوان کے تحت ان کی علمی خدمات کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس میں ان کے ادبی محاسن کا جائزہ تو پیش کیا گیا ہے مگر خامیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی نہیں کی گئی۔ بعدازاں ’’غزلیات خسرو کا منظوم اردو ترجمہ‘‘ کے عنوان سے محسن بھوپالی کا ادبی جائزہ اور ’’فارسی کلامِ اقبال اور شیدؔا کا ترجمہ‘‘ کے عنوان سے عشرت رومانی کا تبصرہ دیا گیا ہے۔ پیش کردہ منظوم ترجمہ کے بغور جائزہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا حضرات الفت کے تقاضے نبھاتے ہوئے تنقید کے اصولوں کی پاسداری نہ کر پائے۔

کتاب کے شروع میں زبورِ عجم کی غزلیات اور ان کا منظوم ترجمہ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد صفحات 790 تا 817 پر پیامِ مشرق کے حصہ ’’مئے باقی‘‘ کی منتخب غزلیات اور ان کا منظوم ترجمہ کیا گیا ہے۔ ’’مئے باقی‘‘ کے بعد صفحات 819 تا 854 پر ’’لالۂ طور‘‘ کی منتخب رباعیات کا منظوم ترجمہ معہ فارسی متن دیا گیا ہے۔

منظوم اردو ترجمہ..... مئے باقی

مئے باقی 45 غزلیات پر مشتمل ہے۔ خالد حمید شیدا نے 29 غزلیات کے منظوم اردو تراجم درج ذیل ترتیب سے دیے ہیں:

-1 غزل نمبر 1 تا 7، غزل نمبر 44، غزل نمبر 10 تا 12، غزل نمبر 15، غزل نمبر 19 تا 23، غزل نمبر 26 تا 29، غزل نمبر 31 تا 33، غزلیات نمبر 35 تا 37، غزل نمبر 43، غزل نمبر 41

-2 غزل نمبر 7 کے بعد، غزل نمبر 44 کا ترجمہ دیا ہے۔ اس کے بعد غزل نمبر 10 اور دیگر غزلیات کا ترجمہ دیا ہے۔ آخر پر بھی پہلے غزل نمبر 43 اور پھر غزل نمبر 41 کا ترجمہ دیا ہے۔ یہ بے ترتیبی نا قابلِ فہم ہے، بلکہ حیرت افزا بھی ہے۔

درج ذیل 16 غزلیات کا ترجمہ نہیں دیا گیا: (ترجمہ کے اس انتخاب کو ذاتی پسند کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے)

غزلیات نمبر 8، 9، 13، 14، 16، 17، 18، 24، 25، 30، 34، 38، 39، 40، 42، 45

اس کتاب میں ڈاکٹر رشید امجد (278) اپنے تبصرہ میں فنِ ترجمہ کے نازک اور مشکل کام کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "فنی اور علمی ترجموں کے مقابلہ میں تخلیقی ترجمے بہت مشکل ہیں کہ ہر تخلیق کے ساتھ اس کی زبان، ثقافت اور لکھنے والے کا نظریۂ حیات شامل ہوتا ہے اور کوئی مترجم دونوں زبانوں پر کتنا ہی عبور رکھتا ہو اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے کہ اصل تخلیق کے تمام جواہر کو دوسری زبان میں منتقل کر دے۔ خصوصاً کسی تخلیق کے اسلوب کو اس کے اصل مزاج کے ساتھ ترجمہ کرنا تو تقریباً ناممکن ہے۔ مترجم زیادہ سے زیادہ تخلیق کے خیال یا مفہوم کو بیان کر سکتا ہے۔....." (279)

ڈاکٹر رشید امجد کے مطابق

-1 تخلیقی ترجمہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔

-2 کوئی مترجم دونوں زبانوں پر عبور رکھنے کے باوجود اصل تخلیق کے تمام جواہر کو دوسری زبان میں آسانی منتقل نہیں کر سکتا۔

-3 کسی تخلیق کے اسلوب کو اس کے اصل مزاج کے ساتھ ترجمہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

-4 کوئی مترجم زیادہ سے زیادہ تخلیق کے خیال یا مفہوم کو بیان کر سکتا ہے۔

مندرجہ بالا امور کو اور ڈاکٹر خالد حمید شیدا کی غیر تسلی بخش فنی و علمی مہارت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے منظوم اردو ترجمہ کا جائزہ لیں تو واضح ہوتا ہے کہ وہ کلامِ اقبال کا اصل مزاج کے ساتھ ترجمہ کرنا تو کجا وہ زیادہ تر مقامات پر اصل تخلیق کا صحیح مفہوم بھی واضح نہ کر پائے۔ اس سلسلہ میں مئے باقی کی غزل نمبر 15 اور اس کا منظوم اردو ترجمہ ملاحظہ کریں۔

اصل متن از پیامِ مشرق

تیروسنان و خنجر و شمشیرم آرزو ست
بامن میا کہ مسلکِ شبیرم آرزو ست
از بہرِ آشیانہ خس اندوزیم نگر
باز ایں نگر کہ شعلۂ در گیرم آرزو ست
گفتند لب بہ بند و ز اسرارِ ماگو
گفتم کہ خیر! نعرۂ تکبیرم آرزو ست
گفتند ہرچہ در دلت آید ز ما بخواہ
گفتم کہ بے حجابیٔ تقدیرم آرزو ست
از روزگارِ خویش ندانم جز ایں قدر
خوابم ز یادِ رفتہ و تعبیرم آرزو ست!
کوآں نگاہِ ناز کہ اوّل دلم ربود
عمرت دراز باد ، ہماں تیرم آرزو ست

(280)

منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا

تیر و سنان و خنجر و شمشیر چاہیے
شیرِ خدا کا مسلکِ شبیّر چاہیے
کاشانہ ایک خس کا بنایا تو ہے ولے
کرنے کو اب تباہ یہ ، تدبیر چاہیئے
کہنے کی رمز و راز نہ خواہش کوئی مجھے
بس ایک شورِ نعرۂ تکبیر چاہیئے
تیرے حجاب کا مجھے شکوہ نہیں کوئی
مجھ کو تو بے حجابیٔ تقدیر چاہیے
شب زندہ دار رہوے ہے بے خواب، پر اُسے
خوابے ز یادِ رفتہ کی تعبیر چاہیے
جس نے کیا شکار تھا دل بے خطر مرا
اے چشمِ ناز پھر وہی اک تیر چاہیے

(281)

مندرجہ بالا فارسی غزل کا پہلا شعر، اس کا منظوم اردو ترجمہ درج ذیل ہیں:

اصل متن از پیامِ مشرق

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزو ست
بامن میا کہ مسلکِ شبیرم آرزو ست

منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا

تیر و سنان و خنجر و شمشیر چاہیے
شیرِ خدا کا مسلکِ شبیّر چاہیے

اس شعر کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ:

تیر اور برچھا اور خنجر اور تلوار میری آرزو ہے۔ میرے ساتھ نہ آ کہ شبیرؓ کا راستہ میری آرزو ہے۔

خالد حمید شیدا نے پہلے مصرع میں اصل فارسی شعر کے الفاظ ہی استعمال کیئے ہیں۔ دوسرے مصرع کا ترجمہ درست نہیں کیا۔ اصل شعر کا مطلب یہ ہے کہ میں مسلکِ شبیرؓ کا آرزو مند ہوں۔ اس راہ پر بڑی مشکلیں پیش آتی ہیں۔ بہت بڑی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ خالد حمید شیدا نے اپنے ترجمہ میں اس عزم کا اظہار تو کر دیا کہ مسلکِ شبیرؓ اختیار کرنا چاہتا ہوں مگر 'بامن میا' یعنی 'میرے ساتھ نہ آ' کا مفہوم واضح نہیں کیا۔

اس غزل کا دوسرا شعر اور اس کا منظوم اردو ترجمہ درج ذیل ہیں:

اصل متن از پیامِ مشرق

از بہرِ آشیانہ خس اندوزیم نگر
باز ایں نگر کہ شعلۂ در گیرم آرزو ست

منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا

کاشانہ ایک خس کا بنایا تو ہے ولے
کرنے کو اب تباہ یہ ، تدبیر چاہیئے

اس شعر کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

آشیانے کے لیے میرا تنکے جمع کرنا دیکھ۔ پھر یہ دیکھ کہ جلا دینے والا شعلہ میری آرزو ہے۔

اقبال کہتے ہیں کہ میں ہر وقت مصروف بہ عمل رہتا ہوں۔ میں جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم کا قائل ہوں۔ کبھی تو

میں آشیانہ بنانے کے لیے تنکے اکٹھے کرتا ہوں اور کبھی آشیانہ بنانے کے بعد ارادہ کرتا ہوں کہ یہ آشیانہ جلا دوں اور نیا آشیانہ بناؤں۔ مراد یہ ہے کہ خوب سے خوب تر کی تلاش جاری رہنی چاہیے۔ انفرادی، اجتماعی اور قومی ترقی کے لیے تبدیلی اور اصلاح کا عمل جاری رہنا چاہیے۔

خالد حمید شیدؔا کا منظوم اردو ترجمہ اصل فارسی متن اور اس کے مفہوم کی عکاسی نہیں کرتا۔ ان کا شعر واقعاتی امر بیان کرتا ہے۔ ان کے منظوم ترجمہ کا نثر میں مفہوم بیان کریں تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ میں نے تنکوں سے ایک 'کاشانہ' بنا تو لیا ہے مگر اب اسے تباہ کرنے کے لیے کوئی تدبیر چاہیے۔ ان کا یہ ترجمہ اصل فارسی متن کے مطابق نہیں ہے۔ فارسی شعر میں 'نگر' کے لفظ سے دیکھنے اور غور وفکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور 'آرزو' کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جبکہ اردو ترجمہ اس طرح کی دعوت فکر نہیں دیتا۔ مزید یہ کہ تنکوں سے آشیانہ یا گھونسلہ بنتا ہے، کاشانہ نہیں۔ انہوں نے فارسی لفظ 'خس' اردو ترجمہ میں استعمال کر لیا۔ اسی طرح منظوم اردو ترجمہ میں استعمال ہونے والا لفظ 'و لے' فارسی زبان' کا ہے۔ خالد حمید شیدؔا نے 79 برس کی عمر میں یہ ترجمہ کیا تھا۔ بقول ان کے اس وقت وہ اردو پڑھنا اور بولنا بھول چکے تھے۔ اندریں حالات وہ ترجمہ میں اس طرح کے الفاظ کیسے استعمال کر پائے؟

اس غزل کا تیسرا شعر اور اس کا منظوم اردو ترجمہ درج ذیل ہیں:

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدؔا
گفتند لب بہ بند و ز اسرارِ ما مگو	کہنے کی رمز و راز نہ خواہش کوئی مجھے
گفتم کہ خیر! نعرۂ تکبیرم آرزو ست	بس ایک شورِ نعرۂ تکبیر چاہیئے

راقم الحروف کے نزدیک اس شعر کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

اُنہوں (کارکنانِ قضا وقدر) نے کہا تو ہونٹ بند کر اور ہمارے راز نہ بیان کر۔ میں نے کہا کہ خیر (کوئی بات نہیں) نعرۂ تکبیر میری تمنّا ہے۔

مراد یہ ہے کہ شاعر کو منع کیا گیا ہے کہ وہ اسرارِ حق ظاہر نہ کرے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں اسرارِ حق تو ظاہر نہیں کروں گا، تاہم میری آرزو ہے کہ میں حق کی بڑائی بیان کرنے کی خاطر نعرۂ تکبیر بلند کروں۔

منظوم اردو ترجمہ میں فارسی شعر کے پہلے مصرع کا ترجمہ نہیں دیا گیا۔ پہلے مصرع کا مفہوم یہ ہے 'انہوں (کارکنانِ قضا وقدر) نے کہا تو ہونٹ بند کر اور ہمارے راز نہ بیان کر' جبکہ خالد حمید شیدؔا نے اپنے منظوم ترجمہ میں کارکنان قضا وقدر کی اس ہدایت کا ذکر نہیں کیا۔ اس میں دوسرے مصرع کا مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاہم نعرۂ تکبیر کے ساتھ لفظ 'شور' کا استعمال نامناسب اور بے جا ہے۔ نعرہ تکبیر سے مراد بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اعلان کرنا ہے۔ 'نعرہ' بلند آواز سے ہی لگایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ لفظ 'شور' ایک بامعنی فعل کو غیر واضح عمل کی شکل دیتا ہے۔ اس لیے منظوم اردو ترجمہ میں 'نعرۂ تکبیر' کے ساتھ لفظ 'شور' کا استعمال درست نہیں ہے۔

اس غزل کا چوتھا شعر اور اس کا منظوم اردو ترجمہ درج ذیل ہیں:

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدؔا
گفتند ہرچہ در دلت آید ز ما بخواہ	تیرے حجاب کا مجھے شکوہ نہیں کوئی
گفتم کہ بے حجابیٔ تقدیرم آرزو ست	مجھ کو تو بے حجابیٔ تقدیر چاہیے

اس شعر کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

انہوں نے کہا کہ جو کچھ تیرے دل میں آتا ہے مجھ سے مانگ لے۔ میں نے کہا میری آرزو ہے کہ میری تقدیر بے حجاب ہو جائے یعنی مجھ پر میری تقدیر اور میرا مقام ظاہر ہو جائے۔

خالد حمید شیدا نے اس شعر کے پہلے مصرع کا ترجمہ بھی درست نہیں کیا ہے۔ فارسی شعر میں محب اور محبوب میں مکالمہ کی صورت بیان کی گئی ہے۔ محبوب، محب سے اس کی آرزو دریافت کرتا ہے اور محب، اپنی آرزو بیان کرتا ہے۔ شیدا صاحب نے ترجمہ میں یہ آہنگ اختیار نہیں کیا۔ وہ پہلے مصرع کا ترجمہ لکھتے ہیں کہ 'تیرے حجاب کا مجھے شکوہ نہیں کوئی'۔ فارسی شعر میں کسی شکوہ کا ذکر نہیں ہُوا۔ اس ترجمہ کا اصل شعر سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں پہلا مصرع غیر واضح ہونے کی وجہ سے دوسرا مصرع بھی غیر واضح ہو گیا ہے۔

اس غزل کا پانچواں شعر اور اس کا منظوم اردو ترجمہ درج ذیل ہیں:

منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا	اصل متن از پیامِ مشرق
شب زندہ دار رہوے ہے بے خواب، پر اُسے	از روزگارِ خویش ندانم جز ایں قدر
خوابے ز یاد رفتہ کی تعبیر چاہیے	خوابم زیاد رفتہ و تعبیرم آرزو ست!

اس شعر کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

میں اپنے شب و روز کے بارے میں اس قدر سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ میں بھولا ہُوا خوابِ ہوں اور اس کی تعبیر کی مجھے آرزو ہے۔ مراد یہ ہے کہ میری گزری ہوئی زندگی خواب کی مانند ہے اور آخرت میں اس کی تعبیر جاننے کی آرزو ہے۔

خالد حمید شیدا کا منظوم ترجمہ حیرت انگیز طور پر اصل متن سے بالکل ہٹ کر ہے۔ ان کے منظوم اردو ترجمہ کا مطلب یہ ہے:

رات کو جاگنے والا کوئی خواب تو نہیں دیکھ پاتا مگر اسے بھولے ہوئے خواب کی تعبیر چاہیے۔

اب جو انسان سویا نہیں اور اس نے کوئی خواب بھی نہیں دیکھا، وہ کس بھولے ہُوئے خواب کی تعبیر چاہے گا؟

خالد حمید شیدا نے دوسرے مصرع میں 'خواب زیاد رفتہ' کے الفاظ بھی فارسی شعر سے اخذ کئے ہیں۔

اس غزل کے آخری شعر کا منظوم اردو ترجمہ درج ذیل ہیں:

منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا	اصل متن از پیامِ مشرق
جس نے کیا شکار تھا دل بے خطر مرا	کو آں نگاہِ ناز کہ اوّل دلم ربود
اے چشمِ ناز پھر وہی اک تیر چاہیے	عمرت دراز باد، ہماں تیرم آرزو ست

اس شعر کا لفظی ترجمہ درج ذیل ہے:

وہ نگاہِ ناز کہاں ہے جس نے پہلے پہل میرا دل لوٹ لیا تھا۔ تیری عمر دراز ہو مجھے پھر اسی تیر کی آرزو ہے۔

اس شعر میں اقبال نے 'نگاہِ ناز' کی اہمیت بیان کی ہے۔ اہل عشق اس نگاہ کے منتظر رہتے ہیں۔ یہ نگاہ ان کے لیے پیغامِ حیات ہے۔ اس نگاہ سے دل میں عشق پیدا ہوتا ہے۔ محبوب کے دیدار اور وصل کی طلب پیدا ہوتی ہے۔ اسی نگاہ کی بدولت ہجر بھی لذت دیتا ہے۔ یہ نگاہ حسن اور عشق کے فاصلے کم کر دیتی ہے۔ یہی نگاہ تھی جس نے اپنا محبوب 'نور' پیدا کیا اور کائنات میں سلسلۂ حسن و عشق کی بنیاد رکھ دی۔ اقبال اسی نگاہِ ناز کے طلب گار ہیں اور اسی کے لیے دعا گو ہیں۔

اس شعر کا منظوم اردو ترجمہ دیگر اشعار کے تراجم سے قدرے بہتر ہے۔ اقبال پہلے مصرع میں کہتے ہیں کہ 'وہ نگاہِ ناز کہاں ہے جس نے پہلے پہل میرا دل لوٹ لیا تھا'۔ خالد حمید شیدا نے اس مصرع کے ترجمہ میں 'کو آں' اور 'اول' کا مفہوم نہیں دیا۔ انہوں نے دوسرے مصرع میں 'عمرت دراز باد' کا مفہوم بھی نہیں دیا، تاہم انہوں نے اس آرزو کا اظہار کر دیا ہے کہ مجھے پھر وہی اک تیر چاہیے۔ پہلا مصرع میں لفظ 'بے خطر' کا استعمال اصل متن کے لحاظ سے زائد ہے۔

مندرجہ بالا فارسی غزل کے لفظی ترجمہ اور منظوم اردو ترجمہ کے موازنہ سے واضح ہوتا ہے کہ

1- خالد حمید شیدا نے اچھی طرح سے تفہیم متن کے بغیر ہی منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔

2- ان کا ترجمہ اصل متن کی نمائندگی نہیں کرتا۔ اصل متن کے ساتھ موازنہ کر کے ان کا ترجمہ پڑھا جائے تو ہر شعر کا مفہوم اصل سے مختلف ہے۔ اگر اس منظوم اردو ترجمہ کو الگ سے بھی پڑھا جائے تو اس سے فکرِ اقبال کی ترجمانی کا تاثر نہیں ملتا۔

3- افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ تمام منظوم اردو ترجمہ میں بغور مطالعہ کے بعد بھی کسی ایک غزل یا رباعی کا مثالی ترجمہ نظر نہیں آتا۔ بعض مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مزید محنت اور کوشش سے ترجمہ اصل متن کے قریب تر ہو سکتا تھا۔

خالد حمید شیدا کے تمام منظوم اردو ترجمہ کا بغور جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے اصل تخلیق کے خیال یا مفہوم کو واضح کرنے کے بجائے زیادہ زور اس بات پر دیا ہے کہ اصل تخلیق کے تمام جواہر دوسری زبان میں منتقل ہو جائیں۔ اس کوشش میں انھوں نے بعض مقامات پر ترجمہ کے بجائے اصل شعر ہی بغیر کسی اضافہ کے یا معمولی سی تبدیلی کے ساتھ دوبارہ نقل کر دیا ہے۔ جس سے ترجمہ کا مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ کریں:

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا
ہمہ ناز بے نیازی ، ہمہ ساز بے نوائی	ہمہ ناز بے نیازی ، ہمہ ساز بے نوائی
دلِ شاہ لرزہ گیرد ز گدائے بے نیازے	دلِ شہ کو دیوے لرزہ ہے گدائے بے نیازے
(282)	(283)

غزل نمبر 7 کے اس شعر کے پہلے مصرع میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔ جبکہ دوسرے مصرع میں 'دلِ شاہ' کی جگہ پر 'دلِ شہ' لکھ دیا گیا۔ 'لرزہ گیرد ز' کا ترجمہ 'کو دیوے لرزہ ہے' کر دیا گیا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا
بہ رہِ تو ناتمام، زتغافلِ تو خام	بہ رہِ تو ناتمام، زتغافلِ تو خام
من و جانِ نیم سوزے، تو و چشمِ نیم بازے	من و جانِ نیم سوزے، تُو و چشمِ نیم بازے
(284)	(285)

مندرجہ بالا شعر بھی غزل نمبر 7 کا ہے۔ یہاں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا
صد نالۂ شبگیرے، صد صبحِ بلاخیزے	صد نالۂ شبگیرے، صد صبحِ بلاخیزے
صد آہِ شرر ریزے، یک شعرِ دل آویزے	صد آہِ شرر ریزے، یک شعرِ دل آویزے
(286)	(287)

مندرجہ بالا شعر غزل نمبر 19 کا مطلع ہے اور منظوم ترجمہ میں اس طرح اختیار کر لیا گیا ہے۔ اس غزل کے دیگر اشعار کے ترجمہ میں بھی زیادہ تر فارسی متن کے الفاظ و تراکیب اور قافیہ و ردیف استعمال ہوئے ہیں۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدؔا
نہ شیخِ شہر، نہ شاعر، نہ خرقہ پوش اقبالؔ	نہ شیخِ شہر، نہ شاعر، نہ خرقہ پوش اقبالؔ
فقیرِ راہ نشین است و دل غنی دارد	فقیرِ راہ نشیں ہے یہ دل غنی رکھے
(288)	(289)

مندرجہ بالا شعر غزل نمبر 21 کا مقطع ہے۔ صرف تین الفاظ کی تبدیلی سے اسے منظوم اردو شکل دے دی گئی۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدؔا
نہالِ تُرک ز برقِ فرنگ بار آورد	نہالِ تُرک : برقِ فرنگ بار آور
ظہورِ مصطفوی را بہانہ بولہبی ست	ظہورِ مصطفوی کو بہانہ بولہبی
(290)	(291)

مندرجہ بالا شعر غزل نمبر 23 کا ہے۔ خالد حمید شیدؔا نے فارسی شعر کے دو الفاظ 'را' اور 'ست' کو 'کو' سے بدل کر اردو منظوم ترجمہ کر دیا ہے۔ اس غزل کے قافیہ کو منظوم ترجمہ میں ردیف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدؔا
لاہوتیاں اسیرِ کمندِ نگاہِ او	لاہوتیاں اسیرِ کمندِ نگاہِ او
صوفی ہلاکِ شیوۂ ترکانہ دل است	صوفی ہلاکِ شیوۂ تُرکانۂ دلے
(292)	(293)

غزل نمبر 31 کا قافیہ ردیف منظوم اردو ترجمہ میں استعمال ہُوئے ہیں۔ 'دل است' کو 'دلے' میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ زیادہ تر الفاظ بھی فارسی غزل کے استعمال ہُوئے ہیں۔ مندرجہ بالا شعر میں معمولی سی تبدیلی کی گئی ہے۔ اس سے منظوم اردو ترجمہ کرنے کی غرض و غایت پوری نہیں ہوتی کیونکہ ترجمہ عام قاری کے لیے قابلِ فہم نہیں ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدؔا
مثلِ آئینہ مشو محوِ جمالِ دگراں	مثلِ آئینہ نہ ہو محوِ جمالِ دگراں
از دل و دیدہ فروشوے خیالِ دگراں	دھو دل و دیدہ سے اپنے تُو خیالِ دگراں
(294)	(295)

مندرجہ بالا شعر غزل نمبر 35 کا مطلع ہے۔ یہاں بھی معمولی سے ردّو بدل سے کام چل گیا ہے۔

مندرجہ بالا فارسی اشعار اور ان کے منظوم اردو ترجمہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ بظاہر اصل کے اتنے قریب ہیں کہ ترجمہ کا مقصد ہی ختم ہو گیا ہے۔ خط کشیدہ الفاظ معمولی ردّو بدل کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس شکل میں ترجمہ عام فہم، سلیس اور رواں نہیں رہا اور ترجمہ کو سمجھنے کے لیے مزید ترجمہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

- بعض مقامات پر مترجم نے اصل شعر کا پہلا یا دوسرا مصرع وہی رکھا ہے اور کسی ایک مصرع کے ترجمہ سے

کام چلایا ہے۔ ملاحظہ کریں۔

منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا	اصل متن از پیامِ مشرق
باندھتے حلقہ ہیں تربت پہ مری نوح گراں	حلقہ بستند سرِ تربتِ من نوحہ گراں
دلبراں ، زہرہ و شاں ، گلبدناں ، سیم براں	دلبراں ، زہرہ و شاں ، گلبدناں ، سیم براں
(297)	(296)

مندرجہ بالا شعر میں پہلے مصرع کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے جبکہ دوسرا مصرع اسی طرح دے دیا گیا ہے۔ پہلے شعر میں اصل فارسی شعر کے الفاظ 'تربت' اور نوح گراں' استعمال کئے گئے ہیں۔ اردو ترجمہ میں فارسی شعر کے مشکل الفاظ استعمال کرنے کی وجہ سے یہ منظوم اردو ترجمہ قابلِ فہم نہیں رہا۔

منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا	اصل متن از پیامِ مشرق
بہ کیشِ زندہ دلاں زندگی جفاطلبی	بہ کیشِ زندہ دلاں زندگی جفاطلبی ست
سفر حرم کا ہے کیا ، جب نہیں ہے رہ میں خطر	سفر بہ کعبہ نکردم کہ راہ بے خطر است
(299)	(298)

اس شعر کے ترجمہ میں بھی فارسی شعر کے پہلے مصرع کا آخری لفظ حذف کر کے اسی طرح دے دیا گیا ہے۔ دوسرے مصرع کا ترجمہ غیر واضح ہے اور اصل متن کی ترجمانی نہیں کرتا ہے۔ اس مصرع کا مفہوم یہ ہے کہ میں کعبہ کا سفر نہیں کرتا ہوں کیونکہ راستہ بے خطر ہے۔ مراد یہ ہے کہ سفر کا مقصد خواہ کتنا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو، آرام دہ اور محفوظ سفر سے انسانی صلاحیتیں زنگ آلود ہو جاتی ہیں۔ انسان بے عملی، کاہلی، سستی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر سفر خطرناک ہو تو انسان جرأت و ہمت، دانشمندی اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ خطرات سے نبرد آزما ہونے کی وجہ سے اس کی صلاحیتیں نشوونما پاتی ہیں اور اس کی عظمت اور قدرت ظاہر اور ثابت ہوتی ہیں۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے سخت کوشش، ہمت اور جرأت کا مظاہرہ کرے۔ خالد حمید شیدا کے منظوم اردو ترجمہ کا اصل متن کے مفہوم سے موازنہ کریں تو یہ بالکل غیر واضح اور ادھورا ترجمہ ہے۔ اگر ہم متن سے ہٹ کر بھی اس ترجمہ سے مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کریں تو پوری طرح مفہوم واضح نہیں ہوتا۔

منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا	اصل متن از پیامِ مشرق
مدہوش کرے مطرب، سرمست کرے ساقی	ہوشم برد اے مطرب ، مستم کند اے ساقی
گلبانگِ دل آویزے از مرغِ سحر خیزے	گلبانگِ دل آویزے از مرغِ سحر خیزے
(301)	(300)

مندرجہ بالا شعر کے منظوم اردو ترجمہ میں فارسی شعر کا دوسرا مصرع اسی طرح دے دیا گیا ہے جبکہ پہلے کا اردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ اس ترجمہ میں بھی اصل شعر کے الفاظ 'مطرب' اور 'ساقی' استعمال کئے گئے ہیں۔ ایسے ترجمہ کا کیا فائدہ کہ جسے سمجھنے کے لیے فارسی یا اردو لغت کی مدد لینی پڑے۔ خالد حمید شیدا نے قریباً تمام ترجمہ میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔ ترجمہ کرتے ہوئے انھوں نے اصل مفہوم کے ابلاغ پر کامل توجہ نہیں دی بلکہ جیسے تیسے مصرع کو مشرف بہ اردو کرنے کی کوشش کی ہے اگرچہ اس میں بھی وہ کہیں کہیں پورے کا پورا فارسی مصرع اصل شکل میں رکھتے اور اسے اردو قرار دیتے ہیں۔

بعض مقامات پر اصل فارسی متن اور منظوم ترجمہ کی اغلاط بھی نظر آتی ہیں مثلاً غزل نمبر 6 کا مقطع ملاحظہ کریں۔اس کے پہلے مصرع سے ایک لفظ غائب ہے جس سے ترجمہ ادھورارہ گیا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا
برہمنے بہ غزنوی گفت کرامتم نگر	غزنوی کہنے لگا یہ برہمن
تو کہ صنم شکستۂ ، بندہ شدی ایاز را	توڑے ہے بت میرے مگر پوجے ہے تُو ایاز کو
(302)	(303)

غزل نمبر 7 کے درج ذیل فارسی شعر اور اس کے منظوم اردو ترجمہ سے لفظ ''نشیب'' غائب ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا
زمقامِ من چہ پرسی، بہ طلسمِ دل اسیرم	مراحال پوچھیئے مت ، ہوں اسیرِ جادوئے دل
نہ من نشیبے، نہ فرازِ من فرازے	نہ من نشیبے، نہ فرازِ من فرازے
(304)	(305)

غزلیات نمبر 1، 4 اور 36 کے منظوم تراجم دیے گئے ہیں مگر ان کے درج ذیل اشعار اور ان کے تراجم نظر نہیں آتے۔

چہ نقشہا کہ نہ بستم بکار گاہِ حیات   چہ رفتنی کہ نہ رفت و چہ بودنی کہ نبود
(306)

اگر نہ بو الہوسی باتو نکتۂ گویم   کہ عشق پختہ تر از نالہ ہاے بے اثراست
(307)

نو اے من بہ عجم آتشِ کہن افروخت   عرب ز نغمۂ شوقم ہنوز بے خبر است
(308)

فرنگ شیشہ گری کرد و جام و مینا ریخت   بحیرتم کہ ہمیں شیشہ را پری داند
(309)

پیامِ مشرق (مئے باقی) کے اصل متن اور خسرو اور اقبال میں دیے گئے پیامِ مشرق (مئے باقی) کے متن سے موازنہ کرنے سے درج ذیل متنی اختلافات نظر آتے ہیں:

صفحہ نمبر	سطر نمبر	خسرو اور اقبالؒ از خالد حمید شیدا	صفحہ نمبر	سطر نمبر	اصل متن پیامِ مشرق۔۔۔مئے باقی از اقبالؒ
790	12	کہ ہر	144	4	بہ ھر
796	8	نہ......من نشیبے	150	8	نہ نشیب من نشیبے
798	3	درمیاں	152	13	ازمیاں
807	2	بایں	167	8	باایں
810	5	کردۂ	171	11	کردۂ
810	13	ندیدہ	172	5	نہ دیدہ

811	1	بہ کا ہے	172	7	بکا ہے
814	12	آذری	176	2	آزری
814	16	سرنہ تراشد	176	6	سرنتراشد
815	7	دل باو بند	176	13	دل بہ او بند
816	5	پامنشیں	182	1	پامنشیں
816	8	حسابش بہ سال	182	4	حسابش زسال
816	10	بہ کشمکشِ زندگی	182	6	بکشمکشِ زندگی

فارسی کلام کی بحر کی پابندی اور زیادہ تر فارسی کلام کے الفاظ اور تراکیب استعمال کرنے کی روش کی وجہ سے اکثر مقامات پر منظوم ترجمہ واضح مفہوم نہیں دیتا۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں۔

اصل متن از پیامِ مشرق

بہار برگِ پراگندہ را بہم بربست
نگاہِ ماست کہ برلالہ رنگ و آب افزود
(310)

درجہاں بال و پرِ خویش کشودن آموز
کہ پریدن نتواں با پر و بالِ دگراں
(312)

منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا

کرے بہار ہے برگ ہائے منتشر باہم
نگہ نے رنگِ گل و لالہ کر دیا افزود
(311)

سیکھ افشانیٔ بال و پرِ خود کرنی پھر
کہ نہ اُڑتا ہے کوئی با پر و بالِ دگراں
(313)

بعض اشعار میں ترجمہ سے متن کا اصل مفہوم ہی بدل گیا ہے۔ مثلاً درج ذیل شعر میں علامہ استفہامیہ انداز سے بات شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کیا تو ازل کے رازوں کی تلاش میں ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کے لیے اپنے آپ پر آنکھیں کھول (نظر ڈال)۔ ایک بھی تو ہے، ہزار بھی تو، چھپا ہُوا بھی تو ہے اور ظاہر بھی تو ہے۔ یعنی صفاتِ حق خود تیرے اندر جلوہ گر ہیں۔ علامہ اس شعر میں سالکِ راہِ طریقت کو، راہِ حق کے مسافر کو اسرارِ ازل سے آگہی کا طریقہ اور راستہ بتا رہے ہیں کہ اس کے لیے خود شناسی ضروری ہے۔ تعمیرِ خودی سے یہ اسرار ظاہر ہو جائیں گے۔ مترجم نے اصل شعر کے استفہامیہ اور ناصحانہ انداز کو بدل کر اسرارِ ازل جُو کے وصف کے طور پر بیان کر دیا اور تعلیم و تلقین کا رنگ وصف کی شکل میں بیان کر دیا جس سے اصل شعر کا صحیح مفہوم اور تاثر قائم نہیں ہو سکا۔ اس کے علاوہ فارسی شعر کا ہی دوسرا مصرع، منظوم اردو ترجمہ میں دے دیا، جس سے ترجمہ کا مقصد پورا نہ ہُوا۔ اردو ترجمہ بھی فارسی شعر کی شکل اختیار کر گیا۔ منظوم اردو ترجمہ کے پہلے مصرع میں لفظ 'آتی' کی جگہ پر 'آتیں' کا استعمال بھی غلط ہے۔ اصل متن اور منظوم ترجم ملاحظہ کریں۔

اصل متن از پیامِ مشرق

اسرارِ ازل جوئی؟ برخود نظرے واکن
یکتائی و بسیاری ، پنہانی و پیدائی
(314)

منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا

اسرارِ ازل جُو کو ، آتیں ہیں نظر دل میں
یکتائی و بسیاری ، پنہانی و پیدائی
(315)

بعض مقامات پر منظوم ترجمہ قدرے موزوں نظر آتا ہے اور اس امر کا احساس ہوتا ہے کہ مترجم اس ترجمہ کو ذرا سی محنت سے اور بہتر بنا سکتا تھا۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں:

اصل متن از پیامِ مشرق

برسرِ بام آ، نقاب از چہرہ بیباکانہ کش
نیست در کوے تو چومن آرزو مندے دگر
(316)

منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدؔا

برسرِ بام آ، دکھا اپنا رخِ زیبا کہ ہے
گو میں کوئی بھی نہ مجھ سا آرزو مندِ دگر
(317)

اس شعر کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

چھت کے کنارے پر آؤ، چہرے سے بے دھڑک نقاب اُٹھا۔ تیری گلی میں میرے جیسا کوئی اور آرزو مند نہیں ہے۔

خالد حمید شیدؔا نے منظوم ترجمہ میں فارسی شعر کے الفاظ 'برسرِ بام آ' ویسے ہی استعمال کیے ہیں۔ کوچہ یا گلی کے لیے لفظ 'کو' استعمال کیا ہے۔ 'آرزو مندے دگر' کے الفاظ کو 'آرزو مندِ دگر' کی شکل میں تحریر کر دیا ہے۔ اس طرح انھوں نے فارسی شعر کو اردو شکل میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے تمام منظوم ترجمہ میں یہی انداز اختیار کیا ہے۔ اصل شعر میں محبوب کو بے باکی کا مظاہرہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ جبکہ ترجمہ میں اس اس کا ذکر نہیں ہے۔ اگر شیدؔا کچھ اور محنت کر لیتے تو ترجمہ آسان اور سلیس ہو سکتا تھا۔

اصل متن از پیامِ مشرق

ایں نکتہ راشناسد آں دل کہ دردمند است
من گرچہ توبہ گفتم، نشکستہ ام سبو را
(318)

منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدؔا

اک درد مند دل ہی شاید سمجھ سکے گا
توبہ جو کر کے میں نے توڑا نہیں سبو کو
(319)

احمد جاوید نے تسہیل پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 481 پر اس شعر کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''وہ دل اس بھید کو بوجھ لے گا جو دردمند ہے۔ میں نے اگر چہ توبہ کا اعلان کیا مگر پیالہ توڑا نہیں۔''

اس شعر میں رازِ دل کا دردمند دل سے تعلق بیان کیا گیا ہے۔ عشق (سوز، درد) سے محبوب اور مقصود کی طلب اور جستجو پیدا ہوتی ہے۔ عاشقِ صادق کسی صورت بھی اپنے محبوب اور مقصود سے منہ نہیں پھیرتا۔ طلب سچی ہو تو بظاہر گریز اں نظر آنے کے باوجود عاشق صادق عشق و محبت کا سفر جاری رکھتا ہے۔ اقبال نے یہ نکتہ عشق و محبت نہایت خوبصورت انداز سے بیان کیا ہے۔ خالد حمید شیدؔا اقبال کی طرح پُر زور انداز سے اپنے ترجمہ میں عشق و محبت اور راز و نیاز کا رشتہ و تعلق اور نکتۂ دل بیان نہیں کر سکے۔

اصل متن از پیامِ مشرق

حسن می گفت کہ شامے نپذیرد سحرم
عشق می گفت تب و تابِ دوامے دارم
(320)

منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدؔا

جب کہا حسن نے شب ہے نہ سحر کو میری
عشق بولا، ہے تب و تابِ دوامے مجھ کو
(321)

میاں عبدالرشید نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 305 پر اس شعر کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

''حسن کہتا تھا کہ میری سحر، شام قبول نہیں کرتی (میں لازوال ہوں)۔ عشق کہتا تھا میری تب و تاب لایزال (دائمی) ہے۔'' 'سحر' کا متضاد 'شام' ہے۔ اقبالؒ نے لفظ 'شام' کے ساتھ لفظ 'سحر' استعمال کیا ہے۔ خالد حمید شیدا نے لفظ 'سحر' کے ساتھ لفظ 'شب' استعمال کیا ہے۔ 'شب' کا متضاد 'روز' ہے، 'دن' کا متضاد 'رات' ہے اور 'صبح' کا متضاد 'شام' ہے۔ خالد حمید شیدا منظوم ترجمہ میں لفظی حسن پیدا نہیں کر سکے۔ انھوں نے دوسرے مصرع کے ترجمہ میں فارسی شعر کے الفاظ تب و تابِ دوامے استعمال کیے ہیں جس سے ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا
دمادم نقش ہائے تازہ ریزد	دمادم نقش ہائے تازہ و نو
بیک صورت قرارِ زندگی نیست	نہ یک صورت قرارِ زندگی ہے
اگر امروزِ تو تصویرِ دوش است	اگر ہے آج کل جیسی تو تجھ میں
بخاکِ تو شرارِ زندگی نیست	نہیں کوئی شرارِ زندگی ہے
(322)	(323)

مندرجہ بالا اشعار رباعی نمبر 36 کے ہیں۔ ان اشعار کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

زندگی ہر لحظہ نئے نقش بناتی ہے۔ زندگی کسی ایک صورت پر قائم نہیں ہے۔ اگر تیرا آج تیرے گزرے ہوئے کل کی تصویر ہے (تو سمجھ لے کہ) تیری زندگی کی خاک میں چنگاری نہیں۔

مراد یہ ہے کہ حرکت اور تبدیلی، جدوجہد اور عملِ پیہم زندگی کی علامات ہیں۔ یہ تبدیلی کا عمل ہر طرف جاری ہے اور کسی شے کے زندہ ہونے کا ثبوت ہے۔ اے مخاطب تجھے بھی ہر لحظہ تبدیلی، اصلاح اور ترقی کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ اگر تو ترقی و فلاح کے اس کام کو جاری رکھے گا تو روز بروز ترقی کرے گا۔ اگر تو بے عملی کا شکار ہو جائے گا تو تیرے گزرے ہوئے کل اور آج میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوگا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہوگا تو زندگی کا مقصد نہیں سمجھا ہے۔ تیرے اندر تبدیلی پیدا کرنے کے لیے تڑپ نہیں ہے۔ تو بے حس اور مردہ ہے۔ اس رباعی میں علامہ اقبالؒ نے ایک حدیثِ نبویؐ کا مفہوم بیان کیا ہے جس کے مطابق مومن کے دو دن ایک جیسے نہیں ہوتے۔ خالد حمید شیدا نے اس رباعی کا منظوم ترجمہ کرتے ہوئے پہلے شعر کا پہلا مصرع معمولی سی تبدیلی کے ساتھ ترجمہ میں دے دیا ہے۔ دوسرے مصرع میں 'بیک صورت' اور 'نیست' کے الفاظ کو 'نہ یک صورت.... ہے' سے تبدیل کر دیا ہے۔ اس طرح فارسی شعر کا منظوم اردو ترجمہ تو ہوگیا ہے مگر اردو شعر میں فارسی شعر کے مشکل الفاظ استعمال کرنے سے ترجمہ کا مقصد پورا نہیں ہوا ہے۔ عام قاری کو اصل شعر کا ترجمہ بھی سمجھنے کے لیے لغت سے یا کسی استاد سے استفادہ کرنا پڑے گا۔

دوسرے شعر کا ترجمہ کسی حد تک واضح ہے، اس میں اصل شعر کے الفاظ 'شرارِ زندگی' استعمال کرنے سے ان الفاظ کا مفہوم واضح نہیں ہو سکا۔ یہ 'ترجمہ برائے ترجمہ' کی صورت ہے۔ ترجمہ جس قدر عام فہم اور آسان ہو، اس قدر اس کی افادیت اور اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ اگر اس رباعی کے کیے گئے دیگر تمام منظوم تراجم کا مطالعہ اور موازنہ کریں تو حضور احمد سلیم کا ترجمہ زیادہ آسان، عام فہم اور اصل متن کے قریب تر ہے۔ اس رباعی کے مختلف منظوم تراجم ملاحظہ کریں:

ہر گھڑی ہے منقلب نقشِ نگارِ زندگی
ایک صورت پر نہیں ہوتا قرارِ زندگی
ہے اگر امروز تیرا سر بسر تصویرِ دوش
خاک میں تیری نہیں باقی شرارِ زندگی

عبدالرحمٰن طارق (324)

ہیں پیدا تازہ تازہ نقش ہر دم
نہیں یکساں قرارِ زندگانی
ہے گر ہمرنگ ماضی حال تیرا
نہیں تجھ میں شرارِ زندگانی

سیداحمدایثار (325)

نقش ہائے نو بہ نو کو دمبدم کرتی ہے ثبت
ایک صورت پر قرارِ زندگی ہر گز نہیں
گر ترا امروز تیرے دوش کی تصویر ہے
خاک میں تیری شرارِ زندگی ہر گز نہیں

عبدالعلیم صدیقی (326)

ہر اک لمحہ، بناتا ہے زمانہ
نئے نقش و نگارِ زندگانی
اگر ہے آج تیرا کل کی تصویر
نہیں تجھ میں شرارِ زندگانی

ڈاکٹر عصمت جاوید (327)

دمادم نقش یہ تازہ بہ تازہ
کسی صورت نہ ٹھہراؤ مگر ہے
اگر ہے آج تیرا کل کی صورت
تو مشتِ خاک تیری بے شرر ہے

رؤف خیر (328)

بناتی ہے دمادم نقشِ تازہ
تڑپ ہی اک روش ہے زندگی کی
اگر تصویرِ 'کل' کی ہے ترا آج
تہی ہے زندگی سے خاک تیری

مصطر مجاز (329)

بناتی ہے ہر لحظہ نئے نقش
نہیں دائم قرارِ زندگانی
ہے تیرا ''آج'' اگر تصویر ''کل'' کی
نہیں تجھ میں شرارِ زندگانی

حضور احمد سلیم (330)

ہر ایک لمحہ عمل کے نقوشِ تازہ بکھیر
نہیں ہے ایک ہی صورت سے زندگی کو قرار
اگر ہے تجھ کو تگ و تازِ زندگی سے گریز
نہیں ہیں خاک میں پھر تیری زندگی کے شرار

حکیم سرو سہارنپوری (331)

زیرِ مطالعہ رباعی کے عبدالرحمٰن طارق، سید احمد ایثار، عبدالعلیم صدیقی اور حکیم سرو سہارنپوری کے منظوم اردو تراجم میں مشکل الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ حکیم سرو سہارنپوری کا ترجمہ اصل متن سے بہت زیادہ مختلف ہے۔ ڈاکٹر عصمت جاوید، رؤف خیر اور مضطر مجاز کے تراجم میں آسان الفاظ استعمال ہوئے ہیں، یہ اصل مفہوم کی مکمل ترجمانی نہیں کرتے۔ ڈاکٹر عصمت جاوید نے پہلے شعر کے ترجمہ میں 'بیک صورت قرارِ زندگی نیست' کا مفہوم نہیں دیا۔ رؤف خیر کا بھی پہلے شعر کا ترجمہ 'قرارِ زندگی' کا مفہوم واضح نہیں کرتا۔ مضطر مجاز بھی اس مصرع کی صحیح ترجمانی نہیں کر پائے۔ حضور احمد سلیم کا ترجمہ آسان، عام فہم اور اصل متن کا ترجمان ہے۔

آسان اور عام فہم الفاظ کی مدد سے اصل متن کا حقیقی مفہوم واضح کرنا بہت مشکل کام ہے۔ ان مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں:

"..... کبھی کبھی لفظی ترجمہ مضحکہ خیز ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی کمی و بیشی یا اسے بہتر کرنے کی صورت اصل مفہوم کو بدل دیتی ہے۔ بعض اوقات ایک لفظ رکاوٹ کا سبب بن جاتا ہے فرحت اللہ بیگ سے روایت ہے کہ ایک شام وہ اور دانی جب ڈپٹی نذیر احمد

کے ہاں درس لینے گئے تو مولوی صاحب پریشانی میں ٹہل رہے تھے۔سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ ایک ترجمہ کر رہا ہوں لیکن ایک لفظ پر اٹک گیا ہوں۔ دانی نے پوچھا مولوی صاحب کونسا لفظ ہے۔ بولے Stallian۔دانی نے فوراً کہا دھاری دار گھوڑا۔ مولوی صاحب غصہ میں بولے یہ مجھے بھی معلوم ہے لیکن یہاں یہ ترجمہ مناسب نہیں لگ رہا۔ فرحت اللہ بیگ کہتے ہیں کہ کئی دن بعد میں نے پوچھا مولوی صاحب کوئی مناسب لفظ ملا، کہنے لگے مل تو گیا ہے لیکن میں اب بھی مطمئن نہیں۔......"(332)

ایک اچھا تخلیق کار اپنے کام سے کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ وہ بہتر سے بہتر کی تلاش میں مصروف رہتا ہے۔ بعض اوقات وہ کسی موزوں لفظ کی تلاش میں دنوں بلکہ مہینوں تک غور و فکر میں مصروف رہتا ہے۔ جبکہ غیر محتاط رویہ رکھنے والے افراد اعلیٰ فکری و فنی مہارت نہ رکھنے کی وجہ سے عجلت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال خالد حمید شیدا ہیں۔ انھوں نے ضروری علمی، فکری اور فنی مہارت کے بغیر بہت کم عرصہ میں فارسی کے عظیم شعرا کے کلام کے منظوم اردو اور انگریزی میں تراجم کیے ہیں۔ اس لیے ان میں ناپختگی نظر آنا فطرتی امر ہے۔

حاصل مطالعہ یہ ہے کہ خالد حمید شیدا نے زیادہ تر منظوم ترجمہ میں کلامِ اقبال میں استعمال ہونے والے فارسی الفاظ و تراکیب استعمال کی ہیں۔ بعض اشعار کا کوئی ایک مصرع یا بعض مقامات پر مکمل فارسی شعر ہی منظوم اردو ترجمہ میں دے دیا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت فارسی کلام کا اصل مفہوم بھی پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ تمام منظوم اردو کلام کا بغور مطالعہ کرنے سے چند ایک اشعار ہی ایسے نظر آتے ہیں جو کہ صوری و معنوی اور فکری و فنی لحاظ سے اصل سے قریب تر ہیں۔

منظوم اردو ترجمہ لالۂ طور

-1 لالۂ طور 163 دوبیتیوں پر مشتمل ہے۔ خالد حمید شیدا نے درج ذیل 108 دوبیتیوں کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے:

163، 2، 3، 5 تا 9 (5 عدد)، 11 تا 19 (9 عدد)، 21، 24، 162، 26 تا 38 (13 عدد)، 41، 43، 161، 46 تا 48 (3 عدد)، 51، 54، 56 تا 58 (3 عدد)، 60 تا 63 (4 عدد)، 66 تا 72 (7 عدد)، 157، 74 تا 76 (3 عدد)، 79، 80، 82 تا 85 (4 عدد)، 155، 87، 89 تا 93 (5 عدد)، 97، 99، 100، 104، 105، 107، 108، 154، 111، 112، 114 تا 116 (3 عدد)، 118، 120، 123 تا 126 (4 عدد)، 128، 129، 132، 133 تا 136 (4 عدد)، 139 تا 141 (3 عدد)، 143، 144، 147، 149 تا 152 (4 عدد)

-2 اس منظوم ترجمہ میں انھوں نے سب سے پہلے دوبیتی نمبر 163 کا ترجمہ دیا ہے۔ اس کے بعد دوبیتی نمبر 2 کا ترجمہ دیا۔ بعد میں ترتیب سے ترجمہ کرتے گئے۔ دوبیتی نمبر 24 کے بعد دوبیتی 162 کا، دوبیتی نمبر 43 کے بعد دوبیتی نمبر 161 کا، دوبیتی نمبر 72 کے بعد دوبیتی نمبر 157 کا، دوبیتی نمبر 85 کے بعد دوبیتی 155 کا اور دوبیتی نمبر 108 کے بعد دوبیتی نمبر 154 کا ترجمہ دیا ہے۔ بعد میں انھوں نے دوبیتی نمبر 111 کا اور دیگر دوبیتیوں کا ترجمہ دیا ہے۔ اس بے ترتیبی کی وجہ سمجھ نہیں آ سکی۔

3- انھوں نے درج ذیل دوبیتیوں کا ترجمہ نہیں دیا ہے:

1، 4، 10، 20، 22، 23، 25، 39، 40، 42، 44، 45، 49، 50، 52، 53، 55، 59، 64، 65، 73، 77، 78، 81، 86، 88، 94، 95، 96، 98، 101 تا 103، 106، 109، 110، 113، 117، 119، 121، 122، 127، 130، 131، 137، 138، 142، 145، 146، 148، 153، 156، 158، 159، 160

اصل فارسی متن سے موازنہ کرنے سے لالۂ طور میں دیے گئے فارسی متن میں درج ذیل اختلافات نظر آئے ہیں:

صفحہ نمبر	سطر نمبر	منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا	صفحہ نمبر	سطر نمبر	پیامِ مشرق۔۔۔لالۂ طور (اصل متن)
819	1	عقلِ ذوفنون	79	5	عقلِ ذوفنوں
820	1	برگِ لالہ رنگ	26	9	بہ برگِ لالہ رنگ
822	12	کہسارے	29	12	کوہسارے
826	2	آزارِ گوش (منظوم ترجمہ میں بھی غلطی دہرائی گئی ہے)	34	2	آوازِ گوش
828	10	خونابہ	36	10	خونتانہ
833	9	میآرا	45	1	میارا
835	8	ناپائیدار	47	8	ناپایدار
836	5	وادیٔ گل؟	48	5	وادیٔ گل
837	8	مشکِ ناب	77	8	مشکناب
838	8	جولاں گہے	50	8	جولانگہے
838	11	رُستم	51	7	رُستیم
839	6	مسلماں زادۂ	52	6	مسلماں زادۂ
840	7	چکیدی	53	7	چکیدی؟
840	8	رِگلِ من	53	8	رِگلِ من؟
841	9	پابہ رہ دار	55	1	پا براہ دار
845	5	از	76	5	ازیں
847	6	کہ از	64	6	گر از
851	4	رفت	70	4	رفت؟
854	1	تاکے	75	1	تاکے؟

854	2	تاکے	75	2	تاکے؟
854	7	کشتۂ	75	7	کشتہ

لالۂ طور کے منظوم ترجمہ میں بھی وہی اندازِ کلام اور غور طلب امور نظر آتے ہیں جن کا 'مئے باقی' کے منظوم ترجمہ پر تبصرہ کے دوران ذکر کیا جا چکا ہے۔ اصل تخلیق سے رشتہ برقرار رکھنے کی کوشش میں ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ مترجم نے فارسی کلام کے اصل وزن اور فارسی الفاظ وتراکیب پر زیادہ انحصار کیا ہے۔ انھوں نے مفہوم کی ادائیگی کے ساتھ خیال کے مزاج اور آہنگ کو برقرار رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اس وجہ سے وہ آسان، سلیس، رواں اور مترنم ترجمہ نہیں کر سکے۔ ان کے تمام منظوم ترجمہ میں اول تا آخر یہی اسلوب ترجمہ نظر آتا ہے۔ اس لیے 'لالۂ طور' کی چند ایک رباعیات کا جائزہ لینا ہی کافی ہوگا۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا
بباغاں بادِ فروردیں دہد عشق	بباغاں بادِ فروردیں ترا عشق
براغاں غنچہ چو پرویں دہد عشق	براغاں زہرہ و پرویں ترا عشق
شعاعِ مہر او قلزم شگاف است	شعاعِ عشق ہے قلزم شگاف اک
بماہی دیدۂ رہ بیں دہد عشق	بماہی دیدۂ رہ بیں ترا عشق
(333)	(334)
زآب و گِل خدا خوش پیکرے ساخت	بہ آب و گِل بنا خوش پیکرے تُو
جہانے از ارم زیبا ترے ساخت	جہانے از ارم زیبا ترے تُو
ولے ساقی بہ آں آتش کہ دارد	بنا آتش سے، جو ہے پاس تیرے
ز خاکِ من جہانِ دیگرے ساخت	ز خاکِ من جہانِ دیگرے تُو
(335)	(336)
خیالِ او درونِ دیدہ خوشتر	خیال اسکا درونِ دیدہ خوشتر
غمش افزودۂ جاں کاہیدہ خوشتر	غم افزودہ و جاں کاہیدہ خوشتر
مرا صاحبدلے ایں نکتہ آموخت	بتایا صاحبِ دل نے یہ نکتہ
ز منزل جادۂ پیچیدہ خوشتر	ز منزل جادۂ پیچیدہ خوشتر
(337)	(338)
صنوبر بندۂ آزادۂ او	صنوبر بندۂ آزادہ او
فروغِ روے گل از بادۂ او	فروغ روئے گل از بادۂ او
حریمش آفتاب و ماہ و انجم	حریم اسکا ہے مہرو ماہ و انجم
دلِ آدم درِ نکشادۂ او	دلِ آدم درِ نکشادۂ او
(339)	(340)

مندرجہ بالا فارسی رباعیوں کے منظوم اردو تراجم میں خط کشیدہ الفاظ اصل فارسی رباعی سے لیے گئے ہیں۔ منظوم تراجم کے بعض اشعار کا پہلا یا دوسرا مصرع فارسی شعر کا ہی دے دیا گیا ہے۔ خالد حمید شیدا نے تمام منظوم

اردو ترجمہ میں کتر بُود کا شارٹ کٹ فارمولا استعمال کیا ہے مثلاً آخری رباعی کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔ پہلے شعر کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ یہ شعر اسی طرح دے دیا ہے دوسرے شعر کا دوسرا مصرع بھی فارسی شعر کا ہی ہے۔ اس شعر کے پہلے مصرع میں انھوں نے 'ماہ وانجم' کے الفاظ فارسی شعر سے ہی لے لیے ہیں صرف فارسی لفظ 'حریمش' کا ترجمہ 'حریم اسکا ہے' کر دیا ہے اور 'آفتاب' کا ترجمہ 'مہر' سے کر دیا ہے۔ اس منظوم اردو ترجمہ پر مزید کیا تبصرہ ہو سکتا ہے۔ وہ کہیں خود سے اردو ترجمہ کریں تو تبصرہ ہو۔ انھوں نے ہر شعر میں ایک دو الفاظ کی تبدیلی سے اسے منظوم اردو ترجمہ کا نام دینے کی کوشش کی ہے۔ یہ ترجمہ کا عامیانہ سا انداز ہے۔

ناقدین اور محققین کے ملاحظہ کے لیے منظوم ترجمہ سے چند ایک مزید مثالیں دی جارہی ہیں۔ ان رباعیوں کے ترجمہ پر مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ منظوم ترجمہ بھی گزشتہ بیان کردہ کمزوریوں سے پُر ہے۔ صرف اس امر کے ثبوت کے لیے کہ تمام منظوم اردو کلام کے بغور مطالعہ کے بعد یہ تبصرہ تحریر کیا گیا ہے، مختلف مقامات سے یہ مثالیں دی جارہی ہیں۔

اصل متن از پیامِ مشرق

دریں گلشن پریشاں مثلِ بویم
نمی دانم چہ می خواہم ، چہ جویم
برآید آرزو یا بر نیاید
شہیدِ سوز و سازِ آرزویم
(341)

منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا

چمن میں ہم پریشاں مثلِ بو ہیں
نہ جانے کس کی کرتے جستجو ہیں
بر آئے آرزو یا بر نہ آئے
شہیدِ سوز و سازِ آرزو ہیں
(342)

اصل متن از پیامِ مشرق

دل از منزل تہی کن ، پا بره دار
نگہ را پاک مثلِ مہر و مہ دار
متاعِ عقل و دیں با دیگراں بخش
غمِ عشق ار بدست افتد نگہ دار
(343)

منظوم اردو ترجمہ از خالد حمید شیدا

نہ کر منزل کی پروا ، پا بہ رہ رکھ
نگہ کو پاک مثلِ مہر و مہ رکھ
متاعِ عقل و دیں دے دوسروں کو
غمِ دل گر ملے ، اس پر نگہ رکھ
(344)

زمن گو صوفیانِ باصفا را
خدا جویانِ معنی آشنا را
غلامِ ہمتِ آں خود پرستم
کہ با نورِ خودی بیند خدارا
(345)

بتاؤ صوفیانِ باصفا کو
خدا جویانِ معنی آشنا کو
کہ اس خود دار کا ہوں معتقد میں
جو با نورِ خودی دیکھے خدا کو
(346)

مندرجہ بالا منظوم تراجم کے خط کشیدہ الفاظ و تراکیب اصل فارسی اشعار سے لیے گئے ہیں جس سے منظوم ترجمہ بھی مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ خالد حمید شیدا فارسی اور اردو زبان و ادب میں کوئی خاص مہارت نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے حافظ، امیر خسرو، غالب اور اقبال جیسے فکر و فن اور فلسفہ کے روشن میناروں کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ کرنے کی

کوشش کی مگر علمی کمزوری کے باعث اس ترجمہ میں فکری وفنی اور صوری ومعنوی محاسن پیدا نہ کر پائے۔

مترجم خود اعتراف کرتے ہیں کہ انھوں نے 64 سال کی عمر سے پہلے ذرا بھی تک بندی نہیں کی اور فارسی تو کیا پچاس سال سے اردو تک نہیں بولی اور فارسی صرف اسکول میں ہی پڑھی تھی۔ ان کے والد محترم کو فارسی وعربی پر عبور تھا جس کی وجہ سے بچپن میں ہی فارسی زبان سے تعارف ہو گیا اور علی گڑھ میں ان کے استاد معین احسن جذبی نے اس کی نشو ونما کر دی اور اس کے بعد خلاص۔ چونسٹھ برس کی عمر میں وہ اس کام کی طرف راغب ہوئے اور خدا داد صلاحیت اور ذوق پرواز کے بل بُوتے پر بڑے میدانوں میں زور مارا۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی اور اردو زبانوں پر بھرپور مہارت نہ ہونے کی وجہ سے اور کسی استادِ کامل سے شعری اصلاح نہ لینے کی بدولت وہ اصل کلام اور منظوم ترجمہ میں سلاست وروانی اور ترنم وموسیقیت کا مضبوط رشتہ قائم نہ کر پائے۔ انھوں نے اکثر ترجمہ میں فارسی زبان کے مشکل الفاظ اور تراکیب استعمال کی ہیں جس کی وجہ سے منظوم اردو ترجمہ کی تفہیم آسان نہ رہی اور اسے سمجھنے کے لیے مزید ترجمہ اور تسہیل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

نوٹ:۔ مزید تفصیلات کے لیے خالد حمید شیدا کے حالاتِ زندگی کے ضمن میں ان کے فکر وفن پر دیا گیا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔

لالۂ طور
(پیامِ مشرق کی رباعیات کا منظوم ترجمہ مع فارسی متن)
از
حکیم سید محمود احمد سرو سہارنپوری

'لالۂ طور، 'پیامِ مشرق' کی رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ اس میں فارسی متن ساتھ دیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ حکیم سید محمود احمد سرو سہارنپوری نے کیا ہے۔ اقبال اکادمی پاکستان کی طرف سے یہ ترجمہ 2010ء میں پہلی بار شائع ہُوا۔ کتاب کا سائز $\frac{23\times36}{16}$ ہے۔ یہ مجلد ہے اور اس کا نیلگوں اور سفید رنگوں کی آمیزش اور امتزاج سے بنا ہُوا ٹائٹل بہت خوبصورت نظر آتا ہے۔ فارسی متن کی کتابت کمپیوٹر کمپوزنگ سے زیادہ دلکش دکھائی دیتی ہے۔ منظوم ترجمہ کمپیوٹر پر کمپوز کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں اچھی کوالٹی کا کاغذ استعمال ہُوا ہے اور ہر صفحہ پر سادہ بارڈر حسن آرائی کر رہا ہے۔

پرنٹنگ اور ٹائٹل کے صفحات کے بعد 'حرفِ اول' کے عنوان سے حکیم سرو سہارنپوری نے اپنے اس منظوم اردو ترجمہ کا تعارف کرایا ہے اور ترجمہ کا طریقہ کار بیان کیا ہے۔ نمونہ کے طور پر کلام اقبال حصہ لالۂ طور کی پانچ رباعیات اور ان کا منظوم ترجمہ دیا ہے اور بتایا ہے کہ حافظ مظہر الدین کے تحریک دلانے پر اور ان کی طرف سے حوصلہ افزائی پر انھوں نے پیامِ مشرق کے ترجمہ کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

ترجمہ کے سلسلہ میں اپنی حکمتِ عملی کا ذکر کرتے ہوئے حکیم سرو سہارنپوری لکھتے ہیں:

> ''..... ترجمے کے سلسلے میں جو طریقۂ کار میں نے اختیار کیا ہے یہ میری شعوری کوشش تھی کہ میں نے علامہ کی اختیار کردہ بحر کو ضروری نہیں سمجھا بلکہ ان کے مفہوم کو ترجمے کا محور بنا کے ترجمان کا فریضہ سرانجام دیا تاکہ اظہارِ بیان میں وسعت پیدا ہو جائے اور ترجمہ ایک ہی بحر کی پابندی سے شعری لذت سے محروم ہو کر بے لطفی کا شکار نہ ہو۔.....''(347)

حکیم صاحب نے منظوم ترجمے میں کہیں کہیں رباعی کی بحر استعمال کی ہے اور کہیں دیگر عروضی اوزان بھی استعمال کیے ہیں۔

ترجمہ کا یہ کام 1962ء میں شروع ہوا اور 1968ء کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہ کلام روزنامہ تعمیر راولپنڈی کے ادبی اڈیشنوں میں 21 اکتوبر 1968ء کی اشاعت سے چھپنا شروع ہُوا۔ چیدہ چیدہ قطعات وہاں چھپتے رہے۔ 'تعمیر' کی اشاعت بند ہونے کے ساتھ ہی یہ کام بھی رُک گیا۔ طویل وقفے کے بعد اس ترجمہ کا بیشتر حصہ ''نوائے وقت'' راولپنڈی میں قسط وار شائع ہُوا۔ کسی وجہ سے وہاں سے بھی اس کی اشاعت رک گئی۔ اس کے بعد یہ ترجمہ ماہنامہ ''عفت'' راولپنڈی میں قسط وار چھپا۔ اقبال اکادمی لاہور نے 2010ء میں اسے کتابی شکل میں شائع کیا۔ حکیم

صاحب نے مکمل 'پیامِ مشرق' کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔اس کا باقی ترجمہ غیر مطبوعہ شکل میں حکیم صاحب کے پاس موجود ہےاور منتظر اشاعت ہے۔

'لالۂ طور' کی تمام رباعیوں کے منظوم ترجمہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر یہ ترجمہ متن اور شعری محاسن کے لحاظ سے اصل کے قریب ہے، تاہم بعض مقامات پر تبدیلی اور اصلاح کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے۔ درحقیقت اعلیٰ درجے کی قدرتِ کلام کے باوجود اعلیٰ درجے کی شاعری کا اعلیٰ ترجمہ کرنا محالات میں سے ہے۔اس ضمن میں حسن الدین احمد رائے دیتے ہُوئے لکھتے ہیں:

> ''منظوم ترجموں میں اصل تخلیق کی مجموعی تاثیر کو پیش کرنا ہوتا ہےاور جس زبان میں ترجمہ کیا گیا ہےاس کے اپنے اسلوبِ بیان اورلب ولہجہ کی جملہ خصوصیات کو بھی من وعن اپنے فطری انداز میں برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ اصل شاعر کی ذہنی کیفیات کوخود پر طاری کیے بغیر کامیاب ترجمہ نہیں ہوسکتا۔''(348)

چونکہ ہر تخلیق کار کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ ترجمہ کے دوران اصل تخلیق کار کے تخلیقی عمل کی پیچیدگی تک رسائی حاصل کر کے اصل تخلیق کے حقیقی مقام کو پا سکے۔اس لیے کسی منظوم یا منثور ترجمے کے متعلق یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کلی طور پر نقشِ اوّل کے برابر ہوگا، تاہم اگر ترجمہ مجموعی اعتبار سے اصل تخلیق کے صوری ومعنوی محاسن کے قریب بھی پہنچ جائے تو یہ ترجمہ اہم شمار ہوگا۔

اردو اور فارسی زبانیں ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ان کی زیادہ تر بحریں مشترک ہیں۔الفاظ، تلازمات، سماجی تصورات، تلمیحات اور استعارات میں بھی گہرا ربط وتعلق پایا جاتا ہے۔اس لیے منظوم تراجم میں زیادہ تر مترجمین نے کلام اقبال کا ترجمہ اس طرح سے کرنے کی کوشش کی ہے کہ ترجمہ لفظاً ومعناً اصل فارسی شعر سے قریب تر ہو، تاکہ اس ترجمہ سے اصل فارسی شعر کو سمجھنے میں بھی مدد ملے اور اقبال کا اسلوب اورلب ولہجہ بھی ترجمہ کی زینت بن جائے۔اس کی کوشش میں بعض تراجم اس قدر مبہم، غیر واضح اور مشکل نظر آتے ہیں کہ ان کے بجائے اصل فارسی متن زیادہ آسان، واضح اور عام فہم نظر آتا ہے۔

اس دشواری کے پیش نظر حکیم صاحب نے علامہ کی اختیار کردہ بحر اور الفاظ تراکیب کو ضروری نہیں سمجھا بلکہ ان کے کلام کے پیش نظر رکھ کر ترجمہ کیا ہے تاکہ اظہار بیان میں وسعت پیدا ہو جائے اور ترجمہ ایک ہی بحر کی پابندی سے شعری لذت سے محروم ہوکر بے لطفی کا شکار نہ ہو۔

حکیم صاحب اس سلسلہ میں کافی حد تک کامیاب ہُوئے ہیں۔انہوں نے ترجمے میں کہیں کہیں رباعی کی بحر استعمال کی ہےاور کہیں اظہارِ مطلب کے لیے دوسرے عروضی اوزان بھی استعمال کیے ہیں۔

حکیم صاحب کے منظوم اردو ترجمہ کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

رباعی نمبر 39

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حکیم سرو سہارنپوری
کُنشت و مسجد و بتخانہ و دیر	تعمیر کی خواہش میں بت خانے سے مسجد تک
جز ایں مشتِ گِلے پیدا نکردی	مٹی کے گھروندوں کا اک جال بُنا تو نے
ز حکمِ غیر نتواں جز بہ دل رَست	اک دل ہی تو کرتا ہے آزاد غلامی سے

تو اے غافل دلے پیدا نکردی	غافل مگر اک دل ہی پیدا نہ کیا تو نے
(349)	(350)

مندرجہ بالا رباعی کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

آتشکدہ اور مسجد اور مندر اور گرجا۔ تو نے اس مٹھی بھر خاک کے سوا کچھ بھی پیدا نہیں کیا۔ دل کے علاوہ غیر اللہ کی غلامی سے نجات پانا ممکن نہیں۔ اے غافل تو نے کوئی دل ہی نہ پیدا کیا۔

اصل متن، منثور ترجمہ اور منظوم ترجمہ کا موازنہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ حکیم صاحب نے تفہیم متن کے لیے اور بحر قائم رکھنے کے لیے آتشکدہ، مسجد، مندر اور گرجا کا ترجمہ 'بت خانے سے مسجد تک' کے الفاظ سے کر دیا۔ 'مشتِ گلے' یعنی مٹھی بھر خاک کا مفہوم 'مٹی کے گھروندوں' سے ادا کر دیا۔ اس طرح دوسرے شعر میں آزادیِ دل کا مفہوم اور اس کا اثر آسان الفاظ میں، شعری آہنگ قائم رکھتے ہُوئے بیان کر دیا۔ مجموعی طور پر یہ بہت اچھا، سلیس اور آسان ترجمہ ہے اور اصل متن کے مفہوم کے قریب تر ہے۔

رباعی نمبر 53

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حکیم سروسہارنپوری
ز رازیؔ معنیٔ قرآں چہ پرسی	نہ پوچھ معنیٔ قرآں امامِ رازیؒ سے
ضمیرِ ما بآیاتش دلیل است	ضمیر اپنا ہے خود اس کی آیتوں کی دلیل
خرد آتش فروزد ، دل بسوزد	خرد کا کام جلانا ہے ، کارِ دل جلنا
ہمیں تفسیرِ نمرود و خلیل است	ہے ایک شیوۂ نمرود، ایک طرزِ خلیلؑ
(351)	(352)

اس رباعی کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

تو رازی سے قرآن کے معنی کیا پوچھتا ہے۔ ہمارا ضمیر اس کی آیات پر خود دلیل ہے۔ عقل تو آگ بھڑکاتی ہے، دل کو جلاتی ہے نمرود اور ابراہیم خلیل اللہؑ کے واقعہ کی یہی تفسیر ہے۔

مندرجہ بالا ترجمہ بہت سلیس، رواں اور عام فہم ہے اور لفظی و معنوی لحاظ سے اصل کلام کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس طرح درج ذیل دو رباعیوں کا ترجمہ بھی لائقِ تحسین ہے:

رباعی نمبر 148

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حکیم سروسہارنپوری
مگو کارِ جہاں نااستوار است	مت کہہ کہ ہے یہ کارِ جہاں غیر استوار
ہر آنِ ما ابد را پردہ دار است	اپنی ہر ایک سانس ابد کی ہے پردہ دار
بگیر امروز را محکم کہ فردا	غافل تو صرف آج کے دن پر یقین رکھ
ہنوز اندر ضمیرِ روزگار است	فردا ضمیرِ دہر میں ہے محوِ انتظار
(353)	(354)

اس منظوم ترجم میں بعض مقامات پر ترجمہ اصل متن سے مختلف دکھائی دیتا ہے۔ بعض مقامات پر الفاظ کا انتخاب موزوں دکھائی نہیں دیتا۔ اس سلسلہ میں درج ذیل رباعیات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

صفحہ نمبر	رباعی نمبر	صفحہ نمبر	رباعی نمبر	صفحہ نمبر	رباعی نمبر
11*	1	49	58	91	122
11	2	57	71	93	123
13	3	67	86	93	124
15	7	71	90	93	125
17	10	75	96	95	128
23	18	79	103	97	129
25	23	81	106	99	133

لالۂ طور کے منظوم ترجمہ از حکیم سروسہارنپوری میں رباعیات کے منظوم تراجم کا اصل متن اور اس کے مفہوم سے موازنہ کریں تو بعض مقامات پر واضح فرق نظر آتا ہے۔ رباعی نمبر 1 اور اس کے منظوم ومنثور تراجم ملاحظہ کریں:

رباعی نمبر 1

اصل متن از پیامِ مشرق

شہیدِ ناز او بزمِ وجود است
نیاز اندر نہادِ ہست و بُود است
نمی بینی کہ از مہرِ فلک تاب
بسیمائے سحر داغِ سجود است
(355)

منظوم اردو ترجمہ از حکیم سروسہارنپوری

شہید ناز ہے اس کی تمام بزمِ وجود
ہے اک فسانۂ حسنِ نیاز ہست و بود
طلوع مہر جہاں تاب پر نگاہ تو کر
چمک رہا ہے جبینِ سحر پہ داغِ سجود
(356)

لفظی ترجمہ:۔ یہ ساری کائنات اس (محبوب حقیقی) کے ناز کی شہید ہے۔ اس کائنات کی ہر اک شے کی فطرت میں عاجزی (بندگی) ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ آسمان کو روشن کرنے والے سورج سے صبح کی پیشانی پر سجدے کا داغ ہے۔

مفہوم:۔ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی کبریائی پر نثار ہے۔ کائنات کی ہر شے اس کی بندگی بجا لا رہی ہے۔ سورج طلوع ہونے پر صبح روشنی پھیلتی ہے اس طرح گویا صبح سورج کی احسان مند ہے۔ سورج نہ ہوتا تو صبح بھی نہ ہوتی۔

منظوم ترجمہ میں دوسرے مصرع کا ترجمہ قابلِ غور ہے۔ اقبالؒ ایک امرِ واقعہ کا ذکر کرتے ہیں کہ کائنات کی ہر شے کی فطرت میں عجز وانکسار پایا جاتا ہے اور پھر اس امرِ حقیقی کی تائید میں طلوعِ آفتاب کے حقیقی مظہر کا ذکر کیا ہے اور سورج کے طلوع وغروب کے سلسلہ کو سلسلۂ سجود اور سلسلہ نیاز مندی قرار دیا ہے۔ ترجمہ میں فسانۂ حسنِ نیاز کی ترکیب سے اصل شعر کا وہ لطف اور بلند آہنگ برقرار نہ رہا۔ لفظ 'فسانہ' فارسی زبان کا لفظ ہے فرہنگِ اقبال (اردو) میں کلامِ اقبال میں اس کا تین طرح سے استعمال بیان ہُوا ہے:

فسانہ (ف) مذکر۔ کتھا جو ہندو برہمن مندر میں یا کسی اور جگہ سناتے ہیں۔

واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے (نیا شوالا، ب د، 88)

تاریخی روئداد ۔
فسانۂ ستم انقلاب ہے یہ محل (کنارِ راوی، ب د، 95)
کہانی، داستان جس کی کوئی اصلیت اور حقیقت نہیں ۔
شب دراز عدم کا فسانہ ہے دنیا (حقیقت حسن، ب د، 112) (357)
'فقط فسانہ' کے مذکورہ بالا مفاہیم کے مطابق کسی بھی لحاظ سے یہ لفظ اصل متن کا مفہوم ادا نہیں کرتا۔ تاہم اس رباعی کے دوسرے شعر کا منظوم اردو ترجمہ نہایت خوبصورت اور اصل مفہوم کا ترجمان ہے۔

رباعی نمبر 2

رباعی نمبر 2 کے منظوم ترجمہ میں بھی اسی نوعیت کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ اصل رباعی اور اس کے منظوم و منثور تراجم ملاحظہ فرمائیں:

منظوم اردو ترجمہ از حکیم سرو سہارنپوری	اصل متن از پیامِ مشرق
مرا دل مرکزِ سوزِ دورں ہے	دلِ من روشن از سوزِ درون است
مری آنکھوں میں نورِ اشکِ خون ہے	جہاں بیں چشمِ من از اشکِ خون است
وہ بیگانہ ہیں رمزِ زندگی سے	ز رمزِ زندگی بیگانہ تر باد
محبت کو جو کہتے ہیں جنون ہے	کسے کو عشق را گوید جنون است
(359)	(358)

لفظی ترجمہ:۔ میرا دل باطنی سوز سے روشن ہے۔ خون کے آنسو سے میری آنکھ جہاں بیں ہے۔ زندگی کے راز سے پہلے سے بھی بڑھ کر انجان رہے وہ جو کہ عشق کو پاگل پن کہتا ہے۔
مفہوم:۔ میرا دل سوزِ عشق سے منور ہے۔ میری آنکھ خون کے آنسوؤں کے باعث جہاں بیں (دنیا کے اسرار یا حقیقتوں کو دیکھنے والی) ہے۔ خدا کرے وہ شخص زندگی کے راز (حقیقت) سے بے بہرہ رہے جو عشق کو پاگل پن قرار دیتا ہے۔

پہلا مصرع میں اقبالؒ نے دل کے روشن ہونے اور نورِ بصیرت حاصل ہونے کی وجہ بیان کی ہے کہ عشق کی بدولت میرا دل روشن ہو گیا ہے اور مجھے نورِ بصیرت حاصل ہو گیا ہے۔ جبکہ منظوم ترجمہ میں بیان ہوا ہے کہ دل عشق کا مرکز ہے اور آنکھوں میں اشکِ خون کی وجہ سے نمی ہے۔ مترجم نے دل اور آنکھوں میں سوز کا ذکر کیا ہے مگر اس سے حاصل ہونے والے نورِ قلبی اور نورِ بصیرت کا ذکر نہیں کیا۔

اس طرح منظوم ترجمہ اصل متن کے مفہوم سے ہٹ گیا ہے۔ اقبال نے دوسرے شعر میں اس حقیقت کا ذکر کیا ہے کہ عشق کی اہمیت، ضرورت اور اس کے اثرات کا انکار کرنے والے لوگ رازِ زندگی سے آگاہ نہیں ہوتے اور پھر دعا کر رہے ہیں کہ خدا کرے کہ عشق کو جنون قرار دینے والا انسان رازِ زندگی سے بیگانہ تر رہے۔ اس شعر کے منظوم ترجمہ میں یہ مضمون اس انداز سے اور اس قدر رشد و مد اور موثر انداز سے بیان نہیں ہوا۔ دعائیہ انداز ختم ہو گیا ہے اور کہہ دیا گیا ہے کہ ایسے لوگ رمزِ زندگی سے بیگانہ ہوتے ہیں جو محبت کو جنون کہتے ہیں۔ طرزِ کلام بدلنے سے اثرِ کلام بھی بدل گیا ہے۔ منظوم ترجمہ کے شروع میں 'سوزِ دروں' کی بجائے 'سوزِ دورں' لکھا ہوا ہے۔ کتاب کے شروع میں ہی اس طرح کی غلطی تصنیف و تالیف کے حقیقی تقاضوں سے واضح اغماض ظاہر کرتی ہے۔

رباعی نمبر3

رباعی نمبر3 میں اقبال نے 'غنچہ' کو 'پروین' سے تشبیہ دی ہے۔ منظوم ترجمہ میں یہ تشبیہ استعمال نہیں کی گئی ہے۔ دوسرے شعر کے دوسرے مصرع میں بیان ہوا ہے کہ عشق سمندر میں موجود مچھلی کو راستہ دیکھنے والی آنکھ عطا کرتا ہے۔ منظوم ترجمہ میں مچھلی کے لیے عشق کو 'شمع رہگزار' قرار دیا گیا ہے۔ مچھلی کے لیے 'دیدۂ رہ بیں' کی ترکیب زیادہ خوبصورت ہے کیونکہ یہ آبی جانور ہے اور وہاں 'شمع رہگزار' کی ترکیب امرِ واقعہ کا صحیح تاثر قائم نہیں کرتی۔ انسانوں کے لیے 'شمع رہگزار' کی ترکیب موثر طور پر استعمال ہوسکتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں رباعی نمبر3، اس کا منظوم اور منثور ترجمہ اور مفہوم:

منظوم اردو ترجمہ از حکیم سرو سہارنپوری	اصل متن از پیامِ مشرق
چمن میں خالقِ فصل بہار عشق	بباغاں بادِ فروردیں دہد عشق
ہے صحرا میں گل و غنچہ نگار عشق	براغاں غنچہ چوں پرویں دہد عشق
شعاعِ عشق سینہ چاکِ قلزم	شعاعِ مہر او قلزم شگاف است
برائے ماہی شمع رہگزار عشق	بماہی دیدۂ رہ بیں دہد عشق
(361)	(360)

رباعی نمبر7

اس طرح رباعی نمبر7 میں 'سوزشِ آرزو' کی ترکیب اصل مفہوم ادا نہیں کرتی۔ اقبال کہتے ہیں میں شہید سوز و ساز ہوں۔ وہ سوز سے مراد سوزِ عشق لیتے ہیں۔ فلسفۂ اقبال کی رو سے عشق تحریک دلانے والی، تعمیری قوت ہے۔ یہ تعمیرِ خودی کے لیے درکار ضروری جذبۂ عمل ہے۔ اگر چہ لفظ 'سوزش'، لفظ 'سوز' کا مترادف لفظ تصور کیا جاتا ہے مگر یہ جلن، درد، تکلیف اور غصہ کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (فرہنگ اقبال (فارسی) (P.517)۔ مختصر یہ کہ لفظ 'سوزش' منفی مفہوم دیتا ہے جبکہ لفظ 'سوز' مثبت مفہوم دیتا ہے فلسفۂ اقبال کی رو سے یہاں 'سوزشِ آرزو' کی ترکیب ناموزوں دکھائی دیتی ہے۔ اس سے منظوم ترجمہ صوری و معنوی حسن سے دور دکھائی دیتا ہے۔ رباعی نمبر7، اس کا منظوم اور منثور اردو ترجمہ ملاحظہ کریں۔

منظوم اردو ترجمہ از حکیم سرو سہارنپوری	اصل متن از پیامِ مشرق
گلشن میں مثال بو پریشاں ہوں میں	دریں گلشن پریشاں مثلِ بویم
لیکن نہیں علم کس کا خواہاں ہوں میں	نمی دانم چہ می خواہم ، چہ جویم
یہ آرزو یہ خلش بر آئے کہ نہ آئے	برآید آرزو یا بر نیاید
پر سوزشِ آرزو پہ قرباں ہوں میں	شہیدِ سوز و ساز آرزویم
(363)	(362)

رباعی نمبر10

رباعی نمبر10 کا پہلا شعر اور اس کا منظوم ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

منظوم اردو ترجمہ از حکیم سرو سہارنپوری	اصل متن از پیامِ مشرق
اپنی تو کائنات کا اصل وجود ہی عدم	جہانِ ما کہ نابود است بودش
نقص ہی نقص ہے تمام بھرئے نہ منفعت کا دم	زیاں تو ام ہمی زاید بسودش
(365)	(364)

اس شعر کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

ہمارا یہ جہاں جس کا وجود (ہستی) ایک طرح سے نہیں ہے یعنی عدم یا نیستی ہے۔ یہاں نقصان نفع کے ساتھ جڑواں پیدا ہوتا ہے۔

منظوم اردو ترجمہ کا دوسرا مصرع کسی طرح بھی اصل مفہوم کے مطابق نہیں ہے۔

رباعی نمبر 18

رباعی نمبر 18 اور اس کا منظوم ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حکیم سروسہارنپوری
تہی از ہائے و ہو میخانہ بودے	تہی ہر شور سے میخانہ ہوتا
گِلِ ما از شرر بیگانہ بودے	یہ خاکی زیست سے بیگانہ ہوتا
نبودے عشق و ایں ہنگامۂ عشق	نہ عشق ہوتا نہ یہ ہنگامے ہوتے
اگر دل چوں خرد فرزانہ بودے	جو دل مثلِ خرد فرزانہ ہوتا
(366)	(367)

اس شعر کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

یہ میخانہ (دنیا) ہائے وہو سے خالی ہوتی ہے۔ ہماری مٹی عشق کی آگ سے خالی رہتی ہے۔ نہ عشق ہوتا اور نہ یہ عشق کا ہنگامہ ہوتا اگر دل بھی عقل کی طرح سمجھ بوجھ والا ہوتا۔

اس رباعی کے دوسرے شعر کا منظوم ترجمہ درست ہے۔ پہلے شعر کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں۔ یہ رباعی عشق کی اہمیت اور ضرورت بیان کرتی ہے۔ اس لیے میخانہ میں 'ہائے وہو' سے مراد 'فراق اور جدائی میں آہیں بھرنا اور اللہ ہو کا ذکر کرنا ہے'۔ ''شور شرابہ'' کے الفاظ غیر واضح اور فضول آوازوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اس لیے یہاں 'ہائے و ہو' کا ترجمہ 'شور' سے کرنا درست نہیں ہے۔

منظوم ترجمہ میں 'ہائے وہو' کے بجائے لفظ 'شور' کے استعمال سے مفہوم کی لطافت قائم نہ رہی۔ دوسرے مصرع میں 'شرر' سے مراد عشق کی حرارت ہے۔ لفظ 'زیست' اس کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا۔

رباعی نمبر 20

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حکیم سروسہارنپوری
چہ لذّت یا رب اندر ہست و بود است	ہے کیا لذت ظہورِ زندگی میں
دلِ ہر ذرّہ در جوشِ نمود است	کہ ہر ذرے کو جس کی جستجو ہے
شگافد شاخ را چوں غنچۂ گل	وہ پھوٹی شاخ، گل نے سر اُبھارا
تبسم ریز از ذوقِ وجود است	تبسم ریزئی ذوقِ نمو ہے
(368)	(369)

اس رباعی کا لفظی و بامحاورہ ترجمہ یہ ہے:

یارب تو نے ہونے یا موجود ہونے میں کیا لذت رکھی ہے۔ ہر ذرہ کے دل میں ظاہر ہونے کا جوش موجود ہے۔ جب پھول کی کلی شاخ کو پھاڑتی ہے تو وہ وجود میں آنے کے ذوق (لذت) کی وجہ سے مسکراتی ہے۔

اس رباعی کے منظوم اردو ترجمہ کو نثر میں بیان کریں تو مفہوم یہ بنتا ہے کہ زندگی کے ظاہر ہونے یا کرنے میں کیا لذت ہے کہ ہر ذرہ اس لذت کی جستجو میں ہے۔ اصل متن میں بیان ہُوا ہے کہ ہر ذرہ وجود میں آنے کی لذت کی وجہ سے 'جوش نمود' رکھتا ہے۔ اقبال نے 'ذوقِ وجود' اور 'جوش نمود' میں تعلق بیان کیا ہے اور پھول کی کلی کی مثال دی ہے کہ ننھی سے کلی وجود میں آنے کے جوش کی وجہ سے شاخ کو پھاڑ کر جنم لیتی ہے اور پھر وجود میں آ کر لذت محسوس کرتی ہے اور مسکراتی ہے۔ منظوم ترجمہ میں شاخ کے پھوٹنے کا ذکر ہے نہ کہ کلی کے۔ کلی نشوونما پا کر پھول بنتی ہے۔ 'غنچۂ گل' کا مطلب پھول کی کلی ہے جبکہ منظوم ترجمہ میں پھول کھلنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ فارسی شعر میں واضح بیان ہوا ہے کہ پھول کی کلی ذوقِ وجود کی وجہ سے تبسم ریز ہے۔ جبکہ منظوم ترجمہ میں تبسم ریزی کا سبب ذوق نمو کو قرار دیا گیا ہے، نہ کہ ذوقِ وجود کو۔ فارسی رباعی میں نازک سی کلی کے شاخ کو چیر کر پھوٹنے کی نہایت خوبصورت مثال دی گئی ہے۔ اس مثال سے کائنات کی ہر شے کے 'جوشِ نمود' اور 'ذوق نمود' کا خوبصورت تصور ملتا ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں یہ باریک بینی اور اعلیٰ فکری رسائی نظر نہیں آتی۔

رباعی نمبر 50

منظوم اردو ترجمہ از حکیم سرو سہارنپوری	اصل متن از پیامِ مشرق
ہے لرزاں دل ترا خوفِ اجل سے	دلت می لرزد از اندیشۂ مرگ
یہ اندیشہ ترا آزارِ جاں ہے	ز بیمش زرد مانندِ زریری
نکل خود سے خودی کو پختہ تر کر	بخود باز آ ، خودی را پختہ تر گیر
یہی رازِ حیات جاوداں ہے	اگر گیری، پس از مردن نمیری
(371)	(370)

مندرجہ بالا رباعی کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

تیرا دل موت کے خوف سے لرزتا رہتا ہے۔ اس کے ڈر سے تو ہلدی کی مانند زرد (پیلا) پڑ گیا ہے۔ اپنے آپ میں لوٹ آ، خودی اور پختہ کر۔ تو اگر ایسا کرے تو مرنے کے بعد بھی نہیں مرے گا۔

پہلے شعر کے پہلے مصرع کا ترجمہ درست ہے۔ اس شعر کے دوسرے مصرع کا لفظی ترجمہ ہے 'اس (موت) کے ڈر سے تو ہلدی کی مانند زرد (پیلا) پڑ گیا ہے'۔ حکیم صاحب نے اس مصرع کا لفظی ترجمہ تو نہیں کیا، تاہم اس کا ترجمہ 'یہ اندیشہ ترا آزارِ جاں ہے' کر کے اچھے انداز سے مفہوم ادا کر دیا ہے۔ دوسرے شعر کا منظوم ترجمہ کلی طور پر اصل متن کی نمائندگی نہیں کرتا۔ دوسرے شعر میں 'بخود باز آ' سے مراد 'اپنے آپ میں لوٹ آ، اپنی طرف لوٹ آ ہے'۔ منظوم ترجمہ میں 'نکل خود سے' کی تلقین کی گئی ہے۔ یہاں نکل خود سے مراد اپنی 'انا' یعنی منفی شخصیت کی نفی ہے اس مفہوم کی تائید اس مصرع کے باقی حصہ ''خودی کو پختہ تر کر'' سے ہو رہی ہے۔ 'بخود باز آ' (اپنے آپ میں لوٹ آ) سے مراد اپنا آپ پہچاننا اور اپنی خودی کو مستحکم کرنا ہے۔ اس لحاظ سے منظوم ترجمہ براہِ راست اصل متن کا مفہوم بیان نہیں کرتا۔

رباعی نمبر 86

رباعی نمبر 86 کا پہلا شعر اور اس کا منظوم ترجمہ ملاحظہ کریں۔

منظوم اردو ترجمہ از حکیم سروسہارنپوری	اصل متن از پیامِ مشرق
نیکی بدی کا راز کہوں بھی تو کیا کہوں	چہ گویم نکتۂ زشت و نکو چیست
کانپے ہے دل کہ معنی بڑے پیچدار ہیں	زباں لرزد کہ معنی پیچدار است
(373)	(372)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں لفظ 'معنی' جو کہ واحد ہے اس کے لیے ردیف 'ہیں' استعمال ہُوا ہے۔

رباعی نمبر 128

رباعی نمبر 128 کا پہلا شعر اور اس کا منظوم ترجمہ ملاحظہ کریں۔

منظوم اردو ترجمہ از حکیم سروسہارنپوری	اصل متن از پیامِ مشرق
یہ کہہ دیجیے مری جانب سے اربابِ طریقت سے	زمن گو صوفیانِ باصفا را
کہ اے جویائے حق اے راہِ عرفان ڈھونڈنے والو	خدا جویانِ معنی آشنا را
(375)	(374)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں لفظ 'جویائے حق' جو کہ واحد ہے اس کے لیے ردیف 'ڈھونڈنے والو' استعمال ہوا ہے جو کہ جمع ہے۔

رباعی نمبر 103

رباعی نمبر 103 کا دوسرا شعر، اس کا منظوم اور منثور ترجمہ ملاحظہ کریں۔

منظوم اردو ترجمہ از حکیم سروسہارنپوری	اصل متن از پیامِ مشرق
سرزد ہو تجھ سے کارِ نمایاں کوئی اگر	گر از دستِ تو کارِ نادر آید
ہے پھر ثواب رنگ گناہوں کی داستاں	گناہے ہم اگر باشد ثواب است
(377)	(376)

لفظی ترجمہ: اگر تیرے ہاتھوں کوانوکھا کام ہو جائے تو وہ گناہ بھی ہو (تو) ثواب ہے۔

اس شعر میں اقبالؒ نے بہت بڑا درس دیا ہے۔ اقبالؒ چاہتے ہیں کہ ہر انسان اپنی انفرادیت برقرار رکھے، بے جا تقلید کرنے سے بچے، غیر کی محتاجی سے بچے اور اپنی خودی کی نشو ونما کرے۔ اگر اس کوشش میں کسی انسان سے کوئی انوکھا کام سرزد ہو جائے تو یہ بہت خوش آئند عمل ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کی خودی نشو ونما پا رہی ہے۔ اس کوشش کے دوران اگر انسان سے کوئی غلطی بھی ہو جائے تو بجا ہے۔ انسان اپنی غلطیوں سے ہی سیکھتا ہے۔ سیکھنے کا یہ عمل جاری رہے تو بالاخر انسان کسی اعلیٰ مقام، منصب اور مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ اُس سے کوئی ایسا نمایاں کام ضرور سرانجام پاتا ہے جس کی بدولت یہ سب غلطیاں ایک بڑے کارنامے کی وجہ بن جاتی ہیں۔ ترقی کے لیے ضروری ہے کہ تبدیلی اور اصلاح کا عمل ہر حال میں جاری رہے۔ اقبال نے اس شعر میں ایک عظیم فلسفۂ انقلاب بیان کیا ہے۔ مترجم اس فلسفہ کی صحیح ترجمانی نہیں کر پایا۔ اگر منظوم اردو ترجمہ کو اصل فارسی متن کے بغیر پڑھا جائے تو اس سے واضح طور پر یہ فلسفہ سمجھ نہیں آتا۔ اس لیے یہ ترجمہ معنوی لحاظ سے اصل تخلیق کی نمائندگی نہیں کرتا۔

رباعی نمبر 122

رباعی نمبر 122، اس کا منظوم اور منثور ترجمہ ملاحظہ کریں۔ منظوم ترجمہ کی وجہ سے مفہوم مبہم ہو گیا ہے۔

اصل شعر واضح ہے اور بلاواسطہ انداز سے مفہوم ادا کرتا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حکیم سروسہارنپوری
بہ پہنائے ازل پر می کشودم	عدم کی بے کرانہ وسعتوں میں پر کشا تھا میں
ز بندِ آب و گل بیگانہ بودم	کہ قیدِ آب وگلِ کی کشمش سے ماورا تھا میں
بچشمِ تو بہائے من بلند است	ترے نزدیک میں جنسِ گراں ہوں کیوں نہ ہوں آخر
کہ آوردی ببازارِ وجودم	کہ تو لایا ہے اس بازار میں جس سے سوا تھا میں
(378)	(379)

لفظی ترجمہ: میں ازل کی وسعتوں میں اڑتا تھا۔ پانی اور مٹی کی قید (جسم کی قید) سے آزاد تھا۔ تیری نظر میں میری قدر و قیمت بلند تھی۔ اسی لیے تو مجھے وجود کے بازار میں لایا۔

اصل مفہوم: مراد یہ ہے کہ انسان اشرف الخلوقات ہے۔ وہ عالمِ ارواح میں روح کی صورت میں موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے خاکی جسم عطا فرما کر اپنے خلیفہ کے طور پر زمین پر بھیجا۔ اس دو بیتی میں عظمت انسانی بیان کی گئی ہے اور اس کی تخلیق کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔

منظوم اردو ترجمہ کے پہلے شعر میں لفظ 'کشمش' کی جگہ، پر لفظ 'کشمکش' لگا دیں تو اس کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ دوسرے شعر کا ترجمہ غیر واضح ہے۔ اس میں بیان ہوا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک 'جنسِ گراں' ہے اس لیے وہ اِسے اس بازار میں لایا ہے جس سے وہ (انسان) سوا تھا۔ اگر ہم تاویل کریں تو یہ مفہوم بن سکتا ہے کہ انسان کی قدر و قیمت اس دنیا اور اس کی ہر چیز سے زیادہ ہے۔ یہ منظوم ترجمہ مبہم ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے مزید توضیح کی ضرورت ہے۔ منظوم اردو ترجمہ کی نسبت اصل فارسی شعر واضح ہے اور اس سے عظمتِ انسان کا واضح تصور ملتا ہے۔

رباعی نمبر 122 کے منظوم اردو ترجمہ کی طرح رباعی نمبر 125 کے دوسرے شعر اور رباعی نمبر 133 کے بھی دوسرے شعر کا ترجمہ درست نہیں ہے۔

رباعی نمبر 149

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از حکیم سروسہارنپوری
رمیدی از خداوندانِ افرنگ	تو خداوندانِ افرنگی سے بچ نکلا مگر
ولے بر گور و گنبد سجدہ پاشی	ہو گیا پھر بھی حضورِ گور و گنبد سجدہ کیش
بہ لالائی چناں عادت گرفتی	مسلکِ وحدانیت سے اس قدر بیگانگی
ز سنگِ راہ مولائے تراشی	سنگِ رہ کو بھی سمجھ بیٹھا ہے تو مولائے خویش
(380)	(381)

مندرجہ بالا رباعی کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

تو انگریز آقاؤں سے بھاگا لیکن قبر اور گنبد پر سجدے کرتا ہے۔ غلامی کی وجہ سے تو اس کا عادی ہو گیا ہے۔ تو راستے کے پتھر سے اپنا مولا تراشتا ہے۔

پہلے شعر کا ترجمہ لفظی و معنوی لحاظ سے اصل متن کی ترجمانی کرتا ہے۔ دوسرے شعر کا منظوم اردو ترجمہ مکمل طور پر اصل متن کی ترجمانی نہیں کرتا۔ اقبال نے ہندوستانی ثقافت کے مسلمانوں پر اثرات کا ذکر کیا ہے۔ خصوصاً

لالوں (ہندوؤں) کا ذکر کرکے، مسلمان پر ان کے اثرات بیان کیے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کے مسلک توحید سے آگاہ کیا ہے اور ہندو ثقافت سے آزاد ہو کر حقیقی طور پر مسلکِ توحید پر گامزن ہونے کی تلقین کی ہے۔ منظوم ترجمہ میں ہندو ثقافت کے اثرات کا ذکر نہیں ہے، اگرچہ مسلک وحدانیت کا ذکر ہے۔

لالۂ طور کے منظوم ترجمہ میں بعض مقامات پر متنی اغلاط بھی نظر آتی ہیں۔ اس کے دیباچہ ''حرف اول'' میں ایسی اغلاط کی بھرمار ہے۔ پہلی ہی سطر میں لفظ ''راولپنڈی'' غلط لکھا گیا ہے۔ اسے ''روالپنڈی'' لکھا گیا ہے۔ اس طرح صفحہ نمبر 5 پر بھی یہ لفظ چار مقامات پر غلط تحریر کیا گیا ہے۔

صفحات نمبر 3 اور 4 پر دی گئی فارسی رباعیات کے متن میں بھی کئی اغلاط نظر آتی ہیں۔ پیام مشرق کے اصل متن اور لالہ طور منظوم ترجمہ میں دی گئی ان رباعیات کا موازنہ پیشِ خدمت ہے:

اصل متن از پیامِ مشرق

ز رازی معنی قرآں چہ پرسی
ضمیرِ ما بآیاتش دلیل است
خرد آتش فروزد ، دل بسوزد
ہمیں تفسیرِ نمرود و خلیل است

(382)

فارسی متن منقولہ منظوم اردو ترجمہ لالۂ طور

زرازی معنی قرآں چہ پرسی
ضمیرِ ما باآیاتش دلیل است
خرد آتش فروزد ، دل بہ سوزد
ھمیں تفسیرِ نمرود و خلیلؔ است

(383)

اصل متن از پیامِ مشرق

کُنشت و مسجد و بتخانہ و دیر
جز ایں مشتِ گِلے پیدا نکردی
ز حکمِ غیرنتواں جز بہ دل رَست
تو اے غافل دلے پیدا نکردی

(384)

منظوم اردو ترجمہ از حکیم سرو سہارنپوری

کنشت و مسجد و بت خانہ و دیر
جزایں مشتِ گلے پیدا نہ کر دی
ز حکمِ غیرنتواں جز بدل رَست
تو اے غافل دلے پیدا نہ کر دی

(385)

چہ لذّت یا رب اندر ہست و بود است
دلِ ہر ذرّہ در جوشِ نمود است
شگافد شاخ راچوں غنچۂ گل
تبسم ریز از ذوقِ وجود است

(386)

چہ لذّت یا رب اندر ھست و بود است
دلِ ہر ذرّہ در جوشِ نمود است
شگافد شاخ راچوں غنچۂ گل
تبسم ریزئی ذوق وجود است

(387)

خط کشیدہ الفاظ کا اصل متن سے موازنہ کریں۔ اغلاط عین واضح ہیں۔

دیباچہ کے آخر پر دیا گیا ایڈریس بھی نامکمل ہے اور فون نمبر غلط ہے یہاں فون نمبر 051-556347 لکھا گیا ہے۔ اس کے آخر پر '3' کا ہندسہ بھی آئے گا۔ چند دیگر اغلاط کی تفصیل درج ذیل ہے:

صفحہ نمبر	سطر نمبر	منظوم اردو ترجمہ از حکیم سرو سہارنپوری	صفحہ نمبر	سطر نمبر	پیامِ مشرق۔۔۔لالۂ طور (اصل متن)
11	5	سوزِ دوراں			سوزِ دروں
13	8	چھپتا ہے			جھپٹتا ہے

15	11	ڈُئی			دُوئی
50	11	مسم	45	11	مستم
55	2	کیا چاہتا ہے			چاہتا کیا ہے
67	12	دورنِ شاخ			درونِ شاخ
59		کیا			کہا
115		ہمنش			ہمنیش

نتائج بحث

لالۂ طور کی 163 رباعیوں کے اس منظوم ترجمہ میں درج ذیل رباعیات کا ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے اور بعض مقامات پر تو ترجمہ اصل متن کی کُلی نمائندگی کرتا دکھائی دیتا ہے۔

صفحہ نمبر	رباعی نمبر	صفحہ نمبر	رباعی نمبر	صفحہ نمبر	رباعی نمبر
23	20	63	78	99	132
31	30	65	82	105	143
37	40	67	84	107	144
39	42	67	85	109	148
41	46	69	87	109	149
43	50	77	99	113	153
45	52	79	104	115	156
45	53	81	105	115	158
47	54	87	116	117	159
53	67	89	118	117	160
53	68	89	119	117	161
61	75	91	121		

مندرجہ بالا تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ

-1 زیرِ نظر کتاب کا قریباً تیس فی صد (30%) ترجمہ کافی زیادہ حد تک اصل متن کی نمائندگی کرتا ہے یہ ترجمہ نہایت خوبصورت ہے اور شاعر کی قادر الکلامی کو ظاہر کرتا ہے۔

-2 قریباً تیس فی صد (30%) ترجمہ اصل متن کے مفہوم کی کُلی طور پر نمائندگی نہیں کرتا۔ اصل متن سے موازنہ کریں تو منظوم اردو ترجمہ میں دیا گیا مفہوم اُدھورا نظر آتا ہے۔

-3 منظوم اردو ترجمہ میں فارسی کلام کے مشکل الفاظ و تراکیب استعمال کرنے کی وجہ سے قریباً چالیس فی صد (40%) ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ یہ ترجمہ عام فہم نہیں رہا اور اسے سمجھنے کے لیے کسی اچھی لغت اور فارسی زبان جاننے والے اہلِ علم کی مدد اور رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

عکسِ لالہ طور

منظوم اردو ترجمہ معہ فارسی متن

از

ڈاکٹر عصمت جاویدؔ / ابراہیم خیالؔ فتحپوری

'عکسِ لالۂ طور' 'پیامِ مشرق' کے حصہ 'لالۂ طور' کی رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار جنوری 2002ء کو شائع ہوا۔ کتاب کی درج ذیل بیس (20) رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ ابراہیم خیالؔ فتحپوری نے کیا ہے:

7، 14، 31، 33، 46، 59، 60، 63، 71، 75، 82، 103، 119، 121، 130، 133، 135، 140، 141، 146

یہ کل کام کا آٹھ فی صد (8%) حصہ ہے۔ باقی رباعیات کا ترجمہ ڈاکٹر عصمت جاویدؔ نے کیا ہے جو کہ کل کام کا بانوے فی صد (92%) ہے۔

اس کتاب کے سب ٹائٹل پر ڈاکٹر عصمت جاویدؔ کا ایڈریس، 'المنورہ پلاٹ نمبر ۲۵/ ولرس کالونی، گھاٹی اورنگ آباد' درج ہے۔ مرتب و ناشر 'منور جہاں' کا بھی یہی ایڈریس ہے۔

یہ کتاب ابراہیم خیالؔ فتحپوری کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔ دراصل منظوم اردو ترجمہ کا کام ابراہیم خیالؔ نے ہی شروع کیا تھا مگر وہ بوجہ علالت اسے جاری نہ رکھ سکے اور اپنے عزیز دوست عصمت جاویدؔ کو تاکید کی کہ وہ ان کی وفات کے بعد اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ ڈاکٹر عصمت جاوید نے اپنے دوست کی محبت میں یہ کام مکمل کیا اور اسے کتابی شکل میں شائع کیا۔ انہوں نے اس کا 'انتساب' ابراہیم خیالؔ فتحپوری کے نام ہی لکھا ہے۔ انتساب کے بعد صفحہ نمبر 1 تا 4 پر 'پیش لفظ' اور صفحہ نمبر 5 تا 17 'مقدمہ' تحریر کیا گیا ہے۔ صفحہ نمبر 18 تا 99 پر فارسی متن کے ساتھ منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ فارسی متن دائیں صفحہ پر اور منظوم اردو ترجمہ بائیں صفحہ پر درج کیا گیا ہے۔ تمام کتاب میں یہی ترتیب قائم رکھی گئی ہے۔ جن رباعیات کا ترجمہ ابراہیم خیالؔ نے کیا ہے ان کے نمبر کے ساتھ ☆ کی علامت دی گئی ہے اور ان کے نیچے '(خ)' لکھا گیا ہے۔ صفحہ نمبر 100 تا 101 پر ڈاکٹر عصمت جاوید کی تیرہ (13) عدد مطبوعہ، چار (4) عدد زیرِ طبع تصانیف اور ان کو حاصل ہونے والے چار عدد اعزازات کی فہرست درج ہے۔ آخری صفحہ پر ڈاکٹر عصمت جاوید اور اس سے پہلے کے صفحہ پر ابراہیم خیالؔ فتحپوری (مرحوم) کی تصویر دی گئی ہے۔ ان حضرات کے منظوم اردو ترجمہ کا تحقیقی جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

لالۂ طور (رباعیات)

رباعی نمبر 10

اصل متن از پیامِ مشرق

جہانِ ما کہ نابود است بودش
زیاں توام ہمی زاید بسودش
کہن را نو کن و طرحِ دگر ریز
دلِ ما برنتابد دیر و زودش
(388)

منظوم اردو ترجمہ از ڈاکٹر عصمت جاوید

یہ ہست و بود کی دنیا بدل ڈال
زیان و سود کی دنیا بدل ڈال
پرانے ہو گئے اس کے طریقے
یہ دیر و زود کی دنیا بدل ڈال
(389)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

ہمارا جہان، جس کا ہونا نہ ہُونے کے برابر ہے،
یہاں فائدے کے ساتھ نقصان بھی بڑھتا ہے۔
یہ پرانا ہو چکا ہے، اس کی بنیاد از سرِ نو اٹھا کر اسے نیا کر، ہمارا دل اس کے دیر وزُود کی تاب نہیں رکھتا۔ (دل چاہتا ہے کہ اس کی خواہش فوراً پوری ہو) (390)

-1 رباعی نمبر 10 کے پہلے شعر کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں۔ اصل متن کا مفہوم کچھ اور ہے جبکہ منظوم اردو ترجمہ کا مفہوم بالکل مختلف ہے۔ اصل متن میں سلسلہ 'ہست و بود' اور 'سود وزیاں' کا ذکر ہے۔ مترجم نے سلسلہ ہست و بود اور سود وزیاں کو بدلنے کی تلقین کی ہے۔

-2 شعر نمبر 2 کا ترجمہ بھی اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ 'کہن را نو کن و طرحِ دگر ریز' کا مطلب ہے 'پرانے کو نیا کر دوسری (نئی) بنیاد ڈال'۔ اس کے منظوم اردو ترجمہ 'پرانے ہو گئے اس کے طریقے' میں 'کہن' یعنی پرانے طریقوں کا تو ذکر ہُوا ہے، مگر نو کن (نیا کر) اور طرحِ دگر ریز (نئی بنیاد ڈال) کا مفہوم ادا نہیں کیا گیا۔ یہی صورتِ حال دوسرے مصرعے کے منظوم اردو ترجمہ کی ہے۔

-3 مجموعی طور پر منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

رباعی نمبر 33

اصل متن از پیامِ مشرق

سکندر با خضر خوش نکتۂ گفت
شریکِ سوز و سازِ بحر و بر شو
تو ایں جنگ از کنارِ عرصہ بینی
بمیر اندر نبرد و زندہ تر شو
(391)

منظوم اردو ترجمہ از ڈاکٹر عصمت جاوید

سکندر نے کہا ایک دن خضر سے
شریکِ سوز و سازِ بحر و بر ہو
کنارے سے نہ کر نظارۂ جنگ
تو لڑ کر جان دے اور زندہ تر ہو
(392)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

سکندر نے خضر سے کیا اچھی بات کہی،
بحر و بر کے سوز و ساز میں حصہ دار ہو۔
تو اس جنگ کو کارزار (حیات) کے کنارے دیکھتا ہے،
کشمکشِ حیات میں جان دے کر زندہ تر ہو جا۔(393)

1- رباعی نمبر 33 کے پہلے شعر کے پہلے مصرعے کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں 'خوش نکتہ گفت' (اچھی باریک بات کہی) کا مفہوم نہیں دیا گیا۔ فارسی شعر کے دوسرے مصرعے کے آخری لفظ 'شو' کو 'ہو' میں بدل کر اسے منظوم اردو ترجمہ کی شکل دے دی گئی ہے۔

2- دوسرے شعر کا ترجمہ کافی حد تک اصل متن کے مطابق ہے۔

3- مجموعی طور پر رباعی نمبر 33 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔

رباعی نمبر 69

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از ڈاکٹر عصمت جاوید
بمرغانِ چمن ہمداستانم	میں مرغانِ چمن کا ہمنوا ہوں
زبانِ غنچہ ہاے بے زبانم	میں غنچوں کی زبان تک جانتا ہوں
چو میرم باصبا خاکم بیامیز	مروں تو میری مٹی دیں صبا کو
کہ جز طوفِ گلاں کارے ندانم	کہ پھولوں پر میں منڈلاتا رہا ہوں
(394)	(395)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

میں باغ کے پرندوں کی داستان بیان کرتا ہوں،
میں بے زبان کلیوں کی زبان ہوں۔
جب میں مر جاؤں تو میری خاک کو بادِ صبح میں ملا دینا،
کیونکہ مجھے پھولوں کے طواف کے سوائے اور کوئی کام نہیں۔(396)

1- رباعی نمبر 69 کے منظوم اردو ترجمہ کا اصل متن اور اس کے منثور اردو ترجمہ سے موازنہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ ڈاکٹر عصمت جاوید صاحب رباعی کا حقیقی مفہوم نہ سمجھ سکے۔ اس لیے منظوم اردو ترجمہ اصل متن کا مفہوم بیان نہیں کر پائے۔

2- کسی بھی مصرعے کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ مثلاً دوسرے شعر کے پہلے مصرعے 'چو میرم باصبا خاکم بیامیز' کا مطلب ہے 'جب میں مر جاؤں تو میری مٹی کو صبا میں ملا دینا'۔ ڈاکٹر عصمت جاوید صاحب نے اس کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے 'مروں تو میری مٹی دیں صبا کو' مٹی صبا کو دینے سے کیا مراد ہے؟ مٹی صبا میں ملائی جا سکتی ہے۔ 'مٹی دیں صبا کو' بڑا عجیب سا ترجمہ ہے۔

3- مجموعی طور پر رباعی نمبر 69 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے اور یہ اس کے حقیقی مفہوم کی ترجمانی نہیں کرتا۔

رباعی نمبر 91

منظوم اردو ترجمہ از ڈاکٹر عصمت جاوید	اصل متن از پیامِ مشرق
اے میرے عشق تازہ کار آ کر	بیا اے عشق ، اے رمزِ دل ما
دکھا جا اپنی پھر سحر آفرینی	بیا اے کشتِ ما ، اے حاصلِ ما
پرانے ہو گئے سب خاک زادے	کہن گشتند ایں خاکی نہاداں
نیا آدم اٹھا مٹی سے میری	دگر آدم بنا کن از گلِ ما
(398)	(397)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

اے عشق، اے ہمارے دل کے راز آ!
اے ہماری کھیتی، اے ہمارے حاصل آ!
یہ آدمِ خاکی پُرانا ہو چکا ہے،
ہماری مٹی سے نیا آدم بنا۔(399)

1- پہلے شعر کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔
2- دوسرے شعر کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔ منظوم اردو ترجمے کا پہلا شعر بھی دراصل فارسی رباعی کے دوسرے شعر کی ترجمانی کرتا ہے۔

رباعی نمبر 141

منظوم اردو ترجمہ از ڈاکٹر عصمت جاوید	اصل متن از پیامِ مشرق
مری لے سے عجم آتش بجاں ہے	عجم از نغمہ ام آتش بجان است
صدا میری درائے کارواں ہے	صدائے من درائے کارواں است
حدی کی تیز کی لَے مثلِ عرفی	حُدی را تیز تر خوانم چو عُرفی
کہ ''رہ خوابیدہ'' اور ''محمل گراں'' ہے	کہ رہ خوابیدہ و محمل گران است
(401)	(400)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

میرے نغمے سے عجم کے دل میں آگ بھڑک اٹھی ہے،
میری آواز درائے کارواں بن گئی ہے۔
میں بھی عُرفی کی مانند حُدی کی لَے کو اور تیز کر رہا ہوں،
کیونکہ راستہ لمبا ہے اور محمل گراں۔(402)

1- رباعی نمبر 141 کا منظوم اردو ترجمہ، اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔
2- منظوم اردو ترجمہ میں فارسی رباعی کے الفاظ 'آتش بجاں'، 'درائے کارواں'، 'رہ خوابیدہ' اور 'محمل گراں' استعمال کیے گئے ہیں جس سے ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ حاشیہ میں ان الفاظ کے معانی بھی نہیں

دیے گئے۔

3- اس رباعی کے چوتھے مصرعے کے دو الفاظ تبدیل کر کے اسے منظوم اردو ترجمہ کی شکل دی گئی ہے۔اس طرح کے ترجمہ کو منظوم فارسی وار دو ترجمہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ایسا ترجمہ جو عام قاری کے لیے قابلِ فہم نہ ہو، اس کا کیا فائدہ؟

4- مجموعی طور پر رباعی نمبر 141 کا منظوم اردو ترجمہ متن کے مطابق مگر مشکل ہے۔

رباعی نمبر 143

منظوم اردو ترجمہ از ڈاکٹر عصمت جاوید	اصل متن از پیامِ مشرق
یہ دل مثلِ صبا آوارہ کیوں ہے	مرا مثلِ نسیم آوارہ کردند
گلِ صد برگ سا صد پارہ کیوں ہے!	دلم مانندِ گل صد پارہ کردند
نظر میری جو ظاہر بیں نہیں ہے	نگاہم را کہ پیداھم نہ بیند
شہیدِ لذتِ نظارہ کیوں ہے	شہیدِ لذتِ نظارہ کردند
(404)	(403)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

مجھے نسیم کی مانند آزادرو بنایا گیا ہے،
میرے دل کو پھول کی مانند صد چاک کیا گیا ہے۔
میرے نگاہ جو ظاہر کو بھی (پوری طرح) نہیں دیکھ سکتی،
اسے (حقیقت کے) نظارہ کے لطف سے سرفراز کیا گیا ہے۔(405)

1- رباعی نمبر 143 کے منظوم اردو ترجمہ کے اصل متن اور منثور اردو ترجمہ کے ساتھ تقابل و جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ یہ تحت اللفظی ترجمہ تو ہرگز نہیں ہے۔اگر 'آزاد ترجمہ' کے طور پر اس کا جائزہ لیں تو پھر بھی اصل متن کے مفہوم سے مختلف ہونے کی وجہ سے اسے درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔

2- ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے مطابق اس رباعی کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ میں عشق میں وارفتہ ہوں۔ مجھے کسی پل چین نہیں ہے۔ میرے اندر اس حسنِ مطلق کو دیکھنے کی آرزو پیدا کر رکھی ہے جو ہر شے میں ہے۔منظوم اردو ترجمہ میں یہ مفہوم دیا گیا ہے کہ میں عشق میں وارفتہ کیوں ہوں اور مجھے حُسنِ مطلق کو دیکھنے کی آرزو کیوں دی گئی ہے؟ اصل متن میں جو بات بیانیہ انداز میں کی گئی ہے اور جن کیفیات کے موجود ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، منظوم اردو ترجمہ میں وہی بات استفہامیہ انداز میں کی گئی ہے اور ان کیفیات کے موجود ہونے کی وجہ دریافت کی گئی ہے۔

اس لحاظ سے ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے اور اس کے حقیقی مفہوم کی ترجمانی نہیں کرتا ہے۔

رباعی نمبر 144

منظوم اردو ترجمہ از ڈاکٹر عصمت جاوید	اصل متن از پیامِ مشرق
خرد سے پارچہ زر کار ہو جائے	خرد کرپاس را زرینہ سازد

کمالش سنگ را آئینہ سازد | ہنر سے اس کے سنگ آئینہ بن جائے
نوائے شاعرِ جادو نگارے | اگر جادو ہو شاعر کی نوا میں
ز نیشِ زندگی نوشینہ سازد | تو نیشِ زندگی نوشینہ بن جائے
(406) | (407)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

خرد معمولی کپڑے کو اطلس بنا دیتی ہے،
اس کا کمال پتھر کو آئینے میں تبدیل کر دیتا ہے۔
لیکن شاعرِ جادو نگار کا گیت،
زندگی کے زہر کو شہد بنا دیتا ہے۔ (408)

1- رباعی نمبر 144 کا منظوم اردو ترجمہ کافی حد تک اصل متن کے مطابق ہے۔
2- اگر حاشیہ میں منظوم اردو ترجمہ کے مشکل الفاظ 'نیش' اور 'نوشینہ' کے معانی دے دیے جاتے تو مفہوم زیادہ واضح اور عام فہم ہو جاتا۔

ابراہیم خیال فتحپوری

رباعی نمبر 60

اصل متن از پیامِ مشرق | منظوم اردو ترجمہ از ڈاکٹر عصمت جاوید
میارا بزم بر ساحل کہ آنجا | لب ساحل یہ بزم آرائیاں کیوں
نوائے زندگانی نرم خیز است | نوائے زندگی واں نیم جاں ہے
بدریا غلط و با موجش در آویز | اتر دریا میں، لڑ موجوں سے اُس کی
حیاتِ جاوداں اندر ستیز است | کشاکش میں حیاتِ جاوداں ہے
(409) | (410) (ل۔خ)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

ساحل پر بزم آراستہ نہ کر،
بہتان زندگی کی نوا مدھم ہے۔
دریا میں کود اور اس کی موجوں سے زور آزمائی کر،
حیاتِ جاوداں کشمکش میں ہے۔ (411)

1- رباعیات نمبر 60، 103 اور 146 کا منظوم اردو ترجمہ ابراہیم خیال فتحپوری نے کیا ہے۔
2- رباعی نمبر 60 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔
3- ترجمہ آسان، سلیس اور عام فہم ہے۔

رباعی نمبر 103

اصل متن از پیامِ مشرق. | منظوم اردو ترجمہ از ڈاکٹر عصمت جاوید
تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش | بنا تیشے سے اپنے، راستہ خود

براہِ دیگراں رفتن عذاب است	نہ چل تو راہ پر غیروں کے اے دل
گر از دستِ تو کارِ نادر آید	انوکھا کام گر ہو جائے تجھ سے
گناہے ہم اگر باشد ثواب است	گنہ بھی ہو تو ہے نیکی میں داخل
(412)	(ا۔خ) (413)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

اپنا راستہ اپنے تیشے سے خود بنا،
دوسروں کے بنائے ہوئے راستے پر چلنا عذاب ہے۔
اگر تیرے ہاتھ سے کوئی نادر کام ہو جائے،
اگر وہ گناہ ہے تو بھی تجھے اس کا ثواب مل جائے گا۔(414)

-1 رباعی نمبر 103 کا ترجمہ بھی اصل متن کے مطابق ہے۔

-2 پہلے شعر کے دوسرے مصرعے 'براہِ دیگراں رفتن عذاب است' کا مطلب ہے 'دوسروں کے راستے پر چلنا عذاب ہے'۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ 'نہ چل تو راہ پر غیروں کے اے دل' اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ اس میں لفظ 'عذاب' کا مفہوم نہیں دیا گیا۔ شعری ضرورت کے تحت منظوم اردو ترجمہ میں دوسروں کی راہ پر چلنے کے بارے میں شاعر کے جذبات کا صحیح اظہار نہیں ہو سکا۔ اس میں دوسروں کی راہ پر چلنے سے تو منع کیا گیا ہے مگر دوسروں کی راہ پر چلنے کے نقصان (عذاب، سختی، وغیرہ) کا مفہوم نہیں دیا گیا۔

-3 دوسرے شعر کا ترجمہ اصل متن کے عین مطابق اور درست ہے۔ یہ ترجمہ ادبی اور فنی اعتبار سے اعلیٰ درجے کا ہے۔ اس پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔

-4 مجموعی طور پر رباعی نمبر 103 کا ترجمہ متن کے مطابق اور درست ہے۔

رباعی نمبر 146

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از ڈاکٹر عصمت جاوید
خیالم کو گل از فردوس چیند	بھاتا ہے مجھے جب بھی تخیل
چو مضمونِ غریبے آفریند	وہ مضمون جس پہ جنت بھی ہو قربان
دلم در سینہ می لرزد چو برگے	لرزتا ہے مرے سینے میں یوں دل
کہ بروے قطرۂ شبنم نشیند	ہو جیسے برگِ گل شبنم سے لرزاں
(415)	(ا۔خ) (416)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

میرا تخیل جو بہشت سے پھول چنتا ہے،
جب وہ کوئی نیا مضمون پیدا کرتا ہے۔
تو میرے سینے میں میرا دل اس پھول کی پتی کی طرح (خوشی سے) لرزنے لگتا ہے، جس پر شبنم کا قطرہ ٹپک پڑا ہو۔(417)

-1 رباعی نمبر 146 کے اصل متن، منثور اردو ترجمہ اور منظوم اردو کے تقابل و جائزہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ

اس رباعی کا منظوم اردو ترجمہ درست ہے۔

-2 شاعر نے بڑی خوبصورتی سے اصل متن کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں منظوم اردو ترجمہ کی شکل دے دی ہے۔انہوں نے رباعی کا لفظی ترجمہ کرنے کے بجائے 'آزاد ترجمہ' کیا ہے اور متن کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے کے بعد اچھے طریقے سے اس کی ترسیل کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ادبی اور فنی اعتبار سے یہ اچھے درجے کا ترجمہ ہے اور اس پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ ڈاکٹر عصمت جاوید کے سات رباعیات (رباعیات نمبر 10، 33، 69، 91، 141، 143، 144) اور ابراہیم خیال فتحپوری کے تین رباعیات (رباعیات نمبر 60، 103، 146) کے منظوم اردو تراجم کے اصل متن اور ان رباعیات کے منثور اردو تراجم کے ساتھ بغور تقابل و جائزہ کے بعد واضح ہوا ہے کہ

-1 ڈاکٹر عصمت جاوید کا رباعیات نمبر 33، 141 اور 144 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔ رباعی نمبر 91 کے پہلے شعر کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے جبکہ دوسرے شعر کا ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔دیگر تین رباعیات کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔اس لحاظ سے دیکھیں تو ان کا سات میں سے ساڑھے تین رباعیات کا یعنی 50% ترجمہ درست ہے۔

-2 فنی و ادبی اور صوری و معنوی محاسن کے لحاظ سے ابراہیم خیال فتحپوری کی قریباً تینوں رباعیات کا ترجمہ درست ہے اور اس ترجمہ پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ان کے رباعی نمبر 103 کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعے کے منظوم اردو ترجمہ میں کچھ کمزوری محسوس ہوتا ہے، تاہم مجموعی طور پر تمام ترجمہ بہت اچھا ہے۔ شماریاتی نقطہ نگاہ سے ان کے 85% ترجمہ کو درست قرار دیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر عصمت جاوید نے اپنے 'پیش لفظ' میں اپنے کسی واقف کار کے حوالہ سے منظوم اردو ترجمہ میں کامیابی کی درجہ بندی کا معیار اس طرح سے بیان کیا ہے:

> ''مجھے اس کا اعتراف ہے کہ ترجمے کے عمل میں مفہوم اور اسلوب دونوں کے اعتبار سے بہت کچھ کھونا پڑتا ہے اس لیے میں نہیں جانتا کہ میں اس میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔اس وقت مجھے اپنے کرم فرما اور اقبال اکاڈمی حیدر آباد کے سرگرم کارکن حضرت مصلح الدین سعدی کی یہ رائے یاد آرہی ہے جو انہوں نے اورنگ آباد کی ایک نجی نشست میں ظاہر کی تھی کہ منظوم ترجمہ سائنس اور ریاضیات کا کوئی جوابی پرچہ نہیں کہ امیدوار صد فی صد نمبر حاصل کر سکے بلکہ وہ ادبیات کا پرچہ ہے جس میں اگر کسی طالب علم نے ساٹھ فی صد نشانات بھی حاصل کر لیے تو سمجھئے کہ اس نے اول درجہ میں اسی فی صد نمبر حاصل کر لیے تو اس نے امتیازی کامیابی حاصل کر لی ہے۔'' (418)

ڈاکٹر عصمت جاوید کے متذکرہ بالا معیار کے مطابق جائزہ لیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابراہیم خیال فتحپوری کا منظوم اردو ترجمہ امتیازی کامیابی کا حامل ہے۔

قنطار

منظوم اردو ترجمہ

از

رؤف خیرؔ

'قنطار' لالۂ طور کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ رؤف خیر نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار اپریل 2001ء کو شائع ہُوا۔ اس کے ناشر خیری پبلی کیشنز حیدر آباد ہیں۔ یہ کتاب ایک سو بارہ (112) صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے آغاز و اختتام پر حرفِ خیرؔ اور حرفِ تشکر کے عنوانات سے مترجم نے انتہائی انکسارانہ انداز میں بعض اہم باتوں کا ذکر کیا ہے۔ کتاب کے شروع میں آنجہانی کالی داس گپتا رضا نے چند سطور تحریر کی ہیں۔ جن میں اس ترجمے پر اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر تسخیر فہمی نے 'قنطار' ایک قابلِ قدر پیش کش کے عنوان سے ترجمے کے فن میں مترجم کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔ ابتدائی صفحات میں رؤف خیر نے 'زبورِ عجم کی ایک افتتاحیہ دعا' اور پیامِ مشرق کی نظم 'تنہائی' کا ترجمہ دیا ہے۔ کتاب کے صفحہ نمبر 29 تا صفحہ نمبر 110 پر لالۂ طور کی فارسی رباعیات اور ان کا منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ اس میں پہلے فارسی رباعی اور اس کے نیچے اس کا منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ تمام کتاب میں اسی ترتیب سے فارسی متن اور اس کا منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ رؤف خیر صاحب کی اس قابلِ قدر علمی و ادبی کوشش کا جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

رباعی نمبر 41

اصل متن از پیامِ مشرق

نہ پیوستم دریں بستانسرا دل
ز بندِ این و آں آزادہ رفتم
چو بادِ صبح گردیدم دمے چند
گلاں را آب و رنگے دادہ رفتم

(419)

منظوم اردو ترجمہ از رؤف خیر

حوالے کب ہوا خاکِ چمن کے
یہ دل پابند کب تھا ایں و آں کا
نسیمِ صبح سا گھوما گھڑی بھر
گلوں کو دے کے آب و رنگ پلٹا

(420)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

میں نے اس چمن سے دل نہیں لگایا،
یہاں کے بندھنوں سے آزاد رہا ہوں۔
بادِ صبح کی مانند چند لمحے یہاں گھوما (پھرا)

پھولوں کو رنگ وآب دی اور چلا گیا۔(421)

1- رباعی نمبر 41 کا منظوم اردو ترجمہ، اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔
2- یہ 'لفظی ترجمہ' نہیں بلکہ 'ادبی ترجمہ' ہے۔ رؤف خیر نے رباعی کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔
3- ترجمہ میں اصل متن کی سی خوبصورتی نہیں پائی جاتی۔ مزید یہ کہ اگر حاشیہ میں الفاظ 'ایں وآں' کا مفہوم دے دیا جاتا تو ترجمہ زیادہ قابلِ فہم ہو جاتا۔

رباعی نمبر 60

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از رؤف خیر
میارا بزم بر ساحل کہ آنجا	سجا محفل نہ ساحل پر کہ اس جا
نوائے زندگانی نرم خیز است	نوائے زندگانی ہے سبک رو
بدریا غلط و با موجش در آویز	اتر دریا میں لے موجوں سے لوہا
حیاتِ جاوداں اندر ستیز است	حیات جاوداں ہے یہ تگ و دو
(422)	(423)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

ساحل پر بزم آراستہ نہ کر،
یہاں زندگی کی نوا مدھم ہے۔
دریا میں کود اور اس کی موجوں سے زور آزمائی کر،
حیاتِ جاوداں کشمکش میں ہے۔(424)

1- پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ 'نرم خیز' استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے 'آہستگی سے' دھیرے دھیرے اٹھنے والا، دھیمے سروں والا، آہستہ اُٹھنے والی لہر)۔ رؤف خیر نے اس کا ترجمہ 'سبک رو' کیا ہے۔ لفظ 'سبک' کا مطلب ہے 'نازک'۔ 'سبک رو' کا مطلب ہُوا 'کمزور لہر' اس لحاظ سے یہ ترجمہ درست ہے۔
2- دوسرے مصرعے 'بدریا غلط و با موجش در آویز' کا مطلب ہے 'دریا میں غوطہ لگا اور موجوں سے نبرد آزما ہو'۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ کیا گیا ہے 'اتر دریا میں لے موجوں سے لوہا'۔ رؤف خیر نے منظوم اردو ترجمہ میں محاورہ 'لوہا لینا' استعمال کیا ہے۔ لغت میں 'لوہا بجانا'، 'لوہا برسنا'، 'لوہا دینا/کرنا'، 'لوہا مان جانا/لوٹنا' وغیرہ کے محاورات تو موجود ہیں مگر یہ محاورہ لغت میں موجود نہیں۔ یہ غالباً رؤف خیر صاحب کی اپنی اختراع ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں یہ 'محاورہ' عجیب سے لگتا ہے اور اس کا مفہوم بھی واضح نہیں ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو شعر نمبر 2 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

رباعی نمبر 102

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از رؤف خیر
چساں اے آفتابِ آسماں گرد	ہے تو سیر فلک میں مست ، سورج
بایں دوری بچشمِ من در آئی؟	کہاں ہے آنکھیں خیرہ کرنے والے!
بخاکی واصل و از خاکداں دور!	سواد خاک داں سے دور کتنا

تو اے مژگاں کسِل آخر کجائی؟ (246)
مگر ہم خاکیوں پر مرنے والے! (425)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

اے آسمان پر گردش کرنے والے آفتاب،
تو اتنی دُوری کے باوجود میری آنکھ میں کس طرح سما جاتا ہے۔
تو خاکی (آدم) سے واصل بھی ہے اور اس خاکداں (دنیا) سے دُور بھی ہے،
تُو جسے دیکھنے سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں، آخر کہاں ہے؟ (427)

1- رباعی نمبر 102 کا ترجمہ بھی اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ فارسی رباعی اور اس کے منظوم اردو ترجمہ کے ساتھ، نیچے دیے گئے منثور اردو ترجمہ سے واضح ہوتا ہے کہ منظوم اردو ترجمہ کا مفہوم اصل متن سے مختلف ہے۔ فارسی متن میں مفہوم اور مطلب کے لحاظ سے جو وسعت پائی جاتی ہے وہ منظوم اردو ترجمہ میں نظر نہیں آتی۔

2- منظوم اردو ترجمہ میں فارسی رباعی کا سا صوری و معنوی حُسن بھی نہیں پایا جاتا۔

رباعی نمبر 163

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از رؤف خیر
گریز آخر ز عقل ذوفنوں کرد	دل خود سر کا الفت سے کیا خوں
دلِ خود کام را از عشق خوں کرد	خرد عیار تھی پیچھا چھڑایا
ز اقبالِ فلک پیما چہ پرسی	بلند اقبالؔ تو صاحب جنوں ہے
حکیمِ نکتہ دانِ ما جنوں کرد	بھلا کیا کہنا اپنے فلسفی کا
(428)	(429)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

بالآخر اقبالؔ نے عقلِ چالاک کو چھوڑ دیا،
اور اپنے خودسر دل کو عشق سے رام کیا۔
اقبالِؔ فلک پیما کے بارے میں کیا پوچھتا ہے،
ہمارے اس نکتہ دان فلسفی نے (عقل کی نہیں، بلکہ) جنون کی باتیں کی ہیں۔ (430)

1- رؤف خیر نے رباعی نمبر 163 کا مفہوم مدنظر رکھتے ہوئے اس کا آزاد ترجمہ کیا ہے۔ ان کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔

2- منظوم اردو ترجمہ میں فارسی رباعی کی طرح چُستی بندش، موزونی الفاظ، حُسنِ ترتیب اور نغمۂ صوتی کا رنگ نظر نہیں آتا۔

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ رباعیات میں سے رباعی نمبر 41 کا ترجمہ کافی حد تک اصل متن کے مطابق ہے۔ رباعی نمبر 60 اور رباعی نمبر 163 کا منظوم اردو ترجمہ جزوی طور پر درست ہے۔ رباعی نمبر 102 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ مجموعی طور پر ان کا نصف ترجمہ درست ہے۔ شماریاتی نقطہ نظر سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کا پچاس فی صد (50%) منظوم اردو ترجمہ درست ہے۔

منت ساقی

منظوم اردو ترجمہ (مئے باقی)

از

محمد سرور رجاؔ

'منت ساقی'، 'پیامِ مشرق' کے حصہ 'مئے باقی' کی غزلیات کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ محمد سرور رجاؔ نے کیا ہے۔ پرنٹنگ پیج پر دی گئی تفصیلات کے مطابق اس کی کمپوزنگ بھی خود انہوں نے ہی کی اور یہ 2007ء کو 'اوٹی انٹر پرائز لمیٹڈ یوکے' نے شائع کیا۔ اس پر کتاب ملنے کا درج ذیل پتہ درج ہے:

M.S.RIJA
60, Rossell Drive, Stapleford,
NOTTINGHAM.
NG97EJ Tel: 0115-8545171
E.Mail:- ms.rija@ntlworld.com

یہ کتاب $\frac{23\times36}{16}$ سائز پر پرنٹ ہوئی ہے اور ایک سو باون (152) صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ نمبر 7 پر فہرست عنوانات، صفحہ نمبر 9 پر محمد شریف بقا کا خط، صفحہ نمبر 11 پر تقریظ، صفحہ نمبر 13 پر چند آراء، صفحہ نمبر 14 پر خالد یوسف کی تحریر 'مینارِ ضیا'، صفحہ نمبر 16 پر امجد مرزا امجدؔ کی تحریر 'الفاظ کی چاندنی' اور صفحہ نمبر 18 پر محمد سرور رجاؔ کا 'مئے باقی (پیامِ مشرق)' کے عنوان سے دیباچہ دیا گیا ہے۔ صفحہ نمبر 20 پر پہلی غزل (فارسی متن) اور صفحہ نمبر 21 پر اس کا منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ صفحہ نمبر 20 تا 152 پر تمام کتاب میں اسی ترتیب سے دائیں صفحہ پر فارسی متن اور بائیں صفحہ پر منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ فارسی متن اور منظوم اردو ترجمہ فونٹ سائز 20 یعنی بڑے الفاظ میں دیے گئے ہیں۔

محمد سرور رجا کے مطابق انہوں نے ترجمہ میں یہ حکمتِ عملی مدنظر رکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ترجمے میں یہ التزام ملحوظ رکھا گیا ہے کہ ترجمہ بھی اُسی بحر میں ہو جس میں فارسی غزل ہے۔ اور جہاں ممکن ہوا قوافی بھی اصل کے مطابق لائے گئے ہیں۔ اس طرح فارسی اور اردو و زبانوں میں جو حسین تطابقت ہے اسے اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔'' (431)

منتِ ساقی سے قبل محمد سرور رجاؔ کا 'لالۂ طور' (قطعات) کا منظوم اردو ترجمہ 'ہالۂ نور' کے نام سے اور 'زبورِ عجم' کے اقتباسات کا منظوم اردو ترجمہ 'نسیم ارم' کے نام سے چھپ چکے ہیں۔

محمد سرور رجا کے منظوم اردو ترجمہ کے فنی و ادبی معیار کے جائزہ کے لیے بطور نمونہ، غزلیات نمبر 24، 36 اور 43 اور ان کے منظوم اردو تراجم پیشِ خدمت ہیں۔

غزل نمبر 24

اصل متن از پیامِ مشرق

① فرقے نہ نہد عاشق در کعبہ و بتخانہ
ایں جلوتِ جانانہ ، آں خلوتِ جانانہ

② شادم کہ مزارِ من در کوے حرم بستند
راہے ز مژہ کاوم از کعبہ بہ بتخانہ

③ از بزمِ جہاں خوشتر، از حور و جناں خوشتر
یک ہمدمِ فرزانہ و ز بادہ دو پیمانہ

④ ہر کس نگہے دارد، ہر کس سخنے دارد
در بزمِ تو می خیزد افسانہ ز افسانہ

⑤ ایں کیست کہ بر دلہا آوردہ شبیخونے؟
صد شہرِ تمنا را یغما زدہ ترکانہ!

⑥ در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ

⑦ اقبالؔ بہ منبر زد رازے کہ نہ باید گفت
ناپختہ برو آمد از خلوتِ میخانہ

(432)

منظوم اردو ترجمہ از محمد سرور رجاؔ

عاشق کے لیے یکساں کعبہ ہو کہ بُت خانہ
یہ جلوتِ جانانہ ، وہ خلوتِ جانانہ

ہوں شاد مری تربت کوچۂ حرم میں ہے
رہ پلکوں سے کھودی ہے از کعبہ بہ بُتخانہ

خوشتر یہ جہاں سے ہے اور حور و جناں سے ہے
اک ہمدمِ فرزانہ و ز بادہ دو پیمانہ

مُشتاقِ نظر ہر اک گفتار بلب سارے
محفل میں تری نکلا افسانے سے افسانہ

وہ کون ہے ہر دل پر جس نے ہے کیا ہلہ
صد شہرِ تمنا پر حملہ ہوا ترکانہ

یہ دشتِ جنوں میرا جبریل کا زنداں ہے
یزداں کو تو قابو کر اے ہمتِ مردانہ

اقبالؔ نے منبر پر اک راز سنا ڈالا
ناپختہ نکل آیا از خلوتِ میخانہ

(433)

1- غزل نمبر 24 کا منظوم اردو ترجمہ فارسی غزل کی ہی بحر میں کیا گیا ہے۔

2- منظوم اردو ترجمہ کا قافیہ بھی اصل کے مطابق ہے۔

3- منظوم اردو ترجمہ میں خط کشیدہ الفاظ فارسی متن سے لیے گئے ہیں۔

4- بحر، قافیہ اور بعض الفاظ وتراکیب کے یکساں ہونے کی وجہ سے منظوم اردو ترجمہ میں اصل متن کی سی صوری ومعنوی خوبصورتی، ترنم اور آہنگ پیدا ہو گئے ہیں۔

5- یہ ترجمہ نہایت خوبصورت ہے۔ کہیں کہیں ایسا لگتا ہے کہ خود اقبالؒ بھی اگر اپنا کلام بجائے فارسی کے اردو زبان میں موزوں کرتے تو وہ بھی شاید اس قسم کے الفاظ اور تراکیب ہی استعمال کرتے۔

6- ترجمہ میں سلاست، روانی اور بے ساختہ پن ہے۔

7- منظوم اردو ترجمہ میں اصل متن کے مفہوم کی ادائیگی کا خصوصی طور پر خیال رکھا گیا ہے۔ کسی بھی شعر کا مفہوم اصل متن سے مختلف نہیں ہے۔

8- یہ منظوم اردو ترجمہ محمد سرور رجاؔ کی شعری مہارت اور خوبیٔ ترجمہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

9- محمد سرور رجاؔ نے نہایت محنت سے فارسی غزل کے صوری ومعنوی محاسن قائم رکھتے ہوئے اسے منظوم اردو رُوپ دیا ہے۔ ان کی یہ کوشش لائقِ تحسین ہے۔

غزل نمبر 36

اصل متن از پیامِ مشرق

① جہانِ عشق نہ میری نہ سروری داند
همیں بس است کہ آئینِ چاکری داند
② نہ ہر کہ طوفِ بُتے کرد و بست زنّارے
صنم پرستی و آدابِ کافری داند
③ ہزار خیبر و صد گونہ اژدر است اینجا
نہ ہر کہ نانِ جویں خورد حیدری داند
④ بچشمِ اہلِ نظر از سکندر افزون است
گداگرے کہ مآلِ سکندری داند
⑤ بعشوہ ہائے جوانانِ ماہ سیما چیست
در آ بحلقۂ پیرے کہ دلبری داند
⑥ فرنگ شیشہ گری کرد و جام و مینا ریخت
بحیرتم کہ ہمیں شیشہ را پری داند!
⑦ چہ گویمت ز مسلمانِ نامسلمانے
جز ایں کہ پورِ خلیلؑ است و آزری داند
⑧ یکے بہ غم کدۂ من گذر کن و بنگر
ستارہ سوختۂ کیمیا گری داند!
⑨ بیا بمجلسِ اقبالؔ و یک دو ساغر کش
اگرچہ سر نتراشد، قلندری داند
(434)

منظوم اردو ترجمہ از محمد سرور رجاؔ

جہانِ عشق نہ میری نہ سروری جانے
یہاں ہر ایک بس آئینِ چاکری جانے
جو باندھ بھی لے تُو زُنّار، کیا ضروری ہے
صنم پرستی و آدابِ کافری جانے
یہاں تو کتنے ہی خیبر ہیں کتنے اژدر ہیں
بلاؤ اُس کو جو اندازِ حیدری جانے
بچشمِ اہلِ نظر بڑھ کے ہے سکندر سے
فقیر جو کہ مآلِ سکندری جانے
نہیں ہے کچھ بھی جوانانِ خوش کے نخروں میں
بن ایسے پیر کا چیلا جو دلبری جانے
بنائے شیشے سے مینا و جام یورپ نے
عجب یہ ہے اسی شیشے کو وہ پری جانے
کوئی بتائے کہوں کیا میں اُس مسلماں کو
جو ہو کے پورِ براہیمؑ آذری جانے
تُو میرے غمکدے میں آ کے دیکھ لے خود ہی
ستارہ سوختہ اک کیمیا گری جانے
چلو کہ مجلسِ اقبالؔ میں پئیں ساغر
وہ سر منڈاتا نہیں پر قلندری جانے
435)

1- غزل نمبر 36 کا منظوم اردو ترجمہ فارسی غزل کی ہی بحر میں کیا گیا ہے۔
2- منظوم اردو ترجمہ کا قافیہ بھی اصل کے مطابق ہے۔
3- منظوم اردو ترجمہ میں خط کشیدہ الفاظ فارسی متن سے لیے گئے ہیں۔
4- بحر، قافیہ اور بعض الفاظ وتراکیب کے یکساں ہونے کی وجہ سے منظوم اردو ترجمہ میں اصل متن کی سی صوری ومعنوی خوبصورتی، ترنم اور آہنگ پیدا ہو گئے ہیں۔
5- یہ ترجمہ نہایت خوبصورت ہے۔ کہیں کہیں ایسا لگتا ہے کہ خود اقبالؒ بھی اگر اپنا کلام بجائے فارسی کے اردو زبان میں موزوں کرتے تو وہ بھی شاید اس قسم کے الفاظ اور تراکیب ہی استعمال کرتے۔
6- ترجمہ میں سلاست، روانی اور بے ساختہ پن ہے۔
7- منظوم اردو ترجمہ میں اصل متن کے مفہوم کی ادائیگی کا خصوصی طور پر خیال رکھا گیا ہے۔ کسی بھی شعر کا

مفہوم اصل متن سے مختلف نہیں ہے۔

8- یہ منظوم اردو ترجمہ محمد سرور رجا کی شعری مہارت اور خوبی ترجمہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

9- محمد سرور رجا نے نہایت محنت سے فارسی غزل کے صوری و معنوی محاسن قائم رکھتے ہوئے اسے منظوم اردو رُوپ دیا ہے۔ ان کی یہ کوشش لائق تحسین ہے۔

غزل نمبر 43

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از محمد سرور رجا
① اگرچہ زیبِ سرش افسر و کلاہے نیست	گو اُس کے سر پہ کوئی تاج اور کلاہ نہیں
گدائے کوے تو کمتر ز پادشاہے نیست	تری گلی کا گدا کم ز بادشاہ نہیں
② بخواب رفتہ جوانان و مُردہ دل پیراں	جواں ہیں سوئے ہوئے اور ہیں پیر مُردہ دل
نصیبِ سینۂ کس آہِ صبحگاہے نیست	کسی کے سینے میں وہ آہِ صبحگاہ نہیں
③ بایں بہانہ بدشتِ طلب ز پا منشیں	طلب کے دشت میں یہ سوچ کر نہ چھوڑ سفر
کہ در زمانۂ ما آشنائے راہے نیست	کہ تیرے ساتھ کوئی آشنائے راہ نہیں
④ ز وقتِ خویش چہ غافل نشستۂ ، دریاب	تُو اپنے وقت سے غافل ہے جا کے ڈھونڈ ابھی
زمانۂ کہ حسابش ز سال و ماہے نیست	وہ دہر جس میں حسابات سال و ماہ نہیں
⑤ دریں رباطِ کہن چشمِ عافیت داری؟	سکوں کی آس تجھے اِس رباطِ کہنہ سے!
ترا بکشمکشِ زندگی نگاہے نیست	جہادِ زیست پہ شاید تری نگاہ نہیں
⑥ گناہِ ما چہ نویسند کاتبانِ عمل	فرشتے میرے گناہوں کا حال کیا لکھیں
نصیبِ ما ز جہانِ تو جز نگاہے نیست	کہ میرا کچھ بھی نہیں گر تری نگاہ نہیں
⑦ بیا کہ دامنِ اقبال را بدست آریم	چلو کہ دامنِ اقبال تھام لیں جا کر
کہ او ز خرقہ فروشانِ خانقاہے نیست	وہ یارِ خرقہ فروشانِ خانقاہ نہیں
(436)	(437)

1- غزل نمبر 43 کا منظوم اردو ترجمہ فارسی غزل کی ہی بحر میں کیا گیا ہے۔

2- منظوم اردو ترجمہ کا قافیہ بھی اصل کے مطابق ہے۔

3- منظوم اردو ترجمہ میں خط کشیدہ الفاظ فارسی متن سے لیے گئے ہیں۔

4- بحر، قافیہ اور بعض الفاظ و تراکیب کے یکساں ہونے کی وجہ سے منظوم اردو ترجمہ میں اصل متن کی سی صوری و معنوی خوبصورتی، ترنم اور آہنگ پیدا ہو گئے ہیں۔

5- یہ ترجمہ نہایت خوبصورت ہے۔ کہیں کہیں ایسا لگتا ہے کہ خود اقبالؒ بھی اگر اپنا کلام بجائے فارسی کے اردو زبان میں موزوں کرتے تو وہ بھی شاید انہی الفاظ میں کرتے۔

6- ترجمہ میں سلاست، روانی اور بے ساختہ پن ہے۔

7- منظوم اردو ترجمہ میں اصل متن کے مفہوم کی ادائیگی کا خصوصی طور پر خیال رکھا گیا ہے۔ کسی بھی شعر کا

مفہوم اصل متن سے مختلف نہیں ہے۔

8- یہ منظوم اردو ترجمہ محمد سرور رجا کی شعری مہارت اور خوبیٔ ترجمہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

9- اس غزل کے شعر نمبر 6 کا ترجمہ خصوصی طور پر غور طلب ہے۔ یہ شعر بہت دلچسپ ہے۔ اس کے مفہوم کے سلسلہ میں مترجمین اور شارحین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں مختلف مترجمین کے تراجم اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شرح کے مطابق اس کی فنی وفکری اور علمی وادبی سطح کا تعین کرنا ضروری ہے۔

احمد جاوید نے اس شعر کا منثور اردو ترجمہ اس طرح سے دیا ہے:

''نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے ہمارا گناہ کیا لکھیں
تیری دنیا میں ہمارا نصیب ایک نظر ہی ہے''(438)

میاں عبدالرشید نے اس کا ترجمہ اس طرح سے دیا ہے:

''کراماً کاتبین ہمارا گناہ کیا لکھیں گے؟
آپ کے جہان سے ہمارے نصیب سوائے نگاہ کے اور کچھ نہیں''(439)

احمد جاوید اور میاں عبدالرشید نے وضاحت نہیں کی کہ ایک نگاہ سے کیا مراد ہے۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے ان سے ایک دو قدم آگے بڑھائے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''عمل لکھنے والے (فرشتے) ہمارے گناہ کس لیے لکھ رہے ہیں + تیرے جہان میں ہمارا نصیب تو ایک نگاہ کے سوا کچھ نہیں ہے (جس طرح ایک نگاہ کم عرصہ ہوتی ہے ہمارا قیام بھی جہان میں نہایت مختصر ہوتا ہے اس میں گناہ کی فرصت ہی کب ملتی ہے یا ہم تو صرف تیری نگاہ کے طالب رہے ہیں اور اسی طلب میں چلے جاتے ہیں یعنی ختم ہو جاتے ہیں''۔(440)

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کے نزدیک اس شعر میں نگاہے (نگاہ) سے مراد دنیا کی عارضی اور مختصر زندگی ہے۔ اس سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ کی نگاہِ رحمت بھی ہو سکتی ہے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی اس شعر کے حوالہ سے اپنی شرح میں لکھتے ہیں:

''بہت خوب شعر ہے تغزل بھی ہے، فلسفہ بھی ہے کہتے ہیں کہ اے خدا! تیرے فرشتے ہمارے نامۂ اعمال میں اگر کوئی گناہ درج نہیں کر سکتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ:۔(۱) ہم تو تیری نگاہِ ناز کے کشتہ ہیں۔ ہم نے تجھے ایک نظر دیکھنے کے بعد پھر کسی کی طرف دیکھا ہی نہیں جو گناہ کا امکان ہوتا۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم تو ایک نگاہ سے بے خود ہو گئے اور جب یہی ہوش نہ رہا تو گناہ یا ثواب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''۔(441)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے نزدیک اس شعر میں 'نگاہ' سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ کی ایسی نگاہِ رحمت ہے جو انسان کو بے خود کر دے اور اسے فرصت گناہ ہی نہ رہے۔

محمد سرور رجا نے بھی اس شعر میں 'نگاہ' سے مراد نگاہِ رحمت لی ہے۔ اگر یہ نگاہ نہ ہو تو انسان کو نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی توفیق حاصل نہ ہو۔ جس پر یہ نگاہ ہو گئی اس کا نامۂ اعمال بفضلِ الٰہی گناہوں سے خالی ہو گا۔

اس شعر کی تفہیم کے لحاظ سے جائزہ لیں تو واضح ہوتا ہے کہ محمد سرور رجا نے کلامِ اقبال کی اچھی طرح سے تفہیم کے بعد ہی اس کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔

10- محمد سرور رجا نے نہایت محنت سے فارسی غزل کے صوری و معنوی محاسن قائم رکھتے ہوئے اسے منظوم اردو رُوپ دیا ہے۔ان کی یہ کوشش لائق تحسین ہے۔

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ ان کا ترجمہ فکری وفنی اور صوری و معنوی لحاظ سے کافی زیادہ حد تک اصل متن کی ترجمانی کرتا ہے۔انہوں نے ترجمہ میں اصل کلام کے صوری و معنوی محاسن بھی برقرار رکھے ہیں۔ایک محتاط اندازے کے مطابق ان کا قریباً 80% سے زائد ترجمہ بہت حد تک اصل متن کے مطابق ہے۔زیرِ نظر تمام منظوم اردو تراجم میں سے ان کا ترجمہ زیادہ بہتر نظر آتا ہے۔

پیامِ مشرق

منظوم اردو ترجمہ معہ فارسی متن

از

سید احمد ایثاؔر

'پیامِ مشرق' کا مکمل و منظوم اردو ترجمہ از سیّد احمد ایثاؔر پانچ صد چون (554) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار 1997ء کو دی بنگلور اکیڈمی، بنگلور نے شائع کیا۔ یہ کتاب $\frac{23\times 36}{16}$ سائز کے صفحہ پر پرنٹ ہوئی ہے۔

کتاب کے ٹائٹل، سب ٹائٹل اور پرنٹنگ کے صفحہ کے بعد 'انتساب' دیا گیا ہے۔ اس کے بعد 'فہرست عنوانات' دی گئی ہے۔ فہرست عنوانات کے بعد دو (2) صفحات پر مشتمل 'اغلاط نامہ' دیا گیا ہے۔

صفحہ نمبر 11 تا صفحہ نمبر 18 پر علامہ اقبال ڈاکٹر محمد اقبال کا تحریر کردہ 'پیام مشرق' کا دیباچہ دیا گیا ہے۔ صفحہ نمبر 19 تا صفحہ نمبر 23 پر 'پیش کلام' دیا گیا ہے۔ یہ پیش کلام پروفیسر مسعود حسین خان نے تحریر کیا ہے۔ پروفیسر مسعود حسین خان شعبۂ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی اور شعبہ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے صدر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی اس تحریر میں سید احمد ایثاؔر کی ادبی خدمات، خصوصاً پیامِ مشرق کے منظوم اردو ترجمہ کا تعارف کرایا ہے۔

صفحہ نمبر 25 تا صفحہ نمبر 32 پر 'من دانم' میں، خالد عرفان صاحب نے اقبال کی شخصیت، فکر اور فن کی اہمیت بیان کی ہے اور سیّد احمد ایثاؔر کے منظوم اردو ترجمہ کے محاسن بیان کئے ہیں۔

صفحہ نمبر 33 تا صفحہ نمبر 36 پر 'حرف آغاز' میں سید احمد ایثار نے اپنے علمی و ادبی سفر کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے 1976ء میں چند مہینوں میں عمر خیام کی سات سو تہتر (773) رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ کیا۔ اس کے بعد رومؔی و سعدؔی اور حافظؔ کی رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ کیا۔ اس کام کی تکمیل کے بعد کلامِ اقبال کا منظوم اردو ترجمہ شروع کیا۔ 1982ء تک ساتوں فارسی تصانیفِ اقبال کا ترجمہ مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد مولانا رومؒ کی مثنوی کا جلد پنجم تک ترجمہ کیا۔ ان علمی و ادبی کاموں میں سید حسین، خالد عرفان، محمد اسمٰعیل اور پروفیسر مسعود حسین خان نے ان کی مدد کی۔ زیرِ نظر منظوم اردو ترجمہ پیامِ مشرق کی اشاعت میں بنگلور اکیڈمی، بنگلور نے کافی تعاون کیا۔ کرناٹک اردو اکیڈمی نے جزوی مالی تعاون کیا۔

سید احمد ایثاؔر نے ترجمہ کے ساتھ ساتھ اصل متن بھی دیا ہے۔ اس ضمن میں وہ تحریر کرتے ہیں:

> ''میں نے ترجمہ کے ساتھ ساتھ اصل متن کو بھی قارئین کی نذر کرنا اپنا فریضہ سمجھا ہے۔ تاکہ اگر ترجمہ میں کسی قسم کی خامی پائی جائے تو اصل کلام پر حرف نہ آنے پائے۔ علاوہ بریں یہ بھی مقصد رہا ہے کہ باذوق قارئین اصل کلام کی حلاوت سے بھی آشنا ہو جائیں.....''(442)

پروفیسر مسعود حسین، سید احمد ایثار کے منظوم اردو ترجمہ پیامِ مشرق کے محاسن کے بارے لکھتے ہیں:

"مجھے یہ کہنے میں ذرا باک نہیں کہ سید احمد ایثار صاحب کی سعی اس بارے میں مشکور ہوئی ہے۔ اس ترجمے کے سلسلے میں انہیں ایک سہولت اس لسانی قرب کی بھی رہی ہے جو فارسی اور اردو کے درمیان ہے۔ مشترک اوزان، مشترک استعارات و علائم، مشترک تراکیب ولفظیات۔۔۔ جن سے انہوں نے خوب خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے: فصلِ بہار، نوائے وقت (وقت کی پکار)، جوئے آب اور غزلیات نمبر۲، ۵، ۸، ۱۱، 'مئے باقی' کی غزلوں کے ترجموں میں تو انہوں نے شاعری کا حق ادا کر دیا ہے۔ ذیل کے ترجموں کو پڑھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اوریجنل ہیں۔

ہیں نغمہ ہائے دل افروز سے معانی فاش
وہ جن کے واسطے الفاظ کا لباس ہے تنگ
نگاہِ شوق سے دیکھ اس کو تا سراغ ملے
جہاں خرد کے لیے سیمیا ہے اور نیرنگ (غزل نمبر۸)

میرا سلام کہنا اُس یارِ تند خو کو
وہ جس نے پھونک ڈالا دنیائے آرزو کو
اک درد مند دل ہی جانے گا درد میرا
توبہ تو کی ہے میں نے، توڑا نہیں سبو کو (غزل نمبر۱۱)

نظمیات کے سلسلے میں ایثار صاحب کی قدرتِ شعر کا اندازہ ذیل کے اشعار سے کیا جا سکتا ہے۔ جہاں اقبال نے اپنا مقابلہ گوئٹے سے کیا ہے۔ اسے فارسی متن کے بغیر پڑھیے اور دیکھئے کس قدر شاعرانہ آمد کے حامل ہیں:

پیرِ مغرب شاعرِ المانوی
وہ قتیلِ حسن و رنگِ پہلوی
ہے جواب اس کا یہی پیغام شرق
کر رہا ہوں اس سے روشن شامِ مشرق
وہ فرنگی نوجوان مانندِ برق
میرا شعلہ عطیۂ پیرانِ شرق
وہ چمن زادہ، گلستان کا پلا
اور اک مردہ زمیں مولد مرا
فاش دونوں پر ضمیرِ کائنات
دونوں پیغامِ حیات اندر ممات
ہر دو تیغ تابدار آئینہ فام
وہ برہنہ اور میں اندر نیام

جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ ان اشعار کی (اور ایسے اشعار اس ترجمے میں کثرت

سے پائے جاتے ہیں) خوبی یہ ہے کہ یہ ترجمہ بھی ہیں اور تخلیق بھی!'' (443)

خالد عرفان نے سید احمد ایثار کے فنِ ترجمہ کے بارے میں ان الفاظ میں اپنی رائے بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''مجھے جب محترم جناب سید احمد ایثار کے ترجموں کو پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی تو میں نے محسوس کیا کہ ایثار صاحب نے بحیثیت مترجم نہ صرف اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا ہے بلکہ اس کی تکمیل میں احتیاط بھی برتی ہے، اور ادب کے محلولہ بالا تمام تقاضوں کی بحسن و کیف تکمیل بھی کی ہے۔ صرف ''پیامِ مشرق'' ہی نہیں، اس کے علاوہ بھی انہوں نے علامہ اقبال کی دیگر تصانیف، عمر خیام کی رباعیوں، مولانا روم کی مثنوی معنوی، دیوانِ شمس تبریز، حافظ اور سعدی کی رباعیوں وغیرہ کا جو ترجمہ کیا ہے ان سب میں انہوں نے اس معیار کو برقرار رکھا ہے اور فنی لوازمات کو پورے اہتمام کے ساتھ برتا ہے۔ یہ ایک مترجم کے لیے فخر کی بات بھی ہے اور اطمینان کی بھی۔

ان دیگر ترجموں سے صرفِ نظر کر کے زیرِ غور ''پیامِ مشرق'' کے منظوم ترجمہ ہی پر نگاہ ڈالی جائے جو بظاہر نگہ سے کم نہ ہو تو پتہ چلے گا کہ انہوں نے پورے ترجمہ میں خواہ وہ غزلوں کا ہو کہ نظموں کا، کہ رباعیوں کا اس بحر کو استعمال کیا ہے جس میں اصل کلام نظم کیا گیا ہے۔ اسی طرح جب فارسی کلام کے مقابل اردو ترجمہ کو پڑھا جائے گا اثر و نشاط کی ایک ایسی کیفیت طاری ہوگی جو ہر اعلیٰ ادب پارے کی خصوصیت ہوتی ہے۔'' (444)

پیشکش

دوسرا بند، شعر نمبر 20 تا شعر نمبر 25

اصل متن از پیامِ مشرق	(20)	منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثار
حق رموزِ ملک و دیں بر من کشود		حق نے سکھلائے رموز ملک و دیں
نقشِ غیر از پردۂ چشمم ربود		نقشِ غیر اب میری نظروں میں نہیں

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ملک اور دین کے رموز منکشف کیے ہیں،

اور میری آنکھ پر سے غیر اللہ کا پردہ ہٹا دیا ہے۔

پیشکش کے شعر نمبر 20 کے پہلے مصرعے کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔ دوسرے مصرعے 'نقشِ غیر از پردۂ چشمم ربود' کا مطلب ہے 'اللہ تعالیٰ نے میری آنکھ کے پردے سے غیر اللہ کا نقش مٹا دیا ہے'۔ فارسی شعر کے دوسرے مصرعے کے مفہوم کا پہلے مصرعے سے تعلق ہے۔ شعر کا مفہوم واضح ہے۔ سیّد ایثار منظوم اردو ترجمہ میں فارسی شعر کی طرح دونوں مصرعوں کے باہمی ربط سے مفہوم واضح نہیں کر سکے۔ منظوم اردو ترجمے 'نقشِ غیر اب میری نظروں میں نہیں'۔ اس ترجمہ میں اس بات کا تو ذکر ہے کہ اب میری نظروں میں نقشِ غیر نہیں ہے۔ مگر فارسی

شعر کے دوسرے مصرعے کی طرح اس بات کا ذکر نہیں کہ نظروں سے یہ نقشِ غیر اللہ تعالیٰ نے مٹایا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق (21) منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثارؔ

برگِ گل رنگیں ز مضمونِ من است — برگِ گل رنگیں مرے مضمون سے
مصرعِ من قطرۂ خونِ من است — ڈھلتے ہیں اشعار میرے خون سے

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

پُھول کی پتی میرے مضمون سے رنگین ہے،
میرے ہر شعر کا مصرع میرے خون کا قطرہ ہے۔

سید احمد ایثارؔ نے نہایت خوبصورتی سے شعر نمبر 21 کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ عین درس ہے اور اصل متن کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ ترجمہ آسان، سلیس اور رواں ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق (22) منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثارؔ

تا نہ پنداری سخن دیو انگیست — یہ نہ سمجھو ہے سخن دیوانگی
در کمالِ ایں جنوں فرز انگیست — دُھن یہ کامل ہو تو ہے فرزانگی

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

تا کہ تو یہ نہ گمان کرے کہ شاعری دیوانگی ہے،
(میں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ) اس جنون کا کمال دانائی ہے۔

شعر نمبر 22 کا منظوم اردو ترجمہ بھی درست ہے۔ سید احمد ایثارؔ نے خوبصورتی اور مہارت سے فارسی شعر کا مفہوم منظوم اردو ترجمہ کی شکل میں بیان کر دیا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق (23) منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثارؔ

از ہنر سرمایہ دارم کردہ اند — اس ہنر سے مجھ کو کر کے مایہ دار
در دیارِ ہند خوارم کردہ اند — کر دیا ہندوستاں میں خوار و زار

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

مجھے ہُنر (سخن) کا سرمایہ عطا کر کے سرزمینِ ہند میں خوار کیا گیا ہے۔

شعر نمبر 23 کے نفسِ مضمون کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس کا ترجمہ احتیاط سے کرنے کی ضرورت تھی۔ علامہ محمد اقبال نے اس شعر میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہنر سے مالا مال کیا ہے (لیکن) ہندوستان کے لوگوں (خصوصاً) مسلمانوں نے میری قدر نہیں کی۔ کسی نے میری شاعری سے استفادہ نہیں کیا۔ اس بے قدری پر مجھے ذلت محسوس ہو رہی ہے۔ زیادہ تر مترجموں نے اس شعر کا ترجمہ کرتے وقت ذاتِ باری تعالیٰ کے حقیقی مقام اور ادب و احترام کو مدنظر رکھا ہے۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے اس شعر کا یہ ترجمہ کیا ہے:

''مجھے ہنر سے مالا مال کیا ہے + (لیکن) میں ہندوستان کے شہروں میں خوار ہو رہا ہوں (میرے ہنر کی قدر کرنے والا کوئی نہیں میری شاعری سے استفادہ کرنے والا کوئی نہیں''۔(445)

میاں عبدالرشید نے بھی ادب کے تقاضے ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے، اس شعر کا ترجمہ کیا ہے:
''مجھے ہنر (سخن) کا سرمایہ عطا کر کے سرزمینِ ہند میں خوار کیا گیا ہے۔''
سید احمد ایثآر نے اس امر کا خیال نہیں رکھا اور اصل متن کے مطابق فعل مجہول کے بجائے اس شعر کا ترجمہ فعل معروف میں کر دیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے۔

اس ہنر سے مجھ کو کر کے مایہ دار
کر دیا ہندوستان میں خوار و زار

سید احمد ایثآر نے اپنے ترجمہ میں یہ مفہوم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سرمایۂ ہنر عطا کیا اور مجھے ہندوستان میں ذلیل و خوار کر دیا ہے۔ اصل متن کا حقیقی مفہوم یہ نہیں ہے۔ اس میں اہلِ ہندوستان کی ناقدر شناسی کا ذکر ہے نہ کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے قہر و غضب کا۔

اصل متن از پیامِ مشرق	(24)	منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثآر
لالہ و گل از نوایم بے نصیب		اس نوا سے لالہ و گل بے نصیب
طائرم در گلستانِ خود غریب!		بلبل اپنے ہی چمن میں جوں غریب!

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

(یہاں کے) لالہ و گل میری نوا سے بے نصیب ہیں،
میں ایسا پرندہ ہُوں جو اپنے گلستان کے اندر اجنبی ہے۔

1- شعر نمبر 24 کا ترجمہ اصل متن کے عین مطابق، درست، سلیس اور رواں ہے۔
2- انہوں نے 'نوایم' (میری نوا سے) کا ترجمہ 'اس نوا سے' کیا ہے۔ اس طرح لفظ 'طائر' کا ترجمہ 'پرندے' کے بجائے 'بلبل' کیا ہے۔ چونکہ ترجمہ نفسِ مضمون کے عین مطابق ہے اس لیے شعری ضروریات کے مطابق یہ تبدیلیاں روا ہیں۔

اصل متن از پیامِ مشرق	(25)	منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثآر
بسکہ گردوں سفلہ و دوں پرور است		سفلہ پرور ہے یہ چرخِ بدخصال
وائے بر مردے کہ صاحب جوہر است		حیف ان پر جو بھی ہوں صاحب کمال
(446)		(447)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

آسمان انہی کی پرورش کرتا ہے، جو رذیل اور کم ظرف ہوں،
(اس شخص کی قسمت پر) افسوس ہے جسے کوئی جوہر عطا کیا گیا ہو۔(448)

سید احمد ایثآر نے شعر نمبر 25 کا درست ترجمہ کیا ہے۔ پہلے مصرعے کا ترجمہ خصوصاً غور طلب ہے۔ انہوں نے 'بسکہ گردوں سفلہ و دوں پرور است' کا ترجمہ 'سفلہ پرور ہے یہ چرخِ بدخصال' کیا ہے۔ انہوں نے بہت خوبصورتی سے 'گردوں سفلہ و دوں پرور' کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔ اس طرح دوسرے مصرعے کا بھی ترجمہ درست ہے۔

رباعی نمبر 1

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثار	اصل متن از پیامِ مشرق
کہ و مہ ہیں شہید نازِ دلبر	شہیدِ ناز او بزمِ وجود است
ہے فطرت کا تقاضا عجز یکسر	نیاز اندر نہادِ ہست و بُود است
نظر آتا نہیں یہ مہرِ تاباں؟	نمی بینی کہ از مہرِ فلک تاب
ہے داغِ سجدہ سیمائے سحر پر	بسیمائے سحر داغِ سجود است
(450)	(449)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

بزمِ وجود، اللہ تعالیٰ کی شہید ناز ہے،
ہست و بود کی نہاد کے اندر نیازمندی ہے۔
کیا تُو سحر کی پیشانی پر،
مہرِ فلک تاب کی صورت میں سجدہ کا نشان نہیں دیکھتا! (حمد سے آغاز کیا ہے)(451)

1- رباعی نمبر 1 کا منظوم اردو ترجمہ کافی حد تک اصل متن کے مطابق ہے۔
2- منظوم اردو ترجمہ میں مشکل الفاظ 'کہ و مہ'، 'شہیدِ نازِ دلبر'، 'یکسر'، 'مہرِ تاباں' 'داغِ سجدہ' اور 'سیمائے سحر' کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔
3- مترجم نے ترجمہ میں اصل متن کے صوری و معنوی حُسن کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے مگر مشکل الفاظ کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔

رباعی نمبر 9

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثار	اصل متن از پیامِ مشرق
یہ بلبل نے بتایا باغباں کو	سحر می گفت بلبل باغباں را
اگاتی ہے نہالِ غم ہی یہ خاک	دریں گِل جز نہالِ غم نگیرد
پہنچ جاتے ہیں پیری تک بھی کانٹے	بہ پیری می رسد خارِ بیاباں
جوانی ہی میں ہو جاتے ہیں گل پاک	ولے گُل چوں جواں گردد بمیرد
(453)	(452)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

باغبان نے صبح کے وقت بلبل سے کہا،
اس مٹی میں سوائے غم کے پودے کے اور کچھ نہیں اُگتا۔
بیابان کا کانٹا بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے،
مگر (گلستان کا) پھول جب جوان ہوتا ہے، تو مر جاتا ہے۔(454)

1- رباعی نمبر 9 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں اور اسے درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔

2- پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں 'سحرمی گفت' (صبح کے وقت کہا) کا منظوم اردو ترجمہ نہیں کیا گیا۔
3- دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے 'ولے گُل چوں جواں گردد و بمیرد' کا مطلب ہے 'مگر (گلستان کا) پھول جب جوان ہوتا ہے، تو مرجاتا ہے'۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ کیا گیا ہے 'جوانی ہی میں ہوجاتے ہیں گل پاک'۔ منظوم ترجمہ غیر واضح ہے۔ اس کا مفہوم بھی واضح نہیں اور یہ ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

رباعی نمبر 11

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثاؔر	اصل متن از پیامِ مشرق
بشر کیا ہے؟ نوائے عشق کا سَاز	نوائے عشق را ساز است آدم
یہ ہے حلالِ راز اور آپ ہی راز	کشاید راز و خود راز است آدم
بنائے وہ جہاں اور یہ سجائے	جہاں او آفرید، ایں خوب تر ساخت
ہے شاید آدمی یزداں کا ہمساز	مگر با ایزد انباز است آدم
(456)	(455)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

نوائے عشق کے لیے آدم ساز ہے (عشق کے نغمے انسان ہی کے قلب سے پھُوٹتے ہیں)،
یہ (خالق حقیقی کا) راز وا کرتا ہے، مگر خود بھی راز ہے۔
اللہ تعالیٰ نے جہان پیدا کیا، یہ اسے خوب تر بناتا ہے،
گویا یہ خالق کا شریکِ کار ہے۔ (457)

1- رباعی نمبر 11 کا ترجمہ بھی اصل متن کے مطابق نہیں۔
2- اوزان وقوافی کی پابندی کی بجہ سے مترجم رباعی کا اصل مفہوم بیان نہیں کرسکا۔
3- پہلے شعر کے دوسرے مصرعے 'کشاید راز وخود راز است آدم' کا مطلب ہے 'یہ (خالقِ حقیقی کا) راز وا کرتا ہے، مگر خود بھی راز ہے'۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ ہے 'یہ ہے حلالِ راز اور آپ ہی راز'۔ عام قاری اس ترجمہ سے کیا مفہوم اخذ کرسکتا ہے؟ حلالِ راز سے کیا مراد ہے؟ اس طرح آخری مصرعے کے مفہوم سے آگاہ ہونے کے لیے لفظ 'ہمساز' کے مفہوم سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔
4- اس طرح کے منظوم اردو ترجمے کا کیا فائدہ کہ جسے کوئی سمجھ ہی نہ پائے یا جسے سمجھنے کے لیے کسی لغت کا سہارا لینا پڑے، تاویل کرنا پڑے، قیاس کرنا پڑے یا کسی استاد سے رہنمائی حاصل کرنا پڑے۔

رباعی نمبر 15

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثاؔر	اصل متن از پیامِ مشرق
خدا نے خاک کا پیکر بنایا	ز آب و گِل خدا خوش پیکرے ساخت
جہاں جنت سے زیبا تر بنایا	جہانے از ارم زیبا ترے ساخت
مگر ساقی نے آب آتشیں سے	وِلے ساقی بآں آتش کہ دارد
مرا عالم ہی کچھ دیگر بنایا	ز خاکِ من جہانِ دیگرے ساخت
(459)	(458)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

اللہ تعالیٰ نے پانی اور مٹی سے یہ خوبصورت کائنات تخلیق کی،
ایسا جہاں، جو بہشت سے زیادہ خوبصورت ہے۔
مگر ساقیؐ (جناب رسول اللہ ﷺ) نے اپنی آتشِ (عشق) سے،
میری خاک سے ایک نیا جہان پیدا کر دیا۔(460)

-1 سید احمد ایثارؔ نے پہلے شعر کے مصرعے میں استعمال ہونے والے الفاظ 'خوش پیکرے' کا ادھورا ترجمہ کیا ہے۔ پہلے مصرعے کا مفہوم ہے 'اللہ تعالیٰ نے پانی اور مٹی سے یہ خوبصورت کائنات تخلیق کی، اس کا منظوم ترجمہ ہے 'خدا نے خاک کا پیکر بنایا'۔ منظوم ترجمہ میں الفاظ 'آب' (پانی) اور 'خوش' (خوبصورت) کا ترجمہ نہیں دیا۔

-2 رباعی نمبر 15 کے دوسرے مصرعے کا ترجمہ بھی واضح نہیں ہے۔ دوسرے مصرعے 'ز خاکِ من جہانِ دیگرے ساخت' کا مطلب ہے 'میری خاک سے ایک نیا جہان پیدا کر دیا'۔ سید احمد ایثارؔ نے 'ز خاکِ من' 'میری خاک سے' کا ترجمہ نہیں کیا۔ انہوں نے صرف 'جہانِ دیگرے ساخت' کا ترجمہ کیا ہے۔ انہوں نے ترجمہ کیا ہے 'مرا عالم ہی کچھ دیگر بنایا'۔

-3 مجموعی طور پر اس رباعی کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

رباعی نمبر 25

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثارؔ
سحر در شاخسارِ بوستانے	سحر کو شاخسارِ بوستاں سے
چہ خوش می گفت مرغِ نغمہ خوانے	کہا کیا خوب مرغِ خوشنوا نے
برآور ہرچہ اندر سینہ داری	زباں پر لا جو کچھ مخفی ہے دل میں
سرودے ، نالۂ ، آہے ، فغانے	فغاں ہو نغمہ ہو کوئی کہ نالے
(461)	(462)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

صبح کے وقت چمن کی شاخ پر،
مرغِ نغمہ خواں نے کیا اچھی بات کہی۔
جو کچھ تیرے سینے کے اندر ہے باہر نکال،
وہ راگ ہو، نالہ و فریاد یا آہ و فغاں(463)

-1 مجموعی طور پر رباعی نمبر 25 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

-2 سید احمد ایثارؔ نے نہایت خوبصورتی سے فارسی رباعی کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ صوری و معنوی لحاظ سے اصل کے قریب تر ہے۔

رباعی نمبر 38

اصل متن از پیامِ مشرق

چہ می پرسی میانِ سینہ دل چیست؟
خرد چوں سوز پیدا کرد دل شد
دل از ذوقِ تپش دل بود لیکن
چو یک دم از تپش افتاد گِل شد
(464)

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثاؔر

حقیقت دل کی مجھ سے پوچھتے ہو!
خرد میں سوز بھر جائے تو ہے دل
ہے دل ذوق تپش ہی کے سبب دل
تپش دم بھی کھو دے تو وہ ہے گِل
(465)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

کیا پوچھتا ہے کہ سینے کے اندر دل کیا ہے،
جب خرد نے سوز پیدا کیا تو وہ دل بن گئی۔
دِل سوزِ عشق کی بدولت دِل تھا، لیکن،
جب ذرا اس سے خالی ہُوا تو مٹی ہو گیا۔(466)

1- مجموعی طور پر رباعی نمبر 38 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔
2- مترجم نے شعری ترنم اور صوری و معنوی حسن برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس کوشش میں وہ کافی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔
3- منثور اردو ترجمہ کے مطابق، منظوم اردو ترجمہ درست ہے اور اس کا مفہوم واضح ہے۔

رباعی نمبر 68

اصل متن از پیامِ مشرق

جہانِ ما کہ پایانے ندارد
چو ماہی در یمِ ایّام غرق است
یکے بر دل نظر وا کن کہ بینی
یمِ ایّام در یک جام غرق است
(467)

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثاؔر

یہ بحرو بر بڑے وسعت میں اتنے!
ہیں جوں ماہی یم ایام میں غرق
ذرا دیکھ اپنے دل کو خود کہ دیکھے
یمِ ایام ہے اک جام میں غرق
(468)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

ہماری دُنیا جس کا کوئی کنارہ نہیں،
زمانے کے سمندر میں مچھلی کی طرح غرق ہے
لیکن ذرا اپنے دل پر نظر ڈال،
زمانے کا سمندر اس ایک جام میں سمایا ہوا ہے۔(469)

1- رباعی نمبر 68 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔
2- مترجم نے منظوم اردو ترجمہ میں فارسی کے الفاظ 'ماہی'، 'یم ایام'، 'جام' اور 'غرق' استعمال کر کے منظوم اردو

ترجمہ میں لفظی اور صوری و معنوی حُسن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ کافی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

رباعی نمبر 86

اصل متن از پیامِ مشرق

چہ گویم نکتۂ زشت و نکو چیست
زباں لرزد کہ معنی پیچدار است
بروں از شاخ بینی خار و گل را
درونِ او نہ گل پیدا نہ خار است
(470)

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثارؔ

ہیں خوب و زشت کیا کیوں کر بتاؤں
زباں قاصر ہے اور معنی گرہ دار
درونِ شاخ ایک خار و گل سب
برونِ شاخ ہے فرقِ گل و خار
(471)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

میں کیا کہوں کہ نیکی اور بدی کیا ہے،
زبان لرزتی ہے کیونکہ معنی پیچدار ہیں۔
شاخ کے باہر کانٹے بھی نظر آتے ہیں اور پُھول بھی،
مگر شاخ کے اندر نہ پھول ہے، نہ کانٹا۔(472)

1- رباعی نمبر 86 کے پہلے شعر کا منظوم اردو ترجمہ عین درست ہے۔

2- دوسرے شعر کا منظوم اردو ترجمہ واضح نہیں ہے۔ سید احمد ایثار نے دوسرے مصرعے کا ترجمہ پہلے کیا ہے اور پہلے مصرعے کا ترجمہ بعد میں۔ پہلے مصرعے 'بروں از شاخ بینی خار و گل را' کا مطلب ہے 'شاخ کے باہر کانٹے بھی نظر آتے ہیں اور پھول بھی'۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ عین درست ہے۔

رباعی نمبر 103

اصل متن از پیامِ مشرق

تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش
براہِ دیگراں رفتن عذاب است
گر از دستِ تو کارِ نادر آید
گناہے ہم اگر باشد ثواب است
(473)

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثارؔ

تراش اپنے لیے خود راہ اپنی
اٹھائے دکھ رہِ اغیار چلتے
اچھوتا کام اگر بن آئے تجھ سے
گنہ ہو بھی تو ہے قابل جزا کے
(474)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

اپنا راستہ اپنے تیشے سے خود بنا،
دُوسروں کے بنائے ہوئے راستے پر چلنا عذاب ہے۔
اگر تیرے ہاتھ سے کوئی نادر کام ہو جائے،
اگر وہ گناہ ہے تو بھی تجھے اس کا ثواب مل جائے گا۔(475)

1- پہلے مصرعے 'تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش' کا منظوم اردو ترجمہ ہے 'تراش اپنے لیے خود راہ اپنی'۔ اس میں 'از تیشۂ خود' یعنی اپنے تیشے سے' کا ترجمہ شامل نہیں ہے۔ اس طرح دوسرے مصرعے 'براہِ دیگراں، رفتن عذاب است' کا مطلب ہے 'دوسروں کے بنائے ہوئے راستے پر چلنا عذاب ہے'۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ ہے 'اٹھائے دکھ رہِ اغیار چلتے'۔ منظوم اردو ترجمہ کا مطلب ہے 'ہم نے اغیار کے راستے پر چلتے ہوئے دکھ اٹھائے'۔ اصل متن اور منظوم اردو ترجمہ کے مفہوم میں واضح فرق ہے۔

2- دوسرے شعر کا مفہوم اصل متن کے مطابق ہے۔ یہ ترجمہ سلیس، آسان اور رواں ہے۔

رباعی نمبر 148

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثار	اصل متن از پیامِ مشرق
سمجھتا ہے تو اس دنیا کو فانی	مگو کارِ جہاں نااستوار است
ہے ایک اک آن اس کی جاودانی	ہر آنِ ما ابد را پردہ دار است
نہ کھونا مفت میں امروز اپنا	بگیر امروز را محکم کہ فردا
کہ فردا ہے ابھی راز نہانی	ہنوز اندر ضمیرِ روزگار است
(477)	(476)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

یہ نہ کہہ کہ دنیا کے کام میں پائیداری نہیں،
ہمارے ہر لمحے کے اندر ابد پوشیدہ ہے۔
آج پر اپنی گرفت محکم رکھ،
کیونکہ کل ابھی زمانے کے ضمیر میں مستور ہے (کل آج پر منحصر ہے) (478)

1- سید احمد ایثار نے رباعی نمبر 148 کا آزاد ترجمہ کیا ہے۔ انہوں نے اس رباعی کا مفہوم اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے جو کہ درست اور قابلِ فہم ہے۔

2- اگر وہ منظوم اردو ترجمہ کے ساتھ اس کے مشکل الفاظ 'امروز'، 'فردا'، 'جاودانی' اور 'نہانی' کے معانی تحریر کر دیتے تو عام قاری اس کا مفہوم آسانی سے سمجھ لیتا۔

رباعی نمبر 158

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثار	اصل متن از پیامِ مشرق
رگِ مسلم میں پیدا سوز میرا	رگِ مسلم ز سوزِ من تپید است
مرا اشک اس کی آنکھوں سے بھی ٹپکا	ز چشمش اشکِ بیتابم چکید است
مری جاں کی تڑپ پھر بھی نہ جانی	ہنوز از محشرِ جانم نداند
کہ میری آنکھ سے دنیا نہ دیکھا	جہاں را با نگاہِ من ندید است
(480)	(479)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

میرے سوز سے مُسلمان کی رگوں میں خون تڑپ رہا ہے،
اس کی آنکھ سے میرے بیتاب آنسو ٹپک رہے ہیں۔
لیکن ابھی تک وہ اس محشر کو نہیں سمجھا جو میری جان میں برپا ہے،
ابھی تک اس نے جہان کو میری نگاہ سے نہیں دیکھا۔(481)

1- رباعی نمبر 158 کا ترجمہ اصل متن کے قریب تر ہے۔

2- شعری بندش کی وجہ سے وہ منظوم اردو ترجمہ میں اصل رباعی کی خوبصورتی قائم نہ رکھ سکے۔ پہلے شعر میں لفظ 'بھی' کے اضافے سے شعر کا وزن تو قائم ہو گیا مگر مفہوم کے لحاظ سے یہ لفظ اضافی معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح دوسرے شعر میں 'دنیا نہ دیکھی' کی جگہ پر 'دنیا نہ دیکھا' لکھا ہُوا ہے۔ بہتر تو یہی تھا کہ سید احمد ایثار کسی اور بحر میں اس رباعی کا ترجمہ کرتے اور اس میں یہ کمزوری نہ پیدا ہونے دیتے۔

رباعی نمبر 159

اصل متن از پیامِ مشرق

بحرف اندر نگیری لامکاں را
درونِ خود نگر، ایں نکتہ پیداست
بہ تن جاں آنچناں دارد نشیمن
کہ نتواں گفت اینجا نیست آنجاست
(482)

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثارؔ

ہو باتوں میں بیاں کیوں لامکاں کا
یہ نکتہ دیکھ ہے خود تن میں پیدا
ہے یوں جاں تن میں کہہ سکتے نہیں ہم
ہے ناپید اس جگہ ، موجود اُس جا
(483)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

لامکاں کو الفاظ میں محدود نہیں کیا جا سکتا،
اگر تو اپنے اندر دیکھے تو بات واضح ہو جاتی ہے۔
ہمارے بدن کے اندر جان نے اس طرح نشیمن بنایا ہُوا ہے،
کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جان اس جگہ ہے اور اُس جگہ نہیں۔(484)

1- رباعی نمبر 159 کے دوسرے مصرعے کا ترجمہ واضح نہیں ہے۔ دوسرے مصرعے 'درونِ خود نگر' ایں نکتہ پیداست' کا مفہوم یہ ہے کہ 'اپنے اندر غور کر یہ رمز کی بات وہاں موجود ہے'۔ مراد یہ ہے کہ 'لامکاں' کی حقیقت جاننے کے لیے اپنے فن میں ڈوب کر خود شناسی حاصل کر۔ لامکاں کیا ہے؟ اس کا جواب تجھے تیرے اندر سے ملے گا۔ یہ راز تمہاری ذات میں پوشیدہ ہے۔ سید احمد ایثارؔ نے اس کا منظوم اردو ترجمہ یہ کیا ہے:

ہو باتوں میں بیاں کیوں لامکاں کا
یہ نکتہ دیکھ ہے خود تن میں پیدا

فارسی متن میں 'درونِ خود نگر' 'اپنے اندر دیکھ' کی تلقین کی گئی ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں من کے بجائے 'تن'

کا ذکر ہوا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ 'من' بھی 'تن' میں ہی موجود ہے۔ مگر عرفانِ ذات کے لیے غور و فکر اور توجہ کا مرکز من ہے نہ کہ تن۔ مزید یہ کہ منظوم اردو ترجمہ میں تاکید کا وہ انداز نظر نہیں آتا جو کہ فارسی رباعی میں موجود ہے۔

نتائج و بحث

رباعیات نمبر 1، 9، 11، 15، 25، 38، 68، 86، 103، 148، 158 اور 159 کے فارسی متون اور منظوم و منثور اردو تراجم کے تقابلی جائزہ سے واضح ہوا ہے کہ

1- رباعیات نمبر 1، 25، 38، 68 اور 148 کا منظوم اردو ترجمہ، صوری و معنوی لحاظ سے درست ہے۔ رباعی نمبر 1 کا منظوم اردو ترجمہ دیگر رباعیات کے تراجم کے لحاظ سے قدرے مشکل ہے۔

2- رباعیات نمبر 86، 103 اور 158 کا منظوم اردو ترجمہ قدرے درست ہے مگر بالکل درست نہیں۔

3- رباعیات نمبر 9، 11، 15 اور 159 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن سے کافی مختلف ہے اور درست نہیں ہے۔

مندرجہ بالا تجزیہ اور اعداد و شمار کے مطابق سید احمد ایثار کا لالۂ طور کا قریباً بیالیس فی صد (42%) ترجمہ درست ہے۔ پچیس فی صد (25%) ترجمہ قدرے درست ہے، مگر بالکل درست نہیں۔ تینتیس فی صد (33%) ترجمہ متن کے مطابق نہیں ہے۔

جمہوریت

اصل متن از پیامِ مشرق

متاعِ معنیٔ بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی؟
ز موراں شوخیِ طبعِ سلیمانے نمی آید
گریز از طرزِ جمہوری، غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید
(485)

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثار

کمینوں سے طلب کرتا ہے کیوں دولت معانی کی؟
نہ ڈھونڈ اب چیونٹیوں میں شوخ طبعی کو سلیمان کی
مٹا یہ طرزِ جمہوری غلام مردِ کامل بن
کہ دو سو خر بھی لا سکتے نہیں فکر ایک انسان کی
(486)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

تو پست فطرت لوگوں (اہلِ مغرب) سے ایسی متاع طلب کرتا ہے، جس کے معنی (اصلیت) ہمارے لیے اجنبی ہیں۔
(تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ) چیونٹیوں کے اندر طبع سلیمان کی شوخی پیدا نہیں ہو سکتی۔
طرز جمہوری سے گریز کر، کسی مردِ پختہ کار کا دامن پکڑ،
کیونکہ دو سو گدھے مل کر بھی ایک انسان کی طرح نہیں سوچ سکتے۔(487)

1- فارسی متن اور منثور اردو ترجمہ کے مطابق دونوں اشعار کا ترجمہ درست اور متن کے مطابق ہے۔

2- ترجمہ میں آسان الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس لیے ترجمہ قابلِ فہم ہے۔

3- اگرچہ ترجمہ متن کے مطابق اور درست ہے مگر اصل متن کی طرح منظوم اردو ترجمہ کو سمجھنے کے لیے بھی مزید وضاحت کی ضرورت ہے۔ اس نظم کا نفسِ مضمون ایسا ہے کہ محض لفظی ترجمہ سے مفہوم واضح نہیں

ہوسکتا۔ میاں عبدالرشید کے منثور اردو ترجمہ سے مفہوم کچھ واضح ہوتا ہے، تاہم پھر بھی تشنگی محسوس ہوتی ہے کہ ایسی متاع جس کے معنی ہمارے لیے اجنبی ہیں سے کیا مراد ہے؟ سلیمانؑ کی شوخی طبع سے کیا مراد ہے؟ اس لحاظ سے دیکھیں تو ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کا منثور اردو ترجمہ زیادہ واضح اور قابلِ فہم ہے۔ ان کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔

''تو دوسروں کے حقوق یا مقاصد کو پورا کرنے کی دولت کمینہ فطرت لوگوں سے طلب کرتا ہے + (یاد رکھ ہزاروں لاکھوں) چیونٹیوں سے ایک سلیمان بادشاہ کی طبع کی شوخی نہیں آتی۔ (وہ تجھ سے ووٹ حاصل کر کے حکمران ہو جائیں گے اور اپنی فطرت کی کمینگی سے تجھے ہر طرح کا نقصان پہنچائیں گے تا کہ ان کی بادشاہت قائم رہ جائے چاہے تمہارا کچھ نہ رہے)۔

مغربی طرز کی جو جمہوریت تجھے ملی ہے اس سے دور بھاگ (اور اپنے منتخب کردہ بیسیوں سینکڑوں حکمرانوں سے قطع نظر) ایک تجربہ کار اور سمجھ دار مرد کی غلامی اختیار کرلے + (کیونکہ) دوسو گدھوں کے دماغ سے ایک انسان کی فکر پیدا نہیں ہوسکتی۔ (یہ دوسو گدھوں کا دماغ رکھنے والے تیرے حقوق کی نگہداشت نہیں کر سکیں گے ہاں کسی ایک صاحب الرائے کو اپنا آقا تسلیم کرلے وہ تیرے غم کو اپنا غم بنالے گا)۔'' (488)

عشق

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثار	اصل متن از پیامِ مشرق
اک حرفِ دلفروز جو فاش اور نہاں بھی ہے	آں حرفِ دل فروز کہ راز است و راز نیست
کہتا ہوں صاف کس نے سنا اور کہاں سنا	من فاش گویمت کہ شنید؟ از کجا شنید؟
اس کو اڑایا چرخ نے، گل کو بتائی اوس	وزدید ز آسماں و بہ گل گفت شبنمش
بلبل نے گل سے سن کے صبا کو بتا دیا	بلبل ز گل شنید و ز بلبل صبا شنید
(490)	(489)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

وہ حرفِ دلفروز (عشق) جو راز ہے بھی اور نہیں بھی،
میں تمہیں کھول کر بتاتا ہوں کہ اسے کس نے سُنا اور کہاں سے سُنا۔
شبنم نے اس حرف کو آسمان سے چرایا اور پھول کو بتایا،
پھول سے بلبل نے سُنا اور بلبل سے صبا نے۔ (پھر صبا نے اسے عام کر دیا) (491)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم

وہ دل کو روشن کرنے والا حرف یعنی عشق جو راز بھی ہے اور راز نہیں بھی یعنی جو اپنی اصل کے لحاظ سے پوشیدہ اور اپنے عمل کے لحاظ سے ظاہر ہے + میں تمہیں صاف کہتا یعنی بتاتا ہوں کہ

اس لفظ کو کس نے سنا اور کہاں سے سنا۔

(بات یہ ہے کہ) شبنم نے اسے آسمان سے (یعنی آسمان والوں سے یا ملائکہ سے) چوری چھپے سنا اور وہاں سے زمین پر آ کر اس نے گلاب کے پھول کو بتا دیا+ گلاب کے پھول سے بلبل نے سنا اور بلبل سے صبا نے سنا (اور اس طرح اس نے اسے سارے گلستان میں پھیلا دیا) شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ عشق اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ ہے جس سے وہ اپنے خاصان کو نوازتا ہے۔(492)

-1 پہلے شعر کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔ سید احمد ایثآر نے اصل متن کی طرح دوسرے مصرعے میں استفہامیہ علامت استعمال نہیں کی ہے۔

-2 دوسرے شعر کا ترجمہ متن کے مطابق نہیں ہے۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں بیان ہُوا ہے کہ شبنم نے حرفِ دلفروز (عشق کا راز) آسمان سے چرایا اور گل (پھول) کو بتا دیا۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ کیا گیا ہے 'اس کو اڑایا چرخ نے، گل کو بتائی اوس'۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس (رازِ عشق) کو آسمان نے چوری کیا، پھول کو شبنم نے بتایا۔ یہ ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ اصل متن میں بیان ہُوا ہے کہ رازِ عشق، آسمان سے شبنم نے چُرایا۔ منظوم اردو ترجمہ میں بیان ہُوا ہے کہ آسمان نے آسمان سے رازِ عشق چوری کیا۔ اس طرح فارسی شعر میں بیان ہوا ہے کہ شبنم نے یہ راز پھول کو بتا دیا۔ سید احمد ایثآر نے اس کا ترجمہ کیا ہے 'گل کو بتائی اوس'۔ اس سے کیا مفہوم اخذ ہوسکتا ہے؟ درست ترجمہ ہونا چاہیے تھا 'گل کو بتایا اوس نے'۔

دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے کا منظوم اردو ترجمہ درست ہے، مگر پہلے مصرعے کا ترجمہ غلط ہونے کی وجہ سے تمام شعر کا ترجمہ غلط ہو گیا اور منظوم اردو ترجمہ صحیح مفہوم ادا نہیں کر سکا۔

-3 اصل متن کا مفہوم واضح کرنا، الگ رہا، منظوم اردو ترجمہ اگر اصل متن کا صحیح مفہوم ہی ادا کر دے تو بڑی بات ہے۔ فارسی کلام کے منظوم اردو ترجمہ کو سمجھنے کے لیے اصل کلام کے اچھے اور واضح منثور اردو ترجمہ کی ضرورت ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں ممکن حد تک آسان الفاظ استعمال ہونے چاہئیں۔ اگر اس میں کوئی مشکل الفاظ ہوں تو ان کے معانی بھی دیے جانے چاہئیں۔ اگر منظوم اردو ترجمہ کے ساتھ فارسی متن دیا گیا ہو تو اصل متن کی مدد سے منظوم اردو ترجمہ کو اور منظوم اردو ترجمہ کی مدد سے اصل متن کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ سید احمد ایثآر نے اپنے منظوم اردو ترجمہ میں فارسی متن دیا ہے۔ انہوں نے تمام منظوم اردو ترجمہ کے صرف چند ایک مشکل الفاظ کے ہی معانی دیے ہیں۔ منظوم اردو ترجمہ کے ساتھ دیا گیا منثور اردو ترجمہ بھی واضح ہونا چاہیے۔ ہر ایک مقام پر صرف لفظی ترجمہ سے کام نہیں چل سکتا۔ بطور مثال اس نظم کا میاں عبدالرشید کا منثور ترجمہ دیکھیں تو یہ ترجمہ اس قدر واضح نہیں ہے جس قدر ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کا ترجمہ واضح ہے۔ تقابل و جائزہ کے لیے فارسی متن اور منظوم اردو ترجمہ کے ساتھ دونوں حضرات کے منثور تراجم بھی دے دیے گئے ہیں۔

غزل نمبر 34

اصل متن از پیامِ مشرق ❶ منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثارؔ

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثارؔ
تب و تابِ بتکدۂ عجم نرسد بسوز و گدازِ من	نہ پہنچ سکے گا عجم کا بتکدہ میرے سوز وگداز کو
کہ بیک نگاہ محمدِ ﷺ عربی گرفت حجازِ من	لیا اک نگہ سے محمدِ ﷺ عربی نے میرے حجاز کو

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

بتکدۂ (افکار) عجم کی چمک دمک میرے سوز وگداز کو نہیں پہنچ سکتی،
حضورِ اکرمؐ نے ایک نگاہ سے میرے (دل کے) حجاز کو فتح کرلیا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❷ منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثارؔ

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثارؔ
چہ کنم کہ عقلِ بہانہ جو گر ہے بروے گرہ زند	مری عقلِ حیلہ طراز سے ہیں ہزار مشکلیں راہ میں
نظرے ! کہ گردشِ چشمِ تو شکند طلسمِ مجازِ من	تری ایک گردشِ چشم بس ہمیں دفع سحر مجاز کو

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

میں کیا کروں؟ میری بہانہ ساز عقل الجھنوں پر الجھنیں بڑھا رہی ہے،
حضورؐ! مجھ پر نظر (کرم) فرمائیں کہ آپؐ کی نگاہ سے میرے مجاز کا طلسم ٹوٹ جائے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❸ منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثارؔ

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثارؔ
نرسد فسوں گریٔ خرد بہ تپیدنِ دلِ زندۂ	دلِ زندہ کی یہ تڑپ کہاں! وہ کہاں خرد کی فسوں گری
زکنشتِ فلسفیاں در آ بحریمِ سوز و گداز من	تو کنشتِ فلسفیاں سے آ مرے بیتِ سوز وگداز میں
(493)	(494)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

خرد کی جادوگری، دلِ زندہ کی تڑپ کو نہیں پہنچتی،
فلسفیوں کے کُنشت (یہودیوں کا معبد) سے میرے سوز وساز کے حرم میں آ جا۔(495)

-1 مجموعی طور پر غزل نمبر 34 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کی نمائندگی نہیں کرتا۔ ترجمہ سلیس، رواں اور مکمل طور پر قابلِ فہم نہیں ہے۔

-2 پہلے شعر کے پہلے مصرعے کا منظوم اردو ترجمہ تو درست ہے، دوسرے مصرعے کا ترجمہ درست نہیں ہے۔ دوسرے مصرعے 'کہ بیک نگاہ محمدِ عربی گرفت حجازِ من' کا مطلب ہے 'حضورِ اکرمؐ نے ایک نگاہ سے میرے (دل کے) حجاز کو فتح کرلیا ہے۔' اس کا منظوم اردو ترجمہ ہے 'لیا اک نگہ سے محمدِ عربی نے میرے حجاز کو' اگر منظوم اردو ترجمہ کے شروع میں لفظ 'لیا' کی جگہ پر لفظ 'فتح کیا' آ جاتا تو مفہوم واضح ہو جاتا۔ شعری وزن کی بندش کی وجہ سے مترجم ایسا نہ کرسکا جس سے حقِ ترجمہ ادا نہ ہوسکا۔

-3 دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے 'نظرے! کہ گردشِ چشم تو شکند طلسمِ مجازِ من' کا لفظی ترجمہ ہے 'حضورؐ مجھ پر نظر (کرم) فرمائیں کہ آپؐ کی نگاہ سے میرے مجاز کا طلسم ٹوٹ جائے'۔ مراد یہ ہے کہ آپؐ نگاہِ کرم سے مجھے فکری الجھنوں سے نجات دے دیں اور مجھے حقیقت آشنا کردیں۔ سید احمد ایثارؔ نے اس مصرعے

کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے 'تری ایک گردش چشم بس ہمیں دفع سحر مجاز کو'۔ یہ ترجمہ درست نہیں ہے۔ اس کا مفہوم واضح نہیں ہے۔

4- تیسرے شعر کے پہلے مصرعے، اس کے منثور اردو ترجمہ اور منظوم اردو ترجمہ کے تقابل و جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ منظوم اردو ترجمہ اصل متن کی نمائندگی نہیں کرتا۔

مجموعی طور پر غزل نمبر 34 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

نظم: جمعیت الاقوام

اصل متن از پیامِ مشرق

برفتد تا روشِ بزم دریں بزمِ کہن
دردمندانِ جہاں طرحِ نَو انداختہ اند
من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
بہرِ تقسیمِ قبور انجمنے ساختہ اند
(496)

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثار

تاکہ ہو بیخ کنی جنگ کی اس دنیا سے
درد مندوں نے بنایا ہے نیا ایک دستور
میں بس اتنا ہی سمجھتا ہوں کفن چوروں نے
انجمن ایک بنا لی پیئے تقسیمِ قبور
(497)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

(کہا جاتا ہے کہ) دنیا کے بہی خواہوں نے نئی روش کی بنیاد رکھی ہے،
تاکہ اس بزمِ کہن (دنیا) سے جنگ کا چلن ختم ہو۔
مگر میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ چند کفن چوروں نے،
آپس میں قبریں بانٹنے کے لیے ایک انجمن بنائی ہے۔(498)

1- مجموعی طور پر نظم 'جمعیت اقوام' کا ترجمہ آسان، سلیس اور عام فہم ہے۔

2- یہ منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

3- ترجمہ میں دو مشکل الفاظ 'بیخ کنی' اور 'پیئے' استعمال ہوئے ہیں۔ اگر حاشیہ میں ان الفاظ کے معانی دے دیے جاتے تو مفہوم مزید واضح ہو جاتا۔

فلسفہ و سیاست

اصل متن از پیامِ مشرق

فلسفی را با سیاست داں بیک میزاں مسنج
چشمِ آں خورشید کورے، دیدۂ ایں بے نمے
آں تراشد قولِ حق را حجتِ نااستوار
ویں تراشد قولِ باطل را دلیلِ محکمے!
(499)

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثار

اہلِ حکمت و سیاست کا نہ ہو گا ایک تول
آنکھ کور اُس کی، نہیں ہے اُس کی آنکھوں میں نمی
وہ تراشے قولِ حق کے واسطے حجت ضعیف
اور یہ لائے دلیلیں قول باطل پر قوی
(500)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

فلسفی کو سیاستدان کے ساتھ ایک ترازو میں نہ رکھ،

فلسفی کی آنکھ خورشید دیکھنے سے اندھی ہے، سیاستدان کی آنکھ میں نمی نہیں۔
فلسفی سچی بات کے لیے ناپختہ دلیل تراشتا ہے،
جبکہ سیاستدان قولِ باطل کے لیے پکی دلیل گھڑتا ہے۔ (501)

1- 'فلسفہ و سیاست' کے دونوں اشعار کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔
2- ترجمے کا مفہوم واضح ہے اور اس میں آسان الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

خُردہ نمبر 4 تا 6

اصل متن از پیامِ مشرق ❹ **منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثار**

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثار	اصل متن از پیامِ مشرق
بتوں کو رکھ کے بغل میں کیا طواف حرم	منم کہ طوفِ حرم کردہ ام بتے بہ کنار
لگائے نعرۂ ھُو، میں نے جا کے پیشِ صنم	منم کہ پیشِ بتاں نعرہ ہائے ہُو زدہ ام
ہے جستجو کا تقاضا ابھی تلک دل میں	دلم ہنوز تقاضاے جستجو دارد
تو راہِ بال سے باریک تر ہے زیرِ قدم	قدم بہ جادۂ باریک تر ز مُو زدہ ام

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

میں وہ ہوں جس نے بغل میں بُت لیے حرم کا طواف کیا،
میں وہ ہوں جس نے بتوں کے سامنے نعرۂ ہُو بلند کیا۔
میرا دل ابھی تک جستجو کا تقاضا کر رہا ہے،
(یہی وجہ ہے کہ) میں نے بال سے باریک تر راستے پر قدم رکھا ہے۔

1- خردہ نمبر 4 کے پہلے شعر کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔ ترجمہ آسان اور عام فہم ہے۔
2- دوسرے شعر کا ترجمہ درست نہیں ہے۔ اگر دوسرے مصرعے میں 'راہِ بال' کی جگہ پر لفظ راہ کے نیچے دی گئی زیر ہٹا کر اس لفظ کے بعد، دے دیا جائے اور 'راہِ بال' کے بجائے 'راہ، بال' لکھا جائے تو مفہوم متن کے قریب تر ہو جاتا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❺ **منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثار**

منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثار	اصل متن از پیامِ مشرق
گل بولا بہارِ نو کی عشرت ہے بھلی	گل گفت کہ عیشِ نو بہارے خوشتر
اک صبحِ چمن بھلی ہے کل عمر سے بھی	یک صبحِ چمن ز روزگارے خوشتر
قبل اس سے کہ کر لے کوئی زیبِ دستار	زاں پیش کہ کس ترا بدستار زند
جھڑ کر تہِ شاخ باغ میں موت اچھی	مُردن بکنارِ شاخسارے خوشتر

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

پُھول نے کہا کہ نو بہار کا عیش کیا خوب ہے!
چمن کی ایک صبح ساری دُنیا سے بہتر ہے۔
پیشتر اس کے کہ کوئی تجھے اپنی دستار میں آویزاں کر لے،
شاخسار پر مر جانا ہی بہتر ہے۔

-1 خردہ نمبر 5 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔ ترجمہ آسان اور عام فہم ہے۔
-2 دوسرے شعر کی نسبت پہلے شعر کا ترجمہ زیادہ خوبصورت، سلیس اور رواں ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❻ منظوم اردو ترجمہ از سید احمد ایثار

سخنگو طفلک و برنا و پیراست	سبھی پیر و جواں بچے سخن گو
سخن را سالے و ماہے نباشد	سخن کو قیدِ ماہ و سال کب ہے؟
(502)	(503)

منثور اردو ترجمہ از میاں عبدالرشید

بچہ، جوان اور بوڑھا سب بات کرتے ہیں،
سخن کے لیے مہ و سال (عمر) کی کوئی قید نہیں۔ (504)

-1 خردہ نمبر 6 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔
-2 سید احمد ایثار نے اصل متن کے برعکس دوسرے مصرعے کا ترجمہ بیانیہ کے بجائے استفہامیہ انداز سے کیا ہے۔ اس سے بات کرنے کا اندازہ بدل گیا ہے۔ جس وجہ سے ترجمہ اصل متن سے کچھ ہٹ گیا ہے، تاہم اصل مفہوم ادا ہو گیا ہے۔

سید احمد ایثار کے منظوم اردو ترجمہ پیامِ مشرق کے بغور جائزہ کے بعد درج ذیل امور سامنے آئے ہیں:

-1 سید احمد ایثار نے تمام کتاب میں دائیں صفحہ پر اصل فارسی متن اور بائیں صفحہ پر منظوم اردو ترجمہ دیا ہے۔ فارسی کلام کی مدد سے منظوم اردو ترجمہ کو اور منظوم اردو ترجمہ کی مدد سے فارسی کلام کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔
-2 سید احمد ایثار نے پورے ترجمہ میں (رباعیات، غزلیات، نظموں میں) اس بحر کو استعمال کیا ہے جس میں اصل کلام نظم کیا گیا ہے۔
-3 اصل بحر کی پابندی کی وجہ سے بعض مقامات پر وہ کلی یا جزوی طور پر اصل متن کی صحیح ترجمانی نہیں کر پائے۔ کئی مقامات پر دیا گیا ترجمہ اس قدر خوبصورت اور مکمل ہے کہ اگر اسے فارسی متن سامنے رکھے بغیر بھی پڑھا جائے تو اصل متن کا مفہوم ملتا ہے اور سلاست و روانی کی وجہ سے ترجمہ بہت لطف دیتا ہے۔
-4 پیامِ مشرق کے مختلف حصوں کے منظوم اردو ترجمہ کے بغور جائزہ اور تجزیہ کے بعد واضح ہوا ہے کہ سید احمد ایثار کا قریباً پچاس فی صد (50%) منظوم اردو ترجمہ صوری و معنوی محاسن سے آراستہ اور اصل متن کے مطابق ہے۔ پچیس فی صد (25%) ترجمہ جزوی طور پر اور پچیس فی صد (25%) ترجمہ کلی طور پر اصل متن سے ہٹ کر ہے۔

افکارِ اقبال

از

صابرؔ ابوہری

'افکارِ اقبال' از 'صابرؔ ابوہری'، علامہ اقبال کے منتخب فارسی کلام کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب مصنف نے 'فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی، حکومتِ 'اتر پردیش، لکھنؤ' کے مالی تعاون سے 1995ء میں شائع کی۔ کتابت کے پرنٹنگ پیج پر مصنف کا درج ذیل پتہ درج ہے۔

صابر ابوہری

ایگروکنگز کورٹ روڈ

جگادھری۔ ۱۳۵۰۰۳ (ہریانہ)

اسی صفحہ کے نیچے درج ہے کہ مصنف کے علاوہ یہ کتاب درج ذیل پتے سے حاصل کی جاسکتی ہے:

موڈرن پبلشنگ ہاؤس نمبر 9 گولا مارکیٹ... گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲۔

صفحہ نمبر 5 پر گزارش، کے عنوان سے صابر ابوہری نے اقبال اور ان کے کلام کے ساتھ اپنے قلبی و ذہنی وابستگی کا ذکر کیا ہے اور آخری سطور پر درج ذیل الفاظ میں، اس ترجمہ کا مقصد تحریر کیا ہے:

> ''اُن کے منتخب فارسی کلام کے اس ترجمے سے میرا مقصد صرف یہی ہے کہ آج کے دور میں، جب کہ فارسی کا چلن تقریباً مفقود ہو چکا ہے، ان کے حیات افروز خیالات اُردو داں حلقے تک پہنچ سکیں۔ اس لیے میں اِقبال کی خُدا سے اس دُعا کے پیشِ نظر کہ ''مرا نورِ بصیرت عام کر دے۔ اپنی تخلیقات قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔'' (505)

صفحہ نمبر 7 پر 'صابر ابوہری: ایک صاحبِ علم شاعر'' کے عنوان کے تحت ڈاکٹر خلیق انجمؔ، جنرل سیکرٹری انجمن ترقیِ اردو (ہند) دہلی نے صابر ابوہری کی شخصیت، فکر اور فن کے بارے میں رائے دی ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم، صابر ابوہری کے فنِ ترجمہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''صابرؔ صاحب کو فارسی اور اُردو دونوں زبانوں پر برابر کی قدرت حاصل ہے۔ اس لیے وہ علامہ اقبال کے کلام کا اعلیٰ ترین ترجمہ کر سکے ہیں۔ اور ایک بڑی بات یہ ہے کہ انہوں نے علامہ اقبؔال کا ایسا کلام منتخب کیا ہے جس کا اردو میں اچھا ترجمہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ انتخاب بھی وہی شخص کر سکتا ہے جو دونوں زبانوں کے ادبی مزاج سے بھرپور واقفیت رکھتا ہو۔ اور صابر صاحب میں یہ صلاحیت موجود ہے۔'' (506)

صفحہ نمبر 13 پر ڈاکٹر عبدالودود اظہر دہلوی کی 'تقریظ' دی گئی ہے۔ تقریظ میں ڈاکٹر عبدالودود اظہر دھلوی نے فنِ ترجمہ

کی مشکلات اور صابر ابوہری کی علمی کوشش (افکارِ اقبال) کے بارے میں رائے دی ہے اور تبصرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> ''میرے فاضل دوست صابر ابوہری نے بڑی جانفشانی اور کاوش سے اقبال کے فارسی کلام کے بعض حصوں کو اُردو کا جامعہ پہنایا ہے۔ طبیعت میں شعریت ہونے کی وجہ سے وہ شعری محاسن کو بھی مدنظر رکھتے ہیں اور حتی الامکان معنی آفرینی کو مجروح نہیں ہونے دیتے۔ اور اوزان اور قوافی کی بھی رعایت کرتے ہیں۔ ان کی یہ کاوش وکوشش قابلِ ستائش ہے کہ اُردو داں حضرات اقبال کے فکروفن کی گہرائی وگیرائی تک پہنچ سکیں اور یوں صابر ابوہری صاحب کی سعی مشکور رہو۔'' (507)

صفحہ نمبر 15 پر 'دعائیہ' کے عنوان سے 'افکارِ اقبال' کے بارے میں 'مالک رام' (ماہر غالبیات) کی رائے تحریر کی گئی ہے۔ صفحہ 16 پر 'ہدیہ خلوص' کے عنوان سے رشی پٹیالوی کی نظم درج ہے جس میں صابر ابوہری کی شخصیت اور فکروفن کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔

صفحہ نمبر 17 پر فہرست عنوانات دی گئی ہے۔ صفحہ نمبر 19 تا صفحہ نمبر 107 پر اقبال کا منتخب کلام اور اس کا منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ صفحہ نمبر 108 تا صفحہ نمبر 111 پر 'علامہ اقبال' اور 'دانائے راز اقبال' کے عنوانات سے اقبال پر لکھی گئی دو نظمیں دی گئی ہیں۔ صفحہ نمبر 112 پر تصانیف اقبال (اردو وفارسی) کی فہرست دی گئی ہے۔ بیک ٹائٹل کے پہلے صفحہ پر 'بہ صابر ابوہری' کے عنوان سے پانچ اشعار درج ہیں۔ یہ اشعار ڈاکٹر لعل زاد صدر شعبہ بلوچی آل انڈیا ریڈیو، دہلی نے تحریر کیے ہیں۔ ان اشعار میں انہوں نے صابر ابوہری کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ بیک ٹائٹل پر صابر ابوہری کی تصویر دی گئی ہے۔ اس کے نیچے صابر ابوہری کے بارے میں پدم شری پروفیسر گوپی چند نارنگ کی رائے اور تبصرہ دیا گیا ہے۔

'افکارِ اقبال' میں درج ذیل 'فہرست' دی گئی ہے:

۱۔	رباعیات	۱۹
۲۔	اقوالِ عارف ہندی	۶۰
۳۔	مفرد اشعار	۶۵
۴۔	اقبال کی دُعا	۱۰۷
۵۔	اقبال پر نظمیں	۱۰۸ تا آخر

اس فہرست سے کتاب کے تمام مندرجات کا علم نہیں ہوتا کہ اس میں کس حصہ میں کتنا اور کون سا منتخب کلامِ اقبال دیا گیا ہے۔ منتخب کلام کے ساتھ حوالہ جات نہیں دیے گئے۔ کہیں بھی نشاندہی نہیں کی گئی کہ منتخب کلام (رباعی یا شعر) اقبال کے کس مجموعہ کلام سے، کس نظم، غزل یا رباعی سے لیا گیا ہے۔ یہ جاننے کے لیے اشاریے کی مدد سے اس کتاب میں شامل تمام کلامِ اقبال (رباعیات واشعار) کے حوالہ جات تلاش کئے اور پھر کلیاتِ اقبال فارسی اور کلیاتِ اقبال اردو سے ان کا متن ملایا۔ منتخب کلام اقبال کے سلسلہ میں تحقیقی جائزہ کے بعد اس

کے منظوم اردو ترجمہ 'افکارِ اقبال' کے بارے میں درج ذیل امور سامنے آئے:

1- باب اول (رباعیات) میں کل اسی (80) رباعیات اور ان کا منظوم اردو ترجمہ دیے گئے ہیں۔ ان میں سے ارمغانِ حجاز (فارسی) میں سے چھہتر (76) رباعیات دی گئی ہیں۔ جبکہ پیامِ مشرق سے صرف درج ذیل چار (4) رباعیات اوران کا منظوم اردو ترجمہ دیے گئے ہیں:

	افکارِ اقبال		پیامِ مشرق	
نمبر شمار	صفحہ نمبر	رباعی نمبر	صفحہ نمبر	رباعی نمبر
1	57	76	52	81
2	57	77	35	30
3	58	78	45	60
4	58	79	38	41

2- پہلے باب میں 'ادب' کے عنوان کے تحت ارمغانِ حجاز فارسی کی سولہ (16) رباعیات (رباعی نمبر 1 تا رباعی نمبر 16) دی گئی ہیں۔ 'متفرق' کے عنوان کے تحت چونسٹھ (64) رباعیات دی گئی ہیں جن میں رباعی نمبر 17 تا 16، 62 تا 75 اور رباعی نمبر 80 ارمغانِ حجاز فارسی سے ہیں اور چار (4) رباعیات (رباعی نمبر 76 تا رباعی نمبر 79) پیامِ مشرق سے ہیں۔

3- دوسرے باب (اقوال عارف ہندی) میں 'جاوید نامہ' سے تیرہ (13) اشعار دیے گئے ہیں۔

4- تیسرے باب (مفرد اشعار) میں 'ادب' کے عنوان سے شعر نمبر 1 تا 29، 'خودی' کے عنوان سے شعر نمبر 30 تا 46 اور متفرق کے عنوان سے شعر نمبر 47 تا 125 دیے گئے ہیں۔ تینوں ذیلی ابواب میں دیئے گئے مفرد اشعار کلیاتِ اقبال (فارسی و اردو) کے درج ذیل مجموعوں سے لیے گئے ہیں:

عنوان باب	اسرار و رموز	پیامِ مشرق	زبورِ عجم	جاوید نامہ
ادب	1، 9، 12، 25، 26، 28، 29، 66، 89، 107، 108، 109، 122	6، 7، 11	2، 4، 5، 8، 17، 18، 20، 22	3، 13، 14، 15، 16
خودی	33، 35، 45، 46	36	32، 39	31، 34، 44
متفرق	48، 51، 67، 78، 79، 81، 84، 88، 92، 93، 98، 113، 115، 124	61، 63، 69، 70، 90، 103، 114، 116، 117، 118	49، 59، 71، 72، 77، 83، 98، 105، 106، 112، 123، 125	55، 57، 60، 62، 86، 91، 101

عنوان باب	پس چہ باید کرد	ارمغان حجاز فارسی	ارمغانِ حجاز اردو	گلشن راز جدید	بندگی نامہ	مسافر	بالِ جبریل
ادب		10، 19، 21، 27		23	24		
خودی		30، 41، 42		40، 43		37، 38	
متفرق	56، 58، 65، 68، 74، 95، 100، 102، 121	47، 52، 73، 75	64	94، 104، 111	80، 96	85	76، 120

-5 مفرد اشعار میں سے اشعار نمبر 87، 97، 110 اور 119 کلامِ اقبال میں شامل نہیں ہیں۔ بہت زیادہ کوشش کے باوجود یہ اشعار کلیات اقبال فارسی اور کلیاتِ اقبال اردو سے نہیں ملے۔

-6 مفرد اشعار میں دیے گئے فارسی اشعار میں سے شعر نمبر 64 ارمغانِ حجاز حصہ اردو سے اور اشعار نمبر 76 اور 120 بالِ جبریل سے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ یہ تینوں فارسی اشعار کلیاتِ اقبال اردو میں اقبال کے اردو کلام میں شامل ہیں۔ چونکہ یہ فارسی اشعار ہیں اس لیے مترجم نے منتخب کلام اقبال میں انہیں بھی شامل کیا ہے اور ان کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔

-7 افکارِ اقبال کے باب مفرد اشعار میں پیامِ مشرق کے درج ذیل متفرق اشعار شامل ہیں۔

افکارِ اقبال			پیامِ مشرق			
نمبر شمار	صفحہ نمبر	شعر نمبر	نمبر شمار	صفحہ نمبر	رباعی/غزل/نظم	شعر نمبر
1	67	6	13	176	غزل نمبر 36	9
2	68	7	1	33	رباعی نمبر 25	2
3	69	11	9	106	حکمت و شعر	3
4	77	36	6	52	رباعی نمبر 81	2
5	85	61	8	106	حکمت و شعر	1
6	86	63	14	218	خردہ نمبر 1	2
7	88	69	7	87	تسخیرِ فطرت (اغوائے آدم)	9
8	88	70	4	48	رباعی نمبر 71	1

9	95	90	11	127	حوروشاعر (شاعر)	4
10	99	103	3	40	رباعی نمبر46	2
11	103	114	12	159	غزل نمبر17	8
12	104	116	2	34	رباعی نمبر27	2
13	104	117	5	49	رباعی نمبر72	2
14	104	118	10	119	شبنم	دوسرابند پہلاشعر

-8 پیامِ مشرق میں دی گئی ترتیب کے مطابق 'افکارِ اقبال' میں شامل اس کی رباعیات اور مفرد اشعار کا جدول درج ذیل ہے:

افکارِ اقبال			پیامِ مشرق		
نمبرشمار	صفحہ نمبر	شعر نمبر	صفحہ نمبر	رباعی/غزل/نظم	شعر نمبر
1	68	7	33	رباعی نمبر25	2
2	104	116	34	رباعی نمبر27	2
3	57	رباعی نمبر77	35	رباعی نمبر30	دواشعار
4	58	رباعی نمبر79	38	رباعی نمبر41	"
5	99	103	40	رباعی نمبر46	2
6	58	78	45	رباعی نمبر60	دواشعار
7	88	70	48	رباعی نمبر71	1
8	104	117	49	رباعی نمبر72	2
9	57	رباعی نمبر76	52	رباعی نمبر81	دواشعار
10	77	شعر نمبر36	52	رباعی نمبر81	دوسراشعر
11	88	69	87	تسخیرِ فطرت (اغوائے آدم)	9
12	85	61	106	حکمت وشعر	1
13	69	11	106	حکمت وشعر	3
14	104	118	119	شبنم	دوسرابند پہلاشعر
15	95	90	127	حوروشاعر (شاعر)	4
16	103	114	159	غزل نمبر17	8
17	67	6	176	غزل نمبر36	9
18	86	63	218	خردہ نمبر1	شعر نمبر2

لالۂ طور سے رباعیات نمبر 76 تا 79 مکمل اور رباعیات نمبر 25، 27، 46، 71، 72 اور 81 میں سے ہر ایک کے ایک، ایک شعر کا منظوم اردو ترجمہ دیا ہے۔

حصہ افکار میں سے 'تسخیر فطرت'، 'شبنم' اور 'حور و شاعر' میں سے ہر ایک میں ایک، ایک شعر اور حکمت و شعر کے دو اشعار کا منظوم اردو ترجمہ دیا ہے۔

مئے باقی کی دو غزلیات (غزل نمبر 17 اور غزل نمبر 36) کے دو اشعار کا منظوم اردو ترجمہ دیا ہے۔

حصہ نُقش دہ، میں سے خردہ نمبر 1 کا شعر نمبر 2 کا ترجمہ دیا ہے۔

پیامِ مشرق کے منتخب اشعار کے منظوم اردو ترجمہ کا تفصیلی جائزہ پیش خدمت ہے۔

لالۂ طور (رباعیات)

رباعی نمبر 25، دوسرا شعر:۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از صابر ابوہری
برآور ہر چہ اندر سینہ داری	ترے دل میں جو کچھ بھی ہے پیش کر
سُرودے، نالۂ، آہے، فُغانے	وہ نغمہ ہو، نالہ کہ آہ و فُغاں
(508)	(509)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

جو کچھ تو سینے میں رکھتا ہے باہر لے آ + (چاہے) وہ سرود (گانا) ہو نالہ ہو آہ ہو فریاد ہو۔ (510)

مندرجہ بالا شعر رباعی نمبر 25 کا دوسرا شعر ہے۔ اس رباعی میں اقبالؔ نے درس دیا ہے کہ ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو پہچانے، ان کی نشو و نما کرے اور ان سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور دوسروں کی بھی خدمت سر انجام دے۔ خوشی اور غم زندگی کے دو اہم پہلو ہیں۔ یہ دو کیفیات ہیں جو تعمیرِ شخصیت میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اقبالؔ نے نہایت خوبصورتی سے ان کا ذکر کرتے ہوئے، مقصدِ حیات کی تکمیل کا درس دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تنگی ہو یا فراخی، خوشی ہو یا غم، ایک شاعر، مفکر، مدبر کو اپنے افکار بیان کر دینے چاہئیں۔ اسے چاہیے کہ تعمیرِ خودی کا عمل جاری رکھے اور اجتماعی خودی کی تعمیر میں بھی اپنا کردار ادا کرے۔

صابر ابوہری نے اس شعر کا اچھا ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ آسان اور عام فہم ہے۔ یہ اصل متن کے مطابق ہے اور اس کا مفہوم بیان کرتا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از صابر ابوہری
من آں پروانہ را پروانہ دانم	اُسی کو سمجھتا ہُوں پروانہ میں تو
کہ جانش سخت کوش و شُعلہ نوش است	جو پی جائے شُعلے کو پانی سمجھ کر
(511)	(512)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

میں اس پروانے کو پروانہ سمجھتا ہوں (جو شمع کی لو کے گرد ایک لحہ کے لیے چکر لگا کر فنا کی نیند نہ سو جائے) + بلکہ وہ سخت کوش اور شعلہ نوش ہو یعنی نہایت کوشش کرنے والا اور عشق سے

لذت حاصل کرنے والا ہو۔(513)

اس شعر میں اقبال نے تعمیرِ خودی کے لیے سخت کوشی اور صبر و برداشت کا درس دیا ہے۔ 'پروانے' سے مراد طالب ہے۔ طالب راہِ حق ہو یا دنیا میں کسی مقصد کے حصول کا طالب، اسے ترقی اور تبدیلی کا سفر مسلسل جاری رکھنا چاہیے۔

ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے اس شعر کا درست ترجمہ کیا ہے اور قوسین میں توضیحی جملہ دے کر ترجمہ کا مفہوم بھی واضح کر دیا ہے۔ صابر ابوہری کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کا مفہوم ادا نہیں کرتا۔ فارسی شعر کے الفاظ 'سخت کوش' اور 'شعلہ نوش' سے جو تاثر قائم ہوتا ہے، منظوم اردو ترجمہ سے ویسا تاثر نہیں ملتا۔

رباعی نمبر 30

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از صابر ابوہری
بروں از ورطۂ بُود و عدم شو	نِکل باہر غمِ ہست و عدم سے
فزوں تر زیں جہانِ کیف و کم شو	نہ رکھ رشتہ جہانِ کیف و کم سے
خودی تعمیر کُن در پیکرِ خویش	عِبادت ہے خُودی کی پرورش بھی
چو ابراہیم معمار حرم شو	گُزر جا سَرحدِ دیر و حرم سے
(514)	(515)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

بود و عدم (ہستی اور نیستی) کے بھنور سے باہر آ + اس کیف و کم (کیسا اور کتنا یا کیفیت اور مقدار) کے جہان سے بلند رہ مراد ہے تجھے یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ تو اور تیرا جہان کبھی نہیں تھا اب موجود ہے اور پھر نہیں رہے گا تجھے اس پر غور کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ تو یا تیرا جہان کیسا ہے اور کتنا ہے (تجھے فلسفیانہ مسائل اور حالات و اسرار کی بحث میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے)۔

تو اپنے پیکر (جسم) کے اندر خودی (کا کعبہ) تعمیر کر + حضرت ابراہیمؑ کی طرح اس حرم (کعبہ) کا معمار بن۔(516)

پیامِ مشرق کے حصہ لالۂ طور کی رباعی نمبر 30 کا فارسی متن اور منظوم اردو ترجمہ افکارِ اقبال کے صفحہ نمبر 57 پر دیے گئے ہیں۔ افکارِ اقبال میں دیا گیا فارسی متن درست نہیں ہے۔ پہلے شعر کے دوسرا مصرع میں لفظ 'زیں' کی جگہ پر لفظ 'از' دیا گیا ہے۔ دوسرے شعر کے دوسرے مصرع میں لفظ 'چو' کی جگہ پر لفظ 'چوں' دیا گیا ہے۔

صابر ابوہری کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کی ہرگز نمائندگی نہیں کرتا۔

انسان جب اپنے ہونے یا نہ ہونے (ہستی و نیستی) یا اس جہانِ کیف و کم کی حقیقت پر غور کرتا ہے تو حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ وہ غور و فکر کے ایسے طلسم (جادو) اور بھنور کا شکار ہو جاتا ہے کہ اس سے چھٹکارا پانے کے لیے کوئی راہ نہیں ملتی۔ اقبال تعلیم دیتے ہیں کہ ان امور پر غور کرنے کی ضرورت نہیں، اپنے آپ کو پہچانو۔ تمہارا دل اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا اس طرح تم بھی خودی تعمیر کرو۔

منظوم اردو ترجمہ میں جذبۂ حیرت اور طلسم کدہ فکر و فلسفہ کی بجائے غم ہست و عدم کا ذکر ہے۔ اس طرح جہان کیف و کم سے رشتہ ختم کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اقبال نے ایسے تعلیم نہیں دی۔ انہوں نے اس جہاں میں رہتے ہوئے تعمیرِ خودی کا درس دیا ہے۔ صابرابوہری صاحب تعمیرِ خودی کا درس نہیں دیتے بلکہ یہ بیان کرتے ہیں کہ خودی کی تعمیر عبادت ہے۔ فارسی شعر میں تاکید کے انداز سے تعمیرِ خودی کا درس دیا گیا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی مثال دے کر تعمیر خودی کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں تاکید اور تلقین کا رنگ نظر نہیں آتا۔ آخری مصرع 'چوں ابراہیم معمار حرم شو، کا ترجمہ 'گزر جا سرحدِ دیر و حرم سے' کیا گیا ہے جو کہ ہرگز درست نہیں ہے۔

رباعی نمبر 41

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از صابرابوہری
نہ پیوستم دریں بستانسرا دل	لگایا دل نہ اس دنیا سے میں نے
ز بندِ این و آں آزادہ رفتم	رہا آزاد ہر اک آرزو سے
چو بادِ صبح گردیدم دمے چند	صبا بن کر رہا صحنِ چمن میں
گلاں را آب و رنگے دادہ رفتم	بھرا پھولوں کا دامن رنگ و بُو سے
(517)	(518)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

میں نے اس دنیا سے جو باغ کی مانند دلکش اور خوبصورت دکھائی دیتی ہے دل نہیں لگایا + میں جب تک جیا میں (اِس اور اُس) کے بندھنوں یعنی دنیاوی علائق اور آلائش کی زنجیروں سے آزاد رہا اور آزاد چلا گیا۔

صبح کی ہوا کی مانند میں کچھ دیر کے لیے گھوما + (اس عرصہ میں) میں نے پھولوں کو رنگ اور زینت عطا کی اور چلا گیا۔ (مراد ہے میں نے اپنی زندگی کو دوسروں کے فائدے کے لیے صرف کیا اور یہی زندگی کا اعلیٰ ترین مصرف ہے اور اپنا کام سرانجام دینے کے بعد جہان سے رخصت ہو گیا)۔(519)

-1 'افکارِ اقبال' میں فارسی رباعی کا پہلا اور آخری مصرع درست درج نہیں کیا گیا۔ پہلے مصرع میں لفظ 'دریں' کی جگہ پر 'ازیں' لکھا گیا ہے۔ آخری مصرع میں 'آب و رنگے دادہ رفتم' کی جگہ پر 'آب و رنگِ تازہ دادم' لکھا گیا ہے۔

-2 دوسرے مصرع کا ترجمہ درست نہیں کیا گیا۔ اقبال خودی کے استحکام کے لیے 'تخلیق آرزو' کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اگر کوئی آرزو نہ ہو تو جستجو ختم ہو جاتی ہے۔ انسان بے عملی اور جمود کا شکار ہو جاتا ہے۔ 'دل ز بند این و آں آزاد رفتم' سے مراد یہ ہے کہ 'میں دنیا میں دنیاوی علائق اور آلائشوں سے پاک رہا۔ یہاں خودی کو کمزور کرنے والے عوامل کی نفی کی گئی ہے نہ کہ آرزو کی۔ اس لیے صابرابوہری کا ترجمہ 'رہا آزاد ہر اک آرزو سے' درست نہیں ہے۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں 'دمے چند' سے مراد مختصر سی زندگی ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں مختصر سی زندگی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ چوتھے مصرع کا ترجمہ درست ہے۔ مجموعی طور پر منظوم اردو ترجمہ اصل متن کی حقیقی نمائندگی نہیں کرتا۔

منظوم اردو ترجمہ از صابر ابوہری	اصل متن از پیامِ مشرق
کی آدمی تلاشِ کوشش کرو	قدم در جستجوئے آدمے زن
ہے آدمی تلاشِ بھی کو خدا	خدا ہم در تلاشِ آدمے ہست
(521)	(520)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

(کوہ طور پر تجلی کی گدائی کے لیے جانے کی بجائے دنیا میں) کسی آدمی (مردِ کامل) کی تلاش میں قدم بڑھا + کیونکہ (جس خدا کی تلاش میں تو طور پر جارہا ہے وہ تو خود آدمی کی تلاش میں ہے ایسے آدمی کی تلاش میں جو خودی یا خود معرفتی کا حامل ہو اس لیے کہ جو اپنی معرفت رکھتا ہے اپنے خدا کی معرفت بھی وہی رکھتا ہے)۔(522)

صابر ابوہری کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کا مفہوم بیان کرتا ہے۔ یہ ترجمہ آسان اور عام فہم ہے۔

رباعی نمبر 60

منظوم اردو ترجمہ از صابر ابوہری	اصل متن از پیامِ مشرق
ڈبو دے گی تجھے ساحلِ پرستی	میارا بزم بر ساحل کہ آنجا
سُن اے غافلِ تو کس ارمان میں ہے	نوائے زندگانی نرم خیز است
لپٹ جا بے خطر موج بلا سے	بدریا غلط و با موجش در آویز
حیاتِ جاوداں طوفان میں ہے	حیاتِ جاوداں اندر ستیز است
(524)	(523)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

ساحل پر بزم آراستہ نہ کر کیونکہ اس جگہ + زندگی کی نوا نرم خیز ہے (ملائم آواز پیدا ہوتی ہے مراد ہے زندگی آسان ہے)۔

دریا میں غوطہ لگا (اور) اس کی موجوں سے لپٹ + (کیونکہ ہمیشہ کی زندگی تصادم (جنگ) میں ہے (مشکلات اور رکاوٹوں سے جنگ کرنے میں ہے)۔(525)

1- پہلے شعر کا منظوم اردو ترجمہ اصل فارسی متن کے مطابق نہیں ہے۔ اگر منظوم اردو ترجمہ کو نثر میں تبدیل کریں تو اس کا مفہوم یہ بنتا ہے:

'تجھے ساحل پرستی ڈبو دے گی۔ اے غافل سنو! تمہاری خواہش کیا ہے؟'

منظوم اردو ترجمہ، اصل متن سے بالکل مختلف ہے۔ نہ وہ طرزِ کلام ہے، نہ ہی وہ نفسِ مضمون۔

2- اقبال نے دوسرے شعر میں ہمت اور جدوجہد کا درس دیا ہے۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ ہمیشہ کی زندگی تصادم (جنگ، جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم) میں ہے۔ صابر ابوہری کہتے ہیں کہ 'حیاتِ جاوداں طوفان میں ہے'۔ درحقیقت حیاتِ جاوداں، طوفان میں نہیں بلکہ طوفان سے نبرد آزما ہونے میں ہے۔

مجموعی طور پر یہ ترجمہ صوری و معنوی لحاظ سے اصل فارسی متن کی نمائندگی نہیں کرتا۔

اصل متن از پیامِ مشرق

تو خورشیدی و من سیارۂ تو
سراپا نُورم از نظارہ تو
(526)

منظوم اردو ترجمہ از صابر ابوہری

تو خورشید میرا میں تیرا قمر
منوّر ترے دم سے میں سر بسر
(527)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

تو (اے میرے خالق) سورج ہے تو میں (تیرے گرد گھومنے والا اور تجھ سے روشنی حاصل کرنے والا) سیارہ ہوں + میں جو سرتاپا نور ہوں وہ تیرے دیدار کی وجہ سے ہے (یہ روشنی میری اپنی نہیں تیری عطا کردہ ہے)۔(528)

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، اپنے مضمون 'علامہ اقبال کے چند فارسی نظموں کا اردو رُوپ' میں لکھتے ہیں:

> ''منظوم ترجمہ کتنا بھی اچھا ہو، اس سے اصل کلام کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بحور و اوزان سے مترجم پر ایسی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں کہ اسے ردو بدل پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ البتہ نثری ترجمہ اچھا ہو تو بہت حد تک صحیح تفہیم میں معاون ہو سکتا ہے ..... ''(529)

منثور اردو ترجمہ سے کافی زیادہ حد تک اصل متن کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے، تاہم صابر ابوہری کا منظوم اردو ترجمہ اصل کلام کا حق ادا نہیں کرتا۔ فارسی شعر کے دوسرے مصرع کا مفہوم یہ ہے کہ میں تیرے دیدار کی وجہ سے سرتاپا نور ہوں۔ صابر ابوہری کے ترجمہ میں نور اور نظارہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف اتنا کہا گیا ہے کہ میں تیری وجہ سے سرتاپا منور ہوں۔ محبوب کے حسن سے منور و آراستہ ہونے کے لیے اس کے دیدار میں محو ہو جانا ضروری ہے۔ اس سے اگلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان نورِ محبت کی بدولت منور ہو جاتا ہے۔ صابر ابوہری نے حاصلِ دید کا ذکر تو کیا ہے مگر اس مقام پر پہنچنے سے پہلے کے مرحلہ میں نور کے نظارے کا ذکر نہیں کیا۔ اس لیے ان کا ترجمہ اصل متن کا حقیقی مفہوم بیان نہیں کرتا۔

<u>رباعی نمبر 72، شعر نمبر 2</u>

اصل متن از پیامِ مشرق

مرا صاحبدلے ایں نکتہ آموخت
زمنزل جادۂ پیچیدہ خُوشتر
(530)

منظوم اردو ترجمہ از صابر ابوہری

مجھے ایک صاحبِ نظر نے بتایا
کہ منزل سے بہتر ہیں پُر پیچ راہیں
(531)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

''مجھے ایک دل والے نے (جو دل کی حقیقت سے آشنا تھا) یہ باریک یا رمز کی بات سکھائی + کہ منزل سے پیچدار راستہ زیادہ اچھا ہے (کیونکہ منزل مل جائے تو آرزو ختم ہو جاتی ہے اور آرزو ختم ہو جائے تو دل مرجاتا ہے اس لیے اہل دل کے نزدیک وصل سے جدائی بہتر ہے۔''(532)

صابر ابوہری کے منظوم اردو ترجمہ سے کسی حد تک اصل متن کا مفہوم ادا ہوتا ہے۔ اگر لفظی مفہوم پیش نظر

رکھیں تو منظوم اردو ترجمہ میں 'این نکتہ آموخت' یعنی 'یہ رمز کی بات سکھائی' نہیں کیا گیا۔ باریک نکتہ یا رمز کی بات سے مراد کسی شے کی حقیقت تک رسائی مہیا کرنے والی خاص بات ہے۔ یہ لفظ کسی خاص بات کی نشاندہی کرتا ہے مگر ترجمہ میں اسے نظر انداز کر دیا گیا ہے جس سے ترجمہ میں اصل شعر کا تاثر پیدا نہ ہوسکا۔

رباعی نمبر 81

منظوم اردو ترجمہ از صابرؔ ابوہری	اصل متن از پیامِ مشرق
کیسے تُو ڈھونڈتا پھرتا ہے ناداں	کرا جوئی ، چرا در پیچ و تابی؟
خدا تو ذرّے ذرّے سے عیاں ہے	کہ او پیداست تو زیرِ نقابی
نہیں کچھ فرق تجھ میں اور اُس میں	تلاشِ او کنی ، جز خود نہ بینی
تو خود ہی اِک حجاب درمیاں ہے	تلاشِ خود کنی ، جز او نیابی
(534)	(533)

'افکارِ اقبال' میں یہ رباعی درست نہیں لکھی گئی۔ الفاظ میں کوما (،) اور سوالیہ علامت (؟) نہیں دیے گئے۔ دوسرے شعر کا دوسرا مصرع بالکل غلط لکھا گیا ہے۔ لکھا گیا مصرع یہ ہے۔ 'تلاشِ اُو کُنی جُز خُود نیابی، درست مصرع یہ ہے: 'تلاشِ خود کُنی جُز اُو نیابی'۔

اس رباعی کا مرکزی خیال یہ ہے کہ خدا کو پانا خود کو پانا ہے اور خود کو پانا خدا کو پانا ہے۔ اس میں خودی اور خدا کا تعلق بیان کیا گیا ہے۔ صابرؔ ابوہری کا منظوم اردو ترجمہ فارسی رباعی کا لفظی و معنوی مفہوم ادا نہیں کرتا۔ بقول صابرؔ ابوہری 'نہیں کچھ فرق تُجھ میں اور اُس میں'۔ گویا وہ کہتے ہیں کہ بندہ خُدا ہے اور خُدا بندہ ہے۔ فکرِ اقبال کے مطابق خودی فنا نہیں ہوتی۔ خدا، خُدا ہے اور بندہ، بندہ ہے۔ اس طرح نظریہ وحدت الوجود کے شارح شیخ محی الدین ابن عربی کے مطابق بھی خدا، خُدا ہی رہتا ہے خواہ کتنا ہی نزول کیوں نہ کر جائے۔ بندہ، بندہ ہی رہتا ہے خواہ کتنا ہی عروج کیوں نہ کر جائے۔ صابرؔ ابوہری اگر فکرِ اقبال سے آگاہ ہوتے تو یہ ترجمہ ہرگز نہ کرتے۔

رباعی نمبر 81، شعر نمبر 2

منظوم اردو ترجمہ از صابرؔ ابوہری	اصل متن از پیامِ مشرق
خُدا کی جستُجو میں پھرنے والے	تلاشِ اوکُنی ، جز خود نہ بینی
خُدا ملتا ہے اپنی جستُجو سے	تلاشِ خود کنی ، جز او نیابی
(536)	(535)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

(اگر) تو اس کو تلاش کرلے گا تو اپنے آپ کے سوا کچھ نہیں دیکھے گا + (اگر) خود کو تلاش کر لے گا (اپنی معرفت حاصل کر لے گا) تو سوائے اس کے کچھ نہیں پائے گا (یہ بہت ہی نازک باریک اور عارفانہ مسئلہ ہے جس کے مطابق خدا کو پانا خود کو پانا اور خود کو پانا خدا کو پانا ہے)۔(537)

مندرجہ بالا شعر، رباعی نمبر 81 کا دوسرا شعر ہے۔ صابرؔ ابوہری نے مفرد اشعار میں، 'خودی' کے عنوان

کے تحت یہ شعر اور اس کا منظوم اردو ترجمہ تحریر کیا ہے۔ اس سے پہلے انہوں نے صفحہ نمبر 57 پر اس مکمل رباعی کا اردو ترجمہ دیا ہے۔ وہاں اس شعر کا یہ ترجمہ دیا گیا ہے:

نہیں کچھ فرق تجھ میں اور اُس میں
تو خود ہی اِک حجاب درمیاں ہے (538)

مندرجہ بالا ترجمہ پر پہلے ہی رائے دی چکی ہے کہ یہ ترجمہ درست نہیں ہے۔ اسی طرح یہاں پر اس شعر کا دیا گیا ترجمہ (خُدا کی جستجو میں پھرنے والے..... خُدا ملتا ہے اپنی جستجو سے) بھی لفظی و معنوی لحاظ سے اصل متن کا مفہوم ادا نہیں کرتا۔ اقبال نے اس شعر میں خودی اور خدا کا تعلق بیان کیا ہے۔ اپنا آپ پہچان لیں تو معرفتِ خدا حاصل ہو جاتی ہے۔ معرفتِ خدا حاصل ہو جائے تو انسان کو اپنی پہچان بھی ہو جاتی ہے۔ اقبال نے اس شعر میں نہایت خوبصورت انداز سے انسان اور خدا کے درمیان پائے جانے والے خوبصورت روحانی رشتے کی نشاندہی کی ہے۔ صابر ابوہری نے منظوم اردو ترجمہ میں اقبال کے شعر کے دوسرے مصرع (تلاشِ خُود کُنی جُز اُو نیابی) کا مفہوم دیا ہے مگر پہلے مصرع کا مفہوم نہیں دیا۔ اس لحاظ سے یہ ترجمہ نامکمل ہے۔

نظم:۔ تسخیرِ فطرت (۳) اغوائے آدم/ آخری شعر

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از صابر ابوہری
تو نہ شناسی ہنوز ، عشق بمیر ز وصل	تُجھ کو کچھ خبر بھی ہے ، وصل مرگِ عشق ہے
چیست حیاتِ دوام؟ سوختنِ ناتمام	حسرتِ مُدام ہی ، نام ہے حیات کا
(539)	(540)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

تو ابھی تک نہیں جانتا کہ وصل سے شوق مر جاتا ہے+ ہمیشہ کی زندگی کیا ہے ناتمام جلنا ہے (پورے طور پر نہ جلنا بلکہ سلگتے رہنا ہے) (وصل کی بجائے ہجر میں لذت ہے)۔ (541)

صابر ابوہری کا منظوم اردو ترجمہ مکمل طور پر اصل متن کی ترجمانی نہیں کرتا۔ فارسی شعر کے پہلے مصرع میں واضح طور پر مخاطب کی لاعلمی کا ذکر ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ تو ابھی تک نہیں جانتا کہ وصل سے شوق مر جاتا ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں یہی بات کنایتاً کہی گئی ہے۔ اقبال نے دوسرے مصرع میں سوختنِ ناتمام کو حیاتِ دوام قرار دیا ہے۔ منظوم اردو ترجمہ کے دوسرا مصرع میں استفہامیہ انداز کی بجائے بیانیہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس طرح 'حیاتِ دوام' کی بجائے 'حیات' کا ذکر ہے۔ حسرتِ مدام کو حیات قرار دیا گیا ہے۔ 'سوختنِ ناتمام' سے جذبۂ عشق اور ہجر کی کیفیت کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے۔ 'حسرتِ مدام' سے جذبۂ عشق اور ہجر کی کیفیت کی صحیح ترجمانی نہیں ہوتی۔ مختصر یہ کہ منظوم اردو ترجمہ صوری و معنوی لحاظ سے حقیقی طور پر اصل متن کی ترجمانی نہیں کرتا۔

حصہ افکار:۔ نظم 'حکمت شعر' پہلا شعر

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از صابر ابوہری
بُو علی اندر غُبارِ ناقہ گم	پیرِ رُومی نے کیے سب پردہ ہائے راز فاش
دستِ رُومی پردۂ محمل گرفت	بُو علی سینا غُبارِ عقل میں گم ہو گیا
(542)	(543)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

بوعلی سینا اونٹنی کے غبار میں گم رہا + مولانا روم کے ہاتھ نے اونٹنی پر رکھے ہوئے کجاوہ کا پردہ پکڑ لیا (اس میں جلوہ افروز محبوبہ کو دیکھ لیا) مراد ہے عقل یا حکمت حقیقت کا اندازہ کر سکتی۔ اس کا عرفان نہیں کر سکتی۔ اس کا عرفان صرف عشق کو ہوتا ہے اس شعر میں بوعلی سینا کو حکمت کے اور رومی کو عشق کے نمائندہ کے طور پر پیش کر کے عقل و عشق کی طاقت اور رسائی کی بات کی گئی ہے۔ (544)

مندرجہ بالا شعر حصہ 'افکار' کی نظم 'حکمت و شعر' کا پہلا شعر ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں اچھے انداز سے فارسی شعر کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ آسان اور عام فہم ہے اور اصل متن کے مفہوم سے قریب تر ہے۔

حصہ افکار: نظم 'حکمت و شعر' آخری شعر

منظوم اردو ترجمہ از صابر ابوہری	اصل متن از پیامِ مشرق
فلسفہ ہے ، سوز سے عاری کلام	حق اگر سوزے ندارد حکمت است
شعر بن جاتا ہے جب شامل ہو سوز	شعر میگردو چو سوز از دل گرفت
(546)	(545)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

حق اگر سوز نہیں رکھتا تو وہ حکمت ہے + جب وہ دل سے سوز حاصل کرتا ہے تو شعر بن جاتا ہے۔ یعنی حقیقت بے سوز فلسفہ اور حقیقت باسوز شعر ہے۔ (547)

اقبال نے فارسی شعر میں حقیقت کے حوالے سے بات کی ہے۔ یعنی حقیقت بے سوز فلسفہ اور حقیقت باسوز شعر ہے۔ مراد یہ ہے کہ فلسفہ بے سوز حقیقت ہے مگر یہی فلسفہ اگر عاشق کی زبان سے، شعر کی شکل اختیار کر لے تو باسوز حقیقت بن جاتا ہے۔ صابر ابوہری نے یہی مفہوم اپنے منظوم اردو ترجمہ میں بیان کیا ہے، تاہم فلسفہ و شعر کی حقیقت جس انداز سے فارسی شعر میں بیان ہوئی۔ وہ انداز منظوم اردو ترجمہ میں نظر نہیں آتا۔ مجموعی طور پر یہ ترجمہ اصل متن کے قریب تر، آسان اور عام فہم ہے۔

حصہ افکار: نظم 'شبنم'، دوسرے بند کا پہلا شعر

منظوم اردو ترجمہ از صابر ابوہری	اصل متن از پیامِ مشرق
نہ کی میں نے ساحل کی خواہش کبھی	من عیشِ ہم آغوشیِ دریا نہ خریدم
نہ وہ مے ہی پی جس سے اُڑ جائیں ہوش	آں بادہ کہ از خویش رباید نچشیدم
(549)	(548)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

(شبنم بولی) میں دریا سے ہم آغوشی کی عیش نہیں خریدوں گی + وہ شراب جو مجھے اپنے آپ سے لوٹ لے (غافل کر دے) نہیں پیوں گی مراد ہے کہ سمندر کے پانی میں مل کر میری اپنی

انفرادیت اور شناخت ختم ہو جائے گی۔(550)

1- مندرجہ بالا شعر حصہ افکار کی نظم 'شبنم' کے دوسرے بند کا پہلا شعر ہے۔

2- افکارِ اقبال میں یہ شعر درست نہیں لکھا گیا۔ پہلے مصرع میں 'خریدم' کی جگہ پر 'کشیدم' لکھا ہوا ہے۔

3- ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے اس شعر کا ترجمہ فعل مستقبل میں کیا ہے، احمد جاوید نے تسہیل پیامِ مشرق کے صفحہ نمبر 256 پر اس شعر کا ترجمہ فعل ماضی میں دیا ہے۔ صابر ابوہری نے بھی فعل ماضی میں ترجمہ کیا ہے۔ فعل کے لحاظ سے یہ ترجمہ درست ہے۔ ان کے منظوم اردو ترجمہ کا پہلا مصرع اصل متن کے مطابق نہیں ہے، تاہم دوسرا مصرع اصل متن کا مفہوم ادا کرتا ہے۔

حصہ افکار: نظم 'حور و شاعر' ('شاعر' کے کلام کا چوتھا شعر)

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از صابر ابوہری
ز شرر ستارہ جویم، ز ستارہ آفتابے	شرر ہو، ستارہ ہو یا آفتاب
سرِ منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے	اگر رُک گیا تو فنا ہو گیا
(551)	(552)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

میں چنگاری سے ستارہ اور ستارہ سے سورج کی تلاش میں نکلتا ہوں + میں کسی خاص منزل کا ارادہ نہیں رکھتا کیونکہ کسی ایک جگہ قرار کرنے سے مر جاؤں گا مراد ہے بطور طالبِ حسن یا حاملِ عشق ختم ہو جاؤں گا۔ عشق کی زندگی فراق میں ہے۔(553)

1- مندرجہ بالا شعر حصہ افکار کی نظم 'حور و شاعر' میں 'شاعر' کے کلام کا چوتھا شعر ہے۔

2- صابر ابوہری کا منظوم اردو ترجمہ صوری و معنوی لحاظ سے اصل متن کا مفہوم ادا نہیں کرتا۔ اصل شعر میں شاعر اپنی کیفیت بیان کرتا ہے کہ وہ بروقت تبدیلی کے لیے عمل اور جدوجہد میں مصروف رہتا ہے۔ وہ کسی جگہ نہیں رکتا کیونکہ چلتے رہنا زندگی ہے اور رک جانا موت ہے۔ جس طرح کوئی انسان شرر کی تلاش میں نکلے۔ شرر مل جائے تو ستارے کی تلاش میں نکل پڑے۔ ستارہ مل جائے تو آفتاب کی تلاش میں نکل پڑے۔ اس طرح میں مقاصد تخلیق کرتا رہتا ہوں اور مصروف بہ عمل رہتا ہوں۔ کوئی بھی مقصد، میرا آخری مقصد نہیں۔ کوئی بھی منزل میری آخری منزل نہیں۔ میں جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم میں مشغول ہوں۔ میں بہتر سے بہتر کی تلاش میں ہوں۔ میں وصل کا خواہاں نہیں ہوں۔ مجھے ہجر پسند ہے۔ میں کسی ایک جگہ قیام نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اس طرح تو میں مر جاؤں گا۔

صابر ابوہری صاحب شعر کا اصل فلسفہ سمجھ نہیں پائے۔ اس لیے انہوں نے ترجمہ سے بات کیا سے کیا بنا ڈالی۔ وہ لکھتے ہیں کہ شرر ہو، ستارہ ہو یا آفتاب ہو، ان میں سے جو بھی رک گیا فنا ہو گیا۔

اقبال نے شاعر کے سفر کے حوالے سے حرکت و عمل کا فلسفہ بیان کیا ہے۔ صابر ابوہری صاحب نے شاعر کا تو ذکر ہی نہیں کیا۔ ان کا یہ ترجمہ طفلانہ کوشش نظر آتی ہے۔

حصہ 'مئے باقی': غزل نمبر 17، شعر نمبر 8

منظوم اردو ترجمہ از صآبر ابوہری	اصل متن از پیامِ مشرق
میں ہُوں اس راہی کی ہمت کا غلام عشرتِ منزل کی کو جو سمجھے حرام (555)	مریدِ ہمت آں رہروم کہ پانگذاشت بہ جادۂ کہ در و کوہ و دشت و دریانیست (554)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

میں اس مسافر کی ہمت کا مرید ہوں کہ جس نے پاؤں نہیں رکھا + اس راستہ پر جس میں پہاڑ، بیابان اور دریا نہیں ہیں (ایسا وہی مسافر کرے گا جو صاحب عزم و ہمت ہوگا)۔ (556)

1- مندرجہ بالا شعر 'مئے باقی' میں سے غزل نمبر 17 کا شعر نمبر 8 ہے۔ افکارِ اقبال میں اس شعر کا پہلا مصرع ٹھیک درج نہیں ہے۔ اس میں آخری لفظ 'پانگذاشت' کی جگہ 'پا نہ نہاد' کے الفاظ لکھے گئے ہیں۔

2- صابر ابوہری کا منظوم اردو ترجمہ اصل شعر کے لفظی ترجمہ سے بالکل ہٹ کر ہے، تاہم اس ترجمہ سے شعرِ اقبال کے مرکزی خیال کی کسی حد تک عکاسی ہوتی ہے۔ اقبال نے جس قدر اعلیٰ اور مؤثر انداز سے کوہ و دشت و دریا کی مثالوں سے جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم میں مشغول بلند ہمت انسان کا نقشہ کھینچا ہے، ترجمہ میں وہ رنگ نظر نہیں آتا۔

غزل نمبر 36، آخری شعر

منظوم اردو ترجمہ از صآبر ابوہری	اصل متن از پیامِ مشرق
اقبآل کے سُبو سے بھی دو ایک جام پی اس کا طریق کچھ بھی ہو، دانائے راز ہے (558)	بیا بمجلسِ اقبآل و یک دو ساغر کش اگرچہ سر نتراشد ، قلندری داند (557)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

اقبال کی محفل میں آ اور ایک دو پیالے پی + وہ (قلندروں کی طرح اگرچہ) سر مونڈھا نہیں (پیروں فقیروں کی وضع نہیں رکھتا) لیکن قلندری جانتا ہے یعنی وہ فقر کے اور قلندری کے طور طریقوں اور رموز و اسرار سے واقف ہے آ تو بھی اس سے فیض یاب ہو (تراشد کے اگرچہ معنی مونڈنا کے سمجھ میں آتے ہیں لیکن یہاں مراد مونڈنا نہیں منڈوانا ہے۔) (559)

صآبر ابوہری نے اپنے منظوم اردو ترجمہ میں مذکورہ بالا شعرِ اقبال کا مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اقبآل اپنی محفل میں آنے اور ایک دو جام پینے کی دعوت دیتے ہیں۔ پھر وہ رسمی رواجی داعیانِ معرفت کی نفی کرتے ہوئے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ اقبال ظاہری طور پر قلندر نظر نہیں آتا مگر قلندری جانتا ہے۔ اقبآل نے بڑے خوبصورت انداز سے محفلِ عشق و مستی کی تصویر کشی کی ہے اور عشق و مستی کے جام پیش کیے ہیں۔ منظوم اردو ترجمہ میں مجلسِ اقبآل کا ذکر نہیں۔ پینے پلانے اور دانائے راز ہونے کا ذکر ہے۔ یہ ترجمہ اصل فارسی شعر کے شعری حُسن سے آراستہ نہیں ہے۔ ترجمہ میں اصل شعر کا مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مفہوم کافی حد تک ٹھیک ہے مگر اسے

مکمل طور پر درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ فارسی شعر میں 'مجلسِ اقبال' کے الفاظ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اقبال کی محفل میں اور بھی پینے والے موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اقبال مزید افراد کو بھی مجلس میں آنے اور ایک دو جام پینے کی دعوت دے رہے ہیں۔ ترجمہ میں کسی مجلس کا ذکر نہیں۔ ترجمہ میں وہ دلچسپی اور کشش نظر نہیں آتی جو کہ شعرِ اقبال کا جزو لاینفک ہے۔

خردہ نمبر 1، دوسرا شعر

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از صابر ابوہری
باسکندر خضر در ظلمات گفت مرگ مشکل، زندگی مشکل تر است (560)	خِضر سے سکندر نے یہ راز پایا کہ مرنا ہے آسان ، جینا ہے مشکل (561)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم

خضر نے بحرظلمات میں (جہاں سکندر خضر کی راہنمائی میں آب حیات پی کر ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے گیا تھا) سکندر سے کہا (کہ پانی پینے سے پہلے سوچ لے کہ) موت ضرور مشکل ہے یعنی آدمی مرنا نہیں چاہتا لیکن زندگی اس سے زیادہ مشکل ہے (زندہ رہنے کے لیے سخت محنت کرنی پڑتی ہے ہر قدم پر دشواریوں کا سامنا ہے۔ سکون و آرام کہیں نہیں)۔(562)

اصل فارسی شعر کا مفہوم کچھ اور ہے اور منظوم اردو ترجمہ میں کچھ اور بیان ہُوا ہے۔ فارسی شعر کے پہلے مصرع میں بیان ہُوا ہے کہ 'خضر نے تاریکیوں میں سکندر سے کہا'۔ ترجمہ میں ظلمات کا ذکر ہی نہیں۔ لفظ 'ظلمات' سے ایک خاص پُر اسرار ماحول کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس سے سکندر و خضر کے سفر کے حوالے سے ان تاریک وادیوں کا تصور قائم ہوتا ہے جن میں سے سکندر اور خضر دورانِ سفر گزر رہے تھے۔ اسی طرح فارسی شعر کے دوسرا مصرع میں بیان ہُوا ہے کہ 'مرنا مشکل ہے، زندگی مشکل تر ہے'۔

اقبال نے ایک مشکل (زندگی) کے حوالے سے دوسری بڑی مشکل (موت) کا ذکر کیا ہے۔ صابر صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ 'مرنا ہے آسان، جینا ہے مشکل'۔ انہوں نے بات کیا سے کیا بنادی۔ اقبال تو لکھتے ہیں کہ 'مرگ مشکل' (مرنا مشکل ہے) اور صابر صاحب اس کا ترجمہ کر رہے ہیں 'کہ مرنا ہے آسان'۔ اس طرح اقبال لکھتے ہیں 'زندگی مشکل تر است' (زندگی مشکل تر ہے)۔ صابر صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں 'جینا ہے مشکل'۔ 'مشکل تر' کا ترجمہ 'مشکل' نہیں ہوسکتا۔ صابر ابوہری کا ترجمہ صوری و معنوی لحاظ سے اصل متن کی ترجمانی نہیں کرتا۔

مندرجہ بالا تمام گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ:

1- 'افکارِ اقبال' میں صابر ابوہری نے پیام مشرق کی کل چار (4) رباعیات کا اور چودہ مفرد اشعار کا منظوم اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔ رباعیات کے آٹھ (8) اشعار اور چودہ (14) مفرد اشعار ملا کر کل بائیس (22) اشعار ہیں جن کا منظوم اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔

2- تمام اشعار کا منظوم اردو رجمہ فارسی متن کے ساتھ دیا گیا ہے۔ زیادہ تر اشعار کا فارسی متن درست تحریر نہیں کیا گیا۔

3- تمام اشعار کے منظوم اردو ترجمہ کے جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ بائیس اشعار میں سے صرف پانچ اشعار کا

منظوم اردو ترجمہ اصل متن کا کافی حد تک درست مفہوم ادا کرتا ہے۔ وہ اشعار درج ذیل ہیں:
رباعی نمبر 25 دوسرا شعر، رباعی نمبر 46 دوسرا شعر، رباعی نمبر 72 دوسرا شعر، حکمت وشعر پہلا اور تیسرا شعر۔

4- منظوم اردو ترجمہ میں سے سترہ (17) اشعار کا ترجمہ اصل متن کا مفہوم ادا نہیں کرتا۔ بعض اشعار کا ترجمہ تو اصل متن کے مفہوم سے بالکل ہٹ کر ہے۔

5- شماریاتی لحاظ سے دیکھیں تو 5/22 رباعیات کا ترجمہ درست ہے۔ گویا صابرؔ ابوہری کا 23% منظوم اردو ترجمہ درست ہے۔

6- مجموعی طور پر یہ ترجمہ لفظی ومعنوی اور فکری وفنی لحاظ سے فکرِ اقبال اور اصل کلام کے متن کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا۔

اقبال

پیامِ مشرق

منظوم اردو ترجمہ

از

مضطر مجاز

منظوم اردو ترجمہ 'پیام مشرق' جولائی 1996 ء کو اقبال، اکیڈمی حیدرآباد کی طرف سے شائع کیا گیا۔ یہ کتاب دوصد (200) صفحات پر مشتمل ہے اور $\frac{23\times36}{16}$ سائز میں پرنٹ ہوئی ہے۔ اس کتاب میں فارسی متن نہیں دیا گیا۔ فارسی متن کے بغیر منظوم اردو ترجمہ کے علمی وادبی اور فکری وفنی معیار کا تعین نہیں ہوسکتا۔ اس کے علاوہ فارسی کے بغیر منظوم اردو ترجمہ کو اچھی طرح سمجھا بھی نہیں جاسکتا۔ اس کتاب میں پیامِ مشرق کے مختلف حصوں کے دیے گئے منظوم اردو ترجمہ کا جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

پیشکش

چوتھا بند

منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز	①	اصل متن از پیامِ مشرق
تجھ کو فطرت نے دیا ہے قلبِ چاک!		اے ترا فطرت ضمیرِ پاک داد
دیں کے غم سے سینہ تیرا چاک چاک		از غمِ دیں سینۂ صد چاک داد

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

(یہاں امیر امان اللہ کو خطاب کرتے ہوئے علامہ کہتے ہیں) اے کہ تجھے فطرت نے پاک ضمیر یا دل عطا کیا ہے+ (اور) دین کے غم کی وجہ سے تجھے ایسا سینہ دیا ہے جس میں سینکڑوں چاک ہیں۔

منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز	②	اصل متن از پیامِ مشرق
تازہ کر آئینِ صدیقؓ و عمرؓ		تازہ کن آئینِ صدیقؓ و عمرؓ
مثلِ بادِ صبح صحرا سے گزر		چوں صبا بر لالۂ صحرا گذر

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے آئین کو تازہ کر، مراد ہے ان کے نقش قدم پر چل کر افغانستان میں وہ صدق وعدل، جلال و جمال اور قوت ومروت کا آئین نافذ کر جو

کبھی تسخیر نے کیا تھا + (اور) صحرا کے گل لالہ پر صبا کی طرح گزر کر مراد ہے تیری افغان قوم بڑی صلاحیتوں کی مالک ہے لیکن حالات نے اسے پس ماندہ بنا دیا ہے اور ہزار قسم کے آلام و مصائب میں گرفتار کر رکھا ہے تو ان کے زخموں کی مرہم بن۔ اور ان کی مردہ صلاحیتوں کو زندہ کر۔

اصل متن از پیامِ مشرق ③ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

ملتِ آوارۂ کوہ و دمن قوم یہ پروردۂ کوہ و دمن
در رگِ او خونِ شیراں موجزن اس کی رگ میں خونِ شیراں موج زن

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

وہ ملت (افغان قوم) جو (افغانستان کے) کوہ و دمن میں آوارہ ہے + اس کی رگوں میں شیروں کا خون دوڑتا ہے مراد ہے وہ افغان جو شیروں کی طرح نڈر اور بہادر ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ④ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

زیرک و روئیں تن و روشن جبیں ہے قوی اور زیرک اور روشن جبیں
چشمِ او چوں جرہ بازاں تیز بیں آنکھ بازوں کی طرح ہے تیز بیں

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

(وہ افغان جو) عقل مند، پیتل کے جسم والا یعنی مضبوط اور روشن جبین ہے وہ جس کی آنکھ دلیر نر بازوں کی طرح تیز بیں ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑤ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

قسمتِ خود از جہاں نایافتہ اس کی قسمت کا اسے ملتا نہیں
کوکبِ تقدیرِ او ناتافتہ اس کا وہ تارہ ابھی چمکا نہیں

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

(اس افغان کی یہ حالت ہے کہ) جہان سے اس نے اپنی قسمت حاصل نہیں کی۔ مراد ہے وہ غیر ترقی یافتہ اور غریب ہے + اس کی قسمت کا ستارہ روشن نہیں ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑥ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

در قہستاں خلوتے ورزیدۂ کوہساروں میں ہے وہ خلوت گزیں
رستخیزِ زندگی نادیدۂ جدوجہد زندگی دیکھی نہیں

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

اس نے پہاڑوں میں خلوت اختیار کر رکھی ہے + اس نے زندگی کی رستخیز (جنگ) نہیں دیکھی ہوئی (وہ اپنے پہاڑوں) میں محدود ہے اس نے زندگی کی کش مکش نہیں دیکھی)۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑦ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

جانِ تو بر محنتِ پیہم صبور محنت پیہم میں تیری جاں صبور
کوش در تہذیبِ افغانِ غیور زندہ کر تہذیب افغان غیور

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

(اے وہ امیر) کہ جس کی جان مسلسل محنت پر بھی صبر کرنے والی ہے + غیرت مند افغان قوم کی تہذیب کے لیے کوشش کر۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑧ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

تا ز صدیقانِ ایں اُمت شوی   تا کہ صدیقانِ امت میں رہے
بہرِ دیں سرمایۂ قوت شوی   دین کا سرمایۂ قوت بنے
(563)   (564)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

تا کہ تم بھی اس امت کے صدیقوں میں سے ہو جاؤ + (اور) دین کے لیے قوت کا سرمایہ بن جاؤ۔(565)

1- فارسی متن، منثور اردو ترجمہ اور منظوم اردو ترجمہ کے تقابل و جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ پہلے شعر کا ترجمہ متن کے قریب تر ہے۔ پہلے مصرعے کے الفاظ 'ضمیر پاک' کا ترجمہ 'قلبِ چاک' کیا گیا ہے۔ اس طرح دوسرے مصرعے کے الفاظ 'سینۂ چاک' کا منظوم اردو ترجمہ 'سینہ تیرا چاک چاک' کیا گیا ہے۔ اگرچہ ترجمہ متن کے مطابق نہیں ہے، پھر بھی نفسِ مضمون کے لحاظ سے جائزہ لیں تو یہ ترجمہ درست، متن کے قریب تر، سہل اور عام فہم ہے۔

2- دوسرے شعر کے پہلے مصرعے کا ترجمہ تو عین درست ہے۔ صرف ایک لفظ 'کن' کو 'کر' سے بدل کر اس مصرعے کو منظوم اردو ترجمہ کی شکل دے دی گئی ہے۔ دوسرے مصرعے 'چوں صبا بر لالۂ صحرا گزر' کا مطلب ہے 'صحرا کے گل لالہ پر صبا کی طرح گزر'۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ کیا گیا ہے 'مثلِ بادِ صبح صحرا سے گزر'۔ یہ ترجمہ اس لحاظ سے درست نہیں کہ اس میں 'گلِ لالہ' کا ذکر نہیں کیا گیا۔ 'گلِ لالہ' سے مراد 'باصلاحیت افغان قوم' ہے۔ اس مصرعے کا اصل مفہوم 'گلِ لالہ' کی وجہ سے قائم ہوتا ہے۔ صحرا سے بادِ صبا گزرے تو اس کا فائدہ انسانوں کو، دیگر جانداروں یا نباتات کو ہوگا۔ اگر صحرا میں مخلوقِ خدا موجود نہیں تو وہاں سے بادِ صبا گزرے یا نہ گزرے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شعری وزن کی پابندی کی وجہ سے مضطر مجاز اس مصرعے کا مکمل اور واضح مفہوم ادا نہیں کر پائے۔

3- شعر نمبر 3، شعر نمبر 4، شعر نمبر 7 کے منظوم اردو تراجم میں ان اشعار کے فارسی الفاظ و تراکیب استعمال کر کے نہایت خوبصورتی سے ان کا مفہوم بیان کر دیا گیا ہے۔ ان اشعار کا منظوم اردو ترجمہ سلیس، آسان، رواں اور عام فہم ہے۔ یہ ترجمہ صوری و معنوی محاسن کے لحاظ سے اصل کے قریب تر ہے۔

4- شعر نمبر 5 اور شعر نمبر 6 کے منظوم اردو تراجم میں اصل متن کی سی خوبصورتی اور بلاغت نظر نہیں آتی۔ ان کا یہ ترجمہ اگرچہ اصل متن کے مطابق ہے مگر ان میں فارسی متن کی شعریت اور واضح طرزِ بیان نظر نہیں آتا۔

5- شعر نمبر 8 کا منظوم اردو ترجمہ اگرچہ متن کے مطابق ہے مگر بحر کی پابندی کی وجہ سے اس ترجمہ میں لفظ 'تم' شامل نہیں ہو سکا جس وجہ سے منظوم اردو ترجمہ کے مطابق یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس شعر میں کسے مخاطب

کر کے بات کی جا رہی ہے۔

-6 مجموعی طور پر 'پیشکش' کے چوتھے بند کے آٹھ اشعار میں سے چار اشعار کا منظوم ترجمہ اصل متن کی تفہیم اور ترسیل کے لحاظ سے اور شعری محاسن کے لحاظ سے عین درست ہے۔ باقی چار اشعار کا ترجمہ اگر چہ اصل متن کے مطابق ہے مگر صوری و معنوی محاسن کے لحاظ سے یہ ترجمہ مکمل تشفی نہیں کرتا۔

مضطر مجاز کو منظوم اردو ترجمہ کی دشواریوں اور اس کے کمزور پہلوؤں کا ادراک تھا۔ اس امر کا اظہار انہوں نے خود کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ترجمے کے عمل کی ایسی پیچ در پیچ جکڑ بندیوں کے باعث دنیا کا کوئی مترجم اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کا ترجمہ اکمل اور اصل کا نعم البدل ہے ترجمہ زیادہ سے زیادہ اصل فن پارے کی تفہیم و تحسین میں معاون ہو سکتا ہے اس کا نعم البدل نہیں۔ یہ محض ایک آئینہ ہے جس میں مترجم قاری کو فن پارے کے حسن اصلی کی جس قدر زیادہ جھلک دکھلا سکے اسی قدر وہ کامیاب ہے۔'' (566)

> ''شاعری کا ترجمہ شاعری میں اور مشکل ہے خصوصاً اقبال جیسے عظیم شعرا کے یہاں نہ صرف صوتی محاکات بلکہ سمعی (aural) اور بصری (visual) پیکر تراشی اتنی افراط سے پائی جاتی ہے کہ اس کو گرفت میں لینا آسان کام نہیں۔'' (567)

> ادبی اور شعری تراجم کی اولین شرط اس کا نہ صرف وفادار ہونا ہے بلکہ خوبصورت ہونا بھی ہے اور خوبصورتی اور وفاداری ایک ساتھ مشکل ہی سے جمع ہوتے ہیں بہر حال جہاں کہیں یہ آپ کو یکجا نظر آئیں آپ حظ اندوز ہوں ورنہ مترجم کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ ممکن ہے کہ مستقبل میں کوئی اور صاحب ہمت مترجم اس کام کو بہ احسن الوجوہ انجام دے جائے کہ ؎

راہِ مضمون تازہ بند نہیں
تا قیامت کھلا ہے بابِ سخن!

'لالۂ طور'......(رباعیات)

رباعی نمبر 24

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز
رہے در سینۂ انجم کشائی	کمند اپنی ستاروں پر تو پھینکی
ولے از خویشتن نا آشنائی	مثالِ دانہ خود پر بھی نظر کر
یکے بر خود کشا چوں دانہ چشمے	تو اے نادان! خود سے آشنا ہو!
کہ از زیرِ زمیں نخلے بر آئی	درونِ خاک سے پیدا شجر کر!
(568)	(569)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

(اپنے سے لاکھوں کروڑوں میل دور) ستاروں کے سینہ میں تو تو راہ پیدا کر رہا ہے یعنی تیری

ستاروں تک رسائی ہے+لیکن تو اپنے آپ سے (جو تیرے بہت قریب اور بے فاصلہ ہے) نا آشنا ہے یعنی تو اپنی خودی اور انا کی پہچان نہیں رکھتا۔

ایک دفعہ اس دانہ کی طرح (جو زمین میں اگنے کے لیے دبایا جاتا ہے) خود پر آنکھ کھول+ تا کہ تو زمین کے نیچے سے درخت کی طرح باہر آ جائے۔ مراد ہے جس طرح زمین میں دبا ہوا دانہ خود کو پہچان کر زمین سے باہر ایک درخت کی صورت میں آ جاتا ہے تو بھی خود کو پہچان لے اور مقصود زندگی حاصل کر لے۔ (570)

-1 مضطر مجاز نے نہایت خوبصورتی سے اپنے الفاظ میں منظوم اردو ترجمہ کی شکل میں اصل متن کا مفہوم بیان کیا ہے۔ انہوں نے تمام رباعی کا نفس مضمون اور حقیقی مفہوم مدنظر رکھتے ہوئے اس کا آزاد ترجمہ کیا ہے۔ ان کا یہ ترجمہ اس لحاظ سے قابلِ تحسین ہے کہ خود علامہ اقبالؒ بھی لفظی ترجمہ کے بجائے آزاد ترجمہ کے قائل تھے۔ وہ اصل متن کا مفہوم اپنے انداز سے بیان کرتے تھے اور اسے فکری وفنی لحاظ سے مزید بہتر شکل دے دیتے تھے۔ مضطر مجاز کے اس ترجمہ میں علامہ کی سی فکری وفنی رفعت تو نظر نہیں آتی، تاہم انہوں نے کامیابی سے اس فارسی رباعی کو منظوم اردو ترجمہ کا رُوپ دے دیا ہے۔

رباعی نمبر 25

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز
سحر در شاخسارِ بوستانے	سحر دم شاخسارِ بوستاں میں
چہ خوش می گفت مرغِ نغمہ خوانے	کہا کیا خوب مرغِ نغمہ خواں نے!
برآور ہرچہ اندر سینہ داری	سرود و نالہ ہو آہ و فغاں ہو
سرودے ، نالۂ ، آہے ، فغانے	اُگل دے جو بھی ہے سینے میں تیرے!
(571)	(572)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

صبح کے وقت ایک باغ کی بہت سی ٹہنیوں والے درخت (پر بیٹھے ہوئے)۔ ایک نغمہ الاپنے والے پرندے نے کیا اچھی بات کہی۔

جو کچھ تو سینے میں رکھتا ہے باہر لے آ+ (چاہے) وہ سرود (گانا) ہو نالہ ہو آہ ہو فریاد ہو۔ (573)

-1 رباعی نمبر 25 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے قریب تر ہے۔

-2 منظوم اردو ترجمہ نہ صرف نفسِ مضمون کے لحاظ سے بلکہ الفاظ کے لحاظ سے بھی اصل متن سے کافی زیادہ مماثلت رکھتا ہے کیونکہ اس کے دونوں اشعار میں فارسی متن کے الفاظ 'سحر'، 'شاخسارِ بوستاں'، 'مرغِ نغمہ خواں'، 'سرود'، 'نالہ' اور 'آہ و فغاں' استعمال ہوئے ہیں۔ اگر حاشیہ میں مشکل الفاظ کے معانی دے دیے جاتے تو عام قاری کو تفہیم متن میں آسانی رہتی۔ مضطر مجاز کو ان دشواریوں کا احساس تھا۔ وہ چاہتے تو تسہیلِ متن اور منظوم اردو ترجمہ کی تسہیل کا فریضہ سرانجام دے سکتے تھے مگر انہوں نے یہ محنت اور دماغ سوزی عام قاری کے لیے چھوڑ دی ہے۔ اس ضمن میں ان کا نقطۂ نظر اور حکمتِ عملی ملاحظہ فرمائیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

''جہاں تک ترجمے کے ڈکشن کا تعلق ہے مجھے صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ حتی المقدور یہ کوشش کی گئی ہے کہ موجودہ معیارات کا لحاظ کر کے سہل اور سرل لفظیات سے کام لیا جائے لیکن مشکل اقبال کے ''بحر خیالات کے گہرے پانی'' سے بھی ہے کہ ان کے لیے ہماری فلموں اور ٹی وی سیریلوں والی زبان کچھ زیادہ موزوں اور مناسب نہیں بلکہ اس سے نہ صرف مطلب کے خبط ہو جانے بلکہ مضحکہ خیز ہو جانے کا بھی احتمال ہے چنانچہ اس میں فلمی سے زیادہ علمی زبان کو اظہار مطالب کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ اس لیے ممکن ہے بعض لوگوں کو یہ آسان فارسی کا مشکل اردو ترجمہ نظر آئے۔ لیکن بہر حال یہ ایک سنجیدہ فن پارہ ہے جس کی تحسین کے سلسلہ میں قارئین سے بھی کسی نہ کسی حد تک محنت اور دماغ سوزی کی توقع رکھنا بیجا نہ ہوگا کیونکہ یہ بہر حال وہ شاعری نہیں جو دفع الوقتی اور ذہنی تفریح کے لیے پڑھی جاتی ہے''۔(574)

رباعی نمبر 34

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از مظفر مجاز
سریرِ کیقباد ، اکلیلِ جم خاک	سریرِ کیقباد ، اکلیل جم خاک
کلیساؤ بتستان و حرم خاک	کلیسا و بتستانِ و حرم خاک
ولیکن من ندانم گوہرم چیست	نہیں معلوم ہم ہیں کون گوہر
نگاہم برتر از گردوں ، تنم خاک	نگہ برتر ہے گردوں سے ، تو ہم خاک
(575)	(576)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

ایران کے بادشاہ کیقباد کا تخت اور وہاں کے جمشید بادشاہ کا تاج دونوں خاک ہیں (مادی ہیں مٹی ہیں۔ مٹ جانے والے ہیں) + عیسائیوں کا گرجا، بت پرستوں کا بت خانہ اور مسلمانوں کا حرم یہ مادی ہیں مٹی کے ہیں (ان کا مٹ جانا بھی یقینی ہے)۔

لیکن میں نہیں جانتا کہ میں کیا گوہر ہوں + میرا جسم (اگرچہ) مٹی کا ہے لیکن میری نگاہ آسمان سے بھی بلند ہے مراد ہے میرا جسم بھی بے شک مندرجہ بالا اشیا کی طرح مٹی اور مادہ کا ہے لیکن اس کے اندر جو روح کا جوہر ہے وہ مادی اور خاکی نہیں (اور یہ میرے (یعنی آدمی) کے سوا کسی اور مخلوق کو نصیب نہیں)۔ (577)

-1 مظفر مجاز نے رباعی نمبر 34 کے ترجمہ میں عجب حکمت عملی استعمال کی ہے۔ انہوں نے اس رباعی کے پہلے شعر کا منظوم اردو ترجمہ کرنے کے بجائے، اسی طرح یہ شعر منظوم اردو ترجمہ میں دے دیا ہے۔

-2 دوسرے شعر کا منظوم اردو ترجمہ بھی اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ پہلے مصرعے 'ولیکن من ندانم گوہرم چیست' کا مطلب 'لیکن میں نہیں جانتا کہ میں کیا گوہر ہوں' مظفر مجاز نے اس کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے 'نہیں معلوم ہم ہیں کون گوہر'۔ اس منظوم اردو ترجمہ سے اصل متن کا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ لفظ 'کون' کی جگہ پر 'کیسے' یا 'کیا' آنا چاہیے تھا۔ اسی طرح دوسرے مصرعے میں 'تنم خاک' (میرا جسم مٹی ہے) کا منظوم

اردو ترجمہ کیا گیا ہے 'تو ہم خاک'۔ یہاں ترجمہ ہونا چاہیے تھا 'اگرچہ ہم ہیں خاک'۔ اگر اس بحر میں رباعی کا منظوم اردو ترجمہ ممکن نہیں تھا تو مضطر صاحب کو چاہیے تھا کہ کسی اور بحر میں ترجمہ کر لیتے یا پھر اس رباعی کا ترجمہ نہ کرتے۔ اس طرح کے ترجمہ کا کیا فائدہ جسے سمجھا نہ جا سکے۔

رباعی نمبر 84

منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز	اصل متن از پیامِ مشرق
نہاں ہے میرے سینے میں اک عالم	نہاں در سینۂ ما عالمے ہست
ہے دل اس خاک میں اور دل میں غم ہے	بخاکِ ما دلے، در دل غمے ہست
اُسی صہبا سے جس سے جاں ہے سوزاں	ازاں صہبا کہ جانِ ما برافروخت
ابھی باقی سبو میں میرے نم ہے	ہنوز اندر سبوے ما نمے ہست
(579)	(578)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

ہمارے سینے کے اندر بھی ایک جہان ہے + ہماری مٹی (جسم) کے اندر ایک دل ہے اور دل میں غم (غم عشق) موجود ہے۔

اس شراب سے (شراب عشق سے کہ جس سے تو نے) میری جان کو روشن کیا تھا + میرے پیالہ میں ابھی تک نم ہے (جس نے مجھے جان عطا کی ہے اس کا پرتو میری جان میں موجود ہے شرط تلاش کی ہے۔ وہ مل جائے تو گم شدہ جہان مل جائے)۔ (580)

-1 رباعی نمبر 84 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور عین درست ہے۔

-2 ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔

-3 ترجمہ میں فارسی متن کے الفاظ 'نہاں'، 'سینے'، 'عالم'، 'دل'، 'خاک'، 'غم'، 'صہبا'، 'جاں'، 'سبو' اور 'نم' استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے منظوم اردو ترجمہ میں اصل متن کا سا شعری حسن اور ترنم پیدا ہو گیا ہے۔ اگر حاشیہ میں مشکل الفاظ جیسے نہاں (پوشیدہ)، عالم (جہاں)، صہبا (شراب) اور سبُو (پیالہ) کے معانی دے دیے جاتے تو عام قاری کو تفہیمِ متن میں آسانی رہتی۔

-4 حاصل کلام یہ کہ تفہیم و ترسیل کے لحاظ سے رباعی نمبر 84 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

رباعی نمبر 85

منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز	اصل متن از پیامِ مشرق
مرے دل ! اے مرے دل! اے مرے دل!	دلِ من! اے دلِ من!! اے دلِ من !!!
مرے یم ، میرے کشتی، میرے ساحل!	یمِ من ، کشتیِ من ، ساحلِ من!
گرا مٹی پہ میری بن کے شبنم!	چو شبنم بر سرِ خاکم چکیدی؟
کہ خود غنچہ کھلاتی ہے مری گِل؟	و یا چوں غنچہ رستی از گلِ من؟
(582)	(581)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

اے میرے دل، اے میرے دل، اے میرے دل + میرے سمندر، اے میری کشتی، اے میرے ساحل۔

یا تو تو شبنم کی طرح میری مٹی پر ٹپکا ہے + اور یا تو غنچہ کی مانند میری مٹی سے اگا ہے (اگر تجھے گوشت کے لوتھڑے کی حیثیت سے دیکھا جائے تو تو مادی ہے اور اگر تجھے لطیفہ دل کے طور پر سمجھا جائے تو تو کوئی اور ہی شے ہے۔ تیرا وجود سالمات مادی کی وجہ سے نہیں بلکہ تو کوئی نوری جوہر ہے)(583)

1- مضطر مجاز نے رباعی نمبر 85 کے ترجمہ میں اصل متن کے صوری و معنوی محاسن قائم رکھنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ کامیاب نہیں ہوئے۔

2- انہوں نے اصل رباعی کی بحر میں ہی منظوم اردو ترجمہ کیا ہے اور ترجمہ میں اصل رباعی کے الفاظ 'دل'، 'یم'، 'کشتی'، 'ساحل'، 'شبنم'، 'غنچہ' اور 'گل' استعمال کیے ہیں۔ ترجمہ کا مقصد اصل کلام کی تفہیم اور تسہیل ہے۔ اگر حواشی میں الفاظ یم (سمندر)، غنچہ (کلی) اور گل (مٹی) کے معانی دے دیے جاتے تو تفہیم اور تسہیل کے فرائض بہ طریق احسن ادا ہو جاتے۔

3- پہلے شعر کے منظوم اردو ترجمہ میں 'میری کشتی' کے بجائے 'میرے کشتی' لکھا گیا ہے۔

4- دوسرے شعر کا منظوم اردو ترجمہ واضح اور عام فہم نہیں ہے۔ اگر اسے اصل متن کے بغیر پڑھیں تو اس کا مفہوم بالکل سمجھ نہیں آتا۔ اگر فارسی متن کو سمجھ کر اسے پڑھیں تو اس کا کچھ مفہوم واضح ہوتا ہے۔ پہلے مصرعے کا منظوم اردو ترجمہ کسی حد تک تشفی کرتا ہے مگر مترجم دوسرے مصرعے کا صحیح ترجمہ نہیں کر سکے جس وجہ سے مفہوم واضح نہیں ہو سکا۔ انہوں نے دوسرے مصرعے کا ترجمہ کیا ہے 'کہ خود غنچہ کھلاتی ہے مری گِل؟' اصل متن کے مطابق اس کا ترجمہ ہونا چاہیے تھا کہ 'یا تو کھلا غنچہ کی مانند مری گِل سے؟' بحر کی پابندی کی وجہ سے مضطر مجاز اس مصرعے کا صحیح ترجمہ نہیں کر پائے۔ بہتر تو یہی تھا کہ وہ کسی اور بحر میں ترجمہ کر دیتے۔

رباعی نمبر 127

منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز	اصل متن از پیامِ مشرق
یہ دل ہے میرے پہلو میں، تو بہتر	تو اے دل تا نشینی در کنارم
ہے تشریفِ شہاں سے میری گدڑی!	ز تشریفِ شہاں خوشتر گلیم
رہے گا بعدِ مردن بھی مرے ساتھ	درونِ سینہ ام باشی پس از مرگ؟
مجھے اِس دل سے امیدیں ہیں کتنی!	من از دستِ تو در امید و بیم
(585)	(584)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

اے میرے دل جب تک تو میرے پہلو (سینہ) میں ہے + میری گودڑی بادشاہوں کے

لباس یا خلعت سے زیادہ اچھی ہے۔

کیا تو میری موت کے بعد بھی میرے سینے میں رہے گا + میں اس بارے میں تیرے ہاتھ سے (تیری طرف سے) امید اور خوف کے درمیان ہوں (امید اس بات کی کہ اگر دل بیدار ہے تو اسے موت نہیں اور ڈر اس بات کا کہ اگر یہ عام دل ہے اور گوشت کا لوتھڑا ہی ہے تو اسے موت آ جائے گی۔ اس لیے دل کو دل بیدار بناؤ۔ قرآن اور صوفیا کی اصطلاح میں اپنے قلب کو فواد بناؤ۔ قلب سلیم بناؤ۔ قلب منیب بناؤ)(586)

-1 پہلے شعر کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔ مضطر مجاز نے بڑی خوبصورتی سے منظوم اردو ترجمہ کی شکل میں اصل متن کا مفہوم بیان کر دیا ہے۔

-2 دوسرے شعر کے پہلے مصرعے کا ترجمہ تو اصل متن کے مطابق ہے مگر دوسرے مصرعے کا ترجمہ درست نہیں ہے۔ دوسرے مصرعے 'من از دستِ تو در امید و بیمم' کا مطلب ہے 'میں اس بارے میں تیرے ہاتھ سے (تیری طرف سے) امید اور خوف کے درمیان ہوں'۔ علامہ کا مطلب ہے مجھے امید ہے کہ دل بیدار ہے تو اسے موت نہیں۔ ڈر اس بات کا ہے کہ اگر یہ حقیقی طور پر بیدار نہ ہوا تو اسے موت آ جائے گی۔ علامہ اقبال نے اس مصرعے میں دل کے بارے میں امید اور خوف کی حالت بیان کی ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں امید اور خوف دونوں حالتوں کا اصل پیرائے میں ذکر نہیں کیا گیا۔ بلکہ بات کیا سے کیا بنا دی گئی ہے۔ منظوم اردو ترجمہ 'مجھے اس دل سے امیدیں ہیں کتنی!' کسی طرح سے بھی اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

رباعی نمبر 144

منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز	اصل متن از پیامِ مشرق
<u>خرد کرپاس</u> کو چاہے تو <u>زرّینہ</u> بنا ڈالے	خرد کرپاس را زرّینہ سازد
کمال اس کا تو پتھر کو بھی <u>آئینہ</u> بنا ڈالے	کمالش سنگ را آئینہ سازد
<u>نوائے شاعر</u> جادوبیاں میں ہے اثر ایسا	نوائے شاعرِ جادو نگارے
کہ <u>نیشِ زندگانی</u> کو وہ <u>نوشینہ</u> بنا ڈالے	ز نیشِ زندگی نوشینہ سازد
(588)	(587)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

عقل کھدر کے موٹے کپڑے کو سونے سے مرصع کپڑا بنا دیتی ہے + اس کا کمال پتھر کو آئینہ بنا دیتا ہے۔ ایک جادو کے اثر کی شاعری کرنے والے شاعر کی نوا + زندگی کے زہر کو شیریں شربت بنا دیتی ہے۔(589)

-1 رباعی نمبر 144 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

-2 مضطر مجاز نے منظوم اردو ترجمہ میں فارسی رباعی کے الفاظ 'خرد'، 'کرپاس'، 'زرّینہ'، 'آئینہ'، 'نوائے شاعر'، 'نیشِ زندگانی' اور 'نوشینہ' استعمال کیے ہیں۔ اس سے منظوم اردو ترجمہ میں فارسی رباعی کا سا صوری و معنوی حسن پیدا ہو گیا ہے، تاہم مشکل الفاظ کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔ لغت اور منثور

اردو ترجمہ کے بغیر اس رباعی کے منظوم اردو ترجمہ کو نہیں سمجھا جا سکتا۔

رباعی نمبر 150

منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز	اصل متن از پیامِ مشرق
قبائے زندگانی چاک کب تک؟	قبائے زندگانی چاک تا کے؟
ارے تیرا نشیمن خاک کب تک؟	چو موراں آشیاں در خاک تا کے؟
ذرا پَر کھول! شاہینی بھی کچھ سیکھ	بہ پرواز آ و شاہینی بیاموز
تلاشِ دانہ در خاشاک کب تک؟	تلاشِ دانہ در خاشاک تا کے؟
(591)	(590)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم

زندگی کا لباس کب تک پھٹا رہے گا + چیونٹیوں کی طرح کب تک مٹی میں گھر رہے گا۔
اڑان اختیار کر اور شاہینی سیکھ (جس طرح شاہین زمین سے کہیں بلندی پر اڑ کر اپنا شکار تلاش کرتا ہے تو بھی ہمت کے آسمانوں پر پرواز کر) + تو کب تک (زمین پر بکھرے ہوئے) تنکوں میں اپنا دانہ (روزی) تلاش کرتا رہے گا (کب تک رذیل و ذلیل زندگی بسر کرتا رہے گا۔)(592)

1- رباعی نمبر 150 کے پہلے شعر کے پہلے مصرعے کا منظوم اردو ترجمہ درست ہے۔ دوسرے مصرعے کا منظوم اردو ترجمہ درست نہیں۔ دوسرے مصرعے 'چو موراں آشیاں در خاک تا کے؟' کا مطلب ہے 'چیونٹیوں کی طرح کب تک مٹی میں (تیرا) گھر رہے گا؟' اس کا منظوم اردو ترجمہ کیا گیا ہے 'ارے تیرا نشیمن خاک کب تک؟' اس ترجمہ میں چیونٹیوں کا ذکر نہیں ہے۔ 'در خاک' یعنی 'خاک میں' کا ترجمہ 'خاک' کر دیا گیا ہے۔ مفہوم کے لحاظ سے دوسرے مصرعے کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

2- دوسرے شعر کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔ مضطر مجاز صاحب نے فارسی رباعی کے آخری مصرعے کے دو الفاظ 'تا کے؟' کو 'کب تک؟' سے تبدیل کر کے اسے منظوم اردو ترجمہ کی شکل دے دی ہے۔ اس حکمتِ عملی سے انہوں نے اس رباعی کے پہلے مصرعے کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔ فارسی زبان سے اردو میں ترجمہ کا مقصد، اردو دان حضرات کو فارسی کلام اقبال کے حقیقی مفہوم اور اس کے صوری و معنوی محاسن سے آگاہ کرنا ہے۔ فارسی زبان سے ناواقف قارئین فارسی الفاظ و تراکیب اور قریباً اصل فارسی متن پر مشتمل اس طرح کے منظوم اردو ترجمہ سے استفادہ نہیں کر سکتے۔

رباعیات نمبر 24، 25، 34، 84، 85، 127، 144 اور 150 کے اصل متن، منثور اردو ترجمہ اور منظوم اردو ترجمہ کے تقابل و جائزہ اور بغور مطالعہ سے واضح ہوا ہے کہ رباعیات نمبر 24، 25، 84 اور 144 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔ رباعیات نمبر 34 اور 85 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں۔ رباعیات نمبر 127 اور 150 کا منظوم اردو ترجمہ جزوی طور پر درست ہے۔ شماریاتی لحاظ سے 50% رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔ پچیس فی صد (25%) رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ جزوی طور پر درست ہے۔ پچیس فی صد (25%) رباعیات

کا ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

افکار

تنہائی

منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز	❶	اصل متن از پیامِ مشرق
گیا میں سوئے بحر اک دن، کہا یہ موجِ مضطر سے		بہ بحر رفتم و گفتم بہ موجِ بیتابے
تجھے بس اک طلب ہے، یہ بتا مشکل ہے کیا تیری		ہمیشہ در طلب استی چہ مشکلے داری؟
ہزاروں لولوئے لالہ سے پُر تیرا گریباں ہے		ہزار لولوے لالاست در گریبانت
درونِ سینہ میرا سا، بتا رکھتی ہے تو دل بھی؟		درونِ سینہ چو من گوہر دلے داری؟
تڑپ کر ایک دم ساحل سے نکلی اور چپ سادھی		تپید و از لب ساحل رمید و ہیچ نگفت

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

① میں سمندر کی طرف گیا اور بل کھاتی ہوئی (بیقرار) لہر سے کہا (پوچھا) + تو ہمیشہ طلب میں رہتی ہے (آخر) تو کیا مشکل رکھتی ہے (موج کو بے قراری کی حالت میں رواں دواں دیکھ کر شاعر نے یہ خیال کیا ہے کہ یہ کسی کی طلب میں بے چین ہے)۔

② تیرے گریبان میں ہزاروں چمک دار موتی ہیں + کیا تو اپنے سینے میں میرے دل جیسا گوہر بھی رکھتی ہے۔

مصرع: وہ تڑپی، ساحل کے کنارے سے چلی گئی اور اس نے کچھ نہ کہا۔

1- پہلے بند کا منظوم اردو ترجمہ قریباً اصل متن کے مطابق ہے۔

2- پہلے شعر کے دوسرے مصرعے 'ہمیشہ در طلب استی چہ مشکلے داری؟' کا مطلب ہے 'تو ہمیشہ طلب میں رہتی ہے (آخر) تو کیا مشکل رکھتی ہے؟' اس مصرعے میں ہمیشہ کی طلب کا ذکر ہے مگر منظوم اردو ترجمہ میں اسے بس اک طلب کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اس مصرعے کا منظوم اردو ترجمہ 'تجھے بس اک طلب ہے، یہ بتا مشکل ہے کیا تیری' درست نہیں ہے۔

3- اس بند کے آخری مصرعے 'تپید و از لب ساحل رمید و ہیچ نگفت' کا مطلب ہے 'وہ (مضطرب موج) تڑپی، ساحل کے کنارے سے چلی گئی اور اس نے کچھ نہ کہا' اس مصرعے میں موجِ ساحل کا ذکر ہے جو مضطرب ہے اور یوں نظر آتا ہے کہ ہر وقت کوئی طلب اسے بے چین رکھتی ہے۔ شاعر کی بات سُن کر وہ تڑپی اور ساحل کے کنارے سے چلی گئی۔ فارسی متن اور اس کا منثور اردو ترجمہ تو درست ہے مگر منظوم اردو ترجمہ درست نہیں۔ اس میں 'از لب ساحل رمید' (ساحل کے کنارے سے چلی گئی) ترجمہ کیا گیا ہے (تڑپ کر ایک دم ساحل سے نکلی)۔ ساحل سے نکلی سے مراد کیا ہے؟ اس مصرعے میں موجِ ساحل کا ذکر ہے نہ کہ ریلوے ٹرین کا، جو اسٹیشن سے نکلتی ہے۔ اصل متن میں یہ ذکر نہیں ہے کہ موج ساحل سے باہر نکل گئی بلکہ اس میں تو ذکر ہے کہ 'از لب ساحل رمید' یعنی 'ساحل کے کنارے سے چلی گئی'۔

مذکورہ بالا کمزوریوں کی وجہ سے منظوم اردو ترجمہ میں اصل متن کا سا صوری و معنوی حسن نظر نہیں آتا۔

منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز	❷	اصل متن از پیامِ مشرق
چلا پھر کوہ کی جانب ، کہا کیا ہے یہ بیدردی		بکوہ رفتم و پرسیدم ایں چہ بیدردی است
کہ کانوں تک ترے آہ وفغانِ غم زدہ پہونچی؟		رسد بگوشِ تو آہ و فغانِ غم زدۂ؟
یہ سنگِ لعل تیرا قطرۂ خوں سے بنا ہے گر		اگر بہ سنگِ تو لعلے ز قطرۂ خون است
ادھر آ اور یہ مجھ غم زدہ سے بات کر تھوڑی		یکے در آ بسخن با من ستم زدۂ
بہ خودگم ہو کے گہری سانس کھینچی اور چپ سادھی؟		بخود خزید و نفس در کشید و ہیچ نگفت

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

① میں پہاڑ کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ یہ تیری کیسی بیدردی ہے+ کبھی تیرے کانوں تک کسی غم زدہ کی فریاد اور آہ بھی پہنچتی ہے؟

② اگر تیرے پتھر میں خون کے قطرہ کا کوئی لعل ہے (یعنی میری طرح کا دل تیرے اندر بھی ہے)+ ایک بار مجھ ستم زدہ کے ساتھ بھی کوئی بات کر۔

مصرع: وہ اپنے آپ میں چھپ گیا یعنی چپ چاپ رہا، اس نے سانس کھینچ لیا یا سکڑ کر منہ چھپا لیا اور کچھ نہ کہا۔

1- مجموعی طور پر دوسرے بند کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

2- ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔ دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے 'ادھر آ اور یہ مجھ غم زدہ سے بات کر تھوڑی' میں لفظ 'یہ' شعری ضرورت کے تحت دیا گیا ہے، تاہم اس لفظ کی وجہ سے ترجمہ خوبصورت نہیں رہا۔

3- آخری مصرعے کے منظوم اردو ترجمہ سے پتہ نہیں چلتا کہ کس کا ذکر ہو رہا ہے۔ 'بخود خزید و نفس در کشید و ہیچ نگفت' کا مطلب ہے 'وہ اپنے آپ میں چھپ گیا یعنی چپ چاپ رہا، اس نے سانس کھینچ لیا یا سکڑ کر منہ چھپا لیا اور کچھ نہ کہا۔' مگر منظوم اردو ترجمہ میں الفاظ 'اُس نے' استعمال نہ ہونے کی وجہ سے پتہ نہیں چلتا کہ کس نے گہری سانس کھینچی اور چپ سادھی۔ اس لحاظ سے منظوم اردو ترجمہ 'بہ خودگم ہو کے گہری سانس کھینچی اور چپ سادھی؟' کا مفہوم واضح نہیں ہے۔

منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز	❸	اصل متن از پیامِ مشرق
کیا طے اک سفر لمبا ، کہا ماہِ درخشاں سے		رہِ دراز بریدم ز ماہ پرسیدم
سفر ہی تیری قسمت ہے، تیری منزل بھی ہے کوئی؟		سفر نصیب! نصیبِ تو منزلے است کہ نیست؟
ترے پرتو سے یہ سارا جہاں، ٹھہرا سمن زار اک		جہاں ز پرتوِ سیمائے تو سمن زارے
چمک داغوں کی تیرے، جلوۂ دل سے ، بتا ہے بھی		فروغِ داغِ تو از جلوۂ دلے است کہ نیست؟
رقیبانہ سوئے انجم نظر کی اور چپ سادھی!		سوئے ستارہ رقیبانہ دید و ہیچ نگفت

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

① میں نے لمبا سفر اختیار کیا (اور) چاند سے پوچھا+ اے وہ جس کے نصیب میں سفر ہی سفر ہے تیری قسمت میں کوئی منزل بھی ہے یا نہیں ہے۔

② جہان تیری چاندنی سے (چاندی جیسے پرتو سے) ایک سمن زار بنا ہوا (یعنی سمن کے

پھولوں کی کیاری لگتا ہے) + تیرے اندر جو داغ ہے کیا اس کی چمک کسی دل کی وجہ سے ہے یا نہیں ہے۔

مصرع: اس نے ستارے کی طرف ایسے دیکھا جیسے کوئی رقیب کو دیکھتا ہو اور کچھ نہ کہا۔

1- مجموعی طور پر تیسرے بند کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

2- اس بند کے دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے 'فروغِ داغِ تو از جلوۂ دلے است کہ نیست؟' کا مطلب ہے 'تیرے اندر جو داغ ہے کیا اس کی چمک کسی دل کی وجہ سے ہے یا نہیں ہے'۔ اس کے منظوم اردو ترجمہ 'چمک داغوں کی تیرے، جلوۂ دل سے، بتا ہے بھی' سے اصل متن اور منثور اردو ترجمہ کی طرح واضح مفہوم نہیں ملتا۔

منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز	4	اصل متن از پیامِ مشرق
گیا پھر حضرتِ یزداں میں، ماہ و مہر سے گزرا		شدم بحضرتِ یزداں گذشتم از مہ و مہر
تری دنیا میں اک ذرہ نہیں ہے آشنا میرا		کہ در جہانِ تو یک ذرہ آشنایم نیست
جہاں تیرا تہی دل سے، یہ مشتِ خاک دل ہی دل		جہاں تہی ز دل و مشتِ خاکِ من ہمہ دل
چمن یہ خوب ہے، پر کب ہے درخورِ نوا میرا		چمن خوش است ولے در خورِ نوایم نیست
ہنسی سی ایک اس کے لب پر آئی اور چپ سادھی!		تبسّمے بہ لب او رسید و ہیچ نگفت
(594)		(593)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

① میں سورج اور چاند سے گزر کر (آنسوئے افلاک) خدا کے حضور پہنچا اور (اس سے کہا) + کہ تیرے جہان میں ایک ذرہ بھی میرا آشنا نہیں ہے۔

② جہان دل سے خالی ہے اور میں تمام کا تمام دل ہوں (سراپا عشق ہوں) یہ (دنیا کا) چمن اچھا ہے لیکن میری نوا کے لائق نہیں۔ مراد ہے یہاں میرا کوئی ہم زباں یا راز دار نہیں۔

مصرع: اس کے لب پر مسکراہٹ پھیلی اور اس نے کچھ نہ کہا (مسکراہٹ میں یہ رمز ہے کہ وہ خالق کائنات یہ جانتا تھا کہ میں نے آدمی کے سینہ کے علاوہ دل کسی اور میں پیدا نہیں کیا۔ انسان کے سوا ہر مخلوق جذبہ عشق سے خالی ہے)۔ (595)

1- پہلے شعر کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔

2- دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں استعمال ہونے والے الفاظ 'درخورِ نوایم' (میری نوا کے لائق) کا منظوم اردو ترجمہ کیا گیا ہے 'درخورِ نوا' جو کہ درست نہیں ہے۔ لفظ 'خور' کو منظوم اردو ترجمہ میں 'خورد' بنا دیا گیا ہے۔ جو کہ درست نہیں ہے۔ مجموعی طور پر نظم 'تنہائی' کا ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔

<u>بندگی</u>

منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز	1	اصل متن از پیامِ مشرق
رات اک میکدے میں مغ بچۂ بادہ فروش		دوش در میکدہ ترسا بچۂ بادہ فروش
کہہ رہا تھا کہ مری بات کر آویزۂ گوش		گفت از من سخنے دار چو آویزہ بگوش

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

کل رات شراب خانے میں ایک شراب بیچنے والا عیسائی بچہ یا شراب بیچنے والے کا مرید مجھ سے کہنے لگا کہ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں اسے کان میں بندے کی طرح لٹکا لے۔ مراد ہے اسے کان میں ڈال لے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❷ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

اصل متن	منظوم اردو ترجمہ
مشربِ بادہ گسارانِ کہن ایں بود است	ہے یہی بادہ گسارانِ کہن کا مشرب
کہ تو از میکدہ خیزی ہمہ مستی، ہمہ ہوش	کہ تو مئے خانے سے اٹھ! باہمہ مستی، ہمہ ہوش

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

پرانے شراب پینے والوں کا مشرب یا طریقہ یہ رہا ہے + کہ تو شراب پینے کے بعد جب شراب خانے سے باہر جائے تو باوجود کامل مستی کے کامل ہوشیار رہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❸ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

اصل متن	منظوم اردو ترجمہ
من نگویم کہ فرو بند لب از نکتۂ شوق	نکتۂ شوق بیان شوق سے کر، ہونٹ نہ سی!
ادب از دست مدہ، بادہ باندازہ بنوش	پر نہ دامانِ ادب چھوٹے، بن ایسا مئے نوش

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

میں یہ نہیں کہتا کہ لب بند رکھ اور شوق کی رمز بیان نہ کر + (لیکن) ہاتھ سے ادب کو نہ جانے دے اور شراب اندازے کے مطابق پی۔

اصل متن از پیامِ مشرق ❹ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

اصل متن	منظوم اردو ترجمہ
گردِ راہیم ولے ذوقِ طلب جوہرِ ماست	جوہر ذوقِ طلب رکھتے ہیں، ہم گرد راہ
بندگی باہمہ جبروتِ خدائی مفروش	بندگی دے کے خدائی نہ خرید اے کم کوش
(596)	(597)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

اگرچہ ہم گرد راہ ہیں یعنی خاکی بندے اور جہان میں عارضی طور پر قیام کرنے والے ہیں لیکن ہمارے اندر ذوق طلب کا جوہر موجود ہے (اور یہ جوہر اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے لیے صرف کرنہ کہ کبریائی کے لیے) + بندگی (عبودیت/ اللہ کا بندہ ہونا) کو خدائی کی ہر قسم کی ہیبت اور دبدبہ کے عوض نہ بیچ۔ (تو اپنے کمال کے لحاظ سے جتنا بلند بھی ہو جائے خود کو ناچیز بندہ ہی سمجھ۔ ہم اپنی اصل کے لحاظ سے عبد ہیں اس لیے مقام عبدیت ہی میں ہماری حیات اور لطف حیات ہے نہ کہ خدائی عظمت و جلال حاصل کرنے میں اس نظم میں شراب خانہ اور اس کے لوازمات کی علامات میں، سلوک، منزل سلوک، سالک اور حالات و مقامات سالک کی بات کی گئی ہے۔(598)

1- نظم 'بندگی' کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

2- منظوم اردو ترجمہ میں فارسی متن کے الفاظ 'بچۂ بادہ فروش'، 'آویزۂ گوش'، 'بادہ گسارانِ کہن'، 'مشرب'، 'باہمہ

مستی'، 'ہمہ ہوش'، 'نکتۂ شوق'، 'جوہرِ ذوقِ طلب' اور 'گردِ راہ' استعمال ہوئے ہیں۔ حاشیہ میں ان الفاظ کے معانی نہیں دیے گئے۔ اس لیے یہ ترجمہ عام قاری کے لیے تو قابلِ فہم نہیں ہے۔

3- جس طرح لغت اور منثور اردو ترجمہ کے بغیر فارسی کلام کو نہیں سمجھا جاسکتا، اسی طرح کوئی عام قاری لغت و منثور اردو ترجمہ بغیر منظوم اردو کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔

4- پہلے تین اشعار کا ترجمہ اگرچہ مشکل مگر متن کے مطابق ہے، تاہم چوتھے شعر کے پہلے مصرعے کا ترجمہ اصل متن کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا۔ 'گردِ راہیم ولے ذوقِ طلب جوہرِ ماست' کا مطلب ہے 'اگرچہ ہم گردراہ ہیں یعنی خاکی بندے اور جہان میں عارضی طور پر قیام کرنے والے ہیں لیکن ہمارے اندر ذوقِ طلب کا جوہر موجود ہے'۔ اس کے منظوم اردو ترجمے 'جوہرِ ذوقِ طلب رکھتے ہیں 'ہم گردراہ' سے مفہوم واضح نہیں ہوتا کہ 'ہم گردِ راہ' سے کیا مراد ہے؟ اگر اس کی جگہ پر الفاظ آتے 'گرچہ گردراہ ہیں ہم' تو مفہوم واضح ہوجاتا۔ بحر کی پابندی کی وجہ سے مضطر مجاز صاحب نے مختصر الفاظ کی مدد سے مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی ہے، مگر کامیاب نہیں ہُوئے۔

5- اس نظم کے منظوم اردو ترجمہ میں مضطر صاحب کی فنی مہارت بھی نظر آتی ہے۔ مثلاً چوتھے شعر کے دوسرے مصرعے 'بندگی باہمہ جبروتِ خدائی مفروش' کا مطلب ہے 'بندگی (عبودیت/ اللہ کا بندہ ہونا) کو خدائی کی ہر قسم کی ہیبت اور دبدبہ کے عوض نہ بیچ۔ انہوں نے اس مصرعے کا لفظی ترجمہ کرنے کے بجائے اس کا مفہوم مدنظر رکھا اور فنی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا منظوم اردو ترجمہ کردیا کہ 'بندگی دے کے خدائی نہ خریدا ے کم کوش'۔

مجموعی طور پر نظم 'بندگی' کا ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے مگر فارسی زبان کے مشکل الفاظ وتراکیب کے استعمال کی وجہ سے یہ ترجمہ عام فہم نہیں ہے۔

غلامی

منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز	اصل متن از پیامِ مشرق
آہ! آدم نے سدا بندگی آدم کی	آدم از بے بصری بندگیِ آدم کرد
اس کو دولت جو ملی نذرِ قباد و جم کی	گوہرے داشت ولے نذرِ قباد و جم کرد
یعنی اس خو میں وہ کتوں سے فروتر نکلا	یعنی از خوئے غلامی زسگاں خوار تر است
سگ کے آگے کبھی سگ نے نہ یوں گردن خم کی!	من ندیدم کہ سگے پیشِ سگے سرخم کرد
(600)	(599)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

آدمی نے اپنی (حقیقت آدمیت) سے بے خبری کی بناء پر آدمی کی غلامی اختیار کی ہے+ وہ (آدمیت اور آزادی کا) جو گوہر رکھتا تھا اسے اس نے (ایران کے بادشاہوں) کیقباد اور جمشید کے سپرد کردیا مراد ہے وہ آقاؤں کا غلام ہوگیا۔ اس طرح وہ شرف آدمیت سے محروم ہوگیا۔

(آدمی نے شرف آدمیت کو بھلا کر جب غلامی کی خو اختیار کرلی تو) غلامی کی عادت میں وہ

کتوں سے بھی ذلیل اور رذیل ثابت ہوا+ (کیونکہ) میں نے نہیں دیکھا ہے کہ کسی کتے نے کسی دوسرے کتے کے سامنے گردن خم کی ہو۔ (601)

-1 نظم 'غلامی' کے پہلے شعر کے منظوم اردو ترجمہ میں اصل متن کے لفظ 'بے بصری' کا مفہوم نہیں دیا گیا۔ 'آدم از بے بصری بندگی آدم کرد' کا مطلب ہے 'آدمی نے اپنی (حقیقتِ آدمیت) سے بے خبری کی بنا پر آدمی کی غلامی اختیار کی ہے'۔ اس مصرعے میں انسان کی غلامی کی خُو اور اس کی وجہ یعنی 'بے بصری' کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ ہے 'آہ! آدم نے سدا بندگی آدم کی'۔ منظوم اردو ترجمہ میں آدم کی بندگی کا تو ذکر ہے، مگر بندگی کی وجہ بیان نہیں کی گئی۔ اگر یہ مصرعہ 'کی' کے اضافے کے ساتھ اس طرح سے ہو 'آہ! آدم نے سدا بندگی آدم کی کی' (یا) 'آہ! آدم نے سدا کی بندگی آدم کی' تو مفہوم مزید واضح ہو جاتا ہے۔

-2 دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے کے الفاظ 'من ندیدم' (میں نے نہیں دیکھا) کا منظوم اردو ترجمہ میں مفہوم نہیں دیا گیا۔ اگرچہ ان الفاظ کے بغیر بھی کافی حد تک اصل متن کا مفہوم ادا ہو گیا ہے، تاہم الفاظ 'من ندیدم' سے ذاتی تجربہ و مشاہدہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر کوئی اپنے مشاہدہ و تجربہ کے حوالے سے کسی امر کا ذکر کرے تو اس سے بات زیادہ موثر ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس حوالے سے اس مصرعے میں ایک امر واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں ان کے فارسی کلام کا سا موثر اندازِ بیان نظر نہیں آتا۔

مئے باقی

غزل نمبر18

❶

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز
موج را از سینۂ دریا گسستن می تواں	موج کو بھی اک دریا کے سینے سے نکالا جا سکتا ہے
بحرِ بے پایاں بجوئے خویش بستن می تواں	بحرِ بے پایاں کو ندی میں اپنی باندھا جا سکتا ہے

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

موج کو دریائے کے سینہ (سطح) سے جدا کیا جا سکتا ہے+ (اور) بے کنارہ سمندر کو اپنی نہر میں ڈالا جا سکتا ہے مراد ہے انسان خودی (موج) کو خدا کی خودی (دریا) سے جدا کیا جا سکتا اور اس انسانی خودی کو ایک الگ حیثیت دی جا سکتی ہے اور ساتھ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس انسانی خودی (جوئے خویش) میں خدا (بحرِ بے پایاں) کو سمویا جا سکتا ہے۔

❷

اصل متن از پیامِ مشرق	منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز
از نوائے می تواں یک شہرِ دل در خوں نشاند	سوزِ نوا سے شہرِ دل میں خون کی ندیاں بہہ سکتی ہیں
یک چمن گل از نسیمے سینہ خستن می تواں	موجِ نسیم سے ایک "چمن گل"، سینہ چیرا جا سکتا ہے

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

ایک نوائے عاشقانہ سے دل کے ایک شہر یا شہر کے سب افراد کے دلوں کو خون میں نہلایا جا سکتا ہے+ ایک نسیم کی موج سے چمن کے سارے پھولوں کا سینہ خستہ کیا جا سکتا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	3	منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز
می تواں جبریل را گنجشکِ دست آموز کرد		سدھی ہوئی چڑیا کی طرح جبریل کو بس میں کر سکتے ہیں
شہپرش با موے آتش دیدہ بستن می تواں		جلے ہوئے اک بال سے اس کا شہپر باندھا جاسکتا ہے

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

جبریل فرشتہ کو ہاتھ کی سدھائی ہوئی چڑیا کیا جاسکتا ہے + اس کے بڑے پر کو جلے ہوئے یا کمزور بال سے باندھا جاسکتا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق	4	منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز
اے سکندر! سلطنت نازک تر از جامِ جم است		جامِ جم سے نازک تر ہے کارِ سلطنت اے اسکندر!
یک جہاں آئینہ از سنگے شکستن می تواں		ایک ''جہاں آئینہ'' اک پتھر سے توڑا جا سکتا ہے!

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

اے سکندر بادشاہ! سلطنت جمشید کے شیشے کے پیالے سے بھی زیادہ نازک ہے + ایک جہان کے آئینوں کو ایک پتھر سے توڑا جاسکتا ہے (یہ ایک سلطنت کا شیشہ کیا چیز ہے)۔

اصل متن از پیامِ مشرق	5	منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز
گر بخود محکم شوی سیلِ بلا انگیز چیست		تو ہو اگر محکم تو سیلِ بلا انگیز نہیں ہے کچھ بھی
مثلِ گوہر در دلِ دریا نشستن می تواں		مثلِ گوہر دریا کے دل میں بھی بیٹھا جا سکتا ہے

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

اگر تو خود مضبوط ہو جائے (اپنی خودی کو مستحکم کر لے) تو پھر بلائیں (آفتیں) پیدا کرنے والا طوفان دریا کیا چیز ہے (یعنی کچھ بھی نہیں)۔ موتی کی مانند دریا کے دل (تہ) میں بیٹھا جاسکتا ہے (اور طوفان سے بچا جاسکتا ہے شرط خودی کو مضبوط کر کے گوہر بننے کی ہے)۔

اصل متن از پیامِ مشرق	6	منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز
من فقیرِ بے نیازم مشربم ایں است و بس		میں ہوں فقیر بے نیاز اک، میرا مشرب ہے بس اتنا
مومیائی خواستن نتواں، شکستن می تواں		مومیائی تو نہیں ہے ممکن، لیکن ٹوٹا جا سکتا ہے
(602)		(603)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

میں بے نیاز فقیر ہوں میرا مذہب صرف یہ ہے اور بس + اپنی ہڈیوں کو جوڑنے کے لیے کسی سے) مومیائی تو طلب نہیں کی جاسکتی (البتہ) ان کو ٹوٹی ہوئی رہنے دینا گوارا کیا جاسکتا ہے مراد ہے گدائے بے نیاز بے سروسامانی کی حالت میں بھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا سکتا اصل اور حقیقی فقر یہی ہے محتاج اور دست نگر فقر فقیری کے نام پر دھبہ ہے۔ (604)

1- غزل نمبر 18 کے تمام اشعار اور ان کے منثور ترجمہ کے ساتھ منظوم اردو ترجمہ کے تقابل و جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ تمام اشعار کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

2- شعر نمبر 2 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے مگر اس کے دوسرے مصرعے کے منظوم اردو ترجمہ میں الفاظ

'چمنِ گل' کے بعد لفظ 'کا' کی کمی محسوس ہوتی ہے۔اس شعر کے دوسرے مصرعے 'یک چمن گل از نسیمے سینہ خستن می تواں' کا مطلب ہے 'ایک نسیم کی موج سے چمن کے سارے پھولوں کا سینہ خستہ کیا جاسکتا ہے'۔اس کا منظوم اردو ترجمہ ہے 'موجِ نسیم سے ایک 'چمن گل'، سینہ چیرا جاسکتا ہے'۔ مفہوم واضح کرنے کے لیے یہ ترجمہ اس طرح ہونا چاہیے تھا 'موجِ نسیم سے ایک 'چمن گل' کا سینہ چیرا جاسکتا ہے'۔ منظوم اردو ترجمہ میں 'چمن گل' کے ساتھ لفظ 'کا' کے اضافہ سے اس کا مفہوم مکمل اور واضح ہو جاتا ہے۔بحر کی پابندی کی وجہ سے مضطر مجاز یہاں پر لفظ 'کا' نہ دے سکے جس سے ترجمہ ادھورا رہ گیا۔

-3 شعر نمبر 6 کے دوسرے مصرعے کا منظوم اردو ترجمہ بھی اصل متن کا مفہوم واضح نہیں کرتا۔ دوسرے مصرعے 'مومیائی خواستن نتواں، شکستن می تواں' کا مطلب ہے '(اپنی ہڈیوں کو جوڑنے کے لیے کسی سے) مومیائی تو طلب نہیں کی جاسکتی (البتہ) ان کا ٹوٹی ہوئی رہنے دینا گوارا کیا جاسکتا ہے، مراد ہے گدائے بے نیاز بے سروسامانی کی حالت میں بھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا سکتا۔اس مصرعے کا منظوم اردو ترجمہ ہے 'مومیائی تو نہیں ہے ممکن' لیکن ٹوٹا جاسکتا ہے'۔ منظوم اردو ترجمے کا مفہوم غیر واضح ہے۔اگر اسے اصل متن کے ساتھ تقابل کر کے پڑھیں تو پھر بھی اس ترجمہ سے کوئی بات سمجھ نہیں آتی۔مضطر مجاز اس مصرعے کا صحیح ترجمہ نہیں کر پائے۔انہوں نے صرف خانہ پُری کے لیے یہ ترجمہ دے دیا ہے۔

مجموعی طور پر اس غزل کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔اس کے شعر نمبر 2 کے دوسرے مصرعے کا ترجمہ نامکمل اور شعر نمبر 6 کے دوسرے مصرعے کا ترجمہ غلط ہے۔

غزل نمبر 36

اصل متن از پیامِ مشرق	①	منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز
جہانِ عشق نہ میری نہ سروری داند		جہان عشق نہ میری نہ سروری
ہمیں بس است کہ آئینِ چاکری داند		یہی بہت ہے کہ آئین چاکری جانے

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔د۔نسیم

عشق کا جہان نہ امیری سے واقف ہے اور نہ آقائی سے + اس کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ وہ نوکری (خدمت گری) کا طور طریقہ اور اصول و قاعدہ جانتا ہے (یہاں اصل سرداری دوسروں کی خدمت ہے کیونکہ ایک مقولے کے مطابق جس نے خدمت کی وہی مخدوم ہو گیا۔اور یہ سردار، آقا یا مخدوم ہونا ایسا ہے جسے زوال نہیں)۔

اصل متن از پیامِ مشرق	②	منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز
نہ ہر کہ طوفِ بُتے کرد و بست زنّارے		نہیں ضرور جو پہنے جنیو، پھیرے لگائے
صنم پرستی و آدابِ کافری داند		صنم پرستی و آداب کافری جانے

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔د۔نسیم

نہ ہر وہ شخص جس نے کسی بت کا طواف کیا وہ زنار باندھنے والا (برہمن) ہو گیا + وہ بت پرستی اور مذہب کفر کے آداب جانتا ہے مراد ہے کسی بھی شے میں کمال حاصل کرنے کے

لیے ذاتی لیاقت، صلاحیت اوراس کے ساتھ اخلاص نیت وعمل کا ہونا ضروری ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ③ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

ہزار خیبر و صد گونہ اژدر است اینجا	یہاں ہیں خیبر و اژدر بہت، ضرور نہیں
نہ ہر کہ نانِ جویں خورد حیدری داند	کہ جو بھی نانِ جویں کھائے حیدری جانے

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب کعبہ میں پیدا ہوئے تو انہوں نے سجدہ میں سر رکھا اور اس اژدر (بڑے سانپ) کو چیر دیا جو سامنے آیا تھا اس فعل کو دیکھ کر ان کی والدہ نے ان کو حیدر (شیر) کا نام دیا تھا پھر جوانی میں انہوں نے مدینہ کے قریب یہودیوں کے مشہور قلعہ خیبر کو فتح کیا تھا یہ طاقت حضرت علیؓ میں طاقت دینے والی اور مرغن غذائیں کھانے سے نہیں آئی تھی بلکہ وہ تو روکھی سوکھی جو کی روٹی کھاتے تھے ستو پیتے تھے یہ طاقت ان میں ایمان کی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی اور ان کے فیضان صحبت کی تھی۔ یہ شعر اس پس منظر میں کہا گیا ہے)
یہاں ہزار رنگ کے خیبر اور سو ڈھنگ کے اژدہے ہیں+ ہر وہ شخص جو، جو کی روٹی کھاتا ہے شیری نہیں جانتا یعنی حضرت علیؓ جیسا نہیں ہوسکتا اس کے لیے حضرت علیؓ کی صفات کا ہونا ضروری ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ④ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

بچشمِ اہلِ نظر از سکندر افزون است	ہے چشمِ اہلِ نظر میں بڑا سکندر سے
گداگرے کہ مآلِ سکندری داند	گدائے رہ جو مآلِ سکندری جانے

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

نظر والوں کے نزدیک وہ سکندر فاتح سے بڑھ کر ہے+ (کون) وہ گدا جو سکندری کا انجام جانتا ہے (یعنی جانتا ہے کہ سلطنت، ملک، دولت، شہرت وغیرہ عارضی اشیا ہیں)۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑤ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

بعشوہ ہائے جوانانِ ماہ سیما چیست	اسی سے مل کہ حسیں تر ہے خوب رویوں سے
در آ بحلقۂ پیرے کہ دلبری داند	وہ مردِ پیر جو آئینِ دلبری جانے

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

چاند جیسے ماتھوں والے جوانوں کے ناز وانداز میں کیا رکھا ہے+ کسی بوڑھے (بزرگ) کے حلقہ میں آ کہ اصل دلبری تو وہ جانتا ہے مراد ہے شیخ کامل کی صحبت سے منکشف ہوگا کہ اصل حسن اور اصل معشوقی کیا ہے یہ جوانوں کا حسن اور معشوقیت تو عارضی ہے دائمی حسن ان میں ہے جنہوں نے حسن لازوال سے رشتہ جوڑا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑥ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

فرنگ شیشہ گری کرد و جام و مینا ریخت	فرنگ شیشہ گری کر کے ڈھالے ساغر و جام
بحیرتم کہ ہمیں شیشہ را پری داند!	مزہ یہ ہے کہ وہ شیشے ہی کو پری جانے

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

اہل یورپ نے شیشہ بنانے کارخانے بنائے اور ان میں پیالے اور صراحیاں بنائیں+ (لیکن) میں حیران ہوں کہ وہ اسی شیشہ کو (خالی پیالوں اور صراحیوں کو جو کارخانوں ہی میں موجود ہیں اور شراب خانوں تک نہیں پہنچیں) پری (شراب) سمجھ رہا ہے حالانکہ شراب ان میں بالکل نہیں ہے (مراد ہے یورپ کی تہذیب، ثقافت، علم، فن، فلسفہ، حکمت، شعر، ادب، ہنر، کسی بھی چیز کو لے لیں یہ سب مادی ترقی کے لیے تو ہیں انسانی اور روحانی ترقی سے خالی ہیں)۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑦ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

چہ گویمت ز مسلمانِ نامسلمانے	فسانہ یہ ہے مسلمان نامسلماں کا
جز ایں کہ پورِ خلیلؑ است و آزری داند	کہ ہے وہ پورِ خلیل اور آزری جانے

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

میں تجھے اس مسلمان کے متعلق جس میں مسلمانی باقی نہیں رہی کیا کہوں+ سوائے اس کے کہ وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد میں سے ہے (جو توحید پھیلانے اور کفر و شرک کو ختم کرنے کے لیے آئے تھے) لیکن یہ توحید کی بجائے آزری (بت پرستی) کو اپنائے ہوئے ہے۔ (حضرت ابراہیمؑ کی قوم کے باپ یا سردار کا نام آزر تھا جو بت بناتے، بیچتے اور پوجتے تھے یہ خیال غلط ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے باپ تھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھ سے آدم، تک میری نسل میں کوئی نجس (مشرک/ بت پرست) نہیں ہوا اور پھر موتی ٹھیکری میں نہیں سیپ میں پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح ہم قائداعظم کو بابائے قوم (قوم کا باپ) ترکی والے مصطفیٰ کمال کو اتاترک یعنی ترکوں کا باپ کہتے ہیں اسی طرح قرآن نے جب آزر کا ذکر بطور باپ کیا ہے تو حضرت ابراہیمؑ کے اپنے باپ کے طور پر نہیں بلکہ ان کی قوم کے باپ کی حیثیت سے کیا ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ قرآن میں باپ کے لیے والد کا لفظ آیا ہے اب سے مراد آبا و اجداد میں سے کوئی تایا یا چچا بھی ہو سکتا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑧ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

یکے بہ غم کدۂ من گذر کن و بنگر	کبھی ہو تیرا گذر میرے غم کدے سے تو دیکھ!
ستارہ سوختۂ کیمیا گری داند!	ستارہ سوختہ یہ، کیمیا گری جانے

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

ایک دفعہ میرے غم خانہ کی طرف گزر کر اور دیکھ+ کہ یہ ہے تو ستارہ سوختہ یعنی وہ جس کی قسمت کا ستارہ جل گیا ہے جو بدنصیب ہے غم کا مارا ہوا ہے لیکن وہ سونا بنانے کا فن جانتا ہے وہ اپنے اس فن سے آدمی کی مٹی کو سونا بنا سکتا ہے یعنی آدمی کو آدمیت و انسانیت سے آشنا کر سکتا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑨ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

بیا بمجلسِ اقبالؔ و یک دو ساغر کش — کبھی تو مجلسِ اقبالؔ میں بھی بیٹھ کے پی!
اگرچہ سر نتراشد، قلندری داند — اگرچہ سر نہ تراشے، قلندری جانے
(605) (606)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

اقبال کی محفل میں آ اور ایک دو پیالے پی + وہ (قلندروں کی طرح اگرچہ) سر مونڈھا نہیں (پیروں فقیروں کی وضع نہیں رکھتا) لیکن قلندری جانتا ہے یعنی وہ فقر کے اور قلندری کے طور طریقوں اور رموز و اسرار سے واقف ہے آ تو بھی اس سے فیض یاب ہو۔ (تراشد کے معنی اگر مونڈنا کے سمجھ میں آتے ہیں لیکن یہاں مراد مونڈنا نہیں منڈوانا ہے)(607)

-1 غزل نمبر 36 نو (9) اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے منظوم اردو ترجمہ کا اصل متن اور منثور اردو ترجمہ سے موازنہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ اشعار نمبر 1، 5، 6 اور 7 کا منظوم اردو ترجمہ تشفی نہیں کرتا جبکہ دیگر اشعار کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

-2 منظوم اردو ترجمہ میں اصل کلام کی بحر اور الفاظ و تراکیب کے استعمال کی وجہ سے، اس میں اصل کلام کا سا صوری و معنوی حُسن نظر آتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اصل کلام سے مطابقت قائم کرنے کی کوشش میں نو میں سے چار اشعار کا ترجمہ مفہوم کے لحاظ سے غیر واضح اور ادھورا رہ گیا۔ منظوم اردو ترجمہ میں فارسی زبان کے مشکل الفاظ و تراکیب کے استعمال کی وجہ سے یہ ترجمہ ہر ایک کے لیے قابلِ فہم نہیں رہا۔ ضروری تھا کہ منظوم اردو ترجمہ میں استعمال ہونے والے مشکل الفاظ و تراکیب کے حواشی میں معانی دے کر تسہیل متن کا فریضہ بھی سرانجام دے دیا جاتا۔

-3 مضطر مجاز کا یہ منظوم اردو ترجمہ فارسی متن کے بغیر ہے۔ فارسی متن سامنے ہو تو منظوم اردو ترجمہ اور فارسی متن دونوں کی تفہیم میں آسانی رہتی ہے اور منظوم اردو ترجمہ کی صحت، اس کے محاسن اور کمزوریوں کا بھی علم ہو جاتا ہے۔

-4 شعر نمبر 1 کے پہلے مصرعے کے آخر پر لفظ 'داند' کا ترجمہ نہیں دیا گیا۔ فارسی متن کا پہلا مصرع، اسی طرح منظوم اردو ترجمہ میں دے دیا گیا ہے۔ اس کے آخر پر لفظ 'جانے' نہ آنے کی وجہ سے ترجمہ و روانی، تسلسل اور ربط قائم نہیں رہا۔

-5 شعر نمبر 5 کا منثور اردو ترجمہ ہے 'چاند جیسے ماتھوں والے جوانوں کے ناز و انداز میں کیا رکھا ہے۔ کسی بوڑھے (بزرگ) کے حلقہ میں آ کہ اصل دلبری تو وہ جانتا ہے' اس کا منظوم اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

اس سے مل کہ حسیں تر ہے خوب رویوں سے — وہ مردِ پیر جو آئینِ دلبری جانے

منظوم اردو ترجمہ میں 'خوب رویوں' کی جگہ پر 'خوبروؤں' آنا چاہیے تھا۔

-6 شعر نمبر 6 کے دوسرے مصرعے 'بحیرتم کہ ہمیں شیشہ را پری داند!' کا مطلب ہے 'میں حیران ہوں کہ وہ اس شیشہ کو پری سمجھ رہا ہے'۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ ہے 'مزہ یہ ہے کہ وہ شیشے ہی کو پری جانے'۔ اصل متن میں حیرت کا اظہار کیا گیا ہے جبکہ منظوم اردو ترجمہ میں لطف و سرور کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اس

لحاظ سے یہ ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

-7 شعر نمبر 7 کا مفہوم ہے 'میں تجھے اس مسلمان کے متعلق جس میں مسلمانی باقی نہیں رہی کیا کہوں + سوائے اس کے کہ وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد میں سے ہے۔ لیکن یہ توحید کے بجائے آذری (بت پرستی) کو اپنائے ہوئے ہے۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ ملاحظہ کریں:

فسانہ یہ ہے مسلمان نامسلماں کا　　کہ ہے وہ پورِ خلیل اور آذری جانے

میاں عبدالرشید نے اس شعر کا ترجمہ یہ کیا ہے:

اس نامسلمان، مسلمان کی کیا بات کروں،
یہی کہہ سکتا ہوں کہ یہ خلیلؑ کی اولاد ہو کر آذری پیشہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ (608)

احمد جاوید نے اس شعر کا ترجمہ یہ کیا ہے:

میں تجھے اس نامسلماں مسلم کا کیا بتاؤں
بس یہ کہ خلیل کا بیٹا ہے مگر آزر کے نقشِ قدم پر چل رہا ہے۔ (609)

شعر نمبر 7 کے پہلے مصرعے میں 'مسلمان نامسلماں' سے مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ اصل متن کے مطابق یہاں 'نامسلمان، مسلمان' یا 'نامسلماں مسلم' آنا چاہیے تھا۔

-8 مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ غزل نمبر 36 کا قریباً 50% منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق، درست اور لائقِ تحسین ہے۔ اس کا بقیہ ترجمہ اصل متن کی حقیقی ترجمانی نہیں کرتا اور بحر کی پابندی کا شکار ہے۔

نقشِ فرنگ

جلال و ہیگل

منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز	①	اصل متن از پیامِ مشرق
ناخنِ فکر سے میں کھولتا تھا		می کشودم شبے بناخن فکر
عقدہ ہائے حکیمِ المانی		عقدہ ہائے حکیم المانی

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم

میں ایک رات اپنی فکر کے ناخن سے کھول رہا تھا + جرمن کے فلاسفر ہیگل کی ڈالی ہوئی فکری گرہوں کو۔

منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز	②	اصل متن از پیامِ مشرق
ابدی کو برہنہ اس نے کیا		آنکہ اندیشہ اش برہنہ نمود
جس کے تن پہ تھا آنی		ابدی را ز کسوتِ آنی

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم

وہ حکیم المانی (ہیگل) کہ جس کی فکر نے ننگا کر دیا + ابدی کو (ہمیشہ رہنے والے کو) آنی (وقتی

یا لمحاتی یا فانی) لباس سے۔ مراد ہے اس نے ذات مطلق کو ذات مقید سے یا خالق کو کائنات سے یا روح کو مادہ سے قطعاً بے تعلق کر دیا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ③ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

پیشِ عرضِ خیالِ او گیتی اس کی موج خیال کے آگے
خجل آمد ز تنگ دامانی ہوئی گیتی کو تنگ دامانی

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم

اس کے خیال کی وسعت کے سامنے کائنات + اپنی تنگ دامانی کی وجہ سے شرمندہ ہے مراد ہے اس کے خیالات بہت وسیع ہیں اور کائنات تنگ ہے اس لیے اس نے کائنات سے ماورا ہو کر باتیں کی ہیں اور زیادہ تر مابعد الطبیعیات کو موضوع بنایا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ④ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

چوں بدریائے او فرورفتم اس کے دریا میں پانو رکھتے ہی
کشتیِ عقل گشت طوفانی ہوئی کشتی عقل طوفانی

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم

جب میں اس کے (افکار کے) دریا کی تہ تک گیا + تو میری عقل کی کشتی طوفان میں پھنس گئی یعنی مجھ پر حیرت چھا گئی۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑤ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

خواب بر من دمید افسونے اس کے افسوں نے بند کی یوں آنکھ
چشم بستم ز باقی و فانی کوئی باقی رہا نہ کچھ فانی

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم

نیند نے مجھ پر جادو پھونکا + میں نے باقی و فانی یعنی دنیا کی طرف سے آنکھ بند کر لی اور میں سو گیا۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑥ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

نگہِ شوق تیز تر گردید نیند میں چشمِ شوق تیز ہوئی
چہرہ بنمود پیرِ یزدانی جلوہ فرما تھے پیرِ یزدانی

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم

میری نگاہ شوق (نیند کے عالم میں) اور تیز ہو گئی + (اور میں کیا دیکھتا ہوں کہ) پیر یزدانی (اللہ رسا پیر مولانا رومی) کا چہرہ میرے سامنے ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑦ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

آفتابے کہ از تجلیِ او ہوا جس مہر کی تجلی سے
افقِ روم و شام نورانی افق روم و شام نورانی

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

رومی ایک ایسا سورج ہے کہ اس کی جلوہ گری سے ملک روم اور ملک شام کے افق پرنور ہے مراد ہے انہوں نے دنیائے اسلام کو منور کیا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑧ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

شعلہ اش در جہانِ تیرہ نہاد — اس کا شعلہ جہانِ تیرہ میں
بہ بیاباں چراغِ رہبانی — دشت میں اک چراغ رہبانی

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

اس تاریک سرشت والے جہان میں اس کا شعلہ + بیاباں میں کسی راہب کا چراغ ہے (جو بھولے بھٹکے مسافر کی تسکین کا باعث بنتا ہے)۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑨ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

معنی از حرفِ او ہمی روید — حرف سے اس کے معنی اگتے ہیں
صفتِ لالہ ہائے نعمانی — جس طرح لالہ ہائے نعمانی

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

اس کے حرف یا بات سے معنی اس طرح پیدا ہوتے ہیں + جس طرح سرخ رنگ کے خصوصی نعمانی لالے کھلتے ہیں مراد ہے اس کی باتیں معانی کے ایسے ایسے رموز و اسرار رکھتی ہیں جو منفرد ہیں۔ (کسی زمانے میں حیرہ کا بادشاہ نعمان بن منذر تھا جو لالے کے نہایت سرخ رنگ والے پھول کو پہلی دفعہ صحرائے مشہد میں لایا تھا اس لالہ کو لالہ نعمانی کہتے ہیں)

اصل متن از پیامِ مشرق ⑩ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

گفت با من، چہ خفتہٴ برخیز! — مجھ سے بولے یہ نیند کیا ہے؟ اٹھ!
بہ سرابے سفینہ می رانی؟ — تو نے سمجھا سراب کو پانی!

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

مولانا روم نے مجھ سے کہا کیوں سویا ہوا ہے اٹھ + کیا تو سراب میں (جو حقیقت میں ریت اور دیکھنے میں پانی معلوم ہوتا ہے) کشتی چلا رہا ہے مراد ہے کیا تو ہیگل کے فلسفہ سے وہ حقیقت تلاش کر رہا ہے جو حقیقت تلاش کرنے والوں کو فریب دیتی ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق (11) منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

بہ خرد راہِ عشق می پوئی؟ — راہِ عشق اور عصائے عقلِ کج؟
بہ چراغ آفتاب می جوئی؟" — ڈھونڈتا ہے چراغ سے سورج؟

(610) (611)

تو عقل کے پاؤں سے عشق کا راستہ چل رہا ہے + اور چراغ سے سورج ڈھونڈ رہا ہے۔ مراد ہے جو باتیں عقل کے بس کی نہیں جب عقل ان کو حل کرنا چاہے گی تو اسی قسم کی مبہم باتیں

سامنے لائے گی جو ہیگل لایا ہے۔(612)

1- مجموعی طور پر نظم 'جلال و ہیگل' کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔ شعری ضرورت کے تحت بعض اشعار کے منظوم اردو ترجمہ میں الفاظ کی کمی بیشی نظر آتی ہے۔

2- شعر نمبر 1 تا شعر نمبر 5 کے ترجمہ میں روانی نظر نہیں آتی مگر اس کے بعد شعر نمبر 6 تا 11 تک ترجمہ آسان تر ہوتا گیا ہے اور اس میں لفظی و معنوی ربط بھی بڑھتا گیا ہے

3- مترجم نے صفحہ نمبر 179 کے حاشیہ میں درج ذیل الفاظ کے معانی دے کر تفہیم متن میں مدد بھی دی ہے۔

۱۔المانی = جرمن فلسفی ہیگل ۲۔آنی = لمحاتی، فانی ۳۔یزدانی = مولانا رومؒ

۴۔تیرہ = تاریک

جلالؒ و گوئٹے

اصل متن از پیامِ مشرق ① منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

نکتہ دانِ المنی را در ارم / نکتہ دان المنی وہ خوش نوا!

صحبتے افتاد با پیرِ عجم / حضرت رومی سے جنت میں ملا

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ا۔د۔نسیم

جرمن کے فلسفی (گوئٹے) کو جنت میں + پیر عجم (مولانا روم) کی صحبت میسر آئی۔

اصل متن از پیامِ مشرق ② منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

شاعرے کو ہمچو آں عالی جناب / شاعروں میں شاعر عالی جناب

نیست پیغمبر ولے دارد کتاب! / ہیں نہ پیغمبر پہ ہیں صاحب کتاب

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ا۔د۔نسیم

وہ ایک (ایسا) شاعر ہے جو عالی جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانند پیغمبر تو نہیں لیکن ایک کتاب رکھتا ہے (جس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اور قرآن کی باتیں ہیں)۔

اصل متن از پیامِ مشرق ③ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

خواند بر دانائے اسرارِ قدیم / قصۂ پیمان ابلیس و حکیم

قصۂ پیمانِ ابلیس و حکیم / سن کے وہ دانائے اسرار قدیم

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ا۔د۔نسیم

(گوئٹے نے) قدیم رازوں کے جاننے والے دانا مولانا رومؒ کے سامنے پڑھا + ابلیس اور حکیم کے عہد کا قصہ (جو گوئٹے نے فوسٹ نام سے لکھا تھا)

اصل متن از پیامِ مشرق ④ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

گفت رومی اے سخن را جاں نگار / بولے ہے تیرا سخن جاں کی بہار

تو ملک صید استی و یزداں شکار / تو فرشتہ صید اور یزداں شکار

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم

رومیؒ نے کہا اے وہ شاعر جس کے فن سے شاعری کے جسم میں جان کا نقش پیدا ہو جاتا ہے+ تو فرشتوں کو قابو میں لانے والا اور خدا کو شکار کرنے والا ہے (تیرا فکر عالی اور تیرا خیال بلند ہے تو نے شاعری میں فرشتوں، خدا اور ابلیس کے متعلق منفرد انداز میں باتیں کی ہیں)۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑤ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

فکرِ تو در کنجِ دل خلوت گزید کنجِ دل میں فکر تیری گوشہ گیر
ایں جہانِ کہنہ را باز آفرید عمر تازہ پا گئی دنیائے پیر

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم

تیری فکر نے دل کے گوشے میں خلوت اختیار کی+ (اور) اس پرانے جہان کو پھر سے آباد کیا یعنی اسے نئی زندگی عطا کی۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑥ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

سوز و سازِ جاں بہ پیکر دیدۂ تن میں دیکھا سوز و سازِ جاں ادھر
در صدف تعمیر گوھر دیدۂ دیکھی سیپی میں بھی تعمیرِ گہر

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم

تو نے جسم کے اندر جان کا سوز و ساز (تڑپ اور حرارت) دیکھا ہے+ تو نے سیپ کے اندر موتی کو بنتے ہوئے دیکھا ہے مراد ہے تو آدمی کے جسم اور جان کے رابطہ اور ان میں موجود کیفیات ولذات سے آشنا ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑦ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

ہر کسے از رمزِ عشق آگاہ نیست سب تو رمزِ عشق سے آگہہ نہیں
ہر کسے شایانِ درگاہ نیست وا ہر اک پہ یہ درِ درگہہ نہیں

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم

عشق کی رمز یا باریک بات کو جاننے والا ہر کوئی نہیں ہے+ ہر کوئی اس کی بارگاہ کی شان کے لائق نہیں ہے۔

اصل متن از پیامِ مشرق ⑧ منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

"داند آں کو نیک بخت و محرم است "ہے جو محرم راز کا یہ جانتا ہے بس وہی
زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است" عشق آدم سے ہے اور ابلیس سے ہے زیرکی!"
(613) (614)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم

(راز عقل و عشق کو) وہ جانتا ہے جو نیک نصیب اور حقیقت آشنا ہے+ عقل شیطان سے اور عشق آدم سے ہے مطلب یہ ہے ابلیس نے عقل کو راہنما بنایا مردود ہو گیا آدم نے عشق کو اپنا یا مقبول بارگاہ ہوا (رومی نے پورے زمانہ فوسٹ کو ان کردو مصرعوں میں اس حقیقت کو بیان

کر دیا جو گوئٹے کے کئی صفحات واضح نہ کر سکے)۔(615)

-1 نظم 'جلالؒ و گوئٹے' مولانا رومؒ اور جرمنی کے مشہور فلسفی گوئٹے کے درمیان ایک کالمہ پر مشتمل ہے۔ شعر نمبر 1 تا 3 میں گوئٹے کا ذکر ہے اور شعر نمبر 4 تا 8 میں مولانا رومؒ گوئٹے سے مخاطب ہو کر اس کے قصۂ پیمان ابلیس و حکیم کے بارے میں اپنی رائے بیان کرتے ہیں۔

-2 شعر نمبر 2 کے منظوم اردو ترجمہ سے علم نہیں ہوتا کہ اس شعر میں کس کی تعریف کی گئی ہے گوئٹے کی یا مولانا رومؒ کی۔ اس شعر کے دوسرے مصرعے 'نیست پیغمبر و لے دارد کتاب' کا مطلب ہے '(وہ) پیغمبر نہیں ہے مگر کتاب رکھتا ہے'۔ اس کا منظوم اردو ترجمہ ہے 'ہیں نہ پیغمبر پر ہیں صاحب کتاب'۔ یہ ترجمہ بھی غیر موزوں الفاظ کے استعمال کی وجہ سے غیر واضح شکل اختیار کر گیا ہے۔ بحر کی پابندی کی وجہ سے یہ صورت بنی ہے۔ متن کے مطابق اس کا ترجمہ ہونا چاہیے تھا 'نہیں ہیں پیغمبر پر ہیں صاحب کتاب'۔

-3 شعر نمبر 3 کا منظوم اردو ترجمہ بھی اصل متن کے مطابق نہیں ہے اس میں لفظ 'خواند' یعنی پڑھا کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ منظوم اردو ترجمہ سے پتہ نہیں چلتا کہ یہ قصہ کس نے پڑھا اور کس نے سُنا۔ یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ دانائے اسرار قدیم سے مراد رومی ہے یا گوئٹے۔

-4 شعر نمبر 4 کے بعد، دیگر تمام اشعار میں رومی کے کلام (گفتگو) کا ذکر ہے۔ ترجمہ میں ابہام کی وجہ سے دیگر اشعار کا مفہوم بھی واضح نہیں ہوا اور منظوم اردو ترجمہ میں فکری ربط اور تسلسل قائم نہ ہو سکا۔

-5 شعر نمبر 5 کا ترجمہ بھی واضح نہیں ہے۔ منظوم اردو ترجمہ کے دونوں مصرعوں میں کوئی فکری ربط (تعلق) نظر نہیں آتا۔ اگر اسے فارسی متن کے بغیر پڑھیں تو اس کا مفہوم (مطلب) بالکل سمجھ نہیں آتا۔ فارسی شعر کا مفہوم واضح ہے۔ اس کا منثور اردو ترجمہ پڑھیں تو اس شعر کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے، مگر منظوم اردو ترجمہ پڑھنے سے مفہوم واضح نہیں ہوتا۔

-6 شعر نمبر 6 میں لفظ 'دیدۂ' استعمال ہوا ہے۔ جس کا مطلب ہے 'تو نے دیکھا'۔ منظوم اردو ترجمہ میں 'تو' یا 'تم' کا ذکر نہیں ہوا۔ اس لیے واضح نہیں ہے کہ کس نے دیکھا۔ اس طرح اس کے پہلے مصرعے میں لفظ 'ادھر' فالتو ہے۔ یہ متن کی تفہیم میں مدد دینے کے بجائے رکاوٹ ڈال رہا ہے۔

-7 شعر نمبر 7 اور شعر نمبر 8 کا ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔

-8 مضطر مجاز صاحب نے اس نظم کے منظوم اردو ترجمہ کے حاشیہ میں درج ذیل الفاظ کے معانی دیے ہیں:
''۱۔ المنی = جرمنی ۲۔ خوش نوا = گوئٹے ۳۔ قصۂ پیمان = گوئٹے کی مشہور تصنیف 'فاؤسٹ' مراد ہے۔''

-9 مجموعی طور پر اس نظم کا منظوم اردو ترجمہ نہ تو اصل متن کی صحیح ترجمانی کرتا ہے اور نہ ہی اس میں فکری تسلسل، سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔

خردہ نمبر 7 تا 9

اصل متن از پیامِ مشرق	⑦	منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز
چشم را بینائی افزاید سہ چیز		تین چیزوں سے اضافہ ہوتا ہے بینائی میں
سبزہ و آبِ روان و روے خوش		یعنی سبزہ، بہتا پانی اور کسی کا روئے خوش

کالبد را فربہی می آورد — تین یہ چیزیں یونہی کرتی ہیں فربہ جسم کو
جامۂ قز ، جان بے غم ، بوے خوش — ریشمی کپڑا ، طرب انگیزیاں، اور بوئے خوش

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

① تین چیزیں آنکھوں کی بینائی بڑھاتی ہیں+سبزہ، بہتا ہوا پانی اور خوبصورت چہرہ۔
② جسم کو موٹا کرتا ہے+ریشمی لباس، بے غم جان اور خوشبو۔

1- خردہ نمبر 7 کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق اور درست ہے۔
2- اگر حاشیہ میں مشکل الفاظ روئے خوش (خوبصورت چہرہ)، فربہ جسم (موٹا جسم، بھاری جسم)، طرب انگیزیاں (فرحت بخش مصروفیات) اور بوئے خوش (خوشبو) کے معانی دے دیے جاتے تو ترجمہ عام فہم ہو جاتا۔

اصل متن از پیام مشرق — ⑧ — منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

اے برادر من ترا از زندگی دادم نشاں — اے برادر! زندگی کا تجھ کو دیتا ہوں نشاں
خواب را مرگِ سبک داں مرگ را خوابِ گراں — نیند ہلکی موت ہے اور موت ہے خواب گراں

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

اے بھائی میں نے تجھے زندگی کا نشان بتایا+نیند کو ہلکی موت اور موت کو بھاری نیند سمجھ۔

1- خردہ نمبر 8 کا ترجمہ آسان، سلیس، رواں اور اصل متن کے مطابق ہے۔
2- دوسرے مصرعے میں لفظ 'خواب گراں' استعمال ہوا ہے جس سے مراد ہے 'گہری نیند'۔ اگر حاشیہ میں اس کا مطلب دے دیا جاتا تو عام قاری کو تفہیم متن میں آسانی رہتی۔

اصل متن از پیامِ مشرق — ⑨ — منظوم اردو ترجمہ از مضطر مجاز

طاقتِ عفو در تو نیست اگر — طاقتِ عفو اگر نہیں تجھ میں
خیز و با دشمناں در آبہ ستیز — اٹھ کے ہو دشمنوں سے صف آرا
سینہ را کارگاہِ کینہ مساز — سینے میں دے جگہ نہ کینے کو
سرکہ در انگبینِ خویش مریز — سرکہ کو اپنے شہد میں نہ ملا!
(617) — (616)

منثور اردو ترجمہ از ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم

① اگر تجھ میں معاف کرنے کی طاقت نہیں ہے+تو اٹھ اور دشمنوں کے ساتھ لڑائی کر۔
② اپنے سینہ کو کینہ کی آماجگاہ نہ بنا+اپنے شہد میں سرکہ نہ ملا مراد ہے جس طرح شہد میں سرکہ ملنے سے شہد کا مزہ خراب ہو جاتا ہے کینہ بھی تیری سیرت کو خراب کرنے کا بدترین ذریعہ ہے۔(618)

1- خردہ نمبر 9 کا ترجمہ آسان، سلیس، رواں اور اصل متن کے مطابق ہے۔
2- منظوم اردو ترجمہ میں عام فہم الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس وجہ سے ترجمہ عام فہم ہے۔

پیامِ مشرق کے مختلف حصوں پر مشتمل تمام منظوم اردو ترجمہ کے جائزہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ

ا۔ پچاس فی صد(50%) منظوم اردو ترجمہ متن کے مطابق اور درست ہے۔
ب۔ پچیس فی صد(25%) منظوم اردو ترجمہ جزوی طور پر درست ہے۔
ج۔ پچیس فی صد(25%) ترجمہ متن کے مطابق نہیں ہے۔

نتائج و بحث

پیامِ مشرق کے تمام منظوم اردو تراجم کے تحقیقی جائزہ کے بعد درج ذیل نتائج واضح ہوئے ہیں:

01- 'انتخاب پیامِ مشرق'، 'پیامِ مشرق' میں سے منتخب کلام کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ فیض احمد فیض نے کیا ہے اور اسے اقبال اکادمی پاکستان کی طرف سے صد سالہ تقریبات ولادت علامہ محمد اقبال کے سلسلہ میں 1977ء کو پہلی بار شائع کیا گیا تھا۔ یہ منظوم ترجمہ دو سو گیارہ (211) صفحات پر مشتمل کتاب ہے۔ انتخاب پیام مشرق میں اصل متن اور اس کا منظوم اردو ترجمہ آمنے سامنے دیے گئے ہیں۔ اس میں کل پچیس (25) نظموں، اکیس (21) غزلوں اور چھپن (56) رباعیات کا ترجمہ دیا گیا ہے۔

ترجمہ میں اگر کوشش کی جائے کہ فارسی کلام کے اوزان وقوافی اور اصوات و آہنگ میں یا اس سے ملتے جلتے انداز میں فارسی کلام کا درست اور مکمل مفہوم ادا کیا جائے تو ایسا کرنا بہت مشکل ہے۔ ایسا کرنے کی کوشش میں منظوم اردو ترجمہ میں فارسی کلام کے مشکل الفاظ اور تراکیب استعمال کرنا پڑتی ہیں جس سے ترجمہ مشکل شکل اختیار کر جاتا ہے اور عام فہم نہیں رہتا۔ ایسے اشعار جن کے اوزان وقوافی اور اصوات و آہنگ میں اصل سے مطابقت قائم کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی بلکہ فارسی کلام کا اصل مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، ان کا ترجمہ قدرے آسان، سلیس، رواں اور عام فہم ہو جاتا ہے۔

فیض احمد فیض، حضور احمد سلیم اور دیگر شعرا کے منظوم اردو تراجم قریباً ایک جیسی ملی جلی صورتِ حال نظر آتی ہے۔ جہاں کہیں مترجم نے اوزان وقوافی اور اصوات و آہنگ میں اصل سے تطابق کی کوشش کی ہے، ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ بعض صورتوں میں ترجمہ اصل متن کی ترجمانی بھی نہ کر پایا۔ اسی طرح جس شعر کا آزاد ترجمہ کیا گیا ہے، وہ ترجمہ قدرے آسان، سلیس، رواں اور عام فہم ہو گیا ہے۔ تمام منظوم اردو تراجم کی تفہیم و ترسیل کے معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے، ان کی درجہ بندی کی گئی ہے۔ اس درجہ بندی کے مطابق فیض احمد فیض کے منظوم اردو ترجمہ میں درج ذیل صورتِ حال نظر آئی ہے:

ا۔ ان کا قریباً پینسٹھ فی صد (65%) ترجمہ کافی زیادہ حد تک اصل متن کی نمائندگی کرتا ہے یہ ترجمہ نہایت خوبصورت ہے اور شاعر کی قادر الکلامی کو ظاہر کرتا ہے۔

ب۔ قریباً پندرہ فی صد (15%) ترجمہ اصل متن کے مفہوم کی کلی طور پر نمائندگی نہیں کرتا۔ اصل متن سے موازنہ کریں تو منظوم اردو ترجمہ میں دیا گیا مفہوم ادھورا نظر آتا ہے۔

ج۔ منظوم اردو ترجمہ میں فارسی کلام کے مشکل الفاظ و تراکیب استعمال کرنے کی وجہ سے قریباً بیس فی صد (20%) ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ یہ ترجمہ عام فہم نہیں رہا اور اسے سمجھنے کے لیے کسی اچھی لغت اور فارسی زبان جاننے والے اہلِ علم کی مدد اور رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

د۔ اس منظوم ترجمہ پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔ اس امر کا ذکر فیض احمد فیض نے بھی پیش لفظ میں کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

"..... مجھے بہت سے تراجم سے تشفی نہیں ہے۔"

ہ۔ دراصل فارسی زبان سے اردو زبان میں منظوم اردو ترجمہ کرتے ہوئے اگر مفہوم اور معانی کے علاوہ اوزان وقوافی اور اصوات و آہنگ میں بھی اصل سے تطابق کی سعی کی جائے تو اصل مفہوم واضح طور پر بیان نہیں ہو پاتا۔ فیض احمد فیضؔ نے اپنے ترجمہ میں اصل کلام سے فکری وفنی مطابقت قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اس کوشش میں کافی زیادہ حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ بعض مقامات پر وہ فکری وفنی توازن قائم نہ کر پائے جس سے ترجمہ ادھوری یا مشکل شکل اختیار کر گیا۔

-2 انتخاب پیامِ مشرق، پیامِ مشرق کے منتخب کلام کا منظوم اردو ترجمہ ہے یہ ترجمہ پہلی بار 1977ء کو صد سالہ تقریبات ولادت علامہ محمد اقبال کے موقع پر اقبال اکادمی پاکستان نے شائع کیا تھا۔ یہ ترجمہ حضور احمد سلیم صدر شعبہ فارسی سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد نے وزارتِ تعلیم حکومتِ پاکستان کی فرمائش پر کیا تھا۔ یہ ترجمہ نہایت قلیل مدت (اواخر جون 1976ء تا 27 نومبر 1976ء) کے عرصہ میں کیا گیا۔ اس کتاب میں لالۂ طور کی نوے (90) رباعیات، افکار کی تیس (30) نظموں، مئے باقی کی سات (7) غزلیات اور نقشِ فرنگ کی دس (10) نظموں کا ان کے فارسی متن کے ساتھ منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ اصل متن کے عین مطابق اور درست ہے۔ صرف چند ایک مقامات پر ترجمہ اصل متن سے ہٹ کر ہے۔ بعض مقامات پر اصل کلام کے مشکل الفاظ وتراکیب کے استعمال کی وجہ سے ترجمہ مشکل اختیار کر گیا ہے، تاہم مشکل الفاظ پر مبنی یہ ترجمہ بھی اصل متن کے قریب تر ہے۔ حضور احمد سلیم نے بعض مقامات پر اصل کلام کے اوزان وقوافی کی پابندی کے بجائے اپنے انداز سے اور اپنی مرضی کے اوزان و قوافی کی مدد سے فارسی کلام کا اصل مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا یہ ترجمہ زیادہ سلیس، آسان، رواں اور عام فہم ہے۔ شماریاتی زبان میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ

الف۔ قریباً پچھتر فی صد (75%) ترجمہ کافی زیادہ حد تک اصل متن کی نمائندگی کرتا ہے یہ ترجمہ نہایت خوبصورت ہے اور شاعر کی قادر الکلامی کو ظاہر کرتا ہے۔

ب۔ قریباً دس فی صد (10%) ترجمہ اصل متن کے مفہوم کی کلی طور پر نمائندگی نہیں کرتا۔ اصل متن سے موازنہ کریں تو منظوم اردو ترجمہ میں دیا گیا مفہوم ادھورا نظر آتا ہے۔

ج۔ منظوم اردو ترجمہ میں فارسی کلام کے مشکل الفاظ وتراکیب استعمال کرنے کی وجہ سے قریباً پندرہ فی صد (15%) ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ یہ ترجمہ عام فہم نہیں رہا اور اسے سمجھنے کے لیے کسی اچھی لغت اور فارسی زبان جاننے والے اہلِ علم کی مدد اور رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

-3 'نوائے شرق' علامہ اقبال کی فارسی تصنیف 'پیامِ مشرق' کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ عبدالعلیم صدیقی نے کیا ہے اور اسے 2003ء میں مقبول اکیڈمی، لاہور کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب دوصد چھپن (256) صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ نمبر 19 تا صفحہ 256 پر مکمل پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ ترجمہ فارسی متن کے بغیر دیا گیا ہے۔ ایسا ترجمہ جس میں فارسی الفاظ وتراکیب کی بھرمار ہو ہرگز آسان اور عام فہم نہیں ہوتا۔ اس طرح کے ترجمے کو منظوم اردو ترجمہ نہیں بلکہ 'منظوم فارسی اردو ترجمہ' قرار دیا جاسکتا ہے۔ عبدالعلیم صدیقی کی تصنیف میں بھی اس طرح کا ترجمہ نظر آتا ہے۔ فارسی کلام کے

منظوم اردو ترجمہ میں اگر عام قارئین کی خاطر تسہیل کے لیے اس کلام کے منثور اردو ترجمہ کے ساتھ فرہنگ یا حواشی میں منظوم اردو ترجمہ کے مشکل الفاظ وتراکیب کے معانی دے دیئے جائیں تو اس کی افادیت میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

ا۔ مجموعی طور پر ان کا 50% ترجمہ آسان اور عام فہم ہے۔

ب۔ باقی 35% ترجمہ اگرچہ متن کے قریب تر ہے مگر مشکل اور عام فہم نہیں ہے۔

ج۔ ان کا قریباً 15% منظوم اردو ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔

4- 'روحِ مشرق' از عبدالرحمٰن طارق، پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب دوصد چونسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ نمبر 11 تا صفحہ نمبر 264 پر مکمل پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔

نثر میں ترجمے کا صحیح حق ادا کرنا نہایت مشکل ہے۔ منظوم ترجمہ کی صورت میں اوزان وقوافی کی بندش کی وجہ سے اصل کلام کے صوری ومعنوی محاسن قائم رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ کسی مختصر سے کلام کے منظوم ترجمہ کی صورت میں تو شاید اصل کلام کے صوری معنوی محاسن کو قائم رکھا جاسکے مگر اقبال جیسے جلیل القدر شاعر کے فارسی کلام کے فکری وفنی محاسن کو قائم رکھتے ہوئے 'پیامِ مشرق' جیسی تصنیف میں شامل تمام کلام کے منظوم اردو ترجمہ میں اصل کلام کے فکری وفنی اور صوری ومعنوی محاسن قائم رکھنا نہایت ہی مشکل کام ہے۔ منظوم اردو ترجمہ کی انہی دشواریوں کی وجہ سے فیض احمد فیضؔ، حضور احمد سلیم، عبدالعلیم صدیقی اور دیگر شعرا کے پیامِ مشرق کے منظوم اردو تراجم میں بعض مقامات پر اصل متن کا جو حصہ دسترس میں نہ آسکا، اس کا ترجمہ ادھورا ہُوا یا ترجمہ ہو ہی نہ سکا۔ عبدالرحمٰن طارقؔ کو ان دشواریوں کا احساس تھا۔ اس لیے انہوں نے آزاد ترجمہ کی راہ اپنائی اور شاندار کامیابی حاصل کی۔ ان کے منظوم اردو ترجمہ کے بغور مطالعہ اور پیامِ مشرق کے دیگر منظوم اردو تراجم سے اس کے تقابل وموازنہ اور جائزہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوا ہے کہ

ا۔ انہوں نے کامیابی سے آزاد ترجمہ کی پالیسی پر عمل کیا ہے اور ترجمہ کے اصولوں کی پاسداری کی ہے۔ دیگر تراجم کی نسبت ان کا ترجمہ زیادہ واضح اور اصل متن کے قریب تر نظر آتا ہے۔ ان کے ترجمہ میں فارسی کلام کے الفاظ وتراکیب کی بھرمار نہیں ہے۔ انہوں نے جہاں کہیں کوئی مشکل لفظ یا ترکیب استعمال کی ہے، حاشیہ میں اس کا مفہوم بھی درج کردیا ہے۔ ان کی اس کوشش کی وجہ سے منظوم اردو ترجمہ میں استعمال ہونے والے ایسے مشکل الفاظ وتراکیب گراں بار محسوس نہیں ہوتیں۔

ب۔ ان کے ترجمہ میں اصل تصنیف کا زور واثر پایا جاتا ہے۔ اس میں فنی محاسن بھی بدرجۂ اتم نظر آتے ہیں۔

ج۔ بعض مقامات پر ترجمہ اپنی چُستی بندش، موزوں الفاظ، حسنِ ترتیب اور نغمۂ صوتی کی بناء پر ترجمہ نہیں بلکہ اصل تخلیق معلوم ہوتا ہے۔

د۔ مترجم نے اپنے اس آزاد منظوم اردو ترجمہ میں اصل متن کے مفہوم کو زیادہ سے زیادہ واضح اور بسیط صورت میں پیش کیا ہے۔ پیامِ مشرق کے قریباً تمام منظوم اردو تراجم میں تفہیم متن اور موزونی الفاظ کے لحاظ سے قریباً 50% تا 60% ترجمہ ہی درست نظر آتا ہے۔ عبدالرحمٰن طارق کے ہاں درست منظوم اردو ترجمہ کی شرح 90% کے قریب ہے۔

5- 'اقبال کا منتخب فارسی کلام' از انجم رومانی 33 صفحات پر مشتمل ایک مختصر سا بروشر ہے جسے اقبال اکادمی

پاکستان نے 1999ء میں شائع کیا۔ اس میں انجم رومانی نے پیامِ مشرق اور زبورِ عجم میں سے منتخب کلامِ اقبال فارسی کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔ صفحات نمبر 5 تا 16 پر پیامِ مشرق اور اور صفحات 19 تا 32 پر زبورِ عجم میں سے منتخب کلام کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ منظوم ترجمہ نہایت خوبصورت، واضح، سلیس، رواں اور مترنم ہے اور تفہیمِ متن کا فریضہ احسن طور پر سرانجام دے رہا ہے۔

ا۔ مجموعی طور پر ان کا 65% ترجمہ آسان اور عام فہم ہے۔

ب۔ باقی 20% ترجمہ اگرچہ متن کے قریب تر ہے مگر مشکل اور عام فہم نہیں ہے۔

ج۔ ان کا قریباً 15% منظوم اردو ترجمہ اصلِ متن کے مطابق نہیں ہے۔

6- ''خسرو اور اقبال'' ڈاکٹر خالد حمید شیدا کی تصنیف ہے۔ اس میں خسرو کی سو غزلوں اور کلامِ اقبال (فارسی) کا منظوم ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ کلامِ اقبال میں سے زبورِ عجم کی منتخب غزلیات، پیامِ مشرق کے حصہ مئے باقی کی غزلیات اور لالۂ طور کی منتخب رباعیات کا منظوم ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہ کتاب کل 854 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے شروع میں زبورِ عجم کی غزلیات اور ان کا منظوم ترجمہ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد صفحات 790 تا 817 پر پیامِ مشرق کے حصہ ''مئے باقی'' کی منتخب غزلیات اور ان کا منظوم ترجمہ کیا گیا ہے۔ ''مئے باقی'' کے بعد صفحات 819 تا 854 پر ''لالۂ طور'' کی منتخب رباعیات کا منظوم ترجمہ معہ فارسی متن دیا گیا ہے۔

فارسی اور اردو زبانوں پر بھرپور مہارت نہ ہونے کی وجہ سے اور کسی استادِ کامل سے شعری اصلاح نہ لینے کی بدولت وہ اصل کلام اور منظوم ترجمہ میں سلاست و روانی اور ترنم و موسیقیت کا مضبوط رشتہ قائم نہ کر پائے۔ انھوں نے اکثر ترجمہ میں فارسی زبان کے مشکل الفاظ اور تراکیب استعمال کی ہیں جس کی وجہ سے منظوم اردو ترجمہ کی تفہیم آسان نہ رہی اور اسے سمجھنے کے لیے مزید ترجمہ اور تسہیل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

7- 'لالۂ طور' 'پیامِ مشرق' کی رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ اس میں فارسی متن ساتھ دیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ حکیم سید محمود احمد سرو سہارنپوری نے کیا ہے۔ اقبال اکادمی پاکستان کی طرف سے یہ ترجمہ 2010ء میں پہلی بار شائع ہوا۔ اس کلام کے فکری و فنی معیار کا جائزہ لینے سے واضح ہوا ہے کہ

ا۔ زیرِ نظر کتاب کا قریباً تیس فی صد (30%) ترجمہ کافی زیادہ حد تک اصل متن کی نمائندگی کرتا ہے یہ ترجمہ نہایت خوبصورت ہے اور شاعر کی قادر الکلامی کو ظاہر کرتا ہے۔

ب۔ قریباً تیس فی صد (30%) ترجمہ اصل متن کے مفہوم کی کلی طور پر نمائندگی نہیں کرتا۔ اصل متن سے موازنہ کریں تو منظوم اردو ترجمہ میں دیا گیا مفہوم اُدھورا نظر آتا ہے۔

ج۔ منظوم اردو ترجمہ میں فارسی کلام کے مشکل الفاظ و تراکیب استعمال کرنے کی وجہ سے قریباً چالیس فی صد (40%) ترجمہ مشکل شکل اختیار کر گیا ہے۔ یہ ترجمہ عام فہم نہیں رہا اور اسے سمجھنے کے لیے کسی اچھی لغت اور فارسی زبان جاننے والے اہلِ علم کی مدد اور رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

8- دعکسِ لالۂ طور' 'پیامِ مشرق' کے حصہ 'لالۂ طور' کی رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار جنوری 2002ء کو شائع ہوا۔ کتاب کی درج ذیل بیس (20) رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ ابراہیم خیال

فتحپوری نے کیا ہے۔ یہ کل کام کا آٹھ فی صد (8%) حصہ ہے۔ باقی رباعیات کا ترجمہ ڈاکٹر عصمت جاوید نے کیا ہے جو کہ کل کام کا بانوے (92%) فی صد ہے۔

الف۔ فنی وادبی اور صوری ومعنوی محاسن کے لحاظ سے ڈاکٹر عصمت جاوید کا قریباً 35% ترجمہ درست ہے۔

ب۔ ابراہیم خیال فتحپوری کا قریباً 85% ترجمہ درست ہے۔

9- 'قنطار لالۂ طور' کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ رؤف خیر نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار اپریل 2001ء کو شائع ہوا۔ اس کے ناشر خیری پبلی کیشنز حیدر آباد ہیں۔ یہ کتاب ایک سو بارہ (112) صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے صفحہ نمبر 29 تا صفحہ نمبر 110 پر لالۂ طور کی فارسی رباعیات اور ان کا منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ اس میں پہلے فارسی رباعی اور اس کے نیچے اس کا منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ تمام کتاب میں اسی ترتیب سے فارسی متن اور اس کا منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر ان کا نصف ترجمہ درست ہے۔ شماریاتی نقطہ نظر سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کا پچاس فی صد (50%) منظوم اردو ترجمہ درست ہے۔

10- 'منتِ ساقی'، 'پیامِ مشرق' کے حصہ 'مئے باقی' کی غزلیات کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ محمد سرور رجا نے کیا ہے۔ پرنٹنگ پیج پر دی گئی تفصیلات کے مطابق اس کی کمپوزنگ بھی خود انہوں نے ہی کی اور یہ 2007ء کو 'اوٹی انٹر پرائزز لمیٹڈ یو کے' نے شائع کیا۔ یہ کتاب ایک سو باون (152) صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ نمبر 20 پر پہلی غزل (فارسی متن) اور صفحہ نمبر 21 پر اس کا منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ صفحہ نمبر 20 تا 152 پر تمام کتاب میں اسی ترتیب سے دائیں صفحہ پر فارسی متن اور بائیں صفحہ پر منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ فارسی متن اور منظوم اردو ترجمہ فونٹ سائز 20 یعنی بڑے الفاظ میں دیے گئے ہیں۔ محمد سرور رجا کے تمام منظوم اردو ترجمہ کا بغور جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ

الف۔ ان کا ترجمہ فکری وفنی اور صوری ومعنوی لحاظ سے کافی زیادہ حد تک اصل متن کی ترجمانی کرتا ہے۔

ب۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ان کا قریباً 80% سے زائد ترجمہ بہت حد تک اصل متن کے مطابق ہے۔

11- 'پیامِ مشرق' کا مکمل ومنظوم اردو ترجمہ از سیّد احمد ایثار پانچ صد چون (554) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار 1997ء کو دی بنگلور اکیڈمی، بنگلور نے شائع کیا۔ تمام کتاب میں دائیں صفحہ پر اصل فارسی متن اور بائیں صفحہ پر منظوم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ فارسی کلام کی مدد سے منظوم اردو ترجمہ کو اور منظوم اردو ترجمہ کی مدد سے فارسی کلام کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ سید احمد ایثار نے پورے ترجمہ میں (رباعیات، غزلیات، نظموں میں) اس بحر کو استعمال کیا ہے جس میں اصل کلام نظم کیا گیا ہے۔ اصل بحر کی پابندی کی وجہ سے بعض مقامات پر وہ کلی یا جزوی طور پر اصل متن کی صحیح ترجمانی نہیں کر پائے۔ کئی مقامات پر دیا گیا ترجمہ اس قدر خوبصورت اور مکمل ہے کہ اگر اسے فارسی متن سامنے رکھے بغیر بھی پڑھا جائے تو اصل متن کا مفہوم ملتا ہے اور سلاست وروانی کی وجہ سے ترجمہ بہت لطف دیتا ہے۔ سیّد احمد ایثار کے منظوم اردو ترجمہ کے بغور جائزہ اور تجزیہ کے بعد واضح ہوا ہے کہ

الف۔ ان کا قریباً پچاس فی صد (50%) منظوم اردو ترجمہ صوری ومعنوی محاسن سے آراستہ اور اصل متن کے مطابق ہے۔

ب۔ پچیس فی صد (25%) ترجمہ جزوی طور پر اصل متن سے مختلف ہے۔

ج۔ پچیس فی صد (25%) ترجمہ کلی طور پر اصل متن سے ہٹ کر ہے۔

12- 'افکارِ اقبال' از 'صابر ابوہری'، علامہ اقبال کے منتخب فارسی کلام کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب مصنف نے 'فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی، حکومتِ 'اتر پردیش، لکھنؤ' کے مالی تعاون سے 1995ء میں شائع کی۔ اس کتاب میں صابر ابوہری نے پیامِ مشرق کی کل چار (4) رباعیات کا اور چودہ مفرد اشعار کا منظوم اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔ رباعیات کے آٹھ (8) اشعار اور چودہ (14) مفرد اشعار ملا کر کل بائیس (22) اشعار ہیں جن کا منظوم اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔ تمام اشعار کا منظوم اردو ترجمہ فارسی متن کے ساتھ دیا گیا ہے۔ زیادہ تر اشعار کا فارسی متن درست تحریر نہیں کیا گیا۔ تمام اشعار کے منظوم اردو ترجمہ کے جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ بائیس اشعار میں سے صرف پانچ اشعار کا منظوم اردو ترجمہ اصل متن کا کافی حد تک درست مفہوم ادا کرتا ہے۔ منظوم اردو ترجمہ میں سے سترہ (17) اشعار کا ترجمہ اصل متن کا مفہوم ادا نہیں کرتا۔ بعض اشعار کا ترجمہ تو اصل متن کے مفہوم سے بالکل ہٹ کر ہے۔ شماریاتی لحاظ سے دیکھیں تو 5/22 رباعیات کا ترجمہ درست ہے۔ گویا صابر ابوہری کا 23% منظوم اردو ترجمہ درست ہے۔ مجموعی طور پر یہ ترجمہ لفظی و معنوی اور فکری و فنی لحاظ سے فکرِ اقبال اور اصل کلام کے متن کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا۔

13- منظوم اردو ترجمہ 'پیامِ مشرق' از 'مظفر مجاز' جولائی 1996ء کو اقبال اکیڈمی حیدر آباد کی طرف سے شائع کیا گیا۔ یہ کتاب دو صد (200) صفحات پر مشتمل ہے اور $\frac{23\times 36}{16}$ سائز میں پرنٹ ہوئی ہے۔ اس کتاب میں فارسی متن نہیں دیا گیا۔ فارسی متن کے بغیر منظوم اردو ترجمہ کے علمی و ادبی اور فکری و فنی معیار کا تعین نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ فارسی کے بغیر منظوم اردو ترجمہ کو اچھی طرح سمجھا بھی نہیں جا سکتا۔ اس کتاب میں دیے گئے پیامِ مشرق کے مختلف حصوں پر مشتمل تمام منظوم اردو ترجمہ کے جائزہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ

ا۔ ان کا پچاس فی صد (50%) منظوم اردو ترجمہ متن کے مطابق اور درست ہے۔

ب۔ پچیس فی صد (25%) منظوم اردو ترجمہ جزوی طور پر درست ہے۔

ج۔ پچیس فی صد (25%) ترجمہ متن کے مطابق نہیں ہے۔

پیامِ مشرق کے مذکورہ بالا تمام منظوم تراجم کی درستگی کا درج ذیل ٹیبل کی مدد سے بآسانی جائزہ لیا جا سکتا ہے:

منظوم مترجمین پیامِ مشرق	درست ترجمہ	جزوی طور پر درست ترجمہ	مشکل/ ناقابلِ فہم ترجمہ
فیض احمد فیض	65%	15%	20%
حضور احمد سلیم	75%	10%	15%
عبدالعلیم صدیقی	50%	35%	15%
عبدالرحمن طارق	90%	5%	5%
انجم رومانی	65%	20%	15%
خالد حمید شیدا	30%	30%	40%

حکیم سید محمود احمد سروسہارنپوری	30%	30%	40%
ڈاکٹر عصمت جاوید	35%	30%	35%
ابراہیم خیال فتحپوری	85%	5%	10%
رؤف خیر	50%	25%	25%
محمد سرور رجا	80%	10%	10%
سید احمد ایثار	50%	25%	25%
صابر ابوہری	23%	37%	40%
مضطر مجاز	50%	25%	25%

مندرجہ بالا نتائج کی رو سے عبدالرحمن طارق کا آزاد/منظوم اردو ترجمہ متن کے لحاظ سے اور اپنے فکری وفنی اور صوری ومعنوی محاسن کے لحاظ سے سب اچھا ہے۔ اس کے بعد ابراہیم خیال فتحپوری کا نام آتا ہے۔ ابراہیم خیال فتحپوری نے صرف بیس (20) رباعیات کا ترجمہ کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مکمل پیامِ مشرق کے منظوم اردو ترجمہ کی صورت میں وہ یہ معیار برقرار نہ رکھ پاتے۔

محمد سرور رجا کا 'مئے باقی' کا منظوم اردو ترجمہ بھی بہت اچھا ہے۔ انہوں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ ان کا ترجمہ اصل متن کی ترجمانی کرے۔ وہ اس میں کافی زیادہ حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

فیض احمد فیض اور حضور احمد سلیم کے منظوم اردو تراجم بھی بہت اچھے ہیں۔ ان حضرات کو بہت مختصر عرصہ میں منتخب کلامِ اقبال کا منظوم اردو ترجمہ کرنا پڑا تھا اگر انہیں ان کے حسب خواہش وقت ملتا تو یقیناً یہ حضرات محمد سرور رجا سے بھی بہتر ترجمہ کر پاتے۔ محمد سرور رجا کو اپنے منظوم اردو ترجمہ پر بغیر کسی پابندی کے کام کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اس لیے انہوں نے کئی بار نظر ثانی اور احباب سے مشاورت کی مدد سے ترجمہ کا معیار بہتر بنالیا۔ دیگر حضرات کے منظوم اردو تراجم کافی کمزور ہیں۔ یہ حضرات کلام اقبال کی تفہیم وترسیل میں خاطر خواہ کامیاب نظر نہیں آتے۔

مندرجہ بالا تحقیق کی رو سے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ

ا۔ کسی منظم ادارہ (اقبال اکیڈمی، بزم اقبال) یا یونیورسٹی کے شعبہ اقبالیات/اردو کے تحت مذکورہ بالا اعلیٰ معیار کے منظوم اردو تراجم سے بہترین اشعار منتخب کرکے، فارسی متن، لغت اور ضروری حواشی وتعلیقات کے ساتھ شائع کیے جائیں، تاکہ اہلِ ذوق کو مختلف شعراء کے منظوم اردو تراجم میں سے بہترین منتخب تراجم پڑھنے کو ملیں اور ان کی روحانی، ذہنی وفکری اور قلبی راحت اور تالیف کا سبب بنیں۔

ب۔ اقبال اکیڈمی کو چاہیے اپنے پیامِ مشرق کے مطبوعہ منظوم اردو تراجم (فیض احمد فیض، حضور احمد سلیم، حکیم سروسہارنپوری، انجم رومانی کے تراجم) کو نظر ثانی سے بہتر بنائے۔

ج۔ ان منظوم اردو تراجم کے ساتھ، منثور اردو ترجمہ (لفظی وبامحاورہ ترجمہ اور مشکل الفاظ وتراکیب کے معانی ومفاہیم بھی دیے جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ قارئین ان سے استفادہ کرسکیں۔

د۔ ان منظوم اردو تراجم کے ساتھ حواشی وتعلیقات کے اضافہ سے ان کا ادبی معیار بہتر بنایا جائے۔

حوالہ جات وحواشی

1- شازیہ ظہیر خواجہ، کلام اقبال کے تراجم کا توضیحی اشاریہ (تحقیقی مقالہ ایم اے اردو) (لاہور: پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، 1992ء)، ص14

2- نوید کیانی، پرفیسر، پیامِ مشرق کے اردو اور انگریزی تراجم کا تحقیقی اور توضیحی جائزہ (جہلم: بک کارنر پبلشرز، باراول، فروری 1999ء)، ص124

3- فیض احمد فیضؔ، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجم) (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اوّل، 1977ء)، ص ل

4- فیض احمد فیضؔ، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص 'ب'

5- فیض احمد فیضؔ، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص 'ب'

6- فیض احمد فیضؔ، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص 'ب'

مندرجہ بالا شعر پیام مشرق کے حصہ 'افکار' میں دی گئی نظم 'حیاتِ جاوید' کا پہلا شعر ہے۔ اس شعر کا ترجمہ یہ ہے:

تو یہ گمان نہ کر شراب بنانے والوں کا کام انجام کو پہنچ گیا۔ (ابھی تو) بہت سی ان چکھی شرابیں انگور کی رگوں میں (پوشیدہ) ہیں۔

7- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ہفدہم، 1983ء)، ص27

8- فیض احمد فیضؔ، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص5

9- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص31

10- فیض احمد فیضؔ، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص11

11- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق (لاہور: شیخ غلام علی سنز، باراول، 1991ء)، ص45

12- حضور احمد سلیم، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجمہ) (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باراول، 1977ء)، ص21

13- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص44

14- فیض احمد فیضؔ، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص23

15- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص71

16- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص45

17- فیض احمد فیضؔ، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص23

18- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص73

19- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص48

20- فیض احمد فیض، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص28

21- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص79

22- نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی (لاہور: اظہار سنز، اردو بازار، باراول، س ن)، ص 500

23- حضور احمد سلیم، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص41

24- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص31

25- فیض احمد فیض، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص11

26- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص67

27- فیض احمد فیض، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص47

28- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص68

29- فیض احمد فیض، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص49

30- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص89

31- فیض احمد فیض، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص71

32- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص57

33- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، اسرارِ خودی، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ب ن، 1985ء)، ص72

34- نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی، ص531

35- نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی، ص650

36- افضال احمد انور، ڈاکٹر، مقالہ ایم فل اقبالیات: علامہ اقبال کی اردو نظم کا ارتقاء (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1992ء)، ص89

37- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص98

38- فیض احمد فیض، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص81

39- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص103

40- فیض احمد فیض، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص91

41- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص187

42- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص112

43- فیض احمد فیض، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص93

44- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص203

45- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص144

46- فیض احمد فیض، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص143

47- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص265

48- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، س ن)، ص 153

-49 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، بار اول، 2004ء)، ص178
-50 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص25
-51 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق (لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، بار اول، س ن)، ص419
-52 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، زبورِ عجم، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ب ن، 1985ء)، ص55
-53 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص167
-54 فیض احمد فیض، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص167
-55 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص168
-56 فیض احمد فیض، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص169
-57 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص174
-58 فیض احمد فیض، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص183
-59 فیض احمد فیض، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص186 تا 187
-60 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص176
-61 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص213
-62 فیض احمد فیض، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص203
-63 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص214
-64 فیض احمد فیض، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص205
-65 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص216
-66 فیض احمد فیض، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص209
-67 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص216
-68 فیض احمد فیض، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص209
-69 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص216
-70 فیض احمد فیض، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص211
-71 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص203
-72 فیض احمد فیض، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص201
-73 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص381
-74 ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص216
-75 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق، ص267
-76 فیض احمد فیض، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص9
-77 حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص9
-78 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص27

79- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) ،ص17
80- احمد جاوید ، منثور ترجمہ پیامِ مشرق (اسلام آباد:الحمرا پبلشنگ، باراول، مارچ 2000ء) ، ص50
81- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص29
82- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) ،ص19
83- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص55
84- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص31
85- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) ،ص21
86- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص60
87- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص35
88- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) ،ص25
89- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص72
90- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص37
91- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) ،ص27
92- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص78
93- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص37
94- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) ،ص29
95- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص79
96- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص43
97- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) ،ص33
98- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص98
99- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص46
100- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) ،ص37
101- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص105
102- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص46
103- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) ،ص37
104- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص106
105- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص47
106- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) ،ص39
107- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق،ص108
108- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص51
109- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) ،ص45

110- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص121

111- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص60

112- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص57

113- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص148

114- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص77

115- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص71

116- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص199

117- فیض احمد فیض، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجم)، ص ب

118- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص26

119- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص13

120- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص45

121- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص26

122- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص15

123- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص47

124- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص27

125- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص15

126- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص48

127- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص27

128- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص15

129- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص49

130- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص30

131- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص19

132- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص58

133- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص35

134- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص25

135- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص72

136- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص60

137- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص57

138- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص148

139- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص67

140- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص65

141- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص170
142- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص78
143- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص71
144- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص201
145- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص89
146- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص79
147- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص246
148- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص103
149- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص89
150- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص290
151- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص112
152- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص101
153- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص321
154- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص153
155- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص133
156- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص481
157- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص163
158- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص163
159- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص216
160- حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ)، ص157
161- احمد جاوید، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص693
162- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص16
163- عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ) (لاہور: مقبول اکیڈمی، ب ن، 2000ء)، ص19
164- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص12
165- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص25
166- عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)، ص33
167- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص23
168- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص25
169- عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)، ص33
170- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص24

171- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص26
172- عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)، ص34
173- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص25
174- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص48
175- عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)، ص56
176- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص47
177- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص50
178- عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)، ص57
179- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص48
180- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص51
181- عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)، ص59
182- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص50
183- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص51
184- عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)، ص59
185- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص50
186- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص66
187- عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)، ص73
188- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص65
189- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص70
190- عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)، ص77
191- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص70
192- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص70
193- عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)، ص78
194- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص70
195- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص76
196- عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)، ص84
197- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص77
198- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص76
199- عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)، ص84
200- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص77
201- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص98

-202 عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)، ص113

-203 ل۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص99

-204 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص70

-205 عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)، ص179

-206 ل۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص161

-207 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص214

-208 عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)، ص240

-209 ل۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص230

-210 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص221 تا 222

-211 عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ)، ص246

-212 ل۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص236 تا 237

-213 عبدالحکیم نشتر جالندھری، پیش لفظ، مشمولہ: روحِ مشرق، پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق (لاہور: ملک دین محمد اینڈ سنز، باردوم، جولائی 1965ء)، ص 'ب'

-214 عبدالحکیم نشتر جالندھری، پیش لفظ، ص 'ج'

-215 عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق (لاہور: ادارہ معارف، ب ن، 1977ء)، ص 'س'

-216 عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص 'س'

-217 عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص 'س'

-218 عبدالحکیم نشتر جالندھری، پیش لفظ، ص 'ج'

-219 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص26

-220 عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص13

-221 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق، ص27

-222 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص27

-223 عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص14

-224 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق، ص28

-225 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص28

-226 عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص16

-227 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق، ص29

-228 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص32

-229 عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص22

-230 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ و شرح پیامِ مشرق، ص33

-231 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص35

232- عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص27
233- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص35
234- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص43
235- عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص39
236- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص44
237- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص50
238- عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص49
239- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص51
240- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص51
241- عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص50
242- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص52
243- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص62
244- عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص67
245- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص63
246- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص76
247- عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص87
248- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص76
249- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص79
250- عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص92
251- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص79
252- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص91
253- عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص104
254- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص103 تا 107
255- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص149
256- عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص175
257- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص186
258- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص194
259- عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص234
260- حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص256
261- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص218
262- عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق، ص259

-263 حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق، ص284 تا285

-264 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار ہفدہم، 1983ء)، ص25

-265 انجم رومانی، اقبال کا منتخب فارسی کلام (منظوم اردو ترجمہ) (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، 1999ء)، ص5

-266 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص26

-267 انجم رومانی، اقبال کا منتخب فارسی کلام، ص5

-268 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص27

-269 انجم رومانی، اقبال کا منتخب فارسی کلام، ص5

-270 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص52

-271 انجم رومانی، اقبال کا منتخب فارسی کلام، ص10

-272 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص67

-273 انجم رومانی، اقبال کا منتخب فارسی کلام، ص13

-274 نسیم امروہوی، فرہنگ اقبال اردو (لاہور: اظہار سنز، اردو بازار)، ص329

-275 نسیم امروہوی، فرہنگ اقبال فارسی (لاہور: اظہار سنز، اردو بازار)، ص357

-276 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص153، 154

-277 انجم رومانی، اقبال کا منتخب فارسی کلام، ص13، 14

-278 ڈاکٹر رشید امجد نیشنل اینڈ ماڈرن لینگویجز یونیورسٹی اسلام آباد میں صدر شعبہ اردو ہیں۔ یہ ممتاز افسانہ نگار، نقاد اور محقق ہیں۔ صدر پاکستان نے انہیں 2007ء میں تمغہ حسن کارکردگی دیا تھا۔

-279 رشید امجد، ڈاکٹر، ''خالد حمید شیدا کے تراجم کا ایک اجمالی جائزہ''، مشمولہ: خسرو اور اقبال (لاہور: سورج پبلشنگ بیورو، ب ن، اکتوبر 2008ء)، ص29

-280 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع ہفدہم، 1983ء)، ص156

-281 خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال (لاہور: سورج پبلشنگ بیورو، ب ن، اکتوبر 2008ء)، ص 801

-282 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص150

-283 خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص796

-284 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص150

-285 خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص796

-286 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص161

-287 خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص802

-288 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص163

-289 خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص804

-290 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص165

291- خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص806
292- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص172
293- خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص810
294- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص174
295- خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص813
296- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص144
297- خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص791
298- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص147
299- خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص793
300- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص161
301- خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص802
302- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص149
303- خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص795
304- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص150
305- خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص796
306- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص144
307- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص147
308- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص147
309- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص175
310- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص143
311- خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص790
312- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص174
313 خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص813
314- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص167
315- خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص807
316- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص145
317- خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص792
318- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص153
319- خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص799
320- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص164
321- خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال، ص805

-322 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع ہفدہم، 1983ء)،ص37
-323 خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال،ص829
-324 عبدالرحمٰن طارق، روحِ مشرق (لاہور: ادارہ معارف، باردوم،1965ء)،ص29
-325 احمد ایثار، سید، مکمل منظوم اردو ترجمہ پیامِ مشرق (انڈیا: گرینڈ پرنٹرز، بنگلور، باراول،1997ء)،ص100
-326 عبدالعلیم صدیقی، نوائے مشرق (لاہور: مقبول اکیڈمی، باراول،2000ء)،ص44
-327 عصمت جاوید، ڈاکٹر، عکس لالۂ طور (انڈیا: اورنگ آباد، باراول، جنوری2002ء)،ص33
-328 رؤف خیر، قنطار (لالۂ طور کا منظوم ترجمہ (انڈیا: خیری پبلی کیشنز، حیدرآباد، باراول، اپریل 2001ء)،ص46
-329 مضطر مجاز، اقبال پیامِ مشرق (مکمل پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ (حیدرآباد: اقبال اکیڈمی، باراول، جولائی1996ء)،ص38
-330 حضور احمد سلیم، انتخاب پیامِ مشرق (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان1977ء)،ص27
-331 سروسہارنپوری، حکیم، لالۂ طور (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باراول،2010ء)،ص35
-332 خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال،ص30
-333 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص26
-334 خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال،ص819
-335 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص30
-336 خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال،ص823
-337 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص49
-338 خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال،ص837
-339 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص49
-340 خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال،ص837
-341 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص27
-342 خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال،ص820
-343 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص55
-344 خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال،ص841
-345 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق،ص67
-346 خالد حمید شیدا، خسرو اور اقبال،ص849
-347 محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور (پیامِ مشرق کی رباعیات کا منظوم ارذو ترجمہ) (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باراول2010ء)،ص4
-348 جمیل اصغر، آزادی کے بعد بھارت میں اقبال شناسی (مقالہ پی ایچ ڈی) (لاہور: پنجاب یونیورسٹی شعبہ اردو اورینٹل کالج،2006ء)،ص298

349- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ہفدہم، 1983ء)، ص 38

350- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص 37

351- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 42

352- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص 45

353- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 74

354- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص 109

355- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 25

356- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص 11

357- نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال اردو (لاہور: اظہار سنز، اردو بازار، بار اول، س ن)، ص 592

358- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 25

359- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص 11

360- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 26

361- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص 13

362- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 27

363- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص 15

364- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 28

365- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص 17

366- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 31

367- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص 23

368- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 31

369- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص 23

370- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 41

371- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص 43

372- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 53

373- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص 67

374- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 67

375- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص 95

376- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 59

377- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص 79

378- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص 65

379- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص 91

380- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص74
381- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص109
382- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص42
383- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص3
384- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص38
385- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص4
386- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص31
387- محمود احمد سروسہارنپوری، حکیم سید، لالۂ طور، ص4
388- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص28
389- عصمت جاوید، ڈاکٹر، عکس لالۂ طور (منظوم اردو ترجمہ) (انڈیا: اورنگ آباد، باراول، جنوری 2002ء)، ص23
390- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص39
391- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص36
392- عصمت جاوید، ڈاکٹر، عکس لالۂ طور (منظوم اردو ترجمہ)، ص35
393- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص55
394- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص48
395- عصمت جاوید، ڈاکٹر، عکس لالۂ طور (منظوم اردو ترجمہ)، ص53
396- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص79
397- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص55
398- عصمت جاوید، ڈاکٹر، عکس لالۂ طور (منظوم اردو ترجمہ)، ص63
399- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص93
400- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص72
401- عصمت جاوید، ڈاکٹر، عکس لالۂ طور (منظوم اردو ترجمہ)، ص89
402- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص127
403- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص72
404- عصمت جاوید، ڈاکٹر، عکس لالۂ طور (منظوم اردو ترجمہ)، ص89
405- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص127
406- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص73
407- عصمت جاوید، ڈاکٹر، عکس لالۂ طور (منظوم اردو ترجمہ)، ص89
408- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص129
409- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص45

410- عصمت جاوید، ڈاکٹر، عکس لالۂ طور (منظوم اردو ترجمہ)، ص47
411- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص73
412- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص59
413- عصمت جاوید، ڈاکٹر، عکس لالۂ طور (منظوم اردو ترجمہ)، ص69
414- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص101
415- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص73
416- عصمت جاوید، ڈاکٹر، عکس لالۂ طور (منظوم اردو ترجمہ)، ص91
417- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص129
418- عصمت جاوید، ڈاکٹر، عکس لالۂ طور (منظوم اردو ترجمہ)، ص3
419- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص38
420- رؤف خیر، قنطار (لالۂ طور کا منظوم ترجمہ) (انڈیا: خیری پبلی کیشنز، حیدر آباد، بار اول، اپریل 2001ء)، ص49
421- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص59
422- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص45
423 رؤف خیر، قنطار (لالۂ طور کا منظوم ترجمہ)، ص58
424- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص73
425- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص59
426- رؤف خیر، قنطار (لالۂ طور کا منظوم ترجمہ)، ص79
427- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص101
428- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص79
429- رؤف خیر، قنطار (لالۂ طور کا منظوم ترجمہ)، ص110
430- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص141
431- محمد سرور رجا، منّتِ ساقی --- منظوم اردو ترجمہ مئے باقی (انگلینڈ: او ٹی انٹر پرائزز لمیٹڈ، ب ن، 2007ء)، ص18
432- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص165
433- محمد سرور رجا، منّتِ ساقی --- منظوم اردو ترجمہ مئے باقی، ص91
434- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص175
435- محمد سرور رجا، منّتِ ساقی --- منظوم اردو ترجمہ مئے باقی، ص129
436- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص181
437- محمد سرور رجا، منّتِ ساقی --- منظوم اردو ترجمہ مئے باقی، ص147
438- احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، 1992ء)، ص591

-439 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص341
-440 ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص194
-441 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح پیامِ مشرق، ص515
-442 احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن) (انڈیا: گرینڈ پرنٹرز، بنگلور، بار اول، 1997ء)، ص36
-443 مسعود حسین خان، پروفیسر، 'پیش کلام'، مشمولہ: منظوم اردو ترجمہ پیام مشرق از سید احمد ایثار، ص 20
-444 خالد عرفان، 'من دانم'، مشمولہ: منظوم اردو ترجمہ پیامِ مشرق از سید احمد ایثار)، ص28 تا29
-445 ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص16
-446 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص17
-447 احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص47
-448 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص21
-449 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص25
-450 احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص67
-451 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص33
-452 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص28
-453 احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص75
-454 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص39
-455 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص28
-456 احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص77
-457 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص39
-458 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص30
-459 احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص81
-460 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص43
-461 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص33
-462 احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص91
-463 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص49
-464 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص37
-465 احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص103
-466 عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص57
-467 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص47
-468 احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص133

469- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص77
470- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص53
471- احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص151
472- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص89
473- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص59
474- احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص169
475- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص101
476- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص74
477- احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص213
478- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص131
479- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص77
480 احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص223
481- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص137
482 محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص78
483- احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص225
484- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص139
485- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص135
486- احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص365
487- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص249
488- ل۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص144
489- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص140
490- احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص375
491- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص259
492- ل۔د۔نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص150
493- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص173
494- احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص451
495- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص325
496- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص193
497- احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص495
498- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص361
499- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص195

500- احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص499
501- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص365
502- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص219
503- احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن)، ص545
504- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص413
505- صابر ابو ہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ) (انڈیا: ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ب ن، 1995ء)، ص6
506- صابر ابو ہری، افکارِ اقبال (منتخب کلامِ اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص8
507- صابر ابو ہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص13-14
508- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص33
509- صابر ابو ہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص68
510- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص32
511- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص34
512- صابر ابو ہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص104
513- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص32
514- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص35
515- صابر ابو ہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص57
516- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص33
517- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص38
518- صابر ابو ہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص58
519- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص37
520- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص40
521- صابر ابو ہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص99
522- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص39
523- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص45
524- صابر ابو ہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص58
525- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص43
526- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص48
527- صابر ابو ہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص88
528- ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص47
529- (محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، 'علامہ اقبال کی چند فارسی نظموں کا اردو روپ'، مشمولہ: ماہنامہ ادب دوست لاہور

(لاہور: لیک روڈ پرانی انارکلی، جلد نمبر۱۲ شمارہ نمبر۴ اپریل 2006)،ص8)

530- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص49
531- صابر ابوہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص104
532- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص47
533- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص52
534- صابر ابوہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص57
535- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص52
536- صابر ابوہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص77
537- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص 51
538- صابر ابوہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص57
539- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص87
540- صابر ابوہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص88
541- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص86
542- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص106
543- صابر ابوہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص85
544- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص109
545- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص106
546- صابر ابوہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص69
547- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص109
548- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص119
549- صابر ابوہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص104
550- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص124
551- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص127
552- صابر ابوہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص95
553- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص134
554- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص159
555- صابر ابوہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص103
556- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص169
557- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص176
558- صابر ابوہری، افکارِ اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص67
559- ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص188

560- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص218
561- صابر ابوہری، افکارِ اقبال (منتخب کلامِ اقبال کا منظوم اردو ترجمہ)، ص86
562- ا۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص233
563- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص18
564- مضطر مجاز، اقبال پیامِ مشرق (منظوم ترجمہ) (انڈیا: اقبال اکیڈمی، حیدر آباد، بار اول، جولائی 1996ء)، ص23
565- ا۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص18
566- مضطر مجاز، اقبال پیامِ مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 10
567- مضطر مجاز، اقبال پیامِ مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 11
568- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص33
569- مضطر مجاز، اقبال پیامِ مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 35
570- ا۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص31
571- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص17
572- مضطر مجاز، اقبال پیامِ مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 35
573- ا۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص31
574- مضطر مجاز، اقبال پیامِ مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 11
575- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص36
576- مضطر مجاز، اقبال پیامِ مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 37
577- ا۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص34
578- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص53
579- مضطر مجاز، اقبال پیامِ مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 50
580- ا۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص52
581- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص53
582- مضطر مجاز، اقبال پیامِ مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 50
583- ا۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص52
584- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص67
585- مضطر مجاز، اقبال پیامِ مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 60
586- ا۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص67
587- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص73
588- مضطر مجاز، اقبال پیامِ مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 65
589- ا۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص73

590- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص75

591- مظفر مجاز، اقبال پیام مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 66

592- ل۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص75

593- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص118

594- مظفر مجاز، اقبال پیام مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 106

595- ل۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص122

596- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص134

597- مظفر مجاز، اقبال پیام مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 122

598- ل۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص142

599- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص134

600- مظفر مجاز، اقبال پیام مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 122

601- ل۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص143

602- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص160

603- مظفر مجاز، اقبال پیام مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 145

604- ل۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص170

605- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص175

606- مظفر مجاز، اقبال پیام مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 158

607- ل۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص186

608- عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق، ص329

609- احمد جاوید، تسہیل پیام مشرق، ص 566

610- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص202

611- مظفر مجاز، اقبال پیام مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 179

612- ل۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص214

613- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص206

614- مظفر مجاز، اقبال پیام مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 185

615- ل۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص214

616- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، ص219-220

617- مظفر مجاز، اقبال پیام مشرق (منظوم ترجمہ)، ص 194

618- ل۔د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ و شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص235

ماحصل ونتائج

ماحصل ونتائج

ملکی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر فکرِ اقبال کی روز بروز بڑھتی ہوئی مقبولیت اس کی اہمیت اور افادیت کا مستند اور اٹل ثبوت ہے۔ مختلف رنگ، نسل، گروہ، اقوام اور مختلف شعبہ جات زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد علامہ اقبال کے فکر وفن اور ادب کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے افکار اور اشعار بطور حوالہ جات اور سند کے پیش کرتے ہیں۔ ادبا، حکما، شعرا، فلاسفہ، متکلمین اور مدبرین ان کے افکار سے متاثر اور رطب اللسان ہیں۔

علامہ محمد اقبالؒ کے فکر وفن کی زیادہ جھلک ان کے فارسی کلام میں نمایاں ہے۔ پیامِ مشرق علامہ محمد اقبالؒ کے فارسی کلام کی نمائندہ تصنیف ہے۔ اس تصنیف کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کی متعدد شروح، منثور اردو تراجم اور منظوم اردو تراجم تحریر کیے جا چکے ہیں۔ اب تک کی تحقیق کے مطابق اردو زبان میں پیامِ مشرق کی قریباً چار (4) شروح، دس (10) منثور تراجم اور تیرہ (13) منظوم تراجم شائع ہو چکے ہیں۔

پیامِ مشرق کے ترجمہ اور شرح کی اہمیت وضرورت کے پیشِ نظر ضروری تھا کہ اب تک کیے گئے کام کے معیار اور افادیت کو تحقیقی انداز سے پرکھا جائے اور ان شروح اور تراجم کی خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کے بعد عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق درست ترجمہ وتشریح کی نشاندہی کی جائے اور بصورتِ دیگر بہتر ترجمہ وشرح کی تخلیق کے لیے آراء مرتب کی جائیں اور فکرِ اقبال کی درست ترویج وتفہیم کے لیے اقبال دوست حضرات کو دعوتِ فکر وعمل دی جائے۔ زیرِ نظر مقالہ 'پیامِ مشرق کی اردو شروح اور تراجم کا تحقیقی جائزہ' اس سلسلہ میں کی گئی ایک عملی پیش رفت ہے۔

پیامِ مشرق کی اب تک درج ذیل چار (4) اردو شروح شائع ہو چکی ہیں:

1- شرح پیامِ مشرق از پروفیسر یوسف سلیم چشتی
2- شرح پیامِ مشرق از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی
3- شرح پیامِ مشرق از پروفیسر حمید اللہ ہاشمی
4- شرح منتخب اشعار پیامِ مشرق از صوفی غلام مصطفےٰ تبسم

01- چشتی صاحب کی شرح بہت اچھی علمی وادبی کوشش ہے اور کلامِ اقبال کی تفہیم میں کلیدی اور اساسی حیثیت کی حامل ہے، تاہم اس میں کچھ کمزوریاں بھی نظر آتی ہیں۔ اس شرح کی بڑی کمزوریاں یہ ہیں کہ اس میں فارسی متن اور فرہنگ نہیں دیے گئے۔ بعض مقامات پر چشتی صاحب نے مشکل الفاظ اور جملے استعمال کیے ہیں جنہیں عام قاری سمجھ نہیں پاتا اور اُلجھ کے رہ جاتا ہے۔ وہ شعرِ اقبال کو ایک طرف رکھ کر شرح چشتی کی تفہیم میں کوشاں ہو جاتا ہے۔

شرح کا تقاضا ہے کہ اصل متن کی تفہیم میں حائل رکاوٹیں دور کر کے متن کے حقیقی مفہوم تک رسائی ممکن بنائی جائے۔ شرح میں تمام گزارشات اور توضیحات کا مرکز، متن کا اصل مفہوم ہونا چاہیے۔ تفہیمِ متن کے لحاظ سے چشتی صاحب پر ایک اعتراض یہ ہے کہ وہ اِدھر اُدھر اُلجھے نظر آتے ہیں اور بعض مقامات پر اُن کی شرح اصل متن کی ترجمانی نہیں کرتی۔ بعض جگہ پر وہ ضروری امور کی تشریح نہیں کرتے

اور بے جا اختصار سے کام لیتے ہیں جس سے متن کا حقیقی مفہوم قاری تک نہیں پہنچ پاتا۔ راقم الحروف کے مطابق بے جا طوالت یا اختصار صرف چند ایک مقامات پر نظر آتے ہیں۔ ان کی زیادہ تر شرح اصل متن کے مطابق مختصر یا طویل ہے۔ بعض مقامات پر جہاں طوالت نظر آتی ہے، وہاں انہوں نے شرح کے تقاضے پورے کرنے کے لیے اصل متن کے مطابق حکماء، ادبا اور شخصیات کا تعارف پیش کیا ہے۔ ضروری محسوس ہوا تو تاریخی و سیاسی حوالہ جات پیش کیے ہیں اور تلمیحات و کنایات کی شرح بھی پیش کی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے زیرِ مطالعہ کلام کا مطلب اور مفہوم پیش کیا ہے۔ ان ضروری تصریحات و توضیحات کے بعد مطلب اور مفہوم واضح ہو گیا ہے۔ ضروری توضیحات کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ طوالت بے جا نظر نہیں آتی۔

مجموعی طور پر چشتی صاحب کی یہ علمی کوشش قابلِ تحسین ہے کیونکہ اس شرح کی مدد سے بہر حال اقبال کے اہم افکار کی تفہیم عام ہوئی ہے۔ اس درجے کی کوئی اور شرح ابھی تک نہیں لکھی جا سکی۔ چشتی صاحب کی شروح میں اگر بعض امور کے لحاظ سے افراط و تفریط نظر آتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فکرِ روزگار کے ساتھ ساتھ وہ زیادہ تر وقت مطالعہ، تصنیف و تالیف اور تنقید و تحقیق کے کاموں میں بسر کرتے تھے۔ اس لیے انہیں اپنے کام پر نظر ثانی کا موقع نہ مل سکا۔ ان کی شروح کو نظر ثانی سے بہتر بنایا جا سکتا ہے اور اس میں موجود کمزوریوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔

نظر ثانی کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ضروری صلاحیتوں کا حامل کوئی فرد یا زیادہ افراد مل کر اس شرح کا جائزہ لیں اور حواشی و تعلیقات کی مدد سے ان میں فارسی متن، فارسی متن کے حوالہ سے لغت، فارسی متن کا لفظی و با محاورہ ترجمہ، چشتی صاحب کی تحریر کے مشکل الفاظ اور ان کے معانی دیں۔ نظر ثانی کے بعد ان کی یہ شرح اور دیگر شروح دوبارہ شائع ہونی چاہئیں۔ ان کی شرح کی تمام خوبیوں اور خامیوں کو مدنظر رکھ کر نئی شرح بھی لکھی جا سکتی ہے۔

-02 ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے تمام 'شرح پیام مشرق' میں قریباً تمام اشعار کی شرح دو تا چار یا پانچ سطریں فی شعر کے کلیہ کے حساب سے اور صرف چند ایک اشعار کی شرح قریباً دس تا پندرہ سطریں فی شعر کے حساب سے دی ہے۔ اس قدر اختصار کے پیشِ نظر ان کی اس کوشش کو ایک جامع شرح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انہوں نے اشعار کے مشکل الفاظ اور ان کے معانی بھی شرح پیام مشرق کے آخر پر (صفحات نمبر 289 تا 368 پر) دیے ہیں۔ اصولاً الفاظ معانی اصل متن کے ساتھ ہونے چاہئیں تھے۔ ان کی شرح میں مشکل الفاظ و تراکیب، تشبیہات، استعارات، تلمیحات وغیرہ کی وضاحت نہیں دی گئی۔ اس میں کلامِ اقبال کے حوالے سے اہم تصورات، نکات، افکار کی وضاحت نہیں دی گئی۔ اس میں ضروری امور کھول کر اور وضاحت سے بیان نہیں کیے گئے۔ اس لیے، اسے شرح یا جامع شرح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

-03 حمید اللہ ہاشمی صاحب نے قریباً تمام شرح پیامِ مشرق میں تسہیل پیامِ مشرق از احمد جاوید سے الفاظ معانی اور ترجمہ دیا ہے۔ ترجمہ میں قوسین کے اندر دیے گئے توضیحی الفاظ، جملے یا ترجمہ کے ساتھ مفہوم واضح کرنے کے لیے دیے گئے اضافی جملے شرح پیامِ مشرق از یوسف سلیم چشتی اور ترجمہ و مفہوم پیامِ مشرق از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم سے لفظ بہ لفظ نقل کیے گئے ہیں۔ ریاضی کی زبان میں حمید اللہ شاہ ہاشمی کا پیامِ مشرق کا

ترجمہ وشرح لکھنے کا فارمولا یوں بنتا ہے۔
شرح پیامِ مشرق از حمید اللہ ہاشمی = الفاظ معانی و ترجمہ از احمد جاوید + شرح از یوسف سلیم چشتی ترجمہ از ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم
آنکھیں بند کر کے حمید اللہ شاہ ہاشمی کی شرح کا کوئی صفحہ بھی کھول لیں، مندرجہ بالا فارمولا درست ثابت ہوگا۔

-04 صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے پیامِ مشرق کے چند ایک منتخب اشعار کی بہت اچھی شرح کی ہے۔ انہوں نے کافی زیادہ آسان اور عام فہم زبان استعمال کی ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے پیامِ مشرق کے مختصر سے، منتخب کلام کی شرح پیش کی ہے۔ اس لیے اسے پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شرح پیامِ مشرق کا بدل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

پیامِ مشرق کی تمام اردو شروح کے موازنہ و تقابل کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کی شرح، پیامِ مشرق کے تمام اشعار کی حامل نہ ہونے کے باوجود آسان، عام فہم، جامع، مدلل اور فکرِ اقبال کی بھرپور انداز سے ترجمانی کرتی ہے۔ اس کے بعد پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شرح قابلِ تحسین ہے۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کی شرح نہایت مختصر، مگر عام فہم ہے، تاہم، یہ شرح ڈاکٹر ا۔ د۔ نسیم کے ترجمہ و مطالب سے فکری مماثلت رکھتی ہے اور بعض مقامات پر جملے بھی کافی حد تک ایک جیسے ہیں۔ حمید اللہ ہاشمی صاحب کا ترجمہ وشرح پیامِ مشرق زیادہ تر مختلف تراجم وشروح کے اقتباسات (نقل) پر مشتمل ہیں۔

پیامِ مشرق کے اب تک دس (10) عدد منثور تراجم سامنے آچکے ہیں۔ یہ تراجم درج ذیل حضرات نے کیے ہیں:

(1) صوفی غلام مصطفےٰ تبسم (2) میاں عبدالرشید (3) احمد جاوید
(4) ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی (5) پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی (6) گوہر ایم رمضان
(7) ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم (8) محمد سعید شیدا (9) خرم علی شفیق، مزملہ شفیق
(10) ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

-01 میاں عبدالرشید کا ترجمہ آسان، سلیس اور عام فہم ہے۔ انہوں نے ہر فارسی شعر کا ترجمہ اس کے سامنے دیا ہے۔ یہ ترجمہ مصرع وار ہے۔ اس طرح فارسی متن کے حوالے سے ترجمہ کو اور ترجمہ کی مدد سے فارسی متن کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہوگئی ہے۔ بعض مقامات پر ترجمہ عام فہم اور آسان بنانے کے لیے قوسین استعمال کی گئی ہیں اور ان قوسین میں ترجمہ کی ضرورت کے مطابق مشکل لفظ کا مطلب اور مفہوم دیا گیا ہے۔ نامکمل جملوں کی تکمیل کے لیے کچھ الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے یا کسی تلمیح یا اصطلاح کی وضاحت کردی ہے۔ اس طرح متن کے مطابق لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت بھی برقرار رہی اور مفہوم بھی اچھی طرح واضح ہوگیا۔ چند ایک مقامات پر فارسی کلام کی طرح منثور ترجمہ میں بھی قافیہ و ردیف کی پابندی کی کوشش کی گئی ہے۔ بعض مقامات پر اردو ترجمہ میں لے اور آہنگ نظر آتے ہیں۔ بعض مقامات پر قوسین میں یا قوسین کے بغیر منثور اردو ترجمہ کے ساتھ موضوع کی مناسبت سے فارسی، اردو یا پنجابی شعرا کے اشعار

اور مصارع بھی دیئے گئے ہیں۔ مجموعی طور پر ان کا پیامِ مشرق کا منثور اردو ترجمہ سلیس، عام فہم اور آسان ہے، تاہم بعض مقامات پر کچھ کمزوریاں بھی محسوس ہوتی ہیں۔ مثلاً، فارسی کے مشکل الفاظ و تراکیب کے معانی اور مفاہیم نہیں دیے گئے۔ بعض مقامات پر، ترجمہ میں مشکل الفاظ استعمال ہُوئے ہیں جنہیں سمجھنے کے لیے کسی لغت یا استاد سے استفادہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ بعض مقامات پر تلمیحات اور اصطلاحات کا مفہوم واضح نہیں کیا گیا۔ بعض مقامات پر ترجمہ میں دیے گئے اضافی الفاظ کو قوسین کی مدد سے اصل ترجمہ سے الگ نہیں کیا گیا۔ چند ایک مقامات پر ترجمہ اصل متن کے مطابق نہیں ہے۔ بعض مقامات پر دیا گیا ترجمہ اصل متن کا مفہوم واضح نہیں کرتا۔ متن کا مفہوم واضح کرنے کے لیے ترجمہ کے ساتھ توضیحی عبارت کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے۔ حواشی اور تعلیقات کی مدد سے یہ ترجمہ زیادہ سے زیادہ طلبہ و قارئین کے لیے مزید قابلِ فہم اور آسان بنایا جاسکتا تھا مگر اس ترجمہ میں حواشی اور تعلیقات نہیں دیے گئے۔ نظرِ ثانی سے اور حواشی و تعلیقات کے اضافہ سے اس منثور اردو ترجمہ کو مزید آسان اور عام فہم بنایا جاسکتا ہے۔

-02 مجموعی طور پر تسہیل پیام مشرق میں دیا گیا 'احمد جاوید' کا ترجمہ اصل متن کے مطابق ہے۔ یہ ترجمہ مصرع وار اور لفظی ہے۔ ترجمہ کی مدد سے اصل متن کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ 'فرہنگ' کے عنوان کے تحت مشکل الفاظ و تراکیب، تلمیحات و اصطلاحات، رموز و علائم کا مفہوم دیا گیا ہے۔ اہم شخصیات، واقعات اور مقامات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ فرہنگ کے لحاظ سے اور اصل متن کے لفظی ترجمہ ہونے کی حیثیت سے دوسرا کوئی بھی ترجمہ 'تسہیل پیام مشرق' کا ثانی نہیں ہے۔ احمد جاوید نے ہر ایک لفظ کا مفہوم جس طرح سے واضح کیا ہے اس کی مثال نظر نہیں آتی۔ اسی طرح انہوں نے بھرپور کوشش کی ہے کا ان کا ترجمہ اصل متن سے معمولی سا بھی مختلف نہ ہو۔ ترجمہ کے معاملہ میں کوئی اور مترجم ان کی طرح محتاط نظر نہیں آیا۔ ترجمہ میں قوسین کے استعمال سے ترجمہ مزید آسان اور عام فہم بنایا جاسکتا تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ ترجمہ کے ساتھ مفہوم نہیں دیا گیا۔ اگر ترجمہ کے ساتھ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کی طرز پر مختصر الفاظ میں مفہوم دے دیا جاتا تو ان کا ترجمہ بہترین شکل اختیار کر جاتا۔ قوسین کے اندر توضیحی الفاظ یا جملے دینے سے ترجمہ مزید قابلِ فہم ہو جاتا اور ترجمہ کرنے کا مقصد بھی پورا ہو جاتا۔ ترجمہ کے ساتھ حواشی و تعلیقات کے اضافہ سے اسے مزید بہتر بنایا جاسکتا تھا۔ ترجمہ میں شعری لحن پیدا کرنے کے لیے مشکل الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جس سے ترجمہ میں شعری لحن تو پیدا ہو گیا ہے مگر بعض مقامات پر ترجمہ عام فہم نہیں رہا۔ نظرِ ثانی سے اس ترجمہ کو حقیقی طور پر ''تسہیل پیام مشرق'' کی شکل دی جاسکتی ہے۔ تسہیل کے لیے مندرجہ بالا گزارشات کے پیشِ نظر ترجمہ میں تبدیلی اور اصلاح کی ضرورت ہے۔

-03 ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کا ترجمہ، دیگر مترجمین کے تراجم کی نسبت زیادہ آسان، عام فہم اور سلیس ہے۔ انہوں نے لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار رکھی ہے اور قوسین میں یا ترجمہ کے آخر پر توضیحی الفاظ و جملے دے کر ترجمہ کا مفہوم بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ کافی زیادہ حد تک کامیاب ہُوئے ہیں۔ انہوں نے فارسی متن کے ساتھ ترجمہ دیا ہے مگر مشکل الفاظ اور ان کے معانی نہیں دیے۔ اسی طرح میاں عبدالرشید نے بھی مشکل الفاظ کے معانی نہیں دیے۔ مشکل الفاظ کے معانی کے بغیر ترجمہ کی مدد

سے فارسی متن کونہیں سمجھا جاسکتا۔ان کے ترجمہ میں 'فرہنگ' کے اضافہ کی ضرورت ہے۔

-04 ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے بعد ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے بھی قریباً اسی انداز سے ترجمہ کیا ہے۔ یزدانی صاحب اور ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے تراجم کے تقابل وجائزہ سے واضح ہوا ہے کہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ ومفہوم، ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے ترجمہ ومفہوم سے فکری مماثلت رکھتا ہے۔دونوں مترجمین کا اسلوب ترجمہ بھی ایک جیسا ہے۔دونوں مترجمین نے اشعار کے تراجم ومفاہیم تو تحریر کیے ہیں۔شرح تحریر نہیں کی ہے۔مجموعی طور پر ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی اور ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے تراجم ومفاہیم آسان، عام فہم اور سلیس ورواں ہیں۔ڈاکٹر الف۔د۔نسیم نے ترجمہ کی الگ حیثیت کو برقرار رکھا ہے جبکہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے لفظی ترجمہ کی الگ حیثیت برقرار نہیں رکھی۔ان کا ترجمہ لفظی نہیں ہے۔یہ ترجمہ مفہوم کے قریب تر ہے۔ بہت زیادہ اختصار کی وجہ سے ڈاکٹر الف۔د۔نسیم اور خواجہ حمید یزدانی نے اشعار کی کھل کر شرح بیان نہیں کی ہے۔شرح کے تقاضوں کے پیش نظر ان کی تخلیقات کو شرح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

-05 پیامِ مشرق کے منثور اردو تراجم کو زمانی ترتیب کے لحاظ سے دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ میاں عبدالرشید کا ترجمہ 1991ء میں احمد جاوید کا ترجمہ 1992ء میں، ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کا ترجمہ 1993ء میں، ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ 2004ء میں، حمید اللہ ہاشمی کا ترجمہ 2008-2007ء میں اور خرم شفیق ومزملہ شفیق کا آسان نثری ترجمہ 2010ء میں شائع ہوا۔ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ احمد جاوید اور ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے بعد شائع ہوا تھا۔

ترجمہ وشرح کا ہر ایک مترجم وشارح کا منفرد انداز ہوتا ہے۔میاں عبدالرشید، احمد جاوید، ڈاکٹر الف۔د۔نسیم اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے آزادی سے ترجمہ کیا ہے۔اس لیے ان کا ترجمہ کسی اور کے ترجمہ سے نہیں ملتا۔ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ترجمہ ومفہوم کافی زیادہ حد تک ڈاکٹر الف۔د۔نسیم کے ترجمہ سے فکری مماثلت رکھتا ہے۔بعض مقامات پر لفظی مماثلت بھی نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کی احمد جاوید اور اس طرح ڈاکٹر الف۔د۔نسیم سے فکری مماثلث اور بعض مقامات پر لفظی مماثلث اصولِ تحقیق کی رو سے 'سرقہ' شمار ہوتی ہے کیونکہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے ان اصحاب سے استفادہ کا کہیں ذکر یا اعتراف نہیں کیا۔حمید اللہ شاہ ہاشمی نے اپنی پیامِ مشرق کی شرح میں تمام شرح اور ترجمہ دیگر کتب سے نقل کیا ہے اس لیے وہ کھلم کھلا طور پر سرقہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔

-06 محمد رمضان گوہر نے اپنی کتاب 'انتخاب کلیاتِ اقبال فارسی' کے حصہ پیامِ مشرق میں 'پیامِ مشرق' کے مختلف حصوں سے منتخبہ ایک سو تیس اشعار کا ترجمہ دیا ہے۔انہوں نے سب سے پہلے فارسی شعر لکھا ہے۔ پھر فرہنگ میں مشکل الفاظ کے معانی دیے ہیں۔فرہنگ کے بعد سلیس اردو ترجمہ دیا ہے۔ان کے ترجمہ کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ انہوں نے فارسی متن میں اعراب دے کر عام قاری کے لیے فارسی کلام کی درست تلفظ سے ادائیگی ممکن بنادی ہے۔انہوں نے فارسی اشعار دیتے وقت صحتِ متن کا خیال رکھا ہے، تاہم بعض مقامات پر رموز واوقاف کی کچھ اغلاط نظر آتی ہیں۔انہوں نے اپنی کتاب میں کلیاتِ اقبال فارسی کے مختلف حصوں سے منتخب اشعار کا ترجمہ دیا ہے، مگر ہر شعر کے ساتھ اس کا حوالہ درج نہیں کیا۔اگر

وہ اشعار کے حوالہ جات درج کردیتے تو مطالعہ وتحقیق میں آسانی رہتی اور قارئین اپنے ذوق کے مطابق کسی شعر کے حوالے کی مدد سے کلیاتِ اقبال فارسی کے دیگر کلام سے بھی استفادہ کر پاتے۔ گوہر صاحب کا ترجمہ دینے کا انداز درست ہے، تاہم اگر وہ تحت اللفظی ترجمہ دے دیتے تو قارئین کو فارسی متن کو سمجھنے میں مزید آسانی ہو جاتی اور پھر وہ خود بھی بغیر کسی مدد اور سہارے کے فارسی متن کو سمجھنے کے قابل ہو جاتے۔ مجموعی طور پر محمد رمضان گوہر کی یہ کوشش بہت اچھی ہے۔ اگر پروفیسر یوسف سلیم چشتی اپنی شرح میں اس طریقہ سے اصل متن، فرہنگ اور ترجمہ شامل کردیتے تو ان کی شروح کی افادیت میں بہت اضافہ ہو جاتا۔ میاں عبدالرشید اور ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے پیامِ مشرق کے اپنے تراجم میں فارسی متن اور ترجمہ تو دیا ہے مگر فرہنگ شامل نہیں کیا۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے ہر فارسی شعر کے ساتھ فرہنگ نہیں دیا۔ انہوں نے تمام پیامِ مشرق کا فرہنگ اپنی کتاب کے آخر پر دیا ہے۔ جس سے فرہنگ کی افادیت نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ محمد رمضان گوہر سے قبل 'احمد جاوید' نے تسہیل پیامِ مشرق میں فارسی متن کے ساتھ فرہنگ دیا ہے اور ہر فارسی شعر کے نیچے مصرع وار ترجمہ دیا ہے۔ 'احمد جاوید' کی کوشش، محمد رمضان گوہر کی کوشش سے زیادہ بہتر ہے۔ انہوں نے یہی کام زیادہ وضاحت اور بہتر ترتیب سے کیا ہے۔ انہوں نے مکمل پیامِ مشرق کا ترجمہ دیا ہے۔ ان کے ترجمہ سے عام قاری سے لے کر کسی محقق اور سکالر تک یعنی ہر ذہنی و علمی سطح کا قاری استفادہ کرسکتا ہے۔ جبکہ گوہر صاحب کا ترجمہ محققین اور سکالرز کے لیے تو نہیں، عام قارئین کے استفادہ کے لیے، بہت اچھا ہے۔ اس لحاظ سے ان کی یہ کوشش قابلِ تحسین ہے۔

-07 'رومئ عصر' علامہ اقبال کے منتخب کلام کا منثور اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ محمد سعید شیدا نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار 1955ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں اقبال کے منتخب فارسی کلام کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں فہرست عنوانات نہیں دی گئی۔ ترجمہ میں فارسی متن اور اس کے حوالہ جات نہیں دیے گئے۔ الفاظ معانی بھی نہیں دیے گئے۔ اس میں اقبال کے تمام فارسی مجموعہ ہائے کلام کا نہیں بلکہ ان میں سے منتخب کلام کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ اس لیے علمی و عملی لحاظ سے عصرِ حاضر میں 'رومئ عصر' (منتخب کلامِ اقبال کا منثور اردو ترجمہ) کی کوئی افادیت نہیں ہے۔ اس سے بہتر تراجم موجود ہیں جن سے زیادہ بہتر طور پر استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

-08 خرم شفیق اور مزملہ شفیق کے نثری ترجمہ میں غیر واضح اور نامکمل فہرست دی گئی ہے۔ بعض مقامات پر دیا گیا نثری ترجمہ فکرِ اقبال سے ہٹا ہوا نظر آتا ہے۔ اصل متن کا مفہوم کچھ اور ہے اور نثری ترجمہ سے بات کچھ سے کچھ ہوگئی ہے۔ یہ نثری ترجمہ دراصل احمد جاوید کی 'تسہیل پیامِ مشرق' کے ترجمہ سے اخذ شدہ ہے۔ خرم شفیق اور مزملہ شفیق نے احمد جاوید کے ترجمہ کو ہی قدرے آسان اور سلیس بنا کر مترجمین اور مصنفین بننے کا اعزاز حاصل کرلیا ہے۔ اس نثری ترجمہ کے ساتھ کلامِ اقبال کا اصل فارسی متن اور حوالہ جات نہیں دیے گئے۔ اگر اصل فارسی متن اور حوالہ جات دے دیے جاتے تو اس سے تفہیمِ متن اور تحقیق و تنقید کے امور آسان ہو جاتے۔ حواشی و تعلیقات کے اہتمام سے قارئین کے لیے تفہیمِ متن میں آسانی پیدا کی جاسکتی تھی۔ صرف تین صفحات پر مختصر سے حواشی دیے گئے ہیں جو کفایت نہیں کرتے ہیں۔ اس کتاب میں شامل 'مئے باقی' کی منتخب غزلیات کا دیا گیا فیض احمد فیض کا ترجمہ اصل متن کے قریب تر،

شعری محاسن سے مزّین اور قابلِ تعریف ہے، تاہم چند ایک مقامات پر یہ ترجمہ فکرِ اقبال سے ہم آہنگ دکھائی نہیں دیتا۔ مزید یہ کہ اس کتاب میں پیامِ مشرق کے تمام حصوں کا منثور ترجمہ دیا گیا ہے۔ مگر 'مئے باقی' کا منثور ترجمہ نہیں دیا گیا بلکہ منظوم ترجمہ دیا گیا ہے۔ وجہ سمجھ نہیں آتی کہ یہ فرق کیوں روا رکھا گیا۔ مئے باقی کے نثری ترجمہ کے ساتھ بھی منظوم ترجمہ دیا جا سکتا تھا۔ ترجمہ کے ساتھ حاصل کلام یا حقیقی مفہوم واضح الفاظ میں دے دیا جاتا تو افادیت بڑھ جاتی۔ مثلاً 'حصہ افکار' میں 'پہلا پھول' کے عنوان سے ترجمہ تو دے دیا گیا ہے مگر مفہوم نہیں دیا گیا۔ ہر قاری کسی کلام کے نثری ترجمہ سے اصل مفہوم اخذ نہیں کر سکتا۔ سلسلۂ آسان کتب میں عام قارئین کے لیے آسانی بھی نظر آنی چاہیے۔ بعض مقامات پر مشکل الفاظ اور اغلاط نظر آتی ہیں۔ نثری ترجمہ میں مشکل الفاظ کے استعمال سے یہ کتاب آسان نہیں رہی۔ اسے کسی لغت کے بغیر اور ایک اچھے اقبال شناس کی رہنمائی کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ بعض مقامات پر دیا گیا نثری ترجمہ واضح نہیں ہے۔ ترجمہ اصل متن کا مفہوم واضح نہیں کرتا۔ حاصل کلام یہ کہ نثری ترجمہ 'پیامِ مشرق' اقبال اکادمی پاکستان کی طرف سے شائع کردہ سلسلۂ آسان کتب کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہ کتابت، طباعت، ڈیزائننگ، جلد سازی، پیشکش اور کاغذ وجلد کے معیار کے لحاظ سے بہت خوبصورت تخلیق ہے۔ تاہم معنوی نقطۂ نظر سے اس میں ترامیم و تصحیحات کی گنجائش بہر حال موجود ہے۔ اس نثری ترجمہ پر 'نظر ثانی' کر کے اسے بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

-09 ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے پیامِ مشرق کی چار منتخب نظموں کا آسان، سلیس اور عام فہم ترجمہ کیا ہے۔ مجموعی طور پر تمام ترجمہ عین درست ہے اور متن کی بھرپور انداز سے ترجمانی کرتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ترجمہ میں قوسین کے اندر توضیحی الفاظ اور جملے استعمال کر کے ترجمہ عام فہم بنا دیا ہے۔ انہوں نے ترجمہ مصرع وار کیا ہے۔ انہوں نے کوشش کی ہے کہ ترجمہ لفظی، بامحاورہ، سلیس اور آسان ہو۔ وہ اس کوشش میں کافی زیادہ حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ چند ایک مقامات پر انہوں نے دیگر مترجمین سے ہٹ کر ترجمہ دیا ہے اور مفاہیم و معانی کے نئے در کھولے ہیں۔ ان کی یہ کوشش فنِ ترجمہ اور خصوصاً کلام اقبال کے ترجمہ کے سلسلہ میں جاری اور رواں طریقہ میں تبدیلی اور اصلاح کے لیے اٹھائے جانے والے نہایت مستحسن اور قابلِ احترام قدم کی حیثیت رکھتی ہے۔

پیامِ مشرق کے تمام منثور تراجم کے تفصیلی، تقابلی اور مجموعی جائزہ سے درج ذیل نتائج اخذ ہوئے ہیں:

ا۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کا ترجمہ، دیگر مترجمین کے تراجم کی نسبت زیادہ آسان، عام فہم اور سلیس ہے۔

ب۔ فرہنگ کے لحاظ سے اور اصل متن کے لفظی ترجمہ ہونے کی حیثیت سے دوسرا کوئی بھی ترجمہ احمد جاوید کے ترجمہ 'تسہیل پیامِ مشرق' کا ثانی نہیں ہے۔

ج۔ محمد رمضان گوہر کے ترجمہ کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ انہوں نے فارسی متن میں اعراب دے کر عام قاری کے لیے فارسی کلام کی درست تلفظ سے ادائیگی ممکن بنا دی ہے۔ حاصلِ تحقیق یہ ہے کہ اگر 'احمد جاوید' کی طرز پر 'فرہنگ' اور فارسی متن کے ساتھ لفظی ترجمہ، ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کی طرز پر (بامحاورہ ترجمہ و مفہوم) اور محمد رمضان گوہر کی طرز پر فارسی متن کے ساتھ اعراب دے دیے جائیں تو خوبصورت ترجمہ تخلیق ہو جائے گا جس سے زیادہ سے زیادہ قاری آسانی سے استفادہ کر سکیں گے۔

پیامِ مشرق کے اب تک درج ذیل شعرا کرام کے تیرہ (13) عدد منظوم اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں۔

(1) فیض احمد فیض (2) حضور احمد سلیم (3) عبدالعلیم صدیقی (4) عبدالرحمٰن طارق
(5) انجم رومانی (6) خالد حمید شیدا (7) سرو سہارنپوری (8) ڈاکٹر عصمت جاوید
(9) رؤف خیر (10) محمد سرور رجا (11) سید احمد ایثار (12) صابر ابوہری
(13) مضطر مجاز

01- منظوم اردو تراجم میں سے عبدالرحمٰن طارق کا آزاد/منظوم اردو ترجمہ متن کے لحاظ سے اور اپنے فکری وفنی اور صوری ومعنوی محاسن کے لحاظ سے سب اچھا ہے۔ اس کے بعد ابراہیم خیال فتحپوری کا نام آتا ہے۔ ابراہیم خیال فتحپوری نے صرف بیس (20) رباعیات کا ترجمہ کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مکمل پیامِ مشرق کے منظوم اردو ترجمہ کی صورت میں وہ یہ معیار برقرار نہ رکھ پاتے۔ محمد سرور رجا کا 'مئے باقی' کا منظوم اردو ترجمہ بھی بہت اچھا ہے۔ انہوں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ ان کا ترجمہ اصل متن کی ترجمانی کرے۔ وہ اس میں کافی زیادہ حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ فیض احمد فیض اور حضور احمد سلیم کے منظوم اردو تراجم بھی بہت اچھے ہیں۔ ان حضرات کو بہت مختصر عرصہ میں منتخب کلامِ اقبال کا منظوم اردو ترجمہ کرنا پڑا تھا۔ اگر انہیں ان کے حسب خواہش وقت ملتا تو یقیناً یہ حضرات، محمد سرور رجا سے بھی بہتر ترجمہ کر پاتے۔ محمد سرور رجا کو اپنے منظوم اردو ترجمہ پر بغیر کسی پابندی کے کام کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اس لیے انہوں نے کئی بار نظرِ ثانی اور احباب سے مشاورت کی مدد سے ترجمہ کا معیار بہتر بنالیا۔

02- دیگر حضرات (خالد حمید شیدا، ڈاکٹر عصمت جاوید، رؤف خیر، سیّد احمد ایثار، صابر ابوہری اور مضطر مجاز وغیرہ) کے منظوم اردو تراجم کافی کمزور ہیں۔ یہ حضرات کلامِ اقبال کی تفہیم وترسیل میں خاطر خواہ کامیاب نظر نہیں آتے۔

مندرجہ بالا گزارشات کے پیشِ نظر راقم الحروف کے نزدیک مندرجہ ذیل امور میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے:

01- پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شرح پیامِ مشرق کے ساتھ 'لغت' اور حواشی وتعلیقات کے اضافہ سے اسے بہتر بنانے اور دوبارہ شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے اقبال اکیڈمی، بزمِ اقبال اور دیگر ادبی اداروں اور یونیورسٹیوں کے ادبی وتحقیقی شعبہ جات کو مثبت پیش رفت کرنی چاہیے۔

02- حمید اللہ ہاشمی نے کلیاتِ اقبال فارسی کی شرح لکھی ہے۔ اس شرح میں پیامِ مشرق کی شرح بھی شامل ہے۔ انہوں نے شرح پیامِ مشرق میں زیادہ تر الفاظ، معانی احمد جاوید کی تسہیل 'پیامِ مشرق' سے نقل کیے ہیں۔ اس طرح شرح کے اکثر جملے اور عبارتیں ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم کی شرح سے نقل کی گئی ہیں۔ اس امر پر تحقیق کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کیا شرح کلیاتِ اقبال فارسی میں شامل دیگر کلامِ اقبال کی شرح میں اور دیگر تراجم وشروح اور تصانیف میں انہوں نے دیگر مصنفین، مترجمین اور شارحین کی تخلیقات سے استفادہ کیا ہے یا نہیں۔

03- ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے بھی بعض مقامات پر ڈاکٹر ل۔ د۔ نسیم کے ترجمہ وشرح سے جملے اور عبارتیں دی

ہیں۔ تاہم ایسے مقامات پر انہوں نے چند الفاظ کے ردّ و بدل اور تقدیم و تاخیر سے کچھ تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ اسی طرح انہوں نے احمد جاوید کے ترجمہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ان کی احمد جاوید اور اس طرح ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم سے فکری مماثلت اور بعض مقامات پر لفظی مماثلت اصولِ تحقیق کی رو سے 'سرقہ' شمار ہوتی ہے کیونکہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے ان اصحاب سے استفادہ کا کہیں ذکر یا اعتراف نہیں کیا۔ اس امر پر تحقیق کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کیا ان کی دیگر تخلیقات میں بھی اس طرح کے استفادہ کا ثبوت ملتا ہے یا کہ نہیں۔

-04 کسی منظم ادارہ (اقبال اکیڈمی، بزمِ اقبال) یا یونیورسٹی کے شعبہ اقبالیات/اردو کے تحت مذکورہ بالا اعلیٰ معیار کے منظوم اردو تراجم میں سے بہترین اشعار منتخب کر کے، فارسی متن، لغت اور ضروری حواشی و تعلیقات کے ساتھ شائع کیے جائیں، تا کہ اہلِ ذوق کو مختلف شعراء کے منظوم اردو تراجم میں سے بہترین منتخب تراجم پڑھنے کو ملیں اور ان کی روحانی، ذہنی و فکری اور قلبی راحت اور تالیف کا سبب بنیں۔

-05 اقبال اکیڈمی کو چاہیے اپنے پیامِ مشرق کے مطبوعہ منظوم اردو تراجم (فیض احمد فیض، حضور احمد سلیم، حکیم سرو سہارنپوری، انجم رومانی کے تراجم) کو نظرِ ثانی سے بہتر بنائے۔

-06 ان منظوم اردو تراجم کے ساتھ، منثور اردو ترجمہ (لفظی و با محاورہ ترجمہ) اور مشکل الفاظ و تراکیب کے معانی و مفاہیم بھی دیے جائیں تا کہ زیادہ سے زیادہ قارئین ان سے استفادہ کر سکیں۔

-07 ان منظوم اردو تراجم کے ساتھ حواشی و تعلیقات کے اضافہ سے ان کا ادبی معیار بہتر بنایا جائے۔

-08 تمام تراجم اور شروح کے جائزہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ پیامِ مشرق اور ان کے دیگر فارسی کلام کے نئے تراجم و شروح میں احمد جاوید کی طرز پر فرہنگ و لفظی ترجمہ، ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کی طرز پر با محاورہ ترجمہ و مفہوم اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی طرز پر مشکل الفاظ و تراکیب، تلمیحات اور کنایات وغیرہ کی وضاحت اور صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کی طرز پر آسان اور دلچسپ انداز سے لکھی ہوئی عام فہم شرح تخلیق کر دی جائے جس میں محمد رمضان گوہر کی طرز پر فارسی متن کے ساتھ اعراب بھی دے دیے جائیں تو یہ نہایت عام فہم اور جامع تخلیق ہوگی جس سے ہر سطح کا قاری استفادہ کر سکے گا۔ اسی طرح ہر شرح کے ترجمہ، مفہوم اور شرح کے ساتھ اگر منظوم اردو تراجم سے موزوں ترین ترجمہ منتخب کر کے دے دیا جائے تو سونے پر سہاگہ کے مترادف ہوگا۔ پیامِ مشرق کی آسان اور جامع شرح موجودہ اور آنے والے وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اہلِ علم میں سے کچھ حضرات اس نہایت اہم کام کو اپنے ذمے لیں۔ اگر یہ کام تسلی بخش طور پر انجام پا گیا تو آنے والی نسلوں تک درست طریقے سے کلامِ اقبال اور پیغامِ اقبال پہنچ سکے گا۔ اقبال اکیڈمی، بزمِ اقبال اور دیگر کئی ادبی ادارے موجود ہیں جو اہلِ علم حضرات کی خدمات حاصل کر کے یہ فریضہ احسن طور پر سرانجام دے سکتے ہیں۔ یہ حقیقت بہر حال باعثِ اطمینان ہے کہ پیامِ مشرق کے متعدد ترجمے اور شرحیں موجود ہیں، جن کی مدد سے علامہ اقبال کی اس بلند پایہ شعری کاوش کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اگر چہ ایک نسبتہً زیادہ جامع ترجمہ اور شرح کی ضرورت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

کتابیات

☆ احمد ایثار، سید، پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ مع متن) (انڈیا: گرینڈ پرنٹرز، بنگلور، باراول، 1997ء)
☆ احمد جاوید، تسہیل پیامِ مشرق (اسلام آباد: اقبال اکادمی پاکستان، باراول، 1992ء)
☆ اختر النساء، مقالہ: شروحِ کلام اقبال (تحقیقی وتنقیدی جائزہ) (لاہور: پنجاب یونی ورسٹی، اورینٹل کالج، اگست 2002ء)
☆ اختر النساء، 'مقدمہ'، مشمولہ: مقالاتِ یوسف سلیم چشتی (لاہور: بزمِ اقبال، باراول، 1999ء)
☆ ل۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، ترجمہ وشرح کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، س ن)
☆ ارشاد فضل احمد، تحقیقی مقالہ: تصانیفِ اقبال کے پنجابی تراجم (ایم فل اقبالیات) (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1995ء)
☆ افضال احمد انور، پروفیسر ڈاکٹر، مقالہ ایم فِل اقبالیات: علامہ اقبال کی اردو نظم کا ارتقاء (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1992ء)
☆ اکبر حسین قریشی، ڈاکٹر، مطالعۂ تلمیحات اشاراتِ اقبال (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1986ء)
☆ انجم رومانی، 'پیش لفظ'، مشمولہ: کلیات انجم رومانی، مرتبہ: یاسمین انجم رومانی جاوید (اسلام آباد: روداد پبلی کیشنز، باراول، ستمبر 2001ء)
☆ ایم رمضان گوہر، انتخاب کلیات اقبال فارسی (مع فرہنگ، سلیس اردو ترجمہ اور اعراب) (لاہور: وحدت کالونی، باراول، دسمبر 2001ء)
☆ اے کیو۔ نوید کیانی، مقالہ'' پیام مشرق کے اردو اور انگریزی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1994ء)
☆ بدر حسین محشر زیدی، پروفیسر، ''ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا''، مشمولہ: ثنائے خواجہ (فیصل آباد: دارالاحسان، سالاروالا، س ن)
☆ بشریٰ انیس الرحمٰن، میرے بھائی، مشمولہ: خسرو اور اقبال (مرتبہ: خالد حمید شیدا) (لاہور: سورج پبلشنگ بیورو، اکتوبر 2008ء)
☆ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، باردوم، 2008ء)
☆ جمیل اصغر، آزادی کے بعد بھارت میں اقبال شناسی (مقالہ پی ایچ ڈی) (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، شعبہ اردو اورینٹل کالج، 2006ء)
☆ حضور احمد سلیم، انتخاب پیام مشرق (منظوم اردو ترجمہ) (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باراول، 1977ء)
☆ حمید اللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: مکتبہ دانیال، باراول، 2007ء)
☆ حمید یزدانی، ڈاکٹر خواجہ، ترجمہ وشرح پیامِ مشرق (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، باراول، 2004ء)
☆ خالد حمید شیدا، ڈاکٹر، خسرو اور اقبال (لاہور: سورج پبلشنگ بیورو، ب ن، اکتوبر 2008ء)

☆ خرم علی شفیق، مزملہ شفیق، ستاشہ سلیم، فیض احمد فیض، آسان نثری ترجمہ 'پیام مشرق' (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، 2010ء)
☆ خضر حیات خاں، مقالہ: بانگِ درا کی شرحوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1997ء)
☆ رشید احمد گوریجہ، ڈاکٹر، تشریحات کلام اقبال (ملتان: بیکن بکس، گلگشت کالونی، جنوری 1995ء)
☆ رفیع الدین ہاشمی، پروفیسر ڈاکٹر، i- تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باراول، 9 نومبر 1982ء)
ii- کتابیات اقبال (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، 1977ء)
☆ رؤف خیر، قنطار (لالہ طور کا منظوم ترجمہ) (انڈیا: خیری پبلی کیشنز، حیدرآباد، باراول، اپریل 2001ء)
☆ زیب النساء، ''اقبال کی اردو نثر'' (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1997ء)
☆ سہیل احمد خان، ڈاکٹر، ''ترجمہ تالیف، تلخیص اور اخذ کرنے کا فن''، مشمولہ: ''ترجمہ، روایت اور فن''، مرتب: نثار احمد قریشی (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1985ء)
☆ شازیہ ظہیر خواجہ، کلام اقبال کے تراجم کا توضیحی اشاریہ (تحقیقی مقالہ ایم اے اردو) (لاہور: پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، 1992ء)
☆ صابر ابوہری، افکار اقبال (منتخب کلام اقبال کا منظوم اردو ترجمہ) (انڈیا: ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ب ن، 1995ء)
☆ عابد علی عابد، سید، شعرِ اقبال (لاہور: بزم اقبال، ب ن، 1993ء)
☆ عاصی کرنالی، ڈاکٹر، مضمون 'اظہار خیال'، مشمولہ: انتخاب کلیات اقبال فارسی از ایم رمضان گوہر،
☆ عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال (لاہور: بزمِ اقبال، طبع ہشتم، نومبر 2005ء)
☆ عبدالحکیم نشتر جالندھری، پیش لفظ، مشمولہ: روحِ مشرق، پیامِ مشرق کا منظوم اردو ترجمہ از عبدالرحمٰن طارق (لاہور: ملک دین محمد اینڈ سنز، باردوم، جولائی 1965ء)
☆ عبدالرحمٰن طارق، i- اشارات اقبال (لاہور: کتاب منزل، باردوم، 1958ء)
ii- روحِ مشرق، پیش لفظ (لاہور: ادارہ معارف، ب ن، 1977ء)
☆ عبدالرشید، میاں، منثور ترجمہ پیامِ مشرق (لاہور: شیخ غلام علی سنز، باراول، 1991ء)
☆ عبدالعلیم صدیقی، نوائے شرق (لاہور: مقبول اکیڈمی، ب ن، 2003ء)
☆ عصمت جاوید، ڈاکٹر، عکس لالہ طور (منظوم اردو ترجمہ) (انڈیا: اورنگ آباد، باراول، جنوری 2002ء)
☆ عملۂ ادارت، اُردو لغت جلد 12 (کراچی: اُردو لغت بورڈ، جنوری 1991ء)
☆ غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی و فکری ارتقاء (لاہور: بزم اقبال، اشاعت اول، اکتوبر 1998ء)
☆ غلام مصطفےٰ تبسم، صوفی، صد شعر اقبال (فارسی) (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، 1995ء)
☆ فیض احمد فیض، منظوم اردو ترجمہ، مشمولہ: آسان نثری ترجمہ پیامِ مشرق (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار

اول،2010ء)

☆ قیوم حسین شاہ، تحقیقی مقالہ: ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز کی شرحوں کا تحقیقی مطالعہ (ایم فل اقبالیات) (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1997ء)

☆ کرن رباب نقوی، مقالہ: انجم رومانی: فن و شخصیت (1920ء تا 2001ء) (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 2004ء)

☆ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، بار سوم، 2007ء)

☆ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، i- اسرارِ خودی، تمہید، مشمولہ: کلیات اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1985ء)

ii- اقبال نامہ (مجموعہ مکاتیبِ اقبال)، مرتبہ: شیخ عطاء اللہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار نو، 2005ء)

iii- بالِ جبریل، مشمولہ: کلیات اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، دسمبر 1982ء)

iv- بانگ درا، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو (شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، 1982ء)

v- پیامِ مشرق (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ہفدہم، 1983ء)

vi- حرفِ اقبال، مرتبہ و مترجمہ: لطیف احمد خان شروانی (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، بار اول، 1984ء)

vii- زبورِ عجم، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ب ن، 1985ء)

viii- ضرب کلیم، مشمولہ: کلیات اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، 1982ء)

ix- کلیات اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، مارچ 1982ء)

x- گلشن رازِ جدید: جواب (6) (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز)

☆ محمد حسین، چوہدری، مضمون: پیام مشرق، مشمولہ اقبال شناسی کے زاویے (1984ء۔1974ء) مرتبہ: ڈاکٹر سلیم اختر (لاہور: بزم اقبال، بار اول، مئی 1985ء)

☆ محمد ریاض، ڈاکٹر "اقبال کے چند تراجم و ماخوذات: تقابلی نمونے"، مشمولہ: اقبال شناسی کے زاویے (منتخب مقالات مجلّہ اقبال 1974ء تا 1984ء)، مرتبہ: ڈاکٹر سلیم اختر (لاہور: بزم اقبال، بار اول، مئی 1985ء)

☆ محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، اقبالیات چند نئی جہات، (لاہور: خزینہ علم و ادب، ب ن، 2001ء)

☆ محمد سرور رجا، منتِ ساقی (منظوم اردو ترجمہ مئے باقی از پیامِ مشرق) (برطانیہ: اوٹی انٹر پرائز ز لمیٹڈ، بار اول، 2007ء)

☆ محمد سعید شیدا، رومی عصر (انتخاب کلام اقبال فارسی) (لاہور: تاج بک ڈپو، بار اول، 1955ء)

☆ محمد محمود سہارنپوری، حکیم سید، قلمی مخطوطہ (راولپنڈی: 13 اپریل 2012ء)

☆ محمود احمد سہارنپوری، حکیم سید، i- ثنائے خواجہ (مجموعہ حمد و نعت) (فیصل آباد: دار الاحسان، سالار والا، س ن)

ii- لالۂ طور (منظوم اردو ترجمہ) (لاہور: اقبال اکیڈمی، بار اول، 2010ء)

☆ مسعود حسین خان، پروفیسر، پیش کلام، مشمولہ: منظوم اردو ترجمہ پیام مشرق از سید احمد ایثار (انڈیا: گرینڈ پرنٹرز، بنگلور، باراول، 1997ء)

☆ مضطر مجاز، اقبال پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) (انڈیا: اقبال اکیڈمی، حیدر آباد، باراول، جولائی 1996ء)

☆ نذیر نیازی، سید، اقبال کے حضور نشستیں اور گفتگوئیں (کراچی: اقبال اکیڈمی، ب ن، 1938ء)

☆ نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال فارسی (لاہور: اظہار سنز، اردو بازار، باراول، س ن)

☆ نوید کیانی، پروفیسر، پیامِ مشرق کے اردو اور انگریزی تراجم کا تحقیقی و توضیحی جائزہ (جہلم: بک کارنر پبلشرز ، فروری 1999ء)

☆ وارث سرہندی، علمی اردو لغت (لاہور: علمی کتب خانہ، باراول، 1996ء)

☆ یاسمین انجم جاوید، میرے ابو، مشمولہ: کلیات انجم رومانی (اسلام آباد: روداد پبلی کیشنز، باراول ستمبر 2001ء)

☆ یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، i- شرح پیامِ مشرق (لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، بار اول، س ن)

ii- مقالات یوسف سلیم چشتی، مرتبہ: اختر النساء (بسلسلہ علامہ اقبال) (لاہور: بزم اقبال، 1999ء، باراول)

☆ یوسف کمال، پروفیسر ڈاکٹر، کلامِ اقبال تراجم (ایک جائزہ)، مشمولہ: اقبال پیامِ مشرق (منظوم اردو ترجمہ) از مضطر مجاز (انڈیا: اقبال اکیڈمی، حیدر آباد، باراول، جولائی 1996ء)

رسائل

☆ انتظار حسین، انجم رومانی، مضمون مشمولہ: ماہنامہ روداد، کتابی سلسلہ نمبر 14، اسلام آباد، اپریل تا جون 2001ء

☆ تحسین فراقی، ڈاکٹر، مضمون مشمولہ: ماہنامہ روداد، کتابی سلسلہ نمبر 14، اسلام آباد، اپریل تا جون 2001 ء

☆ عطاء الحق قاسمی، انجم رومانی، مضمون مشمولہ: سہ ماہی معاصر انٹرنیشنل، جلد 1، شمارہ 2، لاہور، اپریل تا جون 2001ء)

☆ محمد زکریا، ڈاکٹر خواجہ، مضمون: علامہ اقبال کی چند فارسی نظموں کا اردو روپ، مشمولہ: ادب دوست (م) (لاہور: جلد 12 شمارہ 4، اپریل 2006ء)

جدول اردو شروح و تراجم پیامِ مشرق

پیامِ مشرق کی اردو شروح

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مترجم/شارح	موضوع
01	کلیاتِ اقبال فارسی	ڈاکٹر علامہ محمد اقبال	کلامِ اقبال فارسی (پیامِ مشرق)
02	شرح پیامِ مشرق	پروفیسر یوسف سلیم چشتی	مکمل کلام
03	شرح پیامِ مشرق	ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی	مکمل کلام
04	شرح کلیاتِ اقبال فارسی	پروفیسر حمید اللہ ہاشمی	اردو شرح کلیاتِ اقبال (مکمل) شرح کلیاتِ اقبال فارسی
05	صد شعرِ اقبال (فارسی)	صوفی غلام مصطفےٰ تبسم	اردو شرح فارسی کلامِ اقبال (منتخب کلام)

پیامِ مشرق کے منثور اردو تراجم

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مترجم/شارح	موضوع
06	پیامِ مشرق (اقبال) مع ترجمہ	میاں عبدالرشید	مکمل کلام
07	تسہیل پیامِ مشرق	احمد جاوید	مکمل کلام
08	انتخاب کلیاتِ اقبال فارسی	ایم رمضان گوہر	منتخب کلام
09	کلیاتِ اقبال فارسی	ڈاکٹر الف۔د۔نسیم	مکمل ترجمہ کلیاتِ اقبال (فارسی)
10	رومیِ عصر	محمد سعید شیدا	منتخب کلامِ اقبال
11	پیامِ مشرق	خرم شفیق/مزملہ شفیق	مکمل کلام
12	علامہ اقبال کی چند فارسی نظموں کا اردو روپ	ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا	منتخب کلام

پیامِ مشرق کے منظوم اردو تراجم

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مترجم/شارح	موضوع
13	انتخاب پیامِ مشرق	فیض احمد فیض	منتخب کلام
14	انتخاب پیامِ مشرق	حضور احمد سلیم	منتخب کلام
15	کلیاتِ اقبال فارسی (ترجمہ)	عبدالعلیم صدیقی	مکمل کلام
16	نوائے شرق	عبدالعلیم صدیقی	مکمل کلام
17	روحِ مشرق	عبدالرحمٰن طارق	مکمل کلام
18	اقبال منتخب فارسی کلام	انجم رومانی	منتخب کلام
19	خسرو اور اقبال	خالد حمید شیدا	منتخب کلام

20	لالۂ طور	حکیم سرو سہارنپوری	لالۂ طور کا منظوم ترجمہ
21	عکس لالۂ طور	ڈاکٹر عصمت جاوید	لالۂ طور
22	قنطار	رؤف خیر	لالۂ طور
23	منتِ ساقی	محمد سرور رجا	مئے باقی
24	پیامِ مشرق	سیّد احمد ایثار	مکمل پیامِ مشرق
25	پیامِ مشرق	مضطر مجاز	مکمل پیامِ مشرق
26	افکارِ اقبال	صابر ابوہری	منتخب کلام اقبال

پیامِ مشرق کی اردو شروح اور منثور و منظوم اردو تراجم کے مختصر کوائف

پیامِ مشرق کی اردو شروح

نمبر شمار	نام کتاب	صفحات	شارح/مترجم	دائرہ کار	شرح	فارسی	ترجمہ	مطلب	فرہنگ
01	شرح پیامِ مشرق	632	پروفیسر یوسف سلیم چشتی	مکمل پیامِ مشرق	✓	×	×	✓	×
02	شرح پیامِ مشرق	368	ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی	مکمل پیامِ مشرق	×	✓	✓	✓	✓
03	شرح پیامِ مشرق	235	پروفیسر حمید اللہ ہاشمی	مکمل کلیاتِ اقبال فارسی	×	✓	✓	✓	✓
04	شرح منتخب کلام اقبال (فارسی)	245	صوفی غلام مصطفیٰ تبسم	منتخب فارسی کلام	✓	✓	✓	✓	×

پیامِ مشرق کے منثور اردو تراجم

نمبر شمار	نام کتاب	صفحات	شارح/مترجم	دائرہ کار	شرح	فارسی	ترجمہ	مطلب	فرہنگ
01	پیامِ مشرق مع ترجمہ	419	میاں عبدالرشید	مکمل پیامِ مشرق	----	✓	✓	×	×
02	تسہیل پیامِ مشرق	713	احمد جاوید	مکمل پیامِ مشرق	----	✓	✓	×	✓
03	انتخاب کلیاتِ اقبال فارسی	272	ایم رمضان گوہر	منتخب فارسی کلام	----	✓	✓	×	✓
04	نسیم سلام شفق	238	ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم	مکمل پیامِ مشرق	----	✓	✓	✓	×
05	رومیِ عصر	172	محمد سعید شیدا	منتخب فارسی کلام	----	×	✓	×	×
06	پیامِ مشرق	40	خرم شفیق/مزملہ شفیق	مکمل پیامِ مشرق	----	×	✓	×	×
07	علامہ اقبال کی چند فارسی نظموں کا اردو روپ	4	ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا	منتخب کلام (چار نظمیں)	----	✓	✓	×	×

نوٹ:۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی، پروفیسر حمید اللہ ہاشمی اور صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کی شروح میں شامل تراجم ملا کر پیامِ مشرق کے منثور اردو تراجم کی کل تعداد دس (10) ہے۔

پیامِ مشرق کے منظوم اردو تراجم

نمبرشمار	نام کتاب	صفحات	شارح/مترجم	دائرہ کار	شرح	فارسی	ترجمہ	مطلب	فرہنگ
01	انتخاب پیامِ مشرق	211	فیض احمد فیض	منتخب کلام	×	✓	✓	×	×
02	انتخابات پیام مشرق	159	حضور احمد سلیم	منتخب کلام	×	✓	✓	×	✓
03	نوائے شرق	256	عبدالعلیم صدیقی	مکمل کلام	×	×	✓	×	✓
04	روحِ مشرق	246	عبدالرحمٰن طارق	مکمل پیامِ مشرق	×	×	✓	✓	×
05	اقبال کا منتخب فارسی کلام	32	انجم رومانی	منتخب فارسی کلام	×	×	✓	×	×
06	خسرو اور اقبال	65	خالد حمید شیدا	منتخب فارسی کلام	×	✓	✓	×	×
07	لالۂ طور	119	حکیم سرو سہارنپوری	لالۂ طور	×	✓	✓	×	×
08	عکس لالۂ طور	101	ڈاکٹر عصمت جاوید	"	×	✓	✓	×	×
09	قنطار	112	رؤف خیر	"	×	✓	✓	×	×
10	منتِ ساقی	152	محمد سرور رجا	مئے باقی	×	✓	✓	×	×
11	پیام مشرق	554	سید احمد ایثار	مکمل پیامِ مشرق	×	✓	✓	×	×
12	پیام مشرق	200	مضطر مجاز	مکمل پیامِ مشرق	×	×	✓	×	×
13	پیام مشرق	112	صابر ابوہری	منتخب فارسی کلام	×	✓	✓	×	×

اقبالیات

- بانگِ درا
- بالِ جبریل
- ضربِ کلیم
- شکوہ جواب شکوہ
- کلیاتِ اقبال (پاکٹ سائز)
- کلیاتِ اقبال (کلاں)
- کلیاتِ اقبال مع فرہنگ
- اشاریہ کلیاتِ اقبال مع فرہنگ
- اقبالِ کامل
- خطباتِ اقبال

00046788

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور